

www.KitaboSunnat.com

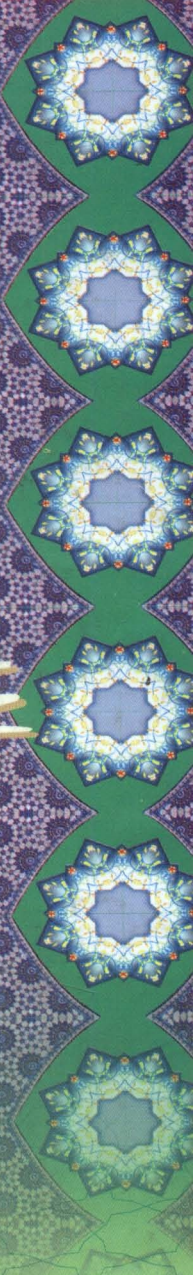
مفسر قرآن مجید شیخ عبداللہ بن عبدالحکیم

بذلغ الدین شاہ

الراشدی المکتبی السندی
رحمۃ اللہ علیہ

کے غزوات جلیلہ پر

شیخ اء العرب و اء العجم
صغیر



بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

معزز قارئین توجہ فرمائیں!

کتاب وسنت ڈاٹ کام پر دستیاب تمام الیکٹرانک کتب

← عام قاری کے مطالعے کے لیے ہیں۔

← مجلس التحقیق الاسلامی کے علمائے کرام کی باقاعدہ تصدیق و اجازت کے بعد آپ لوڈ (Upload)

کی جاتی ہیں۔

← دعوتی مقاصد کی خاطر ڈاؤن لوڈ، پرنٹ، فوٹوکاپی اور الیکٹرانک ذرائع سے محض مندرجات نشر و اشاعت کی مکمل اجازت ہے۔

☆ تنبیہ ☆

← کسی بھی کتاب کو تجارتی یا مادی نفع کے حصول کی خاطر استعمال کرنے کی ممانعت ہے۔

← ان کتب کو تجارتی یا دیگر مادی مقاصد کے لیے استعمال کرنا اخلاقی، قانونی و شرعی جرم ہے۔

﴿اسلامی تعلیمات پر مشتمل کتب متعلقہ ناشرین سے خرید کر تبلیغ دین کی کاوشوں میں بھرپور شرکت اختیار کریں﴾

← نشر و اشاعت، کتب کی خرید و فروخت اور کتب کے استعمال سے متعلقہ کسی بھی قسم کی معلومات کے لیے رابطہ فرمائیں۔

kitabosunnat@gmail.com

www.KitaboSunnat.com

فِيهَا كُتُبٌ قِيَمَةٌ

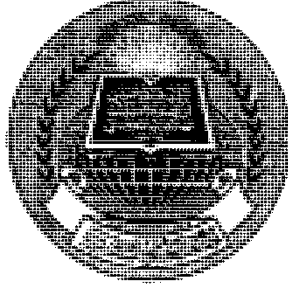
اچھی کُتب کے مطالعے ساتھ
اپنے دل اور
رُوح کی دُنیا کو
آباد کریں

- آپ کی زندگی کا رخ
- بدل دینے والی کُتب
- تحقیق و طباعت کے
- بہترین معیار کے ساتھ
- نامور مصنفین آپ کے قدم بقدم
- تفاسیر احادیث، سیرۃ النبی
- فتاویٰ اور مختلف موضوعات
- پر بُہت سی کُتب

صرف کتاب نہیں بلکہ اعلیٰ معیار بھی



بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ



مفسر قرآن مجید شیخ عبدالعزیز بن باز

بیع الدین شاہ

الراشدی المسکن السنہی
رحمۃ اللہ علیہ

کے قریبی جلیلہ پر
شیخ العرب والعجم نمبر

Monthly MUNAABIS Lahore

99-J Model Town, Lahore-54770

Phone: 5860-7, 5860-8

تنبیہ

اس خاص نمبر کے جملہ حقوق علمی و اشاعت بحق
جامعۃ بحر العلوم السلفیہ میرپورخاص محفوظ ہیں

WARNING

All rights reserved, No part of this "Magazine" shall be reproduced or transmitted in any form or by any means, electronically or mechanically, including photocopying recording or any information storage or retrieval system, without prior permission in writing from the "Jamia Bahr-ul-Uloom As-Salfia Mirpurkhas"

BAHR-UL-ULOOM



2007ء - سلسلہ اشاعت نمبر 9

مدیر
مجلہ

افتخار احمد تاج الدین
الازہری

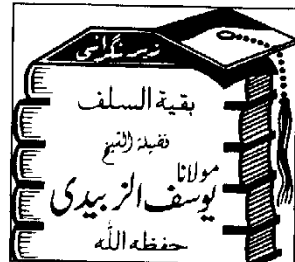
0346-2146470

2819552-0333

نائب
مدیر

شیخ عبداللہ سلیم جونیجو

0333-2984247



انتظامیہ کمیٹی

- | | |
|---------------------------------------|-------------------------------------|
| ✽ محترم جناب محمد رفیق ملقی صاحب | ✽ محترم جناب محمد رمضان رحمانی صاحب |
| ✽ محترم جناب پرویس عبدالعزیز مین صاحب | ✽ محترم جناب عبدالسمیع صاحب |
| ✽ محترم جناب محمد رمضان غوری صاحب | ✽ محترم جناب عبدالرحید صاحب |
| ✽ محترم جناب عبدالرزاق اکبر صاحب | ✽ محترم جناب ظفر الدین شیخ صاحب |
| ✽ محترم جناب عبدالحمید مغل صاحب | |

- | | |
|------------------------------|------------------------------------|
| ✽ مولانا محمد عارف اثری صاحب | ✽ مولانا قاری ذوالفقار احمد صاحب |
| ✽ مولانا محمد عمر اثری صاحب | ✽ مولانا قاری عبدالحمید صدیقی صاحب |
| ✽ مولانا محمد صابر صاحب | ✽ مولانا ریاض احمد مین صاحب |
| ✽ مولانا محمد انور شر صاحب | ✽ قاری رب نواز صاحب |
| ✽ قاری رب نواز صاحب | |

مجلس
مشاورت

جامعۃ بحر العلوم السلفیہ

زیر انتظام: مرکزی جمعیت اہل حدیث میرپورخاص

فون: 0233-861070



محتویات العدد

❁ تهنیتی پیغام

10 محترم پروفیسر ساجد میر رحمۃ اللہ علیہ امیر مرکزی جمعیت الحمدیث پاکستان _

❁ کلمۃ التحریر

شیخ العرب والعجم نمبر جامعہ بحر العلوم السلفیہ کی ایک عظیم سعادت

11 ادارہ _

❁ سوانح

راشدی خاندان کا تعارف اور سندھ میں ان کی دینی خدمات کا جائزہ

16 مولانا محمد خان محمدی _

حیات شیخ العرب والعجم امام سید ابو محمد بدیع الدین شاہ راشدی السندی رحمۃ اللہ علیہ

40 ابو جبر محمد اسلم سندھی _

سید بدیع الدین شاہ راشدی رحمۃ اللہ علیہ کے حالات زندگی

89 محترم محمد اسحاق بھٹی _

شیخ العرب والعجم امام سید بدیع الدین شاہ راشدی رحمۃ اللہ علیہ پیر آف جھنڈا

128 ابو القاسم رانا محمد جمیل خان _

حضرت مولانا سید بدیع الدین شاہ راشدی الحمدی المکی رحمۃ اللہ علیہ

155 پروفیسر میاں یوسف سجاد _

❁ شخصیت

آیۃ من آیات اللہ شیخ العرب والعجم سید بدیع الدین شاہ راشدی رحمۃ اللہ علیہ پیر آف جھنڈا

180 محترم حافظ صلاح الدین یوسف _

علامہ سید بدیع الدین شاہ راشدی رحمۃ اللہ علیہ عظیم محدث و محقق

187 حافظ عبدالمنان نور پوری _

پیر آف جھنڈا ممتاز عالم دین اور عظیم محدث

195 شیخ محمد رفیق اثری _

- 202 شیخ زبیر علی زئی _
- 211 افتخار احمد تاج الدین الازہری _
- 230 شیخ ابو طاہر حکیم محمد یوسف زبیدی _
- 235 عبدالرشید عراقی _
- 239 شیخ محمد حسین طاہری _
- 256 مولانا عبدالقیوم سندھی _
- 268 محمد اسلم توقیر فاضلپوری _
- 273 ابو عکاشہ عبدالجبار کھٹی _
- 285 سید نصرت اللہ شاہ _
- 287 محمد یحییٰ عزیز ڈاھروی _
- 291 حافظ عبدالکحیم _
- 297 عبدالرحمن مسین _
- شیخ العرب والعجم ابو محمد بدیع الدین شاہ راشدی رحمہ اللہ
- شاہ بدیع الدین راشدی رحمہ اللہ اور ان کی اجازت بالروایت
- شیخ بدیع الدین شاہ راشدی رحمہ اللہ
- پیر سید بدیع الدین شاہ راشدی رحمہ اللہ
- سید بدیع الدین شاہ راشدی رحمہ اللہ سلفیت کے حقیقی علمبردار
- آیت من آیات اللہ سید راشدی رحمہ اللہ
- شیخ العرب والعجم علامہ سید بدیع الدین شاہ راشدی السندھی رحمہ اللہ
- میرے دادا ابو
- علامہ سید بدیع الدین شاہ راشدی رحمہ اللہ
- ترجمۃ السید بدیع الدین شاہ راشدی الحسینی رحمہ اللہ
- علامہ سید ابو محمد بدیع الدین شاہ راشدی رحمہ اللہ اور ان کے مشاہیر معاصرین علمائے کرام

❁ تاثرات

- سیدنا وسندنا الشیخ بدیع الدین شاہ الراشدی رحمۃ اللہ علیہ بیٹے دنوں کی چند یادیں
- 306 شیخ الحدیث ارشاد الحق اثری _
- شیخ بدیع الدین شاہ راشدی رحمۃ اللہ علیہ سے چند ملاقاتیں
- 329 پروفیسر ڈاکٹر سہیل حسن _
- ایک عظیم محدث کی یاد میں
- 332 میاں محمد جمیل ایم۔ اے _
- حضرت پیر سید بدیع الدین شاہ راشدی رحمۃ اللہ علیہ بھولی بھولی یادیں
- 337 محمد یوسف انور _
- شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ الجامعۃ الحمدیۃ (نڈو غلام علی) سے چند خوشگوار یادیں
- 340 حافظ افضل ضیاء _
- ایک روحانی شام کا تذکرہ
- 349 ابوازکی محمد عثمان علوی _
- علامہ پیر ابو محمد بدیع الدین شاہ راشدی رحمۃ اللہ علیہ کی یاد میں
- 352 پروفیسر امیر الدین مہر _
- شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں چند یادگار لمحات
- 355 شیخ محبوب الہی _
- شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی جامعۃ بحر العلوم السلفیۃ سے جزی یادیں
- 358 افتخار احمد تاج الدین الازہری _
- اسلام آباد سے مکتوب
- 360 محمد خالد سیف _

❁ خدمات

- بدیع القاسم کے علمی و ادبی محاسن پر نگاہ
- 364 پروفیسر مولا بخش محمدی _

- 377 _ شیخ العرب والعجم علامہ السید بدیع الدین شاہ الراشدی رحمۃ اللہ علیہ کی تفسیری خدمات
..... مولانا عبدالرزاق ابراہیمی _
- 391 _ علامہ بدیع الدین شاہ صاحب راشدی رحمۃ اللہ علیہ اور ان کی بدیع التفسیر
..... ڈاکٹر وفا راشدی _
- 400 _ بدیع التفسیر کا مختصر اشاریہ (انڈکس)
..... منیر احمد جونیجو _
- 421 _ ابو محمد بدیع الدین شاہ راشدی رحمۃ اللہ علیہ تصنیفی میدان میں
..... مولانا محمد عارف اثری _
- 444 _ شیخ بدیع الدین شاہ راشدی رحمۃ اللہ علیہ اور ان کی حدیثی خدمات
..... افتخار احمد تاج الدین الازہری _
- 442 _ المکتبۃ الراشدیہ علامہ سید بدیع الدین شاہ راشدی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک عظیم کارنامہ
..... پروفیسر عبدالعزیز نہڑی _
- 482 _ جمعیت اہل حدیث سندھ کا قیام اور علامہ سید بدیع الدین شاہ راشدی رحمۃ اللہ علیہ کا کردار
..... پروفیسر محمد جمشید کنہر _
- 489 _ ضلع تھرپارکر میں شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی دعوتی و تعمیراتی خدمات
..... پروفیسر حافظ محمد کھٹی _
- 507 _ شیخ بدیع الدین شاہ راشدی رحمۃ اللہ علیہ اور ان کی زندگی کے اہم مناظرات اور دلچسپ واقعات
..... ابوالحسین عبدالرحیم سموں _
- 523 _ شیخ بدیع الدین شاہ راشدی رحمۃ اللہ علیہ کی تقاریر سے اقتباسات
..... محترم بشیر احمد انصاری ایم۔ اے _
- 529 _ شیخ العرب والعجم علامہ سید بدیع الدین شاہ راشدی رحمۃ اللہ علیہ کی لغت عرب میں غیر معمولی مہارت
..... مولانا شمیم الحق انصاری _
- 537 _ رکوع کی رکعت اور شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا موقف
..... مولانا محمد ابراہیم طارق _

✽ انٹرویوز

سید بدیع الدین شاہ راشدی رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جیسی تھی

546 پروفیسر عبداللہ ناصر رحمانی _

جمعیت اہل حدیث صوبہ سندھ کے امیر سید بدیع الدین شاہ راشدی رحمۃ اللہ علیہ سے بات چیت

551 ملاقات: محمد رمضان چانڈیو _

جمعیت اہل حدیث سندھ کے امیر پیر سید بدیع الدین شاہ راشدی رحمۃ اللہ علیہ سے بات چیت

555 ملاقات: یوسف وارثی عباسی _

✽ فتاویٰ

شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا ”نماز کے اہم مسائل“ اور ”طلاق ثلاثہ“ کے متعلق اہم فتویٰ

560 جمع و ترتیب: مولانا عبداللہ سلیم _

✽ علمی خطوط

علامہ سید بدیع الدین شاہ راشدی رحمۃ اللہ علیہ کے نام دنیا بھر سے علماء و مشائخ کے مکتوبات

574 جمع و ترتیب: مولانا محمد انور _

✽ نادر تحریریں

علامہ سید بدیع الدین شاہ راشدی رحمۃ اللہ علیہ کے تحریر کردہ مضامین میں سے چند ایک

590 جمع و ترتیب: مولانا محمد ریاض میمن _

✽ وفات حسرت آیات

599 جمع و ترتیب: مولانا محمد عمر کھوسہ _

علامہ سید بدیع الدین شاہ راشدی رحمۃ اللہ علیہ کا سفر آخرت

600 افتخار احمد تاج الدین الازہری _

جمعیت اہل حدیث پاکستان کا عظیم نقصان

604 محمد عبدالہادی المعری _

پیر سید بدیع الدین شاہ راشدی رحمۃ اللہ علیہ کی رحلت

608 محمد اسلم سیف فیروز پوری _

- برصغیر کی عظیم علمی و روحانی شخصیت کا انتقال پر ملال
- 610 مولانا عبداللہ گورداسپوری _
- حضرت مولانا سید بدیع الدین شاہ راشدی رحمۃ اللہ علیہ داعی اجل کو لبیک کہہ گئے
- 611 خلیل الرحمن قاضی _
- شاہ بدیع الدین راشدی رحمۃ اللہ علیہ کا سانحہ ارتحال
- 615 محمد بشیر الطیب _
- علامہ سید بدیع الدین راشدی رحمۃ اللہ علیہ کی رحلت
- 617 محمد یحییٰ عزیز ڈاھروی _
- شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی وفات
- 620 مولانا عبدالرحمن عاجز _
- علم و عمل کا چراغ سید بدیع الدین شاہ راشدی رحمۃ اللہ علیہ
- 621 نکلیل الرحمن ناصر _
- حضرت سید بدیع الدین شاہ راشدی رحمۃ اللہ علیہ رحلت فرما گئے
- 623 حافظ احمد شاکر _
- سید بدیع الدین شاہ راشدی رحمۃ اللہ علیہ پیر جہنڈا کا سانحہ ارتحال
- 626 محمود احمد غفصفر _
- وفات حسرت آیات
- 627 ادارہ محدث بنارس ہندوستان کا تعزیت نامہ _
- شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی وفات پر
- 628 جمعیت اہل حدیث بریڈ فورڈ (انگلینڈ) کا تعزیت نامہ _
- علامہ سید بدیع الدین شاہ راشدی رحمۃ اللہ علیہ کی وفات
- 629 مولانا عارف جاوید محمدی _
- شیخ العرب والعجم کی وفات
- 631 ابوالاقتشام حمزہ طور _

✽ تعزیت نامے

- ✽ علامہ سید بدیع الدین شاہ راشدی رحمہ اللہ کی وفات پر دنیا بھر کے مشائخ اور عقیدتمندوں کے تعزیتی خطوط
 جمع و ترتیب: مولانا ذوالفقار احمد کھوسہ _ 636

✽ سنڌي مضمون

- ✽ شاہ بدیع الدین راشدی رحمہ اللہ کجھ یادون کجھ ڳالهيون
 644 محمد اسماعيل ميمڻ
 ✽ شاہ صاحب رحمہ اللہ ۽ پيري مریدی
 649 مولانا عبدالجبار کوري
 ✽ جيء جھروکا
 659 مشتاق احمد منوالی
 ✽ اسماء الرجال جو امامر سيد بدیع الدین شاہ راشدی رحمہ اللہ
 674 امامر الدین جوڻيجو
 ✽ توحيد ۽ سنت نبوي ﷺ جي پرچار لاء خطيب حرم جي جاکوڙ
 678 مولانا محمد بلال جوڻيجو
 ✽ جنب گذاريم جن سان
 688 سيد عيسن شاہ هاشمي
 ✽ شيخ العرب والعجم جو جنازو اکين ڏٺو احوال
 707 پروفيسر عبدالغفار جوڻيجو
 ✽ آه علامہ پير بدیع الدین شاہ راشدی رحمہ اللہ
 722 ڊاڪٽر حسين بخش ميمڻ
 ✽ بطل جليل جو وڃورو
 727 پروفيسر مولا بخش محمدي
 ✽ علامہ سيد بدیع الدین شاہ راشدی رحمہ اللہ جي وڃوڙي ويل هڪ تاثر
 733 منصور ويراڳي

✽ اخباری بیانات

- ✽ جمع و ترتیب: قاری عبدالحمید صدیقی _ 738

مرکز جمعیت اہل حدیث پاکستان کے امیر محترم پروفیسر ماجد میر رحمہ اللہ کا تحفہ پیغام

7726933
7726656 (042)

7726933
7726656 (9992)

MARKAZI JAMIAT
AHL-E-HADITH
PAKISTAN



مرکزی جمعیت اہل حدیث پاکستان

106, Ravi Road, Lahore.

۱۰۶-راوی-رون-لاہور

DATE.....
REF.....

مدیر محترم
سہ ماہی بحر العلوم۔ میر پور خاص

السلام علیکم ورحمۃ اللہ

مجھے یہ جان کر بے حد مسرت ہوئی کہ جامعہ بحر العلوم میر پور خاص (سندھ) کا موقر مجلہ سہ ماہی "بحر العلوم" برصغیر کے نامور عالم دین، مفسر، محقق، محدث، مناظر، معتمد اور خطیب حضرت مولانا سید بدیع الدین شاہ راشدی (پیر آف جمنڈا) رحمہ اللہ کی شخصیت پر ایک عظیم الشان "شیخ العرب والعجم نمبر" اردو، عربی اور سندھی زبان میں شائع کرنے کا اہم اہم کام کر رہا ہے۔ مولانا مرحوم راشدی خاندان کے گل سرسبد تھے۔ ان کی دعوت تبلیغ اور درس و تدریس کا دائرہ ملک اور بیرون ملک تک پھیلا ہوا تھا۔ وہ دارالحدیث کراچی کے مدیر اور جامعہ العلوم انجمن میں بھی درس و تدریس کا فریضہ سر انجام دیتے رہے۔ سندھ کا کوئی قریہ، کوئی بستی اور کوئی نگر ایسا نہ ہوگا جہاں آپ نے توحید کا پرچار اور شرک و بدعات کا رد نہ کیا ہو۔ بلاشبہ ان کی تدریس و تدریس کے وسعت مطالعہ ان کی دینی بصیرت، علمی تحقیق، زہد و ورع اور تقویٰ و تدین کے اعتبار سے وہ اپنے بہت کم کا ہی کہہ سکتے تھے۔ آپ اپنے تہذیبی اعلم اور محضرتی اہل علم ہونے کے اعتبار سے علماء کرام کے مرکز و محور تھے۔ ان کی عظیم شخصیت ان کی دینی خدمات، ان کے تدریس اور مناظرانہ کارناموں، ان کے علمی رجحانات اور ان کے دینی علوم میں مجتہدانہ بصیرت کا یہ تقاضا ہے کہ ان کے مطالعہ اور ان سے استفادہ کرنے والے علماء ان کی شخصیت کے مختلف گوشوں کو موضوع بحث بنا کر ادراک و تحقیق دیں اور ان کی عظمت کا نہ صرف اعتراف کریں بلکہ ان پر مختلف اور متنوع مضامین لکھ کر ان کی عظیم علمی، دینی، تحقیقی، تدریسی، تبلیغی، اصلاحی، تقنینی و دینی خدمات کو درست خراج تحسین پیش کریں۔

مرحوم اردو عربی اور سندھی زبان میں بیسیوں کتابوں کے مصنف اور مولف تھے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ ان کی مطبوعہ اور غیر مطبوعہ کتابوں کو از سر نو ترتیب دے کر طبع کیا جائے تاکہ لوگ ان کی متنوع اور عظیم تصانیف جملہ اپنے اسلوب و تاثر کے اعتبار سے معاشرہ کی اصلاح و رہنمائی کے باب میں بلا امتیاز و تمیز ادا کر سکیں۔ حقیقت یہ ہے کہ مرحوم جس موضوع پر قلم اٹھاتے اس کا کوئی پہلو تشنہ نہ رہتا۔
مولانا راشدی مرحوم جب جمعیت اہل حدیث پاکستان کے امیر تھے۔ مجھے ان کے ساتھ بطور ناظم اعلیٰ کام کرنے کا موقع ملا۔ حقیقت بات یہ ہے کہ وہ علم و عمل کا یکجا اور بہت سی خوبیوں کے مالک تھے۔ اسی لئے عرب کے عظیم القدر علماء نے بھی ان کی علمی، تحقیقی اور مناظرانہ صلاحیتوں کا اعتراف کیا ہے۔

میری دعائیں اور دعا کہیں آپ کے ساتھ ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کا حامی و ناصر ہو۔

والسلام
(پروفیسر ماجد میر)

امیر مرکزی جمعیت اہل حدیث پاکستان

Fax: (9242) 7725525
Telex: 46424 KARAM PAK

فیکس: ۷۷۲۵۵۲۵ (۹۱۳۳)
ٹیلیکس: ۴۶۴۲۴ کرام پاک

شیخ العرب والعجم نمبر

جامعۃ بحر العلوم السلفیۃ

کی ایک عظیم سعادت

جامعۃ بحر العلوم السلفیۃ میرپور خاص صوبہ سندھ میں ایک منارۃ العلم ہے جس کی کرنیں سندھ کے اکثاف تک پھیلی ہوئی ہیں، جو عرصہ دراز سے دین حنیف کی مختلف شعبوں میں کام سرانجام دے رہا ہے ان شعبوں میں جامعۃ کا ایک شعبہ ”شعبہ نشر و اشاعت“ کا ہے، جس سے اب تک کئی کتابیں اور کتابچے شائع ہو چکے ہیں، گزشتہ تین برسوں سے جامعۃ سے ایک مجلہ سہ ماہی بنام ”بحر العلوم“ شائع ہو رہا ہے جس کے اب تک الحمد للہ ۸ مختلف موضوعات پر خاص نمبر شائع ہو چکے ہیں۔ ۲۰۰۶ء میں جامعۃ کی انتظامیہ کمیٹی نے فیصلہ کیا آئندہ ہر سال ایک نمبر کسی علمی شخصیت کے لئے خاص کیا جائے تاکہ آنے والی نسل کو ہمارے اسلاف کی خدمات اور ان کی دعوتی و تبلیغی مساعی اور ان کی کاوشوں کا تذکرہ کیا جائے تاکہ ہمارے نوجوان طالب علم اپنی زندگی کو اسی نیچ پر ڈھالیں، اور ان کے نقش قدم پر چل کر وہ مرتبہ و مقام حاصل کریں جو ان کو ملا۔

۲۰۰۷ء کو جس شخصیت کا انتخاب کیا ہے وہ ایک ایسی شخصیت ہے جس کو زمانہ یاد کرتا وہ چاہے صوبہ سندھ کا رہنے والا ہو یا پنجاب کا صوبہ سرحد کا باسی ہو یا بلوچستان کا رہائشی، برصغیر کا باشندہ ہو یا ایشیاء کا ساکن، عرب کا شیخ ہو یا عجم کا بنے والا، یورپ کا انگریز ہو یا افریقہ کا حبشی گویا کسی نے اگر ان کی کتاب پڑھی ہے وہ بھی آپ کو یاد کرتا ہے جس نے آپ کی تقریر سنی وہ بھی آپ کو یاد کرتا ہے، جس نے آپ کی دعوت کی وہ بھی آپ کو یاد کرتا ہے جس کی آپ نے میزبانی کی وہ بھی آپ کو یاد کرتا ہے۔ جس نے آپ کو دیکھا وہ بھی آپ کو یاد کرتا ہے، اور وہ ہے شخصیت راشدی خاندان کے چشم و چراغ اور گل سبد شیخ العرب والعجم ابو محمد بدیع الدین شاہ راشدی المکی رحمۃ اللہ علیہ کی جو علم و عمل کے بحر ذخائر تھے، ذکاوت و حیانت میں اعلیٰ، تحقیق و تدقیق میں

عظیم المثال، زہد و تقویٰ کا اعلیٰ نمونہ، تدریس و تالیف میں بے نظیر، تمام علوم و تقابلی ادیان و مذاہب میں ماہر و کامل، عظیم مبلغ، داعی کبیر، سلفیت کے حقیقی علمبردار، اخلاص اور بے لوثی کا مظہر مسلک اہلحدیث کا داعی، کانفرنسوں کی رونق بے داغ و کردار کے مالک جن کے چلے جانے کے بعد صوبہ سندھ حقیقی معنوں میں یتیم ہو گیا، جن کے بعد دعوت و تبلیغ کی رزم گائیں اجڑ گئیں بہر حال وہ ایک ایسی شخصیت تھی جو ہر میدان میں ایک قائد کی حیثیت رکھتے تھے۔

جامعۂ بحرالعلوم السلفیہ میر پور خاص کی یہ خوش قسمتی ہے کہ وہ ایسی بے مثال شخصیت پر نمبر شائع کر رہا ہے جس پر جتنا بھی فخر کریں وہ کم ہے مجلہ کے ایڈیٹر ہونے کے ناطے اپنے تمام تر واسطوں کے ذریعہ کوشش کی ہے کہ پاکستان کے نامور اہل قلم، شیوخ الحدیث، ادیب اور عقیدت مندوں سے شاہ صاحب جیسی شخصیت پر مضمون تحریر کرنے کے لئے عرض کروں۔

الحمد للہ جیسا ہی ان کو معلوم چلا انہوں نے اول فرصت میں شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت کے مختلف پہلوؤں پر مثلاً، سوانح، خاندانی پس منظر، شخصیت خدمات، ان کے علمی کارنامے، ان کی دعوتی و تبلیغی کاوشیں ان کی سماجی و تعمیراتی خدمات، وغیرہ وغیرہ پر اپنی اپنی نگارشات ارسال کی جو اس مجلہ کی زینت ہیں اب یہ مضامین کیسے ہیں؟ آپ کو کتنی معلومات فراہم کر سکے ہیں؟ اس کا فیصلہ آپ پر ہے۔

ہماری یہ اولین کوشش رہی ہے کہ یہ رسالہ افراط و تفریط اور مبالغہ سے پاک ہو اور تمام واقعات حقیقت پر مبنی ہوں ہم نے اس رسالہ کو مختلف حصوں میں تقسیم کیا ہے۔ اور رسالہ کے مضامین اردو سندھی اور عربی زبان پر مشتمل ہے، ہو سکتا ہے قارئین کو بعض جگہ تضاد نظر آئے مثلاً شاہ صاحب کی پیدائش کی تاریخ پر شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے جو خود لکھی ہے وہ ہے (۱۳۴۳) ذی الحجہ، بعض مضمون نگار ۱۹۲۴ء، بعض ۱۹۲۶ء اور بعض ۱۹۲۵ء لکھ رہے ہیں صحیح ۱۹۲۵ء ہے اسی طرح شاہ صاحب کی تصانیف کی تعداد میں اختلاف ہے کوئی زیادہ لکھ رہا ہے تو کوئی کم اس کی وجہ یہ ہے کہ بعض حضرات نے شاہ صاحب کی تقاریر کو کتابی شکل دی ہے انہوں نے اس کو کتاب شمار کیا جبکہ کتاب وہ ہوتی ہے جس کو مصنف نے خود لکھی ہو لحاظ یہ تضاد نہیں ہے اس طرح تفسیر کا کام کہاں تک ہوا تھا کوئی چودہ پارے لکھ رہا ہے تو کوئی تیرہ تو صحیح بات ہے تیرہ مکمل ہیں اور چودھویں کی ابھی

ابتداء ہی کی تھی کہ وقت اجل آ گیا اور علم کا پہاڑ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے خاموش ہو گیا آخر میں جامعہ کے تمام اساتذہ کرام کا شکریہ ادا کروں گا جنہوں نے رات دن میرے ساتھ اس رسالہ کی تیاری میں میرا ساتھ دیا اور عرق ریزی اور جاں فشانی کے ساتھ، ساتھ دیا اسی طرح تمام مضمون نگاروں کا جنہوں نے بڑی محبت اور محنت سے اپنی اپنی نگارشات تحریر کی۔

اسی طرح جن حضرات نے رسالہ کی اشاعت میں گرانقدر تعاون فرمایا اور اسی طرح جامعہ کی انتظامیہ کمیٹی کا جنہوں نے ہر قسم کا تعاون کیا اور جامعہ کے شعبہ نشر و اشاعت کا ساتھ دیا۔

فجزاھم اللہ عنا وعن جمیع المسلمین

معزز قارئین!

اس اشاعت خاص میں یقیناً غلطیاں ہوں گی اُمید ہے ہم کو آگاہ کریں گے تاکہ آئندہ کے ایڈیشن میں اس کی کمی کوتاہیاں اور غلطیوں کا ازالہ کیا جائے ہم آپ کی نشاندہی اور اصلاح کو خندہ پیشانی سے قبول کریں گے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کا حامی و ناصر ہو۔

والسلام
ریس التحریر



اَوْ عَلِمَ يَنْتَفِعُ بِهِ (عَنْ)

مكتبة دار الفکر

کتاب خانہ

کلام ترین مشہور

سلفیہ لائبریری

(کی قرآن)

لاہور کی قرآن شہداء احمدیہ

اور پ کرم ساس کا آئینہ

جامعہ کی طلباء کی بہتر تعلیم و تربیت کیلئے اس وقت جامعہ کی لائبریری کی تعمیر و توسیع کا منصوبہ آپ کی توجہ کا محط ہے۔

تعمیرات کی اہمیت

851666	کتاب خانہ	279
861333	کتاب خانہ	240-1
872774	کتاب خانہ	

کتاب خانہ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

کتاب وسنت کے اساسی مصادر پر مبنی اور مشتمل دعوت کافرلیضہ ہر صدی میں دنیا کے مختلف مقامات کے علمی مراکز میں انجام دیا جاتا رہا ہے۔ اس فرلیضہ دعوت کو جن اکابر اور اعظم نے انجام دیا ان کے تذکرے بھی محفوظ رکھے گئے ہیں۔ برصغیر میں وادی سندھ ان خوش بخت علاقوں میں سے ایک ہے جس میں انوار توحید کی بارش پہلی صدی ہجری کے اواخر میں ہوئی اور اس کی زوئیدگی اور شادابی سے پورا برصغیر مستفید ہوا۔ اس سلسلے میں سادات حسینی کا ایک قافلہ علم و عمل کی دعوت لے کر کاظمین سے سندھ میں داخل ہوا۔ اس کاروان دعوت کے ایک فرزند سید محمد راشد راشدی حسینی تھے جن کی پانچویں پشت میں دس جولائی ۱۹۲۵ء کو ایک ایسے فرد نے جنم لیا جنہیں آج ہم شیخ العرب والعجم سید بدیع الدین شاہ راشدی رحمۃ اللہ علیہ عرف پیر آف جھنڈا کے نام سے پہچانتے ہیں۔ جن کے عم زادوں میں موجودہ پیر صاحب لگا رہی شامل ہیں۔

یہ کوئی چار عشرے قبل کی بات ہے کہ مجھے پہلی مرتبہ لاہور میں ان سے ملاقات کی سعادت حاصل ہوئی۔ راقم کو اپنے خاندانی کتب خانے ”بیت الحکمت“ کی رعایت سے محترم شاہ صاحب کے کتب خانے کا تعارف تھا مگر آپ سے ملاقات کے بعد عقدہ کھلا کہ شاہ صاحب محترم بذات خود ایک چلتا پھرتا کتب خانہ ہیں۔ انہیں علم حدیث اور اس کے گل سرسبد اسماء الرجال سے ایک خصوصی شغف تھا۔ ان کی شخصیت سراپا علم کے قالب میں ڈھلی ہوئی تھی۔ وہ عقیدہ توحید میں کسی ملاوٹ یا مغاہمت کے قائل نہ تھے۔ الدین الخالص کے وہ جو یا تھے اور اسی کی پیش کش میں انہوں نے اپنی زندگی بسر کی۔ استحضار اور حافظے کا یہ عالم کہ تین ماہ میں قرآن مجید حفظ کر لیا۔ ان کی شخصیت لباس گفتگو اور طرز عمل کو دیکھیں تو صحابہ رضی اللہ عنہم کا عہد یاد آئے۔ ان کے اجداد کو تو شیخ الکل سید نذیر حسین محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اور شیخ حسین بن محسن انصاری رحمۃ اللہ علیہ جیسے اساطین علم سے استفادے کا موقع ملا۔ خود سید بدیع الدین شاہ صاحب کو بھی مولانا عبدالحق مہاجر کی، شیخ الاسلام ابو الوفا مولانا ثناء اللہ امرتسری اور حافظ عبد اللہ روپڑی رحمۃ اللہ علیہ جیسے جید اساتذہ سے اکتساب کے مواقع ملے۔ اکیس برس کی عمر میں روس کے جید عالم مولیٰ جارا اللہ سے دہلی میں عربی زبان میں دین اسلام کے اہم موضوعات پر گفتگو کی۔ مکہ المکرمۃ اور حرم کعبہ میں تدریس کی فضیلت حاصل کی اور درجنوں اسلامی ممالک کے طلبہ کی ذہنی آبیاری کی۔ وعظ و ارشاد، تعلیم و تدریس اور تحریر و

تصنیف کے میدان میں عظیم کارہائے نمایاں انجام دیے۔ چھوٹی بڑی تصانیف کا یہ عالم کہ عربی میں ساٹھ، سندھی میں اٹھائیس اور اردو میں انیس کتابوں کے مصنف ہیں۔ دنیا کے مختلف ممالک میں جن میں یورپ، امریکہ، انگلستان اور ڈنمارک بھی شامل ہیں، ہزاروں وعظ کیے۔ ان کی گفتگو میں استدلال اور حوالے کے استناد کی قوت تھی۔ مختلف نوعیت کی مخالفتوں اور آزمائشوں کے باوجود چراغ توحید کے انوار کو بلند کیا۔ قرآن مجید کی سندھی زبان میں عظیم تفسیر ”بدیع التفسیر“ دس جلدوں میں صرف چودھویں پارے کے ابتدائی رکوع تک لکھ سکے۔ شاہ صاحب کے والد گرامی سید احسان اللہ (م ۱۳/ اکتوبر ۱۹۲۸ء) کا ذاتی کتب خانہ جس میں نادر مخطوطات کی ایک بہت بڑی تعداد بھی شامل تھی اپنے عہد کا ایک ممتاز مرکز تھا، جس کی تعریف سید سلیمان ندوی نے ”یاد رفتگان“ میں کی ہے۔ خود شاہ صاحب بھی اس میں عمر بھر اضافہ کرتے رہے۔ حیدر آباد سندھ کے قریب نیو سعید آباد میں ”مدرسہ محمدیہ“ کے نام سے ایک ادارہ اور کتب خانہ قائم کیا اور دعوت دین کی انہی سرگرمیوں میں مصروف یہ آفتاب علم و عمل ۸ جنوری ۱۹۹۶ء کو ہمیشہ کے لیے غروب ہو گیا مگر اس کی علمی شفق کے جواہر پارے ابھی تک دعوت و تذکیر کا سامان فراہم کر رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے اس بندے کی مساعی کو قبول فرمائے اور وادی سندھ کے علمی اور عملی افتخار کو ان کی آرزوؤں کے مطابق تابدار اور تابناک بنائے۔ آمین یا رب العالمین۔

پروفیسر عبد الجبار شاہ

۲۴ جون ۲۰۰۷ء

ڈائریکٹر بیت الحکمت لاہور



أولئك آباءى فجننى بسلام
إذا أجمعتنا يا جبر السباع

سوانح

راشدی خاندان کا تعارف

اور سندھ میں انکی دینی خدمات کا جائزہ

برصغیر پاک و ہند میں بلاشبہ یہ فخر صرف سندھ کو حاصل ہے کہ اسلام کا روشن سورج جب ملک عرب کے خطہ غیر ذی ذرع اور ریتیلی سرزمین سے طلوع ہوا تو ان کی روشن و شفاف کرنیں سب سے پہلے وہیل (سندھ) کی سرزمین پر جا پڑیں۔ اور اسلام کی روشنی اسی راستہ سے اس ملک میں پھیلی، یہی وہ مقدس سرزمین ہے۔ جس کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، تابعین عظام اور تبع تابعین کے قدم بوسی کا شرف حاصل ہے۔ اور ان کے اجسام اطہر اس سرزمین میں مدفون ہیں۔ یہاں لشکر اسلام کے مبارک قدموں کے انمٹ نقوش اب تک قدیم کھنڈرات کی صورت میں دعوت فکر دے رہے ہیں۔ مجاہد اسلام محمد بن قاسم ثقفی رضی اللہ عنہ (متوفی) کا پہلا جہادی معرکہ سندھ کی سرزمین میں وقوع پذیر ہوا۔ جس کی مناسبت سے سندھ کو باب الاسلام کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔ اسلام کی دعوت و تبلیغ میں سندھ اور سندھی علماء کرام و مشائخ عظام اور محدثین رضی اللہ عنہم کی بڑی خدمات ہیں۔ سندھ کے ان علماء کرام و محدثین عظام کے نام اور ان کی گئی خدمات اور کاوشوں کو قلمبند کیا جائے تو ایک بہت بڑی اور ضخیم کتاب تیار ہو سکتی ہے۔ شخص یا خاندانی لحاظ سے سندھ کے علماء و محدثین کی ایک طویل فہرست موجود ہے۔ اسی فہرست میں ”راشدی خاندان“ کو بہت بڑا مقام و اہمیت حاصل ہے۔

سرزمین سندھ میں راشدی خاندان کی علمی اور دینی خدمات کسی بھی طرح کم نہیں ہیں۔ اس سلسلہ کا ایک ایک فرد در شہوار ہوتا آیا ہے۔ سندھ میں دوسرا خاندان شاز و نادر نظر آئے گا۔ جس نے علم کی اتنی خدمت کی ہو۔ علم و ادب کے ہر گوشہ میں اس خاندان نے گوہر پیدا کئے۔ تاریخ، سیرت، رجال، حدیث، فقہ، لغت، حکمت، فلسفہ، ادب و شعر میں مستند اور مانے ہوئے ماہر پیدا ہوئے۔ جنہوں نے علمی آبیاری سے پورے سندھ

☆ مدرس جامعہ شمس العلوم بدین، فارغ التحصیل جامعہ بحر العلوم السلفیہ ۱۹۹۱ء، مدیر المکتبۃ الحمدیہ لکھنؤ ضلع بدین، معروف مضمون نگار، و مترجم

کوسیراب کیا۔ اس خاندان کوسید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ (شہادت ۱۲۴۶ھ) اور شاہ اسماعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ (شہادت ۱۲۴۶ھ) اور ان کی جماعت مجاہدین کی میزبانی کا اعزاز بھی حاصل رہا ہے۔ (راشدی خاندان کا شجرہ فیض الدین شاہ ص ۱۵-۱۸)

راشدی خاندان کا خاندانی پس منظر

راشدی خاندان اصل میں سید علی مکی رحمۃ اللہ علیہ کی اولاد میں سے ہے۔ چوتھی صدی ہجری میں حضرت شاہ صدر کے دادا سید علی مکی جو اکابرین شیوخ اور اولیاء کبار میں سے تھے۔ اپنے ایک سو کے قریب رفقاء و معتقدین کے ساتھ کاظمین سے ہجرت کر کے تبلیغ اور اشاعت اسلام کے لئے سندھ میں تشریف لائے، سیوستان ضلع دادو میں جگہ ٹھوڑھے نامی پہاڑ کے دامن میں دریا کے کنارے ایک پرفضا اور خاموش بستی میں سکونت پذیر ہوئے۔ یہ گاؤں آگے چل کر سید علی مکی کے نام سے ”لک علوی“ کے نام سے مشہور ہوا۔ اور ان کی اولاد کو لکیری سادات کہا گیا۔ سادات کا یہ پہلا خانوادہ تھا جو سندھ کے لئے باعث شرف و زینت بنا۔ لکیری سادات کا خاندان اپنے علم و فضل اور شرافت کے اعتبار سے پورے سندھ میں ممتاز سمجھا جاتا ہے۔ (راشدی خاندان کا شجرہ ص ۲-۳، تذکرہ صوفیائے سندھ، اعجاز الحق قدوسی بحوالہ تذکرہ پیران پا گارہ۔ از تبسم چودھری ص ۸۶) لکیری سادات خاندان میں سے ”لکی شاہ صدر“ ”درگاہ شریف پیر گوٹھ“ ضلع خیرپور اور ”گوٹھ پیر چنڈہ“ (ضلع حیدرآباد) علمی و روحانی لحاظ سے بہت اہمیت کے حامل رہے ہیں۔ راشدی خاندان سید خدا بخش شاہ عرف کھٹن شاہ کی پشت میں سے ہے۔ اس بزرگ کی پانچویں نسل میں سید محمد بقا شاہ شہید رحمۃ اللہ علیہ انتہائی اعلیٰ درجہ کے صالح اور نیک سیرت انسان تھے۔ آپ کی سادگی کا یہ عالم تھا کہ ایک عمومی طور پر نیچے زمین کے کھلے فرش پر بیٹھتے تھے۔ جس کے سبب سے آپ کے مرید اور معتقدین آپ کو ”پٹ والے“ کے نام سے یاد کرتے تھے۔

سید محمد بقا شاہ

آپ سید امام شاہ کے ہاں ۱۱۳۵ھ میں پیدا ہوئے۔ چھوٹی عمر ہی میں علم کی طرف مائل تھے۔ آپ نے مختلف اساتذہ کرام سے علم حاصل کیا اور اس میں نام پیدا کیا۔ جب تحصیل علم و حصول کمالات سے فارغ

ہوئے تو تبلیغ دین اور خلق خدا کی خدمت و اصلاح کی طرف متوجہ ہوئے۔ چنانچہ دینی تعلیم کے ساتھ ساتھ لوگوں کو اصلاح نفس کی تعلیم بھی دیا کرتے تھے۔ آپ کا اصل گاؤں رسول پور شہر تھا جسے عرف عام میں ”ہندھی سعیدی“ (ضلع خیرپور) کہتے تھے۔ لیکن بعد میں وہاں سے ہجرت کر کے موضع رحیم ڈنہ کلبوڑ دیہہ فرید آباد ضلع خیرپور میں آ گئے۔ آپ کو دینی کتابوں سے بہت محبت تھی ان دنوں چونکہ چھاپہ خانے نہیں ہوتے تھے اور قلمی نسخے بہت نایاب اور گراں ہوتے تھے۔ موصوف نے مختلف جگہوں سے کم یاب و نادر مخطوطات کو حاصل کر کے اپنے ذاتی کتب خانے کی زینت بنایا۔ ذخیرہ کتب میں اضافہ کرنے کا شوق حد سے زیادہ تھا۔ اس شوق کی تکمیل کے لئے مختلف مقامات کا دورہ کیا کرتے تھے۔ آپ اپنی کتابیں ہمیشہ ساتھ رکھتے۔ سفر و حضر میں بھی ساتھ ہوتیں۔ جب کبھی تبلیغ کے لئے کسی اور جگہ جانا ہوتا تو بھی اپنی کتابیں ہمراہ لے جاتے۔ ایک مرتبہ آپ اپنی کتابوں کا ایک گٹھا سر پر رکھے سفر پر جا رہے تھے کہ راستے میں ڈاکوؤں نے آپ کو تاراکا اور یہ سمجھ کر کہ اس گٹھڑی میں ضرور کوئی چیز ہوگی۔ اور آپ پر حملہ کر دیا دنیا کی لالچ میں آ کر ان ڈاکوؤں نے آپ کو سفاکی سے شہید کر دیا۔ آپ کی شہادت کا یہ واقعہ ۱۱۹۸ھ میں پیش آیا۔ آپ کی عمر اس وقت ۶۳ سال کی تھی۔ آپ کی قبر شیخ طیب ریاست ضلع خیرپور سندھ میں ہے۔ آپ کی اولاد میں سے مشہور چار بیٹے ہوئے جن کے نام یہ ہیں۔ ① سید محمد راشد شاہ رحمۃ اللہ علیہ الملقب ”روضہ والا“ ② سید عبدالرسول شاہ رحمۃ اللہ علیہ ③ سید محمد سلیم شاہ ④ سید علی مرتضیٰ شاہ رحمۃ اللہ علیہ۔ بعض روایات کے مطابق آپ کے کل بیٹوں کی تعداد اٹھارہ بتائی گئی ہے۔ (راشدی خاندان کا شجرہ ص ۲-۳، تذکرہ پیران پا گارہ ص ۹۳-۹۵)

راشدی خاندان کے مورث اعلیٰ سید محمد راشد شاہ رحمۃ اللہ علیہ

سید محمد بقا شاہ رحمۃ اللہ علیہ کے آپ سب سے چھوٹے فرزند تھے۔ یکم رمضان ۱۱۷۰ھ میں پیدا ہوئے۔ آپ کی ولادت باسعادت گوٹھ رحیم ڈنہ کلبوڑ ضلع خیرپور میں ہوئی جہاں اُس وقت آپ کا سارا خاندان آباد تھا۔ اس گوٹھ کو اب پرانی درگاہ کہتے ہیں۔ (سید پیر علی گوہر شاہ راشدی کے دور میں اس گوٹھ کو دریا کی طغیانی سے خطرہ پیدا ہو گیا تھا۔ وہاں سے نقل مکانی کر کے موجودہ پیر گوٹھ میں اقامت اختیار کر لی جسے اب نئی درگاہ کہتے ہیں) آپ نے ابتدائی تعلیم اپنے والد ماجد سے حاصل کی، اس کے بعد ظاہری و باطنی علوم اس دور کے

بہت بڑے عالم محدث اور فقیہ الحاج فقیر اللہ علوی شکار پوری (متوفی ۱۱۹۵ھ) سے حاصل کی۔ مخدوم یار محمد محدث کوٹوی کبیر والے بھی آپ کے استاد بیان کئے جاتے ہیں۔ آپ نے آخر میں علوم دینیہ کی تکمیل لاڑکانہ سندھ کے گوٹھ آریجا کے ایک عالم مخدوم محمد سے کی۔ علامہ مخدوم محمد محدث استاد اکل کے لقب سے مشہور تھے۔ (سندھ کی اسلامی درسگاہیں، ڈاکٹر محمد جن ٹالپر ص ۳۳۶، الرجم مشاہیر سندھ نمبر ص ۲۳ جولائی ۱۹۸۸ء) دینی علوم سے فراغت کے بعد خاندانی خدمات کو آگے پھیلاتے رہے۔ اپنی کوشش و تبلیغ سے اس وقت مروجہ شرک و بدعت کی رسومات کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے۔ اپنی خاندانی حیثیت اور تبلیغ اسلام کی وجہ سے مژدہ سنتوں کا احیاء کیا۔ اور ان پر دوبارہ عمل کرنا شروع ہو گیا۔ سندھ میں سب سے پہلے مغرب نماز سے قبل دو رکعت سنت پڑھنے کا رواج آپ ہی نے ڈالا تھا۔ خود عمل کیا اور لوگوں کو بتلایا کہ یہ بھی رسول اللہ ﷺ کی سنت ہے۔ آپ کے ارشادات و فرامین کو آپ کے عقیدت مندوں نے ملفوظات کی شکل میں جمع کیا ہے۔ اس میں کئی ایسے واقعات ملتے ہیں جن سے آپ کی تبلیغ و اصلاح سے لوگوں میں سنت پر عمل کرنے کا ذکر ہے۔ (تذکرہ علماء اہل حدیث، محمد یوسف سجاد ص ۱۶۰، رموز راشدیہ ص ۱۳) اسی طرح ایک مرتبہ آپ اپنے مریدوں اور عقیدت مندوں کی ایک جماعت کے ساتھ دریا سندھ کی طرف جارہے تھے، تاکہ مسجد کی چھت کے لئے سرکنڈے کٹوائے جائیں، دوران سفر آپ نے اپنے عقیدت مندوں میں سے ایک کا ہاتھ تھام کر فرمایا کہ نبی ﷺ اکثر اوقات اپنے صحابہ کرام کے ہاتھوں میں اپنا ہاتھ دے کر سفر کیا کرتے تھے۔ آؤ آج ہم بھی اس سنت پر عمل کریں یہ ارشاد کرنے کے بعد آپ نے اس شخص کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں تھامے ہوئے تقریباً آدھ کوس تک سفر کیا۔ (ملفوظات روضہ دہنی بحوالہ تذکرہ پیران پا گارہ ص ۱۰۲) آپ ۶۳ سال کی عمر میں یکم شعبان ۱۲۳۳ھ کو فوت ہوئے۔ سید محمد راشد شاہ رحمہ اللہ کے اٹھارہ بیٹے تھے ان میں سے سید صبغت اللہ شاہ راشدی (اول) رحمہ اللہ اور سید محمد یاسین شاہ رحمہ اللہ نے بہت شہرت پائی۔

راشدی خاندان کا دو حصوں میں تقسیم ہونا

سید محمد راشد شاہ رحمہ اللہ نے جب اس دنیائے فانی سے رخت سفر باندھا تو ان کے دو بڑے بیٹے تھے۔ ایک سید صبغت اللہ شاہ اور دوسرے سید محمد یاسین شاہ رحمہ اللہ۔ سید محمد شاہ کی دونشائیاں تھیں۔ ایک گجڑی

اور دوسرا جھنڈا۔ یہ دونوں نشانیاں افغانستان کے بادشاہ تیمور شاہ کے بیٹے زمان شاہ نے آپ کی خدمت عالیہ میں سندھ میں دینی خدمات اور تبلیغ اشاعت اسلام کی خاطر ازراہ عقیدت پیش کی تھیں۔ آپ کی وفات کے بعد ان کے عقیدت مندوں نے فیصلہ کیا کہ پگڑی سید صیغت اللہ شاہ کے سر پر باندھ دی جائے اور جھنڈا سید محمد یاسین شاہ کو دے دیا جائے۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ اور پھر یہ خاندان دو حصوں میں بٹ گیا۔ ایک کی اولاد کو پیر پاگاڑہ کہا جانے لگا جب کہ دوسرے کی اولاد پیر جھنڈہ (صاحب علم) کہلائی۔ (تذکرہ علماء اہل حدیث ص ۵۰ ج ۲ مقدمہ بدیع التفاسیر پیش لفظ از پروفیسر محمد جمشید کنہر ص ۱۱)

راشدی خاندان کی شاخ پیر پاگاڑہ کا اجمالی تذکرہ

سید محمد راشد شاہ رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کے بعد ان کے سب سے بڑے بیٹے سید صیغت اللہ شاہ راشد رحمۃ اللہ علیہ ۱۱۹۳ھ میں پہلے پیر پاگاڑہ کی حیثیت سے اپنے والد ماجد کی مسند عالیہ پر فائز ہوئے۔ آپ نے تعلیم و تربیت گھر میں ہی اپنے والد سید محمد راشد سے حاصل کی یعنی علم آپ کو اپنے خاندان سے میراث کے طور پر حاصل ہوا۔ بچپن سے ہی اللہ کی عبادت، ذکر و فکر اور اسلام کی تبلیغ کے لئے اپنے آپ کو وقف کر دیا تھا۔ خاندانی، دینی خدمات اور تبلیغی سرگرمیوں کو جاری رکھا۔ وعظ و ارشاد میں مصروف رہے۔ بعض اوقات قرآن و حدیث سے وعظ فرماتے تھے۔ اپنے خاندانی رواج موجب اگرچہ حنفی المذہب تھے مگر اس کے باوجود کئی مسائل میں آپ کا اپنا اجتہاد تھا جو کہ قرآن و حدیث کے موافق ہوتا تھا۔ آپ کے زمانے میں علماء احناف میں اس بات پر اختلاف ظاہر ہو گیا کہ جمعہ کے دن جمعہ نماز کے بعد ظہر کی چار رکعتیں پڑھنی چاہئیں یا نہیں؟ اکثر علماء احناف کا فتویٰ تھا کہ ظہر کی چار رکعتیں پڑھنی چاہئیں، کیونکہ جمعہ نماز کے لئے شرط یہ ہے کہ وہ بڑا شہر ہو۔ اور اس میں اسلامی حکمران اسلامی قوانین بھی نافذ کرتا ہو۔ تو پھر جمعہ نماز پڑھنا فرض ہوگا۔ اگر بالفرض ایسا نہیں ہے اور پھر بھی جمعہ پڑھا گیا تو اسی مشکوک حالت میں احتیاطاً ظہر کی چار رکعات بھی پڑھی جائیں۔ اس کے مقابل آپ کا فتویٰ تھا کہ خلیفہ یا بادشاہ کی شرط غیر ضروری ہے۔ اس لئے جہاں بھی جمعہ کا وقت ہو جمعہ نماز پڑھ لینی چاہیے۔ آپ کے فتویٰ کی عبادت درج ذیل ہے۔

”وجبت الجمعة این ما كان المصر الذى ورد فی شانہ انا مدينة العلم و كان

الخليفة التي كافي حقه اني جاعل في الارض خليفه وكان الجماعة موجودا اعني مكان الذي سمي بجمع الجمع (خزينة المعرفة) ملفوظات) بحواله تذكره مشاهير سنده مولانا دين محمد وفاني ص ۱۰۸ جلد ۲)

پیر صغت اللہ شاہ راشدی اپنے دور کے بہت بڑے عالم باعمل تھے۔ آپ بہت بڑے علمی کتب خانہ کے بھی مالک تھے۔ جس میں نادر و نایاب کتابیں جمع کی تھیں۔ سید احمد شہید رحمہ اللہ کے نواسے سید حمید الدین ان کے کتب خانہ کے بارے میں فرماتے ہیں کہ ”ان کا کتب خانہ بڑا عجیب و غریب تھا۔ سلاطین و امراء کے پاس بھی ایسا کتب خانہ نہ ہوگا۔ پندرہ ہزار جلد کتب معتبرہ اس میں موجود ہیں۔ ایک سو دیوان فارسی کے ایرانی خط میں مطلقا، پینٹھ جلدیں معتبر تفسیروں کی، شاہنامہ فردوسی کے پانچ نسخے جن میں سے تین مصور و مطلقا تھے۔ حدیث کی تمام معتبر کتابیں مع شروح، جامع الاصول تیسیر الوصول، احیاء العلوم اور فتوحات مکیہ کے تین تین نسخے اور سب جلدیں شاہانہ ہیں (سیرت احمد شہید از غلام رسول مہر ص ۲۶۰ ششم/اول) حدیث کے ساتھ آپ کی محبت کا یہ عالم تھا کہ شاہ فقیر اللہ علوی کی وفات کے بعد ان کے کتب خانہ سے صحیح بخاری کا ایک نسخہ آپ نے تبرکاً منگوا لیا۔ جب لوگ اس نسخے کو لے کر آئے تو پیر صغت اللہ شاہ نے اپنے کئی عقیدت مندوں اور مریدوں کے ساتھ اپنے والد کے استاد کے اس نسخے کا استقبال کیا۔ اور اس نسخہ کے حصول کو اپنی خوش قسمتی سمجھا۔ (تذکرہ صوفیائے سندھ اعجاز الحق قدوسی ص ۲۷۰-۲۷۱، تفسیر بدیع التفسیر، سید بدیع الدین شاہ ص ۵۱۲ جلد ۲) سید صغت اللہ شاہ راشدی رحمہ اللہ اہل علم ہونے کے ساتھ ساتھ صاحب سیف بھی تھے۔ آپ نے بیٹھار جہادی تحریکوں میں حصہ لینے کی خاطر اپنے عقیدت مندوں کی ایک فوج ظفر موج بھی تیار کی تھی جن کو مقامی زبان میں ”حر“ کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔ متحدہ پنجاب پر سکھوں کا قبضہ اور وہاں کی مسلم آبادی پر جو مظالم کئے جا رہے تھے آپ ان سے پوری طرح باخبر تھے، اور یہ خطرہ بھی محسوس ہو رہا تھا کہ سکھ آگے بڑھ کر سندھ پر حملہ آور نہ ہوں۔ آپ کی ملفوظات سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ آپ جہاد کا مصمم ارادہ بھی رکھتے تھے۔ سید صاحب اپنے عقیدت مندوں کو جو وعظ و ارشاد فرماتے تھے ان میں جہاد کی فضیلت پر زور دیتے تھے۔ آپ کے جو عقیدت مند اور مرید دور دراز علاقوں میں رہتے تھے ان کی طرف تحریری طور پر خطوط

اور دعوت نامے ارسال کرتے تھے (ملفوظات سید صغت اللہ شاہ قلمی بمملکت سندھی ادبی بورڈ حیدر آباد بحوالہ مجلہ الرحیم مشاہیر سندھ نمبر ص ۲۷)

علامہ سید صغت اللہ شاہ راشدی رحمہ اللہ نہ صرف صاحب علم و فضل تھے بلکہ آپ مجاہدانہ عادات و خصائل کے مالک بھی تھے۔ سید احمد شہید و شاہ اسماعیل شہید کے ہم مسلک و رفیق خاص بھی تھے۔ ان کی تحریک جہاد کے معاون اور اہم رکن تھے۔ ”حروں“ کے روحانی پیشوا تھے۔ بلاشبہ ان کے لاکھوں مرید تھے۔ جوان کے حکم پر جان نچھاور کرنے کے لئے ہمہ وقت تیار رہتے تھے۔ سید حمید الدین رحمہ اللہ آپ کے متعلق لکھتے ہیں ”باشندگان سندھ کے نزدیک سارے ملک میں اس جیسا شیخ و مرشد کوئی نہیں قریباً تین لاکھ بلوچ (سندھی) مرید ہیں۔ رجوع خلق عام ہے۔ جاہ و جلال میں زندگی گزار رہے ہیں۔ جو دو کرم اور اخلاص و مروت میں بھی شہرہ آفاق ہیں۔ (سید احمد شہید۔ غلام رسول مہر ص ۲۹۰) سید احمد شہید جب اپنے مجاہدین کے ساتھ صوبہ سرحد کی طرف روانہ ہوئے تو راجھستان کی راہ سے سندھ میں داخل ہوئے۔ کیونکہ یہ راستہ نسبتاً محفوظ تھا اور انہیں حضرت سید صغت اللہ شاہ (اول) کے افکار و نظریات کی اطلاع پہلے سے ہی مل چکی تھی۔ اس لئے انہوں نے سید صغت اللہ شاہ راشدی سے ملاقات کی خاطر رانی پور (سندھ) کا ارادہ کیا تاکہ وہاں سے پیر گوٹھ جاسکیں۔ حسن اتفاق ہے کہ انہی دنوں سید صاحب بھی اپنے ایک سو کے قریب عقیدت مندوں کے ہمراہ رانی پور میں تشریف فرما تھے۔ یہیں ان دونوں کی پہلی ملاقات ہوئی۔ آپ نے پیر گوٹھ چلنے کی دعوت دی۔ جسے سید احمد شہید نے بخوشی قبول کیا۔ پیر صاحب کو اس جگہ کسی کام کے لئے مزید ایک دو روز ٹھہرنا تھا۔ اس لئے آپ نے سید احمد شہید اور ان کی جماعت مجاہدین کو اپنے بھائی کے ساتھ پیر گوٹھ بھیج دیا۔ جہاں سید احمد شہید اپنے رفقاء کے ساتھ ۱۸۲۶ء پہنچ گئے۔ سید صغت اللہ شاہ راشدی رحمہ اللہ اور آپ کے بھائیوں اور مریدوں نے ان غازیوں اور مجاہدین کی مہمان نوازی اور خاطر و مدارت میں کسی قسم کی کوئی کسر باقی نہ چھوڑی۔ اسی جہاد کے لئے پیر صاحب نے سید احمد شہید اور شاہ اسماعیل شہید والوں کی ہر قسم کی امداد کی۔ سید احمد شہید اور ان کی جماعت مجاہدین پیر گوٹھ (سندھ) میں تقریباً تیرہ دن قیام فرمایا۔ اس کے بعد وہاں سے شکار پور کی راہ لی تاکہ بلوچستان اور افغانستان کی حدود کے ساتھ ساتھ پشاور پہنچ سکیں۔ (تذکرہ پیران پگارا ص

(۱۱۹-۱۲۰)

سید احمد شہید اور شاہ اسماعیل شہید اپنے اہل و عیال سید صغت اللہ شاہ راشدی کے سپرد کر کے جہاد کے لئے انگریز اور ان کے حلیف رنجیت سنگھ سے لڑنے کے لئے پشاور کی طرف روانہ ہوئے۔ آپ کا حرم (اہل و عیال) ۱۲۳۲ھ مطابق ۱۸۱۷ء کو پیر گوٹھ پہنچا۔ (ماہنامہ شریعت سکھر سوانح نمبر ص ۳۹۹) بالآخر علم و عمل کے یہ پیکر جہاد اور مجاہدین کے حامی و ناصر سید صغت اللہ شاہ راشدی رحمہ اللہ نے ۱۲۳۶ھ کو اس بزم فانی کو ہمیشہ کے لئے الوداع کہا۔

سید علی گوہر شاہ راشدی (اول) المعروف ”بنگلہ والے“ پگڑہ دوم

سید صغت اللہ شاہ راشدی کی وفات کے بعد آپ کے فرزند ارجمند سید علی گوہر شاہ راشدی کو سجادہ نشین بنایا گیا۔ سید علی گوہر اپنے والد محترم کے چودھویں فرزند تھے۔ والد صاحب ان کے ساتھ حد سے زیادہ شفقت و محبت کیا کرتے تھے۔ ان کی طرف قلبی میلان بھی تھا۔ آپ کے اوصاف حمیدہ و اطوار جمیلہ کو محسوس کرتے ہوئے خصوصی توجہ عنایت فرماتے تھے۔ ان کی تعلیم و تربیت کے لئے خاص اہتمام کیا گیا۔ جس کی وجہ سے والد ماجد کی وفات کے بعد آپ کو آپ کے بھائیوں نے اتفاق سے دستار بندی کرائی۔ اور ”پیر پگاڑہ دوم“ کا لقب دیا گیا۔ اس وقت صاحبزادے کی عمر پندرہ سال تھی۔ سید علی گوہر شاہ راشدی ۱۲۳۱ھ کو پیدا ہوئے اور ۱۲۶۸ھ کو وفات کر گئے۔

سید حزب اللہ شاہ راشدی المعروف ”تخت والے“ پیر پگاڑہ سوم

سید علی گوہر شاہ پگاڑہ دوم کی وفات کے بعد ان کے فرزند ارجمند سید حزب اللہ شاہ راشدی رحمہ اللہ کو پیر پگاڑہ سوم کی حیثیت سے مسند پر مقرر کیا گیا۔ آپ ۱۲۵۸ھ میں پیدا ہوئے۔ خاندانی رسوم کے مطابق ابتدائی تعلیم اپنے گاؤں پیر گوٹھ میں آخوند محمد سے حاصل کی اس کے بعد اس وقت کے مشہور محدث علامہ حاجی عیسیٰ سے علوم دینیہ مکمل کی۔ آپ کو بھی اپنے خاندانی اکابرین کی طرح کتابیں جمع کرنے کا حد سے زیادہ شوق تھا۔ ہندوستان اور ایران سے انتہائی خوشخط اور طلائی منقش کتابیں آپ کی دربار میں فروخت کے لئے پیش ہوتیں۔ مہنگے داموں اور گراں قیمتوں سے وہ کتابیں آپ بڑے شوق سے خریدتے تھے۔ (تذکرہ مشاہیر

سندھ مولانا دین محمد وفائی ص ۱۸۲ جلد ۱) سید حزب اللہ شاہ راشدی رحمۃ اللہ علیہ نے شعر و شاعری میں بھی طبع آزمائی فرمائی آپ نے شاعری میں اپنا تخلص ”مسکین“ رکھا۔ آپ کی فارسی شاعری کا مجموعہ ”دیوان مسکین“ کے نام سے مشہور ہے۔ سید حزب اللہ شاہ راشدی رحمۃ اللہ علیہ ۱۳۰۸ھ کو فوت ہوئے۔

سید علی گوہر شاہ (ثانی) المعروف ”پاکلی والے“ پیر پگاڑہ چہارم

سید حزب اللہ شاہ راشدی رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کے بعد خاندانی رسوم کے مطابق ان کے سب سے بڑے بیٹے شمس العلماء سید علی گوہر شاہ (ثانی) پگاڑہ چہارم کی حیثیت سے مسند نشین بنے۔ تھوڑے ہی عرصہ بعد آپ بیمار ہو گئے اور ۱۳۱۴ھ کو فوت ہو گئے۔ آپ بغیر اولاد کے فوت ہوئے۔ (تذکرہ مشاہیر سندھ ص ۱۸۵ جلد ۱)

سید شاہ مردان شاہ (اول) المعروف ”کوٹ والے“ پیر پگاڑہ پنجم

سید علی گوہر شاہ ثانی کے لاولد فوت ہونے کے بعد آپ کے دوسرے بھائی سید شاہ مردان شاہ (اول) کو پیر پگاڑہ پنجم کی حیثیت سے گدی نشین بنایا گیا۔ سید شاہ مردان شاہ اول ۱۲۷۹ھ بمطابق ۱۸۶۰ء کو سید حزب اللہ شاہ کے گھر پیدا ہوئے۔ آپ اپنے والد کے فرزندوں میں چوتھے نمبر پر تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو دینی علوم سے نوازا تھا۔ علماء و مشائخ کے قدردان تھے ان کی بڑی عزت اور مالی معاونت بھی فرماتے تھے۔ سید شاہ مردان شاہ راشدی نے اپنے گاؤں پیر گوٹھ (ضلع خیرپور) میں ایک علمی و دینی درسگاہ بنام ”الجامعہ الراشدیہ“ کی بنیاد ڈالی جو علمی و تبلیغی لحاظ سے بہت بڑا کارنامہ ہے۔ سید شاہ مردان شاہ (اول) کو اندرونی اختلافات کی بناء پر زہر دے کر شہید کیا گیا۔ آپ منگل کے دن ۷ ربیع الاول ۱۳۴۰ھ مطابق ۱۹۲۱ء کو وفات کر گئے۔ (مقدمہ بدیع التفاسیر پیش لفظ از پروفیسر محمد جمن کلکھر ص ۱۴)

سید صبغت اللہ شاہ (ثانی) المعروف ”پیڑی والے“ پیر پگاڑہ ششم

سید شاہ مردان شاہ (اول) کی وفات کے بعد ان کی وصیت کے مطابق ان کے سب سے چھوٹے بیٹے سید صبغت اللہ شاہ (ثانی) راشدی کو بارہ سال کی عمر میں پیر پگاڑہ ششم کی حیثیت سے مسند نشین بنایا گیا۔

آپ ۱۳۲ھ کو سید شاہ مردان شاہ راشدی کی حویلی میں پیدا ہوئے۔ آپ کا لقب ”پگ دھنی“ (یعنی پگڑی والا) ہے۔ ابتدائی حالات پردہ اخفا میں ہیں۔ اخفا کا پردہ اس لئے پڑا ہوا ہے کہ اس وقت جابر حکمران انگریز کی حکومت تھی۔ ان کے خوف سے کوئی بھی ان کے مخالفین کا تذکرہ علی الاعلان کرنے کی ہمت نہ رکھتا تھا۔ اخبارات تو گویا انگریز سرکار کی ہمنوا اور لطف و کرم سے زندہ تھے۔ اس سلسلہ میں جناب ڈاکٹر نبی بخش بلوچ صاحب حیات سہ ماہی مہراں کی سوانح نمبر میں سید صبغت اللہ شاہ شہید کی سوانح حیات کا تذکرہ کرتے ہوئے رقمطراز ہیں۔ ”سندھ کے اس مرد جری کی شخصیت اور کردار پر انگریز حکومت کے یکطرفہ پروپیگنڈہ نے جو پردے چڑھا رکھے ہیں۔ ان کی دیز تہوں میں سے صرف وطن پرست نگاہیں ہی حقیقت تک پہنچ سکتی ہیں۔ انگریز کے سایہ عاطفت میں پرورش پانے اور شائع ہونے والے اخبار اور رسالے اس باغی کے خلاف جو کچھ لکھنا چاہتے تھے جی کھول کر لکھتے رہے۔ دوسری طرف اس شیر و جری کے ابتدائی حالات ویسے بھی کہیں سے دستیاب نہیں ہو سکے۔ جن سے آپ کی شخصیت اور عزائم کا پورا پورا علم ہوتا۔ ہاں آپ کے خاندانی ماحول کے پیش نظر بہت کچھ اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ (مہراں سوانح نمبر ص ۲۵۳) آزادی و حدیث کی تڑپ آپ کو اپنے آباؤ اجداد کی طرف سے ورثے میں ملی تھی۔ سید صبغت اللہ شاہ (ثانی) راشدی رحمہ اللہ شروع سے ہی جرات مند اور مستحکم ارادے کے مالک تھے، اور کسی صورت میں بھی دوسروں کے دباؤ کا اثر قبول کرنے کے لئے تیار نہیں ہو سکتے تھے۔ اس لئے آپ کے مضبوط اقدام و ارادے کو دیکھ کر مفاد پرستوں کی امیدوں پر پانی پھر گیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ آپ کے خلاف دھڑے بندی اور گروپ بندی کا آغاز ہو گیا اور آپ کے کئی قریبی عزیز انگریز حکومت کے کارپردازوں سے مل کر آپ کو زک پہنچانے میں مصروف ہو گئے۔ (تذکرہ پیران پا گارہ ص ۱۶۶)۔ سید صبغت اللہ شاہ (ثانی) راشدی لڑکپن کی عمر میں جب آپ پیر پگاڑو بن چکے تھے۔ اپنے چچا مرحوم پیر علی گوہر شاہ (ثانی) کے نام پر انگریزوں کا دیا ہوا ”آفرین نامہ“ (شوقیٹ) بنگلے کی دیوار پر آویزیں دیکھ کر کہا ”ہمارے بزرگ بھی کس قدر سادہ لوح تھے۔ خداوند تعالیٰ نے ان لوگوں کو بڑی عزت بخشی تھی۔ لیکن پھر بھی یہ آفرین نامہ موجود ہے۔“ اس کے بعد فریم کو توڑ کر آفرین نامہ ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ یہ آپ کی خودداری، عزت نفس، حریت پسندی اور خاندانی وجاہت کا منہ بولتا شاہکار ہے۔ (مہراں سوانح نمبر

ص ۱۶۶) جب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ انگریز کی اس حکومت کا آفرین نامہ ایک نوجوان نکلے کر رہا ہے۔ جس کی حکومت کا سورج کبھی غروب نہ ہوتا تھا۔ تو اس نوجوان بہادر و جری کی خودداری، عزت نفس، حریت پسندی اور عظمت کے لئے ہمارے سوا احترام سے جھک جاتے ہیں۔

سید صبغت اللہ شاہ ثانی انگریز سرکار کے خلاف اٹھنے والی ہر تحریک میں نہ صرف خود بھی شریک ہوئے۔ بلکہ آپ کی تیار کردہ فوج جن کو عرف عام میں ”حر“ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ اس نے بھی دستہ اول کی حیثیت سے فرائض سرانجام دیئے۔ وطن کی آزادی اور اس کی تقدس کی بحالی بھی اس مرد مجاہد و جری انسان کی خدمات و شجاعت کو قلمبند کرنے کے لئے علیحدہ کتاب درکار ہے۔ اس میں شامل ان کی جماعت کی خدمات اور گراں قدر کارہائے نمایاں اور ان میں شامل ہر ایک فرد کا مفصل تعارف تو کجا ذکر دشوار بھی تھا کہ دینے والا کام ہے۔ انگریز حکومت نے آپ کو پابند سلاسل کیا، بغاوت کے الزام میں مسٹر جارج ششم کے نمائندوں نے جان کی سزا مقرر کی تو حکومت وقت نے اپنے ایک قاصد کے ہاتھوں پیغام بھیجا کہ اگر آپ اپنے اس عمل و عزائم پر نادم و پشیمان ہو، نیز مستقبل میں وفاداری کرنے کا عہد کر دو تو آپ کو مع آپ کے عقیدت مندوں کو جان کی امان بخشی جائے گی۔ لیکن پیر صاحب نے وطن کی آزادی کے امام ہونے کے ناتے سے فرنگیوں کی مکارانہ پیشکش کو ٹھکرا دیا بالآخر ۲۰ مارچ ۱۹۴۳ء کی صبح کو بغاوت کے الزام میں آپ کو تختہ دار پر لٹکا دیا گیا۔ اور شہید کر دیئے گئے۔ (مقدمہ بدیع التفاسیر ص ۱۵)

سید شاہ مردان شاہ (ثانی) راشدی عرف سکندر علی شاہ پیر پگاڑہ ہفتم

سید صبغت اللہ شاہ (ثانی) کی شہادت کے بعد آپ کے فرزند ارجمند سید شاہ مردان شاہ (ثانی) معروف سید سکندر علی شاہ راشدی خاندانی رسم و رواج کے مطابق پیر پگاڑہ ہفتم (ساتویں) کی حیثیت سے گدی نشین ہوئے۔ موصوف بقید حیات ہیں، خاندانی لحاظ سے آج بھی حروں کے مذہبی و روحانی پیشوا کی حیثیت سے ملک بھر میں متعارف ہیں، ملکی سیاست میں آپ کو مرکزی حیثیت حاصل ہے، پورے ملک کے طول و عرض میں خاندانی خدمات کی حیثیت سے انتہائی عزت و احترام کی نگاہوں سے دیکھے جاتے ہیں۔

راشدی خاندان کی دوسری شاخ ”پیر جھنڈا“ کے اکابرین کا اجمالی تعارف

تجدید احیائے دین و سنت نبوی کے زندہ کرنے کی کوششوں کے سلسلے میں ہم آپ کی خدمت میں سرزمین سندھ کے ایک ایسے خاندان کی حیثیت سے جو نہ صرف تاریخ اسلام میں بلکہ تاریخ سندھ میں بھی ایک منفرد مقام کا حامل ہے۔ جو بیک وقت مذہبی، روحانی اور عسکری قوتوں کا حسین امتزاج ہونے کے ساتھ ساتھ ایک باقاعدہ تحریک کی صورت میں آج تک زندہ و تابندہ ہے۔ اس خاندان کے فیوضات و انوار کی پہلی کرن آج سے تقریباً ایک ہزار سال پیشتر اس سرزمین پر ضوئنگن ہوئی اور اس وقت سے لے کر آج تک علم و عرفان، زہد و تقویٰ، ایثار و قربانی اور عملی جہاد کے چراغ مسلسل روشن کرتی رہی ہے۔ اس خاندان کی داستان کبھی مسجد و محراب اور مدرسہ کے در و درپچھ کے خوشنما نقوش سے مزین دکھائی دیتی ہے اور کبھی شمشیر و سنان اور دار و رسن کی خونی لکیروں سے منقش نظر آتی ہے۔ یہ خاندان راشدیہ کا وہ جلیل القدر ”جھنڈائی خاندان“ ہے۔ جو سید علی لکھاری کے سندھ میں ورود سے لے کر آج تک اس سرزمین میں روشنی کے مینار کی حیثیت رکھتا ہے۔ سندھ میں قرآن و حدیث کی دینی اہمیت کو واضح کرنے، مشرکانہ رسومات و بدعات کے خلاف جہاد اور علم کی شمع روشن کرنے میں جھنڈائی خاندان کی مساعی جمیلہ و خدمات کثیرہ ناقابل فراموش ہیں۔ مختصر طور پر اس سلسلہ عالیہ کے اکابرین کا تذکرہ پیش خدمت ہے۔

سید محمد یاسین شاہ راشدی ”پیر جھنڈہ“ والے اول

آپ ۱۲۱۲ھ میں پیدا ہوئے، ابتدائی تعلیم و تربیت اپنے والد ماجد سید محمد راشد شاہ رحمہ اللہ سے حاصل کی، تکمیل تعلیم کے بعد خدمت دین و تبلیغ میں مصروف ہو گئے۔ قرآن و حدیث کی روشنی میں دعوت و اصلاح کا کام جاری رکھا، آپ کے خاندان یا جماعت میں جو بدعات، رسومات و خرافات رواج پذیر تھیں، ان کی اصلاح قرآن و حدیث کے ذریعہ احسن انداز میں کرتے رہے (تذکرہ مشاہیر سندھ ص ۱۶۶ جلد ۱) آپ نے اپنے ارشادات و فرامین کو ملفوظات میں جمع کیا جس کا نام ”صراط الطالبین“ رکھا، سید محمد یاسین شاہ راشدی نے اپنے آبائی گاؤں پیر گوٹھ سے نقل مکانی کر کے ۱۲۶۸ھ میں موجودہ گاؤں پیر جھنڈو ضلع حیدرآباد میں قیام پذیر ہوئے۔ آپ ۱۳۱۵ھ رجب ۱۵ میں لاڑ (موجودہ ضلع بدین) کے سفر کے لئے روانہ ہوئے تحصیل گھوٹی

کے گاؤں راجو خانانی میں فوت ہو گئے۔ اس سفر میں آپ کے ہمراہ آپ کے فرزند گرامی سید رشید الدین شاہ، سید صدیق رسول شاہ اور حاجی سید ہدایت اللہ شاہ ساتھ تھے۔ انہوں نے آپ کے جسد مبارک کو عارضی طور پر امانٹا یہیں دفن کر دیا۔ پھر ایک سال کے بعد آپ کے بڑے بیٹے سید فضل اللہ شاہ راشدی (شہید) نے آپ کے جسد خاکی کو وہاں سے نکلوا کر ٹھہلا شہر (ضلع لاڑکانہ) میں مسجد کے ساتھ دفن کر دیا۔ جہاں آپ ہمیشہ کے لئے محوِ سترِ راحت ہیں۔ (تذکرہ مشاہیر سندھ ص ۲۶۷-۲۶۸ جلد ۱)

سید فضل اللہ شاہ راشدی ”پیر جھنڈہ“ والے دوم

سید محمد یاسین شاہ راشدی کی وفات کے بعد ان کے بڑے فرزند پیر سید فضل اللہ شاہ راشدی پیر جھنڈہ دوم کی حیثیت سے سجادہ نشین مقرر ہوئے لیکن خاندانی اختلافات کی وجہ سے حروں کے ہاتھوں شہید کر دیئے گئے آپ کی اولاد کوئی بھی نہیں تھی۔ (راشدی خاندان کا شجرہ ص ۵۶)

سید رشید الدین شاہ راشدی المعروف ”پیر سائیں بیعت والے“ پیر جھنڈہ سوم

سید فضل اللہ شاہ راشدی کی وفات کے بعد ۱۲۸۷ھ میں ان کے بھائی سید رشید الدین شاہ راشدی پیر جھنڈہ سوم کی حیثیت سے سجادہ نشین مقرر ہوئے، آپ ۱۲۵۴ھ میں پیدا ہوئے۔ سید رشید الدین شاہ راشدی نے دینی علوم کی تکمیل کے بعد اپنے حلقہ احباب کی اصلاح و تربیت کر کے انہیں شرک و بدعت کے خلاف منظم کیا۔ ان میں توحید و سنت کی بنیاد کو مضبوط و مستحکم کرنے کے لئے ان کی تربیت و تزکیہ نفس کرنا شروع کیا۔ اپنے عقیدت مندوں میں جو شرکیہ افعال اور بدعتی رسومات تھیں ان کو ترک کرنے اور جہاد میں شرکت کرنے کے لئے عملی طرح ان سے بیعت لیتے تھے۔ جس کے سبب سے آپ کو ”پیر سائیں بیعت والے“ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ آپ پہلے شخص ہیں، جو خاندان راشدیہ جھنڈائی میں جس نے علی الاعلان مسلک اہل حق کا اظہار کیا۔ فقہ کے مقابلہ میں حدیث شریف کو اہمیت دی، آپ کے مسلک و عقیدہ کے بارے میں مولانا دین محمد وفا کی رقم طراز ہیں کہ ”آپ کا مسلک اہل حدیث کے مذہب کے موافق تھا“ (تذکرہ مشاہیر سندھ ص ۲۱۴ جلد ۳) مزید لکھتے ہیں کہ ”یہ بزرگ اہل حدیث مسلک والوں کے قول کے مطابق اونٹ کے گوشت کھانے کے بعد وضوء کرتے تھے۔“ فوت شدہ بزرگوں سے مدد لینے کے بھی قائل نہ تھے۔ اپنے مریدوں کو بھی منع

کرتے تھے..... (ایضاً)

۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے وقت آپ ۲۳ برس کے جوان تھے۔ سندھ کے مسلمانوں نے جنگ آزادی میں بھرپور حصہ لیا جس کے رد عمل میں انگریزوں نے ان پر ظلم و ستم کے پہاڑ ڈھائے اور وحشت ناک سزائیں دیں۔ اس وقت دیندار مسلمانوں نے فیصلہ کیا کہ اسلامی تعلیم و تبلیغ سے اتحاد پیدا کر کے لوگوں میں آزادی کی روح پھونکی جائے، اور انہیں جہاد کے لئے تیار کیا جائے۔ اسی خیال و فکر سے پیر صاحب نے اپنے گاؤں پیر جھنڈو میں دینی مدرسہ قائم کیا اور ایک علمی کتب خانہ کی بنیاد ڈالی۔ آپ کی علمی مجالس میں کئی علماء کرام شریک ہوتے تھے، ان مجالس میں مولانا عبید اللہ سندھی رحمہ اللہ بھی امرت شریف (ضلع سکھر) سے آ کر شریک ہوتے تھے۔ (مقالہ ”پیر جھنڈو کا کتب خانہ“ مولانا غلام مصطفیٰ قاسمی۔ ماہنامہ الولی حیدر آباد اپریل، مئی ۱۹۷۸ء) آپ کے متعلق مولانا عبید اللہ سندھی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ ”مولانا سید رشید الدین شاہ صاحب العلم الثالث کی صحبت سے مستفید ہوا میں نے ان کی کرامتیں دیکھیں، ذکر اسماء الحسنیٰ میں نے ان ہی سے سیکھا وہ دعوت توحید و جہاد کے مجدد تھے۔ (مولانا عبید اللہ سندھی کی سرگزشت کا بل از مولانا عبید اللہ لغاری ص ۹) آپ ۱۳۱۷ھ میں ۶۱ برس کی عمر میں فوت ہوئے۔

سید ابوتراب رشد اللہ شاہ راشدی المعروف ”پیر سائیں شریعت والے“ پیر جھنڈہ چہارم پیر سید رشید الدین شاہ راشدی رحمہ اللہ کا داعی اجل کو لبیک کہنے کے بعد ان کے عالی قدر صاحبزادے سید ابوتراب رشد اللہ شاہ راشدی ان کی مسند علم و فضیلت کے وارث ہوئے اور پیر جھنڈہ چہارم کی حیثیت سے سجادہ نشین مقرر ہوئے۔ پیر رشد اللہ شاہ راشدی رحمہ اللہ صاحب علم و فضیلت اور حامل زہد و تقویٰ تھے۔ آپ کے حفید سعید علامہ سید بدیع الدین شاہ راشدی رحمہ اللہ آپ کا ذکر خیر کرتے ہوئے رقمطراز ہیں کہ ”جد امجد عالم ربانی محدث حقانی حامی الشریعہ قاصع البدعہ مرجع العلماء زین الکلاء ابوتراب السید رشد اللہ شاہ الراشدی..... (عقیدہ توحید اور علماء سلف کی خدمات ص ۱۰۵) آپ کی ولادت ۱۲۱۷ھ میں ہوئی۔ تعلیم و تربیت خاص علمی اور دینی ماحول میں ہوئی۔ آپ کے والد ماجد سید رشید الدین شاہ راشدی نے اپنی اولاد کی تعلیم و تربیت کے لئے معقول انتظام کیا، مشہور عالم قاضی عبدالغنی کھڈھری (المتوفی ۱۳۲۹ھ) قاضی فتح محمد

نظامانی قیصرانی اور مولانا عبید اللہ سندھی سے تعلیم حاصل کی۔ آپ نے حدیث کی سند شیخ الکل سید میاں نذیر حسین دہلوی (متوفی ۱۳۲۰ھ) اور امام محمد بن علی شوکانی (متوفی ۱۲۵۰ھ) کے شاگرد رشید شیخ حسین بن محسن انصاری یمانی سے حاصل کی۔ دینی علوم کی تکمیل کے بعد آپ نے اپنی پوری زندگی اسلام کے لئے وقف کر دی، آپ کی علمی و ادبی خدمات کا دائرہ نہایت وسیع ہے (ماہنامہ شریعت سکھر سوانح حیات نمبر ص ۴۰۹) سید رشد اللہ شاہ راشدی کو سندھ میں علمی پسماندگی کا بڑا احساس تھا، اسی لئے جب مولانا عبید اللہ سندھی نے مدرسہ قائم کرنے کی تجویز پیش کی تو شاہ صاحب فوراً تیار ہو گئے۔ چنانچہ آپ نے سندھ کے لوگوں میں قرآن و حدیث کے علم کی اشاعت و تبلیغ کے لئے ۱۳۱۹ھ بمطابق ۱۹۰۱ھ میں گوٹھ پیر جھنڈہ میں مدرسہ دارالرشاد کی بنیاد رکھی اور علمی مساعی کا آغاز کیا۔ مولانا عبید اللہ سندھی کو صدر مدرس مقرر فرمایا اور دیگر نامور علماء کرام کی خدمات حاصل کیں۔ مدرسہ کے لئے تمام سرمایہ سید رشد اللہ شاہ صاحب خود فراہم کرتے تھے۔ اور اس کے تمام اخراجات کے کفیل بھی تھے۔ سات برس تک مولانا عبید اللہ سندھی رحمہ اللہ کامل اختیارات کے ساتھ علمی و انتظامی امور کے سربراہ رہے۔ یہ مدرسہ جلد ہی اپنی کامیابی کی منازل طے کرنے لگا۔ اس مدرسہ میں سندھ کے علاوہ ہندوستان، ایران اور وسطی ایشیا سے طالب علم آتے تھے اور مدرسہ کے ماہر اساتذہ کی تعلیم سے مستفیض ہو کر گوہر نایاب بن کر نکلتے تھے۔ مدرسہ کے معائنے اور سالانہ امتحانات کے موقع پر رفیع المرتبت علماء کرام و فضلاء عظام کو مدعو کیا جاتا، جن میں علامہ شیخ محسن انصاری یمانی، مولانا محمود الحسن دیوبندی رحمہ اللہ، مولانا سید انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ، مولانا اشرف علی تھانوی ڈاکٹر ضیاء الدین احمد وائس چانسلر علی گڑھ یونیورسٹی وغیرہم شامل ہیں۔ مدرسہ دارالرشاد کی بدولت اقلیم سندھ میں شمع علم فروزاں ہوئی جس کی کرنوں نے چار دانگ عالم کو منور کیا۔ اس کے خوش نصیب طلباء کرام نے سند فراغت حاصل کرنے کے بعد خود مسند علم و فضیلت آراستہ کیں۔ مدرسہ دارالرشاد سے جو فضلاء فارغ التحصیل ہو کر مسند علم و فضل کے وارث ہوئے، ان میں مفسر قرآن مولانا احمد علی انصاری، مولانا امید علی سندھی، پیر احسان اللہ شاہ راشدی، سید ضیاء الدین (صاحب العلم الخامس) مولانا سید عبداللہ سر بازی، مولانا عبداللہ لغاری سندھی مولانا اکرم انصاری ہالائی، مفتی عبدالقادر سندھی وغیرہم (مدرسہ دارالرشاد پیر جھنڈو ”مضمون نگار مولانا عبدالقادر لغاری ماہنامہ ”الرحیم“

حیدرآباد سال ۱۹۶۵ء سندھ کی اسلامی درس گاہیں از ڈاکٹر محمد جمن ٹالپر ص ۴۵۳، ماہنامہ شریعت سکھر سوانح نمبر ص ۴۰۹، اصحاب علم و فضل از تنزیل الصدیقی ص ۳۶-۳۷

پیر جہنڈو کا کتب خانہ ایک تعارف

خانوادہ راشدی کی وہ اہم خصوصیت جس نے اس خانوادہ عالی مرتبت کو سندھ کے دیگر خاندانوں سے ممتاز کیا ان کا پیش قیمت خزینہ علم و حکمت یعنی کتب خانہ ہے، اس خاندان میں کتابیں جمع کرنے کی ابتداء سید محمد بقا شاہ لکھنوی شہید رحمہ اللہ سے ہوئی۔ جو خاندان راشدیہ کے مؤسس اعلیٰ سید محمد راشد شاہ رحمہ اللہ کے والد گرامی تھے۔ موصوف نے مختلف جگہوں سے کیا ب و نادر مخطوطات کو حاصل کر کے اپنے کتب خانہ کی زینت بنایا، ذخیرہ کتب میں اضافہ کیا، ذخیرہ کتب کا از حد شوق تھا۔ اور اس شوق کی تکمیل کے لئے آئے دن مختلف مقامات کا دورہ کیا کرتے تھے۔ مشہور واقعہ ہے کہ ایک مرتبہ چند کتابیں باندھ کر کہیں تشریف لے جا رہے تھے کہ راستے میں ڈاکوؤں نے کتابوں کے اس گٹھے کو مال سمجھ کر لوٹ لیا اور آپ کو بڑی سفاکی سے شہید کر دیا، سید بقا شاہ لکھنوی کی شہادت کے بعد یہ کتب خانہ علیہ کا مختصر خزینہ سید محمد راشد شاہ کی تحویل میں آیا۔ ان کے دور میں کوئی خاص و خاطر خواہ اضافہ نہ ہو سکا۔ لیکن انہوں نے ان کتابوں کی بڑی ذمہ داری سے حفاظت فرمائی۔ سید محمد راشد شاہ رحمہ اللہ کی وفات کے بعد یہ کتب خانہ دو حصوں میں منقسم ہو گیا۔ ایک حصہ پیر پگاڑہ اول سید صبغت اللہ شاہ راشدی کی ملکیت میں آیا اور دوسرا حصہ صاحب العلم الاول (پیر جہنڈہ اول) سید محمد یاسین شاہ راشدی کے زیر تحویل آیا۔ ان دونوں بھائیوں نے اپنے اپنے کتب خانہ کی خوب حفاظت کی اور اس خزینہ علیہ میں خاطر خواہ اضافہ بھی کیا۔ پیر سید محمد یاسین شاہ راشدی سے کتب خانہ نسل در نسل منتقل ہوتا ہوا صاحب العلم الرابع سید ابوتراب رشد اللہ شاہ راشدی کی تحویل میں آیا۔ سید رشد اللہ شاہ کا دور کتب خانہ کے لئے زریں دور تھا۔ (اصحاب علم و فضل محمد تنزیل الصدیقی الحسینی ص ۳۷-۳۸) موصوف نے کتب خانہ میں توسیع کی اور نہایت علمی کتابیں جمع کیں۔ مختلف ممالک سے نادر و نایاب کتابیں خریدیں اور نقل کر کے جمع کیں۔ آپ ۱۳۲۳ھ میں جب حج بیت اللہ کی ادائیگی کی غرض سے حرمین شریفین گئے، تو اس سفر شوق میں قاضی فتح محمد نظامانی رحمہ اللہ اور مولوی عنایت اللہ بھی شریک تھے جن کا کام مکہ مکرمہ و مدینہ منورہ کے کتب خانوں

سے حدیث کے فن کی منتخب کتابیں نقل کرنا اور نوادرات کی تلاش تھا۔ مولوی عنایت اللہ بیان کرتے ہیں کہ قیام مکہ معظمہ کے دوران کسی مکتبہ میں امام محمد بن علی شوکانی رحمہ اللہ کی ارشاد الخول کا قلمی نسخہ ہماری نظر سے گذرا۔ مالک مکتبہ سے قیمت دریافت کی گئی تو اس نے دو سو روپے بتائی۔ شاہ صاحب کو جب علم ہوا تو آپ نے اسی قیمت گراں پر اس کتاب کے خریدنے کا حکم دیا۔ بالآخر اسے دو سو روپے میں خریدا گیا۔ بعد ازاں یہ کتاب جب طبع ہو کر آئی تو اس کی قیمت صرف دو سو روپے تھی۔ اسی طرح بہمنی اور حیدر آباد دکن کی طرف اپنے خاص کاتب بھیج کر مشہور و نادر کتابیں خریدیں اور نقل کروائیں۔ مولانا زین العابدین آروی کے کتب خانہ سے ان کے ہاتھ کا لکھا ہوا مخطوطہ السنن الکبریٰ للبیہقی دس جلدیں خریدیں سندھ کے قدیم و تاریخی کتب خانہ مخدوم محمد ہاشم ٹھٹوی رحمہ اللہ کی کتابیں اور سہون کے قدیم کتب خانہ کی کتابیں لا کر جمع کیں۔ چند سالوں میں پیر جھنڈہ کے کتب خانہ نے وہ شہرت حاصل کی کہ دور دراز کے اسلامی ممالک کے علماء اور دائرۃ المعارف حیدر آباد دکن والوں نے بھی اس علمی و شہرت یافتہ لائبریری سے کتابیں نقل کروائیں۔ (سندھ کے کتب خانوں کی تاریخ، از ڈاکٹر الہ رکھو بٹ ص ۳۴، اصحاب علم و فضل از محمد تنزیل الصدیقی ص ۳۸ ہفت روزہ الاعتصام لاہور، ۷ مارچ ۲۰۰۳ء) اس عظیم کتب خانہ کے متعلق مولانا عبد اللہ سندھی اپنی خود نوشت سوانح میں لکھتے ہیں کہ ”کتب خانہ پیر صاحب العلم الرابع گوٹھ پیر جھنڈہ ضلع حیدر آباد راشدی طریقہ کے پیر ہیں۔ آپ کے پاس علوم دینیہ کا کتب خانہ تھا، میں دوران مطالعہ وہاں جاتا رہا اور کتابیں مستعار بھی لاتا رہا، میرے تکمیل مطالعہ میں اس کتب خانہ کے فیض کا بڑا دخل تھا..... پھر مولانا سید ابوتراب رشد اللہ صاحب العلم الرابع سے علمی صحبتیں بھی رہیں، وہ علم حدیث کے بڑے جید عالم اور صاحب تصانیف تھے“ (مولانا عبد اللہ سندھی کی سرگزشت کابل از مولانا عبد اللہ لغاری ص ۹) اسی کتب خانہ علیہ کے متعلق مخدوم امیر احمد فرخ آبادی اپنے ایک مضمون ”سندھ کے دینی کتب خانوں میں سے کتب خانہ پیر رشد اللہ شاہ سندھی“ میں لکھتے ہیں کہ ”یہ کتب خانہ پیر جھنڈہ و شریف واقع حیدر آباد سندھ میں ہے، پیر صاحب نے یہ کتب خانہ چودھویں صدی ہجری کی ابتداء میں قائم کیا۔ انہوں نے اس کتب خانہ پر بے پناہ روپیہ خرچ کیا، لندن کی لائبریری انڈیا آفس سے کتابوں کی فوٹو کاپیاں منگوائیں، ترکی اور مصر کے کتب خانوں سے نایاب و نادر کتابوں کی نقلیں اپنے اخراجات پر کاتب بھیج کر

کرائیں۔ قدیم کتب خانوں کو گرانمایہ سرمایہ سے خرید کر شامل کیے اور اسی طرح اس کتب خانہ میں نوادرات کا ایک ذخیرہ جمع کیا۔ (سہ ماہی الزبیر بہاولپور ۱۹۶۷ء ص ۲۰۲ بحوالہ اصحاب علم و فضل ص ۳۹) کتب خانہ راشدیہ کے متعلق حافظ محمد نعیم کراچی والے کا ایک تفصیلی مضمون ہفت روزہ الاعتصام لاہور میں تین اقساط پر محتوی ہے اور نہایت قیمتی معلومات پر مشتمل ہے۔ جو طباعت پذیر ہو چکا ہے۔ (ملاحظہ ہو الاعتصام ۷-۱۳-۲۱ مارچ ۲۰۰۳ء)

سید ابوتراب رشد اللہ شاہ راشدی رحمۃ اللہ علیہ نے تحریک خلافت میں بھی بھرپور حصہ لیا۔ فروری ۱۹۲۰ء میں لاٹکانہ کی خلافت کانفرنس جس میں مولانا ابوالکلام آزاد، مولانا عبدالبار فرنگی، مولانا شوکت علی شریک ہوئے تھے۔ اس کانفرنس کی صدارت سید رشد اللہ شاہ راشدی نے کی تھی۔ آپ کا صدارتی خطاب تاریخی و ستاویز کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس سلسلہ میں آپ کو پابند سلاسل بھی کیا گیا۔ لیکن آپ اپنے عزم و ارادہ پر مستمر رہے۔ (کلام رشد اللہ شاہ، ڈاکٹر سید صالح محمد شاہ بخاری ص ۳۶-۳۷، سہ ماہی مہراں تحریک آزادی نمبر شمارہ ۱-۲-۱۹۷۵ء) تحریک خلافت میں بڑی سرگرمی سے حصہ لیا۔ جس کی وجہ سے آپ کو پیر صاحب خلافت والے کہا جانے لگا۔ علامہ سید رشد اللہ شاہ راشدی کو مطالعہ کا بے حد شوق تھا۔ اپنے مطالعہ اور معلومات کو عوام الناس تک پہنچانے کے لئے مختلف علوم و فنون پر سندھی، اردو، عربی اور فارسی میں ۷۰ کے قریب کتابیں تصنیف کیں۔ یہ کتابیں آپ کے ورثاء کے پاس موجود کتب خانہ میں محفوظ ہیں۔

اقلم سندھ کے اس جلیل القدر محدث و وسیع النظر و ظرف، محقق اور کثیر المطالعہ عالم و مجاہد نے ۶ شعبان ۱۳۴۰ھ بمطابق ۲۳ اپریل ۱۹۲۳ء کو وفات پائی۔

سید احسان اللہ شاہ راشدی المعروف ”پیر سائیں سنت والے“ پیر جھنڈہ پنجم

سید رشد اللہ شاہ راشدی رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کے بعد آپ کے فرزند ارجمند سید فضل اللہ شاہ عرف احسان اللہ شاہ راشدی پیر جھنڈہ پنجم کی حیثیت سے اپنے خاندانی سجادگی کی مسند عالیہ پر مقرر ہوئے۔ موصوف سید رشد اللہ شاہ کے چھوٹے صاحبزادے تھے۔ ۲۷ رجب ۱۳۱۳ھ میں پیدا ہوئے۔ آپ نے اپنے آبائی مدرسہ دارالرشاد میں جید اساتذہ کرام مولانا عبید اللہ سندھی، مولانا محمد مدنی، مولانا اللہ بخش، مولانا احمد علی

لاہوری، مولوی خدا بخش اور مولانا محمد اکرم انصاری ہالائی جیسے اصحاب سے تعلیم حاصل کی۔ دینی علوم کی تکمیل کے بعد آپ نے خاندانی روایات کو برقرار رکھتے ہوئے قرآن و حدیث کی خدمت کو نہ صرف جاری رکھا بلکہ اس میں ایک نئی روح بھی پھونکی۔ آپ کا حلقہ احباب نہایت وسیع تھا۔ ہندوستان بلکہ اس سے باہر کے کئی علماء سے تعلق خاص تھا خصوصاً سلطان ابن سعود رحمۃ اللہ علیہ سے خاص دوستی اور خط و کتابت رہتی تھی۔ (ماہنامہ شریعت سکھر سوانح نمبر ص ۴۱۳، مہران سوانح نمبر ص ۱۵۳) سید احسان اللہ شاہ اپنے دور کے جید عالم ہونے کے ساتھ ساتھ پیکر اصلاح و تقویٰ بزرگ بھی تھے۔ اور بہ درجہ غایت قبیح سنت تھے۔ سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے بے پناہ محبت اور انتہائی اتباع کی وجہ سے لوگوں میں آپ ”پیر سائیں سنت والے“ کے نام سے معروف تھے۔ ان کے بارے میں خود ان کے بڑے صاحبزادے علامہ سید محبت اللہ شاہ راشدی بیان کرتے ہیں کہ ان کی تیسری شادی ہمارے سامنے ہوئی شادی کے لئے ایک بہت بڑے پیر سید محبوب اللہ شاہ راشدی کو پیغام پہنچایا گیا۔ جو حنفی المذہب تھے۔ انہوں نے جواب دیا کہ اگر تم رفع الیدین کرنا چھوڑ دو تو میں اپنی بیٹی تمہارے نکاح میں دینے کو تیار ہوں، انہوں نے اس کے جواب میں کہلا بھیجا کہ میں ایک عورت کی خاطر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کو ترک نہیں کر سکتا۔ یہ ایک عورت کا معاملہ ہے، میں ہزار عورتوں کو بھی اپنے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت پر قربان کر سکتا ہوں۔ (کاروان سلف، محمد اسحاق بھٹی ص ۳۸۵، مہران سوانح نمبر ص ۱۵۴، ماہنامہ صراط مستقیم کراچی مارچ ۱۹۹۵ء ص ۲۷) علامہ سید محبت اللہ شاہ راشدی اپنے والد ماجد سید احسان اللہ شاہ راشدی کے متعلق ایک اور واقعہ میں بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ”ایک مرتبہ ہمارے والد صاحب اپنے جماعتی رفقاء کے ساتھ حیدرآباد سندھ ریلوے اسٹیشن پر بیٹھے ٹرین کا انتظار کر رہے تھے کہ انگریزی لباس میں ملبوس ایک ڈاڑھی منڈے صاحب آ رہے تھے، اور انہوں نے والد صاحب کی طرف مصافحے کے لئے ہاتھ بڑھایا، آپ (والد ماجد) اسی طرح بیٹھے بیٹھے ان کی طرف ہاتھ کیا اور مصافحہ کیا ساتھیوں میں سے کسی نے کہا پیر سائیں! یہ سید غلام مرتضیٰ شاہ (جی ایم سید) ہیں۔ علاقہ کے مشہور پیر ہیں وڈیرے ہیں۔ ان کے ساتھ کھڑے ہو کر مصافحہ کرنا چاہیے تھا۔ تو آپ نے اسی وقت ان کے سامنے ہی جواب دیا ہمیں کیا معلوم کہ یہ سید ہیں یا ہندوؤں کی کسی ماڈرن فیملی سے تعلق رکھتے ہیں۔ ان کی وضع و قطع کوئی اسلامی نمونہ پیش نہیں کرتی اور پتا نہیں

چلتا کہ یہ بھی سید ہیں۔ جی ایم سید بولے سائیں کیا کریں اپنے کام و کاج کے لئے انگریزوں سے ملنا جلنا پڑتا ہے۔ ان کے سامنے اگر وضع قطع کا اسلامی نمونہ پیش کریں تو وہ عزت نہیں کرتے اور کوئی کام بھی نہیں کرتے۔ جواب دیا میری وضع قطع آپ کے سامنے ہے۔ دونوں انگریز حاکم کے دفتر میں چلتے ہیں اور اس سے جا کر ملاقات کے لئے وقت طلب کرتے ہیں۔ دیکھتے ہیں کہ وہ پہلے آپ سے ملاقات کرتا ہے یا مجھ سے فرمایا عزت اللہ اور رسول اللہ ﷺ کی اتباع میں ہے۔ نہ کہ غیروں کا رنگ ڈھنگ اختیار کرنے میں۔ جی ایم سید نے ان کی اس بات کا کوئی جواب نہیں دیا اور خاموشی اختیار کر لی (ایضاً) سید احسان اللہ شاہ راشدی رحمہ اللہ علوم دینیہ کے جامع اور احیائے سنن میں بہت زیادہ داعی تھے، علم رجال پر آپ کی نہ صرف خاص نظر تھی بلکہ اس فن میں کمال بھی حاصل تھا مولانا ابوالوفاء ثناء اللہ امرتسری رحمہ اللہ نے آپ کے پاس آ کر چند دن قیام کیا تھا۔ اپنے قیام کے دوران شاہ صاحب سے رجال کے متعلق کافی گفتگو ہوئی۔ مولانا صاحب جب واپس ہوئے تو فرمایا کہ ”آج اگر کوئی اسماء الرجال کا امام ہے تو پیر احسان اللہ شاہ راشدی ہے۔“ (ماہنامہ شریعت سکھر سوانح نمبر ص ۴۱۴) سید سلیمان ندوی موصوف کے متعلق لکھتے ہیں کہ ”مرحوم حدیث و رجال کے بڑے عالم تھے..... ایک خانقاہ کے سجادہ نشین تھے اور طریق سلف کے متبع اور علم و عمل دونوں میں ممتاز تھے“ (یاد رفگان ص ۱۸۶) آپ بھی اپنے اکابرین کی طرح کتابوں کے شائق ہی نہیں بلکہ حریص تھے۔ نادر قلمی کتابوں کے حصول میں ہر دم کوشاں رہتے تھے۔ ملک اور بیرون ملک کے اہل علم سے کتابوں کے سلسلے میں خط و کتابت رہتی تھی۔ آپ نے خاندانی مدرسہ دارالرشاد اور مکتبہ پر خاص توجہ دی۔ علم حدیث و دیگر علوم سے اتنا گہرا لگاؤ تھا کہ کئی ممالک مثلاً شام، مصر، مدینہ منورہ مکہ مکرمہ اور ہندوستان کے کئی شہروں سے زر کثیر خرچ کر کے نایاب کتابیں نقل کروائیں۔ اپنے خاص کاتب قاضی لعل محمد اور مولانا قطب الدین ہالچوی کو حیدر آباد دکن بھیج کر نواب عثمان علی خان کے کتب خانہ سے کئی کتابیں نقل کروائیں۔ آپ دائرۃ المعارف العثمانیہ دکن کے اراکین میں سے تھے۔ مکتبہ دائرۃ المعارف سے جو بھی کتاب چھپتی تھی وہ آپ کے کتب خانہ عالیہ علیہ میں بطور اعزاز ملتی تھی۔ دائرۃ المعارف العثمانیہ دکن والوں نے جب پہلی مرتبہ السنن الکبریٰ للبیہقی اور مستدرک حاکم طبع کروائیں تو اس وقت ان کے پیش نظر جو قلمی نسخے تھے۔ ان میں سے ایک نسخہ پیر احسان اللہ شاہ راشدی کے

مکتبہ کا تھا۔ جیسا کہ انہوں نے دونوں مطبوعہ کتابوں میں ان قلمی نسخوں کے ذکر میں صراحت سے تحریر کیا ہے۔ آپ کے علمی ذوق کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ تاریخ بغداد جو ابھی چھپی ہی نہیں تھی، آپ نے ۱۹۲۸ء میں دارالکتب المصریۃ قاہرہ سے ۱۵-۱۶ سو روپے خرچ کر کے اس کا فوٹو اسٹیٹ حاصل کیا۔ جو کہ کافی عرصہ کے بعد طبع ہوئی۔ امام ابو نعیم اصبہانی کی تاریخ اصفہان کا فوٹو اسٹیٹ انڈیا آفس لائبریری لندن سے ڈاکٹر کرکٹو لائبریری کی معرفت سے حاصل کیا۔ کرکٹو کی وساطت سے جرمنی حکومت سے صحیح ابن خزیمہ اور دوسری تفاسیر کے لئے بھی کوشاں رہے۔ لیکن کامیاب نہ ہو سکے۔ بہر حال کتب خانہ میں نادر و نایاب کتب کا بڑا ذخیرہ جمع کیا۔ آپ نے مدرسہ دارالرشاد کی ترویج و ترقی میں بھی خصوصی دلچسپی لی۔ آپ کے دور میں ملک کے چپے چپے سے طلبہ آ کر کتاب و سنت کی تعلیم حاصل کرتے۔ (سہ ماہی مہران سوانح نمبر ص ۱۵۴ مضمون ”سید احسان اللہ شاہ راشدی از پروفیسر مولانا بخش محمدی ماہنامہ ترجمان الحدیث لاہور دسمبر ۱۹۷۸ء) سعودی حکومت کے پہلے فرمانروا شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کے خلاف برصغیر میں جب مخالفین نے قبول اور مزاروں کے انہدام کے مسئلہ پر شور برپا کیا تو اس وقت سید احسان اللہ شاہ راشدی رحمۃ اللہ علیہ نے سلطان موصوف کے موقف کی حمایت میں ایک مختصر مگر جامع اور دلائل سے بھرپور سندھی زبان میں مضمون قلمبند کیا۔ اور سندھ کے مختلف علاقوں میں تقسیم کیا گیا۔ جس کے بہت اچھے اثرات مرتب ہوئے۔ (تذکرہ علماء اہل حدیث پروفیسر محمد یوسف سجاد ص ۱۶۲ جلد ۲) اللہ تعالیٰ نے آپ کو بھی تصنیف و تالیف کا خصوصی ملکہ عطا فرمایا تھا۔ آپ اخیر عمر میں حدیث کی مشہور و معروف کتاب سنن ابن ماجہ کی ایک جامع و مانع شرح بنام ”نہیمۃ الزجاجة“ لکھ رہے تھے۔ اور بیمار پڑ گئے اتنی فرصت نہ مل سکی کہ آپ اس شرح کو مکمل کر سکیں علم و عمل کے اس پیکر نے صرف ۴۵ برس کی عمر میں ۱۵ شعبان ۱۳۵۸ھ مطابق ۱۳/ اکتوبر ۱۹۳۸ء کو وفات پائی۔

علامہ سید محبت اللہ شاہ راشدی پیر جھنڈہ ششم

سید احسان اللہ شاہ راشدی کو اللہ تعالیٰ نے تین بیٹے عطا کیے تھے۔ ان کی وفات کے بعد ان کے سب سے بڑے بیٹے علامہ سید محبت اللہ شاہ راشدی کو پیر جھنڈہ ششم کی حیثیت سے خاندانی سجادگی کے منصب پر فائز کیا گیا۔ آپ کی ولادت گوٹھ پیر جھنڈو نیو سعید آباد ضلع حیدر آباد سندھ میں مورخہ ۲ اکتوبر ۱۹۲۱ء مطابق

۲۹ محرم الحرام ۱۳۲۵ھ میں ہوئی، ابتدائی تعلیم اپنے گاؤں کے مدرسہ دارالرشاد میں حاصل کی جو ان کے والد سید احسان اللہ شاہ راشدی کی نگرانی میں جاری تھا۔ آپ کے مشہور اساتذہ میں حافظ محمد امین متوہ، مولانا ولی محمد کیریو، مولانا محمد اسحاق افغانی، مولانا عبدالوہاب، مولانا حمید الدین مولانا محمد اکرم ہالائی انصاری، مولانا عبید اللہ سندھی، مولانا محمد مدنی، مولانا محمد خلیل، مولانا عبدالحق بہاولپوری ہاشمی مدنی، مولانا ابوسعید شرف الین دہلوی، مولانا عطاء اللہ حنیف اور آپ کے والد ماجد سید احسان اللہ شاہ راشدی رحمہ اللہ شامل ہیں۔ اس کے علاوہ سندھ یونیورسٹی جام شورو حیدر آباد سے فاضل عربی اور شعبہ ثقافت اسلامی و تقابل ادیان میں ایم اے کیا۔ اس کے بعد آپ درس و تدریس اور دعوت و تبلیغ میں مصروف ہو گئے۔ مدرسہ دارالرشاد کے ساتھ اور ٹیلی کالج قائم کیا جو سندھ یونیورسٹی کے ماتحت آٹھ برس تک چلتا رہا۔ آپ کو بھی اپنے خاندان کے اسلاف کی طرح کتابیں جمع کرنے کا بیحد شوق تھا۔ اپنے خاندانی کتب خانہ کی توسیع و ترقی میں خوب حصہ لیا۔ نادر و نایاب کتابوں کے حصول میں زکیر خرچ کیا۔ اور آبائی کتب خانہ میں مختلف علوم و فنون کے ہزاروں مخطوطہ و مطبوعہ کتابوں کا اضافہ کیا۔ آپ نے کتابوں کے حصول کے لئے امرتسر اور دہلی کے سفر کئے۔ ترکی کے علمی مرکز استنبول برطانیہ کے اسفار اور حج کے متعدد مواقع پر زیادہ وقت کتابوں کی تلاش و حصول میں مصروف رہے۔ اس لئے آپ کا کتب خانہ المکتبۃ العلمیۃ آج بھی ہزاروں مطبوعات و مخطوعات کا خزانہ تسلیم کیا جاتا ہے۔ کتابیں جمع کرنے کے ساتھ باقاعدہ مطالعہ و تحقیق میں مصروف رہتے تھے۔ آپ کو علم تفسیر، حدیث، فقہ، فن رجال، فلسفہ، تاریخ اصول عربی، ادبیات وغیرہ علوم پر گہری نظر و عبور حاصل تھا۔ فن خطابت و تدریس کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے آپ کو تصنیف و تالیف کا خصوصی ملکہ عطا کیا تھا۔ علوم حدیث سے قلبی لگاؤ تھا۔ آپ نے عربی اردو اور سندھی میں ۶۰ سے زیادہ کتابیں تصنیف فرمائیں۔ ان کے علاوہ متعدد تحقیقی و علمی مقالات و مضامین اور فتاویٰ و اجات تحریر فرمائے۔ علامہ سید محبت اللہ شاہ راشدی رحمہ اللہ نے ۱۹ شعبان ۱۴۱۵ھ مطابق ۲۱ جنوری ۱۹۹۵ء کو داعی اجل کو لبیک کہا۔ آپ کی نماز جنازہ آپ کے چھوٹے بھائی علامہ سید بدیع الدین شاہ راشدی نے پڑھائی۔ (کاروان سلف محمد اسحاق بھیٹی ص ۳۷۹، مقدمہ بدیع الثانی، پیش لفظ از محمد جن کبھر ص ۲۳، اصحاب علم و فضل از محمد تنزیل الصدیقی ص ۴۳، ماہنامہ دعوت اہل حدیث حیدر آباد اگست ۲۰۰۴ء)

سید محمد یاسین شاہ راشدی رحمہ اللہ پیر جھنڈہ ہفتم

علامہ سید محبت اللہ شاہ راشدی کی وفات کے بعد ان کے بڑے فرزند سید محمد یاسین شاہ راشدی کو خاندانی رسوم و رواج کے مطابق راشدی خاندان کی شاخ جھنڈائی کی سجادگی کے لئے مورخہ ۲۲ شعبان ۱۴۱۵ھ کو علامہ سید بدیع الدین شاہ راشدی و دیگر اکابرین خاندان راشدیہ نے سب کے اتفاق سے پیر جھنڈہ ہفتم کی حیثیت سے سجادہ نشین مقرر کیا گیا اور دستار پہنائی گئی۔ آپ راشدی خاندان کی پیر جھنڈہ خاندان کے موجودہ سجادہ نشین ہیں۔

مراجع و مصادر

- (۱) تذکرہ مشاہیر سندھ (کامل) مولانا دین محمد وفائی سندھی ادبی بورڈ حیدر آباد
- (۲) سہ ماہی مہراں سوانح نمبر شمارہ ۳-۴-۱۹۵۷ء
- (۳) ماہنامہ شریعت سکھر سوانح نمبر سال ۱۹۸۱ء
- (۴) تذکرہ علماء اہل حدیث جلد ۲ محمد یوسف سجاد جامعہ ابراہیمیہ سیالکوٹ
- (۵) رموز راشدیہ، ترتیب عبدالرحمن میمن، مکتبہ الدعوة السلفیہ ٹیاری ضلع حیدر آباد
- (۶) مقدمہ بدیع التفاسیر۔ پیش لفظ، محمد جن کنہر، جمعیت اہل حدیث سندھ
- (۷) ماہنامہ الولی حیدر آباد اپریل و مئی سال ۱۹۸۵ء
- (۸) ماہنامہ الرحیم حیدر آباد سوانح نمبر
- (۹) سہ ماہی مہراں تحریک آزادی نمبر سال ۱۹۸۵ء سندھی ادبی بورڈ حیدر آباد
- (۱۰) سندھ کی اسلامی درسگاہیں، محمد جن ٹالپر، طبع حیدر آباد ۱۹۸۲ء
- (۱۱) کلام رشد اللہ شاہ (پیر جھنڈے والے) ڈاکٹر محمد صالح شاہ بخاری سندھی ادبی بورڈ
- (۱۲) ماہنامہ صراط مستقیم کراچی شمارہ جولائی ۱۹۹۳ء و مارچ ۱۹۹۵ء
- (۱۳) کاروان سلف۔ محمد اسحاق بھٹی مکتبہ اسلامیہ فیصل آباد ۱۹۹۹ء
- (۱۴) مولانا عبید اللہ سندھی کی سرگزشت کابل/ مولانا عبداللہ لغاری دارالکتب لاہور

- (۱۵) راشدی خاندان کا شجرہ۔ فیض الدین شاہ۔ کنگری پریس حیدر آباد
- (۱۶) یاد رفتگان۔ مولانا سید سلیمان ندوی۔ نشریات اسلام کراچی ۱۹۸۳ء
- (۱۷) ماہنامہ ترجمان الحدیث لاہور۔ دسمبر ۱۹۷۸ء
- (۱۸) سہ ماہی الزبیر بھاولپور۔ کتب خانہ نمبر ۱۹۶۷ء
- (۱۹) عقیدہ توحید اور علماء سلف کی خدمات۔ بدیع الدین شاہ راشدی / مکتبہ الدعوة السلفیہ ٹیاری
- (۲۰) سیرت سید احمد شہید، مولانا غلام رسول مہر۔ شیخ غلام علی سنز لاہور
- (۲۱) ماہنامہ دعوت ابجدیٹ حیدر آباد اگست ۲۰۰۴ء
- (۲۲) اصحاب علم و فضل۔ محمد تنزیل الصدیقی الحسینی۔ اصلاح المسلمین پبلشرز کراچی
- (۲۳) تذکرہ پیران پاگاہ۔ تبسم چودھری، کنگری پریس حیدر آباد
- (۲۴) تذکرہ صوفیائے سندھ۔ اعجاز الحق قدوسی۔ کراچی
- (۲۵) ہفتہ روزہ الاعتصام لاہور۔ ۷-۱۴-۲۱ مارچ ۲۰۰۳ء
- (۲۶) سخن اعجاز۔ کلام پیر سید محی الدین شاہ عرف اعجاز شاہ سکرٹڈ



حیات شیخ العرب والعجم امام سید ابو محمد بدیع الدین شاہ راشدی سندھی رحمہ اللہ

کے درخشاں پہلو

الحمد لله والصلاة والسلام على رسول الله وبعد!

سرزمین سندھ کی تہذیب و ثقافت کو تاریخ انسانیت کی قدیم ترین تہذیب کہا جائے یا اس کی قدیم جغرافیائی حدود کو چین، خراسان اور فارس تک مانا جائے، مجھے اس سے کوئی سروکار نہیں۔ کیوں کہ یہ چیز میرے لئے باعث ناز و مسرت نہیں، لیکن مجھے خوشی اس بات کی ہے کہ میرا وطن برصغیر میں سے وہ خوش قسمت بقعہ ہے جہاں خیر القرون کے صاف و شفاف اسلام کی شعاعیں اس وقت نمودار ہوئیں جب مذاہب باطلہ اور فرقہ سالہ کا وجود نامسعود بھی نہیں تھا اگر کہیں کسی بدعت کا شرود تھا تو مغلوب تھا۔

بعض محققین کی تحقیق کے مطابق خلیفہ راشد سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے دور خلافت ہی سے لے کر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور دیگر مسلمانوں کا سندھ میں ورود جاری تھا۔ جناب عثمان بن ابی العاص ثقفی، حکم بن ابی العاص ثقفی، ربیع بن زیاد حارثی، سہل بن عدی بن مالک خزرجی، صحر بن عباس العبدی وغیرہم رضی اللہ عنہم وہ صحابہ کرام ہیں جنہوں نے سندھ میں جہاد کیا اور سندھ کے مغربی علاقے کرمان اور مکران (جو کہ اس وقت حدود سندھ کے اندر داخل تھے) وغیرہ میں داخل ہوئے۔ تابعین کرام میں سے کتنے ائمہ کرام سندھ میں داخل ہوئے اور کتنے سندھی مسلمانوں کو تبع تابعی ہونے کا شرف حاصل ہوا یہ بات اہل مطالعہ سے مخفی نہیں ہے۔ کتب رجال میں آپ کو ایسے کئی اعیان ملیں گے جو کہ سندھی تھے اور انہیں تبع تابعی ہونے کا شرف حاصل ہوا۔ تفصیل کے لئے اسد الغابہ، الاستیعاب، البدایہ والنہایہ لابن کثیر، جہرۃ انساب العرب لابن حزم، معجم البلدان، فتوح البلدان للبلاذری، تہذیب التہذیب، طبقات ابن سعد، رجال السنہ والہند للقاضی اطہر

☆ معروف مقالہ نگار، فاضل مدرسہ تعلیم القرآن والحدیث گھمن آباد حیدرآباد

المبارکفوری، العقد الثمین فی فتوح الہند ومن ورد فیہا من الصحابة والتابعین للقاضی اطہر المبارکفوری، اور موضوعہ التاريخ الاسلامی والمحصارة الاسلامیة للبلاد السند والتجانب (۱/۳۵۹-۵۱۰) وغیرہ دیکھیں۔ واللہ اعلم بالصواب

اس کے بعد جناب محمد بن قاسم اشقی کی قیادت میں اہل حدیث لشکر نے سندھ کو باقاعدہ فتح کر لیا اور مستقل طور پر اپنا قبضہ برقرار رکھا یہ بات کسی سے ڈھکی چھپی نہیں ہے۔ یہی شفاف اسلام اہل حدیث کا دین ہے۔ جس میں بعد کے باطل نظریات وعقائد کی آمیزش نہیں ہے۔

اور سرزمین سندھ عرصہ دراز تک اہل حدیث کا مرکز رہی ہے۔ چوتھی پانچویں صدی تک مذہب اہل حدیث دیا رسندھ میں غالب رہا۔

مؤرخ شمس الدین ابو عبد اللہ محمد بن احمد بن ابی بکر البخاری المقدسی (المتوفی سنہ ۳۸۰ھ) سنہ ۳۷۵ھ میں سندھ میں آئے۔ انہوں نے اپنی کتاب ”احسن التقاسیم فی معرفۃ الاقالم“ میں لکھا ہے۔

اکثرہم اصحاب الحدیث ورأیت القاضی ابا محمد المنصوری داودیا اماماً فی مذہبہ ولہ تدریس وتصانیف قد صنف کتاباً حساناً..... وقال..... انہم علی طریقة مستقیمة ومذاهب محمودۃ وصلاح وعفة قد اراحہم اللہ من الغلو والعصیۃ والہرج والفتنة (ص ۳۶۳ وفی النسخة الاخری ص ۴۸۱)

یعنی یہاں کے اکثر باشندے اہل حدیث ہیں۔ اور میں نے قاضی ابو محمد منصوری کو دیکھا جو کہ داودی (ظاہری) مذہب کا امام ہے تدریس وتصنیف میں بھی مشغول ہے۔ بہت سے عمدہ کتابیں تصنیف کی ہیں۔ لوگ سیدھے طریقے پر اور بہترین مذہب پر ہیں نیک اور پرہیزگار ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں غلو، تعصب، قتل و غارتگری اور فتنوں سے پناہ میں رکھا ہے۔

سلطان محمود غزنوی (وفات ۴۲۲ھ کشف الظنون ج ۱ ص ۳۲۶) نے ہندوستان کو فتح کیا، ان کے

دور میں بھی یہاں مذہب الحمدیث غالب تھا۔ امام ابن حزم (وفات ۴۵۶ھ) لکھتے ہیں:

”ثم افتتح السلطان العادل محمود بن سبكتگين فتوحات متصلات الى ان مات رحمه الله، بلادا عظيمة في الهند وهي الآن مكونة بالمسلمين معمورة بطلاب الحديث والقرآن والغالب عليها والحمد لله رب العالمين مذهب اصل الظاهر (جمل فتوح الاسلام بعد رسول الله صلى الله عليه وسلم لابن حزم الملحق مع جوامع السيرة ص ۳۵۰)

یعنی انصاف پسند حاکم محمود غزنوی رحمۃ اللہ علیہ نے آخر تک لگاتار حملے کر کے ہندوستان کے بڑے علاقے فتح کئے جہاں پر اب مسلمان رہائش پذیر ہیں اور حدیث و قرآن کے طالبان آباد ہیں۔ اور الحمد للہ ان کی اکثریت ظاہری مذہب پر ہے۔

ظاہری مذہب یہ ہے کہ قیاس و تقلید وغیرہ کو رد کر کے فقط قرآن و حدیث کے ظاہر پر عمل کیا جائے اور تاویل سے بچا جائے یہی اہل حدیث کا مذہب ہے۔ (ظاہری مذہب میں اجماع بھی حجت ہے۔ شیخ زبیر علی زکی صاحب)

آمد مبر مطلب

بجستان سے لے کر کچھ بھوج، مارواڑ و کاٹھیاواڑ اور جمیسلمیر تک اور دہلی سے ملتان تک کے اس خطہ سرسبد میں بڑے بڑے ائمہ حدیث پیدا ہوئے ہیں۔ کتب تاریخ و رجال کا ملن ایسے نفوس صالحہ کے ذکر سے خالی نہیں۔ اسی سلسلۃ الذہب کی ایک کڑی عصر حاضر کے امام و محدث سید ابو محمد بدیع الدین شاہ راشدی سندھی رحمۃ اللہ علیہ ہیں، جن کے علم و تفقہ کا عرب و عجم میں چرچا ہے۔

ہم اس مختصر مضمون میں علامہ سید بدیع الدین شاہ راشدی رحمۃ اللہ علیہ کی حیات نافعہ، خاندانی پس منظر، تعلیم و تربیت، درس و تدریس، اصلاح و تبلیغ اور جہاد و تصنیف پر قلمی طبع آزمائی کریں گے۔ ان شاء اللہ، شاید اللہ تعالیٰ اس سے کسی قلب غافل کو بیدار کر دے۔

خاندانی پس منظر

سلسلہ نسب:

سید بدیع الدین شاہ بن سید احسان اللہ شاہ (الف) بن سید رشد اللہ (ب) شاہ بن سید رشید الدین شاہ (ج) بن سید محمد یاسین شاہ (د) بن سید راشد شاہ الحسینی (جد)

سید بدیع الدین شاہ کی پانچویں پشت میں ان کے جد امجد سید راشد شاہ کی نسبت سے ان کی (یعنی سید راشد شاہ کی) اولاد کو راشدی کہا جاتا ہے۔ بقول شاہ صاحب سید بدیع الدین اور سید فیض الدین شاہ کے

(الف) تاریخ ولادت: ۱۳۱۳ھ وفات: ۱۳۵۸ھ مطابق ۱۳ اکتوبر ۱۹۳۸م

(ب) ولادت: ۱۲۸۰ھ مطابق ۱۸۶۰م وفات: ۱۳۳۳ھ مطابق ۱۹۲۳م

(ج) ۱۳۱۷ھ ۱۹۰۷م تفسیر مفتاح رشد اللہ کے مصنف قاضی فتح محمد نظامانی نے انہیں چودھویں صدی کا مجدد کہا ہے (ج ص ۲۳)

(د) وفات: رجب ۱۲۷۵ھ

(س) تاریخ ولادت: ۱۱۷۰ھ تاریخ وفات: بروز جمعہ ۱۲۳۳ھ

(جد) سید فیض الدین شاہ شجرہ راشدی خاندان میں اور قاضی فتح محمد نظامانی نے مفتاح رشد اللہ (ج ص ۲۳-۲۷) میں شجرہ نسب اس طرح ذکر کیا ہے۔

”محمد راشد شاہ بن بقا شاہ شہید بن محمد امام شاہ بن شاہ فتح محمد بن شاہ شکر اللہ بن شاہ عثمان بن شاہ کھٹن بن شاہ سبخر بن شاہ بولن بن شاہ حسین بن شاہ میر علی بن شاہ ناصر الدین بن شاہ عباس بن شاہ فضل اللہ بن شاہ شہاب الدین بن شاہ بہاء الدین بن شاہ محمود بن شاہ محمد بن شاہ حسین بن شاہ چھکن بن شاہ علی کبی بن شاہ عباس بن شاہ زید بن شاہ اسد اللہ بن شاہ عصر بن شاہ حمزہ بن شاہ ہارون بن شاہ عبداللہ بن حسین بن امام علی رضا بن امام موسیٰ کاظم بن امام جعفر صادق بن امام محمد باقر بن امام زین العابدین بن امام حسین بن علی بن ابی طالب بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبد مناف (الحسینی العلوی الہاشمی) اس طرح جناب سید بدیع الدین شاہ محدث رحمۃ اللہ علیہ اپنی چالیسویں پشت میں امام حسین رحمۃ اللہ علیہ سے اکتالیسویں پشت میں امام علی رحمۃ اللہ علیہ سے اور تینتالیسویں پشت میں جناب خاتم النبیین اکرم الاولین والاخرین سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملتے ہیں۔ (واللہ اعلم بالصواب)

”آپ کے آباد و اجداد میں سے سید علی مکی کاظمین (عراق کے ایک شہر) سے بغرض دعوت و تبلیغ، ہجرت کر کے سندھ کے موجودہ ضلع دادو (Dadu) میں مکی شاہ صدر کے مقام پر آ کر مقیم ہوئی۔ ان کی اولاد کو لکیاری سادات کہا جاتا ہے اور لکیاری سادات کا مرکز آج بھی وہی جگہ ہے۔ لکیاری سادات کو سیدنا حسین بن علی بن ابی طالب ؑ کی اولاد کہا جاتا ہے۔ اسی وجہ سے علامہ سید بدیع الدین شاہ اور ان کے برادر اکبر علامہ سید ابوالقاسم محبت اللہ شاہ الراشدی اپنے آپ کو حسینی لکھتے تھے۔ واللہ اعلم۔

سید راشد شاہ کی وفات کے بعد ان کے بیٹوں میں سے سید صبغت اللہ شاہ کو خاندانی اور جماعتی سرپرستی کی علامت ”پگڑی“ دی گئی اور دوسرے فرزند سید یاسین شاہ کو دعوت و تبلیغ کی علامت ”جھنڈا“ دیا گیا جو کہ ان کے خاندان کی تبلیغی خدمات کے عوض انہیں افغانستان کے بادشاہ تیمور شاہ کے فرزند زمان شاہ کی طرف سے عطا کیا گیا تھا۔ سید صبغت اللہ شاہ کی اولاد کو پیر پگاڑہ خاندان اور سید یاسین شاہ کی اولاد کو پیر جھنڈا خاندان کہا جاتا ہے۔ اور سید راشد شاہ کے دیگر بیٹوں کی اولاد کو فقط راشدی کہا جاتا ہے۔ دور حاضر میں سندھ کی معروف سیاسی شخصیت اور گدی نشین پیر پگاڑہ صاحب اسی پیر پگاڑا خاندان سے تعلق رکھتے ہیں جب کہ علامہ سید بدیع الدین شاہ پیر جھنڈا خاندان سے ہیں۔

پیر جھنڈا خاندان اور عمل بالحدیث

بقول علامہ سید ابوالقاسم محبت اللہ شاہ الراشدی رحمۃ اللہ علیہ اور علامہ سید بدیع الدین شاہ الراشدی رحمۃ اللہ علیہ کے، ان کا خاندان ہمیشہ سے حدیث پر عامل رہا ہے۔ لیکن بقول سید محبت اللہ شاہ رحمۃ اللہ علیہ ہر ایک نے اپنے علم کے مطابق کام کیا ہے۔

سید راشد شاہ اور پیر جھنڈا خاندان کی دیگر معروف شخصیات کی ملفوظات میں آپ کو کئی باتیں عقیدہ سلف صالحین کے خلاف ملیں گی اور اس وقت ہندوستان میں تصوف و صوفیت کا غلبہ تھا تو اس لئے راشدی خاندان میں بھی تصوف کے غلط عقائد ملیں گے لیکن یہ ایک حقیقت ہے کہ عصر قریب میں سندھ کے اندر یہی واحد خاندان ہے جس نے تقلید کے جہود کو توڑتے ہوئے صحیح حدیث ملنے پر عمل بالحدیث کو ترجیح دی ہے اور جب بھی پتہ چلا کہ فلاں عقیدہ یا مسئلہ حدیث اور منہج سلف صالحین کے خلاف ہے۔ تو اس کو چھوڑ دیا ہے۔ اس

طرح کی کئی مثالیں آپ کو راشدی خاندان بالخصوص پیر جھنڈا خاندان کی تاریخ میں ملیں گی۔ سید راشد شاہ کے بعد پانچویں پشت میں علامہ سید ابو محمد بدیع الدین شاہ کی شکل میں سلفیت کے امام اچانک تیار نہیں ہوئے۔ یہ پیر جھنڈا خاندان کی اپنے اندر مسلسل اصلاح اور ترجیح العمل بالجہد کا نتیجہ ہے۔

پیر جھنڈا خاندان میں سب سے پہلے سید رشید الدین شاہ نے علی الاعلان مسلک اہل حدیث کی تبلیغ کی ان کے بھائی سید ہدایت اللہ شاہ راشدی بھی اہل علم میں سے تھے اور حدیث کی طرف مائل تھے۔ علامہ سید بدیع الدین شاہ رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ ”سید رشید الدین شاہ کے ملفوظات کو ان کی جماعت کے لوگوں نے جمع کیا ہے۔ اس میں جا بجا حدیث کو فقہ حنفی پر ترجیح دی گئی ہے۔ اور عقیدہ ہمہ اوست اور صوفیوں کے لطائف کو رد کیا ہے۔ (رموز راشدیہ ص ۳)

ان کے فرزند سید رشد اللہ شاہ رحمۃ اللہ علیہ سید نذیر حسین دہلوی اور علامہ شوکانی کے تلمیذ رشید علامہ حسین بن محسن الانصاری الیمانی کے شاگرد تھے۔ سید رشد اللہ شاہ نے دو بڑے کام کئے۔ ایک ”دار الرشاد“ کے نام سے مدرسہ قائم کیا جس کا برصغیر کے شہرت یافتہ مدارس میں شمار ہوتا تھا اور دوسرا کارنامہ ”کتب خانہ“ کا قیام تھا۔ ان کی وفات کے بعد ان کا کتب خانہ دو حصوں میں تقسیم ہو گیا۔ ایک حصہ سید احسان اللہ شاہ بن رشد اللہ شاہ کو ملا اور دوسرا حصہ سید ضیاء الدین شاہ بن سید رشد اللہ شاہ کو ملا۔ سید ضیاء الدین شاہ کو زیادہ کتب ملیں لیکن ان کی اولاد نے اس کی حفاظت نہیں کی کئی کتابیں ضائع ہوئیں بالآخر انہوں نے وہ کتب خانہ قومی عجائب گھر کراچی والوں کو فروخت کر دیا جہاں پر ان کی کتابوں کو الگ رکھا گیا ہے۔ ان کتابوں میں فقط مخطوطات ۱۲۰۰ کی تعداد میں تھے جو ضائع ہو گئے وہ الگ ہیں۔ علامہ سید رشد اللہ شاہ رحمۃ اللہ علیہ کے اہل حدیث تھے۔ انہوں نے مسلک اہل حدیث کی بڑی خدمت کی ہے۔ علامہ فیروز آبادی کی کتاب ”سفر السعادة“ کا سندھی زبان میں ”ثمر آخرت“ کے نام سے ترجمہ کیا جس میں مسلک اہل حدیث کے امتیازی مسائل کو دلائل سے ثابت کیا ہے۔

یہاں پر ہم سید رشد اللہ شاہ کی ان چند تصانیف کا ذکر کرتے ہیں جو انہوں نے حدیث کے متعلق یا مسلک اہل حدیث کی تائید میں لکھی ہیں۔

(۱) کشف الاستار عن رجال معانی الآثار (مدینہ منورہ سے بھی عکس طور پر شائع ہوئی ہے، شروع میں ہندوستان میں شائع ہوئی تھی)۔

(۲) تجرید صحیح البخاری کا سندھی زبان میں ترجمہ۔

(۳) رفع الريب فی مسئلة علم الغيب (یعنی عالم الغیب ہونا فقط اللہ تعالیٰ کی صفت ہے۔ اصحاب علم و فضل میں اس کا نام ”کشف الريب عن مسئلة علم الغيب“ لکھا ہوا ہے۔ شیخ زبیر علی زئی)۔

(۴) التقرير معلی فی ان حدیث افطر الحاجم والمحجوم منسوخ ام لا .

(۵) الاعتناء فی مسئلة الاستواء (استواء باری تعالیٰ کو ثابت کیا ہے)۔

(۶) عين المتانة فی تکرار الجماعة (جماعت ثانیہ کے جواز پر ہے) (اردو) اس میں رشید احمد گنگوہی دیوبندی کے ایک رسالے کا جواب دیا گیا ہے۔

(۷) درج الدرر فی وضع الایدی علی الصدر (عربی) یہ رسالہ علامہ مخدوم محمد ہاشم القوی السندی لکھی کے رسالہ ”درهم الصرة فی وضع الایدی تحت السرة“ کا رد ہے۔

(۸) القرئ لمصلی الجمعة فی المدن والقرئ (عربی) گاؤں میں جمعہ کے جواز پر ہے۔

سید احسان اللہ شاہ بن سید رشد اللہ شاہ راشدی رحمہ اللہ

علامہ سید احسان اللہ شاہ کے متعلق سید سلیمان ندوی لکھتے ہیں کہ ”وہ اسماء رجال میں امام ہیں، یہی بات سید بدیع الدین شاہ اپنے استاد و شیخ عبدالحق البہاشی سے اور سید محبت اللہ شاہ رحمہ اللہ علامہ ابوالوفاء امرتسری رحمہ اللہ سے نقل کرتے ہیں۔“

علامہ سید محبت اللہ شاہ راشدی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ ”اگر کوئی مجھے رکن یمانی اور مقام ابراہیم کے درمیان حلف دے کر پوچھے تو میں یہی کہوں گا کہ میں نے ان (سید احسان اللہ شاہ) سے بڑھ کر پاکباز اور صاحب تقویٰ نہیں دیکھا۔ (ولا نزکی علی اللہ احدا)

سید احسان اللہ شاہ رحمہ اللہ ایک غیر متداول حدیث اور سنت نبوی ﷺ سے زبردست محبت کرنے

والے تھے۔ اسی وجہ سے انہیں ”پیر صاحب سنت والے“ کے نام سے پکارا جاتا ہے۔

علامہ سید احسان اللہ شاہ راشدی رحمۃ اللہ علیہ کو اپنے والد سید رشد اللہ شاہ راشدی رحمۃ اللہ علیہ کے کتب خانہ سے کچھ کتابیں ملی تھیں اس کے بعد انہوں نے خود کتابوں کو جمع کیا۔ حیدر آباد دکن اور بعض دیگر مقامات پر وہ اپنے کتابوں کو بھیج کر مخطوطات نقل کرواتے تھے۔ اسی طرح مصر اور دیگر عرب ممالک سے زکیر خراج کر کے قلمی مخطوطات نقل کروا کر منگواتے تھے۔ ان کے کتب جمع کرنے کے شوق کا اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ جس دور میں امام خطیب کی تاریخ بغداد شائع نہیں ہوئی تھی۔ انہوں نے چودہ سو (۱۴۰۰) روپے خرچ کر کے مصر سے اس کی فوٹو بنوائی اور جب وہی کتاب شائع ہوئی تو اس کی کل قیمت صرف (۲۸) روپے تھی۔ انہوں نے مسلک اہل حدیث کی تائید میں ایک رسالہ ”مسلک الانصاف“ کے نام سے لکھا ہے۔

علامہ سید بدیع الدین شاہ راشدی سندھی رحمۃ اللہ علیہ

علامہ سید بدیع الدین شاہ ایک ثقہ امام، علم و فقہ کے بحر، تقویٰ و ورع کے پیکر، ایک عظیم محدث اور عصر حاضر میں محدثین کرام کے صحیح جانشین، بے باک حق گو، کردار و گفتار میں یکساں، اتباع السنۃ اور عقیدۃ السلف کے لئے غیور، ایک عظیم استاد، مصلح اور داعی تھے جن کی محنت و جدوجہد کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے بے شمار انسانوں کو ہدایت بخشی۔ آپ دینی معاملات میں بے جازمی اور مداخلت کے مخالف تھے۔ تقلید و بدعت کا ان سے بڑھ کر شاید ہی کوئی دشمن ہو۔

حق گوئی ان کا شعار تھا، کبھی کسی منکر سے صرف نظر نہیں کیا۔ دنیوی لالچ ان کے قریب بھی نہیں بھٹکتا تھا۔ خاص طور پر ان کا اخلاص جو کہ ضرب المثل بن گیا ہے، وہ سندھ کے ایک باعزت اور بڑے بااثر خاندان سے تعلق رکھتے تھے جن کے ہزاروں لاکھوں کی تعداد میں مرید تھے لیکن توحید و سنت کی خاطر انہوں نے سب کچھ قربان کر دیا۔ وہ ایک جری اور نڈر شخص تھے جنہوں نے اپنی ساری زندگی وڈیروں، پیروں، مشرکوں اور مقلدوں سے آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کی اور کبھی کسی سے نہیں ڈرے۔

اہل حدیث سے زبردست محبت کرنے والے، خیر خواہ اور کمزوروں کے ہم درد تھے۔ ہر شخص یہی سمجھتا کہ شاہ صاحب مجھ سے اوروں سے بڑھ کر محبت کرتے ہیں۔ باوجود قلت المال کے بڑے مہمان نواز

تھے۔ ان کا دسترخوان کشادہ ہوتا تھا۔

آپ نیو سعید آباد میں رہے یا حیدر آباد میں، جہاں بھی ہوتے تھے بڑی رونقیں ہوا کرتی تھیں۔

ذهب الذین یعاش فی اکنافہم
بقیت فی خلف کجلد الاجرب

اصلاح امت کا درد ان کے اندر کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا۔ آپ کے اخلاص اور درد اصلاح کا اندازہ ان کی اس تحریر سے بھی لگایا جاسکتا ہے۔

”عام طور پر کتنے قاری دنیا کی خاطر قرآن پڑھ کر لوگوں سے سوال کرتے ہیں۔ کچھ تو گاڑیوں اور بسوں میں تلاوت قرآن کر کے بھیک مانگتے ہیں اور بعض رمضان میں مقررہ اجرت پر تراویح پڑھاتے ہیں تو بعض تقریر کی باقاعدہ فیس مقرر کرتے ہیں۔ اس قسم کی تجارت کا بازار محرم کے پہلے عشرے، ربیع الاول اور رجب کے مہینوں میں گرم نظر آتا ہے۔

اسی طرح مرنے والوں کے پیچھے ختم کے وقت، قبروں پر یا (قل و ایصال ثواب کی) محافل میں خوب کمائی ہوتی ہے۔

قرآن کی اس سے بڑھ کر اور کیا اہانت ہو سکتی ہے کہ جو کتاب پڑھنے، سمجھنے اور عمل کرنے کے لئے نازل ہوئی ہے اسے دنیا کے مال و متاع اور عیش و آرام پر نیلام کیا جائے۔ یہی قرآن کی زبردست بے قدری ہے۔

قدر گل بلبل بداند یا بداند عنبری

قدر جوہر شاہ بداند یا بداند جوہری

(مقدمہ بدیع التفسیر ص ۵۸ ترجمہ از سندھی)

تاریخ ولادت:

سید بدیع الدین شاہ الراشدی رحمۃ اللہ علیہ ۱۸ ذوالحجہ ۱۳۴۳ھ بمطابق ۱۰ جولائی ۱۹۲۵ء کو بمقام گوٹھ (گاؤں) سید فضل اللہ شاہ (قدیم پیر جھنڈا) نزد شہر نیو سعید آباد سابقہ تحصیل ہالانیو سابقہ ضلع حیدر آباد موجودہ

ضلع ٹیاری میں پیدا ہوئے، نیو سعید آباد شہر جو کہ اب تحصیل بھی ہے، حیدر آباد شہر سے شمال مشرق میں تقریباً ۵۷ کلومیٹر کے فاصلے پر واقع ہے جبکہ نواب شاہ شہر سے جنوب میں واقع ہے۔

تعلیم و تربیت:

سید بدیع الدین شاہ محدث رحمہ اللہ نے اپنے خاندانی مدرسہ موسوم بہ ”دارالرشاد“ میں ہی تعلیم مکمل کی۔ ان کے والد علامہ سید احسان اللہ شاہ رحمہ اللہ نے ان کی تربیت پر خصوصی توجہ دی۔ اور شاہ صاحب رحمہ اللہ نے اکثر یہی ذکر کیا ہے کہ ان پر خاص طور پر ان کے والد ماجد کی تربیت اثر انداز رہی۔ چنانچہ وہ اپنی عربی زبان میں خود نوشت سوانح حیات میں لکھتے ہیں:

”و كنت بتربية الوالد وقد حبيب الى الحديث والسنة وعقيدة السلف“ (الفصل الثالث)
یعنی میں اپنے والد کے زیر تربیت تھا انہوں نے مجھے حدیث و سنت اور عقیدہ سلف کے ساتھ محبت کا درس دیا۔

رموز راشدیہ میں وہ کہتے ہیں۔ ایک میرے والد احسان اللہ شاہ تھے، انہوں نے بچپن میں میرے دل و دماغ میں یہ بات پختہ کر دی تھی کہ قرآن و حدیث کی بات سب پر مقدم ہے۔ قرآن و حدیث کے علاوہ کوئی بات نہیں مانتی (ص ۶۷)

علامہ احسان اللہ شاہ رحمہ اللہ علامہ سید بدیع الدین شاہ راشدی رحمہ اللہ کے استاد بھی تھے۔ چنانچہ جناب سید بدیع الدین شاہ رحمہ اللہ اپنی خود نوشت (سوانح حیات) میں لکھتے ہیں:

فأول ما قرأت القرآن الكريم ثم بدأت في الدراسة حسب المنهج فأول ما درست في الحديث كتاب الأربعين للنووي فلما ختمته عرضته على الوالد فرضى عني وامرني بدراسة بلوغ المرام فلما وصلت الى النصف الا وجاءه داعي ربه الاعلى فلباه وانا حينئذ ابن نحو من ثلاث عشرة سنة (الفصل الثالث)

یعنی سب سے پہلے میں نے قرآن مجید پڑھا پھر نصاب کے مطابق پڑھائی شروع کی اور حدیث میں میں نے سب سے پہلے امام نووی رحمہ اللہ کی اربعین پڑھی جب ختم کر چکا تو جناب والد کو سنائی، والد

صاحب خوش ہوئے اور مجھے بلوغ المرام پڑھنے کا حکم کیا۔ میں ابھی تک اس کی نصف تک ہی نہیں پہنچا تھا کہ خدائے برتر کا داعی آیا اور انہوں نے لپیک کہہ دیا۔ اور اس وقت میں تقریباً ۱۳ سال کا تھا۔

ان کے علاوہ جناب سید بدیع الدین شاہ المحدث نے درج ذیل اساتذہ سے علم حاصل کیا، شیخ محمد اسماعیل بن عبدالحق سندھی، شیخ ذی محمد بن محمد عامر کیریہ، شیخ محمد سلطان کوریجہ (ہالا)، شیخ شفیع محمد (سکرٹ سندھ)، شیخ محمد نور عیسیٰ خیل (پنجاب) شیخ عبدالرحمن رامپوری، شیخ قطب الدین ہالجوی، حافظ محمد امین متوہ، (کچھ بھوج گجرات بھارت کا علاقہ جو کہ دراصل سندھ کا حصہ ہے)۔ شیخ بہاؤ الدین جلال آبادی (افغانستان) شیخ محمد ایوب (افغانستان) شیخ محمد احمد (لدھیانوی) شیخ محمد مدنی، شیخ عبداللہ بن عمر بن عبدالغنی کھڑبری (نواب شاہ)، شیخ محمد خلیل بن محمد سلیم لدھیانوی (خیر پور سندھ) وغیرہم

امام السلفیہ سید بدیع الدین شاہ رحمہ اللہ اپنی خودنوشت سوانح حیات میں اپنی تعلیم کے متعلق لکھتے

ہیں،

كنت مستمرا في الدراسة حتى اتممتها في نحو ثلاث سنين (الفصل الثالث)
یعنی والد ماجد کی وفات کے بعد میں نے تعلیم کو جاری رکھا اور تقریباً تین سال کے (مختصر) عرصہ میں (مدرسہ کا) نصاب مکمل کر لیا۔

انقلاب

معزز قارئین! جناب شاہ صاحب ایک ایسی شخصیت تھے جنہوں نے رب کائنات کی تائید سے تنہا بحر شرک و فکرمیں توحید کی تلاطم خیز موجیں برپا کیں ایسی کامل شخصیات بہت کم ہی پیدا ہوتی ہیں۔
سؤ فیصد نامساعد اور پر مصائب حالات میں جب کوئی بھی ہم سفر نہ ہو اور نہ کوئی رب کائنات کے سوا معین و مؤید ہو با مخالفت سے ٹکرانا پھر عزم و ثبات کے ساتھ اور تحمل و صبر کے ساتھ ڈٹے رہنا لاکھوں انسانوں میں سے کسی ایک شخص کا نصیب ہوتا ہے۔ جس سے رب تعالیٰ ایسا کام لینا چاہتا ہے۔

جناب سید بدیع الدین شاہ المحدث رحمہ اللہ کی تیرہ سال کی عمر میں والد ماجد فوت ہو گئے جو کہ ایک محبت حدیث عالم دین تھے جب کہ ان کے بعد بقول شیخ الاسلام علامہ بدیع الدین کے ”ماکان یوجد فی

بلادنا شیخ ولا استاد یکون علی مذهب السلف (خود نوشت الفصل الثالث) یعنی ہمارے وطن میں کوئی ایسا شیخ اور استاد نہیں تھا جو کہ مذہب سلف پر چلنے والا ہو۔

شیخ بدیع الدین رحمہ اللہ اپنے استاد شیخ عبداللہ کھڑی سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا:

ماکانوا یدرسون الحدیث الاربع مشکوٰۃ المصابیح تبرکاً ولا یعرفون فوق ذلک اصلاً (الفصل الثالث من کتاب احوال حیاتی) یعنی حدیث پڑھاتے ہی نہیں تھے فقط مشکوٰۃ المصابیح کا ایک چوتھا ہی برائے تبرک پڑھایا کرتے تھے اس کے علاوہ کچھ بھی نہیں جانتے تھے۔
بلکہ شیخ معین الدین ٹھٹھوی نے دراسات اللیب کے اندر لکھا ہے:

”فیحرمون العمل بالحدیث علی خلاف الروایۃ، بل البعض منهم ینکلم فی ذلک بمایخاف علیہ وھجر کتب الحدیث فی بلاد السند والہند وجوداً و تمارساً، حتی تجد جماعة من طلبة العلم بل ممن یدعی الشیخوخۃ والتدریس ماعبروا الا علی جزء من مشکوٰۃ المصابیح او کلہ وھو القدوة عند نفسه فی الحدیث (ص ۱۸۳)

یعنی احناف (اپنے مذہب کی) روایت کے خلاف حدیث پر عمل کرنے کو حرام کہتے ہیں، بلکہ ان میں سے بعض اس بابت ایسی باتیں کرتے ہیں کہ ان کے کفر کا خوف رہتا ہے۔ اور حدیث کی کتب کو سندھ و ہند کے اندر ترک کر دیا گیا ہے یعنی نہ کوئی خاص ان کا وجود ہے نہ ان سے تعلق، یہاں تک کہ طلبہ العلم، بلکہ جو شیخ اور مدرس ہونے کا دعویٰ کرتا ہے اس نے مشکوٰۃ المصابیح کے ایک جزء یا اسی کے علاوہ کچھ نہیں پڑھا ہوگا حالانکہ وہ اپنے آپ کو علم حدیث میں لائق اقتداء سمجھتا ہے ایسا دور جس میں فقط دیار سندھ میں مدرسہ دارالرشاد ہی تھا جس کے نصاب میں کتب حدیث کو داخل کیا گیا تھا وہ بھی پیر جنڈا خاندان کی ذاتی دلچسپی کی وجہ سے ورنہ اس دور میں اسے استاد و شیوخ ہی نہیں ملتے تھے جو حدیث کو حدیث خاتم النبیین اور اصل من اصول الدین سمجھ کر پڑھاتے ہوں بلکہ کامیاب استاد اسے سمجھا جاتا تھا جو حدیث کو رد کرنے کے لئے زیادہ نکات اور تاویلات و دلائل باطلہ لائے۔ (رموز ۱۲)

جناب شاہ صاحب رحمہ اللہ کے اساتذہ میں سے فقط ان کے برادر اکبر علامہ سید محبت اللہ شاہ رحمہ اللہ

اہل حدیث تھے جب کہ شیخ محمد اسماعیل بن عبدالحق افغانی اور شیخ ولی محمد کیریہ پر علامہ سید احسان اللہ شاہ راشدی کا اثر تھا اور تھوڑے بہت مسلک اہل حدیث کی طرف مائل تھے۔ جب کہ باقی سارے اساتذہ متعصب حنفی تھے۔ جن میں سے کچھ نے تو شاہ صاحب کو حدیث پڑھنے سے ہی روکنے کی کوشش کی جب کہ بعض دیگر کے متعلق شاہ صاحب اپنی خود نوشت سوانح حیات میں لکھتے ہیں:

لکان اولئک الشیوخ یاتون بتاویلات تقشعر منها الجلود ولكن ماثرث علی شینا بل مازلت ازداد حبا الی حبا للسنۃ والحديث (الفصل الثالث)

یعنی وہ اساتذہ حدیث کو رد کرنے کے لئے ایسی تاویلات پیش کرتے تھے کہ جس سے روکھے کھڑے ہو جائیں لیکن ان تاویلات نے مجھ پر کوئی اثر نہیں کیا بلکہ سنت و حدیث کے لئے میری محبت اور بڑھتی گئی۔

ایک ایسا معاشرہ جس میں کوئی بھی عمل بالحدیث کی بات کرنے والا نہ ہو، نہ داعی نہ قائل، تقلید جامد اور تصوف و صوفیت کی بادشاہت کے زمانہ میں علامہ سید بدیع الدین شاہ فقط ۱۲-۱۵ سال کی عمر میں طالب علمی کی حیثیت سے اپنے اساتذہ سے عمل بالحدیث اور عقیدہ سلف صالحین کے دفاع کے خاطر مناظرہ و بحث شروع کرتے ہیں اور بالآخر ہادی کائنات کی توفیق سے ان غالی اور متعصب شیوخ کو بھی اپنے بعض نظریات سے رجوع کرنا پڑتا ہے۔ یا ہار مان کر چپ ہونا پڑتا ہے۔ تفصیل کے لئے دیکھیے رموز راشدیہ ص ۱۵-۱۷۔

قارئین کرام! زمانہ طویل کے بعد سر زمین سندھ پر جناب علامہ سید بدیع الدین شاہ راشدی سندھی محدث ۱۲-۱۵ سال کی عمر ہی سے توحید و سنت کا انقلاب برپا کرنے کی ابتداء کرتے ہیں، جب کوئی ہم نوا وہم سفر نہیں ہے۔ یہ ایک عظیم شرف ہے کہ بقول شاعر

یہ	بلند	رتبہ	ملا	جس	کو	مل	گیا
ہر	مدعی	کے	واسطے	دارو	رسن	کہاں	
ایں	سعادت	بزرور	بازو	نہیست			
تانہ	بخشد	خدائے	بخشندہ				

فرمان الہی ہے:

ذَلِكَ فَضْلُ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَشَاءُ (الجمعة: ۴)

فَمَنْ يُرِدِ اللَّهُ أَنْ يَهْدِيَهُ يَشْرَحْ صَدْرَهُ لِلْإِسْلَامِ (الانعام: ۱۲۵)

سلف کی یاد

جناب سید بدیع الدین شاہ راشدی رحمۃ اللہ علیہ نے مدرسہ کا نصاب مکمل کرنے کے بعد درج ذیل علماء

اہل حدیث سے اجازہ حاصل کی۔

- (۱) شیخ الاسلام علامہ ابوالوفاء ثناء اللہ امرتسری رحمۃ اللہ علیہ
- (۲) الشیخ المحدث الحافظ عبداللہ روپڑی امرتسری ثم لاہوری
- (۳) الشیخ المحدث الکبیر ابوسعید شرف الدین الدہلوی تلمیذ الشیخ الامام المحدث بشیر الدین السہوانی مصنف کتاب صیۃ الانسان
- (۴) الشیخ الصالح الزاہد المحدث نیک محمد ابواسحاق رحمۃ اللہ علیہ
- (۵) الشیخ ابو محمد عبدالحق بھالیوری مہاجر کی رحمۃ اللہ علیہم اجمعین

جناب شاہ صاحب اپنے استاد علامہ ثناء اللہ امرتسری کے متعلق لکھتے ہیں ”مجھے بہت زیادہ علمی فوائد مولانا ثناء اللہ امرتسری سے حاصل ہوئے۔ ان سے کافی صحبت ملی۔ پڑھنے پڑھانے کا طریقہ وہیں سے حاصل ہوا۔

”منہج المستبحر میں انہیں الفاظ سے یاد کرتے ہیں: ”شیخنا الاستاذ المفسر المحدث حجة الله على الارض“ رموز راشدیہ میں درج ذیل القاب سے یاد کیا ہے: ”شیخ الاسلام مفسر القرآن امام المناظرین علامہ (ص ۱۸) اور شیخ حافظ عبداللہ روپڑی کو ان الفاظ سے یاد کیا ہے: ”عمدة العلماء فقیہ الوقت علامہ“

شیخ ثناء اللہ، حافظ عبداللہ روپڑی اور شیخ ابواسحاق نیک محمد سے شاہ صاحب نے امرتسر پنجاب (مشرقی) میں جا کر سند حاصل کی جب کہ وہ شیخ ابوسعید شرف الدین سے تقسیم ہند سے قبل دہلی میں ”پھانک

جس خان“ کے مدرسہ میں ملاقات کر چکے تھے اور تقسیم کے بعد جب شیخ ابو سعید شرف الدین پاکستان آئے تو جناب شیخ بدیع الدین رحمہ اللہ نے انہیں مدرسہ دارالرشاد میں تدریس کی دعوت دی جو انہوں نے قبول کر لی اور پھر وہاں شاہ صاحب نے ان سے سند اجازہ حاصل کی۔ (رموز ۱۸)

قوت حافظہ

اللہ تعالیٰ نے جناب سید بدیع الدین شاہ السندی المحمدی کو زبردست قوت حافظہ سے نوازا تھا انہوں نے محض تین ماہ کے قلیل عرصہ میں قرآن مجید مکمل کیا اس دوران ان کے دیگر تبلیغی اور ذاتی اعمال و مشاغل بھی پہلے کی طرح جاری رہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ”میں یہ دعویٰ تو نہیں کرتا کہ میں حافظ ہوں (یعنی جسے محدثین حافظہ کہتے تھے) لیکن اللہ تعالیٰ کی اتنی مہربانی ہے کہ زندگی کے اکثر مسائل کے بابت احادیث بمعہ حوالہ کتب معلوم ہیں۔ انکے حافظہ کا اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ تفسیر یا کوئی دوسری کتاب لکھواتے وقت کہتے کہ فلاں کتاب لاؤ اور اس کی فلاں صفحہ نمبر کھولو، غرض زمانہ جوانی کی پڑھی ہوئی کتب کے حوالے بھی بمعہ صفحہ و جلد وغیرہ انہیں یاد ہوتے تھے۔ زمانہ طالب علمی کے پڑھے ہوئے بے شمار اشعار انہیں آخر تک از بر تھے۔

مطالعہ کتب

شاہ صاحب کا مطالعہ بہت وسیع تھا۔ انہیں تفسیر، علوم القرآن، حدیث، علوم الحدیث یعنی علم المصطلح، تراجم، رجال، شروح الحدیث، اصول الفقہ، کتب فقہ المذاہب الاربعہ، خلائیات المذاہب، ادب، تاریخ، لغت، علوم اللغۃ العربیہ، شعر، علوم الشعر، عقائد، منطق، معانی بلاغت وغیرہ کی کتب کا زبردست مطالعہ تھا۔ اور ان علوم پر ان کی بہت گہری نظر تھی۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں بہت ہی سریع الفہم بنایا تھا۔ اور ہر علم پر انہیں دسترس حاصل تھی لیکن خاص طور پر علوم القرآن، تفسیر، حدیث، علوم الحدیث، رجال، اعتقاد السلف الصالحین، اور مذاہب باطلہ و فرق ضالہ پر رد وغیرہ کے ساتھ انہیں خاص شغف تھا۔

اور امام ابن حزم الظاہری اللاندلی صاحب المحلی^①، شیخ الاسلام ابن تیمیہ اور ان کے شاگرد ذی شان

① امام ابن حزم کی کتاب ”طوق الحمامہ“ کو انہوں نے کئی دفعہ پڑھا اور اس پر بہت ہی مفید حواشی لکھے ہیں جن کا میں نے

”سطح السد علی طوق الحمامہ“ نام رکھا ہے اور اس کی اصلاح و ترتیب جاری ہے۔ (ابو جبر)

علامہ ابن قیم الجوزیہ، علامہ محمد علی شوکانی، امام الدعوة محمد بن عبد الوہاب کی کتب کا انہوں نے بڑے اہتمام اور خاص توجہ کے ساتھ مطالعہ کیا تھا۔ ان کے وسعت مطالعہ کا اندازہ اس بات سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ ان کے عظیم و ضخیم مکتبہ کی تقریباً ہر کتاب کو انہوں نے پڑھا ہے اور ایسی بہت کم کتابیں ملیں گی جن پر انہوں نے ابتداء سے لے کر انتہاء تک حواشی یا نوٹ نہ لگائے ہوں، ان کے ان حواشی میں بڑے علمی نکات ہیں جن کو جمع کرنے کی ضرورت ہے۔

ماہنامہ صراط مستقیم کراچی (ج ۱ ش ۱) ۱۹۹۳ء جولائی، کو انٹرویو دیتے ہوئے کہا کہ ”غالباً والدہ کی دعاؤں کا اثر ہوا اور اللہ تعالیٰ نے ہمارا ذہن علم کی طرف لگا دیا۔ اس زمانے میں مطالعہ کا شوق پڑ گیا جب کہ پوری طرح عربی بھی پڑھنی نہیں آتی تھی۔ جو کچھ مجھے حاصل ہوا مطالعہ سے ہی حاصل ہوا۔ (بحوالہ رموز راشدہ ص ۶۷)

دراصل انہیں مطالعہ کی عادت اس وقت پڑی جب وہ اپنے استاد مولوی خلیل سے مختلف مسائل پر بحث و مناظرہ کر رہے تھے (بحوالہ رموز راشدہ ص ۱۷)

سابقہ الذکر صراط مستقیم کے ایک سوال کے جواب میں انہوں نے کہا ”سارا دن مطالعہ ہی کیا کرتا تھا۔ جب دیکھو ہاتھ میں کتاب ہوتی تھی سفر ہو یا حضر (رموز راشدہ ص ۶۸)

مطالعہ کے بارے میں انہوں نے کہا کہ ”صرف درس نظامی سے علم نہیں بڑھتا۔ درس نظامی کا مقصد صرف یہ ہے کہ لڑکے میں اتنی قابلیت پیدا ہو جائے کہ وہ کوئی کتاب اٹھا کر پڑھے تو اس کو سمجھ آ سکے۔ اگر کوئی مقام مشکل آ گیا تو اس کی شرح نکال لے، لغت کی کتابیں نکال کر اس بات کو سمجھ لے یہ صلاحیت اس کے اندر پیدا ہو جائے درس نظامی کا مقصد صرف یہی ہے بس اس سے آگے کچھ نہیں۔ اب علم جو بڑھے گا وہ مطالعہ سے بڑھے گا۔ (رموز راشدہ ص ۶۸)

آپ شاہ صاحب رحمہ اللہ کی تصانیف اٹھا کر دیکھ لیں بے شمار کتب کے حوالہ جات سے پر ہیں یہ ان کے قوت حفظ اور وسعت مطالعہ کی واضح دلیل ہے۔

دعوت و تبلیغ

جناب قارئین کرام! جس دور میں علامہ سید بدیع الدین شاہ راشدی رحمۃ اللہ علیہ نے آنکھ کھولی اس وقت سندھ کے کیا مذہبی حالات تھے اس کا کچھ اندازہ تو اس تفصیل سے لگا سکتے ہیں جو ہم نے ”انقلاب.....“ کے عنوان کے تحت گزارش کی ہے۔ مزید برآں معلوم رہے کہ یہ وہ دور تھا کہ جب لوگوں کو قرآن و حدیث سنانے والا کوئی نہیں تھا۔ قرآن مجید کا ترجمہ پڑھنے سے لوگوں کو روکا جاتا تھا۔ جمعہ اور عید کے خطبہ میں قرآن مجید کی آیات اور احادیث کے بجائے اشعار میں لکھی گئی خطبات جتوئی نامہ کتاب سے چند غزل و اشعار گائے جاتے تھے۔

جہالت اپنے عروج پر تھی۔ مولویوں کی دو قسمیں تھیں۔ ایک وہ جو باقاعدہ مدارس میں عربی کا نصاب پڑھ کر فارغ ہوتے تھے وہ بھی اکثر قبوری و وجودی صوفی ہوا کرتے تھے۔ صوفیت کے معروف سلاسل میں سے کسی سلسلہ سے منسلک ہونا ہر مولوی کے لئے ضروری خیال کیا جاتا تھا۔

اس تصوف نے تو اہل سندھ کا یہاں تک بیڑا غرق کر دیا تھا کہ جن بعض اہل علم نے حدیث کی کسی طرح خدمت کی یا صوفیوں کے بعض غلیظ ترین مسائل کا رد کیا تو وہ بھی اس بحر ظلمات میں ضرور کسی نہ کسی طرح غوطہ زن رہے۔

پڑھے لکھے مولویوں کا خاص کام برسوں سے مردج بدعات، کفریہ یا شرکیہ عقائد کا دفاع کرنا یا انہیں جوں کا توں رکھنا تھا۔ خاص طور پر اعتقاد میں تصوف و اشعریت و ماتریدیت کو سنبھالا دینا اور فروع میں حدیث کو رد کرنا اور فقہ حنفی کو پروان چڑھانا تھا۔

دوسرے مولوی وہ تھے جنہوں نے بے قاعدہ طریقے سے قرآن مجید پڑھا اور پڑھایا۔ ان کا کام معاشرے کے رنگ میں رنگ جانا تھا۔ تیجہ، چالیسواں، ختم شریف وغیرہ ان کی محبوب ترین نیکیاں ہوتی تھیں لوگ انہیں ملاں یا آخوند کہتے تھے۔ یہ لوگ عوام کی مرضی کے رسم و رواج اور بدعات میں ان کے معاون ہوتے تھے۔ موضوع اور من گھڑت کتابیں پڑھ کر سنانا ان کا کام تھا۔ عوام الناس کے لئے پیروں اور مولویوں کی باتیں اور کرامات اولیاء کے من گھڑت قصے کہانیاں وین کا درجہ رکھتی تھیں۔

جناب قارئین کرام! حالت یہ تھی کہ مدارس کے فارغ کتنے مولوی، جعفر و ریل اور جادو و کہانت کی کتب تصنیف کرتے اور لکھتے تھے۔ اس دور کے کتنے مولویوں ملاؤں کا کام دن رات لوگوں کو تعویذ دینا، فال نکالنا، غیب دانی کا دعویٰ کرنا اور بعض سرور قلب کے مجبور محبین کے سنگ دل محبوبوں کو ان کے قدموں میں گرانا تھا۔

ان دنوں جب کوئی شخص کسی مسجد میں سنت نبوی ﷺ کے مطابق نماز ادا کرتا اور رفع الیدین کرتا تو اس مسجد کو دھویا جاتا تھا، کیوں کہ بدعتی ملاؤں کا فتویٰ تھا کہ یہ (الجدیث) پلید ہیں۔ علامہ سید بدیع الدین شاہ راشدی رحمہ اللہ کہتے ہیں ”ابتداء میں ہم یہاں اہل حدیث نام کو ترستے تھے، اگر اتفاق سے کوئی اہل حدیث مل گیا تو سارے پروگرام وہیں ختم ہو جاتے تھے اور اس کے ساتھ بیٹھ کر ہمارا پورا دن گزر جاتا۔ (رموز راشدیہ ۷۲-۷۳)

معزز قارئین! چونکہ سرزمین سندھ اس وقت شرک و بدعات کا گڑھ بن چکی تھی۔ ایسے وقت میں خالص توحید و سنت کی دعوت دینا، اور شرک و بدعات کا رد کرنا کوئی معمولی کام نہیں تھا۔ شاہ صاحب کہتے ہیں ”چونکہ ہماری دعوت توحید و سنت کی اشاعت اور شرک و بدعت کی تردید سے شروع ہوئی اور اس موضوع کے لئے وقف تھی اس لئے مخالفت کا سامنا ہونا لازمی تھا۔ ہمارے ملک میں پیری مریدی کا گھیرا تھا اور جگہ جگہ پیروں کی گدیاں آباد تھیں۔ اسی طرح کئی سال سے لوگوں پر تقلید کا جمود طاری تھا۔ ان حالات میں توحید و سنت کی دعوت دینا اور شرک و بدعت کے خلاف آواز اٹھانا کتنا مشکل اور کٹھن کام ہے، یہ محتاج بیان نہیں۔ پیروں نے زور و شور سے مخالفت کی اور برادری والوں نے تو یہ کہا کہ اس نے دیوان حافظ پڑھا ہے، اس لئے اس کا دماغ خراب ہو گیا اور مولوی صاحبان تو آگ بگولہ ہو گئے، کہیں سے فتویٰ لگ رہا ہے اور کہیں سے دھمکیاں آرہی ہیں۔ وفد کی صورت میں لوگوں کے پاس جارہے ہیں کہ اس کی بات نہیں سنو یہ دین سے نکل چکا ہے، خود گمراہ ہے اور تمہیں بھی گمراہ کرے گا میں کسی کی طرف توجہ نہیں دیتا تھا اور ان کے ساتھ کسی قسم کا تعارض کئے بغیر اپنے مشن پر کار بند رہا۔ (رموز راشدیہ ص ۲۳)

جناب علامہ سید بدیع الدین شاہ راشدی رحمہ اللہ کو اس سلسلہ میں جو تکالیف و مصائب درپیش آئے

ان میں سے بعض کی تفصیل انہوں نے رموز راشدیہ (ص ۲۳-۲۷) میں ذکر کی ہے۔

معزز قارئین! ان پر خطر حالات میں جناب شاہ صاحب نے مسلک حق کی دعوت پیش کی، مشرکوں، مقلدوں اور پیروں سے آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کی اور شرک و بدعت اور تقلید کی زبردست بیخ کنی کی۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں فن خطابت پر قدرت سے نوازا تھا۔ دوران تقریر ہر مسئلہ کے لئے قرآن سے استدلال کرنا ان کا خاصہ تھا۔ خاص طور پر توحید اور رد شرک کے موضوع پر وہ دو سے چار گھنٹے تک بھی تقریر کرتے۔ کیسا ان کا جذبہ تھا اور کیا اخلاص! ان کے ابتدائی دور کے ساتھیوں سے آپ بیٹھ کر احوال پوچھیں تو آپ کو سلف صالحین کی یاد تازہ ہو جائے گی۔ شاید آپ کو کوئی ایسا شخص نہیں ملے گا جو اہل حدیث ہو اور جناب شاہ صاحب کی تقریر سے اکتایا ہو بلکہ سب کا دل چاہتا کہ شاہ صاحب کچھ دیر اور تقریر کر لیں۔

ان کی تحریک کو رب تعالیٰ نے زبردست کامیابی عطا کی وہی سندھ جس میں اگر کوئی شخص رفع الیدین کر کے کسی مسجد میں نماز پڑھتا تو اسے ڈنڈے مار کر باہر نکالا جاتا اور مسجد کو دھویا جاتا آج اسی سندھ میں آٹھ سو (۸۰۰) کے قریب اہل حدیث مساجد ہیں۔ بے شمار ایسے گاؤں ہیں جو سارے کے سارے اہل حدیث ہیں۔ ان کی تحریک سے دوران تقریر کئی لوگ اہل حدیث ہونے کا اعلان کرتے کتنے مسلک اہل حدیث کی حقانیت کا اعتراف کرتے اور کتنوں کے منہ بند ہو جاتے جو اہل حدیث پر اعتراض کرتے۔

انہوں نے اس تحریک میں شامل اہل حدیث ساتھیوں کو دل دیا ان کے ساتھ خیر خواہی کی حتی المقدور ان کے مسائل حل کئے۔ رات کے اندھیرے میں بھی اگر کوئی اہل حدیث ان سے کوئی مدد لینے آتا تو ضرور اس سے ہمدردی کرتے اس اخلاص، محبت، تقویٰ اور فہم و علم نے ان کی دعوت کو چار چاند لگا دیے۔

میرے دوستو اور بھائیو! اپنے دل پر ہاتھ رکھ کر سوچو کیا سید بدیع الدین شاہ رحمہ اللہ کا یہ عظیم احسان نہیں ہے کہ اس نے اہل سندھ کو شرک و کفر کے دلدل سے نکال کر قرآن و حدیث اور توحید اور صحیح عقیدہ سے روشناس کرایا ہے کیا ان کی تحریک سے قبل اہل سندھ نے کبھی اس طرح قرآن و حدیث سنا تھا؟

محترم شاہ صاحب نے نہ صرف سندھ بلکہ اس کے علاوہ پنجاب اور ملک سے باہر بھی بہت کام کیا۔ پنجاب کے بڑے جلسوں میں اکثر انہیں بلایا جاتا تھا۔ اس کے علاوہ بھی انہوں نے پنجاب میں بے شمار

پروگرام کئے۔ تقسیم ہند سے قبل بئالہ ضلع گورداسپور میں سالانہ الحمدیٹ کانفرنس کی محض ۲۰ سال کی عمر میں صدارت کی حالانکہ اس وقت وہاں پر کبار علماء کرام موجود تھے۔ اس وقت انہوں نے جو خطبہ صدارت پڑھا جو ان کے علمی مقام کا بڑا ثبوت ہے۔

وہ ۱۹۷۸ء سے قبل غالباً ہر سال حج پر جاتے اور موسم حج میں حرمین شریفین میں روزانہ اردو اور عربی زبان میں ان کے درس ہوتے تھے جس سے بے شمار لوگوں نے استفادہ کیا اس کے علاوہ انہوں نے اومان، کویت، متحدہ عرب امارات، بحرین، قطر، بنگلہ دیش، آمریکا، برطانیہ، ڈنمارک، کناڈا، ہندوستان، افغانستان اور دوسرے کئی ملکوں کے نہایت کامیاب تبلیغی دورے کئے۔

تدریس:

شاہ صاحب رحمہ اللہ کو اللہ تعالیٰ نے تدریس میں بھی بڑا ملکہ عطا فرمایا تھا۔ جامع اور مختصر الفاظ میں مافی الضمیر کو بیان کرنا ان کا ہی خاصہ تھا۔ آپ کی معلمانہ شفقت، شخص و جاہت و رعب و بحر علمی، قوت الاستحضار والاستشہاد اور بے مثل خلوص کے امتزاج سے سکھائی گئی سالہا سال گزرنے کے باوجود کالغش فی المحر رہتی تھی۔

آپ جامع المعقولات والمعقولات تھے، تقریباً ہر علم و فن کا سیر حاصل مطالعہ تھا۔ ہر فن و علم کے بنیادی اصول، متعلقات اور مذاہب و نظریات پر ان کی گہری نظر تھی۔ یہی وجہ ہے کہ جب بھی کوئی طالب علم ان سے پڑھنے کے لئے آتا تو یہ نہ پوچھتے کہ کون سی کتاب پڑھو گے بلکہ طالب علم جو بھی کتاب پڑھنا چاہتا آپ بغیر کسی بیٹگی مطالعہ کے بروقت پڑھا دیتے۔ آپ ایک اچھے اور کامیاب طبیب بھی تھے۔ بعض طلبہ آپ سے طب کی کتابیں بھی پڑھتے۔

شاہ صاحب کے ایک شاگرد اپنے ایک خط میں آپ کے متعلق یوں اظہار خیال کرتے ہیں:

ارسل لكم هذه الرسالة من ارض الجزيرة بعد ان يسر الله والتقينا بكم وطلبنا العلم
على ايديكم برهة من الزمن بكم بحق خير معلم لطالب العلم وهنا اقل مانقول في شيخ
امثلكم

یعنی میں یہ خط جزیرۃ العرب سے آپ کی خدمت میں ارسال کر رہا ہوں، اس سے قبل اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے آپ سے ملاقات ہوئی اور کچھ وقت ہم نے آپ سے علم حاصل کیا۔ بلاشبہ آپ طالب علم کے لئے بہترین استاد ہیں اور آپ جیسے شیخ اور استاد کے لئے یہ کم سے کم مدح ہے (ورنہ آپ کا مقام اس سے بھی بلند ہے اور آپ اس سے بڑھ کر مدح کے مستحق ہیں) (ابوسفیان سالم بن علی العمرالکویت) اس طرح کے بہت سے خطوط اور مکتبہ راشدہ کے ”کلمات الزائرین“ کی کتاب میں تاثرات موجود ہیں۔

شاہ صاحب نے اپنی طالب علمی کے دور میں بھی بعض طلبہ کو ابتدائی صرف و نحو کی کتب اور حدیث کی بعض کتابیں مثلاً شاکل ترمذی، وغیرہ پڑھائیں اور فارغ ہونے کے بعد بھی جو طلبہ آتے ان کو پڑھاتے۔ جب انہوں نے نیو سعید آباد سے متصل اپنا گاؤں آزاد پیر جھنڈو قائم کیا (جو کہ اب شہر کے اندر آ گیا ہے) تو وہاں پر المدرسۃ الحمدیۃ کے نام سے ایک درس گاہ قائم کی وہاں پر بھی پڑھایا۔

لکھتے ہیں:

وکذا كنت ادرس في المدرسة المحمدية التي استتها في قريتي فدرست الفنون بحسب المنهج ولكن غالب اوقاتي لتدريس الحديث وعلوم من المصطلح وغيره (احوال حیاتی الفصل السادس)

یعنی مدرسہ محمدیہ میں میں نے نصاب کے مطابق فنون کی کتب بھی پڑھائیں لیکن اکثر میں حدیث اور علوم الحدیث مثلاً مصطلح (اصول الحدیث) کی کتابیں پڑھاتا تھا۔ اور مزید لکھتے ہیں:

وقد كنت احج بيت الله الحرام كل عام على الغالب فادرس في ايام الموسم في الحرمين الشريفين باللغتين العربية والاردية وطلاب الحرم والحجاج والزوار شاهدون على ذلك (احوال حیاتی الفصل السادس)

یعنی میں غالباً ہر سال حج بیت اللہ کے لئے جاتا اور موسم حج میں روزانہ عربی اور اردو میں درس دیتا

تھا جس کے حرم شریف کے طلبہ حجاج اور زائرین گواہ ہیں۔

جناب شاہ صاحب غالباً ۱۹۷۷ء میں پاکستان سے ہجرت کر کے مکہ المکرمہ چلے گئے اور وہاں پر ۱۹۷۸ء تک رہے۔ اس دوران روزانہ حرم شریف کی میں تفسیر ابن کثیر اور صحیح البخاری پڑھاتے شاہ صاحب کا یہ تدریس کے لئے ایک سنہری دور تھا اس دوران دنیا کے طول و عرض سے ہزاروں طلبہ نے ان سے استفادہ کیا عرب ممالک سے بے شمار خاص طور پر ان سے استفادہ کرنے کے لئے مکہ المکرمہ آتے اور ان کے دروس ریکارڈ کرتے اور اس طرح ان کی شہرت دنیا کے اکثر اسلامی ممالک پہنچی۔ اسی لئے انہیں شیخ العرب والعجم کے لقب سے پکارا جاتا ہے۔

مجھے حیرت اس وقت ہوئی جب ۱۹۹۶ء میں میں نے حرم شریف میں افریقی پس ماندہ ریاست مالی کے ایک نوجوان ابومریم سے پوچھا کہ کیا تم شیخ بدیع رحمہ اللہ کو جانتے ہو؟ تو انہوں نے کہا ”ہل من اهل حدیث من لا يعرف الشیخ بدیع“ یعنی وہ کون سا اہل حدیث ہے جو شیخ بدیع کو نہیں جانتا؟

شاہ صاحب نے اس دور کے مجلس القضاء الاعلیٰ کے رئیس اور ممتاز عالم دین علامہ عبداللہ بن حمید رحمہ اللہ کی درخواست پر معبد الحرام المکی میں دو سال پڑھایا۔ اس سے قبل مکہ المکرمہ کی معروف یونیورسٹی دارالحدیث الخیرہ میں ایک سال تک پڑھایا۔ اسی دوران انہوں نے مدینہ یونیورسٹی میں علامہ عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز رحمہ اللہ کی دعوت پر دو مرتبہ محاضرہ (لیکچر) دیئے۔ پہلی مرتبہ اتباع الکتاب والسنہ اور صوفیت کے رد کے موضوع پر لیکچر دیا اور تصوف کا زبردست رد کیا کیوں کہ اس وقت کے وہاں کے شیخ عطیہ سالم تصوف کے حامی تھے اور ان کے ساتھ دوسرے کچھ اساتذہ بھی تھے۔ شاہ صاحب کے اس لیکچر کے بعد ان اساتذہ کو یونیورسٹی سے خارج کر دیا گیا۔ دوسری مرتبہ انہوں نے خدمات المحدثین فی جمع الحدیث و نشرہ مع الصبر علی ما اصابہم فی سبیل اللہ کے موضوع پر لیکچر دیا۔ پاکستان واپس آنے کے بعد انہوں نے مستقل کہیں نہیں پڑھایا جبکہ ملک اور بیرون ملک سے بے شمار طلبہ آئے اور انہوں نے ان سے مختلف کتابیں پڑھیں۔ (رموز راشدیہ ص ۲۱، احوال حیاتی الفصل السادس)

شاہ صاحب رحمہ اللہ منطق پڑھانے کے مخالف تھے ان کا کہنا تھا کہ منطق وہ شخص پڑھے جو عقیدہ و

اصول اسلام میں رسوخ حاصل کر لے جب کہ وہ مدارس کے موجودہ نصاب کو بھی کوئی زیادہ مفید نہیں سمجھتے تھے اور اس میں تبدیلی کے خواہاں تھے ان کا خیال تھا کہ نصاب میں ایسی کتابیں مقرر کی جائیں جن سے طلبہ میں صلاحیت پیدا ہو۔

تلامذہ:

عرب و عجم میں ان کے، راروں شاگرد ہیں، چند معروف تلامذہ کا ذکر کرتے ہیں۔ ان میں سے بعض وہ بھی ہیں جنہوں نے آپ سے سند اجازہ حاصل کی ہے۔

(۱) علامہ مقل بن ہادی الوادعی (عصر حاضر کے عظیم محدث اور داعی تھے۔ یمن کے علاقہ الحریرہ میں سعدہ کے مقام پر ان کی معروف درس گاہ تھی جس میں ان کے پاس ایک ہی وقت میں دو ہزار سے زائد طلبہ صحیح بخاری پڑھتے تھے اس کے علاوہ ان کے ہاں ان کی تیار کردہ استاد کی ٹیم بھی تھی) انہوں نے حدیث پر بڑا کام کیا۔ علم حدیث میں انہوں نے شیخ البانی سے بہت استفادہ کیا تھا۔ صحیح الجامع المسند اور دیگر کئی زبردست تالیفات چھوڑی ہیں۔ وہ منہج میں یکے سلفی تھے۔ جامعہ الایمان کے شیخ عبد الجبید زندانی (سابق نائب صدر یمن) کے سخت مخالف تھے اور اسی طرح اخوانی منہج کی سخت مخالفت کی اور اپنے علاقہ میں لوگوں کی اور طلبہ کی خالص سلفی منہج پر تربیت کی۔ وہ مدینہ یونیورسٹی کے ابتدائی زمانہ کے طالب تھے۔ شاہ صاحب سے انہوں نے سعودی عرب میں استفادہ کیا اور شاہ صاحب کے بڑے مداح تھے۔ دوران درس شاہ صاحب کے اقوال و مذاہب کو ذکر کرتے اور کہتے اگر تم نے صحیح البخاری پڑھنی ہے تو سندھ میں جا کر شیخ بدیع سے پڑھو، یہ باتیں ان کے کئی تلامذہ نے مجھے بتائی ہیں۔ اس کے علاوہ ان کے خاص شاگرد اور معاون ابو ہارون عوض بن عبد اللہ الیمانی کے خطوط ہیں جن میں یہ باتیں مذکور ہیں۔) اس کے علاوہ ان کے تلامذہ میں سے بعض احباب نے ہمیں حرم شریف میں تفصیل بتائیں۔

(۲) شیخ عمر بن محمد بن عبد اللہ السبیل رحمہ اللہ سابق امام الحرم المکی

(۳) شیخ عبد القاریب اللہ السندی رحمہ اللہ سابق استاد جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ

- (۴) شیخ عاصم عبداللہ القریوٹی سابق استاد الجامعۃ الاسلامیہ
- (۵) شیخ حسن حیدر الیمانی الصنعانی (یمن کے مشہور عالم) سنن الترمذی مع الاسانید کے حافظ ہیں۔ انہوں نے تحفۃ الفکر شاہ صاحب سے روزانہ صلاۃ الفجر کے لئے گھر سے حرم تک جاتے وقت پڑھی تھی۔
- (۶) شیخ علی عامر المنینی۔ سابق مدیر دار الحدیث الخیریۃ بمکۃ المکرمۃ
- (۷) شیخ حمزہ عبدالجبار السلفی العراقی (المعجم الکبیر للطبرانی وغیرہ بہت سی کتب کے محقق ہیں)
- (۸) دکتور بشار عواد معروف بغداد / عراق (بہت سی کتب کے محقق ہیں)
- (۹) شیخ محمد احمد اسماعیل الاسکندریتہ / مصر
- (۱۰) محمد موسیٰ نصر (بحرین)
- (۱۱) بدر بن عبداللہ البدر۔ الکویت
- (۱۲) شیخ ابوسعید الیریوزی ترکی (کئی کتب کے مصنف ہیں ان کی ایک کتاب ”نماز“ کا اردو ترجمہ شائع ہوا ہے جو عوام میں بہت مقبول ہے۔
- (۱۳) شیخ عمر سیف۔ یمن
- (۱۴) شیخ سعیدی بن مہدی الباشمی
- (۱۵) دکتور عبدالرحمن بن عبدالجبار الفریوانی الہندی (کئی کتابوں کے محقق ہیں)
- (۱۶) شیخ ربیع بن ہادی المدخلی مکۃ المکرمۃ (سعودی عرب کے ممتاز سلفی عالم جنہوں نے اخوانیوں اور خاص طور سید قطب کا بہت زیادہ رد کیا ہے۔)
- (۱۷) دکتور عبدالمحسن بن محمد بن عبدالمحسن المصنف استاذ الجامعۃ الاسلامیۃ بالمدينة المنورة / رئیس اللجنة العلمیۃ بکلیۃ الشریعۃ
- (۱۸) شیخ محمد ناصر العثیم الکویت
- (۱۹) شیخ عائض الصلاح الشدای الکویت

- (۲۰) شیخ عبداللہ السبت الکویت
- (۲۱) شیخ جاسم العون الکویت
- (۲۲) شیخ وحی اللہ محمد عباس الہندی مکۃ المکرمۃ (کئی کتابوں کے محقق و مصنف اور اس وقت سعودی عرب میں ممتاز علماء کرام میں شمار کئے جاتے ہیں)
- (۲۳) شیخ محمد موسیٰ افریقی
- (۲۴) شیخ ابوالخارث علی بن حسن الیانی الارذنی
- (۲۵) شیخ صلاح الدین مقبول احمد الہندی (کئی کتب کے محقق و مصنف ہیں)
- (۲۶) شیخ حکمت الحریری
- (۲۷) شیخ ابوبارون عوض بن عبید اللہ البکاری الیانی
- (۲۸) شیخ یعقوب بن موسیٰ الہوساوی السعودی
- (۲۹) شیخ ارشاد الحق الاثری (مایہ ناز اہل حدیث عالم اور محقق ہیں)
- (۳۰) شیخ العلامة قاطع الشرک والمہدۃ السیف الہمد ضد المبتدعۃ شمس الدین بن محمد اشرف الانغانی (ان کے متعلق شیخ حافظ زبیر علی زئی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں ”فقہ امام حجة ومن حسناته الماتر بدیہ“ فی لئالہ مجلدات کبار وکان شہید علی المبتدعین. رحمہ اللہ (انوار السبیل فی میزان الجرح والعہدیل ص ۹۶)
- (۳۱) شیخ فلام اللہ رحمتی پشاور
- (۳۲) شیخ عبدالغفار اعوان پنجاب
- (۳۳) ابو عمر عبدالعزیز النورستانی (صوبہ سرحد میں سلفیت کے پرچم لہرانے والے مشہور مناظر مبلغ اور کئی کتب کے مصنف ہیں)
- (۳۴) شیخ عبداللہ ناصر رحمانی کراچی
- (۳۵) شیخ حافظ زبیر بن مجدد علیزئی حفروانک (مایہ ناز محدث و محقق جنہوں نے بے شمار کتب احادیث کی

تحقیق کی ہیں ان کی ادارت میں ماہنامہ الحدیث حضور ضلع انک سے نکلتا ہے)

(۳۶) شیخ عبدالرؤف ظفر

(۳۷) شیخ برق توحیدی

(۳۸) شیخ احتشام الحق آسیا آبادی مکران بلوچستان

(۳۹) شیخ عزیز شمس الہندی

(۴۰) شیخ محمد حسین ظاہری اوکاڑوی رحمہ اللہ

(وخلق لا یخصمہم الا اللہ)

تالیفات:

شاہ صاحب تدلیس و خطابت کے ساتھ ساتھ میدان تالیف و تصنیف کے بھی شہسوار تھے۔ آپ کے شاگرد شیخ عبدالغنی پسیو صاحب کہتے ہیں کہ شاہ صاحب کے پاس ایک ہی وقت میں دو کاتب مصروف رہتے اور شاہ صاحب سب کو ایک ہی وقت میں لکھواتے رہتے۔

شاہ صاحب کی تصانیف میں کمال یہ ہے کہ وہ بات کو نہایت جامع اور مختصر بیان کرتے ہیں۔ غیر متعلق اور بے فائدہ عبارت سے بالکل اجتناب کرتے ہیں۔

وہ جب کسی پر رد کرتے ہیں تو مخالف کی تصنیف سے اہم اخطاء نقل کر کے اجمالی رد کرتے ہیں پھر تفصیل سے رد کرتے ہیں۔ مخالف کی عبارت سے نہایت باریک اغلاط ثابت کرتے ہیں اور پھر کمال اختصار و جامعیت کے تسلسل کو برقرار رکھتے ہوئے الزامی، نقلی و عقلی و تحقیقی جوابات دیتے ہیں اور دلائل کے انبار لگا دیتے ہیں کہ پھر غالباً وہ جواب کی ہمت ہی نہیں کرتا۔ یہی کمال ان کی کتاب ”تمیز الطیب من الخبیث بجواب رسالہ تحفۃ الحدیث“ میں پایا جاتا ہے۔ اور آج ۲۵ برس گزرنے کے باوجود کسی نے اس کا جواب دینے کی ہمت نہیں کی۔ واللہ الحمد

جناب شاہ صاحب نے حدیث کی تحقیق و تخریج اور ترتیب پر کام کیا ہے تو احکام و مسائل پر بے نظیر تصنیفات چھوڑی ہیں۔ اصول و فروع کی کئی کتب پر نہایت مفید حواشی و تعلیق لکھے ہیں تو تراجم بھی کئے ہیں۔

عربی ادب لغت میں ”المعجوز بهداية المعجوز، الروادن والروائين اور سمط السعدانة على طوق الحمامة“، جیسی لاجواب تصانیف پر قلم کی ہیں تو توحید و عقیدہ سلف صالح کے اثبات، ودفاع اور رد شرک و بدعت کے موضوع پر سندھی اردو اور عربی لغات میں عظیم یادگار چھوڑی ہیں خاص طور پر مسئلہ ”علو واستوا“ کے متعلق اردو میں ”توحید خالص“ کے نام سے ایک زبردست کتاب لکھی ہے کہ شاید تاریخ اسلام میں ایسی کتاب کسی نے نہیں لکھی ہوگی۔ (واللہ اعلم)

ان کی اردو عربی اور سندھی میں ۱۵۰ سے زائد تصانیف تھیں جن میں سے کچھ حوادث زمانہ کی نذر ہو گئیں۔ تازہ مطبوعات میں ”نقض قواعد فی علوم الحدیث“ اور ”الطوام المرعشة فی تحریفات اهل الراى المدهشة“ اپنی موضوع پر لاثانی کاوشیں ہیں۔ لیکن سب سے بڑھ کر ان کا عظیم کارنامہ سندھی زبان میں قرآن مجید کی تفسیر موسوم بنام ”بدیع التفسیر“ ہے۔

جناب شاہ صاحب کی عربی زبان پر قدرت

اللہ تعالیٰ نے جناب شاہ صاحب کو عربی لغت پر بڑی قدرت عطا فرمائی تھی، ان کی عربی عبارت نہایت جامع و مانع اور بے شمار معارف و نکات سے مزین ہوتی ہے۔ ان کی عربی زبان میں مہارت ان کی غیر منقوٹ تصنیف ”وصول الالہام لاصول الاسلام“ سے واضح ہے جس میں سارے الفاظ مہمل ہیں یعنی بغیر نقطوں والے۔ اس کتاب سے چند اقتباس پیش خدمت ہیں:

”اسم الله العلام، اول كلام مرام و كلام، محامد المحمود لاصد لها ولاعد، ومحاکم كلام لارد لها ولاسد، هو الواحد الاحد الملك السلام الحكم العدل الصمد، مالک الملک له الطول والحول وحارس الحرس له الدول والاؤل، امسک السماء وركد الركاء وامطر المسل ورعد الروح والحمل وکور الساطع والسواد ودور اللوامع ووطد الاوطار“

یہ مقدمہ سے عبارت منقول ہے:

اسلام کے رکن اول یعنی کلمہ شہادت کے متعلق لکھتے ہیں:

اعلموا رحمکم اللہ، مدار المہام و ملک الالہام، امام الکلام، و کلام الامام. (لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ) وما احرر لکم مدلولہ واسطر لکم ما اولہ رھط الصلحاء وحدوا الھکم، ومحصوا اعمالکم و کلام اللہ مصرح امامکم الھکم الہ واحد لا الہ الاھو، والعدمہ صرام کما اصدع الکلام المرسل الامام.

جناب شاہ صاحب کی عربی ادب لطیف پر ”العجوز لہدایۃ العجوز“ کے نام سے کتاب ان کی عربی لغت پر کئی دسترس کی واضح دلیل ہے۔ دراصل یہ کتاب عربی لغت کے لفظ کی معانی و استعمال کے متعلق ہے۔ لکھتے ہیں:

هذا العجوز اسمہ العجوز لہدایۃ العجوز، لعجوز العجوز ابی محمد بدیع الدین الشاہ رزقہ اللہ العجوز ثم العجوز من العجوز فی العجوز والعجوز فی العجوز. وہی رسالۃ تشتمل علی اربعین مقالۃ کلھا فی معانی العجوز.

مناظرات

جناب سید بدیع الدین شاہ محدث رحمہ اللہ ایک کامیاب مناظر تھے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں مناظرانہ طبیعت دی تھی۔ انہوں نے مناظرہ کا فن خاص طور پر علامہ ابوالوفاء ثناء اللہ امرتسری رحمہ اللہ سے سیکھا۔ اپنی خود نوشت سوانح حیات میں لکھتے ہیں:

وقد تعلمت فن المناظرۃ من مطالعۃ کتب اولئک الاساطین الذین عددت اسمائهم، آخرهم شیخنا ابوالوفاء اخذت من درسہ طریقۃ المناظرہ کثیرا ومن تصانیفہ فہو شیخی فی هذا الفن (الفصل الثامن)

یعنی میں نے فن مناظرہ ان ائمہ کرام کی کتب سے حاصل کیا جن کے نام میں پہلے ذکر کر چکا ہوں، ان میں سے آخری امام ہمارے شیخ ابوالوفاء ثناء اللہ امرتسری ہیں۔ میں نے مناظرہ کا طریقہ ان کے دروس اور

تصانیف سے حاصل کیا اس طرح وہ اس فن میں میرے استاد ہیں۔

انہوں نے ملک اور بیرون ملک میں کئی مناظرے کئے جن کی تفصیل ان کے انٹرویو پر مبنی کتاب ”رموز راشدیہ“ میں اور ”تذکرہ علماء اہل حدیث“ میں موجود ہے۔

الحمد للہ جب تک شاہ صاحب زندہ رہے اہل بدعت کو مناظرہ کرنے کی جرأت نہیں ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے ان کا رعب اہل بدعت کی دلوں میں ڈال دیا تھا۔

وہ اہل باطل کے ساتھ مناظرہ کے لئے ہمہ وقت تیار رہتے۔ انہوں نے جب سندھ کے اندر توحید و سنت اور رد شرک و بدعت کی تحریک چلائی تو مخالفین کی طرف سے مناظرہ و جدل کرنا لازمی امر تھا۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں اس میدان میں بھی ہر جگہ فتح نصیب کی اور اہل شرک و بدعت کے منہ بند ہو گئے۔

ایک اور عظیم کارنامہ

شاہ صاحب رحمہ اللہ کا نہایت اہم اور عظیم کام مکتبہ راشدیہ کا قیام ہے۔ علامہ سید رشد اللہ شاہ راشدی رحمہ اللہ کا بے مثل کتب خانہ ان کے دو فرزندوں سید ضیاء الدین شاہ راشدی اور سید احسان اللہ شاہ راشدی کے درمیان تقسیم ہوا۔ سید احسان اللہ شاہ راشدی رحمہ اللہ نے خود بھی بڑی محنت کے ساتھ کتابیں جمع کی تھیں جیسا کہ ہم پہلے صفحات میں ذکر کرتے آئے ہیں۔ سید احسان اللہ شاہ راشدی رحمہ اللہ کے مکتبہ میں سے علامہ سید بدیع الدین شاہ راشدی رحمہ اللہ کو چند کتابیں ملی تھیں باقی ساری کتابیں انہوں نے خود جمع کی ہیں۔ وہ خود کہتے ہیں ”چند کتب آباء و اجداد کے کتب خانہ سے ملی تھیں باقی سب میں نے خود جمع کی ہیں اور کتابوں کی تعداد ۱۵ سے ۲۰ ہزار تک ہوگی۔ (رموز راشدیہ ص ۶۵ خود نوشت ”احوال حیاتی“ میں لکھتے ہیں:

وبدأت فی جمع الكتب مع قلة البضاعة وضيق العيش بحسب الوسعة، فما سمعت بكتاب طبع من تلك الفنون الاوسعت لحصوله وكذا سمعت لنسخ بعض النواذر وتصويرها (الفصل الخامس)

یعنی میں نے کتابیں جمع کرنا شروع کیں، باوجود کم سامانی اور تنگ گذران کے حسب طاقت کتابیں جمع کرنا شروع کیں۔ اور مذکورہ سابقہ فنون کی کتب میں سے کسی بھی کتاب کے بارے میں سنتا کہ وہ طبع ہوئی

تو پس ضرور اس کو حاصل کرنے کی کوشش کرتا اور بعض نادر قلمی نسخہ جات اور ان کی فوٹو حاصل کرنے کی بھی کوشش کی۔

معزز قارئین کرام! کتب جمع کرنے کا شوق شاہ صاحب کو ورثہ میں ملا تھا۔ انہوں نے پیٹ پر پتھر باندھ کر کتبیں جمع کیں۔ یوں سمجھیں کہ انہوں نے دنیا جمع نہیں کی ان کی ساری زندگی کی جمع پونجی یہی مکتبہ راشدیہ ہے۔ ان کے مکتبہ میں اہل تحقیق و مطالعہ کے لئے زبردست مواد ہے۔ مذاہب اسلامیہ فقہیہ، تفاسیر علوم القرآن، متون الحدیث، شروح حدیث، علوم الحدیث، تاریخ اسلام و تاریخ عالم، فتاویٰ، ردود، فقہی مسائل، سیرت النبی ﷺ عقائد، علوم عقلیہ، ادب و شعر، رجال، اصول الفقہ وغیرہ فنون پر نہایت مفید و نادر مطبوعات موجود ہیں۔ اس کے علاوہ مخطوطات و مصورات کی اچھی تعداد ہے۔ جناب شاہ صاحب محض کتابوں سے الماریاں بھرنے کے بجائے ہر فن کی تمام اہم کتب جمع کرتے۔

اس مکتبہ کی خصوصیت یہی ہے کہ اس میں ایک سے ڈیڑھ صدی پرانی مطبوعات ہیں۔ مصر و ہند کے بہت ہی پرانے مطبوع نسخے ہیں تو تاریخ دمشق ضخیم جیسی کتاب کی تصویر ۱۹ جلدوں میں موجود ہے جو ابھی ۸۵ جلدوں میں چھپی ہے۔ فتح الباری کے پانچ سے زیادہ مختلف طباعتیں ہیں تو نحو و صرف کی بہت نادر اور قدیم مطبوعات ہیں۔

حدیث کے بڑی تعداد میں اجزاء ہیں تو جدید مطبوعات کی بھی اچھی تعداد ہے۔ جناب شاہ صاحب کی وفات کے بعد ان کے پوتے محترم سید ابو محمد نصرت اللہ شاہ راشدی صاحب اس مکتبہ کے نگران ہیں وہ اس میں مزید اضافہ کرتے جا رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو مکتبہ کے ساتھ قلبی لگاؤ سے نوازا ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ انہیں اور دیگر ورثاء شیخ بدیع رحمہ اللہ کو عظیم اور انمول خزانہ کی حفاظت کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

منہج

ہم پہلے بھی ذکر کر چکے ہیں کہ شاہ صاحب رحمہ اللہ کے سلفی تھے۔ ان کی دعوت و تبلیغ اور تحریک و تصنیف، توحید و سنت، تردید شرک و بدعت اور اصلاح الناس بما علیہ السلف الصالح کے گرد گھومتی ہے۔ سب سے زیادہ زور توحید، رد شرک و بدعت اور رد تقلید پر دیتے تھے۔

انہوں نے اپنے آپ کو ظاہری بھی لکھا ہے اس سے یہ مراد نہیں کہ وہ ظاہری مذہب پر عامل تھے بلکہ وہ سلف صالحین و محدثین کرام کے منہج پر ہی تھے، ہاں وہ تقلید و قیاس کے سخت مخالف تھے۔ اور ان کا نظریہ تھا کہ ہر مسئلہ قرآن و حدیث سے ثابت ہو سکتا ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ کوئی مسئلہ اگر مجھے سمجھ میں نہیں آتا تو اللہ تعالیٰ کسی اور کو توفیق دے گا۔ آپ ان کی تقاریر سنیں، تصانیف کا بغور مطالعہ کریں یہی بات نظر آئے گی۔

عبادات میں وہ اس خیال کے تھے کہ ہر چیز قرآن یا مرفوع حدیث سے ثابت ہونی چاہیے۔ اسی وجہ سے وہ وتر نماز میں دعاء قنوت میں ہاتھ اٹھانے کے قائل نہیں تھے۔ نہ اس کو قنوت نازلہ پر قیاس کرنے کو صحیح سمجھتے تھے نہ ان بعض صحابہ کی موقوف روایات پر عمل کرنے کے قائل تھے جن سے قنوت الوتر میں ہاتھ اٹھانا مروی ہے۔

وہ متفق علیہ اور رائج اصول فقہ کو مانتے تھے۔ اصول حدیث میں محدثین کرام کے منہج پر چلنے والے اور ان کا دفاع کرنے والے تھے۔ اسی سلسلہ میں انہوں نے شیخ ظفر تھانوی حنفی کی کتاب انہاء الکن کا رد لکھا ہے۔ مولوی ظفر تھانوی نے اپنی کتاب (جو کہ اعلاء السنن کا مقدمہ ہے) میں محدثین کے اصول حدیث کے مقابلہ میں اپنے اصول پیش کئے ہیں یا محدثین اور اہل الرأی کے اصول کو ملا دیا ہے یا تلخیص سے کام لیا ہے اور اپنے مذہب کے دفاع کے لئے محدثین کے متفقہ اصول حدیث سے عداوت برتی ہے۔ شاہ صاحب نے اس کا زبردست رد لکھا ہے جو کہ ان کے شاگرد شیخ صلاح الدین مقبول احمد الہندی رحمہ اللہ نے کویت سے ”نقض قواعد فی علوم الحدیث“ کے نام سے شائع کیا ہے۔ شاہ صاحب نے اس کا نام انماء الزکون رکھا تھا بعد میں تھانوی کی کتاب کوثری کے شاگرد ابو نعیمہ کی تحقیق کے ساتھ عرب دنیا سے قواعد فی علوم الحدیث کے نام سے شائع ہوئی تو شیخ صلاح الدین مقبول احمد نے شاہ صاحب کی کتاب کا نام نقض القواعد فی الحدیث رکھا۔

محترم شاہ صاحب نے مسائل و احکام، قواعد و اصول اور اعتقاد میں کوئی شاذ قول اختیار نہیں کیا وہ ہر طرح کے تفردات سے اجتناب کرتے تھے۔ وہ بس یہی کہتے کہ یہ بات سلف کے، محدثین کے مذہب کے خلاف ہے، ضعیف حدیث پر شرائط کے ساتھ بعض مواقع پر عمل کرنے کے قائل تھے۔ اس موضوع پر انہوں نے عربی میں ”القول اللطیف فی الاحتجاج بالحدیث الضعیف“ کے نام سے کتاب لکھی ہے۔ ان کا

منہج ان کی توحید و عقیدہ سے متعلق لکھی گئی کتب، تفسیر اور دیگر تصانیف سے واضح ہوتا ہے۔

سیاسی نظریات

علامہ سید بدیع الدین شاہ راشدی رحمۃ اللہ علیہ موجودہ مروجہ سیاست کو منافقت سمجھتے تھے اور جمہوریت اور انکیشن کے تصور کو غلط کہتے تھے۔

کہتے ہیں ”آج کل وہ سیاست کہلاتی ہے جو ایک منافقت ہے۔ جس میں ہر ناجائز کام کو مصلحت کی بناء پر روا رکھا جاتا ہے۔ یہ ایک حیلہ ہے کرسی حاصل کرنے کا ہم ایسی سیاست سے پناہ مانگتے ہیں۔ (رموز راشدیہ ۶۳-۶۴)

اور کہتے ہیں ”مروجہ انکیشن کا تصور اسلام میں کہیں نہیں پایا جاتا جس میں رائے کو گنا جاتا ہے تو لا نہیں جاتا۔ جب کہ اسلام میں ایسے اہم فریضہ (یعنی حاکم کا انتخاب کرنے) کو عوام کے سپرد نہیں کیا گیا جو شعور تک نہیں رکھتے۔

یہ کام اسلام خواص کے سپرد کرتا ہے جو اسلامی اقدار سے اچھی طرح بہرہ ور ہوں۔ (انٹرویو نوائے وقت روزنامہ ۱۰ نومبر ۱۹۸۴)

اسلامی ممالک پر لادین حکام کے تسلط کی وجہ بتاتے ہوئے کہتے ہیں ”بھئی اس کی وجہ جمہوریت کی مصیبت جس کو آپ نے اسلام کا نام دے دیا ہے۔ جمہوریت میں تو بد معاش سے بد معاش بھی آگے آ سکتا ہے۔ (رموز راشدیہ ۷۸)

جب کہ وہ پارٹی سسٹم کو غلط کہتے تھے۔ (سابقہ انٹرویو) اس کے باوجود شاہ صاحب انکیشن میں ایسے افراد کو ووٹ دینے کا مشورہ دیتے تھے جو کم از کم دیگر سے بہتر ہوں یا ان سے جماعت کو فائدہ ہو یا دعوت توحید کے سلسلے میں فائدہ کی امید ہو۔ بلکہ انہوں نے کہا ہے کہ اگر انکیشن کروانا ہی ہے تو کم از کم امیدوار کے لئے شاہد عدل (یعنی کبار سے اجتناب) کی شرط لگاؤ۔ (رموز راشدیہ ۷۸)

وہ خاص طور پر سیکولر لادین اور بائیں بازو کی سیاست کے جگری دشمن تھے۔ جب ایک پارٹی نے پاکستان میں سوشلزم کا نظام لانے کی کوشش کی تو شاہ صاحب نے اس کی زبردست مخالفت میں جلسے کئے اور

ایک دفعہ سعید آباد میں اس پارٹی کے معروف لیڈر کے جلسہ کے سامنے جلسہ کرنے کی کوشش کی لیکن جماعتی ساتھیوں نے بمشکل انہیں ایسا کرنے سے روکا۔ پھر جب وہ پارٹی الیکشن جیت گئی اور پھر ملک دولت ہو تو وہی شیخ بدیع الدین رحمہ اللہ جو ساری زندگی بحر عداوت کی تلاطم خیز موجوں سے لکراتے رہے مجبور ہو کر ملک سے ہجرت کر کے حرمین شریفین جا رہے۔ وہ اپنی خودنوشت سوانح حیات ”احول حیات“ میں لکھتے ہیں:

ولما نجح الاشتراكيون في الانتخاب ضيقوا علينا العيش فما وجدنا سبيلا الا الهجرة (الفصل العاشر) یعنی جب سوشلسٹ انتخابات میں کامیاب ہو گئے اور ہمارا جینا تنگ کر دیا تو پھر ہمارے لئے ہجرت کے سوا کوئی دوسرا راستہ نہیں تھا۔

شاہ صاحب کہتے ہیں کہ یہ ضروری نہیں کہ خلافت قائم کی جائے پھر ہی اسلامی نظام نافذ ہو سکتا ہے۔ بلکہ جو بھی حکمران اسلامی نظام نافذ کرنا چاہے کر سکتا ہے اور اس کی حمایت کرنی چاہیے۔ وہ اس سلسلے میں فوجی حکومت کی بھی حمایت کرتے تھے اور اس مقصد کے لئے مارشل لا (یعنی فوج کی حکومت کو جائز سمجھتے تھے۔ ایک انٹرویو میں کہتے ہیں ”مدینہ منورہ میں موجود مسلمانوں نے جناب عثمان بن عفان رحمہ اللہ کی شہادت کے بعد علی رحمہ اللہ کو خلیفہ مقرر کیا پھر جب اختلاف ہوا تو اس وقت ضرورت تھی کہ کوئی طاقت نظام حکومت کو سنبھال لے۔ تو امیر معاویہ رحمہ اللہ نے طاقت سے سنبھال لیا۔ یہ ہے وہ مارشل لا جس سے ہم بدکتے ہیں۔ تمام مسلمان فوجی ہیں اور ہم نے مسلمانوں کے ایک اہم وصف کو چند ہزار میں خاص کر دیا ہے۔ (انٹرویو برائے نوائے وقت) اسی لئے جب جنرل ضیاء الحق نے اقتدار سنبھالا اور اسلامی نظام کے نفاذ کا اعلان کیا تو شاہ صاحب نے اس کی حمایت کی اور اس سلسلے میں جلسے اور پریس کانفرنسیں منعقد کیں۔

ان کا خیال تھا کہ فوجی طاقت سے حاکم شرک و بدعت کو آسانی سے ختم کر سکتا ہے اور ایسے کاموں کے لئے فوج کو استعمال کیا جانا چاہیے۔ (رموز راشدیہ ۵۹) وہ اسلامی نظام کے نفاذ کے لئے حکام کو مجبور کرنے کے لئے پرامن احتجاج کو جائز سمجھتے تھے اور انہوں نے شیخ صوفی محمد کی قیادت میں کئے گئے قبائلی علاقہ جات میں احتجاج کو درست کہا ہے۔ (رموز راشدیہ ۷۹)

شاہ صاحب اسلام میں بادشاہت کے جواز کے بھی قائل تھے۔ بدیع التفسیر (ج ۶ ص ۲۶۲) میں

سورۃ البقرۃ کی آیت نمبر ۲۳۶ کی تفسیر میں ان لوگوں کی تردید کی ہے جو بادشاہت (ملوکیت) کو ناجائز سمجھتے ہیں وہاں پر انہوں نے جمہوریت کی پھر زبردست تردید کی ہے۔

اسلامی قانون کے نفاذ اور جمہوریت کے متعلق شاہ صاحب کی زبردست تحریر

بدیع التفسیر (ج ۴/۲۳۹-۲۵۰) میں سورۃ آل عمران کی آیت یعنی

مَا كَانَ لِبَشَرٍ أَنْ يُؤْتِيَهُ اللَّهُ الْكِتَابَ الْمَىٰ آخِرَهَا

کی تفسیر میں لکھتے ہیں ”فصل: اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام اور حکام اللہ تعالیٰ کی طرف سے زمین میں اس کے قوانین و احکام کو نافذ کرنے کیلئے اس کے نائب ہیں۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

يَا دَاوُدُ إِنَّا جَعَلْنَاكَ خَلِيفَةً فِي الْأَرْضِ فَاحْكُم بَيْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوَىٰ فَيُضِلَّكَ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ إِنَّ الَّذِينَ يَضِلُّونَ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيدٌ بِمَا نَسُوا يَوْمَ الْحِسَابِ (ص: ۲۶)

اور مخلوق اللہ تعالیٰ کے قانون کے تحت پابند رہنے کے لئے مامور ہے۔ اس لئے موجودہ مغربی جمہوریت خود کفریہ عقیدہ ہے۔ کیوں کہ اس میں حکومت عوام کی ہوتی ہے نہ کہ اللہ تعالیٰ کی، بلکہ خود قانون الہی بھی عوام کی منظوری کے بغیر نافذ نہیں ہو سکتا۔ اور اس کو ”اسلامی جمہوریت“ کہنا دشمنان اسلام کی بڑی چال ہے۔ کیوں کہ ہمیں اسلامی نظام پر چلنے کا حکم ہے۔ اور نظام اسلام اور اسلامی جمہوریت (جیسا کہ دعویٰ کیا جاتا ہے) دونوں میں آسمان اور زمین کا فرق ہے۔ کیوں کہ اسلامی نظام میں اللہ تعالیٰ کا قانون حاکم رہتا ہے اور اس کی بالادستی رہتی ہے۔ یہ کسی چھوٹے بڑے کی منظوری کا محتاج نہیں ہے۔ اور نام نہاد اسلامی جمہوریت میں مخلوق کی قانون پر حکومت اور بالادستی رہتی ہے۔ اگرچہ صریح قرآن کا حکم ہی کیوں نہ ہو۔ مثلاً سود حرام ہے، زانی اور چور کو یہ سزا دو، وغیرہ جمہوری نظام میں ایسا کوئی بھی حکم تب تک قابل نفاذ نہیں ہوتا جب تک عوام اس کی منظوری نہ دے۔ اس طرح واضح کفر سے بڑھ کر اور کیا کفر ہو سکتا ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ انبیاء کرام خواہ اولیاء کرام اور حکمرانوں پر فرض ہے کہ قانون الہی کے نفاذ کے لئے کوشش کریں کیوں کہ وہ خواہ

دوسرے سارے محکوم اور بندے ہیں۔ حاکم فقط اللہ تعالیٰ ہے۔ ان کو یہ حق نہیں کہ لوگوں سے اپنی بندگی کروائیں یا انہیں اپنا محکم بنائیں۔ جب ایسی اعلیٰ ہستیوں کو بھی یہ اختیار نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ کے قانون پر اپنا اختیار چلائیں کہ اس کو نافذ ہونے دیں یا نہ دیں۔ بلکہ انہیں بھی اس قانون الہی کے پیچھے چلنا ہے تو پھر (یہ کہ) اللہ تعالیٰ کے قانون پر عمل کیا جائے یا نہیں؟ اس کو اسلامی ملک کا قانون تسلیم کیا جائے یا نہیں اور خود کو اس کا پابند سمجھا جائے یا نہیں۔ اور قانون الہی کو ووٹ کے ذریعے سے عوام سے یا کسی اسمبلی یا ایوان سے پاس کروانا خود احکم الحاکمین کے خلاف بغاوت ہے۔

جمہوریت کو انگریزی میں ڈیموکریسی (Democracy) کہتے ہیں جس کا معنی ہے: Government of the People by the People for the People یعنی عوام کے ذریعے عوام پر حکومت یعنی اللہ کا نام ہی نہیں ہے۔ کیا ایسے نظام کو اسلامی جمہوریت کا نام دیا جاسکتا ہے؟ حاشا دکھا۔ بلکہ اسلامی نظام اور حکومت کا وہی طریقہ ہے جو خلفاء راشدین کا تھا۔ اللہ کا قانون پہلے ہی موجود ہے۔ اس کے بنانے کی نہ کسی کو اجازت ہے نہ کسی کو حق ہے۔ بلکہ ہر ادنیٰ و اعلیٰ، بادشاہ و رعیت کو اس کے تابع رہنا ہے۔ اور اس پر عمل کے لئے جدوجہد کرنی ہے۔

ایک دفعہ سابق صدر جنرل ضیاء الحق نے پاکستان میں اسلامی نظام کے نفاذ کے سلسلے میں اسلام آباد میں ایک کانفرنس بلوائی تھی اس میں جناب علامہ سید بدیع الدین شاہ رحمہ اللہ کو شرکت کی دعوت دی گئی گئی۔ شاہ صاحب جب وہاں پہنچے تو جنرل ضیاء الحق صاحب نے آگے بڑھ کر ان کا استقبال کیا اور کہا کہ ہم اسلامی قانون سازی کر رہے ہیں آپ تعاون کریں تو شاہ صاحب نے برجستہ کہا اسلامی قانون تو اللہ تعالیٰ نے نازل کر دیا ہے اس کو بنانے کی ضرورت ہی نہیں ہے بس نافذ کرنے کی ضرورت ہے۔ جنرل صاحب چپ ہو گئے۔ یہ تھی ان کی حق گوئی۔

حکام کے متعلق طرز عمل

شاہ صاحب مسلم ممالک کے حکمرانوں کے خلاف بغاوت کو غلط سمجھتے تھے۔ وہ ان حکام کی تکفیر کے قائل نہیں تھے جو کہ اسلامی نظام نافذ نہیں کرتے۔ اس سلسلے میں ان کی طرف سے جماعت تکفیر اور دیگر جذباتی

لوگوں کی مخالفت مشہور ہے جس کی تفصیل کی یہاں گنجائش نہیں ہے۔

بدیع التفسیر (ج ۷ ص ۳۸، ۳۹) میں سورۃ المائدہ کی آیت نمبر ۴۴

وَمَنْ لَّمْ يَحْكَمْ بِمَا أَنزَلَ اللَّهُ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْكَافِرُونَ

کی تفسیر میں کہتے ہیں یہ ساری آیات کفار کے حق میں نازل ہوئی ہیں۔ مسلمان کبیرہ گناہ کے ارتکاب سے کافر نہیں ہوتا۔ جو (حاکم) حکم الہی کا اقرار کرتا ہے مگر (کسی مجبوری کی وجہ سے) اس کے مطابق فیصلہ نہیں کرتا تو وہ ظالم و فاسق ہے کافر نہیں۔ یہی اہل سنت کا اجتماعی مسئلہ ہے۔ آگے لکھتے ہیں کتنے بے چارے بے سمجھ لوگ جن کے اندر جوش زیادہ ہوتا ہے اور ہوش کم۔ وہ حکمرانوں پر کفر کا فتویٰ لگانے کے لئے تیار ہو جاتے ہیں، اس طرح جلد بازی کرنا صحیح نہیں۔ ہے۔ کیوں کہ ایسا بھی ہوتا ہے کہ بعض حاکم شرعی حکم کو برحق اور واجب الاتباع سمجھتے ہیں مگر کسی مجبوری کی وجہ سے اس کو نافذ کرنے سے عاجز ہیں۔ حالانکہ وہ غیر شرعی احکام (یعنی نظام) پر یقین نہیں رکھتے مگر مجبوراً انہیں وہ نافذ کرنا پڑتا ہے۔ ان کی نیت پر فوراً حملہ کرنا دانشمندی نہیں ہے۔ اگرچہ وہ شرعی نظام نافذ نہیں کر سکتے مگر مسلمانوں کو دوسرے فوائد دے سکتے ہیں اور دفاع کر سکتے ہیں۔ ان حکمرانوں کو ہٹانے سے دوسرے نقصانات کا اندیشہ ہے اس لئے ہمارے دوستوں کو اس معاملہ میں سوچ سمجھ کر قدم اٹھانا چاہیے۔

وہ حکام کو وعظ و نصیحت کے ذریعے سے سمجھانے اور ان کی اصلاح کی کوشش کرنے اور ان کا احترام کرنے کے قائل تھے۔ وہ جب کسی حکمران کے متعلق سنتے کہ وہ کچھ دین کی طرف مائل ہے یا اس کے خیالات اسلام کے متعلق مثبت ہیں تو خوش ہوتے مجھے یاد ہے کہ ایک دفعہ ان کے رفیق خاص محترم سید عیسیٰ شاہ ہاشمی صاحب نے ان سے مشرقی اسلامی سلطنت برونائی کے سلطان کے ایک انٹرویو کا ذکر کیا جس میں انہوں نے اسلام کے متعلق اپنے جذبات، عبادت اور کتابوں کے مطالعے کا بیان کیا تھا، تو شاہ صاحب بہت مسرور ہوئے اور کہا کہ ان کو خط لکھ کر ہمت افزائی کی جائے اور خوشی کا اظہار کیا جائے۔

وہ حکمرانوں کے ساتھ ”الدین النصیحة“ کی بنیاد پر رابطہ رکھتے، لیکن اپنی ذات کے لئے کبھی کوئی مفاد حاصل نہیں کیا۔ خاص طور پر وہ عید پر کئی حکمرانوں کو عید مبارک کا کارڈ ارسال کرتے۔ ان کو بھیجے گئے

خطوط جس میں کئی حکمرانوں کے جوابی عید کارڈ آج بھی محفوظ ہیں۔ مطلب کہ ان کا اس معاملہ میں طرز عمل سنجیدہ اور مثبت ہوتا تھا۔ اور وہ مسلمان حکمرانوں کے خلاف بغاوت کرنے اور ٹکرانے کو بڑی بے وقوفی سمجھتے تھے۔ میں نے ان کے ساتھ ان کی زندگی کے آخری تین سال گزارے ہیں، ان معاملات کے متعلق سوال بھی کئے ہیں، مجھے یہی محسوس ہوا ہے۔

سعودی حکومت کے بابت ان کے خیالات اور ایک بہتان کی تردید

شاہ صاحب رحمہ اللہ سعودی حکومت کی توحید و سنت کے لئے خدمات، شرک و بدعت کے خاتمہ کے لئے کوششوں کے دل و جان سے قدر دان تھے، وہ ایسی حکومت کی بے قدری اور احسان فراموشی کیسے کر سکتے تھے جس نے اپنے ملک میں شرک و کفر کے اڈوں مزاروں اور قبروں اور پکی قبروں تک کو ختم کر دیا ہو، وہ اس حکومت کو مسلمانوں اور اسلام کے لئے ایک عظیم نعمت سمجھتے تھے۔ ہمیں معلوم ہے کہ بعض لوگوں کے ذہنوں میں ۱۹۷۹ء کے حادثہ حرم کے سلسلے میں جناب علامہ سید بدیع الدین شاہ سندھی رحمہ اللہ کے متعلق کچھ شکوک و شبہات ہیں۔

ہم چاہتے ہیں کہ اس مضمون کے ذریعے ان کے شکوک و شبہات کو زائل کیا جائے، اس کے لئے ذیل میں دلائل پیش کرتے ہیں۔

(۱) ہم پہلے بھی عرض کر چکے ہیں کہ جناب شاہ صاحب رحمہ اللہ اسلامی ممالک کے حکام کے متعلق مثبت اور اصلاحی خیالات رکھتے تھے وہ نہ ان کی تکفیر کرتے تھے اور نہ خروج و فساد کے قائل تھے بلکہ اس کی مذمت اور مخالفت کرتے تھے۔ اس کا ثبوت پچھلے صفحات میں پیش کر چکے ہیں۔

(۲) جب وہ ان حکمرانوں کے ساتھ راہ و رسم قائم رکھنے اور ان کے اچھے اعمال کی تحسین و حمایت کے قائل تھے جن کے عقیدہ میں شرک و بدعات موجود ہوں، تو ایک ایسی حکومت کے کیوں کر مخالف ہو سکتے ہیں جس نے عصر حاضر میں دنیا میں شرک و کفر کے خاتمہ کے لئے زبردست کردار ادا کیا ہے۔

(۳) وہ سعودی عرب میں اسلامی قوانین کے نفاذ اور امن و استقرار کو ایک عظیم نعمت سمجھتے تھے اس لئے

انہوں نے جب پاکستان میں سوشلسٹس کی حکومت آئی تو سعودی عرب کی طرف ہجرت کرنے کو بہتر سمجھا۔ جیسا کہ ہم پچھلے صفحات میں ان کی خودنوشت سوانح حیات میں سے اقتباس لا کر ثابت کر چکے ہیں۔

(۴) آپ ذرا غور کریں اگر وہ مسلم حکومتوں کے خلاف خروج کرنے کو جائز اور صحیح سمجھتے ہوتے تو سعودی عرب کی طرف ہجرت کرنے کی بجائے پاکستان کی اس دور کی اشتراکی حکومت کے خلاف بغاوت کرتے کہ یہاں پر ان کے ہزاروں کی تعداد میں ساتھی تھے اور یہ کام سعودی عرب کی نسبت آسان بھی ہوتا لیکن وہ حکمرانوں کو گرانے، استغنیٰ کا مطالبہ کرنے کے بجائے ان کی اصلاح کے لئے اچھے مشورے دیتے تھے۔

(۵) وہ سعودی مملکت کے ساتھ اپنی محبت کے متعلق اپنی خودنوشت سوانح حیات میں مستقل فصل قائم کر چکے ہیں۔ لکھتے ہیں: ”الفصل التاسع فی ذکر محبتی الممکة العربیة السعودیة“ یعنی مملکت عربیہ سعودیہ کے ساتھ میری محبت کا بیان۔

پھر لکھتے ہیں: ”كنت اسمع فی زمان صباى عن والدى عن الشاء على المملكة المباركة ویبالغ فی الشاء على الملك المغفور عبدالعزيز آل سعود وكان یسمیه امام المسلمین وامیر المؤمنین وأرى اهل البدع یسبونہ واهل النجد ویجعلونہ مصداق قرن الشیطان وكنت اری الوالدینا قشهم وكنت اذ ذاک أحب المملكة لانى عرفت انها مملكة سنية وحاملة لواء العقيدة السلفیة. ثم لما طالعت كتب امام الدعوة وعرفت اهداف هذه النهضة زدت حبا وكنت دائما افكر ان اهاجرا الى المملكة حبا للحرمین وللمملكة المباركة لما فیها الخیرات والبركات.

یعنی میں اپنے بچپن کے زمانے میں اپنے والد صاحب سے مملکت مبارکہ کی تعریف سنتا تھا۔ اور وہ ملک مغفور عبدالعزیز آل سعود کی بڑھ چڑھ کر تعریف کرتے تھے اور انہیں امام المسلمین اور امیر المؤمنین کے القاب سے پکارتے تھے جب کہ میں اہل بدعت کو دیکھتا کہ وہ آنجناب ملک عبدالعزیز اور اہل نجد کو گالیاں

دیتے اور اُسے (صحیح بخاری کی حدیث میں مذکور) قرن الشیطان (یعنی شیطان کے سینگ) کا مصداق بناتے تھے۔ اور میں والد صاحب کو دیکھتا کہ ان سے مناظرہ کرتے اور امام الدعوة کی تحریک کا دفاع کرتے۔ میں اس وقت سے ہی مملکت سعودی عرب سے محبت کرتا تھا اس لئے کہ مجھے پتہ تھا کہ یہ ایک سنی اور عقیدہ سلفیہ کا پرچم تھا منہ والی مملکت ہے۔ پھر جب میں نے امام الدعوة کی کتب کا مطالعہ کیا اور ان کی تحریک کے اہداف کو معلوم کیا تو محبت اور بڑھ گئی اور میں ہمیشہ مملکت سعودی عرب کی طرف ہجرت کرنے کا سوچتا۔ بوجہ حرمین شریفین کی محبت کے مملکت مبارکہ سے محبت کی وجہ سے کہ اس میں (امن و ایمان اور توحید کی) بڑی بھلائیاں اور برکتیں ہیں۔

قارئین کرام! جناب شاہ صاحب کی اس عبارت سے درج ذیل باتیں ثابت ہوتی ہیں۔

(الف) آل سعود کی حکومت کے ساتھ محبت انہیں والد کی تربیت سے ملی تھی۔ جب ملک عبدالعزیز نے شرک و بدعت کے مراکز کو ختم کیا اور سندھ میں دیگر علاقہ جات کی طرح مشرکین و مبتدعین نے ملک عبدالعزیز کی مخالفت کی تو سید بدیع الدین شاہ محدث کے والد علامہ سید احسان اللہ شاہ راشدی رحمۃ اللہ علیہ نے ملک عبدالعزیز کی تائید میں ایک رسالہ لکھ کر سندھ کے اندر تقسیم کیا جس سے شور و شرابہ میں کمی واقع ہوئی۔ یہ رسالہ اس وقت کے نامور اہل حدیث عالم دین اور ممتاز ادیب و صحافی مولانا دین محمد وفا رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے اخبار ”توحید“ میں بھی شائع کیا تھا۔ اس رسالہ کا جناب سید بدیع الدین شاہ محدث رحمۃ اللہ علیہ سے اپنی خود نوشت سوانح حیات ”احوال حیات“ کے الفصل الثانی میں ذکر کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

ولما قام الامام الملك عبدالعزيز بن عبد الرحمن آل سعود بهدم القباب والقبور المشرفة في المملكة وقع ما لا يخفى من الناس من المخالفة حتى ان اهل البلاد اكثر والسب واللعن فكتب الوالد رسالة باللغة السنديّة..... وذكر ان ما فعله امام المسلمين امير المؤمنين هو الحق وواجب علينا مساعدته وحرام مخالفته الخ.....“

(ب) مذکورہ بالا متصل عبارت میں جناب علامہ سید بدیع الدین شاہ نے ملک عبدالعزیز کو امام المسلمین اور

امیر المؤمنین کے القاب دیئے ہیں۔ اس کے علاوہ انہوں نے کتاب ”فتح المجید شرح کتاب التوحید“ کے اردو ترجمہ ہدایۃ المستفید پر اپنے عظیم الشان مقدمہ میں ملک عبدالعزیز آل سعود کو امام المسلمین اور امیر المؤمنین کے القاب سے نوازا ہے۔ کیا وہ اس حکومت کے مخالف ہو سکتے ہیں جس کے حاکم کو امیر المؤمنین اور امام المسلمین مانتے ہوں؟

(ت) وہ اس عبارت میں مملکت سعودی عرب کو ایک سنی اور سلفی عقیدہ کی حامل ریاست مانتے ہیں تو کیا اس کے بعد بھی وہ ایسی حکومت کے خلاف انقلاب لانے کی بات کر سکتے ہیں؟

(ث) وہ آل سعود کی حکومت میں امن و استقرار کی برکات کا اعتراف کرتے ہیں اس لئے وہاں کی طرف ہجرت کی سوچ دامن گیر رہتی ہے کیا ایک شخص ایسی نعمت کو دیکھ کر اس کی طرف ہجرت کرتے اور پھر وہاں جا کر انقلاب کی تیاری کرے؟ یہ ہو سکتا ہے؟

یہ عبارت ان لوگوں کی خوب تردید کرتی ہے جو جناب علامہ سید بدیع الدین شاہ صاحب کے متعلق اس طرح کی پروپیگنڈہ کرتے ہیں۔

(ج) مذکور سوانح حیات انہوں نے مکۃ المکرمہ میں سکونت کے وقت شیخ عبداللہ بن حمید کی درخواست پر لکھی ہے اگر وہ سعودی عرب کو غلط سمجھتے تو اس کی تعریف اور محبت کا اظہار نہ کرتے۔

(۶) وہ حکومت سعودی عرب کے رد شرک و بدعت اور نفاذ حدود کے سلسلے میں احساس ذمہ داری کا اعتراف کرتے ہیں اور ان کے اخلاص اور صداقت کی گواہی دیتے ہیں۔ چنانچہ بدیع التفاسیر (ج ۳/ص ۲۹، ۳۰) میں آیت ”واتخذوا من مقام ابراہیم مصلیٰ“ کی تفسیر میں مستقل ایک فصل قائم کر کے لکھتے ہیں ”کہتا ہے راقم الحروف (یعنی شیخ بدیع) کہ کتنے لوگوں کو خود ہم نے اس پتھر (یعنی مقام ابراہیم) کو مس کرتے ہوئے دیکھا ہے۔ وہ بڑے اعتقاد کے ساتھ اس پتھر کو مس کر رہے تھے۔ ہم نے انہیں سمجھایا بھی کہ یہ کام بدعت اور خلاف شرع ہے۔ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ سے ایسا حکم ثابت نہیں ہے۔

اس پر کچھ لوگ تو سمجھ گئے اور باز آ گئے اور بعض نے ضد سے کام لیا۔ آخر کوشش کر کے علماء اور

مشائخ کرام کی معرفت سعودی حکومت کو اس طرف توجہ دلائی، جس پر حکومت نے اس پتھر کو ایک پنجرے کے اندر بند کر دیا۔ اس کے چو طرف شیشہ لگا دیا۔ پھر انڈونیشیا کے کتنے لوگوں کو دیکھا وہ اس شیشہ اور لوہے کی درمیانی جگہ سے عورتوں کی تصاویر ڈال رہے ہیں۔ پوچھنے پر معلوم ہوا کہ وہ یہ درخواست کرتے ہیں کہ مذکورہ عورت کے ساتھ نکاح ہو۔

پھر دوبارہ حکوم۔ کی توجہ میں یہ بات لائی گئی رب تعالیٰ حکومت پر رحمت کی بارش برسائے جس نے اس (پتھر) کو ہمیشہ کے لئے بند کر دیا۔

معزز قارئین! جناب شاہ صاحب نے یہ تفسیر سعودی عرب سے واپس آنے کے بعد لکھی ہے۔ اگر ان کے دل میں آل سعود کے ساتھ ناراضگی ہوتی یا وہ ان کی حکومت یا نظام سے ناراض ہوتے تو اتنی تعریف نہ لکھتے اور نہ ان کے لئے دعا کرتے۔

(۷) ایک انٹرویو جو کہ انہوں نے سعودی عرب سے آنے کے بعد ۱۹۸۲ء میں دیا ہے اس میں ایک سوال کے جواب میں کہتے ہیں کہ سعودی عرب کا حال تو بہت اچھا ہے۔ (رموز راشدہ ۷۸)

(۸) وہ ہر سال جناب ملک فہد بن عبدالعزیز آل سعود کو عید کارڈ ارسال کرتے اور پھر شاہی دفتر (الایوان الملکی) سے جوابی عید کارڈ بھیجا جاتا۔ اگر شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ حرمین شریفین میں رہائش کئے دوران کسی بغاوت کی حمایت کرتے تو نہ وہ سعودی بادشاہ کو عید کارڈ ارسال کرنے کی اخلاقی جرأت کرتے نہ جوابی عید کارڈ ملتا۔

(۹) وہ وقتاً فوقتاً خطبات وغیرہ کے ذریعے سعودی حکومت کی تعریف کرتے رہتے اور ان کے ہر اچھے کام کی تحسین کرتے۔ ہم نے ان سے شاہ فہد کی اسلامی خدمات کی بڑی تعریف سنی۔

(۱۰) پہلی جنگ ۱۹۹۱ء کے دوران جب سیکولر صدر صدام حسین نے سعودی عرب اور کویت پر حملہ کیا تو شاہ صاحب نے عراقی صدر کے مذمت اور سعودی حکومت کے موقف کی حمایت میں خطبہ جمعہ ارشاد فرمایا جس کی ریکارڈنگ محفوظ ہے۔ اس کے علاوہ جب حکومت پاکستان نے اس جنگ میں سعودی عرب کے دفاع کے لئے پاکستانی فوج بھیجی تو شاہ صاحب نے وزیراعظم نواز شریف کی اس پالیسی

کی حمایت کرتے ہوئے ٹیلی گرام ارسال کیا۔ جس کے جواب میں نواز شریف نے اظہار تشکر کے لئے ایئر ارسال کیا جو محفوظ ہے۔

معزز قارئین! ۱۹۷۹ء میں حرم کے اندر جو شریکین نے فساد کیا شاہ صاحب کا اس سے کوئی تعلق نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں فہم اور زیر کی اور دور اندیشی کے بلند رتبہ پر فائز کیا تھا ان سے اس طرح کی حماقت کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔ میں اللہ تعالیٰ کی ذات کو گواہ بنا کر کہتا ہوں۔ ایک دفعہ مجھے کسی عربی شخص نے کچھ لٹریچر دیا جو کہ جماعۃ المسلمین نامی ایک تنظیم کی طرف سے شائع کیا گیا تھا۔ یہ جماعت افغانستان جنگ میں حصہ لینے والے چند تکفیری اور جذباتی نوجوانوں کی طرف سے بنائی گئی تھی۔ جس کا مجھے اس وقت علم نہیں تھا۔ میں نے وہ لٹریچر جب شاہ صاحب کو دیا تو انہوں نے اس کو پڑھا اور میں نے دیکھا کہ ان کے چہرے پر کچھ ناراضگی کے آثار نظر آرہے ہیں۔ دیے تو وہ ایک بے مثل عالم تھے پر اللہ تعالیٰ نے ان کو نہایت متواضع بنایا تھا جس طرح مخلص علماء منکسر المزاج ہوتے ہیں ایسے ہی وہ تھے۔ ہم ان سے بلا جھجھک سوال کرتے اور بحث بھی کرتے تھے وہ نہایت نرمی اور محبت اور کشادہ دلی کے ساتھ جواب دیتے اور سمجھا دیتے۔ میں ابھی پہلی جماعت میں پڑھتا تھا ان دنوں بین السجدتین رفع الیدین کا مسئلہ اٹھا تھا میں نے اس کے متعلق احادیث کی کچھ تخریج کی اور شاہ صاحب کے پاس آیا تو انہوں نے کمال شفقت کے ساتھ سمجھایا جس طرح ایک بڑے طالب علم کو سمجھایا جاتا ہے۔ یہ نہیں کہا کہ یہ بات تمہاری سمجھ سے باہر ہیں اور تمہیں جمعہ سے جمعہ آٹھ دن بھی نہیں ہوئے پڑھتے ہوئے بہر حال بات آگے نکل گئی۔ شاہ صاحب کو میں نے کہا کہ شاہ صاحب! لٹریچر بھیجے والے بظاہر تو سلفی لگتے ہیں۔ انہوں نے کہا ہاں بھئی دیکھے ہیں میں نے تمہارے سلفی عقل چاہیے عقل! کہتے ہیں کہ ایک من علم کے لئے دس من عقل کی ضرورت ہے۔ خالی علم نہیں عقل کی بھی ضرورت ہے۔ یہ سر پھرے ہیں بے وقوف ہیں۔ خدا ان کو ہلاک کرے انہوں نے حرمین شریفین میں ہمارے کام کو بند کروایا کتنا اچھا کام چل رہا تھا آج تک نہ معلوم کہاں تک کام پہنچتا ان کی بے وقوفی کی وجہ سے وہاں پر دعوت و تبلیغ کی آزادی ہمیشہ کے لئے بند ہوگئی۔

جناب قارئین! دراصل جب علامہ سید بدیع الدین شاہ راشدی رحمہ اللہ نے سعودی عرب میں

درس و تدریس کا کام شروع کیا تو ان کی علمیت اور لیاقت کی وجہ سے دوسرے اساتذہ و مشائخ کے شاگردان کو چھوڑ کر جناب شاہ صاحب کے حلقہٴ درس میں آ گئے اس سے ان کو حسد ہوا۔ پھر کچھ لوگوں نے ان کے خلاف جھوٹی رپورٹیں حکام تک پہنچانا شروع کیں۔ اس طرح جب حرم کا حادثہ ہوا تو شاہ صاحب رحمہ اللہ تو ایک برس قبل پاکستان واپس آ گئے تھے لیکن ان دشمنوں نے اپنا پروپیگنڈہ بند نہیں کیا۔ ہم اس مضمون میں شاہ صاحب کی ذات کی اس معاملہ سے برأت ثابت کر چکے ان کے علاوہ جس کسی نے بھی غلطی کی ان سے جناب شاہ صاحب کا کوئی تعلق نہیں وہ ان سب سے بری ہیں۔

مسئلہ جہاد اور علامہ بدیع الدین شاہ الراشدی

جناب شاہ صاحب رحمہ اللہ نے افغان جہاد کی بھرپور حمایت کی انہوں نے بنفس نفیس اس میں حصہ لیا اور جب رشین سرخ ریچھ نے افغانستان پر قبضہ کیا اور پھر دنیا کے کونے کونے سے آنے والے مسلمانوں نے افغانستان کے اندر روسی لشکر سے جنگ کی تو شاہ صاحب اکثر اوقات قنوت نازلہ پڑھتے۔ انہوں نے افغانستان میں قائم اس وقت کے عسکری مراکز کے دورے کئے اور جلال آباد کے محاذ پر اگلے مورچوں تک گئے۔

افغانستان میں صوبہ کنڑ میں اسلامی امارت قائم کرنے والے شیخ جمیل الرحمن رحمہ اللہ اور صوبہ نورستان کی سلفی جماعت کے ساتھ شاہ صاحب کے گہرے تعلقات رہے۔

افغان جہاد کے بعد انہوں نے جہاد کشمیر کی بھی کسی حد تک حمایت کی لیکن اس دفعہ ان کا خیال تھا کہ پاکستانی اہل حدیث اپنی تنظیم بنا کر کارروائی کرنے کے بجائے وہاں کی جمیعت اہل حدیث جموں و کشمیر کی مدد کریں اور ان سے مالی و اخلاقی تعاون کریں۔ اگر عسکری کارروائی کرنی ہی ہے تو مقامی لوگوں کے ماتحت رہ کر کی جانی چاہیے۔ البتہ اس دفعہ آخر میں ان کے خیالات کچھ تبدیل ہو گئے تھے اور بذات خود کافی محتاط ہو گئے تھے لیکن انہوں نے اس مسئلہ میں تفرد اختیار کرتے ہوئے کوئی اختلافی موقف ظاہر نہیں کیا، مگر وہاں کی مقامی جماعت اہل حدیث کے ساتھ مالی و اخلاقی تعاون کرنے کی بات آخر تک کرتے رہے۔

افغان جہاد کے متعلق ”افغانستان میں بظاہر مجاہدین کا لڑنا اسلام کی سربلندی اور دشمنان اسلام،

کیونستوں اور دیگر باطل خیالات و نظریات کے لوگوں کے تسلط سے اسلامی سرزمین کو پاک کرنا معلوم ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کا حامی و ناصر ہو۔ (رموز راشدیہ ۶۵)

جناب شاہ صاحب نے اپنی تفسیر بدیع التفاسیر میں بھی کئی مواقع پر جہاد کے متعلق تفصیل سے لکھا ہے۔ سورۃ البقرۃ کی آیت ﴿كَتَبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ وَهُوَ كُرْهٌ لَّكُمْ﴾ الایہ کی تفسیر میں جہاد کی فریضیت، فضیلت اور احکام کو (ج ۶ ص ۷۷) سے ۹۰ تک تفصیل سے بیان کیا ہے۔

ذاتی اخلاق، عادات و اطوار اور روزانہ کی زندگی کے معمولات

اللہ تعالیٰ نے شاہ صاحب رحمہ اللہ کو اخلاق حسنہ سے نوازا تھا، آپ سندھ میں ان کے جتنے بھی ساتھی ہیں ان سے پوچھیں گے تو یہی بتایا جائے گا کہ شاہ صاحب میرے ساتھ دیگر ساتھیوں سے بڑھ کر محبت کرتے تھے لوگ پروانوں کی طرح ان کے گرد جمع ہوتے گئے۔ جب کوئی ملنے آتا تو اس کا واپسی کو دل نہ کرتا۔ وہ ہر الحمدیث فرد کو دل دینے والے تھے۔ یوں نہیں ہوتا کہ ان سے اخلاق سے متنفر ہو کر لوگ بھاگ گئے ہوں۔ جماعت الحمدیث سندھ کے ساتھ جب نیو سعید آباد میں شاہ صاحب کے مرکز میں آتے ہیں، ان مقامات کو دیکھتے جہاں وہ سارا دن بیٹھ کر لکھتے یا جماعتی احباب کے ساتھ مجلس کرتے تھے ”تو ان کی یاد میں آنسو بہا دیتے ہیں یہ جناب شاہ صاحب کے بلند اخلاق کی دلیل ہے۔ سندھ کے اہل توحید کے ہاں ان کی حیثیت امام ابن تیمیہ، ابن القیم، اور محمد عبدالوہاب رحمہ اللہ سے کم نہیں رہی۔ بلاشبہ جماعت اہل حدیث کے ہاں ان کے لئے بڑا احترام ہے۔

جناب شاہ صاحب جب کوئی غلطی دیکھتے تو فوراً ٹوکتے نہیں تھے بلکہ مناسب موقع پر نصیحت کرتے۔ زبان پر بڑا کنٹرول تھا، شکوہ شکایت اور غیبت ہم نے ان کی زبان سے نہیں سنی۔ خواجہ زیادہ بولنے کی عادت نہیں تھی جب سوال کیا جاتا تھا یا ضرورت کے وقت بولتے سوال کا جواب مختصر الفاظ میں دیتے۔

جب کوئی شخص جھک کر انہیں ملنے کی کوشش کرتا تو آپ غم و غصہ سے سرخ ہو جاتے اور نہایت پیار و اخلاق سے فوراً اسے سمجھاتے۔ دوست مجلس میں بیٹھتے تو اخلاق کی حدود کے اندر مذاق بھی کرتے، محترم سید عیسیٰ شاہ ہاشمی آپ سے صاف باتیں کرتے اور کبھی کبھی خوب ہنسی مذاق ہوتا۔ دوران مجلس شاہ صاحب اپنی

زندگی کے یادگار واقعات سناتے رہتے۔ ان کی اکثر کوشش ہوتی تھی کہ لوگ کچھ نہ کچھ سیکھیں۔ وہ اسی طرح ساتھیوں کی تربیت کرتے اور اہل بدعت کو کس طرح جواب دیئے جائیں ان کا کس طرح مقابلہ کیا جائے ان کے ساتھیوں نے ان سے بہت کچھ سیکھا۔ ان کا کہنا تھا کہ اسلام عمل سے ہے وہ لوگوں کی عملی تربیت کرتے اور بے عملی سے انہیں بڑی نفرت تھی۔ ذاتی زندگی میں وہ تقویٰ کے بلند مرتبہ پر فائز تھے۔ کتنی ہی تنگی کیوں نہ ہو کبھی کسی ساتھی کے ساتھ شکوہ نہیں کیا۔ وہ تنگ حالات میں قرضہ لیتے اور آسانی پر ادا کر دیتے۔ دعوت توحید و سنت کی تحریک میں چندہ کرنے کے بجائے اپنی جیب سے بہت زیادہ خرچ کیا۔ جب بھی کسی پروگرام میں گئے کرایہ وغیرہ کا اپنی زندگی میں کسی سے تقاضا نہیں کیا۔ وہ اس تحریک کی مصروفیت کی وجہ سے کوئی کاروبار وغیرہ نہیں کر سکتے تھے۔ نہ اپنی زمین سنبھال سکتے تھے۔ خود بڑے اچھے طبیب اور ہومیو ڈاکٹر تھے۔ اپنی کلینک تھی جس کے لئے ٹائم نکالنے کی کوشش کرتے۔ اتنے رحم دل کہ مریض کی حالت دیکھ کر اس پر ترس کھاتے اور اگر پیسے نہیں ہوتے تو بھی دوائی سے انکار نہیں کرتے۔ یہ کام ان کا ذریعہ معاش تھا لیکن جب انہیں پتہ چلا کہ ہومیو ادویات میں الکوحل ہے تو خطبہ جمعہ میں اعلان کیا کہ ہومیو ادویات میں شراب ہے لہذا انہیں استعمال نہ کرو اور کہا کہ ہم جمعہ کے بعد میرے پاس موجود ہومیو میڈیسن اسٹاک کو ضائع کریں گے۔ لہذا انہوں نے ساری ادویات ضائع کر دیں۔

بڑے مہمان نواز تھے، ان کے دسترخوان پر بڑی تعداد میں کھانے والے ہوتے تھے سب کو اپنے گھر سے کھانا کھلاتے تھے۔ نہایت صفائی پسند اور خوش لباس تھے۔ بڑے عابد و زاہد تھے۔ اگر ان کے جلے رات کو دیر سے ختم ہوتے لیکن تہجد کے مقرر وقت پر بیدار ہونا ان کی زندگی کا جزو لاینفک بن گیا تھا۔ سفر و حضر میں نہایت شیریں آواز کے ساتھ تلاوت کرنا ان کا معمول تھا۔ فجر نماز پڑھ کر کچھ دیر کے لئے سو جاتے پھر اپنی بیٹھک میں آ کر بیٹھتے، وہ کم کھاتے، رات کو ایک روٹی اور دودھ کا گلاس ان کی معمول کی غذا ہوتی تھی۔

سوال کرنے والے کا سوال سنجیدگی سے سنتے اور اعتراض بھی نہایت سکون کے ساتھ سنتے بحث کرنے والے کو آرام کے ساتھ جواب دیتے کوئی بچہ بھی اگر ان پر تکبیر کرتا اور حدیث پیش کرتا تو وہ انہیں یہ محسوس نہیں کراتے کہ تم بچہ ہو مجھ سے سوال کر رہے ہو، بلکہ ایک دفعہ کسی کم عمر نوجوان نے شاہ صاحب کی

کوئی غلطی نوٹ کی اور انہیں حدیث پیش کی تو شاہ صاحب بہت خوش ہوئے اور کہا یہ حدیث میرے ذہن میں نہیں تھی۔ علم و مطالعہ کا شوق رکھنے والے ان کے پاس آتے تو اس کی زبردست مدد کرتے اگرچہ وہ کلین شیوہ کیوں ہی نہ ہو۔ جناب شاہ صاحب ماہر تیراک تھے اور بہت اچھے نشانہ باز بھی تھے۔ سیر و تفریح کا بھی شوق تھا۔ تھراپار کر سندھ کے تاریخی پہاڑی سلسلہ کا رونجھر کی سیر کے لئے گئے تو وہ بہت ہی بلند اور پرخطر پہاڑوں پر چڑھ گئے جب کہ جوان اور نوجوان ہمت ہار کر پیچھے بیٹھ گئے۔

ان کی زندگی کے کئی اچھے پہلو ہیں میں نے سردست جو باتیں ذہن میں آتی ہیں لکھ دی ہیں۔ شاید کوئی اللہ کا بندہ اس سلسلے میں بہتر لکھ سکتا ہے۔

اہل علم و فضل کے جناب علامہ سید بدیع الدین شاہ راشدی رحمۃ اللہ علیہ
کے بارے میں اقوال

معزز قارئین! جناب شاہ صاحب کا شمار دینا کے صف اول کے مستند اور ممتاز علماء کرام میں ہوتا تھا۔ بعض اہل علم انہیں امام عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز رحمۃ اللہ علیہ اور امام محمد ناصر الدین البانی کے بعد دنیا کی تیسری بڑی علمی شخصیت قرار دیتے تھے۔

جب شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو دفن کیا جا رہا تھا اس وقت غرباء جماعت اہل حدیث کے امیر حافظ عبدالرحمن سلفی صاحب نے کہا آج ہم فقط سید بدیع الدین شاہ صاحب کو نہیں بلکہ علم کے سمندر کو دفن کر رہے ہیں۔ انہوں نے کہا ہم اہل علم کے ساتھ مل کر شاہ صاحب کے پاس آتے اور ان سے سوال کرتے ہوئے بھی ڈرتے تھے کہ کیا جواب دیں گے یہ ان کا علمی مقام تھا۔

بلاشبک اپنے وقت میں وہ اہل توحید کے لئے ایسا مرجع تھے کہ ان کے تحقیقی جواب پر قلبی اطمینان ہوتا ہے۔

معزز قارئین! عرب و عجم جناب شاہ صاحب کے علم، ثقاہت، فقہات اور منہج سلیم کے معترف تھے۔ یہ ایک ایسی بات ہے جس کے لئے کسی دلیل کی ضرورت نہیں۔ اس کے باوجود ہم یہاں پر سلفی علماء کرام

کے شاہ صاحب کے متعلق اقوال نقل کرتے ہیں۔

شاہ صاحب نے اپنی نوجوانی کے دور میں ایک کتاب ”المرأة لطرق حديث من كان له امام فقراء الامام له قراءة“ لکھی تھی، جس پر اس دور کے کبار علماء کرام اور محدثین کی تقاریر ہیں، ہم ان میں سے چند علماء کرام کے اقوال نقل کرتے ہیں۔

مولانا ابوالقاسم سیف بناری لکھتے ہیں: فأنى اسرعت نظرى فى رياض الرسالة المسماة بالمرأة لرأس المحققين العلامة السيد بديع الدين شيخ علامه احمد الدين گھڑوی لکھتے ہیں: ذکر تضعيفها و عللها بالتفصيل وحقها كالبخارى والبيهقى بالدليل.

ارض اليمين کے ممتاز محدث علامہ مقبل بن ہادی الوادعی رحمہ اللہ کے تاثرات ہم پچھلے صفحات میں ذکر کر چکے ہیں۔

دکتور عبدالمحسن المنيف استاذ الجامعة الاسلامية بالمدينة المنورة یوں مخاطب ہوتے ہیں: فضيلة الشيخ العلامة المحدث المفسر (خط)

دکتور عاصم عبد الله القريونى سابق استاذ الجامعة الاسلاميه بالمدينه المنوره لکھتے ہیں: شيخنا العلامة (خط)

امام السلفیہ علامہ شمس الدین الافغانی صاحب الماتریدیہ لکھتے ہیں: ”الشيخ الاجل الوالد العزيز المحدث البديع ابو السلفيين قاطع اعناق اهل الشرك والبدع“ (خط)

علامہ علی الشبل السعودی لکھتے ہیں: ”علم من اعلام الحديث والسنة الشيخ العلامة محدث السند“ (جریہ عکاظ میں مضمون)

علامہ مقتدی حسن ازہری ہندی لکھتے ہیں: ”فضيلة الشيخ الموقر العلامة السيد بديع الدين شاه الراشدی“ (خط)

ایک طالب علم ابوالحسن یاسر بن البرزنجی لکھتے ہیں: ”وذلك لما سمعنا من سيرتكم الحسنة

وسیرکم علی المنہج السلفی الصحیح وذلک بعد ان حدثنا عنکم علماؤنا ومشائخنا حفظہم اللہ (خط)

ایک اور تمیز اور محقق شیخ حکمت الحریری لکھتے ہیں: ”والذی رفعنا لذلك هو ثقتنا لفضيلتکم

وما اكرمکم اللہ به من علم وسعة اطلاع (خط)

ماہنامہ ”الحدیث“ حضرو کے مدیر اعلیٰ اور ممتاز محقق حافظ زبیر علیزئی صاحب رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ ”اگر کوئی مجھ سے رکن یمانی اور مقام ابراہیم کے درمیان حلقا پوچھے گا تو میں یہی کہوں گا کہ میں نے شیخ بدیع الدین سے بڑھ کر عالم اور فقیہ نہیں دیکھا۔ (الحدیث ش ۲ ص ۴۰)

پنجاب کے نامور عالم دین شیخ عطاء اللہ ثاقب مترجم کتاب ”فتح المجید شرح کتاب

التوحید“ شیخ بدیع رحمہ اللہ کو ان القاب سے یاد کرتے ہیں۔

ناصر السنة النبوية والعقيدة السلفية قاصع البدعة، المجاهد لاعلاء كلمة الله،

الصلب في السنة، الملازم للعبادة، العالم، الفاضل، المحدث، الفقيه، رئيس المحققين،

العلامة، الشيخ (هداية المستفيد ج ۱)

جمعیت اہل حدیث سندھ کی تاسیس اور مناصب

انہوں نے سندھ میں دعوت توحید کے کام کو منظم طریقے سے چلانے کے لئے جماعت اہل حدیث

سندھ کی تنظیم کی جس کا جمعیت اہل حدیث سندھ نام رکھا۔ آپ تاحیات اس کے امیر رہے ابتداء میں مولانا

حافظ محمد عمر جو نیو صاحب رحمہ اللہ آپ کے نائب تھے۔ وہ تنظیمی تعصب سے بالاتر تھے۔ خود کہتے ہیں سب اہل

حدیث ہمارے بھائی ہیں ہمیں کسی سے اختلاف نہیں ہے۔ (رموز ۸۱)

ایک دفعہ میں نے ان سے سنا کسی نے ان سے پوچھا کہ اہل حدیث جماعتوں میں کون غلط ہے شاہ

صاحب نے کہا سارے غلط ہیں۔ تو اس نے سوال کیا پھر حق پر کون ہے؟ کہا سارے حق پر ہیں۔ اس نے کہا

شاہ صاحب یہ کیسے؟ آپ نے کہا اہل حدیث ہونے کی وجہ سے سب حق پر ہیں اور اختلاف کی وجہ سے سب

غلطی پر ہیں۔

جناب شاہ صاحب کچھ عرصہ کے لئے مرکزی جمعیت اہل حدیث پاکستان کے مرکزی امیر بھی

رہے۔

وفات

آفتاب علم و عمل، سرتاج اہل حدیث، قاطع الشک والہدۃ ناصر السنۃ النبویۃ علامہ سید ابو محمد بدیع الدین شاہ راشدی سندھی حسینی مکی رحمۃ اللہ علیہ تقریباً ۷۲ برس کی ولولہ خیز اور نہایت کارآمد مصروف زندگی بسر کر کے شب منگل ۸ جنوری ۱۹۹۶ء کو کراچی میں فوت ہوئے ان کے جسد خاکی کورات گئے نیو سعید آباد لایا گیا اور ۹ جنوری کو جامع مسجد الفردوس نیو سعید آباد میں ان کی جنازہ نماز پڑھی گئی۔ جس کی امامت مولانا عبداللہ ناصر الرحمانی صاحب نے کروائی۔ اور بغیر کسی اعلان کے باوجود ہزاروں کی تعداد میں اہل حدیث وغیر اہل حدیث مسلمانوں نے ان کا جنازہ پڑھا پھر انہیں ان کے آبائی گاؤں درگاہ شریف لے جایا گیا جہاں پر بعد میں آنے والے کئی لوگوں نے دوبارہ نماز جنازہ پڑھی اور پھر ان کے والد ماجد اور برادر اکبر علامہ سید محبت اللہ شاہ راشدی رحمۃ اللہ علیہ کی پہلو میں دفن کر دیا گیا۔

اللهم اغفر له وارحمه وعافه واعف عنه واكرم نزله
واعذه من عذاب القبر ومن عذاب النار آمین۔



سید بدیع الدین شاہ راشدی رحمۃ اللہ علیہ کے حالات زندگی

(وفات: جنوری ۱۹۹۶ء)

محترم المقام جناب مولانا افتخار احمد الازہری!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

میں نہایت شکر گزار ہوں کہ آپ نے یاد فرمایا اور ”بہار العلوم“ کے لئے حضرت مولانا سید بدیع الدین کے حالات میں خصوصی طلب فرمایا۔ حضرت سید صاحب ممدوح بہت بڑے خاندان کے بہت بڑے رکن تھے۔ علم و فضل، تقریر و تحریر، تحقیق و تدقیق اور تقویٰ صالحیت میں ان کا مقام بہت بلند تھا اور اللہ نے ان کو بہت سی خصوصیات سے نوازا تھا۔ نہ صرف پاکستان بلکہ عرب ممالک میں بھی انہیں بے حد احترام کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا اور ان کے مبنی بر کتاب و سنت ارشادات کو لائق تقلید گردانا جاتا تھا۔ عربی، اردو، سندھی تینوں زبانوں میں انہوں نے لکھا اور اللہ کے دین کی بہت خدمت کی۔ تفسیر، حدیث، تاریخ، رجال، فقہیات، روزمرہ پیش آنے والے ضروری مسائل سے متعلق ان کی تصانیف ہمارے لیے شعل راہ کی حیثیت رکھتی ہیں۔ میں نے ان کے حالات ایک طویل مضمون میں بیان کیے ہیں۔ مجھے نہیں معلوم کہ میں اس مرد مجاہد کی مختلف دینی خدمات کی تھوڑی بہت وضاحت کرنے میں کامیاب ہو سکا ہوں یا نہیں۔ بہر حال جو کچھ میری سمجھ میں آیا میں نے عرض کر دیا۔ اگر آپ کو میری گزارشات سے اتفاق ہو تو مجلہ ”بہار العلوم“ میں شائع فرمادیجئے۔ میں اس پر آپ کا شکر گزار ہوں گا۔ امید کہ مزاج گرامی بخیر ہوں گے۔

اخلاص کیش

محمد اسحاق بھٹی

۱۹۷۸ء کے جولائی میں مرکزی جمعیت اہل حدیث مغربی پاکستان کے نام سے (موجودہ پاکستان کی) جماعت اہل حدیث کی تنظیم قائم ہوئی۔ اس تنظیم کا قیام لاہور میں عمل میں آیا تھا۔ اس وقت ڈھائی سو کے لگ بھگ جماعت کے علماء و زعماء جمع ہوئے تھے اور قیام پاکستان (آزادی برصغیر) کے بعد لاہور میں ارکان جماعت کا یہ پہلا اجتماع تھا جو حضرت مولانا سید محمد داؤد غزنوی، مولانا محمد اسماعیل سلفی، مولانا عطاء اللہ حنیف بھوجیانی اور بعض دیگر اکابر جماعت کے باہم مشورے سے طلب کیا گیا تھا۔ مولانا عطاء اللہ حنیف

☆ مصنف، مؤرخ، صحافی، معروف مقالہ نگار، سابق مدیر ”الاعتصام لاہور“، سابق ریسرچ اسکالر ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور

اس زمانے میں دارالعلوم تقویۃ الاسلام کی مسند شیخ الحدیث پر متمکن تھے اور علمی اعتبار سے مولانا سید محمد داؤد غزنوی ان پر بے حد اعتماد کرتے تھے۔

پاکستان اس وقت مشرقی اور مغربی دو حصوں پر مشتمل تھا۔ مشرقی حصے کو مشرقی پاکستان اور مغربی حصے کو مغربی پاکستان کہا جاتا تھا۔ مشرقی پاکستان، آدھے بنگال اور صوبہ آسام کے ضلع سہلٹ کا نام تھا اور مغربی پاکستان صوبہ سندھ، صوبہ سرحد، صوبہ بلوچستان اور پنجاب کے سترہ اضلاع پر محیط تھا۔ مشرقی اور مغربی پاکستان کے درمیان کم و بیش پندرہ سو میل کا فضائی فاصلہ تھا۔

تقسیم ملک کے بعد سب سے پہلے پاکستان میں جماعت اہل حدیث کی تنظیم ”مرکزی جمعیت اہل حدیث مشرقی پاکستان“ کے نام سے معرض وجود میں آئی تھی۔ اس وقت مشرقی پاکستان میں جماعت کے بہت سے ممتاز مشہور علمائے کرام موجود تھے، جن میں مولانا عبداللہ الکافی، مولانا عبداللہ الباقی، مولانا محمد اکرم خان، مولانا عبدالحجیر اور مولانا عبدالرحمن کے اسمائے گرامی قابل ذکر ہیں۔ یہ حضرات دینی اور اسلامی معاملات کے ساتھ ساتھ سیاسیات میں بھی اپنا مقام رکھتے تھے اور ہر طبقہ فکر کے لوگوں میں انہیں احترام کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔ ان بزرگانِ عالی مرتبت نے نئے حالات اور نئے ماحول میں جماعت کو منظم کرنے کا عزم کیا۔ چنانچہ انہوں نے ڈھاکہ میں جو مشرقی پاکستان کا دارالحکومت تھا، جماعت کے سرکردہ افراد کی میٹنگ بلائی اور صلاح و مشورے کے بعد جمعیت اہل حدیث مشرقی پاکستان قائم کی۔ اس کے صدر مولانا عبداللہ الکافی کو بنایا گیا اور نظامت علیا کا منصب مولانا عبدالرحمن کے سپرد کیا گیا۔ یہ ۱۹۴۸ء کے ابتدائی دنوں کی بات ہے مولانا عبداللہ الکافی اور مولانا عبداللہ الباقی دونوں حقیقی بھائی تھے۔ عبداللہ الکافی بڑے تھے اور عبداللہ الباقی چھوٹے۔! مشرقی پاکستان کی جماعت اہل حدیث کی یہ تنظیم بڑی موثر اور مضبوط تھی۔ اس تنظیم نے بنگلہ زبان میں دو اخبار بھی جاری کر لیے تھے ایک ہفتہ روزہ اور ایک ماہانہ۔

اس تنظیم سے چند مہینے بعد ۲۴ جولائی ۱۹۴۸ء کو مرکزی جمعیت اہل حدیث مغربی پاکستان قائم کی گئی۔ اس کے صدر حضرت مولانا سید محمد داؤد غزنوی کو منتخب کیا گیا تو اور ناظم اعلیٰ پروفیسر عبدالقیوم کو، جو اس وقت گورنمنٹ کالج (لاہور) میں شعبہ عربی کے پروفیسر تھے۔ مرکزی جمعیت کے قیام سے تھوڑا عرصہ بعد مجھے

اس کا ناظم دفتر مقرر کیا گیا تھا۔ اس لیے اگر یہ عرض کروں تو حق بجانب ہوں گا کہ میں مرکزی جمعیت اہل حدیث مغربی پاکستان کے تمام معاملات سے آگاہ اور اس کے رموز و اسرار سے باخبر ہوں۔ میرے محترم دوست مولانا عبدالعظیم انصاری بھی جمعیت کے خدوخال کو جانتے ہیں۔

مرکزی جمعیت اہل حدیث کے قیام سے ٹھیک تیرہ مہینے بعد ۱۹/ اگست ۱۹۴۹ء کو ہفت روزہ ”الاعتصام“ جاری ہوا، جس کے ایڈیٹر مولانا محمد حنیف ندوی کو بنایا گیا تھا اور پھر جلد ہی اس کے معاون مدیر کی حیثیت سے اس فقیر کا انتخاب کیا گیا۔ یعنی

ع قرعہ فال برسن دیوانہ زدند

مرکزی جمعیت کے قیام کے بعد مختلف مقامات پر جماعت کے علمائے کرام اور زعمائے عظام کے اجتماعات ہونے لگے اور ان کے مرکزی، صوبائی اور ضلعی اجلاسوں کا سلسلہ شروع ہوا جو تیزی کے ساتھ آگے بڑھا۔ تبلیغی جلسوں نے زور باندھا اور باہم میل جول کی خوش گوار فضا پیدا ہوئی۔ پھر اخبار ”الاعتصام“ کے اجراء کے بعد تعلقات میں مزید اضافہ ہوا۔ اس میں اہل علم کے مضامین و مقالات چھپنے لگے۔ اصحابِ قلم سے خط و کتابت ہونے لگی اور ان سے ملاقات کے مواقع میسر آئے۔ اس طرح باہم روابط بڑھے اور وقت نے ایک نئی کروٹ لی جو بے حد حوصلہ افزا اور نہایت باعثِ مسرت تھی۔

ماہ و سال کا تعین کرنا تو مشکل ہے لیکن اس میں کوئی شبہ نہیں کہ صوبہ سندھ کے ایک بڑے پیر سے اسی زمانے میں ملاقات ہوئی، جو ”پیر“ ہونے کے باوجود نہ لغوی معنوں میں پیر تھے نہ اصطلاحی معنوں میں پیر تھے۔ اس لیے کہ پیروں کے خصائل و خصوصیات سے سخت نالاں اور متنفرت تھے۔ ان سے پہلی ملاقات حافظ نے محفوظ نہیں رکھیں۔ حالاں کہ ان کا محفوظ رکھنا ضروری تھا اور اس موضوع کی تاریخ کا بنیادی عنصر۔!

حافظ نے کا بھی عجیب معاملہ ہے۔ بعض دفعہ نہایت ضروری اور انتہائی اہمیت کی حامل چیزوں کی بھی پروا نہیں کرتا اور اپنی حدود اختیار سے اتنی دور پھینک دیتا ہے کہ انہیں تلاش کرنا اور ان کا کھوج لگانا ناممکن ہو جاتا ہے۔ اور بعض اوقات بالکل غیر اہم اور بے مقصد اشیاء کو اس طرح سینے سے لگا لیتا ہے اور ان کی اس احتیاط سے حفاظت کرتا ہے کہ انہیں بھولنے کی کوشش بھی کریں تو نہیں بھول سکتے۔ وہ ذہن میں اپنا مستقل

ٹھکانا بنا لیتی ہیں۔

سوال یہ ہے کہ وہ بڑے پیر جن سے پہلی ملاقات کے وقت و تارخ کا سراغ لگانے کے بارے میں حافظے نے مدد کرنے سے انکار کر دیا ہے، کون تھے؟ یہ تھے شاہ بدیع الدین راشدی! سید زادے۔! بڑے عالم اور ایک بڑے علمی خاندان کے بڑے رکن۔۔۔!!!

جس مقام پر انہیں پہلی مرتبہ دیکھا، فقط ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ اہل حدیث کا عوامی جلسہ تھا اور یہ جلسہ لاہور میں منعقد ہوا تھا۔ میں اس وقت مفت روزہ ”الاعتصام“ کی خدمت ادارہ پر مامور تھا۔ ایک بزرگ نے جواسٹینج پر تشریف فرما تھے، حاضرین جلسہ سے شاہ صاحب کا تعارف کچھ اس قسم کے الفاظ میں کرایا:

”اب میں صوبہ سندھ کے بہت بڑے علمی گھرانے کے نوجوان عالم سے آپ کو متعارف کراتا ہوں۔ کئی پشتوں سے اس گھرانے کو علم و فضل کے مرکز کی حیثیت حاصل ہے۔ ان کے والد پیر احسان اللہ شاہ یوں تو تمام علوم مروجہ میں دسترس رکھتے تھے لیکن حدیث و رجال میں انہیں بالخصوص مہارت حاصل تھی۔ یہ نوجوان جواسٹینج آپ کے سامنے تقریر کریں گے، اپنے خاندان کا نہایت قیمتی علمی سرمایہ ہیں۔ اپنے مرحوم والد کی طرح حدیث اور رجال حدیث میں یہ خاص طور سے درک رکھتے ہیں، اور مسلک اہل حدیث کے بہت بڑے مبلغ اور خادم ہیں۔ ان کا اسم گرامی ہے پیر سید بدیع الدین شاہ راشدی۔۔۔!“

اس سے ملتے جلتے اور ہم معنی تعارفی الفاظ کے بعد سید بدیع الدین شاہ صاحب مائیک پر آئے۔ یہ آج سے کم و بیش ۴۵ برس پہلے کی بات ہے۔ کسرتی جسم، گندم گوں، نکلتا ہوا قد، سر پر ٹوپی، ٹخنوں سے اونچی سفید لٹھے کی شلوار، سفید قمیص اور شیر وانی پہنے ہوئے۔ گول چہرہ، موٹی موٹی آنکھیں، کھڑی ناک۔ انہوں نے تیکھی اور قدرے بلند آواز سے خطبہ مسنونہ پڑھا اور قرآن مجید کی دو تین آیات کی تلاوت کر کے تقریر شروع کی۔ آواز مقررانہ اور بارعب۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ حلق کی گہرائی سے کھرچ کر الفاظ زبان پر لا رہے ہیں اور پورے زور سے سامعین کے کانوں میں ڈال رہے ہیں۔ وہ مجھے ہوئے اور تجربہ کار مقرر کی طرح اپنے خیالات کا اظہار کر رہے تھے۔ ان کے انداز بیان سے نہ ان پر کسی نوع کی جھجک کا احساس ہوا، نہ ان کے چہرے پر کوئی مرعوبیت دکھائی دی، نہ زبان لڑکھرائی، نہ روانی کلام میں کسی رکاوٹ کا پتا چل سکا۔

وہ زور دار اور پر جوش مقرر تھے اور جو بات صحیح سمجھتے تھے اسے لوگوں تک پہنچانا ان کے نزدیک ضروری تھا۔ صاف لہجے اور پورے اعتماد کے ساتھ بولتے تھے۔ دلائل کا انبار ان کے ہم رکاب تھا اور کتاب و سنت کی پشت پناہ۔

جلے کے بعد ان سے ملاقات ہوئی، کسی صاحب نے تعارف کروایا تو بڑے تپاک سے ملے اور گرم جوشی سے مصافحہ کیا۔ اس کے بعد ان سے جو مراسم پیدا ہوئے، وہ ہمیشہ قائم رہے۔ جب بھی ملاقات ہوتی، وہ شفقت آمیز احترام یا احترام آمیز شفقت کے ساتھ پیش آتے۔ وہ واقعی بڑے خاندان کے بڑے آدمی تھے، اس بڑائی کا اظہار ان کی بات چیت اور میل ملاپ سے ہوتا رہتا تھا۔

آگے بڑھنے سے پہلے ہم چاہتے ہیں کہ ان کا خاندانی پس منظر بیان کر دیا جائے تاکہ خواندگان محترم کو پتا چل سکے کہ وہ کس دودمان عالی قدر کے فرو تھے اور ان کی علمی اور عملی حیثیت کیا تھی؟

سید بدیع الدین شاہ کا سلسلہ نسب یہ ہے: سید بدیع الدین بن سید احسان اللہ بن سید رشد اللہ بن سید رشید الدین بن سید محمد یاسین بن سید محمد راشد راشد حسینی.....!

راشدی خاندان کے مورث اعلیٰ کا اسم گرامی سید محمد راشد شاہ تھا، جن کا شجرہ نسب حضرت حسین بن علیؑ تک پہنچتا ہے۔ یہ پورا شجرہ نسب سید بدیع الدین شاہ کے گھر میں محفوظ ہے۔

سید بدیع الدین شاہ کے آباؤ اجداد تبلیغ اسلام کے لیے کاظمین سے ہجرت کر کے علاقہ سندھ میں آئے اور ضلع داؤد میں کئی شاہ صدر کے مقام پر سکونت پذیر ہوئے اور پھر جلد ہی یہ لوگ پورے سندھ میں پھیل گئے اور تبلیغ دین اور اشاعت اسلام کو اپنا مقصد حیات قرار دے لیا۔

اس خاندان کے ایک بزرگ جن کا اسم گرامی اوپر آیا، سید محمد راشد شاہ تھے، جو اپنے دور کے اولیاء اللہ میں سے تھے، اور اپنی صالحیت اور انقاء کی بنا پر مرجع خلافت تھے۔ اللہ نے انہیں علم کی دولت سے بھی خوب نوازا تھا۔ ان کی پوری زندگی اتباع سنت اور ترویج دین میں گزری۔ لوگوں میں وہ ”روضہ والا“ کے عرف سے معروف تھے۔ انہوں نے اس دنیائے فانی سے رخت سفر باندھا تو ان کے دو بڑے بیٹے تھے۔ ایک سید صبغت اللہ شاہ اور دوسرے سید محمد یاسین شاہ۔

سید محمد راشد شاہ کی دو نشانیاں تھیں۔ ایک پگڑی اور دوسرا جھنڈا۔ ان کی وفات کے بعد ان کے عقیدت مندوں نے فیصلہ کیا کہ یہ پگڑی سید صغت اللہ شاہ کے سر پر باندھ دی جائے اور جھنڈا سید محمد یاسین شاہ کو دے دیا جائے۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا اور پھر خاندان دو حصوں میں بٹ گیا۔ ایک کی اولاد کو پیر پگاڑا کہا جانے لگا اور ایک پیر جھنڈا (یعنی صاحب علم) کہلائے۔

سید محمد راشد شاہ کے بعد اب تک ان میں چھ پیر آف جھنڈا (یا صاحب العلم) ہو چکے ہیں اور وہ مندرجہ ذیل ہیں:

- ۱۔ سید محمد یاسین شاہ
- ۲۔ سید فضل اللہ شاہ شہید
- ۳۔ سید رشید الدین شاہ انہیں صاحب بیعت بھی کہا جاتا ہے اس لیے کہ یہ جہاد کی بیعت لیتے تھے۔
- ۴۔ سید رشد اللہ شاہ انہیں صاحب شریعت بھی کہا جاتا ہے۔ انتہائی پابند شریعت اور بہت بڑے مبلغ شریعت محمدی ﷺ تھے۔
- ۵۔ سید احسان اللہ شاہ یہ ہمارے مدوح سید بدیع الدین شاہ کے والد مکرم تھے۔
- ۶۔ سید محبت اللہ شاہ یہ سید بدیع الدین شاہ کے بڑے بھائی تھے۔ ۲۱ جنوری ۱۹۹۵ء کو فوت ہوئے۔
- ۷۔ سید محمد یاسین شاہ یہ سید محبت اللہ شاہ کے بڑے صاحب زادے ہیں اور ترتیب کے اعتبار سے ساتویں پیر آف جھنڈا (صاحب علم) ہیں۔

جیسا کہ گزشتہ سطور میں سید بدیع الدین شاہ کے سلسلہ نسب میں ہم پڑھ آئے ہیں ان کے جد امجد سید رشد اللہ شاہ تھے۔ سید رشد اللہ شاہ جلیل القدر عالم اور بہ درجہ غایت قبیح سنت تھے۔ انہوں نے حضرت میاں سید نذیر حسین دہلوی اور شیخ حسین بن محسن انصاری یمانی سے علم حدیث حاصل کیا تھا اور تعلیم سے فراغ کے بعد اپنے والد گرامی سید رشید الدین شاہ کے حکم سے اپنے گوتھ (یعنی گاؤں) میں مدرسہ دارالارشاد قائم کیا تھا۔ اس مدرسے میں دیگر علوم مروجہ کے علاوہ علم حدیث کی خاص طور سے تعلیم دی جاتی تھی۔ سندھ کے مختلف

مدارس کے بہت سے اساتذہ اسی مدرسے کے فیض یافتہ ہیں۔ ان کا بہت بڑا کتب خانہ تھا جو مختلف عنوانات کی نہایت اہم کتابوں پر مشتمل تھا۔ تصنیف و تالیف کا یہ اعلیٰ ذوق رکھتے تھے اور تحریر و تقریر میں مسلک اہل حدیث کی خوب وضاحت کرتے اور ہر بات کتاب و سنت کی روشنی میں معروض بیان میں لاتے تھے۔ انہوں نے اردو، سندھی اور عربی تینوں زبانوں میں لکھا اور خوب لکھا، جس کی تفصیل کچھ اس طرح ہے۔

۱۔ سفر السعادة کا ترجمہ: یہ علامہ محمد الدین فیروز آبادی کی مشہور تصنیف ہے جو عربی زبان میں ہے۔ اس کے مندرجات و مشمولات احادیث پاک سے ماخوذ ہیں۔ سید رشد اللہ شاہ نے اس کا سندھی زبان میں ترجمہ کیا اور اس ترجمے کا نام ”ثمر آخرت“ رکھا۔ اس ترجمے سے سندھ کے عوام و خواص نے بے حد استفادہ کیا۔

۲۔ درج الدرر فی وضع الایدی علی الصدر: یہ کتاب عربی زبان میں ہے، جس میں حدیث رسول ﷺ کی روشنی میں ثابت کیا گیا ہے کہ نماز میں سینے پر ہاتھ باندھنے چاہئیں۔ اس سے قبل اس نواح کے معروف عالم مخدوم محمد ہاشم سندھی نے ”درہم الصرہ فی وضع الایدی تحت السرہ“ کے نام سے ایک رسالہ لکھا تھا جس میں سینے پر ہاتھ باندھنے کی مخالفت کی گئی ہے اور فرمایا ہے کہ نماز میں ناف پر ہاتھ باندھنے چاہئیں۔ سید رشد اللہ شاہ نے اپنی اس کتاب میں مخدوم محمد ہاشم سندھی کے موقف سے اختلاف کیا ہے اور حدیث و سنت کی رو سے اصل حقیقت کی وضاحت فرمائی ہے۔

۳۔ القری المصلی الجمعه فی القری: یہ کتاب بھی عربی زبان میں ہے۔ اس میں شاہ صاحب نے ثابت فرمایا ہے کہ حدیث رسول ﷺ کی رو سے دیہات میں جمعہ پڑھنا ضروری ہے۔

۴۔ عین المئانۃ فی تحقیق تکرار الجماعۃ: یہ کتاب اردو زبان میں ہے۔ اس میں ثابت کیا گیا ہے کہ پہلی جماعت ہو جانے کے بعد آنے والے لوگ دوسری جماعت کرا سکتے ہیں۔

۵۔ ایک رسالہ انہوں نے اس موضوع پر عربی زبان میں لکھا کہ تین وتر کے درمیان قعدہ کرنے کی ضرورت نہیں۔

۶۔ رفع الريب فی مسئلۃ علم الغیب: اس کتاب میں اس حقیقت کی وضاحت کی گئی ہے کہ

علم غیب صرف اللہ کو ہے اور کسی کو نہیں ہے۔ یہ کتاب سندھی زبان میں لکھی گئی ہے۔

۷۔ التنفیذ المعقول: اس کتاب میں دیہات میں جمعہ پڑھنے کے دلائل دیے گئے ہیں۔ ضمناً اس میں تقلید کی تردید بھی کی گئی ہے۔

سید رشد اللہ شاہ کے والد گرامی سید رشید الدین شاہ تھے، جنہوں نے علاقہ سندھ کے لوگوں سے جہاد کی بیعت لی تھی اور وہ جہاد، اس زمانے میں ضروری قرار دیتے تھے۔

اس خاندان میں ”پیر آف جھنڈا“ (صاحب علم) کہلانے کا آغاز سید محمد یاسین شاہ سے ہوتا ہے جو انہیں ان کے والد سید محمد راشد شاہ کی طرف سے عطا کیا گیا تھا۔ اس وقت سے انہوں نے پیری مریدی کا کاروبار ترک کر دیا، بدعات و رسوم کو خیر باد کہا اور غیر شرعی امور سے کنارہ کش ہو کر امر بالمعروف و نہی عن المنکر کو اپنا شعار بنالیا۔ اس کے لیے وہ تین راہوں پر گامزن ہوئے۔

پہلی راہ تقریر کی تھی جو نہایت کامیاب راہ تھی۔ وہ اپنے علاقے کے دیہات و قصبات میں جاتے اور وعظ و تقریر کے ذریعے لوگوں کو احکام وین پر کاربند رہنے کی تلقین و تاکید کرتے۔ لوگ ان کی باتیں سنتے اور ان سے اثر پذیر ہوتے۔

دوسری راہ تحریر یا تصنیف و تالیف کی ہے، جس کی ابتداء سید رشد اللہ شاہ سے ہوئی، جن کی تصنیفات کا ذکر سطور بالا میں کیا گیا ہے۔ نہایت اہم اور بنیادی کام ہے جسے جھنڈا والے سادات نے مرکز التفات ٹھہرایا۔

تیسری راہ تدریس کی ہے، جو منزل مقصود تک رسائی کے لیے انتہائی موثر راہ ہے۔ اس کے اثرات نہایت تیزی کے ساتھ ذہنوں میں اپنی جگہ بنالیتے ہیں اور لوح افکار پر مضبوطی سے مرقم ہو جاتے ہیں۔

ہم دیکھتے ہیں کہ ان حضرات نے ان تینوں طریقوں سے کام لیا اور اس میں کامیاب رہے۔ ان کی پر خلوص تقریروں اور مواعظ حسنہ نے عوام کے دلوں پر دستک دی اور ان میں اللہ و رسول ﷺ کی اطاعت کا جذبہ ابھرا اور وہ راہ مستقیم پر قدم فرما ہوئے۔

ان کی تحریروں نے پڑھے لکھے لوگوں کے قلوب و اذان کو جھنجھوڑا اور ان میں بیداری کی لہر پیدا کی،

جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ ان کی طرف متوجہ ہوئے، اور ان کی کتابیں پڑھ کر ان میں توحید کے داعیے نے کر دت لی اور ناروا حرکات سے کنارہ کش ہو کر انہوں نے صاف اور سیدھے خطوط کو اپنانے کا عزم کیا۔

ان کی تدریسی مساعی کے فوائد دور دور تک پہنچے۔ اس کی وجہ سے لوگ جہل و نادانی کے دائروں سے باہر نکل کر علم و ادراک کی صاف ستھری وادیوں میں آئے ان کے ذہنوں میں تازگی پیدا ہوئی، خیالات و تصورات کی دنیا بدلی، افکار نے نئی جہت اختیار کی، سوچ بچار میں تغیر رونما ہوا اور فہم و فراست کے زاویوں میں وسعت پیدا ہوئی۔ انہیں اہل علم سے ملاقات کے مواقع میسر آئے اور صحت مندانہ ماحول سے آشنائی کا موقع ملا اور علما سے براہ راست گفتگو کر کے مسائل کو سمجھنے اور ان پر عمل پیرا ہونے کی سعادت حاصل ہوئی۔

اصل شے علم ہے۔ اگر اس کے حصول کی کوشش کی جائے اور اس کے مختلف گوشوں کو حیضہ فہم میں لانے کا عزم کر لیا جائے تو لازماً ذہن کی دنیا بدلتی اور غور و فکر کے معیار میں تغیر رونما ہوتا ہے۔ کاروان جماعت نئی منزل کی تلاش کو نکلتا ہے اور قافلہ افکار جدید جہتوں کا سراغ لگانے کی سعی کرتا ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ صالحیت شعار لوگوں کی ہم نشینی اور صحبت سے دل میں صالحیت کے جوہر پیدا ہوتے ہیں اور غلط کردار اور بد قماش افراد کی مجلس اختیار کرنا ذہن میں برائی کے جراثیم پیدا کرنے کا باعث ثابت ہوتا ہے۔ چنانچہ ہمارا یہ روزمرہ کا مشاہدہ ہے کہ جو لوگ طلب علم کے لیے علما کے حضور دوزانو ہو کر بیٹھے، و بدعات و شرک سے نفور اور توحید و سنت سے متصف ہوئے۔

تبلیغ و اشاعت دین کی ان تینوں طریقوں کے علاوہ اس خاندان کے اکابر میں ایک چوتھا طریقہ بھی تھا جو اپنے اندر بے پناہ اثر رکھتا تھا، اور وہ اب بھی ہے۔ وہ طریقہ تھا ان کے خاندانی اور ذاتی کتب خانوں کا۔ کتب بنی اور مطالعہ کے شائقین و جہل، فکری اور مسلکی طور پر مخالف ہوں یا موافق، وہ اپنی علمی تشنگی دور کرنے اور ذوق مطالعہ کی تسکین کے لیے کتب خانوں کا رخ کرتے ہیں اور وہاں جا کر اپنی تحقیق و کاوش کا سامان بہم پہنچاتے ہیں۔ پیران جہند اکو اللہ نے اس نعمت سے نوازا ہے کہ ان کے پاس بڑے بڑے دو کتب خانے ہیں۔ ایک کتب خانہ پیر سید محبت اللہ شاہ کا ہے جو ان کے گاؤں میں ہے دوسرا کتب خانہ ان کے چھوٹے بھائی پیر بدیع الدین شاہ کا ہے جو نیو سعید آباد میں قائم ہے۔ تحقیق و کاوش سے دلچسپی رکھنے والے

لوگ ان کتب خانوں کے محتاج ہیں اور وہاں جا کر اپنے ذوق کو سکون کی دولت سے مالا مال کرتے ہیں۔ ان کتب خانوں میں آنے والوں سے ہر قسم کی باتیں ہوتی ہیں۔ خالص علمی باتوں کے علاوہ مذہبی اور دینی باتیں بھی ہوتی ہیں۔ مسلکی رجحانات بھی زیر بحث آتے ہیں اور فقہی نوعیت کے مسائل بھی موضوع گفتگو بنتے ہیں۔ ظاہر ہے یہ سب چیزیں ایک دوسرے پر اثر انداز ہوتی ہیں اور ذہن کی کیفیت کو متقلب کرنے کا ذریعہ بنتی ہیں۔

۱۹۸۲ء کے اکتوبر میں یہ فقیر بھی استاذ محترم حضرت مولانا محمد عطاء اللہ حنیف کی رکاب میں ان حضرات کے کتب خانوں کی زیارت کے لیے حاضر ہوا تھا۔ ہم کراچی سے بذریعہ سڑک نیو سعید آباد آئے۔ سید بدیع الدین شاہ کے دولت کدہ پر گئے تو معلوم ہوا وہ کراچی تشریف لے گئے ہیں۔ کچھ پتا نہیں کب واپس آئیں گے۔ وہاں سے چند میل کے فاصلے پر ان کے برادر کبیر پیر سید محبت اللہ شاہ کے مسکن پر گئے تو وہ بھی وہاں نہیں تھے۔ ہم چند منٹ وہاں ٹھہرے اور پھر نواب شاہ چلے گئے۔ نواب شاہ سے لاہور آ گئے۔ افسوس ہے ان کے کتب خانوں کی زیارت نہ ہو سکی۔

ہم گفتگو میں کچھ آگے نکل آئے ہیں۔ سید رشد اللہ شاہ کے تذکرے کے بعد ان کے فرزند ارجمند سید احسان اللہ شاہ کا تذکرہ ہونا چاہیے تھا، جو سید بدیع الدین شاہ کے والد محترم تھے۔ چلیے کوئی بات نہیں، یہ فریضہ اب ادا کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

سید احسان اللہ شاہ حدیث کے بہت بڑے عالم، سنت رسول ﷺ کے عاشق صادق، قانع بدعت، قبیح احکام پیغمبر، داعی توحید اور پر جوش مبلغ اسلام تھے۔ اسماء الرجال کے موضوع پر انہیں سند کی حیثیت حاصل تھی۔ اپنی فضیلت علمی اور کمالاتِ بولقلم کی بنا پر نہ صرف سندھ بلکہ ہندوستان کے تمام دینی حلقوں میں انہیں نہایت اعزاز کا مقام حاصل تھا۔ انہوں نے تحریک خلافت میں بھی حصہ لیا اور بعض دوسری تحریکوں میں بھی خدمات سرانجام دیں۔

فتح حجاز کے بعد سلطان عبدالعزیز (ابن سعود) نے ایک خاص حد سے اونچے مشاہد و مزارات کے انہدام کا جو سلسلہ شروع کیا تھا اس پر متحدہ ہندوستان کے بعض لوگوں نے سلطان کی شدید مخالفت کی تھی لیکن

یہاں کے اہل حدیث علمائے کرام اور مسلک حقہ کے پیروکاروں کی کثیر تعداد نے سلطان کے اس اقدام کو صحیح قرار دیا تھا اور ان کے مخالفین کا سخت مقابلہ کیا تھا۔ سلطان کی حمیت میں ان حضرات نے عوامی جلسوں میں تقریریں کیں، اخبارات میں مضامین شائع کرائے، مختلف زبانوں میں کتابیں لکھیں، اشتہارات چھاپے، چھوٹے بڑے بے شمار رسائل تصنیف کیے، جن میں قرآن و حدیث اور صحابہ و ائمہ کے اقوال و ارشادات اور اعمال کی روشنی میں سلطان ابن سعود کی سرگرمیوں اور کوششوں کو حق بجانب ثابت کیا۔ اس ضمن میں سندھی زبان میں سید احسان اللہ نے بھی ایک طویل مضمون سپرد قلم کیا اور اسے رسالے کی صورت میں شائع کر کے سندھ کے مختلف علاقوں میں تقسیم کیا۔ انہوں نے دلائل سے ثابت کیا کہ اونچے اونچے مزارات و مشاہد کے انہدام کے بارے میں سلطان کا اقدام عین کتاب و سنت کے مطابق ہے۔ جن مقامات پر شرک و بدعت کے کھلے بندوں ارتکاب ہو رہا ہو، لوگ اصحاب قبور سے استمداد کر رہے ہوں اور استغانت کے لیے ہاتھ پھیلا رہے ہوں، جہاں قبوں پر حاضری کو ذریعہ نجات قرار دے دیا گیا ہو، وہاں وہی کچھ کرنا چاہیے، جو ابن سعود رضی اللہ عنہ نے کیا۔ اس مرض کا اصل اور مؤثر علاج یہی ہے۔

اس موضوع پر جہاں دوسرے حضرات علماء کی مساعی کا رآمد ثابت ہوئیں، وہاں سید احسان اللہ شاہ کی کوششوں نے بھی اپنا رنگ دکھایا۔ چونکہ وہ سید تھے اور پیر گھرانے کے جلیل القدر رکن تھے، اس لیے سندھ کے لوگ ان سے بے حد متاثر ہوئے، اور اس معاملے میں انہوں نے شاہ صاحب کی پوری معاونت کی۔ جہاں اور جب ضرورت پڑی وہ اس سید زادے کے ساتھ کندھے سے کندھا ملا کر کھڑے ہو گئے۔

پیر آف جھنڈا کے اس عالم باعمل نے ۱۳ اکتوبر ۱۹۳۸ء کو وفات پائی۔ ان کی وفات پر سید سلیمان ندوی نے ماہنامہ ”معارف“ (اعظم گڑھ) میں تعزیتی شذرہ لکھا جو بعد میں ان کی کتاب ”یاد رفتگان“ میں شائع ہوا۔ یہ شذرہ حروف و الفاظ کے اعتبار سے بے شک مختصر ہے۔ مگر یہ اختیار اپنے دامن میں بہت سی تفصیلات کو سمیٹے ہوئے ہے اور اس نے تمام ضروری باتوں کا احاطہ کر لیا ہے۔ ملاحظہ کیجئے ایک سید دوسرے سید کی بارگاہ علم میں کس خلوص اور کس جذبہ احترام کے ساتھ نذرانہ عقیدت پیش کرتا ہے۔ عنوان ہے۔ ”پیر احسان اللہ شاہ صاحب“

”علمی حلقوں میں یہ خبر غم و افسوس کے ساتھ سنی جائے گی کہ جھنڈا گوٹھ ضلع حیدرآباد (سندھ) کے مشہور عالم پیر احسان اللہ شاہ صاحب جو قلمی کتابوں کے بڑے عاشق تھے، چوالیس برس کی عمر میں ۱۳ اکتوبر ۱۹۳۸ء کو اس دنیا سے چل بسے۔ مرحوم حدیث و رجال کے بڑے عالم تھے۔ ان کے کتب خانے میں حدیث و تفسیر و رجال کی نایاب قلمی کتابوں کا بڑا ذخیرہ تھا۔ ان کے اس شوق کا یہ عالم تھا کہ مشرق و مغرب، مصر و شام، عرب و قسطنطنیہ کے کتب خانوں میں ان کے کاتب و ناخ قلمی کتابوں کی نقل پر مامور رہتے تھے۔ مرحوم ایک خانقاہ کے سجادہ نشین اور طریق سلف کے متبع اور علم و عمل دونوں میں ممتاز تھے۔ اللہ تعالیٰ مرحوم پر اپنے انوار رحمت کی بارش فرمائے.....!“

سید احسان اللہ شاہ اپنے علاقے اور زمانے کے اچھے مناظر بھی تھے۔ انہوں نے بدین میں اہل بدعت اور رنڈوالہ یار میں قادیانیوں سے مناظرہ کیا اور اللہ نے انہیں کامیابی عطا فرمائی۔ ان کے زمانے میں علاقہ سندھ میں خطبہ جمعہ صرف عربی کے کچھ الفاظ پڑھ لینے کا نام تھا۔ انہوں نے سنت کے مطابق جمعے میں تقریروں کا سلسلہ شروع کیا اور منبر پر حالات کے مطابق ضروری مسائل بیان ہونے لگے۔

پیری مریدی کے باب میں بعض لوگوں میں تصویر شیخ کا جو عقیدہ پایا جاتا ہے، اس کی تردید کی اور بتایا کہ یہ عقیدہ سراسر خلاف اسلام ہے اور اس کے ڈانڈے مشرک کے ساتھ جاملتے ہیں۔ ”مسلک الانصاف“ کے نام سے سندھی زبان میں ایک کتاب لکھی، جس میں مسلک اہل حدیث وضاحت کے ساتھ بیان کیا اور احادیث صحیحہ و مرفوعہ، اقوال و اعمال صحابہ اور ائمہ حنفیہ کے ارشادات سے ثابت فرمایا کہ نماز میں امام کے پیچھے سورہ فاتحہ پڑھنا ضروری ہے، نیز آمین بالجہر پکارتا، رفع الیدین کرنا، اور سینے پر ہاتھ باندھنا سنت ہے۔ یہ کتاب چونکہ سندھی زبان میں تھی، اس لیے علاقہ سندھ کے زیادہ سے زیادہ لوگوں کے مطالعہ میں آئی اور ان کے ذہن و فکر میں تبدیلی کا باعث بنی۔

سید بدیع الدین شاہ اسی مرد جلیل کے فرزند ارجمند تھے، جو ۱۰ جولائی ۱۹۲۵ء کو گوٹھ فضل اللہ شاہ (موجودہ گوٹھ قدیم پیر آف جھنڈا) تحصیل بالا ضلع حیدرآباد (سندھ) میں پیدا ہوئے۔ شعور کی آنکھیں کھولیں

تو اپنے خاندانی مدرسہ ”دارالارشاد“ میں حصول علم کا آغاز کیا۔ ایک سال میں قرآن مجید پڑھا۔ بعد ازاں دو سال میں سندھی زبان کی کچھ کتابیں پڑھیں۔ یہ ان کی مادری زبان تھی اور گھر میں اور باہر بھی بولی جاتی تھی۔ اس لیے جلد ہی بغیر کسی تکلف اور دقت کے اس کی چند ابتدائی کتابیں پڑھ ڈالیں۔ تقریباً دو سال میں فارسی سے آشنا ہو گئے اور شیخ سعدی کی گلستاں اور بوستاں کے علاوہ بعض اور کتابیں بھی پڑھیں۔ فارسی کی یہ کتابیں اصلاحی اور اخلاقی نوعیت کی تھیں اور اس عہد میں دینی مدارس کے نصاب میں داخل تھیں اور طلباء کو باقاعدہ پڑھائی جاتی تھیں۔ ان کتابوں سے جہاں طلباء کے ذہن و فکر کی اصلاح ہوتی تھی اور ان میں اخلاقی بلندی پیدا ہوتی تھی، وہاں انہیں فارسی نظم و نثر سے تعلق بھی پیدا ہوتا تھا۔

افسوس ہے، اب یہ سلسلہ ختم ہو گیا، ہمارے مدارس میں پہلے کی طرح فارسی نظم و نثر کی کتابیں نہیں پڑھائی جاتیں۔ جس کا نتیجہ یہ ہے کہ ان مدارس کے طلباء فارسی سے بالکل نا آشنا ہیں۔ فارسی کے ساتھ اردو کا گہرا تعلق ہے، چنانچہ ہم اپنے جماعتی اخبارات و رسائل میں دیکھتے ہیں کہ اردو کے جو مضامین ہمارے علماء و طلباء تحریر فرماتے ہیں ان میں چند دینی مسائل تو ہمیں مل جاتے ہیں، جن سے معلومات میں یقیناً اضافہ ہوتا ہے، لیکن زبان کی چاشنی میسر نہیں آتی اور کوئی ایسا جملہ ہاتھ نہیں آتا جو اردو زبان و ادب میں اضافے کا موجب ہوتا ہو۔ یہاں یہ بھی یاد رہے کہ فارسی میں ہمارا دینی ذخیرہ بھی ہے۔ معلوم نہیں اسے کیوں نظر انداز کر دیا گیا ہے۔ پھر درس کی متعدد نصابی کتابیں فارسی میں ہیں ان کی جگہ اسی موضوع کی اردو کتابیں پڑھائیں جاتی ہیں، یعنی پوری کوشش کی جاتی ہے کہ طلباء فارسی زبان سے شاسا نہ ہو سکیں۔

ہم یہاں درحقیقت عرض یہ کرنا چاہتے ہیں کہ اس کے بعد شاہ بدیع الدین کی تعلیم کا باقاعدہ آغاز ہوا۔ ذہانت کا یہ عالم کہ صرف تین مہینے میں قرآن مجید حفظ کر لیا۔ تیرہ برس کو پہنچے تھے کہ والد محترم سید احسان اللہ شاہ چوالیس برس کی جوان عمر میں انتقال کر گئے۔ باپ کی زندگی میں بعض علوم کی کتابیں باپ کی ہدایت اور حکم کے مطابق پڑھی تھیں۔ ان کی وفات کے بعد خود اپنے ذوق اور اساتذہ کے مشورے سے مندرجہ ذیل کتابوں کا انتخاب کیا اور ان کی تکمیل کی۔

قرآنیات کے متعلق، سب سے پہلے قرآن مجید کا ترجمہ پڑھا، پھر تفسیر جلالین اور اس کے بعد تفسیر

بیضاوی پڑھی۔

کتب حدیث میں علی الترتیب یہ کتابیں پڑھیں: اربعین نووی، بلوغ المرام، مشکوٰۃ، نسائی، ترمذی، ابن ماجہ، ابوداؤد، صحیح مسلم، صحیح بخاری، موطا امام مالک، موطا امام محمد، طحاوی کی شرح معانی الآثار کا کچھ حصہ۔ علم فقہ میں قدوری، کنز الدقائق، شرح وقایہ اور شرح ہدایہ وغیرہ کتابیں پڑھیں۔ اصول فقہ کی اصول شاشی، نور الانوار، تلویح مکمل کیں۔

اصول حدیث میں شرح نخبہ الفکر، اور مقدمہ ابن الصلاح تک پہنچے۔ عربی ادبیات میں سبغہ معلمات، مفید الطالبین، مقامات جریری اور دیوان تہمتی کا درس لیا۔ علم نحو میں نحو میر سے لے کر شرح جہانگیر تک تمام کتابوں کی تکمیل کی۔ منطق کی شرح تہذیب، اور قطبی وغیرہ در سادرس پڑھیں۔

علاوہ ازیں عبدالغفور، شرح عقائد نسفی، مختصر المعانی، محیط الدائرہ، شرح چغینی اور اقلیدس وغیرہ کتابیں پڑھیں۔

شاہ بدیع الدین نے یہ تمام علوم اپنے مدرسے میں پڑھے اور حفظ قرآن سمیت تیس سال میں ان کی تکمیل کر لی۔ چار سال کی عمر سے لے کر تیرہ سال کی عمر تک بعض علوم کی ابتدائی کتابیں باپ کی زندگی میں پڑھیں۔ ان کی وفات کے بعد دس گیارہ سال میں ابتدائی، متوسط اور انتہائی کتابیں پڑھیں۔

گزشتہ سطور میں ہم اس بات سے تو آگاہ ہو چکے ہیں کہ سید بدیع الدین شاہ صاحب نے تمام درسی کتابیں اپنے ہی مدرسے میں پڑھیں۔ یہ بھی معلوم ہو گیا کہ وہ تیس سال کی عمر میں علوم مروجہ کی تحصیل کر چکے تھے، لیکن اس حقیقت کا انکشاف نہیں ہو سکا کہ کن اساتذہ سے مستفید ہوئے اور کن کے حضور انہوں نے زانوے شاگردی تہہ کیا۔ آئیے اب اس ضروری سوال کا جواب حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

اساتذہ کی فہرست میں ہمارے سامنے سب سے پہلے مولوی محمد امین کبھی کا نام آتا ہے۔ ان سے انہوں نے بالکل ابتدائی عمر میں بغدادی قاعدہ پڑھا۔ دوسرے الفاظ میں یوں کہیے کہ حصول علم کا آغاز انہوں نے اسی عالم سے کیا۔ یہ بھی ایک سانحہ ہے کہ اپنے اس لائق شاگرد کو تعلیم کی راہ پر لگانے کے تھوڑا عرصہ بعد

وہ اس دنیا سے رخصت ہو گئے تھے۔

مولوی محمد امین کے بعد ہماری نظر ماسٹر عبدالکریم پر پڑتی ہے، جو نواب شاہ کے رہنے والے تھے۔ ان سے شاہ صاحب نے سندھی زبان کی چند ابتدائی درسی کتابیں پڑھیں۔

جن اساتذہ کرام سے انہوں نے درسی کتابوں کی تکمیل کی، وہ مندرجہ ذیل ہیں۔

۱۔ مولوی محمد اسماعیل بن عبدالحق افغانی سندھی: مدرسہ دارالارشاد کا اہتمام انہی کے ہاتھ میں تھا، بنیادی طور پر یہ حنفی المسلک تھے، لیکن بدیع الدین کے والد سید احسان اللہ شاہ سے بہت متاثر تھے، لہذا متعدد مسائل میں اہل حدیث کے ہم نوا تھے اور ان پر عامل۔

۲۔ مولانا ولی محمد بن محمد عامر قوم کیریہ: یہ بھی حنفی ہونے کے باوجود عمل بالسنۃ میں اہل حدیث کو ترجیح دیتے تھے۔ اس کی وجہ بھی سید احسان اللہ شاہ کی رفاقت اور ان کا تاثر تھا۔

۳۔ مولوی محمد عمر: مسلکاً یہ بھی حنفی تھے، لیکن ان کا ذہن تعصب سے پاک تھا اور عام مسائل میں اہل حدیث کے نقطہ نظر کو بھی برصحت قرار دیتے تھے۔ نواب شاہ کے رہنے والے تھے۔ ان کے والد کا اسم گرامی مولوی عبدالغنی تھا وہ بھی حنفی المسلک تھے لیکن اتباع سنت ان کی زندگی کا لازمی جز تھا۔ حنفی مسلک کے مقابلے میں متعدد فقہی مسائل میں مسلک اہل حدیث کو رائج مانتے تھے۔

۴۔ مولوی محمد خلیل لدھیانوی: اصلاً لدھیانہ (مشرقی پنجاب) سے تعلق رکھتے تھے، لیکن اب خیرپور (سندھ) میں اقامت گزیرے تھے۔ ان کے والد گرامی کا نام محمد سلیم تھا۔ مولوی محمد خلیل نہایت متعصب حنفی تھے۔ حدیث رسول ﷺ کی تعلیم کے بارے میں ان کا یہ عجیب طرز عمل تھا کہ جب ان کے شاگرد سید بدیع الدین شاہ حدیث کی کوئی کتاب پڑھنے کا ارادہ کرتے تو یہ انہی روک دیتے۔ فرماتے حدیث بڑا مشکل علم اور نازک فن ہے۔ تم اسے سمجھنے کی سکت نہیں رکھتے۔ کتب حدیث کے علاوہ دوسرے فنون کی کتابیں پڑھو، وہ تمہارے لیے فائدہ مند ثابت ہوں گی۔ مدرسے کے دوسرے اساتذہ کو بھی وہ حدیث پڑھانے سے روکتے تھے۔ لیکن شاہ صاحب کے خاندان کے بزرگوں میں چونکہ حدیث پیغمبر سے محبت و ربط کا ایک قابل رشک سلسلہ چلا آ رہا تھا، اس لیے

انہوں نے اپنے لیے حدیث کی تعلیم کو فرض ٹھہرایا اور اللہ نے اس میں ان کو کامیابی سے نوازا۔
پھر ایک وقت آیا کہ خود استاد گرامی مولانا محمد خلیل سے ان کے شاگرد (بدیع الدین) کی بعض مسائل سے متعلق طویل گفتگو ہوئی اور لائق شاگرد نے عالی قدر استاذ کی تمام لوازم احترام کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے ان سے گفتگو کی، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ استاذ گرامی نے شاگرد کی گزارشات کو لائق اعتنا گردانا اور ان کے نقطہ نظر کو حدیث و سنت کی روشنی میں صحیح قرار دیا۔

۵۔ مولوی محمد عبداللہ کھڈھڑی: بہت اچھے مدرس اور معروف عالم تھے۔ حنفی تھے لیکن غیر حنفی، تقلید کو سخت الفاظ میں نشانہ تنقید بناتے تھے۔ احناف اور اہل حدیث کے اختلافی مسائل میں اہل حدیث کے موقف کو صحیح سمجھتے تھے۔

۶۔ مولوی شفیع محمد سکرندھی

۷۔ مولوی عبدالرحمن رام پوری

۸۔ حافظ محمد امین منوہ کچھ بھج

۹۔ مولوی محمد ایوب (افغانستانی)

۱۰۔ مولانا محمد مدنی

۱۱۔ مولانا محمد سلطان کوریجہ (ہالا)

۱۲۔ مولوی محمد نور عیسیٰ جیلوی

۱۳۔ مولوی قطب الدین ہالجوی

۱۴۔ مولوی بہاء الدین جلال آبادی (افغانستان)

۱۵۔ مولوی ولی محمد ماتلی

۱۶۔ مولوی محمود احمد لدھیانوی

۱۷۔ سید محبت اللہ شاہ راشدی: سید بدیع الدین شاہ کے برادر کبیر

اندازہ کیجئے یہ کتنا بڑا مدرسہ ہوگا جو سید بدیع الدین شاہ کے اسلاف نے جاری کیا تھا اور جس میں

افغانستان تک کے مدرسین خدمتِ تدریس سرانجام دیتے تھے۔ پنجاب کے ذی احترام معلمین بھی اس مدرسے میں طلباء کو پڑھانے پر مامور تھے۔ جس مدرسے میں اٹھارہ بیس مدرس ہوں، ظاہر ہے اس میں طلباء بھی بہت بڑی تعداد میں تحصیلِ علم کرتے ہوں گے۔ یہاں یہ یاد رہے کہ معلمین اور طلباء کے تمام اخراجات شاہ صاحب کے اکابر ادا کرتے تھے۔ مدرسین کی خدمت کے ذمے دار بھی وہی تھے اور طالب علموں کے مصارف کا بار بھی وہی برداشت کرتے تھے۔ عربی اور دینی مدارس میں طلباء کے اکل و شرب کا انتظام بھی مدرسہ کرتا ہے، نصابی کتابیں بھی وہی مہیا کرتا ہے اور دوسرے چھوٹے بڑے اخراجات بھی وہی پورے کرتا ہے۔

یہاں یہ بات بھی سنتے جایے کہ شاہ صاحب نے اپنے زمانہ طالب علمی میں عربی میں ایک رسالہ ”الاختلاف رد الاحناف“ کے نام سے لکھا تھا، اس رسالے میں جن مسائل کی وضاحت کی گئی تھی وہ تھے۔ فاتحہ خلف الامام، آمین بالجبر، وضع الیدین علی الصدر اور ایک جماعت کے بعد دوسری جماعت کرانا وغیرہ۔ اس رسالے میں ان مسائل سے متعلق معترضین کے اعتراضات کا پورا جائزہ لیا گیا تھا اور ہر بات واضح طور سے مدلل بیان کی گئی تھی۔ افسوس ہے وہ مسودہ گم ہو گیا اور تلاشِ بسیار کے باوصف مل نہ سکا۔ اس رسالے کی تسوید و تصنیف میں ان کے فاضل استاذ مولانا محمد عبداللہ نے ان کی مدد کی تھی اور بعض مقامات پر عربی عبارات کی تصحیح فرمائی تھی۔

گزشتہ سطور میں شاہ صاحب کے جن اساتذہ کا ذکر کیا گیا ہے، ان سے انہوں نے اپنے خاندانی مدرسہ ”دارالارشاد“ میں تعلیم حاصل کی تھی، جو چند ایک کے سوا سب حنفی تھے۔ یہاں سے فارغ ہونے کے بعد انہوں نے علمائے اہل حدیث کے باب عالی پر دستک دی اور ان سے سندِ اجازہ سے متفخر ہوئے۔ وہ حضرات مندرجہ ذیل ہیں۔

۱۔ حضرت مولانا ابو محمد عبدالحق بہاول پوری: یہ درحقیقت (سابق ریاست) بہاولپور کے مشہور شہر احمد پور شرقیہ کے رہنے والے تھے۔ بہت بڑے عالم تھے، علوم حدیث میں خاص طور سے مہارت رکھتے تھے۔ اپنے وطن سے ہجرت کر کے مکہ مکرمہ چلے گئے تھے، اس لیے انہیں مولانا عبدالحق مہاجر کی کہا جانے لگا۔ بے شمار طلباء نے ان سے استفادہ کیا۔ اس عالم اجل نے مکہ مکرمہ میں وفات پائی۔ ہمارے مددِ شاہ بدیع

الدین شاہ صاحب نے ان سے سند حدیث لی۔ یہ بہت بڑا اعزاز تھا جو شاہ صاحب کے حصے میں آیا۔

۲۔ مولانا ثناء اللہ امرتسری: آزادی برصغیر سے قبل شاہ صاحب نے امرتسر کا قصد بھی کیا۔ وہاں حضرت مولانا ابوالوفا ثناء اللہ امرتسری کی خدمت میں حاضری دی اور ان سے سند حدیث حاصل کی۔

۳۔ حضرت حافظ عبد اللہ روپڑی: برصغیر کے علمائے اہل حدیث میں حضرت مولانا حافظ عبد اللہ روپڑی نے بڑی شہرت پائی۔ حدیث اور اس سے متعلقہ علوم میں انہیں جو عبور حاصل تھا اس کا ہر اس شخص کو اعتراف ہے، جو علم اور علما سے تھوڑا بہت رابطہ رکھتا ہے۔ حضرت حافظ صاحب روپڑ سے امرتسر تشریف لے گئے تھے۔ شاہ صاحب ان کی خدمت میں گئے اور ان سے حدیث میں حصول سند کی درخواست کی جو انہوں نے ازراہ کرم منظور فرمائی اور انہیں سند عطا کی گئی۔ (مولانا ثناء اللہ امرتسری اور مولانا حافظ عبد اللہ روپڑی کے حالات کے لیے اس فقیر کی تازہ تصنیف ”بزم ارحمنداں“ ملاحظہ فرمائیے جو مکتبہ قدوسیہ غزنی سٹریٹ، اردو بازار لاہور نے شائع کی ہے۔)

۴۔ غزنوی علما نے افغانستان سے امرتسر آ کر ایک دینی مدرسہ جاری کیا تھا جس نے مدرسہ غزنویہ سلفیہ کے نام سے شہرت پائی۔ یہ مدرسہ حضرت مولانا عبد اللہ غزنوی، مولانا عبد الجبار غزنوی اور دیگر غزنوی علماء عظام کی یادگار ہے تقسیم ملک کے بعد یہ مدرسہ ”دارالعلوم تقویۃ الاسلامیہ“ کے نام سے لاہور میں جاری ہے اور اس کی خدمت کی حدیں بڑی وسیع ہیں۔ امرتسر میں جن جلیل القدر علما نے اس میں حصول علم کیا اور پھر اس میں تدریسی خدمات سرانجام دیں، ان میں حضرت مولانا نیک محمد رحمہ اللہ کا اسم گرامی ابھرا ہوا نظر آتا ہے۔ ہمارے ممدوح سید بدیع الدین شاہ صاحب نے ان کی بارگاہ علم کی طرف بھی شذر حال کیا اور ان سے سند حاصل کرنے کے لیے درخواست گزار ہوئے۔ انہوں نے ان کی درخواست کو شرف قبول بخشا۔ پہلے سنن ابی داؤد کی چند حدیثیں سماعت فرمائیں پھر بہ غرض امتحان چند سوالات کیے۔ شاہ صاحب نے ان کے جواب دیے تو حضرت مولانا نے سند عنایت فرمائی۔

۵۔ آزادی برصغیر سے قبل شاہ صاحب ایک مرتبہ عازم دہلی ہوئے تو وہاں حضرت مولانا ابوسعید محمد شرف الدین دہلوی کے آستانہ فیض پر حاضری دی۔ ان کا مدرسہ سعید یہ پھانک جیش خان میں جاری تھا۔ یہ

فقیر بھی ۱۹۴۲ء کے مارچ میں ان کو نیاز مندانہ سلام عرض کرنے کے لیے وہاں حاضر ہوا تھا۔ حضرت مولانا علم و اخلاق اور حلم و انکسار کا نہایت دلآویز مجموعہ تھے۔ اللہ نے ان کو حسن صورت سے بھی نوازا تھا اور چھوٹوں پر شفقت و کرم کی نعمت بھی بہت بڑی مقدار میں عطا فرمائی تھی۔ تقسیم ملک کے بعد وہ پاکستان تشریف لے آئے تھے۔

اس وقت سید بدیع الدین شاہ اپنے مدرسے کی مسند اہتمام پر فائز تھے۔ مہتمم کی حیثیت سے انہوں نے حضرت مولانا کی خدمت میں اپنے مدرسے میں سلسلہ تدریس سرانجام دینے کی درخواست کی جو انہوں نے منظور فرمائی، کچھ عرصہ وہ اس مدرسہ میں پڑھاتے رہے۔ اس اثناء میں ان سے سند حدیث لی۔ شاہ صاحب کے جد امجد سید رشد اللہ شاہ صاحب کے زمانے میں مولانا عبید اللہ سندھی بھی ان کے گاؤں پیر جھنڈا کے مدرسہ ”دارالرشاد“ میں فریضہ تدریس انجام دیتے رہے تھے۔ اس لیے اس مقام اور مدرسے سے انہیں ہمیشہ قلبی لگاؤ رہا۔

مولانا سندھی طویل عرصے کی جلا وطنی کے بعد واپس آئے تو شاہ بدیع الدین نے ان کو خط لکھا کہ آپ ہمارے ہاں تشریف لائیں تو بڑی مہربانی ہوگی۔ ہم لوگ آپ سے استفادہ کرنا چاہتے ہیں۔ چنانچہ وہ تشریف لائے اور کچھ عرصہ وہاں رہے۔ تدریس قرآن کے سلسلے میں ان کا ایک خاص انداز تھا۔ ان کے حلقہ درس میں شاہ صاحب کے علاوہ ان کے برادر کبیر سید محبت اللہ شاہ بھی شریک ہوتے تھے۔ کبھی بعض اور حضرات بھی آ جاتے تھے۔ یہ مولانا سندھی کی زندگی کا آخری زمانہ تھا۔ قرآن مجید کے آخری پارے کی چند چھوٹی سورتوں کا انہوں نے اپنے انداز خاص میں درس دیا۔ شاہ صاحب چون کہ فن اسماء الرجال سے بہت زیادہ دلچسپی رکھتے تھے، اس لیے مولانا سندھی بھی ان سے متاثر ہوئے اور اس فن سے متعلق کچھ باتیں بیان کیں۔ قرآن کی طرح اس باب میں بھی ان کا اپنا خاص اسلوب گفتگو تھا۔ (مولانا عبید اللہ سندھی کے متعلق میں نے ایک طویل مضمون اپنی کتاب ”نفوس عظمت رفتہ“ میں لکھا ہے، یہ کتاب مکتبہ قدوسیہ اردو بازار لاہور کی طرف سے کچھ عرصہ قبل دوسری دفعہ شائع ہوئی ہے)

شاہ صاحب کی زندگی کے کئی پہلو ہمارے سامنے آتے ہیں۔ تصنیف و تالیف کا پہلو، وعظ و تقریر کا

پہلو اور درس و تدریس کا پہلو۔ سب سے پہلے ہم ان کے درس و تدریس کے پہلو کا جائزہ لیں گے۔ بے شک انہوں نے درس و تدریس کا سلسلہ شروع کیا۔ لیکن یہ ایک محدود سلسلہ تھا اور اس محدودیت میں بھی باقاعدگی نہیں پائی جاتی تھی۔ ان کی طالب علمی کا دور ہمیں بتاتا ہے کہ جب وہ بڑے درجے میں پہنچے تو انہوں نے چھوٹے درجوں کے طلباء کو پڑھانا شروع کر دیا تھا۔ بہت سے طلباء کو انہوں نے صرف ”نحو“ عربی ادبیات اور حدیث و فقہ کی ابتدائی کتابوں کا درس دیا۔ ان کے طریق درس سے طلباء بھی مطمئن تھے اور اساتذہ بھی۔۔۔ ا۔ جب وہ طالب علمی کے دور سے نکلے اور فارغ التحصیل ہوئے تو اپنے آبائی مدرسے دارالارشاد میں مسند تدریس آراستہ کی اور مختلف علوم و فنون کی کتابیں پڑھانا شروع کیں۔ لیکن اسی دور میں لوگوں نے ان کے خلاف محاذ قائم کر لیا۔ محاذ قائم کرنے والے کون لوگ تھے؟ وہ تھے اہل بدعت، پیری مریدی سے ربط و علاقہ رکھنے والے، اتباع سنت سے کنارہ کش اور توحید الہی سے عملاً دور.....!

شاہ صاحب کا بیج اور طریق تبلیغ کچھ ایسا تھا کہ وہ بلند آہنگی اور پوری طاقت کے ساتھ قرآن و حدیث کے حوالے سے بات کرتے تھے اور لوگ ان سے متاثر ہو کر صراطِ مستقیم کو اپناتے اور برائی سے تائب ہوتے تھے۔ یہ بات بدعت شعار گروہ کے سراسر خلاف جاتی تھی۔ اس لیے شاہ صاحب کی مخالفت اور ان سے محاذ آرائی ان کے نزدیک ضروری تھی۔ مسئلہ خالص معاشی اور معاشرتی حیثیت اختیار کر گیا تھا۔ ان کی تبلیغ و تقریر سے جن لوگوں کی معاشی حالت پر زلزلہ پڑتی تھی، آمدنی کے ذرائع مسدود ہوتے تھے اور معاشرے میں ان کے غلط احترام اور آؤ بھگت کے سلسلے ختم ہوتے تھے، وہ انہیں ہرگز برداشت نہیں کر سکتے تھے اور نہیں کیا۔

اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ انہوں نے اپنے آبائی گاؤں کی سکونت ترک کر کے سعید آباد کے قریب نیا گاؤں آباد کیا اور اس کا نام ”نیو سعید آباد“ رکھا۔ یہاں انہوں نے ”مدرسہ محمدیہ“ کے نام سے ایک دارالعلوم قائم کیا، جس میں مثنوی طلباء کو تفسیر ابن کثیر اور صحیح بخاری وغیرہ انتہائی کتابوں کی تدریس کا سلسلہ شروع فرمایا۔ یہاں بھی انہیں شدید مخالفتوں کا سامنا کرنا پڑا، تاہم یہاں ان کا محدود تدریس کا سلسلہ کئی سال جاری رہا اور اس اثنا میں بہت سے لوگوں نے ان سے استفادہ کیا۔

یہ محدود و مگر مفید ترین سلسلہ جاری تھا کہ مکہ شریف سے دارالحدیث کے اصحاب انتظام کی طرف

سے انہیں کتب حدیث پڑھانے کے لیے دعوت دی گئی جو انہوں نے منظور فرمائی اور وہ دارالحدیث مکہ مکرمہ میں تشریف لے گئے۔ ایک سال وہاں رہے اور متعدد طلباء نے ان سے حدیث کی بعض کتابوں کا درس لیا اور متعلقات حدیث کے سلسلے میں معلومات حاصل کیں۔

بعد ازاں مجلس القضاء الاعلیٰ کے رئیس شیخ عبداللہ بن حمید کی درخواست پر اپنی خدمات معہد الحرام کے سپرد کر دیں۔ کم و بیش دو سال وہاں تدریسی خدمات انجام دیں۔ وہاں سے وطن واپس تشریف لے آئے۔ یہاں آ کر اپنے آپ کو تبلیغی اور تصنیفی خدمات کے لیے وقف کر دیا۔ تدریس کا کام برائے نام تھا۔ کوئی طالب علم حدیث کی کوئی کتاب پڑھنا چاہتا تو اسے پڑھا دیتے۔ مستقل طور پر تدریس نہیں کی۔ واقعہ یہ ہے کہ مستقل طور پر لمبا عرصہ انہوں نے کبھی بھی تدریس نہیں کی۔ بس چند سال کے لیے وہی تدریس کی جس کا ذکر گزشتہ طور میں کیا گیا ہے۔

ان کی مدت تدریس اگرچہ بہت کم اور بہت محدود ہے تاہم اس محدود اور کم مدت میں بھی ان سے بہت سے علماء و طلباء نے استفادہ کیا، جن میں حجاز کے اہل علم بھی شامل ہیں، نجد، طائف، لبیاء، عراق، کویت، دوی، قطر، مصر اور افریقی ملکوں کے شائقین علم کے نام بھی آتے ہیں۔ ان کے شاگردوں میں بعض حضرات مدینہ یونیورسٹی میں خدمت تدریس انجام دینے پر مامور ہوئے۔ بعض کو مکہ مکرمہ، جدہ اور ریاض کی جامعات میں بہ حیثیت استاد متعین کیا گیا۔ پاکستان اور ہندوستان کے طلباء علم نے بھی بڑی تعداد میں ان کے حضور زانوئے شاگردی تہہ کیا۔ جنہوں نے آگے چل کر عمل و حرکت کے مختلف میدانوں میں اپنی قابلیت کے جوہر دکھائے۔

آئیے اب سید بدیع الدین کی تبلیغی سرگرمیوں کا پتا کرتے اور ان کے وعظ و تقریر کی طرف آتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ اس میدان میں انہوں نے کیا کارنامے سرانجام دیے؟ کسی طرح مخالفین کا مقابلہ کیا اور اس ضمن کیا تکلیفیں برداشت کیں؟ لیکن اس موضوع کی وضاحت کرنے سے پہلے یہ بتانا ضروری ہے کہ سندھ کا علاقہ پیروں سے بھرا پڑا ہے۔ جدھر دیکھو خائفانہ ہیں، جس طرح دھیان کرو، پیروں کے مراکز اور مردوں کے مزار، جس جانب نظر اٹھاؤ بڑی بڑی گدیوں کے پشتینی بالکوں کی محفلیں جہی ہوئیں اور سجادہ نشینوں کے جگمگٹے

عروج پر۔ یہاں کے پیر، پیر بھی ہیں اور وڈیرے بھی۔ کوئی ان سے ہم کلام ہونے اور ان کے حضور زبان سے اونچی آواز نکالنے کی جرأت نہیں کر سکتا۔ ان سے مخاطب ہو کر حق بات کہنا اور ان کی بارگاہ میں برائی کو برائی قرار دینا اور نیکی کو نیکی سے تعبیر کرنا، بسا اوقات ناقابل معافی جرم قرار پاتا ہے۔ پیر کے دربار میں زبان پر خاموشی کی مہر لگانا اور لبوں پر سکوت کا قفل چڑھالینا واجبات میں شامل ہے۔ ایسا نہیں کرو گے تو مجرم ٹھہرائے جاؤ گے۔ ان کے لب برائی وہی ہے جسے وہ برائی قرار دیں اور نیکی وہ ہے جس پر وہ نیکی کی مہر لگائیں۔ اس معاملے میں ”مسند ہے میرا فرمایا ہوا“ کی سی کیفیت ہے۔

اس بے رحم فضا، خدا اور رسول ﷺ کے احکام سے کنارہ کش ماحول میں ہمارے پیر سید بدیع الدین شاہ نے شعور کی دہلیز پر قدم رکھا اور عقل و خرد کی وادی میں داخل ہوئے۔ پھر کتاب و سنت کی تعلیم حاصل کی تو اس کی تبلیغ پر کمر بستہ ہو گئے۔ وہ صرف نفی کے واعظ نہیں تھے کہ لوگوں سے کہیں یہ نہ کرو اور یہ نہ کرو۔ فلاں کام کو ترک کرو اور فلاں سے کنارہ کش ہو جاؤ۔ بلکہ ان کے طرق کلام میں اثبات وافر مقدار میں پایا جاتا تھا۔ وہ اعلان کرتے تھے کہ اللہ کے احکام کو مانو اور اللہ کے احکام یہ ہیں اور ان کے ماننے اور ان پر عمل کرنے کا طریقہ یہ ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے فرامین کو دل و جان سے تسلیم کرو اور ان کے آگے قبول و رضا کی گردن جھکا دو۔

ظاہر ہے جب اثبات کی بات ہوگی تو اس میں نفی بھی آئے گی اور لازماً یہ کہا جائے گا۔ کہ فلاں کام کرو اور فلاں نہ کرو اور اس سے دور ہٹ جاؤ۔ اس طرح نفی کا واعظ ہوگا تو اس میں اثبات کا عنصر بھی جلوہ گر ہوگا، یعنی جب واعظ صدا دے گا کہ فلاں فلاں حرکات سے اپنا دامن عمل بچالو، تو وہ ضمناً یہ آہنگ بھی بلند کرے گا کہ فلاں فلاں عمل کو حرز جاں بنا لو اور اس سے وابستگی اختیار کرو۔ دوسرے الفاظ میں یوں سمجھیے کہ تبلیغ و تقریر کے اسٹیج پر نفی اور اثبات قدم سے قدم ملا کر برابر برابر چلیں گے۔ نہ نفی کو ترک کر کے محض اثبات کو کافی سمجھا جائے گا اور نہ اثبات کو نظر انداز کر کے نفی کو حرف آخر قرار دیا جائے گا۔ اس راہ میں دونوں کی حیثیت مساوی ہوگی۔ یعنی مساوات کا قانون چلے گا اور وہی سکہ رائج الوقت کہلائے گا۔ سب کو معلوم ہے نیکی اور پازیو (Negative & Positive) کے ملاپ سے بجلی پیدا ہوتی ہے اور اس کے قتمے گھروں اور

گلیوں میں روشنی پھیلاتے ہیں۔ اکیلا نیکو اور تنہا پازینو کسی کام میں نہیں آتے۔ اس طرح تبلیغ دین میں دونوں کا اجتماع ہوگا تو انسانی ذہن میں اس کے اثرات پھیلیں گے اور افکار کو منور کریں گے۔ یہاں یہ عجیب فارمولا ہے کہ اجتماع ضدین اثبات کا کام دیتا اور ذہنوں میں نکھار پیدا کرتا ہے۔

بہر حال ہمارے سید بدیع الدین شاہ کو تبلیغ دین کے لیے نہایت سنگلاخ اور انتہائی بجز زمین ملی۔ لیکن انہوں نے اس کی آب یاری کی اور اس میں ہل چلایا۔ بے شک اس میں انہیں بے حد محنت کرنا پڑی۔ اس سے گھاس پھوس نکالنے کی سعی کی، ان خشک اور بے فائدہ چھوٹے بڑے درختوں کو کاٹنے کا عزم کیا جن کی جڑیں دور تک پھیلی ہوئی تھیں اور روز بروز پھیلتی جا رہی تھیں۔ ان کے اس اقدام سے صاف ذہن کے لوگ متاثر ہونے لگے اور متاثر ہوئے۔ ان کے دماغوں میں تازہ ہوا کے خوش گوار جھونکے آئے تو انہیں سکون قلب اور اطمینان فکر حاصل ہونے لگا۔

شاہ صاحب نے بڑا اخاذ اور تیز ذہن پایا تھا۔ اس کا اندازہ اس حقیقت سے کیجئے کہ انہوں نے ۱۹۴۸ء میں یعنی تقسیم ملک سے ایک سال بعد صرف تین مہینوں میں قرآن مجید حفظ کر لیا تھا۔ یہ وہ دور تھا جب وہ تبلیغی دورے بھی کرتے تھے اور بعض دیگر علمی اور گھریلو مصروفیات بھی ساتھ ساتھ چلتی تھیں۔ قرآن مجید کی مختلف سورتیں انہوں نے کس طرح سے یاد کیں؟ سنئے!

- ☆ پارہ اول پہلے یاد کیا۔
- ☆ پھر سورہ ہود سے آخر تک تمام سورتیں حفظ کر لیں۔
- ☆ سورہ نور ایک سفر کے دوران اونٹ پر یاد کی۔
- ☆ دوسرے پارے سے سورہ یونس کے آخر تک بعض سورتیں تین تین دن میں یاد کیں۔
- ☆ سورہ مائدہ دو دن میں یاد کی۔
- ☆ سورہ انعام اور سورہ اعراف تین تین دنوں میں حفظ ہوئیں۔
- ☆ سورہ انفال ایک دن میں۔
- ☆ سورہ توبہ ایک دن میں۔

☆ سورہ یونس ایک دن میں۔

اس طرح انہوں نے پورا قرآن مجید تمام ضروری مشاغل کے باوصف نہایت مختصر مدت میں حفظ کر لیا۔

اب اس طرف آئیے کہ انہوں نے وعظ و تبلیغ کا آغاز کب کیا اور پھر کس طرح منزل بمنزل یہ سلسلہ آگے بڑھا اور اس کے کیا نتائج نکلے؟

طالب علمی کے زمانے میں ہر جمعرات کو نماز ظہر کے بعد طلباء کو تقریر کی مشق کرائی جاتی تھی تاکہ آئندہ تبلیغ دین کے محاذ پر آسکیں۔ شاہ صاحب نے بھی ایک مرتبہ سورہ اخلاص کا ترجمہ سنایا تھا لیکن سب سے پہلی تقریر جسے عوامی تقریر کہنا چاہیے تقریباً چودہ سال کی عمر میں کی۔ ہوا یہ کہ نماز جمعہ کے بعد انہیں مجبور کر کے منبر پر کھڑا کر دیا گیا۔ لیکن حاضرین کا ذہن پر اس قدر رعب پڑا کہ زبان سے کوئی لفظ بولنے کی جرأت نہیں ہو رہی تھی۔ ان کے بڑے بھائی سید محبت اللہ شاہ بھی سامنے بیٹھے ہوئے تھے۔ ان کی وجہ سے مرعوبیت میں مزید اضافہ ہو گیا تھا۔ لوگوں کے اصرار پر خطبہ منسوخ کے بعد سورہ مومنوں کی ابتدائی آیات کی تلاوت کی اور پھر ان کے ترجمہ و تشریح کی طرف آئے۔ جو باتیں کیں وہ جھجک اور مرعوبیت کی حالت میں کیں۔ لیکن حاضری اس سے بہت متاثر ہوئے۔ بالخصوص بڑے بھائی نے نہایت مسرت کا اظہار کیا اور خوب داد دی۔ اس کے بعد تقریروں کا سلسلہ باقاعدہ شروع ہو گیا۔ تبلیغی ضرورت کے پیش نظر آیات و احادیث یاد کر لیں۔ تھوڑے ہی عرصے میں ارد گرد کے دیہات اور قصبات و بلاد میں خطبات جمعہ کے لیے آنے جانے لگے تبلیغی ضرورتوں نے وعظ و تقریر کا دائرہ وسیع کر دیا۔

جس علاقے سے ان کا تعلق تھا، اس علاقے میں چونکہ بنیادی کام توحید و سنت کی اشاعت اور شرک و بدعات کی تردید کا تھا، اس لیے ان کی تقریروں کا زیادہ تر موضوع یہی رہا۔ اسی موضوع کو پھیلا کر انہوں نے لوگوں کو قرآن و حدیث پر عمل پیرا ہونے کی دعوت دی اور معاشرے میں جن رسوم و عوائد سے اخلاق اور شرعی بگاڑ پیدا ہو چکا تھا، ان کی نشان دہی کی اور اس کے مقابلے میں لوگوں کو قرآن و حدیث کے صاف ستھرے اور واضح احکام کی پیروی کی طرف بلایا۔

اس پر وہاں کے پیروں نے خاص طور پر شاہ صاحب کی مخالفت کی۔ ان کی برادری کے سرکردہ ارکان کو اس طرف توجہ دلائی اور کہا کہ وہ اس قسم کی تقریروں سے انہیں روکیں۔ انہیں دھمکیاں دیں، لڑائی جھگڑے تک معاملہ پہنچانے کی کوشش کی، ان پر فتوے لگائے، وفود کی صورت میں لوگ ان کے پاس آئے اور انہیں وعظ و تقریر کا سلسلہ بند کرنے کے لیے کہا۔ اس موضوع پر نرمی سے بھی گفتگو کی گئی اور سختی کا مظاہر بھی کیا گیا۔ لیکن وہ اپنے موقف پر قائم رہے اور پوری استقامت کا ثبوت بہم پہنچایا، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان کی تقریروں کے اثرات پھیلنے لگے اور انہوں نے اپنی تبلیغی مہم کو ہر صورت میں جاری رکھا۔

مخالفت کا سلسلہ اتنا وراز ہوا کہ اپنے آباؤ اجداد کی جاری کردہ درس گاہ اور خود اپنا آباد کردہ گاؤں چھوڑ کر جب وہ اپنی نئی آبادی نیو سعید آباد میں آئے تو وہاں سے بھی نکالنے کی جدوجہد کی گئی اور اس کے لیے غیر قانونی ذرائع اختیار کر کے انہیں مشکلات میں پھنسانے کا منصوبہ بنایا گیا۔ مگر اللہ نے ان کو تمام مشکلات سے محفوظ رکھا۔ ذہنی کوفت بے شک ہوئی۔ مالی نقصان بھی ہوا، مگر انہوں نے لوگوں سے ڈر کر اور سہم کر نیو سعید آباد کی سکونت ترک نہ کی۔ وہاں رہ کر اپنا تبلیغی سفر جاری رکھا اور جس مقصد کو زندگی کا نصب العین بنالیا تھا، اس پر ہر حال میں قائم رہے۔

قتل کی دھمکیاں دی گئیں اور پھر خوف زدہ کرنے کے لیے خطوط لکھے گئے، جھوٹے مقدمے قائم کرنے کی سازشیں کی گئیں لیکن اللہ تعالیٰ نے ہر خوف، ہر دھمکی اور سازش سے ان کی حفاظت فرمائی۔ پھر ایک وقت آیا کہ ظاہری مخالفت ترک کر کے خوشامدی رنگ اختیار کیا گیا اور منت سماجت کے ذریعے ان کی زبان بند کرانے کی تجویزیں سوچی گئیں، لیکن اس کا بھی ان پر کوئی اثر نہیں ہوا، اور وہ بدستور اپنی جدوجہد میں مشغول رہے۔

ایک حربہ استعمال کیا گیا کہ حکومت سے ان کی تقریروں پر پابندی لگانے کی درخواست کی گئی اور کہا گیا کہ ان کی تقریروں سے فرقہ وارانہ فضا مکدر ہونے اور باہمی جھگڑے فساد کا خطرہ ہے لہذا انہیں تقریر کرنے سے روکا جائے۔ ضلعی حکام کی طرف سے ایک ضلع سے دوسرے ضلع میں داخل ہونے کی ممانعت کے احکام جاری کرانے کا سلسلہ بھی زیر غور آیا، اور اس کے لیے متعلقہ حکام سے رابطے پیدا کیے گئے۔ تقریروں کے ٹیپ

شدہ کیسٹ منگوا کر ذمہ داران حکومت کو سنائے گئے تاکہ حکومت کو پتا چلے کہ یہ زبان کے کس درجہ سخت ہیں اور ان کی تقریروں کا سلسلہ جاری رہنے سے فرقہ وارانہ فضا کے خراب ہونے کا اندیشہ ہے۔ لیکن یہ چال بھی کامیابی سے ہم کنار نہ ہو سکی۔ ہر سازش کے مقابلے میں تقریروں کا دائرہ وسیع ہوتا گیا اور ان کے اثرات میں وسعت پیدا ہوتی گئی۔ یعنی ہر مخالفانہ تدبیر، ہر منصوبے اور ہر سازش کے نتیجے میں۔ ”مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی“ والا معاملہ ظہور پذیر ہوتا گیا۔

وہ کلمہ حق بلند کرنے اور اپنی آواز لوگوں کے کانوں تک پہنچانے میں نہایت جری، بہادر، دلیر، بے خوف اور بے باک تھے۔ اس ضمن میں کوئی دھمکی، کوئی حرص، کوئی لالچ اور کوئی منت خوشامد ان کا راستہ نہیں روک سکتی تھی اور نہیں روک سکی۔

سندھ سے باہر سب سے پہلے انہوں نے تقسیم ملک سے دو سال قبل ۱۹۴۵ء میں موجود جغرافیائی اعتبار سے مشرقی پنجاب کے ضلع گورداس پور کے شہر بٹالہ کی جماعت اہل حدیث کی دعوت پر وہاں کے جلسے میں شرکت فرمائی اور اہل حدیث کے امتیازی مسائل کے موضوع پر ایک لکھی ہوئی تقریر پڑھی۔ تقریر کا عنوان تھا ”احسن الدلائل علی بعض المسائل“ تقریر اردو میں تھی۔ اس جلسے میں انہیں سندھ سے باہر کے بعض جید علمائے اہل حدیث سے ملاقات کا موقع ملا۔ اس سے اگلے سال یعنی ۱۹۴۶ء کے جلسے میں بھی انہیں بٹالہ کی جماعت اہل حدیث کے جلسے میں شمولیت کی دعوت دی گئی تھی اور وہ شامل ہوئے تھے، لیکن بٹالہ جانے سے قبل وہ علامہ عبدالرحمن نومسلم کی دعوت پر دہلی گئے، دہلی وہ پہلی دفعہ گئے تھے (اور شاید یہ آخری دفعہ بھی تھی) وہاں وہ دس روز رہے اور مختلف علمائے کرام سے ملاقات کیں۔ ان کی ملاقات وہاں علامہ موسیٰ جبار اللہ سے بھی ہوئی جو روس کے ممتاز و مشہور عالم تھے اور ان دنوں دہلی میں قیام فرماتے۔ ان سے شاہ صاحب کی تین گھنٹے عربی زبان میں گفتگو ہوئی۔ اس لیے کہ وہ اردو نہیں جانتے تھے۔ اثنائے گفتگو میں کئی اصولی اور فروعی مسائل زیر بحث آئے۔ اس وقت شاہ صاحب کی عمر صرف اکیس برس تھی۔

دہلی سے وہ امرتسر پہنچے اور مولانا ثناء اللہ کے مہمان رہے۔ اس اثناء میں متعدد مسائل میں ان سے استفادہ کیا۔ وہاں کے دیگر علمائے کرام سے بھی ملاقاتیں ہوئیں اور بعض امور میں ان سے بات چیت کے

مواع میر آئے۔

امرتسر سے وہ ہٹالہ آئے اور وہاں کے اجتماع میں شرکت فرمائی۔ اس اجتماع کے ایک اجلاس کی صدارت بھی کی اور فرقہ ناچپہ کے موضوع پر مختصر تقریر بھی ارشاد فرمائی۔ جلسے کے اصحاب انتظام کے اصرار پر ”مسلک اہل حدیث کی حقانیت“ سے متعلق سندھی زبان میں بھی چند منٹ تقریر کی۔ اس جلسے میں حضرت مولانا ثناء اللہ صاحب بھی تشریف لائے تھے۔ مولانا نے حاضرین جلسہ سے ان کا اور ان کے اسلاف کا تعارف کرایا جس میں ان کی علمی اور تحقیقی صلاحیتوں کی وضاحت فرمائی۔

اب چند باتیں سید بدیع الدین شاہ کے حج بیت اللہ کے بارے میں.....!

اس عالم اجل کو اللہ تعالیٰ نے کئی بار حج بیت اللہ کی سعادت سے نوازا۔ حج کے مبارک ترین مواقع پر انہوں نے بیت اللہ شریف، مسجد نبوی، مدینہ یونیورسٹی اور بعض دیگر مقامات پر تقریریں کیں، عربی میں بھی اور اردو میں بھی۔ ان کی بعض تقریروں میں عوام کے علاوہ عالم عرب کے بہت سے بڑے بڑے علماء و زعماء بھی شریک ہوتے رہے۔ ان کی زیادہ تر تقریریں اتباع سنت کے موضوع پر ہوتی تھیں۔ ان کا اصل موضوع یہی تھا اور واقعہ یہ ہے کہ مسلمان کا سرمایہ حیات درحقیقت یہی موضوع ہے۔ جس مسلمان نے اتباع سنت اور اطاعت پیغمبر کو اپنا مشغلہ قرار دے لیا، اپنے شب و روز کو اس کے لیے وقف کر دیا اور اس کی سرگرمیوں کا محور بھی جذبہ قرار پایا گیا، وہ دنیا و آخرت میں ہر قسم کی فلاح و فوز کا مستحق ہو گیا۔ اور ہمارے سید بدیع الدین شاہ اس جذبے سے سرشار تھے۔ اس کے مقابلے میں ان کے سامنے دنیا اور اس کی تمام چیزیں سچ تھیں۔ وہ طویل عرصے تک حرمین شریفین میں رہے اور لوگوں کو یہی درس دیتے رہے۔ ان کی اس موضوع کی سرگرمیوں کی تفصیل میں جانے کی ضرورت نہیں۔ اس مختصر متن میں اس کی پوری تشریح آ جاتی ہے۔

جس طرح سندھ کے بعض مقامات پر ایک خاص حلقے کی طرف سے ان کی تقریروں کی مخالفت کی گئی اور انہیں بتلائے تکلیف کرنے کی کوششیں کی گئیں، اسی طرح حرمین شریفین میں بھی سندھ کے بعض حاجیوں نے ان کی مخالفت کی اور ان کے نقطہ نظر کو ہدف تنقید ٹھہرایا۔ اور ہم دیکھتے ہیں کہ اس قسم کا رویہ ہمیشہ ہر حق گو کے خلاف اختیار کیا گیا اور اختیار کیا جاتا ہے۔

اب ان کے غیر ملکی تبلیغی اسفار کی ایک جھلک.....!

شاہ صاحب نے اسلام کی تبلیغ کے لیے جو تکالیف اٹھائیں، جس نہج سے اس باب میں جدوجہد کی اور جس طرح اپنے ذاتی کام ترک کر کے اس کے لیے زندگی وقف کر دی اس کی اچھی خاصی تفصیل گزشتہ صفحات میں ہمارے مطالعے میں آچکی ہے۔ یہاں ہم چند الفاظ میں یہ بتانا چاہتے ہیں کہ جس طرح وہ اپنے آبائی علاقے اور صوبے میں اشاعت دین کے لیے کوشاں ہوئے اسی طرح انہوں نے غیر ممالک کا عزم کیا اور اسلام کا جھنڈا بلند کرنے کے لیے سامعی ہوئے۔ عرب ممالک میں سے انہوں نے سعودی عرب، کویت، مصر، شام، سوڈان، عمان، دوئی، ابوظہبی، شارجہ، بنگلہ دیش اور افغانستان وغیرہ کے دورے کیے۔

شاہ صاحب نے ایک دفعہ ریاست عمان کا دورہ کیا اور مختلف مساجد میں عربی اور اردو میں تقریریں کیں۔ ”مطرح“ کے کپڑے کے بازار کی مسجد میں جمعہ پڑھایا اور وہاں کے قاضیوں، بعض دیگر حکام اور کئی دوستوں سے ملاقات ہوئی۔ وہاں کا سرکاری مذہب اباضیہ (یعنی خوارج) ہے اور انہی لوگوں کی وہاں اکثریت ہے۔ اس لیے سرکاری مسجد میں تقریر کی اجازت نہیں ملی۔ عمان میں بعض احناف رہتے ہیں۔ اہل حدیث بھی ہیں، انہی کی دعوت پر وہ وہاں گئے تھے۔

شاہ صاحب فرماتے ہیں دوئی میں وزارت اوقاف کے دفتر میں ایک فلسطینی نوجوان سے ملاقات ہوئی تو اس نے کہا کہ یہاں جو ہندوستانی اور پاکستانی مسلمان رہتے ہیں ان میں سے اکثر امام کے پیچھے سورہ فاتحہ نہیں پڑھتے۔ اس کی کیا وجہ ہے جب کہ حدیث میں واضح الفاظ میں فرمایا گیا ہے کہ سورہ فاتحہ کے بغیر نماز نہیں ہوتی۔

شاہ صاحب نے جواب دیا وہ خفی ہیں اس لیے نہیں پڑھتے۔

اس نے کہا: خفی ہیں تو کیا ہوا، خفی ہونے کا یہ مطلب تو نہیں کہ حدیث رسول ﷺ پر عمل نہ کرو۔ میں خود خفی ہوں اور امام کے پیچھے سورہ فاتحہ پڑھتا ہوں۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میرا مذہب وہی ہے جو صحیح حدیث سے ثابت ہے، اور سورہ فاتحہ امام کے پیچھے پڑھنا صحیح حدیث سے ثابت ہے اس لیے پڑھنی چاہیے۔

دوسرے ممالک میں سے شاہ صاحب نے یورپ، امریکہ، انگلستان، ڈنمارک وغیرہ کا رخ کیا اور لوگوں کو راہ حق دکھانے اور اس پر گامزن رہنے کی تلقین کی۔ اس سلسلے میں وہ ان تھک عالم دین اور نہایت مستعد مبلغ اسلام تھے۔ اللہ ہی انہیں اس کا بدلہ دینے والا ہے اور وہ ضرور بدلہ دے گا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔

اب شاہ صاحب کی دو باتیں تبلیغی جماعت کے بارے میں۔۔۔!

ان سطور کا راقم ہر مسلمان اور اسلام کی تبلیغ کرنے والی ہر جماعت کو احترام کی نگاہ سے دیکھتا ہے۔ تبلیغی جماعت سے تعلق رکھنے والوں کی بھی تکریم کرتا ہے۔ یہ لوگ بوریا بستر کندھوں پر اٹھائے، ہاتھ میں لوٹا مصلیٰ پکڑے اور لوٹے کی ٹوٹیوں کے ساتھ مسواکیں باندھے شہر شہر، گاؤں گاؤں اور گلی گلی گھومتے، اور لوگوں کو ان کے گھر جا کر انہیں کلمہ پڑھاتے ہیں۔ راتیں مسجدوں میں گزارتے ہیں، اپنا کھاتے اور اپنا پیتے ہیں، کسی پر بوجھ نہیں بنتے۔ یہ اچھے لوگ ہیں۔ ایک دن جماعت اسلامی سے تعلق رکھنے والے ہمارے ایک دوست نے ان کے بارے میں اس فقیر سے گفتگو کرتے ہوئے ان کو ایک عجیب خطاب دیا۔ ان کے انداز تبلیغ کا تجزیہ بھی کیا، جس کا یہاں ذکر کرنا مناسب نہیں ہے۔

ایک دفعہ یہ حضرات نماز مغرب سے تھوڑی دیر پہلے ہماری گلی میں آ گئے۔ میرے سامنے کے مکان میں ایک دوست رہتے ہیں، رئیس حسین..... تبلیغی جماعت والوں نے رئیس صاحب کا دروازہ کھٹکھٹایا، وہ باہر نکلے تو ان حضرات نے حسب عادت ان کو کلمہ پڑھانے کی کوشش کی۔ انہوں نے ان سے چیچھا چھڑانے کے لئے جواب دیا:

میں تو عیسائی ہوں (میرے مکان کی طرف اشارہ کر کے کہا) یہاں بھیٹی صاحب رہتے ہیں، وہ مسلمان ہیں، لیکن نماز نہیں پڑھتے۔ میں نے ان کو بہت سمجھایا، یہ میری بات نہیں مانتے۔ انہیں آپ نماز کی تاکید کریں۔

اب وہ بھلے لوگ جتنے کی صورت میں میرے دروازے پر آ کھڑے ہوئے، دستک دی، میں باہر آیا اور السلام علیکم کہہ کر عرض کیا: فرمائیے کیا ارشاد ہے۔

اودھر رئیس صاحب اپنے دروازے پر کھڑے ہیں اور پکار پکار کر انہیں کہہ رہے ہیں، یہی بھیٹی

صاحب ہیں جو نماز نہیں پڑھتے۔ میں ان کو نماز کی تاکید کرتے کرتے تھک گیا ہوں۔ میں عیسائی ہوں اور ہر اتوار کو ان کے سامنے گر جے جاتا ہوں۔ یہ مسلمان ہیں ان پر میری عبادت کا کوئی اثر نہیں ہوتا، آپ انہیں نماز پڑھنے کی تلقین کیجئے!

اب وہ باجماعت کھڑے ہیں اور مجھے کلمہ پڑھا رہے ہیں، ساتھ ہی نماز کی تلقین اور تاکید فرما رہے ہیں۔ میں ان کے سامنے مجرموں کی طرح کھڑا ان کا جبری وعظ شریف سن رہا ہوں اور جو بات وہ سمجھانے کی کوشش کرتے ہیں اس کے جواب میں ”ٹھیک ہے حضور، ٹھیک ہے حضور“ کہنے کے سوا کوئی چھٹکارے کی راہ اپنے سامنے نہیں پاتا۔

بڑی مشکل سے ان سے پیچھا چھڑایا۔ تبلیغ کا ثواب تو انہیں مل ہی گیا ہوگا، لیکن تبلیغ کا یہ طریقہ بڑا عجیب و غریب ہے۔

رئیس صاحب کا نام آیا ہے تو ان کے بارے میں ایک اور بات بھی سنتے جائیے! ہماری گلی کے ساتھ کی گلی میں میو برادری کے لوگ رہتے ہیں۔ انہوں نے ایک چھوٹی سی مسجد بنائی ہے۔ میں نے اس مسجد میں فجر کی نماز پڑھنا شروع کر دی اور نماز کے بعد درس قرآن کا بھی آغاز کر دیا۔

یہاں یہ عرض کر دوں کہ چھوٹی عمر ہی سے میری یہ عادت ہے کہ فجر کی نماز سے گھنٹا ڈیڑھ گھنٹا پہلے اٹھ جاتا ہوں۔ دیگر معمولات کے علاوہ اس وقت کا ایک معمول یہ ہے کہ قرآن مجید ضرور پڑھتا ہوں۔ میری عمر ابھی چھ سال کی نہیں ہوئی تھی کہ قرآن مجید گھر میں اپنے دادا مرحوم سے پڑھ لیا تھا۔ اس وقت سے اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ نماز فجر سے قبل روزانہ ترتیب کے ساتھ تو کم سے کم آدھے پارے کی تلاوت کرتا ہوں۔ قرآن پڑھے بغیر گھر سے نکلتا میرے لیے بہت مشکل ہے۔ بالعموم سفر میں بھی یہ عادت میرے ساتھ رہتی ہے۔ اگر کسی مجبوری کی بنا پر کسی دن قرآن پڑھے بغیر گھر سے باہر نکلتا پڑے تو ذہن میں یہ وہم سار ہتا ہے کہ خدا خیر کرے معلوم نہیں آج دن کس طرح گزرے گا۔ پھر اسی دن کسی وقت قرآن پڑھنے کی کوشش کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ سے عاجزانہ دعا ہے کہ اس فقیر کا یہ معمول تاحیات قائم رہے اور اللہ اسے قبول فرمائے، آمین۔

میں کہتا یہ چاہتا ہوں کہ میرے پڑوسی دوست رئیس حسین صاحب نے بھی میوؤں کی مسجد میں نماز

پڑھنا شروع کر دی اور وہ بھی صبح صبح جاگنے لگے۔ پھر مسجد میں اذان بھی کہنا شروع کر دی اور چھوٹی پھٹی داڑھی بھی رکھ لی۔ گلی محلے کے لوگ حیران بھی تھے اور خوش بھی کہ بھٹی صاحب نے رئیس کو اپنی راہ پر لگالیا ہے۔ وہ مجھ سے بعض کتابیں لے لیتے اور ان کا مطالعہ کرتے۔ نماز کی دعاؤں وغیرہ کی بھی چند کتابیں انہوں نے حاصل کر لیں یا مجھ سے لے کر پڑھیں۔ اذان بھی کہنا شروع کر دی، لیکن اذان سے پہلے صلاۃ و سلام نہیں پڑھتے تھے۔ بعض لوگ انہیں صلاۃ و سلام پڑھنے کے لیے کہتے تو وہ جواب دیتے کہ اس کا نماز کی کسی کتاب میں ذکر نہیں ہے، اس لیے میں نہیں پڑھوں گا۔ بعض حضرات نے یہ بھی کہا کہ صلاۃ و سلام ہم پڑھ لیتے ہیں، اذان آپ کہہ دیں۔ اس پر بھی وہ رضا مند نہ ہوئے۔ بس یہی کہتے رہے کہ اذان میں ہی کہوں گا، لیکن اذان سے پہلے یہ لفظ کہیں نہیں لکھے، لہذا ان کے کہنے کی ضرورت نہیں۔

ایک صاحب نے ایک روز جب صلاۃ و سلام کہنے پر زیادہ ہی اصرار کیا تو رئیس صاحب نے نماز بھی چھوڑ دی اور داڑھی کے جو چند بال کچھ بڑھالیے تھے ان کا بھی صفایا کر دیا۔ ہمارے سید بدیع الدین شاہ صاحب کے ضمن میں تبلیغی جماعت کا ذکر آیا تو درمیان میں رئیس حسین کا واقعہ یاد آ گیا۔

میرے ساتھ کی گلی میں تبلیغی جماعت کے ایک بزرگ بابا حسن رہتے تھے جو میو برادری سے تعلق رکھتے تھے۔ وہ صبح مسجد میں جاتے ہوئے مجھے آواز دیتے: ”بھٹی صاحب محبت میں آ جاؤ“ (مسجد کو یہ لوگ ”محبت“ کہتے ہیں)

اب تبلیغی جماعت کی وہ دو باتیں سنیں جو سید بدیع الدین شاہ صاحب سے تعلق رکھتی ہیں۔ پہلی بات شاہ صاحب یہ فرماتے ہیں کہ حرم مکہ میں ان کی تبلیغ و تقریر کے لیے سب سے زیادہ رکاوٹ تبلیغی جماعت والے ڈالتے تھے۔

یہ کیوں؟ اس کی وجہ یہ تھی کہ شاہ صاحب ان کے طریقہ تبلیغ کے متعلق فرمایا کرتے تھے کہ صرف لفظی کلمہ پڑھنا پڑھانا کافی نہیں، ضروری ہے کہ توحید و سنت کو اجاگر کیا جائے اور شرک و بدعت کی نشان دہی کی جائے۔ لیکن یہ صحیح بات تبلیغی جماعت والوں کو چھٹی نہ تھی۔ ان کے نزدیک خود کلمہ پڑھنا اور دوسروں کو پڑھانا

کافی ہے۔ مبلغ کو اس سے آگے بڑھنے کی ضرورت نہیں۔ اس سے اسلام کے سارے مسائل حل ہو جاتے ہیں۔

دوسری بات یہ کہ شارجہ کی وزارت اوقاف کی طرف سے شاہ صاحب کو وعظ و تقریر کا عام اجازت نامہ حاصل ہو چکا تھا۔ وہاں کی ایک مسجد میں تبلیغی جماعت والے رہتے تھے۔ انہوں نے اس مسجد میں ان کو تقریر نہیں کرنے دی۔ علاوہ ازیں شاہ صاحب یہ بھی فرماتے رہے کہ جس طرح پاکستان اور ہندوستان کے حضرات احناف اہل حدیث کے خلاف تعصب بلکہ بسا اوقات عناد کا اظہار کرتے ہیں، وہاں کے احناف نہیں کرتے۔ وہ اہل حدیث علماء و عوام کا احترام کرتے ہیں اور دلچسپی اور شوق سے اہل حدیث مقررین کی تقریریں سنتے اور ان سے مستفید ہوتے ہیں۔

شاہ صاحب بہت خوبیوں کے مالک تھے۔ ان میں ایک خوبی یہ بھی تھی کہ وہ بہت بڑے مناظر اور حاضر جواب تھے۔ انہیں اپنے مسلک کی حقانیت ثابت کرنے کے لیے مختلف مقامات میں مناظرے کرنے کا موقع ملا۔ مثلاً وہاڑی، شہدادکوٹ (ضلع لاڑکانہ) دریا خان، مری (ضلع نواب شاہ) نوڈیرو (ضلع لاڑکانہ) کراچی اور دوسرے کئی مقامات میں انہوں نے مناظرے کیے۔ مکہ مکرمہ، مدینہ منورہ اور حجاز اور متحدہ عرب امارت میں بھی بعض علمائے عرب سے چند مسائل کے متعلق ان کے مباحثے ہوئے۔

شاہ صاحب اللہ کے فضل سے بہت اچھے مصنف بھی تھے۔ وہ بسیار نویس اور تیز نویس مصنف تھے۔ عربی، اردو، سندھی تینوں زبانوں میں بے تکلفی سے بولتے اور بے تکلفی سے لکھتے تھے۔ ان کی تصانیف کی تعداد سو سے زیادہ ہے۔ جن میں تینوں زبانوں کی تصانیف شامل ہیں۔ ان کا حافظہ بڑا تیز تھا، مطالعہ وسیع تھا۔ مسائل مختصر تھے۔ کتب خانہ اپنا تھا جو ہزاروں کتابوں پر مشتمل تھا، اور اس کا نام المکتبۃ الراشدہ تھا۔ کسی معاملے میں کسی کے دست نگر اور محتاج نہ تھے۔ صرف لکھنے پڑھنے اور وعظ و تقریر سے دلچسپی رکھتے تھے۔ اور اس میں کامیاب تھے۔ بدیع التفسیر کے نام سے انہوں نے قرآن مجید کی تفسیر لکھی۔ ان کی سندھی زبان کی کتابوں کے اردو ترجمے ہوئے اور شاید اردو کتابوں کو بھی سندھی میں منتقل کیا گیا ہو۔

انہوں نے کتابی صورت میں جو سرمایہ تحقیق اپنے پیچھے چھوڑا ہے وہ ہماری معلومات کے مطابق ایک

سو آٹھ کتابوں پر مشتمل ہے اور واقعہ یہ ہے کہ یہ بہت بڑا سرمایہ ہے۔ ان میں ساٹھ کتابیں عربی میں، ستائیس سندھی زبان میں، انیس اردو میں اور ایک کتاب وہ ہے جو عربی، اردو، سندھی تینوں زبانوں میں ہے۔ یہ کتاب ان کے فتوؤں پر مشتمل ہے جو مختلف اوقات میں انہوں نے مختلف حضرات کو دیے۔ اس کا نام ”الفتاویٰ البدیعیہ“ فتاویٰ کے اس مجموعے کے علاوہ ان کے اور بھی بہت سے فتوے ہیں۔

اب آئیے! ان کتابوں کی تفصیل پر نگاہ ڈالیے۔۔۔ پہلے عربی، پھر سندھی اس کے بعد اردو۔

عربی کتب

۱. السمط الابریز حاشیہ مسند عمر بن عبدالعزیز
۲. اظہار البراءة عن حدیث من كان له امام فقرة الامام له قراءة
۳. المعقبات المرضية للمعقبات الغير المرضية
۴. تهذيب الاقوال فيمن له ترجمة في اظہار البراءة من الرجال
۵. التجريب للمعقيب التهذيب
۶. القنديل المشعول في تحقيق حديث اقتلوا الفاعل والمفعول
۷. زجاجة القنديل
۸. التذييل القنديل
۹. التكميل لتذييل القنديل
۱۰. خير المشرب في سنية الركعتين قبل المغرب
۱۱. عين الشين بترك رفع اليدين
۱۲. العجوز لهداية العجوز
۱۳. تحقيق الدعاء برفع اليدين وما قيل في اسلام الابوين
۱۴. وصول الالهام لاصول الاسلام (غير منقوط)
۱۵. المعاني المصطلحة لما في وصول الالهام من الفاظ المشكلة

۱۶. زیادة الخشوع بوضع اليدين فى القيام بعد الركوع
۱۷. التحقيق المقطوع فى اثبات وضع اليدين على الشمال بعد الركوع
۱۸. منجد المستجير لرواية السنة والكتاب العزيز
۱۹. جزء منظوم فى اسماء المدلسين
۲۰. التعليق المنصور على فتح الغفور فى تحقيق وضع اليدين على الصدور
۲۱. جلاء العينين بتخريج روايات البخارى فى جزء رفع اليدين
۲۲. توفيق البارى فى ترتيب جزء رفع اليدين للبخارى
۲۳. غاية المرام فى تخريج جزء القراءة خلف الامام
۲۴. كحل العينين لمن يريد تحقيق مناظرة الامام ابى حنيفة مع الازاعى فى رفع اليدين
۲۵. منية الاشارات فى جلسات الصلوات
۲۶. القول اللطيف فى الاحتجاج بالحديث الضعيف
۲۷. رفع الارتياح عن حكم الاصحاب
۲۸. ازهار الحدائق فى تذكّار من جمع احاديث خير الخلائق
۲۹. صريح المهمد فى وصل تعليقات موطا امام محمد
۳۰. الاصابة مع الاصابة فى ترتيب احاديث البيهقى على مسانيد الصحابة
۳۱. التوبىب لاحاديث تاريخ الخطيب
۳۲. السمع فى ايام الذبح
۳۳. التعليقات الراشدية على شرح اربعين النووية لمحمد حياى السندى
۳۴. الجواب الوقيع عن تعقب المنيع
۳۵. اللمعة فى ان مدركا للركوع ليس مدركا للركعة
۳۶. الروادى والروائى
۳۷. تحفة الاحباب فى تخريج احاديث قول الترمذى وفى الباب

۳۸. البرق السماوی علی السارق الدنیاوی
۳۹. ایفاء اللہی علی اعفاء اللہی
۴۰. کشف المحو شرح ہدایۃ النحو
۴۱. انما الزکن فی تنفید انہاء السکن
۴۲. شیوخ الامام البیہقی
۴۳. الاربعینات فی الدینیات
۴۴. حاشیہ انتقاض الاعتراض لابن حجر
۴۵. احسن الجواب عما کتبہ بعض الاحباب فی مسئلہ ام الكتاب
۴۶. الجواب الدلات عن الأسئلة الثلاث
۴۷. شہادت الاحناف فی مسئلۃ علم الغیب علی سبیل الانصاف
۴۸. کشف الاختلاف فی رد الاحناف
۴۹. تحصیل الجواز والصلوات فی نقض دعوی عدم الجہر بالبسملة فی الصلوۃ
۵۰. شرح کتاب التوحید (صغیر) لابن خزیمہ
۵۱. فہرست احادیث تاریخ مدينۃ السلام علی بتویب المسائل وترتیب الاحکام.
۵۲. تفسیر القرآن الکریم المسمی بالاستنباط العجیب فی اثبات التوحید من جمیع آیات الكتاب النجیب
۵۳. الذیل علی رفع الارتياب عن حکم الاصحاب
۵۴. غایۃ المطلوب فی حکم الماء المغلوب
۵۵. الخبر الصفا فی النہی عن حلق القضا
۵۶. خیر المسالک فی احکام المناسک
۵۷. النصیحة البديعة لآخيه
۵۸. سيف الملك الديان علی رأس مفتی سلیمان

۵۹. رفع الستر عن احکام الوتر
۶۰. الطوام المرعشہ فی بیان تحریفات اہل الراى المدہشہ

سندھی کتب

۶۱. ضرب الیدین علی منکر رفع الیدین
۶۲. ضرب الفاس علی رأس بعض الخناس
۶۳. رکوع کے بعد ہاتھ باندھنا
۶۴. نماز کی مسنون دعائیں۔
۶۵. نماز نبوی
۶۶. الوسیق فی جواب الوثیق
۶۷. قادیانی و جھنڈائی خاندان یتیمہا برزخ الایغیان
۶۸. حجۃ الوداع
۶۹. مقدمہ تفسیر بدیع التفسیر
۷۰. بیان بے نظیر قرآن کی تفسیر
۷۱. تقریر الاجاب
۷۲. عوام کی عدالت
۷۳. التقید المضبوط فی تسوید تحریر المملیوط
۷۴. قال اقول فی تسوید تحریر الجہول
۷۵. الاجوبۃ الفاضلۃ للاسئلۃ العشرۃ الكاملۃ
۷۶. سینہ پر ہاتھ باندھنا
۷۷. سنت قبل المغرب
۷۸. تمیز الطیب من الخبیث بجواب تحفۃ الحدیث

۷۹. ترجمہ کتاب الرد علی ابی حنیفہ للامام ابن ابی شیبہ
۸۰. التفصیل الجلیل فی ابطال التأویل العلیل
۸۱. المبسوط المضبوط فی جواب المخطوط المهبوط
۸۲. الاحراق بجواب الاشرار
۸۳. مولوی الھدٰیہ جمارانی کی کتاب پر تبصرہ
۸۴. مولوی عبداللہ اور مولوی خوشی محمد کی تحریروں پر فیصلہ (بابت تراویح)
۸۵. توحید ربانی یعنی سچی مسلمانی حصہ اول و دوم
۸۶. الاربعین فی الجہر بالتامین
۸۷. خطبہ صدارت (نیو سعید آباد کانفرنس)
۸۸. تقریر دلپذیر بنام براۃ اہل حدیث

اردو کتب

۸۹. زیادۃ الخشوع بوضع الیدین علی الشمال بعد الركوع
۹۰. الدلیل التام علی ان سنة المصلی الوضع كلما قام
۹۱. الاعلام بجواب رفع الابهام
۹۲. السکات الجزوع فی جواب ما بعد الركوع
۹۳. توحید خالص
۹۴. اتباع سنت
۹۵. تنقیذ سدید بر رسالہ اجتہاد و تقلید
۹۶. نشاط العبد بجہر ربنا ولک الحمد
۹۷. تاریخ اہل حدیث
۹۸. رکوع کی رکعت

- ۹۹۔ الضرب الشديد على القول الشديد في الثبات التقليد
 ۱۰۰۔ رفع الاختلاف في مسائل الخلاف
 ۱۰۱۔ صحيح بخاری کی ایک حدیث اور مسئلہ وضع الیدین فی القیام بعد الركوع
 ۱۰۲۔ شرعی طلاق
 ۱۰۳۔ الاھی غتاب برسیاء خضاب
 ۱۰۴۔ امام صحیح العقیدہ ہونا چاہیے۔
 ۱۰۵۔ مسلک اہل حدیث اور تقلید
 ۱۰۶۔ القنوط والیاس لاهل الارسال من نیل الامانی وحصول الآمال
 ۱۰۷۔ تواتر عملی یا حلیہ جدلی

عربی۔ اردو۔ سندھی

۱۰۸۔ الفتاویٰ البیدیعیہ

ان کا بہت بڑا تصنیفی کارنامہ ان کی تفسیر قرآن مجید ہے جو ”بدیع التفسیر“ کے نام سے لکھی گئی ہے اور سندھی زبان میں ہے۔ یہ ایک مفصل اور مکمل تفسیر ہے جو بہت سی خصوصیات کی حامل ہے۔ اس کی چند خصوصیات یہ ہیں۔

- ☆ ہر آیت کا شان نزول
- ☆ ہر آیت کا دوسری آیات سے ربط
- ☆ لغات القرآن سے متعلق تفصیلی بحث
- ☆ ہر موقع پر احادیث و اقوال سلف کو پیش نگاہ رکھا گیا ہے۔
- ☆ قدیم مفسرین کے منہج کا تتبع
- ☆ عام فہم
- ☆ عربی کا تمام قدیم تفاسیر کا نچوڑ

اپنی خصوصیات کے اعتبار سے اس تفسیر کو قرآنی شاہ کار سے تعبیر کرنا چاہیے۔

شاہ صاحب کے عقیدت مند اہل علم اور ان کے ورثائے عالی مقام سے ہم توقع رکھتے ہیں کہ ان کی تمام تصنیفات کو تینوں زبانوں (عربی، سندھی اور اردو) میں منتقل کیا جائے گا۔ تاکہ زیادہ سے زیادہ لوگ ان سے استفادہ کر سکیں، یا کم از کم عربی اور سندھی تصنیفات کا اردو میں اور اردو تصنیفات کو سندھی کے قالب میں ڈھالا جائے گا۔

شاہ صاحب بڑے صابر و ضابط بھی تھے۔ اس کی ایک مثال مولانا عبدالہادی عمری نے بیان کی ہے جو ”رموز راشدہ“ میں مرقوم ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ ایک مرتبہ شاہ صاحب ”اسلامی دعوتی کانفرنس“ میں برطانیہ تشریف لائے۔ جمعیت اہل حدیث کے دفتر (برمنگھم) میں بیٹھے ہوئے تھے کہ نبیوسعد آباد سے ان کو ٹیلی فون آیا۔ ٹیلی فون سنا اور رکھ دیا۔ پھر بار بار یہی کہتے رہے اللہ خیر کرے گا، اللہ فضل کرے گا۔ یہ کہتے ہوئے ان کے چہرے پر غم اور تشویش کے آثار ابھر آئے تھے۔ پوچھنے پر بھی یہی فرماتے رہے، اللہ فضل کرے گا، اللہ خیر کرے گا۔ اس دن پروگرام کے مطابق انہیں وطن جانا تھا۔ امام کعبہ بھی تشریف لائے تھے، شاہ صاحب لوگوں کے ساتھ دفتر سے اٹھے اور کانفرنس ہال میں پہنچے، تقریر کی اور دعوتی معاملات پر امام کعبہ سے گفتگو فرمائی لیکن چہرہ غم گین تھا۔ کانفرنس سے فارغ ہو کر پروگرام کے مطابق سیدھے ایئر پورٹ پہنچے، کسی کو کچھ نہیں بتایا کہ ٹیلی فون کس کا تھا اور اس میں کیا بتایا گیا تھا۔ وہ پاکستان پہنچ گئے بعد میں وہاں سے ٹیلی فون آیا کہ ان کی اہلیہ محترمہ کا انتقال ہو گیا تھا اور ٹیلی فون میں انہیں یہی اطلاع دی گئی تھی۔ ان کے جنازے کے متعلق طے کرنا مقصود تھا۔ یہ ان کے صبر و ضبط کی بہت بڑی مثال ہے۔

شاہ صاحب کے چار بیٹے تھے۔ ۱۔ محمد شاہ ۲۔ نور اللہ شاہ ۳۔ رشد اللہ شاہ ۴۔ ابراہیم خلیل اللہ شاہ افسوس ہے۔ محمد شاہ ۹ مارچ ۱۹۹۹ء کو انتقال کر گئے۔

سید بدیع الدین شاہ صاحب کے یہ مختصر مگر نہایت ضروری حالات تھے جو گزشتہ سطور میں بیان کیے گئے ہیں۔ اس عالم شہیر نے ۸ جنوری ۱۹۹۶ء کو وفات پائی اور ان کو آبائی قبرستان میں دفن کیا گیا۔

اللهم اغفر له وارحمه وعافه واعف عنه

☆ ابوالقاسم رانا محمد جمیل خان ☆

شیخ العرب والعجم

امام سید بدیع الدین شاہ راشدی رحمۃ اللہ علیہ پیر جھنڈا

قدیم دور سے اب تک سادات راشدیہ کا عظیم خاندان، دینی، سیاسی، مذہبی اور علمی لحاظ سے عالم اسلام میں بالعموم اور وادی سندھ میں بالخصوص خاصا مشہور ہے ہمارے زمانے میں اس خاندان سے دو افراد بہت مشہور ہیں ایک سیاست میں سید علی مردان شاہ راشدی المعروف بہ پیر نگار جو سندھ میں حروں کے روحانی پیشوا ہیں اور فتنشل مسلم لیگ پاکستان کے سربراہ ہیں جن کے سیاسی مزاح کا زمانہ معترف ہے اور اس سے محظوظ بھی ہے اور سرور بھی جو بیک وقت سیاست اور پیری مریدی دونوں کے مزے اڑا رہے ہیں۔ اور دوسرے علم میں ہمارے مدوح امام سید بدیع الدین شاہ راشدی المعروف بہ پیر جھنڈا جن کے علم و خطابت کا زمانہ معترف ہے جنہوں نے وادی علم و حق میں قدم رکھ کر، کانٹوں کو اپنا بستر بنایا، پھولوں کی بیج کو نہیں اور ان دونوں کا سلسلہ نسب، چھٹی پشت میں، پیر سید محمد راشد شاہ الحسنی سے مل جاتا ہے اور اسی نسبت سے یہ دونوں خاندان، راشدی کہلاتے ہیں۔

امام سید بدیع الدین راشدی، اس خاندان کے ایک ایسے ممتاز، منفرد اور عظیم فرد تھے اس طویل اور پر فتن دور میں، جن کے توحیدی نغموں، علمی ہمہوں اور خطاباتی طنطنوں سے، عرب و عجم کے طویل و عریض فاصلے، نصف صدی تک گونجتے رہے اور جن کی صدائے حق سے، بیت اللہ الحرام اور مسجد نبوی ﷺ سے لے کر، برصغیر پاک و ہند کی مساجد و مدارس تک قال اللہ وقال الرسول ﷺ کی پاکیزہ فضا میں، معطر اور مظفر رہیں اور آپ اہل ایمان کے دلوں کو گرماتے رہے تڑپاتے رہے اور حق کے پیاسوں کی پیاس بجھاتے رہے۔

☆ فاضل دارالعلوم اوڈانوالہ فیصل آباد، فاضل جامعہ محمدیہ گوبرانوالہ، فاضل وفاق المدارس السلفیہ پاکستان، فاضل عربی، فاضل علوم شریعہ، مدرس و خطیب جامع مسجد سنانوالہ سرگودھا۔

یہ مجھ پر اللہ کا فضل ہے اور یہ میری سعادت ہے کہ کاروانِ سلف کے تین آخری چراغوں اور قافلہ حق کے آخری تین ہادی خوانوں کے بارے میں، اپنے رشحاتِ فکر کو قلم و قرطاس کی زینت بنانا، میرے نصیب میں آیا جن کو میں نے اپنی جوانی کے قیمتی ایام میں قریب سے دیکھا تھا نہایت قریب سے والحمد للہ علی ذلک۔ چنانچہ اس سلسلہ میں میرا پہلا مضمون، امام حافظ محمد گوندلوی (م ۱۴۰۵ھ / ۱۹۸۵ء) کے بارے میں مفت روزہ اہل حدیث لاہور مجریہ اکتوبر ۱۹۸۵ء میں چھپا اور دوسرا مضمون امام المناظرین علامہ حافظ عبدالقادر روپڑی (م ۱۹۹۹ء) محترم بھائی مفتی حافظ عبدالوہاب صاحب روپڑی کی خواہش اور اجازت سے مفت روزہ تنظیم اہل حدیث لاہور مجریہ مارچ ۲۰۰۶ء میں چھپا اللہ ان لوگوں کو جزائے خیر عطا فرمائے جنہوں نے تنہائی کی گمنامی میں میرے جیسے بے نوا کی ان کے بارے میں تحریروں کو چھاپ کر میرے دل میں حوصلہ افزائی کی روح بھردی اور میرے دل کو شاداب و شادمان بنایا اور میرا یہ مضمون اس سفر مقدس کی تیسری کڑی ہے۔

شیخ العرب والعجم امام سید بدیع الدین راشدی کی شخصیت ایسی دلکش تھی اپنی گونا گوں صفات کی بنا پر کہ آپ کو فوت ہوئے دس سال کا طویل عرصہ گزر گیا لیکن زمانہ ابھی تک آپ کو یاد کرتا ہے جس نے آپ کا خطاب سنا ہے وہ بھی آپ کو یاد کرتا ہے جس نے آپ کی کوئی کتاب پڑھی وہ بھی آپ کو یاد کرتا ہے جس نے آپ کی گفتگو سنی وہ بھی آپ کو یاد کرتا ہے جس نے آپ کو دیکھا وہ بھی آپ کو یاد کرتا ہے جس نے آپ کے بارے میں کسی سے سنا وہ بھی آپ کو یاد کرتا ہے کیونکہ آپ کی شخصیت نے لوگوں کے قلوب و اذہان پر بڑے گہرے دینی و علمی اثرات چھوڑے ہیں میں نے گوشہ گمنامی میں، کئی بار آپ کے بارے میں لوگوں سے سنا۔

تجھے روئے گا زمانہ برسوں

آپ کا خطاب، علماء کے لئے بھی مفید ہوتا تھا اور عوام کے لئے بھی..... آپ اپنے خطاب میں، علماء اور عوام کی ذہنی استعداد کا گہرا ادراک رکھتے تھے اور بہت خیال رکھتے تھے غرضیکہ خَاطِبُوا النَّاسَ عَلٰی عَقُولِهِمْ (لوگوں سے ان کی عقل و سمجھ کے مطابق خطاب کرو) کا عمدہ نمونہ تھے۔

آپ نے عرب و عجم میں لوگوں کو، اپنے زورِ علم سے مسحور کیا اور جید علماء کی کثیر تعداد، اپنے پیچھے چھوڑ

گئے اور شیخ العرب والعجم کے لقب سے اپنی زندگی میں مشہور ہوئے اور اسی طرح عرب و عجم میں آپ نے لوگوں کو اپنے زور خطابت سے مسحور کیا محفوظ کیا، مسرور کیا اور خطیب العرب والعجم کے لقب سے اپنی زندگی میں مشہور ہوئے میں نے آپ کے خطاب پر لوگوں کو عیش عیش کرتے دیکھا چاہے، آپ کا وہ خطاب اردو زبان میں ہو چاہے سندھی زبان میں سامعین میں آپ کے خطاب سے علماء اور عوام یکساں محفوظ ہوتے تھے اور میں نے اپنی طالب علمی کے دوران، ۸۳، ۸۴، ۸۵ء میں کئی بار، سعودی جامعات کے بعض پاکستانی طلباء سے سنا وہ کہتے تھے کہ عرب لوگ مکہ مکرمہ میں اور مدینہ منورہ میں، آپ کا عربی خطاب ایسے شوق سے سنتے ہیں کہ وہ آپ کے اردو خطاب میں بھی اسے نہ سمجھنے کے باوجود بیٹھتے ہیں۔

آپ کے خطاب میں، فصاحت و بلاغت ہوتی، زور بیان ہوتا، روانی ہوتی، قرآن و حدیث کے دلائل کی بارش ہوتی، علمی و فقہی نکات ہوتے اسماء الرجال پر بحث ہوتی گمراہیوں کا رد ہوتا، دینی و مذہبی نصرت و حمیت ہوتی، دینی و مذہبی غیرت و محبت ہوتی اور آپ کی زبان میں، بادل کی گرج اور بجلی کی کڑک ہوتی اور آپ کی آواز گھنٹی کی طرح گونجتی تھی غرضیکہ آپ کا خطاب ایسا ہوتا کہ دلوں کو گرما دیتا تھا اور لوگوں کو مسحور کر دیتا تھا اور جو لوگ علمی بحث کو سمجھ نہ پاتے وہ بھی آپ کے خطاب کی داد دیے بغیر نہ رہ سکتے اور آپ کے خطاب میں جوش بھی ہوتا اور ہوش بھی..... بڑھاپے میں، بہت بڑھاپے میں.....

میں نے اپنی آنکھوں سے کئی علماء عظام دیکھے کہ جن کی مجالس و محافل، علماء و طلباء سے بھر پور ہوا کرتی تھیں امام حافظ محمد گوندلوی، استاذ الاساتذہ تلاء للقرآن الکریم علامہ حافظ عبداللہ بڑھیمالوی، علامہ عطاء اللہ حنیف بھوجیانی صاحب التعلیقات السلفیہ علی سنن النسائی، امام المناظرین علامہ حافظ عبدالقادر روپڑی، علامہ حافظ سید محبت اللہ شاہ راشدی صاحب اللواء السادس اور مفتی حافظ عبدالقہار دہلوی کی مجالس و محافل کو وہ لوگ نہیں بھول سکتے جنہوں نے ان کی مجالس و محافل سے علمی و روحانی فائدہ اٹھایا ہے لیکن آپ کی مجالس و محافل، ایک الگ شان لیے ہوئے ہوتی تھیں ان کی مجالس و محافل میں اکثر جمال ہوتا جو لوگوں کو اپنی طرف کھینچا کرتا تھا اور آپ کی مجالس و محافل میں اکثر جلال ہوتا اور جلال بھی ایسا جو لوگوں کو اپنی طرف کھینچا کرتا تھا۔ رحمہم اللہ اجمعین۔

ابتدائی تعارف:

میں نے دسویں جماعت میں تعلیم کے دوران، قرآن و حدیث کے طویل تحقیقی مطالعہ کے بعد، وسط جون ۱۹۷۶ء میں مذہب بریلوی چھوڑ دیا تھا اور مذہب اہل حدیث قبول کر لیا تھا اس لیے ان دنوں مجھے علماء اہل حدیث سے تعارف کا بہت شوق تھا مجلات اہل حدیث میں سے، پندرہ روزہ صحیفہ اہل حدیث کراچی، ہفت روزہ اہل حدیث لاہور، ہفت روزہ الاعتصام لاہور اور ہفت روزہ الاسلام گوجرانوالہ پڑھنے کو کچھ دن مجھے ملے ان میں علی مضامین سے فائدہ اٹھاتا اور ان میں علماء اہل حدیث کے نام پڑھتا تو وہ مجھے یاد ہو جاتے اس لیے جن علماء اہل حدیث کو میں نے نہیں دیکھا تھا ان کا تعارف، ان مجلات و رسائل کے ذریعہ تھوڑے ہی عرصہ میں ہو گیا تھا اور ان علماء کرام میں سے تعارف میں ایک آپ کی ذات گرامی تھی۔

آل پاکستان اہل حدیث کانفرنس منعقدہ لاہور اور اس میں آپ کے خطاب کی پہلی بار سماع

اس عظیم کانفرنس کے سارے پروگرام، مینار پاکستان کے سایہ تلے، میں نے اپنے کانوں سے سنے اور اپنی آنکھوں سے دیکھے یہ کانفرنس اوائل اپریل ۱۹۷۹ء میں منعقد ہوئی تھی اور اس سے چند دن پہلے صدر پاکستان جنرل محمد ضیاء الحق نے سابق وزیراعظم پاکستان ذوالفقار علی بھٹو کو پھانسی دلوائی تھی اس لئے اس کے رد عمل میں، پیپلز پارٹی پاکستان کی طرف سے اس کانفرنس کو نقصان پہنچنے کا خطرہ تھا لیکن نقصان نہ ہوا۔

دن کا وقت تھا کہ کانفرنس کے وسیع و عریض اسٹیج سے مناظر اسلام حافظ محمد ابراہیم کبیر پوری رحمۃ اللہ علیہ نے اعلان کیا کہ اب آپ کے سامنے شیخ العرب والعجم پیر سید بدیع الدین شاہ صاحب راشدی پیر آف جھنڈا خطاب فرمائیں گے اس موقع پر میں نے آپ کو پہلی بار دیکھا کہ آپ، اپنے سر پر ٹوپی اور عربی رومال اور اپنے بدن پر عربی جچہ پہنے ہوئے تھے آپ کی داڑھی سرخ تھی اور چہرے پر رعب و دبہ ہویدا تھا اسٹیج، فوٹو گرافروں سے بھرا ہوا تھا آپ چونکہ جاندار تصویر کے مخالف تھے اس لیے آپ کے مائیکروفون کے پاس تشریف لاتے ہی یہ اسٹیج فوٹو گرافروں سے خالی ہو گیا صاف ہو گیا اس تین روزہ عالمی کانفرنس میں بہت سے

علماء و خطباء میں سے دو ہی عالم و خطیب ایسے تھے جن کے خطاب سے پہلے فوٹو گرافر، اسٹیج سے نیچے اتر آئے اور فوٹو اترنے بند ہو گئے ان میں سے ایک امام المناظرین حافظ عبدالقادر روپڑی تھے اور دوسرے شیخ العرب والعجم امام سید بدیع الدین شاہ راشدی تھے آپ نے اس موقع پر لوگوں سے بھرے وسیع و عریض پنڈال میں توحید الہی پر جاندار خطاب فرمایا۔

جامعہ تعلیم الاسلام ماموں کا نحن میں صحیح البخاری کی آخری حدیث

پر آپ کا عالمانہ اور خطیبانہ درس اور خطبہ جمعہ المبارک

آپ نے شعبان المعظم ۱۴۰۰ھ / ۱۹۸۰ء میں منتظمین جامعہ ہذا کی دعوت پر یہاں صحیح البخاری کی آخری حدیث پر محدثانہ، فقیہانہ اور خطیبانہ درس دیا اور جامعہ ہذا کی طرف سے اس درس کے بڑے بڑے اشتہار چھپ چکے تھے میں دارالعلوم اوڈانوالہ میں تیسرے سال کی کتابیں پڑھ چکا تھا۔ مدرسہ ہذا کے بہت سے طلباء نے اکٹھے ہو کر، استاذی المحترم شیخ الحدیث والتفسیر مولانا محمد یعقوب صاحب ملہوی (م ۱۴۰۲ھ / ۱۹۸۱ء) سے اس درس کو سننے کی اجازت لی آپ سے اجازت ملتے ہی، بہت سے طلباء تیزی سے پیدل ہی قافلوں کی صورت میں اور تن تنہا، جامعہ میں پہنچ گئے اس تقریب میں آپ کا درس سننے کے لئے، قریب و بعید سے بہت سے علماء کرام میں سے لاہور سے تشریف لائے ہوئے، امام المناظرین علامہ حافظ عبدالقادر روپڑی، علامہ محمد عطاء اللہ حنیف بھوجیانی صاحب التحلیقات التفسیری علی سنن الترمذی، علامہ عطاء اللہ ثاقب مترجم فتح المجید شرح کتاب التوحید بنام ہدایہ المستقیم اور علامہ محمد سلیمان انصاری مفت روزہ الاعتصام لاہور بھی اس درس میں موجود تھے۔

ایک طالب علم نے حدیث کی قرأت کی اور اس کی شرح میں آپ کا درس شروع ہوا درس میں علماء اور عوام، آپ کے علم اور آپ کی خطابت سے محظوظ ہو رہے تھے کہ دورانِ درس ہی علامہ حافظ محمد بنیامین صاحب طور شیخ الجامعہ نے اور بعض طلباء نے آپ پر سوالات کی بوچھاڑ کر دی اور آپ نے مناظرانہ اور پر مزاح انداز میں ان کے مسکت جوابات دیے کہ سامعین، ہنس پڑے اور محفل، کشتِ زعفران بن گئی ایک صاحب نے سوال کیا کہ جنوب کی طرف سے علامہ عطاء اللہ بھوجیانی رحمۃ اللہ علیہ اٹھے اور گرج دار آواز میں بولے

کہ درس کا تسلسل جاری رہنا چاہئے درس کے بعد سوال کیجئے پس مجمع میں سناٹا طاری ہو گیا آپ نے صحیح البخاری کی آخری حدیث پر مفصل درس دیا اختتام درس پر میں ہال سے باہر نکل آیا اور میں نے علماء اور لوگوں کو دیکھا کہ وہ آپ کے درس سے خوش تھے بہت ہی خوش۔ اس موقع پر میں نے پہلی بار صلوٰۃ ظہر اور صلوٰۃ عصر آپ کی اقتداء میں ادا کیں جن کا روحانی لطف آج بھی اپنے سینے میں پاتا ہوں اور اسی موقع پر میں نے پہلی بار ہال اور دارالاضیف (مہمان خانہ) کے درمیان آپ سے سلام و مصافحہ کی سعادت حاصل کی۔

اگلے روز آپ نے یہیں جمعۃ المبارک کا خطبہ ارشاد فرمایا میں نے اس جمعۃ المبارک کا خطبہ اڑا مرید والہ کے پاس بستی اوڈ میں دیا اس کے بعد میں آپ کی زیارت کے اشتیاق میں جامعہ ہذا میں دوبارہ آ گیا اور میں نے علماء و طلباء سے سنا وہ کہتے تھے کہ حضرت پیر صاحب نے اتباع سنت اور ردِ تقلید میں علمی اور طویل خطبہ ارشاد فرمایا ہے آپ کے ساتھ آپ کے ایک محب خصوصی بھی تھے جو سندھ سے آئے تھے وہ ریڈیو پاکستان حیدرآباد سے گانے گایا کرتے تھے اب وہ توبہ کر چکے تھے شیخ العرب والعجم رحمہ اللہ نے عصر کی نماز شاہ شہید ہال میں پڑھائی اور اس کے بعد لوگوں کی فرمائش پر آپ کے ساتھی نے سندھی زبان میں حمد باری تعالیٰ اور نعت رسول ﷺ پیش کی سامعین میں جامعہ کے چند طلباء سندھی تھے جو اس کلام کو سمجھ رہے تھے جو نہیں سمجھ رہے تھے وہ بھی بیٹھے خوشی سے سن رہے تھے اس کے بعد آپ اپنے ساتھی کے ساتھ جامعہ کے مہمان خانہ میں تشریف لے آئے۔

جامعۃ ابی بکر الاسلامیہ کراچی میں، خمیر واحد کی حجیت پر

آپ کا تین دن بے مثال اور مفصل خطاب

رمضان المبارک ۱۴۰۲ھ / ۱۹۸۲ء میں آپ نے جامعہ ہذا کے منتظمین کی دعوت پر یہاں درجہ التخصّص فی مصلح الحدیث کے کثیر طلباء سے خمیر واحد کی حجیت پر، تین دن بعد نماز عشاء صحن کے مشرقی حصہ میں مفصل خطاب فرمایا اور آپ ہر روز، اس موضوع پر، یہاں قرآن و حدیث کے دلائل کے انبار پیش فرماتے اور منکرین کا رد فرماتے جامعہ ہذا میں حنفی طلباء نے جب اس مسئلہ میں، اپنے مذہب کا کذب و بطلان دیکھا تو انہوں نے بذریعہ رقعہ آپ کی طرف سوالات بھیجے جن کے آپ نے مُسکِت جواب دیے کہ وہ خاموش ہو گئے

اس مقدس موضوع پر، میں نے اتنا بے مثال اور مفصل خطاب، اپنی ساری زندگی میں کبھی نہیں سنا۔
افسوس! جامعہ ہذا میں میرے ایک ماہی قیام کے دوران حنفی طلباء کے ضد و تعصب اور اہل حدیث طلباء کی جہالت و حماقت نے جامعہ کے تعلیمی ماحول کو برباد کر دیا اور نوبت شدید باہمی رنجشوں اور لڑائی جھگڑے تک پہنچ گئی جس سے بعض طلباء شدید زخمی ہو گئے اور کراچی کی آب و ہوا کے ناموافق ہونے کی وجہ سے میں شدید مرض میں مبتلا ہو گیا اور میرے پاس کتاب بھی نہ تھی جس سے میری پڑھائی کا زبردست نقصان ہوا تھا ہم نے جامعہ کے بہترین مکتبہ سے خوب علمی استفادہ کیا جس کی بہترین یادیں آج بھی میرے سینے میں بسی ہوئی ہیں۔

آپ کے ہاں پہلا تین روزہ قیام اور علمی استفادہ

اس جامعہ میں قیام کے دوران، مجھے اس کے طالب علم محترم حافظ ثناء اللہ صاحب نے جامع مسجد موتی ڈینسو ہال بندر روڈ کراچی میں خطبہ جمعہ المبارک کے لئے کہا اور اسی دن عید الفطر تھی کیونکہ وہ عید کے لیے پنجاب آنا چاہتے تھے اور وہ اس مسجد کے خطیب تھے اور میرے آئندہ عزم سے آگاہ تھے میں نے مسجد مذکورہ میں خطبہ جمعہ دیا شیخ عبدالغفار صاحب تالے والے اور دیگر سامعین نے میری خوب حوصلہ افزائی کی ایک دو دن قیام کے بعد میں جامعہ ہذا سے آپ کی طرف سفر کے لئے براستہ سپر ہائی وے عازم ہوا مغرب کے بعد کافی اندھیرا ہو چکا تھا جب میں نیو سعید آباد پہنچا میں سندھی زبان نہیں جانتا تھا اور یہاں بہت سے لوگ اردو زبان نہیں جانتے تھے میں نے بس سے اترتے ہی ایک سواری سے امام راشدی رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں پوچھا کیونکہ میں نے اس سے اردو میں بات کرتے دیکھا تھا تو اس نے مجھے آپ کے بارے میں بڑی خوشی سے اردو زبان میں بتلایا اور پوچھنے پر مجھے بتلایا کہ میں راجپوت ہوں۔ میری قوم کا اور میری زبان کا۔ اس کے بعد میں نے ایک اور شخص سے آپ کے بارے میں پوچھا جس کا نام محمد شریف تھا اس نے مجھ سے پوچھا کہ آپ کہاں سے آئے ہیں؟ میں نے کہا چک ۱۲۷ شمالی سلاوالی سرگودھا سے اس نے کہا کہ وہ وہاں میرے رشتہ دار ہیں میں نے کہا وہ کون سے؟ اس نے مجھے بتلادیا غرضیکہ تعارف کا ایک طویل سلسلہ چل پڑا اور وہ مجھے بڑے اخلاق سے آپ کے پاس لے آیا آپ سے یہ شفقت بھری پہلی ملاقات، میرے لیے زندگی

کا عظیم سرمایہ ہے جسے میں کبھی نہ بھول سکوں گا آپ سے پہلی ملاقات ہی میں میری سفری تھکان اور طویل پریشانی دور ہو چکی تھی اور طویل بیماری بھول چکی تھی نماز عشاء پڑھی آپ نے میرے کھانے کا انتظام کروایا اور مکتبہ کے سامنے، سونے اور آرام کرنے کا بھی.....

اس تین روزہ قیام کے دوران، آپ سے کئی دینی مسائل میں راہنمائی لی آپ کے عظیم اور تاریخی مکتبہ میں دینی علمی کتابوں اور دینی قلمی مسودوں سے جی بھر کر علمی فائدہ اٹھایا اور حقیقت تو یہ ہے کہ آپ ان سب باتوں میں، حاتم طائی ثابت ہوئے انہی دنوں میں، آپ کے بڑے بھائی اور استاذ ماہر اسماء الرجال علامہ سید محبت اللہ شاہ راشدی رحمہ اللہ سے جامعہ دارالرشاد درگاہ شریف پیر جھنڈا میں پیدل چل کر، ملاقات کا شرف حاصل کیا اور ان کے عظیم اور تاریخی مکتبہ میں دینی علمی کتابوں اور دینی قلمی مسودوں سے جی بھر کر علمی فائدہ اٹھایا شیخ العرب والعجم رحمہ اللہ بھی اپنے مکتبہ میں، کتابوں سے استفادہ میں راہنمائی فرماتے تھے اور حوصلہ افزائی فرماتے تھے پنجاب کی طرف آتے ہوئے آپ نے مجھے اپنی تالیف کردہ مفصل علمی کتاب توحید خالص اور دیگر رسائل تحفہ میں دیے جو آج تک میرے پاس محفوظ ہیں۔ اور آپ کی یہ ضخیم علمی کتاب عقیدہ حلول اور عقیدہ وحدت الوجود کے کذب و بطلان میں بے مثال کتاب ہے۔

ڈاکٹر مسعود عثمانی کے بارے میں آپ کی رائے

ان دنوں ڈاکٹر عثمانی کی دعوت و تحریک ملک میں بالعموم اور کراچی میں بالخصوص زوروں پر تھی عید الفطر کے بعد میں ان سے ان کے وسیع و عریض کلینک میں مریضوں کے جم غفیر میں ملا اور انہوں نے میری خوب عزت کی اور میری خوب مہمان نوازی کی اور مجھے کیا ٹی کراچی میں واقع اپنے دفتر میں اپنی قدیم و جدید کتابوں کا پیکٹ دیا جس میں سے ایک کا نام، وفات النبی ﷺ تھا دوران گفتگو انہوں نے مجھے اپنی اس کتاب سے دکھاتے ہوئے کہا کہ آپ اہل حدیث ہیں اور نماز میں رفع الیدین پر بہت زور دیتے ہیں اور آپ کے علماء، مشرک ہیں اور اس کتاب سے علماء اہل حدیث کے نام اور ان کی کتابوں کے حوالے دکھائے شیخ الکل میاں سید نذیر حسین دہلوی، علامہ نواب وحید الزماں حیدر آبادی اور پیر سید بدیع الدین شاہ راشدی پیر جھنڈا اور کہنے لگے کہ مشرک کی نماز قبول نہیں اس کی بخشش نہیں بھی! اس کی فکر کرو میں صبح مسلم پڑھ چکا تھا

لیکن ان مسائل میں نہ مجھے پختگی تھی اور نہ مجھے علم۔ کیونکہ ان دنوں مدارس اہل حدیث میں قابل و ماہر اساتذہ تھے لیکن چند ایک کے سوا، جدید مسائل اور جدید فتنوں سے ناواقف تھے اس لیے علم و تحقیق کے نہ ہونے کی وجہ سے میں وہاں خاموش رہا اور سلام و مصافحہ کے بعد واپس چلا آیا۔

میں نے عصر کی نماز، جامع مسجد سیماڑی کراچی میں پروفیسر کمال عثمانی کے پیچھے ادا کی اور اس کے بعد ان سے ڈاکٹر عثمانی سے اپنی ملاقات کا ذکر کیا اور مذکورہ واقعہ سنایا وہاں مجھے بہت سے لوگ ملے پروفیسر کمال عثمانی نے میری بات، خاموشی اور توجہ سے سنی اور مسکراتے ہوئے کہا، اس دنیا میں صرف ڈاکٹر صاحب مسلمان ہیں اور باقی سب کافر ہیں اس لیے آپ ان سے کہتے کہ ڈاکٹر صاحب! آپ تو رفع الیدین کی سنت پر عمل کر لیا کریں۔

میں نے امام راشدی رحمہ اللہ سے ملاقات میں مذکورہ سارا واقعہ سنایا آپ نے خاموشی اور توجہ سے سنا اور مجھ سے فرمانے لگے، بھئی! اس دنیا میں صرف تین مسلمان ہیں اور باقی سب کافر اور مشرک ہیں۔ (۱) امام ابوحنیفہ (۲) امام بخاری اور (۳) ڈاکٹر مسعود عثمانی اور مسکرائے امام راشدی رحمہ اللہ کے اس مزاح اور طنز میں حقیقت میں، عثمانی علم کلام کا خلاصہ تھا تفصیل کا یہ موقع نہیں پھر آپ نے فرمایا: بھئی! پروفیسر کمال عثمانی صاحب اچھے دوست ہیں لیکن ابھی تک ان میں حقیقت ہے اور آپ نے مجھ سے اس حوالہ سے ان کے نماز جمعہ کا مروجہ حنفی طریقہ کا ذکر کیا۔

اواخر دسمبر ۱۹۸۸ء میں پنڈی، انک، مردان، اور پشاور میں تبلیغی سفر کے دوران پچاس ساٹھ افراد پر مشتمل، پروفیسر کمال عثمانی کے قافلہ میں شامل تھا اور انہی کے حکم پر، میں نے اس سفر کے دوران جامع مسجد اہل حدیث شیریں محل مردان میں بعد نماز فجر، قرآن و حدیث کا درس دیا تھا۔ اور یہی سفر، میرا ان سے آخری ملاقات ثابت ہوا طویل عرصہ گزر گیا میں نہیں جانتا کہ اب ان میں حقیقت کا اثر ہے یا نہیں؟

جناب سید مسعود احمد بی ایس سی کے بارے میں آپ کی رائے

اسی ملاقات میں، میں نے امام راشدی رحمہ اللہ سے ان سے کراچی میں اپنی ملاقات کا واقعہ ذکر کیا آپ نے سنا اور میری راہنمائی فرمائی اور فرمایا کہ یہ خارجی ہیں اور جناب سید مسعود احمد بی ایس سی، نئی

جماعت، نئے فرقہ جماعت المسلمین، رجسٹرڈ کے بانی تھے۔

آپ کے ہاں دوسرا تین روزہ قیام اور علمی استفادہ:

طویل عرصہ گزر چکا تھا علماء کرام سے علمی استفادہ کرتے ہوئے لیکن میری علمی پیاس نہ بجھی تھی جرائد اہل حدیث میں، دورہ تفسیر قرآن مجید کے بارے میں منعقدہ جامعہ اہل حدیث کراچی کورٹ روڈ اشتہار چھپا اور اس دورہ کے استاذ، التلا للقرآن الکریم البکاء من خشية اللہ علامہ حافظ عبداللہ بڑھیمالوی رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۴۰۵ھ/ ۱۹۸۵ء) تھے میں نے سوچا کہ شیخ مذکور سے دوبارہ تفسیر قرآن میں فائدہ اٹھاؤں اور واپسی پر امام راشدی سے بھی، دین و علم میں فائدہ اٹھاؤں۔

میں اواخر شعبان ۱۴۰۵ھ/ ۱۹۸۵ء میں جامعہ مذکورہ میں پہنچ گیا یہاں ایک دفعہ امام راشدی اپنے چند ساتھیوں کے ہمراہ تھوڑی دیر کے لئے تشریف لائے اور میں نے لوگوں کے جم غفیر میں آپ اور آپ کے ساتھیوں سے ملاقات کی اس حالت میں ایسا معلوم ہوتا تھا کہ آپ کو میرا علم ہی نہ ہوا اس دورہ سے فراغت کے بعد، میں کراچی میں ہی ٹھہر گیا کیونکہ مجھے امام راشدی سے ملاقات کا شوق تڑپاتا تھا عید الفطر کے بعد میں نے مرکزی جامع مسجد اہل حدیث دہلی کالونی کراچی میں ایک بار بعد نماز عصر اور دوبار بعد نماز مغرب، درس قرآن و حدیث میں نمازیوں سے خطاب کیا اور میرا یہ قیام کراچی میں آخری قیام ثابت ہوا۔

امام راشدی کی زیارت کے انتہائی شوق میں، میں کراچی سے براستہ سپر ہائی وے نیو سعید آباد روانہ ہو گیا نماز عشاء کی جماعت کے بعد میں مرکزی جامع مسجد اہل حدیث نیو سعید آباد پہنچا آپ نماز کے نوافل گھر پر ادا کیا کرتے تھے تو آپ سے مسجد ہذا کے جنوبی دروازہ میں ہی سے نکلتے ہوئے ملاقات ہو گئی میں نے آپ سے مصافحہ کیا اور آپ نے مجھ سے معاف کیا اس ملاقات میں آپ مجھ سے بہت خوش ہوئے اور فرمایا: آپ تین سال پہلے بھی یہاں آئے تھے؟ میں نے عرض کیا: جی ہاں! آپ نے فرمایا: مجھے یاد ہے میں حیران تھا کہ بڑھاپے میں آپ کا یہ حافظہ۔ آپ نے کھڑے کھڑے مجھ سے فرمایا: کل بعد نماز عشاء اسی مسجد میں آپ کا خطاب ہوگا میں گھبرایا اور شرمندہ ہوا کہاں آپ کی معروف اور عظیم شخصیت اور کہاں میں گننام اور کمترین؟ آپ نے محبت و شفقت بھرے لہجے میں مسکراتے ہوئے پھر فرمایا: آپ کا خطاب ضرور ہوگا میں نے کہا: جی!

ٹھیک ہے آپ نے اسی وقت مسجد کے لاؤڈ اسپیکر پر ایک جوان سے میرے خطاب کا اعلان کروادیا جس کی مجھے اپنے نام کے سوا، کسی سندھی لفظ کی سمجھ بھی نہ تھی بس نام کے سیاق و سباق سے ہی سمجھا آپ نے اپنے ساتھیوں سے میرے کھانے اور میرے آرام کرنے کے انتظام کے لئے کہا اور کھانا کھانے کے بعد میں مکتبہ کے جنوب مشرق جانب کھلے صحن میں سو گیا۔

نماز فجر میں آپ کی لمبی اور پرسوز قرأت:

سارے دن کے سفر کا تھکا مارا تھا اس لئے میں نیند میں مست ہو گیا اذان فجر کی کوئی خبر نہ ہوئی اور نہ ہی مجھے کسی نے جگایا پس جب آپ نے نماز فجر کے پہلے قیام میں سورۃ فاتحہ کی قرأت کی تو میں پریشانی اور شرمندگی میں اٹھا اور بول و براز کے لئے دور کھیت میں چلا گیا استنجاء و وضوء کے بعد میں نے پہلا قیام پالیا آپ کی قرأت کیا تھی؟ سوز و گداز میں ڈوبی ہوئی۔ دل کرتا تھا کہ آپ بس قرآن کریم کی قرأت کریں اور رکوع میں نہ جائیں اور لوگ بھی ایسے کہ اس سوز و گداز میں مست..... میں نے اپنی جوانی کے انہی ایام میں بڑے بڑے علماء کی امامت میں نماز ادا کی لیکن آپ کی امامت میں، جو نمازیں ادا کیں، ان کا روحانی لطف کبھی نہ بھلا سکوں گا۔

نماز عشاء میری امامت میں اور میرا خطاب:

دوبارہ بھی میرے خطاب کے لئے، آپ کی مسجد میں اعلان ہوا گرمی کا موسم تھا میرا خطاب سننے کے لئے بہت سے لوگ مسجد میں آگئے تھے جماعت کا وقت ہوا آپ نے مجھے دور سے کھڑے کھڑے امامت کے لئے اپنے مصلیٰ پر کھڑا ہونے کے لئے فرمایا میں نے شرماتے ہوئے انکار کیا لیکن آپ نے اس پر اصرار فرمایا جماعت و نوافل کے بعد میں نے توحید کے فوائد اور شرک کے نقصانات پر تقریباً پون گھنٹہ اردو زبان میں خطاب کیا اور سب لوگ خاموشی اور سکون سے اپنی جگہوں پر بیٹھے میرا خطاب سنتے رہے خطاب کے بعد، آپ ﷺ نے میری بہت حوصلہ افزائی فرمائی جو میرے لیے بہت بڑا اعزاز و اکرام اور میرے لیے بہت بڑی یادگار ہے۔

اپنی کتابوں کا تحفہ:

آپ نے اسی قیام کے دوران، مجھے اپنی دو عظیم کتابیں، تحفہ کے طور پر، اپنے مبارک ہاتھوں سے عطا فرمائیں، ان میں سے ایک جلاء العینین فی تخریج احادیث رفع الیدین للامام البخاری رحمہ اللہ تھی جو عربی زبان میں بے مثال تخریج و تحقیق ہے جسے ادارہ علوم اثریہ فیصل آباد نے چھپوایا تھا اور دوسری کتاب تنفیذ سدید بہ رسالہ اجتہاد و تقلید تھی جو مولوی محمد ادریس کاندھلوی حنفی کی کتاب اجتہاد و تقلید کا مندرجہ جواب تھی یہ کتاب مجھے جامعہ اہل حدیث کراچی میں انعام کے طور پر مل چکی تھی اس لیے میں یہ دوسری کتاب آپ کو یہ عذر پیش کرتے ہوئے واپس کر دی تھی۔

آپ کا چارپائی کی پائندی پر باصرار بیٹھنا

اسی قیام کے دوران میں مکتبہ راشدہ کے جنوب مشرقی جانب میں نماز مغرب کے بعد، اندھیرے میں چارپائی پر لیٹا ہوا تھا آپ میرے پاس تشریف لائے میں آپ کے ادب و احترام کے لئے جلدی میں چارپائی سے اٹھا تاکہ آپ چارپائی کے سرہانے بیٹھ جائیں لیکن آپ نے مجھے باصرار اور بعدت چارپائی کے سرہانے کی طرف بٹھایا اور خود اس کی پائندی پر بیٹھ گئے آپ کی عاجزی و انکساری کی انتہاء تھی اور میری شرمندگی کی انتہاء تھی اور آپ نے بڑی محبت و شفقت اور بڑی حوصلہ افزائی اور دریا دلی سے مجھ سے باتیں کیں اور میری باتیں سنیں۔

ایک دیوبندی عالم سے میرے طویل مناظرے کی روئیدار اور آپ کا اسے سن کر مسکراتے ہوئے جواب دینا۔

اسی قیام کے دوران رات کے وقت میں نے آپ کو ایک دیوبندی عالم مفتی عزیز الرحمن شیخ الحدیث دارالعلوم کورنگی کراچی سے اپنا طویل مناظرہ سنایا جو عید الفطر کے بعد اسی مدرسہ میں بلا قصد و ارادہ ہو گیا کیونکہ میں نے مفتی محمد تقی عثمانی سابق جسٹس و فاقی شرعی عدالت کراچی کے بعض مضامین مذہب اہل حدیث کے ترجمان جریدہ مفت روزہ الاعتصام لاہور میں پڑھے تھے اور میں نے کراچی میں آمد کی وجہ سے مفتی مذکور

صاحب سے بھی علمی فائدہ اٹھانا چاہا جمعہ المبارک کا دن تھا مفتی محمد تقی عثمانی تو ابھی اس مدرسہ میں تشریف نہ لائے تھے کہ مفتی عزیز الرحمن اور ان کے تین ساتھیوں سے سامنا ہو گیا میں نے ان سے سلام کے بعد مصافحہ کیا جب مفتی عزیز الرحمن سے مصافحہ کرنے لگا تو انہوں نے کہا: اپنا دوسرا ہاتھ بھی ملایئے میں نے کہا: جناب! کیا یہ قرآن و حدیث میں ہے؟ انہوں نے کہا: کیا آپ غیر مقلد ہیں؟ میں نے کہا: آپ مقلد اور غیر مقلد کی بحث چھوڑیئے قرآن و حدیث سے ثابت کیجئے انہوں نے کہا: اگر دوسرا ہاتھ ملالیا تو کیا ہو جائے گا؟ میں نے کہا: مصافحہ، صفحہ سے مشتق ہے جس کا معنی اردو زبان میں ہتھیلی ہے اور مصافحہ، باب مفاعلہ سے ہے اور اس کا معنی ہے ایک ہتھیلی کا دوسری ہتھیلی سے ملنا اور میں نے اپنی ہتھیلی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا: علامہ صاحب! یہ ہتھیلی ہے اور اس کی پشت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ یہ ہتھیلی نہیں ہے اور جب ہتھیلی اس پشت سے ملے گی تو یہ مصافحہ نہیں ہے انہوں نے کہا: اگر مل گیا تو کیا ہو جائے گا؟ میں نے کہا: یہ مصافحہ نہیں ہے۔ مفتی صاحب گورے اور سرخ تو تھے ہی غصہ میں اور سرخ ہو گئے اور کرسی سے اٹھے اور خاموش ہو کر مغرب کی طرف چل دیے اور میں ان کی طرف دیکھتا رہا اتنے میں ایک اور بوڑھے مولوی صاحب آ گئے اور کرسی پر بیٹھ گئے اور پہلے دو دیوبندی مولویوں میں سے ایک غصہ میں آ گیا اور مجھ سے کہنے لگا آپ کہاں سے آئے ہیں؟ میں نے کہا: سلانوالی سرگودھا سے اس نے نہایت غصہ میں گرجتے ہوئے کہا، آپ نہیں جانتے یہ مفتی عزیز الرحمن صاحب ہیں جو اس دارالعلوم کے شیخ الحدیث ہیں آپ نے مفتی صاحب سے گستاخی اور بدتمیزی کی ہے اگر کوئی اور ہوتا تو وہ آپ کو جوتے مارتا میں نے کہا: میں جاہل آدمی ہوں میں نے مفتی صاحب سے کوئی گستاخی اور بدتمیزی نہیں کی میں نے تو یہی کہا کہ مصافحہ، صفحہ سے ہے جس کا معنی ایک ہتھیلی کا دوسری ہتھیلی سے ملنا ہے اور یہ باب مفاعلہ سے ہے وہ غصہ میں خاموش ہو گیا اور بوڑھے مولوی صاحب نے کہا: جاہل آدمی تو اس طرح کی علمی بات نہیں کر سکتا جو آپ نے کی ہے میں نے بات کرنا چاہی اس نے کہا ہنستے ہوئے اب بس کرو اچھا! آپ یہ بتلائیے وہی سلانوالی جہاں مولویوں نے کواکھایا تھا میں نے کہا: جی ہاں! مدرسہ حسینیہ حنفیہ میں جو دیوبندیوں کا مدرسہ ہے پھر وہ ہنستے ہوئے خاموش ہو گیا اور وہ اپنے ساتھیوں سے اسی بارے میں باتوں میں مشغول ہو گیا۔

امام راشدی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ سارا واقعہ خاموشی سے سنا اور مجھ سے فرمایا: بھی! مقلد کے پاس جواب نہیں ہوتا کیونکہ اس کے پاس قرآن و حدیث کا علم نہیں ہوتا وہ آپ کی بات کا کیسے جواب دیتا؟ میں نے عرض کیا: جناب شاہ صاحب! کیا سلام کے وقت، دونوں ہاتھوں کو ملانے کے بارے میں قرآن و حدیث میں کوئی ثبوت ہے؟ آپ نے فرمایا: نہیں! ہاں بات کے دوران دونوں ہاتھوں کے ملانے کا ذکر، صحیح البخاری میں ہے پھر میں نے صحیح البخاری میں یہ ثبوت دیکھ لیا۔

قارئین کرام! اس واقعہ کو بائیس سال کا طویل عرصہ گزر گیا میں نے یادداشت کے طور پر اس واقعہ کو کاغذ پر لکھ لیا تھا امام راشدی رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں مضمون لکھتے وقت آپ کے علمی استفادہ کے لئے یہ خوبصورت واقعہ بھی لکھ دیا تاکہ جو نہیں جانتے وہ جان لیں کہ دیوبندی مقلدین کے مدارس کے شیوخ الحدیث کا اخلاق کیسا ہے؟ ان کا علمی مقام کیا ہے؟ پچھلے دنوں سرحد اسمبلی میں ایم ایم اے حکومت کے پیش کردہ بعض بلوں کے دوران مفتی عزیز الرحمن کا نام پڑھا تھا تو وہی شخصیت یاد آگئی جب اساتذہ میں یہ فقہی جمود و تعصب ہے تو ان کے شاگردوں کے کمالات کا کیا کہنا (ہائے اسلام کی غربت) اور کوا کھانے والوں میں اور اسے پکڑنے والوں میں اور اسے ذبح کرنے والوں میں سے بعض عظیم شخصیتیں، ابھی تک زندہ ہیں اور شہر سلانوالی میں دینی اور سیاسی میدان میں زینت بنی ہوئی ہیں اور مجھے بھی اپنے نادان دوستوں کے ساتھ ساتھ، گمنامی کی تنہائی کی طرف دھکیلنے میں اور دینی تعلیم و تدریس میں روڑے اٹکانے میں اور میرے خلاف اُکسانے اور بھڑکانے میں انہی جرنیلوں کا کردار نمایاں ہے اور وہ کوا کھانے کی ساری کہانی بڑے مزے سے سناتے ہیں اور اسی طرح ان کا مجھے اہل حدیث بنانے میں بھی بنیادی کردار ہے کیونکہ اگر وہ کوا نہ کھاتے تو میں ان دنوں مذہب دیوبند قبول کر لیتا مذہب اہل حدیث قبول نہ کرتا اور بریلوی مذہب نہ چھوڑتا۔ جزاء اللہ احسن الجزاء دارالعلوم کراچی میں مفتی عزیز الرحمن سے دوران گفتگو میں کھڑا رہا نہ انہوں نے مجھے بٹھایا اور نہ میں بیٹھا اور وہ اور ان کے ساتھی کرسیوں پر بڑی شان و شوکت سے بیٹھے رہے اور نہ ہی مفتی صاحب نے مجھ سے مصافحہ کیا اور نہ ہی مجھے قرآن و حدیث سے کوئی ثبوت دیا، چوری بھی اور سینہ زوری بھی۔ جب مساجد و مدارس کے فرقہ وارانہ جمود، تعصب اور نفرت کا یہ حال ہے تو امت محمدیہ کیسے ایک ہو؟ پاکستان میں اسلام کا

نفاذ کیسے ہو؟ میں اس سلوک پر مزید لکھنا نہیں چاہتا کہ کہیں آگینے ٹوٹ نہ جائیں، کہ کہیں ان آگینوں کو ٹھیس نہ لگ جائے۔

ایک سندھی گروہ کا آپ کے سامنے آپ کے بارے میں غلو اور آپ اور آپ کے ساتھیوں کی غصہ میں اس پر ڈانٹ اور اس سے روک:

قریب و بعید کے لوگ تو آپ سے ملنے کے لئے ہر روز انفرادی اور اجتماعی طور پر آپ کے پاس آتے ہی رہتے تھے صوبہ سندھ میں قبیلہ سادات کا لوگوں کے دلوں میں بہت ادب و احترام ہے لیکن میں نے کئی بار دیکھا کہ اکثر لوگ اس معاملہ میں غلو میں مبتلا تھے اور ادب و احترام میں شرعی حدود و احکام کا خیال نہیں رکھتے تھے اور وہ یہ سب کچھ بزعم خود، ان سے محبت و عقیدت میں کرتے تھے۔

اس قبیل کے واقعات تو میں نے کئی بار دیکھے لیکن ایک واقعہ ذکر کیے دیتا ہوں وہ یہ کہ امام راشدی سوائے جمعہ المبارک کے ہر روز، اپنے مکتبہ کے جنوبی طرف برآمدہ میں دروازہ کے پاس گدے پر تشریف فرما ہوتے تھے جناب مولوی عبدالعزیز صاحب اور مولوی عبدالغفار صاحب جو نبو، آپ کو حسب ضرورت، تالیف کتاب اور تحقیق مسئلہ میں حوالہ کے لئے کتابیں لا کر دیتے اور پھر آپ ان سے عبارت اور حوالہ لکھواتے۔

ایک دفعہ جب آپ یہیں تشریف فرما تھے تو آپ کے سامنے سے آٹھ نو افراد پر مشتمل گروہ نمودار ہوا اور وہ آپ کو دور سے دیکھتے ہی زمین سے قریب نہایت جھکتے ہوئے آپ کی طرف آ رہے تھے آپ نے انہیں اس حالت میں آتے دیکھا تو ان پہ نہایت غصہ ہوئے آپ اور آپ کے ساتھیوں نے بھی انہیں اس عمل سے روکا اور کہا کہ یہ قرآن و حدیث کے خلاف ہے حرام ہے یہاں تک کہ آپ کے ساتھیوں نے انہیں اپنے ہاتھوں سے روکا لیکن وہ اپنے اس عمل سے باز نہ آئے اور گرتے پڑتے قریب آ کر تو وہ جدہ میں گر گئے آپ نے انہیں روکا لیکن بھلا وہ رکنے والے کہاں تھے؟ پھر وہ سیدھے ہو کر ادب سے آپ کے پاس بیٹھ گئے اور ان سب نے آپ کے سامنے سندھی زبان میں کوئی مسئلہ یا کوئی جھگڑا پیش کیا جسے میں نہیں سمجھتا تھا آپ نے فیصلہ فرمایا اور پھر نامعلوم! کس بات پر آپ ان پر سخت ناراض ہوئے اور سخت غصہ میں انہیں پاس سے نکل جانے کو کہا وہ پچھلے پاؤں واپس جانے لگے تاکہ آپ کی طرف ان کی پیٹھ نہ ہو آپ اور آپ کے ساتھیوں نے

اس عمل سے بھی انہیں روکا لیکن وہ حسب سابق باز نہ آئے اور گرتے پڑتے دور جا کر، دروازے سے باہر نکل گئے اور سیدھے ہو کر چلے گئے۔

آپ سے اجازت اور آپ کے بڑے بھائی علامہ سید محبت اللہ شاہ راشدی کی زیارت:

اس مختصر قیام میں میں نے آپ سے اپنے گھر آنے کی اجازت لی اور آپ کے بڑے بھائی اور استاذ علامہ سید محبت اللہ شاہ راشدی رحمہ اللہ سے ملاقات کے بعد، بذریعہ ریل براستہ نواب شاہ خانیوال، جھنگ، سلاوالی اپنے گھر پہنچا۔

اس قیام کے دوران بھی میں نے آپ کے بڑے بھائی اور استاد ماہر اسماء الرجال، شاعر اسلام علامہ سید محبت اللہ شاہ راشدی رحمہ اللہ سے ملاقات کی اور نیو سعید آباد سے درگاہ شریف پیر جھنڈا پیدل ہی روانہ ہو گیا تین میل کی مسافت ہوگی گرمی کا موسم تھا جامعہ دارالرشاد کے پاس میں نے ایک آدمی سے آپ کے بارے میں پوچھا تو اس نے مجھے بتلایا کہ پیر سائیں کار میں بیٹھے ہیں اور اپنے ایک بیٹے کے ساتھ کراچی جانے والے ہیں میں پسینے میں شرابور تھا اور میری پرانی جوتی، گرد و غبار سے اٹی پڑی تھی اور میرا چہرہ بھی پسینہ اور گرد و غبار سے اٹا پڑا تھا میں نے اس آدمی سے کہا کہ آپ پیر سائیں سے کہو کہ پنجاب سے آپ کا مہمان آیا ہے اور میں ابھی منہ ہاتھ اور پاؤں دھو کر آپ کے پاس آیا میں وضو خانے میں اپنے منہ ہاتھ اور پاؤں دھوتا رہا اس نے مجھے کہا جلدی آؤ پیر سائیں جانے والے ہیں میں نے کہا میں ابھی آیا میں وضو خانہ سے نکلا مسجد کے شمال میں کھلی جگہ پر آپ کار میں سوار تھے آپ نے مجھے دیکھا تو مسکراتے ہوئے کار سے باہر نکلے بڑھاپے کی حالت میں میں نے سلام کیا مصافحہ کیا اور آپ نے مجھ سے معاف فرمایا اور دوسروں سے بھی میں نے مصافحہ کیا سخت دھوپ میں کھڑے کھڑے مختصر بات ہوئی میرے اور آپ کے درمیان پھر آپ نے فرمایا میں کراچی جانے والا ہوں اور مجھے دیر ہوگئی ہے آپ نے اپنے خادم بابا جمالی کو حکم دیا کہ یہ مہمان پنجاب سے آیا ہے اسے ٹھہراؤ، مکتبہ دکھاؤ، اور آپ سلام و مصافحہ کے بعد کراچی روانہ ہو گئے اور میں ایک رات قیام کے بعد، اپنے وطن کی طرف روانہ ہو گیا اور اس مختصر قیام میں، میں نے آپ کے کتب خانے سے ہلکا سا استفادہ

کیا، دونوں بھائیوں کی شکل میں بہت مشابہت تھی دونوں کی داڑھی بڑی بڑی، سر کے بال، کان کی لوٹک، مونچھیں کٹی ہوئی، اور داڑھی سے ملی ہوئی، سر پر سندھی ٹوپی، شلوار قمیص میں ملبوس، رات کے وقت، تہبند پہنتے تھے نظر صحیح، ناک پتلی اور لمبی، تیز نقش، خوبصورت لگتے تھے لیکن رنگ اور قد میں فرق تھا بڑے بھائی کا رنگ گورا اور داڑھی اور سر کے بال سفید تھے مہندی وغیرہ سے رنگے ہوئے کبھی نہ دیکھے، اور بھاری قد اور چھوٹے بھائی کا رنگ سانولا اور قد پتلا اور داڑھی اور سر کے بال، مہندی وغیرہ سے رنگے ہوتے تھے اور سرخ اور پیلے ہوتے تھے اس کے باوجود مجھے ہمیشہ دونوں بھائیوں کی شکل میں مشابہت نظر آئی۔

آخری ملاقات:

مارچ ۱۹۸۹ء میں، میں سالانہ اجتماع بونگہ بلوچاں بھائی پھیرو (پھول نگر) قصور میں گیا وہاں آپ کا طویل خطبہ خطۃ المبارک سنا مسجد سامعین سے بھری پڑی تھی خطبہ میں جوش اور دلائل، دیدنی تھا اس کے بعد آپ سے ملاقات تو نہ ہو سکی لیکن اگلے روز نماز فجر کے بعد بقیۃ السلف مولانا حافظ محمد یحییٰ صاحب میر محمدی رحمہ اللہ سے طویل ملاقات کی سعادت بڑے خوشگوار ماحول میں حاصل ہوئی آپ بڑی شفقت و محبت سے ملے اور مجھے رخصت فرمایا میں مسجد سے نکلا تو مسجد کے شمال میں میرے سامنے امام راشدی کھڑے تھے میں ان سے ملا آپ حسب سابق بڑی محبت و شفقت سے ملے اور مجھ سے معاف فرمایا اور مجھے پہچان گئے مختصر وقت میں میری آپ سے بہت سی باتیں ہوئیں دوران ملاقات گوجرانوالہ کے ایک ماسٹر صاحب نے میری تصدیق کے بغیر مجھ سے منسوب ایک جھوٹی بات کے بارے میں شرعی لحاظ سے پوچھا آپ نے اس کی بات کا کوئی جواب نہ دیا اور مجھ سے فرمایا کہ ہمیں مدرس و خطیب کی ضرورت ہے آپ ہمارے پاس آجائیے میں نے عرض کیا؟ جناب! میں تو اس وقت مدرس ہوں خطیب ہوں آپ نے فرمایا: آپ اسے چھوڑ دیجئے اور ہمارے پاس آجائیے میں نے عرض کیا جناب! میرے لیے چھوڑنا بہت مشکل ہے اور میرے حالات بھی خراب ہیں آپ نے فرمایا ہم آپ سے تعاون کریں گے گھبرائیے نہیں اس گفتگو کے دوران ایک کار آپ کے پاس آ کر رکی اور پروفیسر حافظ محمد سعید صاحب امیر مرکز الدعوة والاارشاد پاکستان موجودہ امیر جماعۃ الدعوة پاکستان نے آپ سے کہا شیخ صاحب! کار میں بیٹھے اور وہ کار سے باہر آ گئے اور بڑے ادب و احترام سے آپ کو کار میں بٹھایا

آپ نے سلام و مصافحہ کے بعد بیٹھتے ہوئے میری طرف اپنا چہرہ مبارک کر کے بلند آواز سے فرمایا آپ ہمارے پاس آجائیے کارروانہ ہوگئی اور میں حسرت بھری نگاہوں سے آپ کی طرف دیکھتا رہا مجھے معلوم نہ تھا کہ یہ میری آپ سے آخری ملاقات ہے اس کے بعد، آپ نے اپنی زندگی کے چھ سال گزارے لیکن افسوس! مجھے آپ سے ملاقات کا ایک مقدس موقع میسر نہ آیا۔

آپ سے آخری خط و کتابت:

رمضان المبارک کا مہینہ گزر گیا اور میرے خطوط کے جواب میں، مجھے آپ کی طرف سے تین خطوط، آپ کے لیٹر پیڈر موصول ہوئے جن میں آپ نے مجھے اپنے ہاں آنے کا حکم فرمایا اور میں ہر خط کے جواب میں اپنے عذر اور اپنی مجبوریاں ذکر کرتا رہا، اور حقیقت بھی یہی ہے کہ میرے حالات بھی ایسے تھے کہ میں آپ کے پاس نہ جاسکتا تھا آپ کے یہ تین خطوط اور ان میں آپ کی یہ نیک پیش کش، میرے لیے عظیم اعزاز و اکرام ہے۔

آپ کا آخری تحفہ:

اس کے بعد دو تین بار جناب محمد شریف نیو سعید آباد مجھے ملنے کے لئے میرے گھر آئے میں نے واقعہ سنایا اور کہا: پیرسائیں مجھ سے ناراض تو نہیں ہیں اس نے کہا پیرسائیں آپ سے ناراض نہیں ہیں میں اس کے ذریعہ آپ کی طرف اپنا سلام زبانی طور پر پہنچا دیتا اور آپ میری طرف اپنا سلام اس کے ذریعہ پہنچا دیتے۔

اس شخص نے ایک دفعہ مجھے بتلایا کہ پیرسائیں نیو سعید آباد میں دریائے سندھ کے پاس چند لوگوں کے مالی تعاون سے ایک بڑا دینی مدرسہ بنوا رہے ہیں نامعلوم! یہ مدرسہ بنا ہے یا نہیں؟

اور اسی طرح اس شخص نے ایک دفعہ مجھے بتلایا کہ پیرسائیں نے سندھی زبان میں قرآن کریم میں سے سورۃ البقرۃ کی تفسیر لکھی ہے وہ چھپ چکی ہے میں پیرسائیں سے وہ آپ کو لا کر دوں گا میں سندھی زبان تو نہیں جانتا تھا اس کے بعد وسط جولائی ۱۹۹۱ء میں، میں جہلم، پنڈی، واہ، اسلام آباد، آزاد کشمیر، ناران، ایبٹ آباد، ہری پور کے تیس روزہ طویل دعوتی و تبلیغی دورے پر روانہ ہو گیا اسی دورہ کے دوران ہی اس نے یہ تفسیر

پیرسائیں سے لاکر، میرے گھر میں میرے بھائی کو دے دی جو بدیع التفاسیر کے نام سے معروف ہے اور سورۃ البقرۃ کی تفسیر کا نام ہے۔ بشری البرۃ فی تفسیر سورۃ البقرۃ۔

اس تفسیر کی قدر و منزلت تو صحیح معنوں میں سندھی زبان کو جاننے والے متلاشیانِ حق ہی جانتے ہیں لیکن قرآن وحدیث، فقہ، لغت، اقوال کی عربی عبارات سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ تفسیر قرآن میں امام تھے جیسا کہ آپ حدیث، فقہ، عقائد اور مذاہب میں امام تھے اور آپ کو تحریر و تقریر اور کلام و مناظرہ میں ان سب کو بیان کرنے پر یکساں عبور حاصل تھا۔

اَلْحُبُّ لِلّٰہِ وَالْبُغْضُ لِلّٰہِ

آپ اس حدیث کی زندہ تصویر تھے میں نے آپ کے ہاں قیام کے دوران، آپ کو دیکھا کہ آپ اپنے ایک بیٹے سے نہیں بولتے اور میں نے وہاں لوگوں سے سنا کہتے تھے کہ پیرسائیں اپنے اس بیٹے سے داڑھی منڈھوانے اور نماز نہ پڑھنے پر ناراض ہیں اور اس سے بات نہیں کرتے میں جب وہاں گیا تو وہ جماعت سے نماز پڑھنے کے لئے تو مسجد میں آیا کرتا تھا اور وہ مجھ سے اچھے اخلاق سے ملا لیکن ابھی تک وہ داڑھی موٹھتا تھا اس لئے آپ اس سے ناراض تھے۔

اور اسی طرح اس قیام کے دوران میں نے لوگوں سے سنا کہ آپ کے ایک بھائی ہیں ان کا نام پیر سید محی الدین شاہ راشدی ہے وہ وحدت الوجود صوفی ہیں اور ان کے قوالی کی محفل ہوتی ہے آپ اسے ان باتوں سے روکتے ہیں اور اس سے ناراض ہیں۔

پیر پگاڑا کے سیاسی جلسہ میں آپ کا کلمہ حق:

میں شروع میں بتلا چکا ہوں کہ امام راشدی اور پیر پگاڑا ایک ہی خاندان کے دو فرد ہیں اس تعلق کے بارے میں کچھ تاریخی باتیں، مجھے آپ کے بڑے بھائی علامہ سید محبت اللہ شاہ راشدی رحمۃ اللہ علیہ نے پہلی ملاقات میں تفصیل سے بتلائی تھیں جن کا ذکر باعث طوالت ہے اور تاریخ کی یہ امانت، اب تک میرے سینے میں محفوظ ہے۔ جیسے یہاں لوگوں نے بتلایا کہ ۱۹۷۱ء میں آپ کے چچا زاد پیر پگاڑو، آپ کے پاس نیو سعید آباد میں انتخابی جلسہ میں تقریر کی دعوت دینے کے لئے تشریف لائے آپ نے جواب میں فرمایا میں تو جمہوریت

کے مخالف ہوں اس لیے میں تقریر نہیں کروں گا پیر پگاڑو نے اصرار کیا تو آپ نے فرمایا میں لوگوں سے یہ کہوں گا کہ آپ بھٹو کو ووٹ نہ دیں اور یہ نہیں کہوں گا کہ وہ آپ کو ووٹ دیں پس آپ نے اس انتخابی جلسہ میں خطاب فرمایا اور آپ نے اپنے خطاب میں توحید باری تعالیٰ پر خوب بولے اور اس میں شرک اور مروجہ پیری مریدی کے خلاف بھی خوب بولے پیر پگاڑو صاحب نے خاموشی اور توجہ سے آپ کا خطاب سنا اور اختتام خطاب پر اس نے اپنے خطاب میں آپ کی بہت تعریف کی۔

دعوت و تبلیغ:

اعلاء کلمۃ اللہ میں آپ اللہ کی ننگی تلوار تھے اور آپ نے اللہ کی راہ میں دعوت و تبلیغ کے لئے قریب و بعید کے بہت سے سفر کیے عربی ممالک کے، یورپی ممالک کے، افریقی ممالک کے اور تقسیم ہند کے بعد تو پاکستان میں، لاہور کی رونقوں سے لے کر چمن کے چمنستانوں تک اور سیماڑی کی ترائیوں سے لے کر کوہ ہمالیہ کی چوٹیوں تک آپ کی خطابت سے گونجتے رہے عرب بھی گونجے اور عجم بھی۔ ایک دفعہ مجھے اپنے علاقہ میں برطانیہ سے آئے ہوئے ایک شخص نے بتلایا کہ پیر بدیع الدین شاہ صاحب لندن یا برمنگھم میں ایک مذہبی جلسہ میں خطاب کے لئے اسٹیج پر تشریف لائے فوٹو گرافر، تصویر کے لئے آگے بڑھے تو آپ نے انہیں اس سے سختی کے ساتھ روک دیا اور انہیں اپنی تصویر نہ اتروانے دی۔

میں نے ایک بار اپنے دوسرے قیام میں آپ کی مسجد میں آپ کا خطاب سندھی زبان میں سنا مسجد کا بڑا ہال، لوگوں سے بھرا ہوا تھا اور آپ کے خطاب سے لوگوں پر وجد طاری تھا جمعۃ المبارک کے بعد مکتبہ کے شمال میں لوگوں کے کھانے کا اچھا انتظام تھا اور کھانے میں گوشت اور روٹی تھی، اور اسی طرح میں نے نیو سعید آباد میں سپر ہائی وے کے مشرقی جانب واقع مسجد اہل حدیث میں بعد نماز عشاء آپ کا سندھی زبان میں خطاب سنا آپ کے خطاب سے لوگوں پر وجد طاری تھا اس کے بعد یہاں کے نمازیوں نے کھانے کا پُر تکلف انتظام کر رکھا تھا۔

اور میں نے آپ کو دیکھا کہ آپ کبھی کبھی اپنے ساتھیوں کے ساتھ، دعوت و تبلیغ کے لئے قرب و جوار کے دیہاتوں میں تشریف لے جاتے اور اپنا کھانا، اپنے ساتھ لے جاتے اور وہاں جا کر کھاتے۔

آپ کا اخلاقِ رذیلہ سے اجتناب

میں نے دو بار آپ کے ہاں تین تین روز کے لئے قیام کیا آپ کی مجالس و محافل سے خوب استفادہ کیا اور ملک میں دیگر مقامات پر بھی بعض دفعہ آپ سے علمی و روحانی استفادہ کیا اور آپ کو نہایت قریب سے دیکھا لیکن نہ تو آپ سے غیبت سنی نہ کہ آپ میں حسد دیکھا نہ آپ کو کبھی ٹوہ لگاتے دیکھا نہ کبھی آپ سے گالی سنی نہ کبھی فحش گوئی سنی نہ آپ کو کبھی بدگمانی کرتے پایا نہ کبھی کسی کو ذلیل و بے عزت کرتے پایا آپ ان سب اخلاقی امراض سے بچے ہوئے تھے جن میں، میں نے پنجاب اور کراچی میں کئی علماء کو بھی مبتلا پایا ہے اور یہی امراض، امتِ محمدیہ کے درمیان بغض و نفرت کے بہت سے اسباب میں سے اسباب ہیں اور ستم پر ستم تو یہ ہے کہ انہی اخلاقی رذیلہ کو بعض علماء تو دین اسلام اور مذہب اہل حدیث کی خدمت باور کراتے ہیں اور جاہل لوگوں کا تو کیا کہنا؟ تاہم میں نے وہ لوگ بھی دیکھے ہیں جو ہیں تو ان پڑھ اور جاہل لیکن وہ ان اخلاقی رذیلہ سے بچے ہوئے ہیں اور یہی وہ اخلاقِ رذیلہ ہیں جن کی وجہ سے امت، گمراہی اور برائی کی طرف جارہی ہے اور قرآن و حدیث کی پاکیزہ تعلیمات سے دور ہوتی جارہی ہے اور اسی طرح میں نے مساجد و مدارس میں اکتیس سال سے دیکھا ہے کہ علماء اور لوگ، نماز و روزہ کے پابند ہیں اور کچھ نیکیوں کے بھی لیکن ایک دوسرے کی ٹانگیں کھینچتے ہیں اللہ کے دین کی دعوت و تبلیغ میں کھلے اور چھپے رکاوٹیں کھڑی کرتے ہیں لیکن میں نے امامِ راشدی کو دیکھا کہ آپ نیکی کے کام میں حوصلہ افزائی فرماتے تھے اور لوگوں سے عزت کرواتے تھے لیکن ہمارے ہاں علماء کو ان باتوں میں فکر کرنے کی اور پریشان ہونے کی کوئی ضرورت نہیں کیونکہ ان کا گزارہ ہو رہا ہے۔ افسوس صد افسوس!

اتحادِ امت کی خواہش و کوشش

آپ اس نیک خواہش اور کوشش میں مخلص تھے اسی لیے مذکورہ اخلاقی رذیلہ سے بچے ہوئے تھے اور قرآن و حدیث کی طرف دعوت دیتے تھے اس پر فتن دور میں جو دین اسلام کے دواصول ہیں اور جن پر صحابہ کرام، تابعین کرام، تبع تابعین کرام اور ائمہ کرام کاربند رہے اور انہوں نے امت کو باہمی اجتہادی اختلافات کے باوجود، فرقہ بندی سے دور رکھا، بچائے رکھا۔

۱۹۸۳ء یا اس سے پہلے امام راشدی رحمہ اللہ نے جامعہ تعلیم الاسلام ماموں کالج میں جمعہ المبارک کا درد بھرا خطبہ ارشاد فرمایا تھا اور آپ کا یہ خطبہ، اتحاد امت اور اتحاد مذہب اہل حدیث کے موضوع پر تھا تھوڑا عرصہ پہلے شیخ الحدیث مولانا محمد عبداللہ بانی جامعہ محمدیہ گوجرانوالہ اور خطیب ملت علامہ احسان الہی ظہیر کی ولولہ انگیز قیادت میں، مولانا معین الدین لکھوی اور میاں فضل الحق سے اختلاف شدید کی وجہ سے جمعیت اہل حدیث پاکستان کے نام سے ایک نیا گروہ وجود میں آچکا تھا آپ نے اس اختلاف پر اپنے خطبہ میں شدید نالہ و ماتم کیا مجھے خطبہ کے پروگرام کا علم نہ تھا لیکن میں نے بعض علماء سے سنا کہتے تھے کہ آپ کا یہ خطاب اس قدر پر زور اور پراثر تھا کہ آپ کی آنکھوں سے اور لوگوں کی آنکھوں سے آنسوؤں کی برسات جاری تھی اور آپ کا یہ خطاب الہامی معلوم ہوتا تھا۔

اور حقیقت تو یہ ہے کہ استاذ محترم، امام حافظ محمد گوندلوی رحمہ اللہ ۱۴۰۵ھ/۱۹۸۵ء کے بقول، دونوں گروہ آپس کے اختلاف میں حق اور باطل کو نہیں دیکھتے۔

آپ مروّجہ پیری مریدی کے مخالف تھے

اس بارے میں میں ایک وہ واقعہ ذکر کر چکا ہوں کہ جس میں آپ نے پیر پگڑا کی دعوت پر ان کی موجودگی میں اپنے خطاب کے دوران اس کا رد فرمایا اور لوگ آپ کے اعلیٰ حسب و نسب کی وجہ سے آپ کا بہت احترام کرتے تھے اور آپ کو پیر صاحب یا پیر سائیں کہہ کر پکارتے تھے لیکن آپ کو اس لفظ اور اس لقب سے چڑھتی اس لیے بعض علماء آپ کو شیخ صاحب کہہ کر پکارتے تھے جو سید نہیں ہیں انہوں نے بھی اس لقب سے بہت دولت کمائی، بہت عزت بنائی اور بہت شہرت پائی لیکن امام راشدی کی زندگی سادہ تھی۔

ایک دفعہ ۱۹۸۵ء سے پہلے صدر پاکستان جنرل محمد ضیاء الحق کے اسلام آباد میں بلائے ہوئے اجلاس میں میاں فضل الحق ناظم اعلیٰ مرکزی جمعیت اہل حدیث پاکستان نے خطاب کے دوران کہا تھا کہ اہل حدیث میں بھی پیر ہیں اور ان میں سے پیر سید بدیع الدین شاہ راشدی ہیں اس کے رد میں آپ کا بیان کراچی سے روزنامہ جنگ میں چھپا جسے بعد میں ایک اہل حدیث جریدے نے شائع کیا۔

مجتہد العصر مفتی حافظ عبداللہ روپڑی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب ارسال الیدین میں آپ کے بارے میں

لکھا کہ وضع الیدین بعد الركوع فی الصلوٰۃ کی مخالفت کرتے ہوئے کہ جب پیر کا یہ حال ہے تو مریدوں کا کیا حال ہوگا؟ یہ آپ پر زبردست طنز و طعن تھا لیکن آپ نے مسئلہ وضع الیدین کی تائید میں رسالہ مذکورہ کا جواب دیتے ہوئے اس کا رد کیا۔

آپ اَیۃ مِنْ آیَاتِ اللہ تھے

اس مضمون میں، میں نے امام راشدی رحمہ اللہ کے حالات و واقعات میں آپ کے جن صفات و عادات کا ذکر بالا اختصار کیا ہے ان سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ، بیک وقت عالم تھے، مفسر تھے، محدث تھے، فقیہ تھے، مفتی تھے، خطیب تھے، ادیب تھے، مخلص تھے، عاجزی و انکساری کے خوگر تھے، زاہد تھے، عامل تھے، متقی تھے امر بالمعروف تھے، ناہی عن المنکر تھے، مجاہد تھے، غیور تھے، شریف تھے، باحیا تھے، باوفا تھے، اخلاقِ رذیلہ سے بچنے والے تھے، اللہ کے ڈر سے رونے والے تھے نماز کی مختلف حالتوں میں ہوں یا کسی بھی حالت میں اللہ کا خوف آپ کے چہرے سے ہویدا تھا اللہ کے خوف کی وجہ سے، آپ کی آواز میں، تلاوتِ قرآن کے وقت یا کوئی مسئلہ بیان کرتے وقت ایسا سوز و گداز ہوتا کہ ایسے لگتا کہ آپ کے سینہ میں ہنڈیا ابل رہی ہے آنکھوں سے آنسو جاری ہو جاتے اللہ نے آپ میں وہ سب نیک صفات جمع کر دی تھیں جو ایک نیک انسان میں پائی جاتی ہیں اللہ کے دین کی نصرت و حمیت کا جذبہ آپ میں کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا غرضیکہ آپ اس بدترین اور پرفتن دور میں اَیۃ مِنْ آیَاتِ اللہ (اللہ کی نشانیوں میں سے ایک نشانی) تھے۔

آپ کی تالیفات پر ایک نظر:

آپ نے اپنی پاکیزہ زندگی میں پرانے اور نئے فتنے دیکھے بزرگ کا فتنہ، بدعت کا فتنہ، مرزائیت کا فتنہ، رافضیت کا فتنہ، ناصبیت کا فتنہ، خارجیت کا فتنہ، دیوبندیت کا فتنہ، بریلویت کا فتنہ، انکارِ حدیث کا فتنہ، تاویلِ حدیث کا فتنہ، تحریفِ قرآن کا فتنہ، تحریفِ حدیث کا فتنہ، مسعود احمد بی ایس سی کا فتنہ، ڈاکٹر مسعود عثمانی کا فتنہ، جمہوریت کا فتنہ، سوشلزم کا فتنہ، کمیونزم کا فتنہ، مودودیت کا فتنہ، کفر و الحاد کا فتنہ اور گروہ بندی کا فتنہ۔ اور آپ نے ان سب فتنوں کا ڈٹ کر مقابلہ کیا اور ان کے رد میں اپنی زبان کے ذریعہ جہاد کیا اور اپنے بدن کے ذریعہ بھی اور اپنے قلم کے ذریعہ بھی اور آپ نے ان کے رد و بطلان میں قرآن کریم میں سے اور حدیث

نبوی ﷺ میں سے دلائل قاطعہ کو اس زور سے اور اس طریق سے پیش فرمایا کہ مخالفین کے پاس خاموشی یا فرار کے سوا، کوئی چارہ نہ تھا اور اس طرح حق اور باطل واضح ہو گیا۔

جن لوگوں نے آپ کے خطاب کو سنا آپ کے کلام کو سنا وہ تو اس حقیقت کو جانتے ہیں اور جنہوں نے نہیں سنا وہ آڈیو کیسٹوں اور آڈیو سی ڈیز سن کر اس حقیقت کو پاسکتے ہیں اور اسی طرح آپ نے مذکورہ سب فتنوں اور گمراہیوں کے رد میں کتابیں تالیف کیں اور حقیقت میں نہ آپ کے خطابات کسی تبصرے کے محتاج ہیں اور نہ ہی آپ کی تالیفات کسی تبصرے کے محتاج ہیں بس ان کے تعارف کی ضرورت ہے تاکہ علماء اور لوگ ان سے استفادہ کر سکیں اور آپ کی چھوٹی بڑی کتابیں ایک سو تیس سے زیادہ ہیں اور ان میں سے عربی زبان میں بھی ہیں اور اردو زبان میں بھی ہیں اور سندھی زبان میں بھی۔

امام راشدی کبار علماء کی نظر میں

ماہ رمضان المبارک ۱۴۰۳ھ / ۱۹۸۳ء میں، میں مدرسہ اہل حدیث ستیانہ فیصل آباد میں، دورہ تفسیر القرآن الکریم میں ستر اسی طلباء میں سے ایک تھا میں نے امام راشدی کے ہاں پہلی بار تیس روز قیام کیا تو میں اس وقت ارسال الیدین بعد الرکوع فی الصلوٰۃ (نماز میں رکوع کے بعد دونوں ہاتھوں کو چھوڑنا) پر عامل تھا لیکن اس قیام کے دوران آپ نے مجھ سے ایک بار بھی وضع الیدین بعد الرکوع فی الصلوٰۃ (نماز میں رکوع کے بعد ہاتھ باندھنا) کے لئے نہیں کہا اور نہ ہی میں نے اس پر عمل کیا لیکن میں نے اپنے طور پر، خاموشی سے اس کی تحقیق کی تو میں وہاں سے کوچ کے بعد، راستہ میں اس کا قائل و عامل ہو گیا اس لیے تعلیم کے آخری سال مجھے دارالعلوم اوڈانوالہ میں اس عمل کی وجہ سے بڑی پریشانی ہوئی یہاں سے فراغت کے بعد، دورہ تفسیر کے دوران ایک بوڑھا شخص مجھے کئی بار بہت شفقت و محبت سے ملا اس کی گفتگو سے مجھے معلوم ہوتا تھا کہ اس کی جوانی بھی دینی و مذہبی تھی اور اسے علماء کرام سے بڑی محبت تھی وہ ہر روز تفسیر قرآن کریم سننے کے لئے مدرسہ میں آیا کرتا تھا پہلے پارے کا ترجمہ اور اس کی تفسیر بیان ہو چکی تھی اس کے بعد شیخ الحرم محدث العصر مفسر قرآن مفتی حافظ عبداللہ بڑھیمالوی نے بقیہ آیتیں پاروں کا تالی اور اس کا اردو مترجم، مذکورہ مسئلہ میں بعض طلباء سے اختلاف کے باوجود، مجھے باصرہ تاکید مقرر فرمادیا اور وہ بوڑھا شخص تلاوت قرآن اور اس کے اردو

ترجمہ میں مجھے داد دیا کرتا تھا ایک دفعہ اس نے مجھ سے کہا کہ قیام پاکستان سے پہلے ہمارے ہاں امرتسر میں جلسہ تھا امام المناظرین علامہ ثناء اللہ امرتسری رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۹۴۸ء) شیخ پر تشریف فرما تھے پیر سید بدیع الدین شاہ راشدی خطاب کے لئے آئے تو امام المناظرین رحمۃ اللہ علیہ نے اٹھ کر لوگوں کے مجمع میں آپ کے بارے میں بتلایا کہ لوگو! یہ جوان عالم ہے امام المناظرین کی اپنے بڑھاپے میں آپ کے بارے میں یہ رائے اس وقت تھی جب امام راشدی جوان تھے نیز اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ امام المناظرین میں خلوص، محبت، شفقت اور حوصلہ انفرادی کی صفات کس قدر پائی جاتی تھیں۔ امام المناظرین کی یہ رائے ہی، امام راشدی کے لئے کافی ہیں۔

اسی دورہ کے ابتدائی دنوں میں، شیخ الحدیث والنفیر تلاء للقرآن الکریم حافظ عبداللہ بڑھیمالوی سابق شیخ الحدیث جامعہ سلفیہ فیصل آباد (م ۱۴۰۷ھ / ۱۹۸۷ء) رحمۃ اللہ علیہ سے بھی بعض طلباء اور بعض لوگوں نے اس مسئلہ میں زبانی استفسار کیا اور کئی بار لیکن آپ نے، امام راشدی سے اس مسئلہ میں اختلاف کے باوجود ہر بار آپ کا زبانی احترام کیا اور آپ کو زبردست عالم قرار دیا حالانکہ آپ عمر میں امام راشدی سے بڑے تھے اور میں طلباء میں تنہا تھا جسے آپ نے اس دورہ کے دوران، اختلاف کے باوجود اصرار کرئی نمازوں کا امام بنایا کبھی کسی نماز میں اور کبھی کسی نماز میں۔

۸۴، ۱۹۸۳ء کے دوران میں امام حافظ محمد گوندلوی رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۹۸۵ء) کے پاس صحیح البخاری پڑھنے کے لئے آپ کے گھر گوجرانوالہ شہر میں جایا کرتا تھا ایک دفعہ طلباء نے درس سے فراغت کے بعد مسئلہ وضع الیدین بعد الركوع فی الصلوٰۃ (نماز میں رکوع کے بعد دونوں ہاتھ باندھنے) کے بارے میں پوچھا تو آپ نے امام راشدی رحمۃ اللہ علیہ سے بیت اللہ الحرام میں اپنی ملاقات اور گفتگو کا ذکر فرمایا تھا اور آپ کے بارے میں کوئی نازیبا یا دل آزار لفظ نہیں کہا۔

۱۴۰۳ھ / ۱۹۸۳ء میں جامعہ محمدیہ اہل حدیث جی ٹی روڈ گوجرانوالہ میں آخری جماعت میں تعلیم کے دوران بعض مقامی لوگوں نے اور بعض طلباء نے مسئلہ مذکورہ میں اختلاف کو فتنہ کی شکل دینے کی کوشش کی میں نے اسی موقع پر استاذ محترم مفتی عبدالحمید صاحب ہزاروی شیخ الجامعہ سے اس مسئلہ میں بحث کی اور میں نے سنا آپ نے فرمایا کہ علماء کا خیال ہے کہ پاکستان میں حضرت حافظ صاحب کے بعد، تحقیق و مطالعہ میں پیر سید بدیع الدین شاہ راشدی صاحب ہیں اور یہاں حضرت حافظ صاحب سے مراد، امام حافظ محمد گوندلوی ہیں

پس امام حافظ محمد گوندلوی کی وفات کے بعد تو تقابل کی یہ بحث بھی ختم ہو گئی تھی اور آپ کبار علماء میں بھی منفرد اور ممتاز حیثیت کے حامل قرار پائے۔

آپ کا علماء میں مقام و مرتبہ

۱۹۸۵ء اور ۱۹۸۸ء کے دوران کبار عرب علماء میں سے علامہ امام عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز اور امام محمد ناصر الدین البانی نے تحریر و تقریر میں عالمی شہرت پائی اور پاکستانی کبار علماء میں سے حافظ امام محمد گوندلوی، امام النازنین حافظ عبدالقادر روپڑی، تلاء للقرآن الکریم حافظ عبداللہ بڑھیمالوی، علامہ محمد عطاء اللہ حنیف بھوجیانی صاحب التعلیقات السلفیہ علی سنن النسائی، امام سید بدیع الدین شاہ راشدی اور آپ کے بڑے بھائی علامہ سید محبت اللہ شاہ راشدی نے علمی حلقوں میں عالمی شہرت پائی اور یہ بات واضح ہے کہ علم اور خطاب کی یکساں اور یکجا صلاحیتیں، آپ جیسی ان میں سے آپ کے سوا کسی میں نہ تھیں جو علم میں آپ کے ہم پایہ تھے وہ خطابت میں آپ کے ہم پایہ نہ تھے اور جو خطابت میں آپ کے ہم پایہ تھے وہ علم میں آپ کے ہم پایہ نہ تھے۔

آپ کے القابات:

امام سید بدیع الدین شاہ راشدی نے ہدایۃ المستفید ترجمہ فتح المجید کا طویل مقدمہ لکھا تھا جو چھپاسی صفحات پر مشتمل ہے یہ مقدمہ، بے مثال ہے مترجم نے اس کے شروع میں آپ کو مندرجہ ذیل القابات سے یاد کیا تھا۔

- ۱۔ ناصر السنۃ النبویہ۔ ۲۔ ناصر العقیدۃ السلفیہ۔ ۳۔ قانع البدعۃ۔ ۴۔ المجاہد لاعلاء کلمۃ اللہ۔ ۵۔ الصلب فی السنۃ۔ ۶۔ الملازم للعبادۃ۔ ۷۔ العالم۔ ۸۔ الفاضل۔ ۹۔ المحدث۔ ۱۰۔ الفقیہ۔ ۱۱۔ رئیس المحققین۔ ۱۲۔ العلامة۔ ۱۳۔ الشیخ السید بدیع الدین شاہ السندی الراشدی۔ یہ کتاب مجھے اس کے مترجم علامہ عطاء اللہ ثاقب رحمہ اللہ نے ۱۹۸۰ء میں لاہور میں تحفہ کے طور پر دی تھی۔ یہ کتاب شاہ فیصل شہید بن شاہ عبدالعزیز نے چھپوائی تھی۔ رحمہ اللہ
- آپ کی بے نظیر تفسیر قرآن مجید میں سے پہلے پارے کی تفسیر جس کا نام بشری البرہۃ فی تفسیر سورۃ البقرۃ ہے کے ٹائٹل پر ناشر نے آپ کو مندرجہ ذیل القابات سے یاد کیا ہے۔
- ۱۔ شیخ العرب والعجم۔ ۲۔ رئیس المحققین۔ ۳۔ سلطان المحدثین۔ ۴۔ استاذ التفسیر والمحدث۔ ۵۔ قاطع

الشرك والبدعة ۶۔ ناصر السنۃ النبویۃ علامہ سید ابومحمد بدیع الدین شاہ الراشدی السندی الہکی صدر جمعیت الملحدیث سندھ۔

اور وضع الیدین کے مسئلہ میں آپ کی ایک کتاب کے ٹائٹل پر ناشر نے آپ کا لقب خلیب العرب والعجم لکھا ہے۔

امام راشدی کی وفات پر آپ کے بڑے بیٹے کے نام میرا تعزیتی مکتوب

مجھے جب مذہبی رسائل و جرائد کے ذریعہ سے معلوم ہوا کہ آپ کراچی میں وفات پا گئے ہیں تو میں نے آپ کے بڑے بیٹے علامہ سید محمد شاہ راشدی کے نام، تعزیتی خط لکھا اور اس میں میں نے اپنے گہرے غم و حزن کا اظہار کیا تھا جو ایک بڑے عالم تھے اور آپ کی علمی مسند کے وارث تھے آپ سے بھی میری ملاقات ہوئی تھی اور امام راشدی کی کنیت آپ کے بیٹے کے نام کی مناسبت سے تھی اور آپ کے بیٹے سے بھی ملاقات ہوئی تھی یعنی امام راشدی کے پوتے سے بھی جو اپنے مدرسہ میں درجہ کتب کے طالب علم تھے۔

افسوس کہ آپ کا یہ بڑا بیٹا بھی اپنے عظیم باپ کی وفات کے تھوڑے عرصہ بعد ہی وفات پا گیا میں نہیں جانتا تھا کہ اس کے بعد آپ کا علمی جانشین کون ہے؟ اس لیے اس کی وفات پر میں نے مدرسہ کی معرفت تعزیتی خط ارسال کیا تھا۔ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لَهُمَا وَاَرْحَمْهُمَا وَعَافِهِمَا وَاعْفُ عَنْهُمَا.....

آپ کی علمی باقیات کی حفاظت کے بارے میں التماس

امام راشدی رحمہ اللہ نے بھرپور دینی، علمی، تصنیفی، دعوتی اور تبلیغی زندگی گزاری آپ کے بڑھاپے میں آپ کی قوت حافظہ اور آپ کے عمل کو دیکھ کر ایسا معلوم ہوتا تھا کہ آپ سلف صالحین رحمہم اللہ کی یادگار ہیں آیۃ من آیات اللہ ہیں آپ کی جو تصنیفات نہیں چھپیں ان کو چھپنا چاہیے تاکہ آپ کی باقیات علمیہ اور آثار دینیہ سے آنے والی نسلیں، دین و مذہب میں راہنمائی حاصل کر سکیں اور ان سب کاموں کی انجام دہی کے لئے آپ کے نام سے باقاعدہ اور مستقل ادارے کا قیام، ضروری اور مفید ہے میں اس وقت تعلیم و تدریس، دعوت و تبلیغ اور تصنیف و تالیف میں مصروف نہ ہوتا تو میں یہ نیک کام ضرور کرتا اور اس کیلئے وقت اور سرمایہ کی اشد ضرورت ہے اور وقت کٹھن ہے اور دور پر فتن ہے آئے روز نئے اور مختلف فتنے، تسلسل کے ساتھ آندھی کی سی تیزی سے آتے ہیں اور طوفان کی سی تیزی سے گزر جاتے ہیں۔ نامعلوم! یہ سعادت کس کے حصہ میں آتی ہے؟

پروفیسر میاں یوسف سجاد رحمہ اللہ ☆

حضرت مولانا سید ابو محمد بدیع الدین شاہ راشدی رحمہ اللہ

المحمدی المکی

ولدیت:

السید احسان اللہ شاہ راشدی

ولادت:

۱۲ مئی ۱۹۲۶ء بمطابق ۱۳۴۲ھ بمقام گوٹھ فضل اللہ شاہ (سابق گوٹھ پیر جھنڈا) نزد نیو سعید آباد

تحصیل ہالہ ضلع حیدر آباد (سندھ)

سندھ کا دینی پس منظر:

تاریخی شواہد کے مطابق ۹۳ھ تک پورے سندھ میں اسلام غالب آچکا تھا۔ اس خطہ میں اسلام کی آمد ہی سے مسلک اہلحدیث کا دور دورہ ہوا۔ مشہور مؤرخ و سیاح علامہ ابو عبد اللہ شمس الدین البہاری المقدسی نے چوتھی صدی ہجری کے آخر میں سندھ کا دورہ کیا۔ وہ اپنے سفر نامہ موسوم احسن التقاسیم، بمعرفۃ الاقالیم میں لکھتے ہیں..... سندھ کے مشہور شہر منصورہ کے ذمی بُت پرست لوگ ہیں اور مسلمانوں کی اکثریت اہل حدیث لوگوں کی ہے۔ (تاریخ سندھ ج ۲ ص ۱۱۲۳ از مولانا غلام رسول مہر)

ایسی ہی حقیقت کا اعتراف مشہور محقق ڈاکٹر عبد المجید سندھی نے اپنے ایک مضمون مطبوعہ روزنامہ جنگ ٹرویگ ایڈیشن ۲۷/ اکتوبر ۱۹۸۲ء میں کیا ہے۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ سندھ میں قدیم زمانہ سے ہی علماء اہل حدیث چلے آئے ہیں۔ جن کی فہرست مندرجہ ذیل ہے۔

☆ استاذ شعبہ علوم اسلامیہ گورنمنٹ جناح اسلامیہ کالج سیالکوٹ، ایم۔ اے اسلامیات عربی، مؤلف ”تذکرہ علماء اہلحدیث“، وفاق المدارس السلفیہ کی سندھ کو ۲۵ اکتوبر ۱۹۸۱ء کو یونیورسٹی گرانٹس کمیشن اسلام آباد نے منظور کیا جس کے منظور کروانے میں پروفیسر میاں سجاد صاحب کا بہت بڑا ہاتھ تھا۔

۱۔ مکحول بن عبد اللہ ۲۔ ابو معشر نجج بن عبد الرحمان ۳۔ امام ابو داؤد جستانی مؤلف سنن ابی داؤد (م ۲۷۵ھ) ۷۔ ابوبکر عبد اللہ بن ابو داؤد ۸۔ خلف بن سالم ابو محمد (م ۲۳۱ھ) ۹۔ ابو العباس احمد بن عبد اللہ الديلمی (م ۴۴۳ھ) ۱۰۔ امام ابو الفوارس الصابونی (م ۳۹۵ھ) ۱۱۔ ابو نصر سخری (م ۴۴۳ھ) ۱۲۔ امام ابو عثمان الصابونی (م ۴۴۹ھ)، مؤلف کتاب عقیدۃ السلف اصحاب الحدیث ۱۳۔ احمد بن السندی ۱۴۔ عبد الحمید السندی اُستاذ امام ابو نعیم اصبہانی (م ۲۵۳ھ) ۱۵۔ عبد اللہ بن حسین ابن السندی (م ۳۳۵ھ) ۱۶۔ محمد بن احمد السندی اُستاذ امام ابن حبان ۱۷۔ علامہ ابوالحسن محمد بن عبد البہادی السندی الکبیر محشی بخاری، مسلم نسائی، ابو داؤد، ترمذی، ابن ماجہ، مسند احمد۔

انہوں نے عمر کا آخری حصہ حرم شریف مدنی میں گزارا۔ اور یہاں درس حدیث ارشاد فرماتے رہے۔ آپ بہت عامل سنت تھے۔ آپ کے بعد آپ کی مسند درس پر آپ کے تلمیذ رشید علامہ محمد حیات سندھی متمکن ہوئے۔ ان کے بہت سے شاگرد تھے جن میں سے شیخ الاسلام امام الدعوة شیخ محمد بن عبد الوہاب نجدی رحمہ اللہ اور شیخ الہند شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ خصوصی طور پر قابل ذکر ہیں۔ علامہ مخدوم محمد معین ٹھٹھوی اور علامہ محمد عابد سندھی بھی آپ کے تلامذہ میں سے تھے۔

خاندان راشدی کے علماء اہل حدیث

ان کے بعد کے علماء اہل حدیث میں سے حضرت مولانا سید بدیع الدین شاہ راشدی کے جد امجد علامہ سید ابوتراب رشد اللہ شاہ راشدی جھنڈے والے چہارم ہیں جنہوں نے عربی، سندھی اور اردو میں کئی قابل قدر کتب لکھ کر مسلک اہل حدیث کی ترجمانی کی۔ انہوں نے سندھ میں دینی درسگاہ کی بنیاد رکھی اور علمی کتب کا بہت بڑا ذخیرہ جمع کیا۔ جناب مولانا ابوتراب، علامہ قدرت اللہ اور مولانا محمد یہ تینوں بزرگ شیخ الکمل فی الکمل میاں سید نذیر حسین دہلوی کے تلامذہ تھے۔ انہوں نے مسلک اہل حدیث کی بڑی خدمت کی علامہ مجدد الدین فیروز آبادی کی کتاب ”سفر السعادة“ کا سندھی زبان میں ترجمہ کیا۔ اور جملہ مسائل کی تحقیق کر کے انہیں احادیث سے ثابت کیا۔ آپ فاتحہ خلف الامام کے زبردست قائل اور اس درجہ اس پر عمل پیرا تھے کہ اسے فرض جانتے تھے۔ مدرک رکوع کی رکعت کے قائل نہیں تھے۔ ان کی مندرجہ ذیل کتب بہت مشہور

ہوئیں۔

- ۱۔ درج الذرر فی وضع الایدی علی الصدر (عربی)
یہ کتاب مخدوم ہاشم سندھی کے رسالے، دراہم الصرة فی وضع الایدی تحت السرّة کی تردید میں لکھی گئی ہے۔ اور بالتفصیل ثابت کیا گیا ہے کہ سینہ پر ہاتھ باندھنا ہی سنت ہے۔
 - ۲۔ القرى المصلی الجمعة فی القرى (عربی)
اس کتاب میں ثابت کیا گیا ہے کہ گاؤں میں جمعہ پڑھنا جائز ہے۔
 - ۳۔ التنقید المعقول
یہ کتاب بھی مذکورہ مسئلہ پر لکھی گئی ہے اور ساتھ ہی ضمناً تقلید کا بھی رد کیا گیا ہے۔
 - ۴۔ عین المتانة فی تحقیق تکرار الجماعة (اردو)
اس کتاب میں جماعت ثانیہ کی صحت پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔
 - ۵۔ تین وتر کے درمیان قعدہ نہ کرنے پر بھی ایک عربی رسالہ تحریر کیا۔
 - ۶۔ رفع الريب فی مسئلہ علم الغیب (سندھی)
اس کتاب میں ثابت کیا گیا ہے کہ علم الغیب صرف اللہ ہی کی خاص صفت ہے۔
ان کتب کے علاوہ وحدت الوجود کے رد میں آپ کے متعدد رسائل ہیں۔ اسی طرح مسئلہ استواء اور مذہب سلف پر بھی ایک رسالہ ہے۔
- رشد اللہ شاہ کے والد سید رشید الدین شاہ نے سندھ میں جہاد پر بیعت لی تھی۔ فضل اللہ شاہ شہید ان کے بھائی تھے۔ ان دونوں کے والد سید محمد یاسین شاہ تھے یہ صاحب اللواء الاول تھے۔ ان کے والد سید محمد راشد شاہ تھے۔ پورا خاندان انہی کی وجہ سے راشدی کہلایا۔ دوسری شاخ سید حزب اللہ شاہ پیر پگاڑو والی ہے۔
- خاندانی تعارف:

اس لحاظ سے سید بدیع الدین شاہ راشدی کا نسب نامہ مندرجہ ذیل ہے: سید بدیع الدین شاہ راشدی بن سید احسان اللہ شاہ بن رشد اللہ شاہ بن رشید الدین شاہ بن محمد یاسین شاہ بن محمد راشد شاہ الراشدی

الحسینی۔

شاہ صاحب کے جد امجد کاظمین سے ہجرت کر کے تبلیغ اسلام کے لئے کئی شاہ صدر کے مقام پر جو ضلع دادو (سندھ) میں ہے مقیم ہوئے۔ اور اس طرح سے تبلیغ دین کے لئے آپ کی اولاد پورے سندھ میں پھیل گئی اور سید بدیع الدین شاہ کے بزرگوں میں سے سید محمد راشد شاہ ایک ولی اللہ شخصیت تھے۔ انہوں نے پوری زندگی خدمتِ اسلام کے لئے وقف کر دی تھی۔ آپ کے مختلف ملفوظات کو آپ کے پیروکاروں نے جمع کیا ہے۔ ان میں کئی ایسے واقعات ملتے ہیں جن سے ان کے مسلک کا پتہ چلتا ہے۔ نماز مغرب کی جماعت سے پہلے دو رکعت سنت کا رواج سندھ میں سب سے پہلے آپ ہی سے شروع ہوا۔ اسی طرح آپ کے جد اعلیٰ سوم سید رشید الدین شاہ صاحب البیۃ کے ملفوظات بھی جمع کئے گئے ہیں۔ اس میں جا بجا ہر مسئلے میں حدیث کو فقہ پر ترجیح دینے کی ہدایت مذکور ہے۔ اس کے علاوہ دیگر مسائل مثلاً ہمہ اوست اور صوفیوں کے لطائف کی تردید موجود ہے۔ پھر فاتحہ خلف الامام، آمین بالجہر، رفع الیدین۔ اونٹ کے گوشت سے وضو کا ٹوٹنا اور مس ذکر کو ناقض وضو کہنا وغیرہ جیسے مسائل موجود ہیں۔

جب آپ وفات پا گئے تو احباب جماعت نے آپ کے دو بڑے صاحبزادوں کے لئے یہ فیصلہ کیا کہ سید محمد راشد شاہ کی دو نشانیں میں سے پگڑی سید حزب اللہ شاہ کے سر پر رہے اور دوسری نشانیں جھنڈا سید محمد یاسین کے پاس رہے۔ لہذا اس طرح یہ خاندان دو شاخوں کے حوالے سے پیر پکاڑا اور پیر جھنڈا کے نام سے متعارف ہوا۔

اصحاب جھنڈا:

اصحاب جھنڈا کی ترتیب یہ ہے:

- ۱۔ سید محمد یاسین شاہ جھنڈا والے اول
- ۲۔ سید فضل اللہ شاہ (شہید) جھنڈا والے دوم۔ ان کی کوئی نرینہ اولاد نہ تھی۔ لہذا ان کے بھائی خلف الرشید ہوئے۔
- ۳۔ سید رشید الدین شاہ جھنڈا والے سوم۔ آپ کو بیعت والے بھی کہتے ہیں۔

۴۔ سید رشد اللہ شاہ جھنڈا والے چہارم۔ آپ کا لقب ابوتراب ہے اور آپ کو شریعت والے کہتے ہیں۔

۵۔ سید احسان اللہ شاہ جھنڈا والے پنجم۔ آپ سید بدیع الدین شاہ کے والد محترم ہیں اور آپ کو سنت والے کہا جاتا ہے۔

۶۔ سید محبت اللہ شاہ جھنڈا والے ششم۔ برادر بزرگ شاہ صاحب

خاندانی بزرگوں اور علماء کی دینی خدمات

شاہ صاحب کے جد اعلیٰ سید محمد راشد شاہ سے لے کر آپ کے والد محترم سید احسان اللہ شاہ تک سب بزرگ سندھ میں توحید و سنت کے داعی رہے۔ اور اس خاندان میں جو غیر اسلامی رسوم چلی آرہی تھیں انہیں ختم کرنے کا سلسلہ جھنڈے والے اوّل سید محمد یونس شاہ کے دور سے شروع ہوا۔ پیری مریدی، کئی ایسی رسومات جو محض بدعت اور شریعت ظاہرہ کے خلاف تھیں۔ انہیں ختم کر دیا گیا۔ اور جھنڈا والے سوم نے مجاہدین کی ایک جماعت تشکیل دی اور ان سے جہاد اور احکام شریعت کی پابندی کرنے پر بیعت لی۔ جس کی وجہ سے وہ ”صاحب البیعت“ مشہور ہوئے۔

انہی کے حکم سے ان کے فرزند سید رشد اللہ شاہ جھنڈا والے چہارم نے اپنی گوشتھ میں مدرسہ ”دارالرشاد“ کی بنیاد ڈالی۔ جس میں علم حدیث کی تدریس پر خصوصی توجہ دی جاتی تھی۔ سندھ کے اکثر اساتذہ حدیث اسی مدرسہ کے تلامذہ رہے ہیں۔ ان میں شاہ صاحب کو شیخ الکل محدث العصر حضرت سید نذیر حسین دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اور شیخ حسن بن محسن الانصاری یمانی اور دیگر علماء حدیث سے سند حدیث حاصل ہوئی۔ ان کی سندھی، عربی اور اردو کتب سے سندھ کے لوگ مسلک اہل حدیث سے متعارف ہوئے۔ ان کے بعد سید بدیع الدین شاہ کے والد محترم سید احسان اللہ شاہ نے بڑے زور و شور سے سنت کی اطاعت اور بدعت کا استیصال کیا۔ قولاً فعلاً سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف دعوت عام دی۔

حفظ قرآن کے ساتھ علم حدیث میں دسترس کاملہ رکھتے تھے۔ اسماء الرجال میں امام وقت تھے۔ ان کے تبحر علمی اور علم اسماء الرجال میں مہارت کا ذکر علامہ سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ نے ”یادِ رنگاں“ میں کیا

ہے۔ علامہ شیخ عبدالحق بہاولپوری المہاجر الہکی اور ان کے دیگر معاصرین بھی آپ کے علمی مقام کے معترف تھے۔ سعودی حکومت کے پہلے فرمانروا عبدالعزیز کے خلاف برصغیر میں جب مخالفین نے قیوں کے انہدام کے مسئلہ پر شور برپا کیا تو اس وقت سید احسان اللہ شاہ رحمۃ اللہ علیہ نے سلطان موصوف کے موقف کی حمایت میں ایک مختصر مگر دلائل سے بھرپور سندھی زبان میں مضمون قلمبند کیا اور سندھ کے مختلف علاقوں میں تقسیم کیا۔ جس کے بہت اچھے اثرات مرتب ہوئے۔ پھر انہوں نے اپنے خاندانی قائم کردہ مدرسہ کو جماعت کے تعاون سے جاری کیا۔ اور خاندانی کتب خانے کی پوری پوری حفاظت کی۔ جو ان کے والد محترم نے جمع کیا تھا۔ انہوں نے کئی ایک نادر کتابوں کا اضافہ کیا۔ اور مختلف ممالک سے نایاب کتب کے عکس حاصل کئے۔ ان دینی و تبلیغی خدمات کے علاوہ تحریک خلافت کے دوران اس خاندان کی قربانیاں ضرب الشل ہیں۔

حضرت شاہ صاحب والد ماجد کے سفر و حضر میں آپ کے ساتھ رہتے تھے۔ آپ نے ان کے کئی ایک مناظرے دیکھے ہیں۔ جن میں ٹڈوالہ یار میں ایک قادیانی سے اور بدین میں اہل بدعت کے ساتھ مناظرے قابل ذکر ہیں۔

خطبہ جمعہ کی اصلاح آپ کے زمانے ہی میں ہوئی آپ لکھے ہوئے خطبات کی بجائے قرآن و حدیث کے حوالے سے تقریر فرمایا کرتے تھے۔ آپ کے دور ہی میں صفوں کی درستگی کا انتظام ہوا۔ آپ نے پیری مریدی کے مسئلہ تصویر کشی کو شرک کہہ کر اس کا بھرپور رد کیا۔ حضرت کی یادگار تصنیف ”مسلك الانصاف“ ہے جو سندھی زبان میں لکھی گئی۔ اس کتاب میں آپ نے احادیث مرفوعہ، آثار صحابہ رضی اللہ عنہم اور اقوال فقہاء حنفیہ سے ثابت کیا ہے کہ فاتحہ خلف الامام، آمین بالجہر اور سینہ پر ہاتھ باندھنا سنت ہے۔ اس رسالہ کی وجہ سے بہت سے لوگ عاملین سنت ہوئے سندھ میں اونچی آئین کہنے سے آپ کی جماعت پہچانی جاتی تھی۔ بدیع الدین شاہ صاحب نے رفع الیدین اور وتر کا طریقہ بچپن میں آپ ہی سے سیکھا تھا۔

بدیع الدین شاہ صاحب

حضرت مولانا سید بدیع الدین شاہ راشدی الحمدی اسی مؤخر الذکر نابغہ عصر شخصیت کے فرزند ارجمند اور سندھ کے اس راشدی گھرانے کے گل سرسبد ہیں۔ آپ کی شخصیت کسی تعارف کی محتاج نہیں

حضرت موصوف عصر حاضر میں محدثین کرام کے صحیح معنوں میں وارث و جانشین ہیں۔ آپ علم و عمل کے جامع، خداداد علم و تفقہ، نور بصیرت اور انتہائی مضبوط قوتِ حافظہ سے مالا مال ہیں۔ دین کی سربلندی اور اس کی نشر و اشاعت کو آپ نے اپنے زندگی کا مقصد و محور قرار دے رکھا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اسلاف جیسی بے پایاں خوبیوں اور نعمتوں سے نوازا ہے۔ اس لحاظ سے آپ اپنے اقران و امثال میں ایک نمایاں مقام اور انفرادی و امتیازی حیثیت کے حامل ہیں۔

آپ نیو سعید آباد سے ۲ میل آگے شمال کی سمت نزد بخت العرب پیر جھنڈو نامی بستی میں ۱۲/۱۲ مئی ۱۹۲۶ء کو تولد ہوئے۔ پھر آپ کے والد یہاں سے نقل مکانی کر کے درگاہ شریف میں سکونت پذیر ہوئے۔ یہ نئی بستی انہوں نے خود آباد کی تھی اور یہاں انہوں نے ایک دینی مدرسہ قائم کیا تھا۔

تعلیم و تربیت:

حضرت شاہ صاحب نے شروع سے آخر تک تعلیم اپنے خاندانی مدرسہ ”دارالرشاد“ ہی سے حاصل کی۔ ایک سال میں ناظرہ قرآن مجید پڑھا۔ پھر دو سال سندھی زبان کی کتابیں پڑھیں۔ دو سال کے عرصہ میں فارسی زبان سیکھی اور گلستان و بوستان وغیرہ کتب پڑھیں۔ پھر عربی علوم کی تحصیل کی طرف متوجہ ہوئے تین ماہ کے عرصہ میں قرآن مجید حفظ کرنے کی سعادت نصیب ہوئی۔ اس وقت آپ کی عمر ۲۳ سال تھی۔ ابتداء میں عربی کتب اپنے والد محترم کی ہدایات کے مطابق پڑھیں۔ ان کی رحلت کے بعد کتابوں کا انتخاب کچھ اپنے ذوق سے ہو کر کچھ اپنے اساتذہ کے مشورہ سے کیا۔ قرآن مجید کا ترجمہ، تفسیر جلالین، اور تفسیر بیضاوی۔ حدیث میں اربعین نووی۔ بلوغ المرام، مشکوٰۃ اور صحاح ستہ، مؤطا امام مالک رحمہ اللہ، مؤطا امام محمد اور شرح معانی الآثار للطحاوی کا کچھ حصہ پڑھا۔ فقہ میں ہدایہ تک اور اصول فقہ میں تلویح تک نحو میں شرح جامی تک اور تھوڑا حصہ عبدالغفور کا بھی پڑھا۔ صرف میں تمام درسی کتب پڑھیں۔ ادب میں مفید الطالبین سے لے کر مقامات حریری، سبحة معلقات اور دیوانِ منتہی، تہذیب۔ قطبی، شرح عقائد نسفی، مختصر المعانی، محیط الدائرہ اور اقلیدس کا کچھ حصہ پڑھا۔

اساتذہ کرام

یہاں آپ کے مندرجہ ذیل اساتذہ کرام تھے جن سے آپ نے کسب فیض کیا۔

۱۔ شیخ محمد اسماعیل بن عبدالحق الافغانی سندھی۔ یہ مدرسہ کے مہتمم تھے۔

۲۔ شیخ محمد امین کچھی۔ سب سے پہلے شاہ صاحب نے ان سے بغدادی قاعدہ کا سبق لیا۔ تھوڑے

عرصہ بعد یہ فوت ہو گئے۔

۳۔ شیخ ولی محمد بن محمد عامر کیریہ

۴۔ شیخ محمد سلطان کوریجہ ہالا

۵۔ شیخ شفیق محمد سکرٹ

۶۔ شیخ محمد نور عیسیٰ خیلوی

۷۔ شیخ عبدالرحمان رامپوری

۸۔ شیخ قطب الدین ہالجوی

۹۔ حافظ محمد امین متوہ (کچھ بھج)

۱۰۔ شیخ بہاؤ الدین جلال آبادی (افغانستان)

۱۱۔ شیخ محمد ایوب (افغانستان)

۱۲۔ شیخ محمود احمد لدھیانوی

۱۳۔ شیخ محمد مدنی

۱۴۔ شیخ محمد عبداللہ کڈھری

۱۵۔ شیخ محمد عمر بن شیخ عبدالغنی کڈھری (نواب شاہ)

۱۶۔ شیخ محمد خلیل بن محمد سلیم لدھیانوی خیرپور (سندھ)

۱۷۔ ماسٹر عبدالکریم نواب شاہی (سندھی زبان کے استاد)

۱۸۔ شیخ ولی محمد ماتلی

۱۹۔ سید محبت اللہ شاہ راشدی (برادرِ بزرگ)

یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ سارے اساتذہ باستثناء سید محبت اللہ شاہ راشدی حنفی المذہب تھے۔

صرف شیخ محمد اسماعیل افغانی مہتمم مدرسہ و شیخ ولی محمد پر آپ کے والد محترم کی وجہ سے مسلک اہلحدیث کا رنگ

چڑھا ہوا تھا۔ شیخ محمد عمر (نواب شاہ) اور شیخ محمد خلیل (خیرپور سندھ) کے متعلق کچھ ذکر کرنا دلچسپی سے خالی نہ

ہوگا۔ شیخ عبداللہ خاصی علییت رکھنے والے بزرگ تھے۔ باوجود حنفی ہونے کے متعصب بالکل نہ تھے۔ مسلک

اہلحدیث کو بہت اچھا سمجھتے تھے۔ اور بہت سے مسائل میں اہلحدیث کی موافقت کرتے تھے۔ تقلید شخصی کے

نخت مخالف تھے۔

انہی دنوں جناب شاہ صاحب نے اس وقت کی علمی استعداد کے مطابق کشف الاختلاف کی ردّ الاحناف کے نام سے عربی میں ایک رسالہ لکھا جس میں فاتحہ خلف الامام، آمین بالجہر، وضع الیدین علی الصدر اور جماعت ثانیہ وغیرہم پر دلائل اور مخالفین کے سوالات و اعتراضات کے جوابات جمع کئے تھے۔ اس رسالہ کی تصنیف میں آپ کے ان استاذ محترم نے آپ کی کافی رہنمائی کی۔ اور عبارت کے بعض مقامات کی تصحیح کی۔ افسوس ہے کہ حضرت شاہ صاحب سے بچپن کی اس یادگار کا مسودہ کہیں ضائع ہو گیا۔ شیخ موصوف کو ذوق تحقیق اپنے آباء سے ورثے میں ملا تھا۔ ان کے والد بہت بڑے حنفی تھے۔ اس کے باوجود کئی مسائل میں اہلحدیث کے ہموار تھے۔ انہوں نے ”حسن الدلائل علی بعض المسائل“ کے نام سے ایک رسالہ لکھا جس میں مسلک اہل حدیث کو ترجیح دی ہے۔ ان کے دادا شیخ عبدالغنی نے بھی ایک رسالہ بنام ”نہج الاحکام“ تصنیف کیا تھا جس میں تقلید شخصی کا رد کیا گیا تھا۔ دوسرے شیخ خلیل انتہائی متعصب تھے۔ حدیث پڑھنے میں سب سے زیادہ رکاوٹیں ان کی طرف سے ڈالی گئیں۔ جب شاہ صاحب حدیث کی کوئی کتاب پڑھنے کا ارادہ کرتے تو یہ کہتے تھے کہ حدیث بہت زیادہ مشکل فن ہے۔ تم نہیں سمجھ سکو گے اس کے علاوہ دوسرے اساتذہ کو بھی آپ کو حدیث پڑھانے سے منع کرتے تھے۔ لیکن ماشاء اللہ کان و مالہ یشاء لم یکن آپ کا حدیث پڑھنا مشیت الہی تھی۔ آپ نے استاذ محترم کو فاتحہ خلف الامام اور گاؤں میں جمعہ پڑھنے پر دلائل سے قائل کر لیا۔ انہی اساتذہ کے دور میں آپ کی تعلیم مکمل ہوئی۔

ممتاز اہلحدیث اساتذہ

کچھ عرصہ کے بعد جب علم حدیث کے ساتھ آپ کا لگاؤ بڑھا تو علماء اہلحدیث سے سند و اجازت لینے کا شوق ہوا۔ علامہ شیخ ابو محمد عبدالحق بہاول پوری المہاجر الہندی سے سند حدیث حاصل کی۔ اور پھر تقسیم ہند سے قبل امرتسر چلے گئے۔ وہاں آپ نے شیخ الاسلام، مفسر القرآن، امام المناظرین حضرت مولانا علامہ ابوالوفاء ثناء اللہ امرتسری رحمۃ اللہ علیہ عمدۃ العلماء فقیہہ الوقت علامہ حافظ محمد عبداللہ محدث روپڑی سے اسناد حدیث حاصل کیں۔ بعد ازاں آپ نے مدرسہ سلفیہ غزنویہ میں شیخ الحدیث علامہ ابواسحاق نیک محمد رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے شیخ محمد حسین مہتمم مدرسہ کی موجودگی میں سنن ابوداؤد کی کچھ حدیثیں پڑھیں۔ شیخ موصوف رحمۃ اللہ علیہ نے امتحان

کے طور پر آپ سے کچھ سوالات کئے۔ حضرت شاہ صاحب نے جوابات عرض کئے اور سند حاصل کی۔ کچھ سالوں کے بعد محدث دوران فقیہ الوقت علامہ ابوسعید شرف الدین دہلوی، آپ کے مدرسہ میں استاذ بن کر آئے۔ تقسیم ملک سے پہلے آپ دہلی میں پھانگ جش خاں کے مدرسہ میں مدرس تھے۔ شاہ صاحب کی ان سے یہیں ملاقات ہوئی۔ تقسیم کے بعد پاکستان تشریف لے آئے۔ اس وقت شاہ صاحب مدرسہ کے مہتمم تھے۔ سابقہ تعارف کے بنا پر آپ نے ان کو اپنے مدرسہ میں تدریس کی درخواست کی۔ لہذا آپ یہاں درس و تدریس میں مصروف رہے۔ یہاں حضرت شاہ صاحب نے آپ سے بھی سند حدیث حاصل کی۔ آپ نے دیگر چند ساتھیوں سمیت اپنے گاؤں پیر جھنڈا میں شیخ عبید اللہ سندھی سے پارہ عم کی کچھ سورتوں کا درس لیا۔ اور فن اسماء الرجال میں کچھ رہنمائی حاصل کی۔ جناب شیخ سندھی آپ کے جد امجد سید رشد اللہ شاہ کے زمانے میں گاؤں پیر جھنڈا کے مدرسہ دارلرشاد کے مدرس بھی رہ چکے تھے۔

المدرستہ المحمدیہ کا قیام اور درس و تدریس

طالب علمی کے زمانے میں بھی آپ بہت سے طلباء کو ابتدائی صرف و نحو اور حدیث کی کچھ کتابیں، مثلاً شامی ترمذی وغیرہ پڑھاتے رہے۔ فارغ ہونے کے بعد بھی متعدد طلباء آپ کے پاس آتے رہے۔ اور آپ ان کو مختلف علوم و فنون کی کتب کا درس دیتے رہے۔ کسی خاص مدرسہ میں مدرس بن کر نہیں رہے۔ البتہ جب اپنے آبائی گاؤں میں مخالفین کی معاندانہ و مخالفانہ سرگرمیاں عروج پر پہنچ گئیں تو آپ نے سعید آباد کے قریب نیا گاؤں آباد کیا۔ اور یہاں المدرستہ المحمدیہ کے نام سے ایک درس گاہ قائم کی جس میں چند سال آخری جماعت کے طلباء کو تفسیر ابن کثیر اور صحیح بخاری کا درس دیتے رہے۔ اسی اثناء میں دارالحدیث مکہ کی خواہش پر تقریباً ایک سال وہاں درس کا سلسلہ جاری رہا۔ اور دورہ حدیث پڑھاتے رہے۔ پھر شیخ عبداللہ بن حمید رئیس مجلس القضاء الاعلیٰ کی درخواست پر معبد الحرام میں تقریباً دو سال تک مدرس رہے۔ وطن واپسی پر تبلیغی و تصنیفی مصروفیات کی بنا پر مستقل تدریس تو نہیں لیکن برآنے والے کو باوجود مصروفیات کے پڑھا دیتے تھے۔ اور علمی راہنمائی فرماتے رہے۔

تلامذہ

پاکستان کی ایک کثیر تعداد کے علاوہ دیگر کئی بلاد و امصار کے متعدد طلباء نے آپ کے خرمِ علم کی خوشہ چینی کی۔ تمام طلباء کے ناموں کا احصاء تو ناممکن ہے۔ البتہ مندرجہ ذیل نام، زیادہ نمایاں ہیں۔

- ۱۔ شیخ علی عامر یمنی مدیر دارالحدیث مکتہ المکرمہ
- ۲۔ شیخ عمر بن محمد بن عبد اللہ بن سبیل (امام کعبہ)
- ۳۔ شیخ عبدالقادر بن حبیب اللہ السندھی استاذ جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ
- ۴۔ شیخ حافظ تھانی محمد رحمۃ اللہ علیہ
- ۵۔ شیخ عبدالرب بن فیض اللہ الباکستانی استاذ دارالحدیث مکتہ المکرمہ حدیث کے بہت بڑے عالم ہیں۔
- ۶۔ شیخ حمدی عبدالجید الشافعی عراقی۔ آپ ان دنوں المعجم الکبیر للطبرانی کی تخریج و تحقیق میں مصروف ہیں۔

- ۷۔ شیخ بشار عواد معروف بغداد (عراق)
- ۸۔ شیخ محمد شکور بن حاجی امریہ السوری
- ۹۔ شیخ عمر احمد سیف یمن
- ۱۰۔ شیخ مقبل بن ہادی الواد علی یمن
- ۱۱۔ شیخ محمد ابوسعید الیربوزی الترکی بعلبیم
- ۱۲۔ شیخ عاصم عبداللہ القریوٹی الاردنی استاذ جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ
- ۱۳۔ شیخ ابوالخارث علی بن حسن البانی الاردنی
- ۱۴۔ شیخ وحی اللہ ندوی استاذ دارالحدیث مکتہ المکرمہ
- ۱۵۔ شیخ یعقوب بن موسیٰ الہوساوی
- ۱۶۔ شیخ محمد موسیٰ الافریقی

- ۱۷۔ شیخ سعیدی بن مہدی الہاشمی البغدادی استاذ جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ
- ۱۸۔ شیخ عبداللہ بن محمد الحرابی
- ۱۹۔ شیخ الحسن القماری السعودی
- ۲۰۔ شیخ ابوالحسن علی بن حسن الارذنی
- ۲۱۔ شیخ اسلام بن محمد الارذنی
- ۲۲۔ شیخ سیف الرحمان بن مصطفیٰ الہکی
- ۲۳۔ شیخ نور اللہ بن شہباز الہندی
- ۲۴۔ شیخ محمد بن بشار عواد بغداد
- ۲۵۔ شیخ ربیع بن الہادی السعودی
- ۲۶۔ شیخ عبدالعزیز النورستانی جامعہ اثریہ پشاور
- ۲۷۔ مولانا محمد صالح گوپانگ استاذ گوٹھ آرائیں ضلع سکھر (سندھ)
- ۲۸۔ مولانا عبدالعزیز بن محمد صالح گوپانگ استاذ گوٹھ آرائیں ضلع سکھر (سندھ)
- ۲۹۔ مولانا محمد عالم گوپانگ خطیب و مدرس گوٹھ حاجی محمد عالم ٹنڈوالہ یار
- ۳۰۔ مولانا محمد قاسم مدرس مدرسہ محمدیہ آزاد پیر جھنڈا۔
- ۳۱۔ مولانا محمد اسحاق خاٹھیلی نواب شاہ
- ۳۲۔ مولانا محمد قاسم خاٹھیلی مدرس مدرسہ محمدیہ آزاد پیر جھنڈو
- ۳۳۔ مولانا محمد عبداللہ سومر وجیکب آباد
- ۳۴۔ مولانا حکیم عزیز اللہ بگھیو نیو سعید آباد
- ۳۵۔ مولانا عبداللہ ریگستانی سابقہ استاذ مدرسہ تعلیم القرآن والحدیث حیدر آباد
- ۳۶۔ مولانا عبدالغنی مدرس دارالحدیث والقرآن ڈیپلو سندھ
- ۳۷۔ مولانا محمد ریگستانی..... ۳۸۔ مولانا فیض اللہ خاران فی لاڑکانہ..... ۳۹۔ مولانا محمد حیات لاشاری

جیکب آباد..... ۴۰۔ مولانا عبدالرزاق سیال خطیب نیو سعید آباد عربی ٹیچر گورنمنٹ ہائی اسکول کھرو..... ۴۱۔ شیخ محمد ابراہیم النورستانی..... ۴۲۔ شیخ محمد موسیٰ حال مدرس افریقہ..... ۴۳۔ مولانا محمد عیسیٰ بن مولانا محمد عبداللہ رحمہ اللہ رتوڈریو (لاڑکانہ)

۴۴۔ مولانا سید محمد شاہ راشدی

فرزندان حضرت شاہ صاحب

۴۵۔ مولانا سید نور اللہ شاہ راشدی

۴۶۔ مولانا سید رشد اللہ شاہ راشدی

دعوت کتاب و سنت، تردید شرک و بدعت، پیش آمدہ مشکلات

حضرت شاہ صاحب نے اپنی دعوت اور تقریر کا آغاز توحید و سنت کی اشاعت اور شرک و بدعت کی تردید سے کیا، اس کی مخالفت ہونا لازمی تھا۔ سندھ میں پیری مریدی کا دور دورہ تھا۔ جگہ جگہ پیروں کی گدیاں آباد تھیں۔ آستانے خلاف سنت امور کی آماجگاہ بن چکے تھے۔ لوگوں پر کئی سالوں سے تقلید و جمود نے گرفت کر رکھی تھی۔ ان حالات میں شاہ صاحب نے توحید و سنت کا آواز بلند کیا۔ اور شرک و بدعت کے خلاف آواز اٹھائی پھر کیا تھا۔ پیروں کی طرف سے مخالفت کا طوفان اٹھ کھڑا ہوا۔ انہوں نے کہا کہ اس نے دیوان حافظ پڑھا ہے۔ گمراہ ہو گیا ہے۔ مولوی صاحبان نے آگ بگولہ ہو کر کفر کے فتوے جاری فرمائے۔ کہیں سے لالچ کی ڈالیاں اور کہیں سے خطرناک نتائج کی دھمکیاں روزانہ کا معمول بن گئیں۔ کچھ لوگ وفد بن بن کر عوام کو سمجھاتے کہ اس کی تقریر نہ سنو کہ یہ خود بھی گمراہ ہو چکا ہے۔ اور تمہیں بھی گمراہ کرے گا۔ اس تمام سلسلہ ترہیب و ترغیب کے باوجود شاہ صاحب نے ان لوگوں کی اور ان کی باتوں کی قطعاً پرواہ نہ کی۔ اور بغیر ان سے تعارض کئے سلسلہ تبلیغ جاری و ساری رکھا۔ ان میں سے جو کوئی آپ کے پاس آتا آپ اُسے دلائل سے قائل کرتے۔ بہر حال جیسا کہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے کہ شاہ صاحب نے ان لوگوں کے بغض و عناد، ہٹ دھرمی اور تکالیف و مصائب کی بنا پر اپنا آبائی گاؤں چھوڑ دیا۔ اور دوسرا نیا گاؤں آباد کیا۔ اس ہجرت کے دوران آپ کو جن آزمائشوں سے دوچار ہونا پڑا وہ بذات خود ایک الگ داستان ہے۔ آپ کو اس نو آباد کردہ گاؤں سے نکالنے کی بھی بھرپور کوشش کی گئی۔ قانونی و غیر قانونی حربے استعمال کئے گئے۔ بالآخر اللہ تعالیٰ نے آپ کو شاندار اور

نمایاں کامیابیاں نصیب فرمائیں۔ جس بے مخالفین کی آنکھیں کھل گئیں۔ وللہ الحمد آپ کی تبلیغی زندگی کے مندرجہ ذیل واقعات آپ کی جاں نسل اور انتھک کاوشوں کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔

۱۔ آج سے تقریباً بارہ تیرہ سال پہلے کی بات ہے کہ میہڑ ضلع دادو میں صرف ایک الحمدیٹ آدمی تھا۔ شاہ صاحب ضلع لاڑکانہ کے دورے پر تھے کہ اس شخص نے آپ کو میہڑ تشریف لانے کی درخواست کی۔ چنانچہ آپ وہاں پہنچے۔ رات کو تقریر شروع ہوئی تقریر کا موضوع توحید خالص اور ردِ وسیلہ تھا۔ ابھی آپ کو تقریر کرتے ایک گھنٹہ ہی گزرا تھا کہ شہر کا چیمبر مین غصے سے دانت پیٹتا ہوا سیدھا شاہ صاحب کے پاس آیا۔ اور لاؤڈ اسپیکر بند کر دیا اور اعلان کیا کہ یہاں کوئی جلسہ نہیں ہو سکتا۔ شاہ صاحب نے اور ان کے ساتھی صبر اور خاموشی کے سوا کیا کر سکتے تھے؟ اللہ تعالیٰ کی نصرت و انتصار کے منتظر تھے چند ہی دنوں میں اللہ تعالیٰ نے ان سے انتقام لیا۔ تھوڑے ہی عرصہ میں اسے ایک گھناؤنے جرم میں گرفتار کر لیا گیا۔ اس طرح سے وہ کافی عرصہ جیل میں محبوس رہا۔ وہ ملاقاتیوں کے روبرو اعتراف و اقرار کرتا رہا کہ میں نے شاہ صاحب کو جو تقریر سے روکا تھا جس میں وہ صرف قرآن ہی پڑھ رہے تھے یہ مجھے اس کی سزا ملی ہے۔

۲۔ نندوالہ یار ضلع حیدرآباد کے قریب ایک مزار ہے جو گاڑ ہو (سرخ) صدر کے نام سے مشہور ہے۔ وہاں بہت بڑا میلہ لگتا ہے بہت زیادہ عورتیں جمع ہوتی ہیں۔ خوب پوجا پاٹ ہوتی ہے۔ اس مزار کے نزدیک ایک گاؤں میں ایک وڈیرے نے مسلک الحمدیٹ اختیار کیا تو شاہ صاحب کو وہاں دو تین بار خطاب کرنے کا موقع ملا۔ ان جلسوں میں اس مزار والے گاؤں کے چند لوگ بھی شریک ہوتے۔ ایک دفعہ گاؤں کے لوگوں کو خیال آیا کہ مزار والے گاؤں میں بھی حضرت کا خطاب ہونا چاہئے۔ مزار والے گاؤں کے لوگوں نے بھی اس خواہش کا اظہار کیا۔ آخر مزار پر سالانہ میلہ ہونے کے دن آپ کے خطاب کا پروگرام بنایا گیا۔ مجاوران مزار اور وڈیریوں کی طرف سے کافی دھمکیاں دی گئیں۔ اور انہوں نے مسلح ہو کر حاضرین جلسہ پر حملہ کا پروگرام بھی طے کر لیا۔ آپ کا خطاب شروع ہوا تو کسی کو حملہ کرنے کی جرأت نہ ہوئی بلکہ وہی لوگ دیوار کے پیچھے بیٹھ کر خاموشی سے

آپ کا وعظ و ارشاد سنتے رہے۔ اور آپ کی واپسی کے بعد ان لوگوں کے تاثرات یہ تھے کہ حق یہی ہے جو شاہ صاحب نے بیان فرمایا ہے۔

۳۔ ٹڈوٹھا خان ضلع ساگھڑ کے قریب ”مہرجی بھٹ“ کے نام سے ایک مشہور گاؤں ہے۔ اس ٹیلہ پر ایک شخص نے ایک جعلی قبر بنا ڈالی کہنے لگا مجھے یہاں ایک ولی اللہ کی موجودگی کا اشارہ ہوا ہے۔ یہاں پوجا کا سلسلہ جاری ہو گیا۔ اور یہاں ہفتہ وار اجتماع ہونے لگا۔ حضرت شاہ صاحب وہاں تشریف لے گئے اور اس شخص کو بہت سمجھایا۔ لیکن وہ باز نہ آیا۔ آپ نے اس سے مخاطب ہو کر یہ آیات پڑھیں۔

وَانْظُرْ إِلَى إِلَهِكَ الَّذِي ظَلْتَ عَلَيْهِ عَاكِفًا لَّنُحَرِّقَنَّهُ ثُمَّ لَنَنْسِفَنَّهُ فِي الْيَمِّ نَسْفًا ۝ إِنَّمَا إِلَهُكُمُ اللَّهُ الَّذِي لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ وَسِعَ كُلُّ شَيْءٍ عِلْمًا ۝ (طہ: ۹۷، ۹۸)

اور آپ کے ساتھیوں نے اس جعلی قبر کو مسمار کر دیا۔ آپ کے آنے کے بعد اس نے بعض با اثر اہل بدعت لوگوں کی مدد سے آپ کے خلاف مقدمہ دائر کر دیا۔ لیکن وہ لوگ اس قبر کو حقیقی قبر ثابت نہ کر سکے۔ اور آپ کے ایک بار سوخ موحد دوست کی کوششوں سے یہ کیس بھی ختم ہو گیا۔ اور یہ تمام کاروبار جعلی ثابت ہو گیا۔ ۴۔ اسی طرح آپ کے گاؤں کے قریب ایک مزار ہے جس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ کسی شاہ عبدالرحمان نامی بزرگ کا مزار ہے۔ وہاں ہر مہینہ کی چودھویں رات کو میلہ لگتا تھا۔ جن نکلوانے کے لئے بہت سی عورتیں حاضری بھرتی تھیں۔ اجتماع والی رات حضرت اپنے طلباء کے ساتھ وہاں پہنچے اور اجازت لینے کے بعد وہاں آپ نے تقریباً دو گھنٹے تقریر فرمائی جس میں آپ نے توحید، شرک و بدعت اور رسومات و لغویات میلہ پر خوب روشنی ڈالی۔ اس اجتماع کے منتظم نے سخت مزاحمت کی۔ بلکہ آپ کو انتہائی فحش گالیاں دیں۔ آپ خاموشی سے سنتے رہے اور اسے مسائل سمجھاتے رہے۔ بالآخر وہ اپنے ساتھیوں سمیت آمادہ پیکار ہوا۔ لیکن جب اس نے شاہ صاحب اور آپ کے ساتھیوں کو سینہ سپر پایا تو وہ اتنا مرعوب ہو گیا کہ لڑنے کی ہمت نہ رہی۔

صدق اللہ سبحانہ و تعالیٰ

سَنُلْقِي فِي قُلُوبِ الَّذِينَ كَفَرُوا الرُّعْبَ بِمَا أَشْرَكُوا بِاللَّهِ مَا لَمْ يُنَزَّلْ بِهِ سُلْطَانًا

(آل عمران: ۱۵۱)

اور شاہ صاحب کی تقریر دلپذیر کا اتنا اثر ہوا کہ اس مزاحم آدمی کا بڑا ساتھی جو ہر چودھویں تاریخ کو زبح کرنے کے لئے گائے بطور نذرانہ پیش کرتا تھا اس نے بالکل توبہ کر لی۔ اور گائے وغیرہ پیش کرنے سے مستقلاً انکار کر دیا۔ اس وقت سے آج تک ۲۵ سال ہونے کے ہیں۔ پھر وہاں کوئی اجتماع نہیں ہوا۔ اور اس ظالم لڑنے والے کو اللہ نے ایسا پکڑا کہ الامان والحفیظ۔ وہ ایسا مبتلاء عذاب ہوا کہ جس کو یاد کرتے ہوئے بھی رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔

۵۔ آپ کے گاؤں سے پانچ سات میل دور جمالی بلوچ کا گاؤں ہے۔ وہاں محمد عثمان جمالی صوبیدار و دیگر کچھ اہل حدیث احباب رہتے تھے۔ ان کی خواہش پر آپ وہاں تقریر کرنے پہنچے گاؤں کی مسجد میں پروگرام تھا۔ لیکن گاؤں میں اہل بدعت کی اکثریت نے آپ کو مسجد میں تقریر کرنے سے منع کر دیا۔ اہل حدیث لوگوں نے اصرار کیا تو وہ لڑنے کو تیار ہو گئے۔ لڑھکیاں اور کپھاڑیاں لے کر مسجد میں جمع ہو گئے۔ اہل حدیث کہہ رہے تھے کہ ہم لڑیں گے اور تقریر ضرور کروائیں گے۔ آج ہماری قربانی کا دن ہے۔ آپ نے اپنے ساتھیوں کو ایسا کرنے سے منع کیا اور صبر کی تلقین کی۔ اور انہیں سمجھایا بھجایا کہ ہمارا کام دعوت دینا ہے۔ لڑنے سے ہمارے مشن کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہے۔ اس پر ایک شخص جس حاجی خان محمد نے اپنا گھر خالی کروا کر وہاں تقریر فرمانے کی درخواست کی۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا آپ نے وہاں ایسی تقریر فرمائی کہ مخالفین کی آنکھیں کھل گئیں۔ مخالفت کا سارا زور ٹوٹ گیا۔ اور اب اس گاؤں میں کئی بار آپ جلسوں میں شرکت فرما چکے ہیں۔

۶۔ ضلع ساگھر میں ایک مقام پر سندھ کے کسی بڑے پیر نے اپنے مریدوں کو زیارت کروائی۔ مریدوں نے اس مقام کے گرد خاردار باڑ لگا دی۔ مرید وہاں جمع ہو کر نفل پڑھتے، دعائیں مانگتے اور اس جگہ کو قبولیت وعا کا سبب جانتے تھے۔ شاہ صاحب کا اپنے ساتھیوں سمیت وہاں سے گزر ہوا۔ پوچھنے پر حقیقت حال معلوم ہوئی۔ آپ نے اس باڑ کو جلانے کا حکم دیا۔ اسے جب جلا دیا گیا

تو وہ پیر صاحب اور مرید بہت بگڑے لیکن اللہ کا کرنا ایسا ہوا کہ اس پیر صاحب اور اُن کے مریدوں کو حضرت شاہ صاحب سے تعاون لینا پڑا۔ اس لئے یہ مخالفت بھی ختم ہو گئی۔

۷۔ لاڑکانہ میں جب پہلا اجلاس کرنے کا اعلان ہوا۔ تو اس وقت یہاں احباب جماعت بہت قلیل تعداد میں تھے۔ اس وقت کے تمام پیروں اور گدی نشینوں نے اپنے مریدوں کو جلسہ میں شرکت سے منع کیا اور کہا کہ یہ معاذ اللہ گستاخ رسول ﷺ ہیں۔ اور اولیاء اللہ کے دشمن ہیں۔ ان کی تقریر سنو گے تو کافر ہو جاؤ گے۔ جب شاہ صاحب لاڑکانہ پہنچے تو مخالفین کے شدید پروپیگنڈہ کی وجہ سے احباب جماعت کو بہت مایوس پایا کہ شاید لوگوں کی حاضری کم ہو آپ نے ان کو تسلی دی کہ انشاء اللہ معاملہ اس کے برعکس ہوگا۔ اس پروپیگنڈہ کی بنا پر لوگوں کی زیادہ تعداد شامل ہو گئی کہ دیکھیں کہ کس قسم کی گستاخیاں ہوتی ہیں۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ جائے جلسہ والا باغ کچھا کچھ بھرا ہوا تھا۔ کئی لوگ حقیقت حال سے آگاہ ہوئے اور غلط متعصبانہ پروپیگنڈہ کی قلعی کھل جانے پر اس کی مذمت کرتے دیکھے نئے گئے۔

اسفار اور وعظ و ارشاد

شاہ صاحب کا تقسیم ہند سے پہلے ہندوستان کے بعض شہروں میں جانا ہوا۔ ۱۹۴۵ء میں بنالہ ضلع گورداسپور میں کانفرنس منعقد ہوئی آپ نے اہل حدیث کے امتیازی مسائل پر ایک مقالہ احسن الدلائل علی بعض المسائل پڑھا۔ اس سے اگلے سال آپ نے بنالہ کانفرنس کی صدارت کی اور فرقہ ناجیہ کے موضوع پر ایک مختصر تقریر کی۔ اس کانفرنس میں دیگر علماء کے علاوہ مشہور مفسر و محدث جلسہ میں اراکین جلسہ کے اصرار پر آپ نے سندھی زبان میں ”تھانیت مسلک اہلحدیث“ پر تقریر فرمائی۔ اسی سال دہلی چلے گئے۔ اور وہاں دس دن تک قیام کیا۔ اور علماء سے ملاقاتوں کا سلسلہ جاری رہا۔ علامہ عبدالرحمان صاحب نو مسلم (جو آج کل کراچی میں آباد ہیں) کی دعوت پر ان کی مسجد میں خطبہ جمعہ دیا۔ اسی اثناء میں علامہ موسیٰ جار اللہ بھی تشریف فرما تھے۔ اُن سے ملاقات ہوئی۔ اور تقریباً تین گھنٹے تک عربی زبان میں سلسلہ گفتگو جاری رہا۔ کیونکہ علامہ صاحب موصوف اردو بالکل نہیں جانتے تھے۔ دہلی کے بعد امرتسر پہنچے۔ اور شیخ الاسلام حضرت علامہ امرتسری

ﷺ کے مہمان ہوئے۔ اور آپ سے کئی مسائل میں استفادہ کیا۔ اسی دوران چند مرتبہ احمد پور جانے کا اتفاق ہوا۔ یہاں آپ علامہ محدث ابو محمد عبدالحق بہاولپوری المہاجر المکی کے ہاں مہمان رہے۔ اور کئی مرتبہ ان کی مسجد عباسیہ میں تقریریں کیں۔ تقسیم ملک کے بعد پھر ہندوستان جانے کا اتفاق نہ ہوا۔

اللہ تعالیٰ نے آپ کو متعدد بار حج پر جانے کی سعادت بخشی۔ اور حرمین شریفین میں سلسلہ تقاریر سے خلق خدا کو مستفید کرنے کا موقع ملتا ہے۔ ایک دفعہ دارالحدیث مکہ المکرمہ میں طلباء و اساتذہ کے سامنے اتباع سنت پر محاضرہ دیا۔ طلباء اور دیگر اساتذہ کے علاوہ فضیلۃ الشیخ علامہ ناصر الدین الالبانی بھی موجود تھے۔ چونکہ کچھ اساتذہ نے تصوف کی حمایت میں کچھ بیانات دیئے تھے۔ لہذا حضرت شاہ صاحب نے اس تقریر میں تصوف کی خوب تردید کی۔ اور اس کی حقیقت کو طشت ازبام کیا۔ جس پر بعض صوفی اساتذہ جو اپنے آپ کو چھپائے رکھتے تھے۔ وہ ظاہر ہوئے بالآخر ان کو مدینہ یونیورسٹی سے نکال دیا گیا۔

دوسرے محاضرہ میں آپ نے محدثین کی خدمات، علم حدیث کے حصول اور نشر میں ان کے مصائب کا ذکر کیا۔ یہ دونوں محاضرہ ساتھ الشیخ عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز کی دعوت پر دیئے گئے۔ شیخ موصوف اس وقت مدینہ یونیورسٹی کے وائس چانسلر تھے۔ علاوہ ازیں آپ مدینہ کے قریب بستی جرف میں بھی جاتے رہے۔ اور مساجد میں تقاریر ہوتی رہیں۔

ایک دفعہ مدینہ منورہ میں مخالفین نے ایک غنڈہ کو شاہ صاحب پر قاتلانہ حملہ کے لئے تیار کیا۔ نماز مغرب کے بعد جب آپ تقریر فرما رہے تھے تو وہ شخص مجمع میں گھس آیا اور آلتی پالتی مار کر آپ کے سامنے بیٹھ گیا۔ آپ نے اس کو مشتبہ ضرور سمجھا لیکن تقریر جاری رکھی تھوڑی دیر کے بعد اس شخص کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ پھر اس نے اپنے بھیجنے والوں کو بتایا کہ مجھے مذموم ارادہ کو عملی جامہ پہنانے کی جرأت نہ ہو سکی۔

ایک دفعہ کا واقعہ ہے کہ مدینہ منورہ میں دوران تقریر ایک سندھی نے کچھ اعتراضات کئے اور کچھ بدکلامی کرنے کے بعد بڑبڑاتا ہوا باہر چلا گیا۔ اسی سال شاہ صاحب مکہ مکرمہ پہنچے اور حسب عادت بعد نماز مغرب حرم شریف میں تقریر شروع کی۔ وہی سندھی کسی ایک کو نے میں آ بیٹھا اور پھر وہی اعتراضات اور بدکلامی شروع کی۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک غیبی امداد پہنچی کہ اچانک ایک شخص جو پہلے وہاں مجلس میں موجود

نہیں تھا نہ معلوم وہاں کیسے آن پہنچا۔ اس نے اس معترض بدکلام کو پکڑا اور جوتوں سے اس کی خوب پٹائی کی۔ شاہ صاحب حیران رہ گئے اور آپ نے حاضرین سے درخواست کی کہ اس غریب کو چھڑاؤ۔ لیکن وہ مارنے والا شخص اچانک وہاں سے غائب ہو گیا۔

حج کے موقع پر ایک مہینے تک حکومت کی طرف سے روزانہ مختلف زبانوں میں تقریروں کا انتظام ہوتا تھا۔ بعض شیعہ لوگ شرارت کرتے تھے اور ہر سال پاکستانی و ہندوستانی محرم کے دنوں میں اماموں کے ناموں کی کئی سبلیں لگاتے تھے۔ مقررین کو حکومت کی طرف سے ہدایات ملیں کہ خلافت راشدہ بیان کریں۔ اور سبیلوں کی تردید کریں۔ شاہ صاحب نے مسلسل دوراتوں میں اس موضوع پر سیر حاصل گفتگو کی جس کا اثر یہ ہوا کہ کسی ایک آدھ کے علاوہ کوئی سبیل نہ لگائی گئی۔ اسی طرح ”منی“ میں مصر کے رئیس انصار السنہ شیخ رشاد شافعی اور ان کی جماعت کی دعوت پر ان کے خیمہ میں گئے۔ وہاں آپ نے توحید و اتباع سنت پر تقریر کی اور دو مسائل یعنی ڈاڑھی منڈھانا جو کہ مصریوں کا عام رواج ہے۔ اور فتنہ انکارِ حدیث پر بڑی بصیرت افروز گفتگو کی بعض حاضرین نے حدیث کی بابت اپنے کچھ اعتراضات پیش کئے جن میں سے اُن کا ایک اعتراض یہ بھی تھا کہ قرآن حکیم میں کافروں کا قول ہے ان تعبوا الا رجلا مسحورا اور بخاری کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ پر جادو کیا گیا۔ اس میں تعارض ہے اور قرآن کریم آپ کو معصوم بھی بتاتا ہے۔ آپ نے معترضین سے سوال کیا کہ یہ عصمت سب انبیاء کے لئے ہے یا صرف رسول اللہ ﷺ کے لئے خاص ہے تو انہوں نے کہا کہ سب کے لئے ہے۔ آپ نے سورۃ طہ کی یہ آیات پڑھیں ﴿فَإِذَا جَاءَهُمْ وَعَصِيَهُمْ يُخَيَّلُ إِلَيْهِ مِنْ سِحْرِهِمْ أَنَّهَا تَسْمَعُ﴾ اور کہا کہ موسیٰ علیہ السلام پر سحر کا اثر ہوا۔ اور اگر یہ وجہ حدیث پر اعتراض کرنے کی ہے تو یہی اعتراض قرآن پر بھی وارد ہو سکتا ہے۔ اس پر وہ خاموش ہو گئے۔ آپ نے انہیں مزید سمجھایا کہ نبی اکرم ﷺ چونکہ انسان اور بشر تھے۔ انسانوں کے جسم پر جادو کا اثر ہو جاتا ہے اور کئی جسمانی تکالیف ہو سکتی ہیں۔ اس بات میں آپ انسانوں میں سے مستثنیٰ نہیں ہیں۔ لیکن رسول اور نبی ﷺ ہونے کی حیثیت سے آپ کی دعوت و تبلیغ اور وحی الہی بیان کرنے پر کوئی اثر نہ ہوا۔ اور نہ آپ سے کوئی غلط یا خلاف حق بات سرزد ہوئی۔ اور یہی آپ کی عصمت کے لئے بڑی دلیل ہے کہ جسم اطہر پر اثر ہونے کے باوجود کوئی حکم الہی نہ بھولے اور نہ

غلطی سے اُسے بدلا۔ اس پر سب لوگ مطمئن اور خاموش ہو گئے۔

اسی طرح مدینہ منورہ میں کچھ لوگوں نے حکام سے آپ کی شکایت کی کہ یہ لوگوں کو گمراہ کر رہا ہے۔ اس کو تقریر کرنے سے روکا جائے۔ چنانچہ حکومت کی طرف سے کئی آدمی آکر آپ کی تقریر سنتے۔ اور شکایت کنندگان کو یہ جواب ملتا۔ کہ آپ جو بات کہتے ہیں وہ بادل ہیں۔ لہذا پابندی وغیرہ عائد نہیں کی جاسکتی۔ اور اسی سال مسجد نبوی ﷺ میں روزانہ نماز عصر کے بعد لاؤڈ اسپیکر پر تقریر کرنے کے لئے آپ کی خدمات حاصل کی گئیں۔ حج کے موقع پر بھی یہی معمول رہتا تھا۔ جب چند سال تک آپ کو مکہ مکرمہ میں سکونت پذیر ہوئے تو یہ سلسلہ باقاعدہ اہتمام سے جاری رہا۔ حرمین کے علاوہ دوسرے کئی شہروں میں بھی آپ کے خطابات ہوئے وہاں تدریس کے علاوہ فجر کی نماز کے بعد سنن ابی داؤد، اصول حدیث اور اسماء الرجال کے دروس ہوتے تھے۔ مغرب کے بعد ایک رات صحیح بخاری اور ایک رات تفسیر ابن کثیر کا درس ہوتا تھا۔ یہ درس عربی زبان میں ہوتے تھے۔ جن میں مختلف عرب ممالک مثلاً کویت، مصر، شام اور سوڈان کے کثیر تعداد میں لوگ حاضر ہوتے تھے اور کیمٹیں تیار کر کے اپنے اپنے ملک میں لے جاتے تھے۔ ہر جمعرات کو اردو میں عام تقریر ہوتی تھی۔ حج کے دنوں میں منی میں تقریروں کا سلسلہ جاری رہتا تھا حرم الہی میں آپ کی تقریر و تبلیغ کے لئے سب سے بڑی رکاوٹ تبلیغی جماعت تھی۔ کیونکہ آپ ان کے طریقہ کار پر تنقید کرتے۔ آپ کہتے تھے کہ صرف کلمہ پڑھنا ہی کافی نہیں۔ بلکہ توحید و سنت کو اجاگر کرنا۔ شرک کی تردید اور بدعت کی نشاندہی کرنا ضروری ہے۔ اور آپ نے ان کے چلے وغیرہ کو بدعت کہا۔ جس پر وہ بہت براہم ہوتے اور شکایتیں کرتے مگر بحمد اللہ وہ کامیاب نہ ہو سکے۔

آپ نے ریاست عمان کا بھی دورہ کیا۔ یہاں کا سرکاری مذہب ”اباضیہ“ یعنی خوارج ہے۔ انہی لوگوں کی اکثریت ہے۔ اس لئے آپ کو سرکاری مسجد میں تقریر کرنے کی اجازت نہ ملی۔ کچھ دیوبندی احباب ہیں۔ اہل حدیث بالکل تھوڑے ہیں۔ انہی لوگوں کی دعوت پر آپ وہاں تشریف لے گئے، مختلف مساجد میں عربی و اردو میں تقریر فرمائیں۔ مطرح کلاتھ مارکیٹ کی مسجد میں خطبہ جمعہ ارشاد فرمایا۔ وہاں کے قضاة حضرات اور بعض دیگر حکام سے ملاقات ہوئی۔ الامارات المتحدہ العربیہ (گلف) کے دورے میں آپ نے

شارجہ، دبی، ابوظہبی، خورفکان، عجمان شہروں میں تقاریر فرمائیں۔ ریاست العجمان کی سرکاری مسجد میں جمعہ پڑھایا، شارجہ کی ایک مسجد میں دو خطبات دیئے۔ شارجہ اور عجمان کے سرکاری نشر و اشاعت کے اداروں میں کئی محاضرات دیئے۔ چونکہ وزارت الاوقاف کی طرف سے آپ کو تقاریر کرنے کے لئے عام اجازت نامہ حاصل تھا۔ لہذا آپ نے وہاں خوب تبلیغ دین کی۔

سرزمین حجاز میں محاضرہ

کچھ سالوں کی بات ہے کہ راشدی صاحب حج کے لئے گئے۔ اس وقت فضیلۃ الشیخ علامہ عبدالعزیز بن باز الجامعۃ الاسلامیہ مدینہ منورہ (مدینہ یونیورسٹی) میں نائب رئیس (وائس چانسلر) تھے۔ ان دنوں علامہ احسان الہی ظہیر وہاں زیر تعلیم تھے۔ قاعدہ یہ تھا کہ ہفتہ عشرہ میں ایک نادی قائم ہوتی تھی جس میں طلباء کی تقریریں اور مباحثے ہوتے تھے۔ یہ اجتماع مغرب کے بعد منعقد ہوتا تھا۔ ایک اجتماع میں شیخ عطیہ سالم (جو جامعہ میں مدرس تھے) کے اصرار پر شاہ صاحب بھی ایک اجتماع میں شریک ہوئے۔ کچھ دیر بیٹھنے کے بعد جانے کا ارادہ کیا تو فضیلۃ الشیخ ناصر الدین الالبانی نے آپ سے کہا کہ آپ ابھی نہ جائیں۔ کیونکہ شیخ عطیہ سالم تصوف پر ایک مقالہ پیش کرنے والے ہیں۔ لہذا آپ کی یہاں موجودگی انتہائی ضروری ہے۔ آپ بیٹھ گئے۔ شیخ عطیہ سالم کی باری آئی۔ تو انہوں نے اپنے مقالہ میں تصوف کی تائید و ترویج کے ساتھ اس کی حقانیت پر بڑا زور دیا۔ اور شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ اور حافظ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ کی عبارات اس انداز سے نقل کیں کہ ان کے اصل مفہوم و مراد سے ہٹ کر ماقبل اور مابعد سے اعراض کرتے ہوئے اپنے مطلب کی باتیں جو کہ فی الحقیقت نا تمام عبارتیں تھیں پیش کیں۔ بعد میں اس مقالہ پر شیخ محمد امان اور شیخ الالبانی نے تنقیدی تقریریں کیں۔ آپ خاموش سنتے رہے۔ طلباء میں ہيجان کی سی کیفیت تھی۔ شیخ ابن باز ریاض گئے ہوئے تھے۔ ان کی واپس تشریف آوری پر ان سے شکایت کی گئی۔ شیخ موصوف نے تنہائی میں شاہ صاحب سے حقیقت حال کی وضاحت چاہی۔ شاہ صاحب نے انہیں بتایا کہ واقعی عطیہ سالم نے بڑے زور و شور سے تصوف کی تائید کی ہے۔ اور دونوں بزرگوں (ابن تیمیہ، ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ) کی عبارتیں بار بار پڑھیں۔ لیکن اس انداز سے اختلاس لا اقتبس۔ فضیلۃ الشیخ فوراً سمجھ گئے۔ چند دنوں کے بعد شاہ صاحب کو جامعہ میں محاضرہ

کے لئے دعوت دی گئی۔ چنانچہ وقت مقرر پر آپ وہاں پہنچے۔ طلباء کے علاوہ جامعہ کے جملہ اساتذہ شیخ الالبانی و دیگر شیوخ موجود تھے۔ محاضرہ کا موضوع اتباع الکتاب والسنۃ مقرر ہوا۔ چونکہ شیخ عطیہ اس سے پہلے نادیہ کے اجتماع والی رات کے اجلاس شروع ہونے سے پہلے آپ کے ساتھ تصوف کے بارے میں نجی گفتگو کر چکے تھے۔ انہوں نے آپ سے تصوف کے بارے میں رائے پوچھی تو آپ نے کہا کہ دراصل یہ برہمنوں کا طریقہ ہے جس کو عربی زبان میں ترجمہ کر کے مسلمانوں کو گمراہ کرنے کے لئے ان میں رائج کیا گیا ہے۔ اور کئی لوگ محض حسن ظن کی بنا پر اس کو اپنانے لگے۔ مگر کھف حقیقت کے بعد کئی ایماندار لوگ تصوف سے دست کش ہو کر تائب ہوئے۔ اور کئی ایسے تھے جو ہمیشہ کے لئے اس میں غرق ہو گئے اس گفتگو سے شیخ عطیہ سالم نے اندازہ کر لیا تھا کہ شاہ صاحب تصوف کو اچھا نہیں سمجھتے۔ اور انہیں یہ بھی خطرہ تھا، کہ شاہ صاحب کہیں اپنے محاضر میں تصوف کی تردید نہ کر دیں۔ لہذا انہوں نے مسجل (ٹیپ ریکارڈ) کو جان بوجھ کر خراب کر دیا۔ تاکہ محاضرہ کی تبجیل نہ ہو سکے۔ افسوس ہے کہ وہ ایک علمی محاضرہ تھا جس کو آج تک وہاں کے لوگ یاد کرتے ہیں۔ وہ محفوظ نہ رہ سکا۔

آپ نے اس محاضرہ میں کتاب وسنت کی اتباع، تقلید و مذاہب کی تردید، قرآن وحدیث، اقوال سلف صالحین و آئمہ اربعہ سے بیان کی۔ اور تصوف کی قلعی کھول ڈالی۔ آپ نے تصوف کی تردید میں نتیجتاً فرمایا کہ جتنے بھی صوفی ہیں ان کو مندرجہ ذیل تین گروہوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔

۱۔ وہ صوفی جو کئی قسم کی منکرات میں مبتلا ہیں۔ اور اپنے موقف کی تائید میں احادیث گھڑتے ہیں۔ مثلاً انا حمد بلامیم۔ انا عرب بلا عین۔ النظر الی وجہ الامراۃ عبادۃ، انظروا الی حسان الوجوہ فانہا تزید فی المروۃ وغیرہا اور ساتھ یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ ہم یہ اچھا کام کرتے ہیں۔ اور ثواب کی امید رکھتے ہیں۔

اس لئے کہ دین کی ترغیب دلاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ پر جھوٹ نہیں بولتے بلکہ ان کے لئے بولتے ہیں۔ جیسے سیوطی رحمہ اللہ نے الفیہ الحدیث میں کہا ہے۔

وشرهم صوفیة قد وضعوا محتسبین الاجر فیما يدعوا

ان کی اکثریت منشیات اور اغلام بازی کی شکار ہوتی ہے۔

۲۔ دوسری قسم کے صوفی وہ ہیں جو اکثر بدعات میں مبتلا ہیں۔ مثلاً مسنون طریقہ سے زیادہ وظائف اور پھران کے لطائف۔ پھر مراقبہ۔ اس قسم کی کئی شیطیات ہیں۔ پھران کی خلوت جن میں کئی منکرات ہوتی ہیں۔

۳۔ تیسری قسم اُن صوفیوں کی ہے جن میں مذکورہ دو صفتیں تو نہیں پائی جاتیں البتہ وہ رسومات میں مبتلا ہوتے ہیں۔ کئی بار ان کو دیکھا گیا ہے کہ بار بار وضو کرتے اور نماز دہراتے ہیں۔ کئی بار یہ بھی دیکھا ہے کہ وضو کو ختم کرنے والے ہوتے ہیں تو پھر از سر نو وضو کرنا شروع کر دیتے ہیں۔

اس بیان کے بعد شاہ صاحب کی زبان سے یہ الفاظ ادا ہو گئے۔ وهذا القسم اھونھم یعنی یہ تینوں اقسام میں سے ہلکی قسم ہے تو پورے ہال سے آوازیں آنے لگیں لاھولاء اشدھم یعنی نہیں یہ ان سب میں بڑے سخت ہیں۔

محاضرہ ختم ہونے کے بعد شیخ ابن باز نے اس پر بہترین تعلیق و تقریظ چڑھائی اور تعریف کی۔ اس کے بعد شیخ عطیہ نے شیخ صاحب موصوف سے کچھ کہنے کی اجازت چاہی اور جو کچھ کہا اس کا خلاصہ یہ ہے۔ دراصل پہلے صوفی نہایت نیک بزرگ اور متقی تھے۔ لیکن یہ چیزیں اُن میں بعد میں در آئیں۔ شاہ صاحب فوراً اٹھے اور فرمایا کہ اگر ہم شیخ عطیہ کی یہ بات تسلیم کر لیں تو سچ بتائیں کہ اگر ہم تصوف کا یہ دروازہ نہ کھولتے تو یہ منکرات ہمارے اسلام میں جگہ پکڑ سکتی تھیں تو پورے ہال سے لالا لالا کی آوازیں آنے لگیں اور اس پر یہ محاضرہ ختم ہوا۔ اس تقریر کا یہ اثر ہوا کہ جامعہ اسلامیہ سے گیارہ صوفی اساتذہ کو فارغ کر دیا گیا۔

کتب خانہ:

آپ کے پاس نادر و نایاب قیمتی کتب کا ایک بہت بڑا کتب خانہ ہے جو المکتبۃ الراشدیہ کے نام سے تشنگان علم کے لئے منبج فیض بنا ہوا ہے۔ اس میں دس ہزار کے قریب کتب موجود ہیں۔ اس میں غیر مذاہب کی کتابوں کے علاوہ ہر فن کی کتاب موجود ہے۔ یہ کتب خانہ درحقیقت آپ کے دادا محترم نے جمع کیا تھا۔ ان کی وفات کے بعد تقسیم ہو گیا۔ کچھ والد محترم کے حصہ میں آیا اور کچھ چچاؤں کے پاس چلا گیا۔ ان کی

وفات پر چچا زاد بھائیوں نے کتب بیچ دیں۔

حضرت شاہ صاحب کو اپنے والد محترم کی طرف سے چند کتابیں ملیں۔ پوری ایک الماری بھی نہ تھی۔ باقی کتب آپ نے خود جمع کی ہیں جو کچھ گزر اوقات سے بچتا ہے ان سے کتابیں خرید لیتے ہیں۔ چندہ سے کبھی کوئی کتاب نہیں خریدی۔ اب موجودہ جگہ نیو سعید آباد میں عرصہ ۲۰ سال سے رہ رہے ہیں۔ اور یہاں چشمہ فیض جاری کئے ہوئے ہیں۔

آپ کے نزدیک مولانا سید محبت اللہ شاہ، مولانا محمد عطاء اللہ حنیف اور مولانا شمس الحق ملتانی کے کتب خانے بہت وسیع ہیں۔

تصانیف و تالیفات:

حضرت سید بدیع الدین شاہ صاحب بڑے زود اور بسیار نویس ہیں۔ بڑے سے بڑے اور ادق سے ادق موضوع پر بڑی سلاست و روانی سے عالمانہ و فاضلانہ اور محققانہ طور پر قلم اٹھاتے ہیں کہ موضوع کا حق ادا کر دیتے ہیں۔ کوئی پہلو کھنڈہ تکمیل نہیں رہتا۔ اب تک آپ نے عربی میں ۶۰ اردو میں ۳۰ سے زائد اور سندھی زبان میں ۴۰ سے زائد تحریر کیں ہیں۔

اولاد و احفاد:

شاہ صاحب کے چار فرزند ارجمند اور تین بیٹیاں ہیں۔
۱۔ محمد شاہ راشدی جن کا ۱۹۹۹ء کو انتقال ہو گیا تھا۔ ۲۔ نور اللہ شاہ راشدی شاہ صاحب کا گم شدہ بیٹا
۳۔ رشد اللہ شاہ راشدی عرف شہزادہ ۴۔ ابراہیم خلیل اللہ عرف حاکم

وفات:

شاہ صاحب رحمہ اللہ کی وفات ۸ جنوری ۱۹۹۶ء کو کراچی کے علاقہ موسیٰ لین میں ہوئی اور رات ہی کو ان کی نعش نیو سعید آباد لائی گئی اور دوسرے دن فضیلۃ الشیخ عبداللہ ناصر الرحمانی صاحب نے ان کی نماز جنازہ پڑھائی اور بعد میں ان کو ان کے آبائی قبرستان میں دفن کر دیا گیا۔ اللھم اغفرلہ وارحمہ
(ماخوذ تذکرہ علماء الحدیث بتصرف قلیل)

مجھ سا مشتاق نہ پاؤ گے جہاں میں
ڈھونڈو گے گر چراغ رخ زیالے کر

شخصیت

آیۃ من آیات اللہ شیخ العرب والعجم سید بدیع الدین شاہ راشدی رحمۃ اللہ علیہ پیر آف جھنڈا

عمر بہادر کعبہ و بُت خانہ می نالذہیات

تاز بزم عشق یک دانائے راز آید برون

جنوری ۱۹۹۵ء میں سید محبت اللہ شاہ راشدی صاحب اللواء السادس کے انتقال پر ملال کا سانحہ عظیمہ پیش آیا تھا اور ان کی وفات کے ایک سال بعد ان کے برادر اصغر سید بدیع الدین شاہ پیر جھنڈا بھی راعی ملک بقاء ہو گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ ان للہ ما اخذ ولہ ما اعطی ولا نقول الا ما یرضی بہ ربنا تبارک وتعالیٰ

پیر صاحب کا انتقال ۸ جنوری ۱۹۹۶ء (۱۶ شعبان ۱۴۱۵ھ) کو اپنے برادر اکبر کی وفات کے پورے ایک سال بعد ہوا۔ اس اعتبار سے ۱۹۹۵ء کا سال بھی ہمارے لئے عام الحزن تھا کہ پیر محبت اللہ جیسی پاکباز اور علم و فضل کے ذرہ علیا پر فائز شخصیت سے ہم محروم ہو گئے اور ۱۹۹۶ء کا سال بھی غم و حزن کا سال ہے کہ اس کے آغاز ہی میں ہمیں شیخ العرب والعجم، محدث و مفسر اور عظیم مبلغ و داعی کبیر سید بدیع الدین پیر آف جھنڈا کی دائمی جدائی کا صدمہ سہنا پڑا۔ پیر صاحب کی تاریخ ولادت ۱۸ ذوالحجہ ۱۳۳۳ھ ہے۔ اس حساب سے ۷۳ سال اور ششماہ حساب سے ۷۵ سال کی عمر میں حضرت پیر صاحب نے وفات پائی۔

ع خدا مغفرت کرے عجب آزاد مرد تھا

پیر صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ نے خاندانی شرف و وجاہت کے علاوہ علم و فضل کی خوبیوں، تفقہ اور استنباط کی بہترین صلاحیتوں، دعوت و تبلیغ کے ولولوں اور جذبوں، تصنیف و تالیف کے سلیقے اور نقد و تحقیق کی اعلیٰ ذوق، قوت حافظہ اور اخلاق و کردار کی رفعتوں سے نوازا تھا۔ ان خوبیوں نے انہیں مجموعہ صفات اور مجمع

☆ مدیر شعبہ تحقیق و تصنیف دار السلام لاہور، سابق مدیر مفت روزہ ”الاعتصام لاہور“، مفسر و شارح مصنف کتب کثیرہ، معروف مقالہ نگار

کمالات بنادیا تھا۔

ولیس علی اللہ بمستنکر ان یجمع العالم فی واحد

وہ سندھ کے راشدی خاندان کے چشم و چراغ بلکہ اس کے گل سرسبد تھے جو سندھ کا ایک ممتاز خاندان ہے۔ اس کی دو شاخیں ہیں۔ ایک پیر پگاڑا اور دوسری پیر جھنڈا کہلاتی ہے۔ اس کی ضروری تفصیل راقم اپنے اس مضمون میں بیان کر چکا ہے جو پیر محبت اللہ شاہ راشدی رحمۃ اللہ علیہ پر تحریر کیا تھا اور جو الاعتصام (جلد ۷۷ شماره ۱۲) میں چھپ چکا ہے۔

پیر صاحب نے جن اساتذہ سے کسب فیض کیا تھا، وہ تقریباً سب حنفی تھے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے انہیں تقلیدی جمود سے محفوظ رکھا، اس میں جہاں ان کے والدین کی تربیت اور اتباع سنت کے اس ماحول نے مؤثر کردار ادا کیا۔ جو انہیں ان کے گھر کے اندر ملا۔ وہاں ان کے ذوق تحقیق کا بھی اس میں بہت دخل ہے۔ مبدر فیض کی کرم گستری نے نقد و تحقیق کا بہت اعلیٰ ذوق انہیں ودیعت کیا۔ وہ ہر بات کو خوب پرکھتے، جانچتے اور اسے دلائل کی میزان میں تولتے، ذہن اتھاڑ تھا اور تفقہ و استنباط کی اعلیٰ صلاحیتوں سے مالا مال، مطالعے کی وسعت اور گہرائی و گیرائی اس پر مستزاد اور علاوہ ازیں نقد و تحقیق کی محدثانہ اصول اور رجال حدیث پر بھی ان کی نظر وسیع اور گہری تھی۔ تمام ذخیرہ حدیث اور فقہ اسلامی، کھلی کتاب کی طرح، ان کے سامنے تھی، حتیٰ کہ مجموعہ حدیث کی قلمی نسخوں پر بھی ان کی نظر تھی۔ اس لیے بلا مبالغہ کہا جاسکتا ہے کہ پاک و ہند ہی نہیں پورے عالم اسلامی میں وسعت مطالعہ و معائنہ نظر اور نقد و تحقیق کی بے پناہ صلاحیتوں کے اعتبار سے پیر صاحب جیسے عالم، محدث اور محقق چند ایک ہی ہوں گے۔ رحمۃ اللہ علیہ

اللہ تعالیٰ نے قوتِ حافظہ سے بھی خوب خوب نوازا تھا، اور اس اعتبار سے بھی ان کی شخصیت آیۃ من آیات اللہ کا مصداق تھی جن لوگوں کو ان کے مواعظ و خطبات سننے کا زیادہ اتفاق ہوا ہے وہ اس سے انکار نہیں کر سکتے کہ پیر صاحب کا حافظہ دیکھ کر ان محدثین کا نقشہ سامنے آ جاتا تھا، جن کے حفظ و ضبط کے محیر العقول واقعات ہم کتابوں میں پڑھتے ہیں۔

ان کے ذوق نقد و تحقیق کی کئی علمی یادگاریں کتابوں اور تعلیقات و حواشی کی صورت میں ہمارے

پاس موجود ہیں جن میں بعض مطبوعہ ہیں اور بعض غیر مطبوعہ۔ ان سے ان کی حدیث و فقہ میں مہارت کا، علل حدیث اور اسماء الرجال سے گہری واقفیت کا اور قوت استدلال و ملکہ استنباط و استخراج کا بھی پتہ چلتا ہے۔ ان کی لائبریری بھی بہت وسیع ہے جسے عالمی شہرت حاصل ہے، اس میں حدیث و فقہ، اصول حدیث و اصول فقہ، اسماء الرجال، تفسیر اور تاریخ و سیر سے متعلقہ بیشتر مطبوعہ کتابیں اور بہت سی غیر مطبوعہ کتابیں موجود ہیں۔ پوری دنیا سے محققین، اہل علم اور اہل قلم اس لائبریری سے استفادے کے لئے حاضر ہوتے ہیں۔

ان کا اپنا ایک مدرسہ بھی تھا جس میں دوسرے مدرسین کے علاوہ خود بھی تدریس کے فرائض سرانجام دیتے تھے۔ ان کی اپنی عظیم شخصیت کی وجہ سے بعض عرب ممالک کے طلباء بھی ان سے استفادے اور ان کے خوانِ علم کے ریزہ چینی کے لئے ان کے پاس آتے اور کئی کئی سال ان کے پاس مقیم رہتے۔ ان کے سرچشمہ علم سے فیض یاب ہوتے۔ آج سے ۱۵، ۱۶ سال قبل حضرت پیر صاحب سندھ سے ہجرت کر کے مکہ المکرمہ تشریف لے گئے تھے اور وہیں اقامت اختیار کر لی تھی۔ اس طرح کئی سال حرم مقدس میں قرآن و حدیث کا درس دیا اور وہاں ہزاروں تشنگانِ علم آپ سے سیراب ہوئے، جن میں سعودی، یمنی، مصری، و شامی اور افریقی ممالک وغیرہ کے طلباء و اصحاب علم شامل ہیں۔ اسی لئے آپ بجا طور پر شیخ العرب والعجم کے لقبِ جلیل سے ملقب ہوئے۔ غفر الله له

حدیث و فقہ کی علاوہ قرآن کریم کے ساتھ بھی آپ کا تعلق نہایت گہرا اور والہانہ تھا۔ قرآن کریم کی تلاوت نہایت پُر سوز آواز میں فرماتے، جو والہانہ پن کی غماز بھی ہوتی اور وجد آفرین بھی۔ اسی طرح قرآن کریم کے حقائق و معارف اور لطائف پر بھی آپ کی نظر تھی۔ قدیم و جدید تمام تفاسیر سے آپ آگاہ تھے۔ قرآن کے نام پر جو گمراہیاں لوگ پھیلاتے ہیں، ان سے آپ کو بہت تکلیف ہوتی تھی۔ چنانچہ آپ نے سندھی زبان میں قرآن کریم کی تفسیر کا بیڑا اٹھایا، تاکہ ایک صحیح سلفی تفسیر مرتب ہو اور اس میں فکری گمراہیوں کی دلیل تردید بھی ہو۔ اس کی دس جلدیں بدیع التفاسیر کے نام سے چھپ بھی چکی ہیں۔ لیکن ابھی یہ نصف قرآن تک بھی نہیں پہنچی ہے۔ یہ معلوم نہیں کہ پیر صاحب کہاں تک لکھ چکے تھے۔ یہ تفسیر مکمل ہو جاتی تو اپنی مثال

آپ ہوتی۔ پیر صاحب کا خیال تھا کہ اس تفسیر کو وہ خود عربی میں منتقل کریں گے اور پھر کسی سے اُردو ترجمہ بھی کروائیں گے لیکن، ماشاء اللہ کان و مالہم یشالہم یکن۔ و کان امر اللہ قدر اُ مقدوراً۔

پیر صاحب کی مادری زبان تو سندھی تھی، لیکن عربی زبان پر بھی پورا عبور تھا، اور اس میں انشاء کا ملکہ بھی حاصل، چنانچہ عربی میں بھی آپ نے متعدد کتابیں یا تعلیقات و حواشی تحریر فرمائے ہیں، جنہیں شائع کرنے کی شدید ضرورت ہے۔ اسی طرح قومی زبان اُردو میں بھی آپ کو خوب دسترس تھی۔ یہی وجہ ہے کہ تینوں زبانوں میں آپ کی کتابیں موجود ہیں، سندھی، اُردو اور عربی میں۔ بیک وقت کئی زبانوں پر عبور اور انشاء و بیان کی استعداد و صلاحیت بھی بہت کم اہل علم و اہل کمال کو حاصل ہوتی ہے۔ ذلک فضل اللہ یؤتہ من یشاء۔

عام طور پر یہ ہوتا ہے کہ اونچے درجے کے اہل علم و تحقیق، اصحاب درس و افتاء، مفسر و محدث اور مصنف و مؤلف، دعوت و تبلیغ کے محاذ پر زیادہ سرگرم ہوتے ہیں اور نہ اس کی استعداد و صلاحیت سے بہرہ ور ہی، لیکن حضرت پیر صاحب رحمہ اللہ کی ایک انفرادی شان یہ بھی تھی کہ جہاں وہ ایک عظیم محقق، بے مثال محدث، مایہ ناز مفسر اور نامور مصنف و مؤلف تھے۔ وہاں وہ ایک عظیم مبلغ اور داعی کبیر بھی تھے۔ فرق باطلہ کے لئے وہ ایک گرز ابر و شکن اور شرک و بدعت کی تردید میں ایک سیف برہنہ اور مسلک حقہ کے اثبات اور توحید الہی کی توضیح کے لئے جہت قاطع، برہان ساطع اور قندیل ربانی تھے۔ ایک طرف وہ بزم افتاء و تدریس کے صدر نشین تھے تو دوسری طرف تبلیغی اجتماعات اور دعوتی کانفرنسوں کی رونق اور رُوح رواں۔ ایسے عوامی اجتماعات میں بھی ان کی تقریریں جوش و ولولے کی مظہر، قرآن و حدیث کے دلائل سے مزین اور زبان و بیان اور استدلال کی قوت سے بھرپور ہوتیں۔ گویا بیان اور استدلال کا بحر تلاطم خیز موجزن ہوتا جس میں فریق مخالف کے دلائل خس و خاشاک کی طرح بہہ جاتے۔ قرآن و حدیث کی ایسی روشنی ہوتی جس سے شرک و بدعت کی تاریکیاں دور ہو جاتیں اور حقائق و معارف کا ایک دریا ہوتا جو سامعین کو اپنے ساتھ بہا لے جاتا۔ ایک عوامی مقرر، شعلہ بیان خطیب اور سحر انگیز واعظ کی حیثیت سے وہ لاکھوں دلوں کی دھڑکن، ان کے محبوب راہنما اور عظیم قائد تھے۔ اور اپنی انہی خوبیوں کی وجہ سے وہ شرک و بدعت کی تاریکیوں میں ایک مینارہ نور

تھے، الحاد و زندقہ کے جھگڑوں میں ایمان کی باد بہاری تھے اور قافلہ حق کے سالار اور حدی خواں تھے۔ لاکھوں اہل توحید ان کے ایمان افروز خطاب سے اپنے دلوں کی کشت ویراں کو سیراب کرتے تھے، ہزاروں اہل شرک و بدعت کو ان کی تقریروں سے توحید و سنت کی روشنی نصیب ہوئی۔ اور بہت سے گم گشتگان ضلالت کو ہدایت کی صراط مستقیم اختیار کرنے کی سعادت ملی۔

ان کی وفات سے بزم تحقیق ہی سونی نہیں ہوئی تبلیغ و دعوت کی رزم گاہیں بھی اجڑ گئی ہیں۔ افتاء و تدریس کی مسند ہی اپنے صدر نشین سے محروم نہیں ہوئی۔ وعظ و خطابت کی مجلسوں کو گرمانے والا بھی چلا گیا۔ علمی محفلوں کو آبا کر نے والا ہی راعی ملک عدم نہیں ہوا۔ مساجد و مدارس کے اجتماعات بھی بے رونق ہو گئے، سچ ہے۔۔

وما کان قیس ہلکہ ہلک واحد

ولکنہ بنیان قوم تہدما

ایسی ہر صفت موصوف شخصیتیں روز روز پیدا نہیں ہوتیں، ماہ و سال کی ہزاروں گردشوں کے بعد ہی پردہ عدم سے نکل کر سامنے آتی ہیں۔ وہ یقیناً اس اردو شعر کا بھی صحیح مصداق تھے۔

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے

بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

اور اس فارسی شعر کا بھی اطلاق ان پر ہوتا ہے۔

عمر ہا در کعبہ و بت خانہ می نالد حیات

تاز بزم عشق یک دانانے راز آید برون

ان تمام خوبیوں اور کمالات کے ساتھ، اخلاق و کردار کی بھی بلندیوں پر فائز تھے۔ ان کی زبان اپنے ہم عصروں کی غیبت اور بدگوئی سے پاک تھی۔ ان کا دل حسد، بغض و عناد اور تکبر کی آلائشوں سے صاف تھا۔ مزاج و طبیعت میں سادگی اور انکساری تھی۔ اہل علم و فضل کے قدر دان اور چھوٹوں پر رحم و شفقت فرمانے والے تھے۔ ہر چھوٹے بڑے سے بڑے تپاک، محبت اور سرگرمی سے ملتے۔ حق گوئی اور صاف گوئی میں کوئی

رُوحانیت نہیں کرتے۔ زہر ہلاہل کو انہوں نے کبھی قند نہیں کیا۔ اور اس معاملے میں وہ اپنوں کی خفگی اور بیگانوں کی ناخوشی کی قطعاً پرواہ نہیں کرتے۔ جماعت کی دھڑے بندی سے وہ سخت ملول اور رنجیدہ رہتے تھے۔ اسی لئے وہ کسی ایک دھڑے کے ساتھ وابستہ رہنے کو پسند نہیں فرماتے تھے۔ جو بھی ان کو بلاتا وہ حاضر ہو جاتے۔ اور دھڑوں کے مفادات سے بالا ہو کر مسلک کی تبلیغ و اشاعت میں حصہ لیتے اور کلمہ حق کی ادائیگی اور اس کی پشتیبانی کرتے۔

حضرت الاستاز مولانا عطاء اللہ حنیف نور اللہ مرقدہ سے وہ خصوصی ربط و تعلق اور ارادت رکھتے تھے۔ حضرت الاستاذ کی بھی حضرت پیر صاحب کی طرح حدیث و رجال پر گہری نظر تھی اور مطالعہ بھی بڑا وسیع تھا اور کتب خانہ بھی وسیع تر۔ علاوہ ازیں مسلک سلف سے گہری وابستگی اور اس کی نشر و اشاعت کا جذبہ بھی دونوں کے درمیان قدر مشترک تھا۔ حضرت الاستاز بھی حضرت پیر صاحب اور ان کے برادر اکبر پیر محبت اللہ شاہ رحمۃ اللہ علیہ دونوں سے ان کے علم و فضل اور مذکورہ اقدار مشترکہ کی وجہ سے بڑی محبت رکھتے تھے۔ غفر اللہ لہم۔ حضرت پیر صاحب راقم پر بھی شفقت فرماتے تھے اور راقم کے مضامین پر حوصلہ افزائی فرماتے۔ اگست ۱۹۹۴ء کے اوائل میں، جب ان کی آنکھوں کا آپریشن ہوا تھا۔ اور پیر صاحب رحمۃ اللہ علیہ اپنے کالی موری (حیدر آباد) والے مکان پر تشریف فرما تھے۔ راقم اپنے محبت و مشفق جناب عبدالکبیر گزور کی معیت میں مزاج پرسی اور زیارت کے لئے پیر صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا تو ”الاعتصام“ سے علیحدگی پر بعض اور اہل علم کی طرح، اپنے رنج و ملال کا اظہار فرمایا۔ یہ راقم کی ان سے آخری ملاقات ثابت ہوئی۔ آہ، کیا معلوم تھا کہ یہ حضرت پیر صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے آخری ملاقات ہے۔

۵ جنوری ۱۹۹۵ء کا خطبہ جمعہ مسجد قدس اہل حدیث چوک داگلراں لاہور میں مولانا عبداللہ ناصر رحمانی صاحب (کراچی) نے پڑھایا۔ جمعہ کے بعد راقم نے ان سے ملاقات کی اور اپنی مختصر تفسیر ”احسن البیان“ کے دو نسخے انہیں پیش کئے ایک ان کے اپنے لئے اور ایک پیر صاحب کے لئے تو شیخ عبداللہ ناصر نے فرمایا کہ کل پیر صاحب خود تشریف لا رہے ہیں۔ سن کر بڑی مسرت ہوئی اور انہیں تاکید کی کہ پیر صاحب کے لئے تفسیر مذکورہ کا نسخہ تو آپ رکھ لیں۔ تاہم اگر وہ آجائیں تو فون پر مجھے ضرور اطلاع کرنا۔ تاکہ ملاقات کا

شرف حاصل کر لیا جائے لیکن ہفتے کو شیخ موصوف کی طرف سے کوئی اطلاع نہیں آئی، جس سے یہ اندازہ تو ہو گیا کہ حضرت پیر صاحب شاید تشریف نہیں لائے اور اس کے دو روز بعد حضرت پیر صاحب ہی اللہ کو پیارے ہو گئے۔ اور ۹ جنوری منگل کے اخبارات میں ان کی اچانک انتقال کی خبر پڑھ کر معلوم ہوا کہ ان کے تو سفر آخرت کا وقت آ گیا تھا، اب دنیا کے کسی اور خطے کا سفر ان کے مقدر میں کہاں رہ گیا تھا؟

بہر حال ان کی وفات سے علم و فکر کی دنیا میں اور دعوت و تبلیغ کے میدان میں جو زبردست خلا پیدا ہوا ہے، بظاہر اس کی پر ہونے کی امید نہیں۔ جماعت ایک عظیم علمی سرمائے سے محروم ہو گئی ہے جس پر مدتوں ماتم کیا جاتا رہے گا۔ صحرائے علم کے مجنوں کا مسلک سلف کے بے باک ترجمان اور پاسبان کا، نقد و نظر کے بادشاہ کا، حدیث تفسیر کے امام کا، ایک مفکر و متکلم اسلام کا۔ پیکر تقویٰ و عمل کا، حسن اخلاق و کردار کے مرقع جمیل کا اور ایک عظیم مبلغ و داعی کبیر کا۔

مقدور ہو تو خاک سے پوچھوں کہ اے لنیم

تو نے وہ گنج ہائے گراں مایہ کیا کئے

غفر الله له وارحمه رحمة واسعة



علامہ بدیع الدین شاہ راشدی رحمۃ اللہ علیہ عظیم محدث و محقق

شہیر مفسر، عظیم محدث، فخیم متکلم، نامور اصولی، محقق مؤلف و مصنف اور فصیح و بلیغ خطیب و مبلغ ابو محمد بدیع الدین شاہ صاحب راشدی رحمۃ اللہ رحمۃ کثیرۃ واسعۃ۔ کسی تعارف کے محتاج نہیں۔ عرب و عجم میں مشہور و معروف ہیں۔ جماعتی و تبلیغی امور کے سلسلہ میں وقتاً فوقتاً پنجاب آتے تو ملاقات ہو جاتی۔ بالخصوص جب کبھی شاہ صاحب شیخین۔ استاذی المکرم مولانا ابوالخیر محمد اسماعیل صاحب سلفی محدث وزیر آبادی امیر مرکزی اور استاذی المکرم مولانا ابو عبدالرحمن محمد عبداللہ صاحب خطیب محدث گجراتی امیر مرکزی۔ رحمہم اللہ تعالیٰ۔ کے پاس تشریف لاتے تو ان کی زیارت کا شرف حاصل ہو جاتا۔ ایک دفعہ شاہ صاحب نے مجھے اور حافظ عبدالسلام صاحب بھٹوی رحمۃ اللہ کو سعید آباد میں سالانہ کانفرنس کے موقع پر دعوت دی چنانچہ ہم دونوں وہاں حاضر ہوئے اور دو دن ان کے پاس رہے اس وقت ان کا عظیم کتب خانہ بھی دیکھا۔

گو ناگوں مصروفیات کے باوصف چھوٹی موٹی کثیر کتب و تصنیفات شاہ صاحب کے قلم رشد و ہدایت سے نکلیں اور انہوں نے خواص و عوام میں مقبولیت و پذیرائی حاصل کی ان کتب کثیرہ سے ان کی کتاب مستطاب ”جلاء العینین“ بھی ہے اس میں امیر المؤمنین فی الحدیث سید الفقہاء والحمد للہ اور عمدۃ الجہدین امام بخاری رحمہ اللہ الباری۔ کی کتاب ”جزء رفع الیدین“ کی روایات کی تخریج، اس میں مذکور ائمہ، رجال اور رواۃ کے تراجم مختصر حالات اور مسئلہ رفع الیدین کی تحقیق ہے تفصیل تو ”جلاء العینین“ ہی میں دیکھی جاسکتی ہے سر دست بطور نمونہ ”جلاء العینین“ سے دو حدیثوں کی تخریج اور نفس مسئلہ کی تحقیق پیش کی جاتی ہے۔

دو حدیثوں کی تخریج

۱۔ امام بخاری رحمۃ اللہ فرماتے ہیں: ”و کذلک یروی عن عبداللہ بن عمر بن الخطاب

أخبرنا علي بن عبد الله حدثنا سفيان حدثنا الزهري عن سالم بن عبد الله عن أبيه قال: رأيت النبي صلى الله عليه وسلم يرفع يديه إذا كبر، وإذا ركع، وإذا رفع رأسه من الركوع ولا يفعل ذلك بين السجدة. قال علي بن عبد الله. وكان أعلم زمانه: رفع الأيدي حق على المسلمين بما روى الزهري عن سالم عن أبيه. (٣٦-٣٨)

شاہ صاحب ”جلاء العین“ میں اس کی تخریج کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ ”ہو حدیث مشہور أخرجه عامة أهل الحديث، وأذكر منهم من رأته في كتابه، فإمام دار الهجرة مالك بن أنس، ومحمد بن الحسن الشيباني في موطأيهما، وابن بكير، وأبومصعب الزهري، وسويد بن سعيد الحدثاني في موطأهم، والغافقي في مسند الموطأ، وعبدالرزاق، وابن أبي شيبه في مصنفيهما، وأصحاب الكتب الستة، وابن الجارود في المنتقى، وابن خزيمة، وابن حبان، وأبو عوانة، والدارمي، والدارقطني، والبيهقي في سننه، وكذا في معرفة السنن والآثار، والخلافات، وأصحاب المسانيد كالشافعي وأحمد، والحميدي، وأبي يعلى، ثم الطبراني في معجمه الصغير، والأوسط، ومسند الشاميين، وابن المنذر في الأوسط، والطحاوي في شرح معاني الآثار، وأبو القاسم حمزة السهمي في تاريخ جرجان، وأبو نعيم في تاريخ أصبهان، وحلية الأولياء، والحافظ أبو القاسم تمام الرازي في فوائده، والخطيب في التاريخ والموضح، والبغوي في شرح السنة، وابن عبد البر في التمهيد والاستذكار، وابن حزم في المحلى، وأبو طاهر السلفي في معجم السفر، وابن الأبار في معجم أصحاب أبي علي الصدفی، والحافظ أبو عبد الله الجوزقاني في الأباظیل (١٢: ٢) وغيرهم كلهم من طريق الزهري عن سالم عن ابن عمر، لكن رواه الطبراني في معجمه الكبير والصغير (١٢١: ٤) عن الزهري وصفوان بن سليم عن سالم به، وأبو نعيم في أخبار أصبهان من طريق نافع عن ابن عمر، وقد أخرجه المصنف، أي البخاري، رحمه الله من ثلاث طرق، وهذه إحداها، والثانية طريق نافع عن ابن عمر، والثالثة طريق محارب بن دثار عن ابن عمر، وسيأتي تخريجهما في

محلہما إن شاء الله تعالى.

ومن شأن هذا السند أن كلامن رواه كانوا يرفعون أيديهم، فعلى هو ابن المديني وقد مر ذكره، وسفيان هو ابن عيينة، وقد روى عنه المصنف في آخر الكتاب أنه كان يرفع والزهرى، وسالم، وأبوہ فذكر آثارهم، ولهذا قدم هذا السند بعد ذكر أسماء رواة الرفع، فما أدق النظر، وما أحسن الفكر، وقد وردت فيه زيادة يأتي ذكرها عند تخريج طريق نافع إن شاء الله تعالى.

وقال ابن المديني: لم أزل اعمل به، وأناصبي، وبه نأخذ. وقال أبو الحسن: وبه نأخذ وقال الحاكم: وبه نأخذ. وقال البيهقي: وبه نأخذ. انتهى من الموهب اللطيفة شرح مسند أبي حنيفة لمحمد عابد السندی (١: ٢٦١) المصور.

وقال الشافعي: لا يحل ترك الرفع لمن سمعه كما تقدم كلامه في المقدم، وذلك لأنه حديث مشهور قال الترمذی (٢: ٣٤) بعد ما ساق حديث ابن عمر: حسن صحيح وقال ابن عبد البر في الاستذكار (٤: ١٢٥) وهو حديث لامطعن لأحديه. وقال الحافظ الإمام الثبت أبو بكر أحمد بن هارون بن روح البردنجي (ت ٣٠١): أجمع أهل النقل على صحة حديث الزهرى عن سالم عن أبيه. حكاه ابن حجر في النكت على ابن الصلاح، والعراقي (١: ٢٦١-٢٦٢) وقال ابن خزيمة في صحيحه (١: ٢٩٢) بعد ما ساقه: سمعت المخزومي. وهو سعيد بن عبد الرحمن يقول: أى إسناده أصح من هذا؟ وقال: سمعت محمد بن يحيى يحكى عن علي بن عبد الله قال: قال سفيان: هذا إسناده مثل هذه الأسطوانة. وحكى ابن عساكر في تاريخه عن الإمامين إسحاق بن راهويه، وأحمد بن حنبل أنه أصح الأسانيد، كذا ذكره ابن بدران في تهذيب التاريخ (٦: ٥١٢) وعده الخليلي في الإرشاد (١٠: ١٥٤) من الصحيح المتفق عليه الذى كل من يجده يحكم بالصحة، وإن لم يكن ممن له معرفة بالحديث“ (٣٦-٣٨)

۲- امام بخاری فرماتے ہیں: ”ویروی عن سفیان عن عاصم بن کلیب عن عبدالرحمن ابن الأسود عن علقمة قال: قال ابن مسعود: الأصلی بکم صلاة رسول الله صلی الله علیه وسلم، فصلی، ولم یرفع یدیه لامرأة“ (۷۹)

شاہ صاحب ”جلاء العینین“ میں اس کی تخریج کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ”وصله ابن أبی شیبہ (۲۳۶: ۱) وأحمد فی المسند (۴۲۱: ۱) والعلل (۱۱۶: ۱) قالوا: حدثنا وکیع عن سفیان به، ولفظ أحمد فی المسند: فرفع یدیه أول مرة، وأخرجه النسائی (۱۹۵: ۲) وأبو داؤد (۷۳۸) والترمذی (۲۲: ۱) والطحاوی (۲۲۳: ۱) والبیہقی (۷۸: ۲) من طرق عن وکیع عن سفیان به، وتابع وکیع ابن المبارک قال النسائی (۱۸۲: ۲) أخبرنا سويد بن نصر قال: أنبأنا عبد الله ابن المبارک عن سفیان عن عاصم بن کلیب به.“

امام بخاری فرماتے ہیں: ”وقال أحمد بن حنبل عن یحیی بن آدم: نظرت فی کتاب عبد الله ابن إدريس عن عاصم بن کلیب لیس فیہ: ثم لم یعد.“ (۷۹-۸۰)

شاہ صاحب ”جلاء العینین“ میں لکھتے ہیں ”قاله فی العلل ومعرفة الرجال (۱: ۱۱۶-۱۱۷) وفيه بعدما ساقه: حدثنا وکیع مرة أخرى بإسناده سواء، فقال: قال عبد الله: أصلى بکم صلاة رسول الله صلی الله علیه وسلم، فرفع یدیه فی أول حدثنا أبو عبد الرحمن الضریر قال: کان وکیع ربما قال یعنی: ثم لا یعود. وقال الأشجعی: فرفع یدیه فی أول شیء. وفي (۱: ۱۱۷) حدیث عاصم بن کلیب رواه ابن إدريس، فلم یقل: ثم لا یعود، حدثنا یحیی بن آدم قال: أملاه علی عبد الله بن إدريس من کتابه، فذكره، وهكذا فی مسائل الإمام أحمد لابنه عبد الله (۷۱۲) وقال ابن أبی حاتم فی علل الحديث (۹۶: ۱): سألت أبی عن حدیث رواه سفیان الثوری عن عاصم بن کلیب عن عبدالرحمن بن الأسود عن علقمة عن عبد الله أن النبی صلی الله علیه وسلم صلی، فکبر، فرفع یدیه، ثم لم یعد؟ فقال أبی: هذا خطأ یقال: وهم الثوری، فقد رواه جماعة عن عاصم، وقالوا کلهم: إن النبی صلی الله علیه وسلم افتتح، فرفع

یدیہ، ثم رکع، فطبق، وجعلهما بین الركبتین، ولم يقل أحد ماروی الثوری، وكذلك جعل محمد بن نصر المروزی، والدارقطنی فی العلل (۱: ۳۳۶) وابن القطان هذه الزیادة خطأ كما حکاه فی نصب الرایة (۱: ۳۹۵) وقال أبو داود (۷۲۸) هذا حدیث مختصر من حدیث طویل وليس هو بصحیح علی هذا اللفظ، وهذا هو نفس تعلیل المصنف والمراد من الحدیث الطویل هو حدیث عبد الله بن إدريس الذی أورده المصنف كما بینہ صاحب عون المعبود، وسیأتی تخریجه إن شاء الله تعالی، وقال ابن حبان فی الصلاة: هذا أحسن خبر روى لأهل الکوفة فی نفی رفع الیدین فی الصلاة عند الركوع، وعند الرفع منه، وهو فی الحقیقة أضعف شیء یعول علیه لان له عللا تبطله. کذا فی التلخیص (۱: ۲۲۲) الخ

امام بخاری فرماتے ہیں: ”فہذا أصح لأن الکتاب أحفظ عند أهل العلم لأن الرجل ربما

حدث بشيء، ثم یرفع إلی الکتاب، فیکون كما فی الکتاب“ (۸۲)

شاہ صاحب ”جلاء العینین“ میں لکھتے ہیں: ”قال الحازمی فی الاعتبار (ص ۱۵، ۱۶) عند ذکر وجوہ الترجیح: الوجه الرابع والعشرون أن یکون راوی أحد الحدیثین مع حفظه صاحب کتاب یرجع إلیه، والراوی الآخر حافظ غیر أنه لا یرجع إلی کتاب، فالحدیث الأول أولى أن یکون محفوظا لأن الخاطر قد یخون أحيانا. وقال علی بن المدینی: قال لی سیدی أحمد بن حنبل: لا تحدثن إلا من کتاب. قول ابن المدینی هذا أسنده ابن الجوزی فی مناقب الإمام أحمد (۷۸، ۱۰۹) وقال الخطیب فی الکفاية (۳۳۲): باب فی أن سینى الحفظ لا یعتد من حدیثه إلا بما رواه من أصل کتابه. فذكر فيه آثار السلف بما يدل علی أن الکتاب أصح، والحمد لله تعالی“

امام بخاری فرماتے ہیں: ”حدثنا الحسن بن الربیع حدثنا ابن إدريس عن عاصم بن کلب عن عبد الرحمن بن الأسود حدثنا علقمة أن عبد الله رضى الله عنه قال: عذمتنا رسول الله صلى الله علیه وسلم الصلاة، فقال فکبر ورفع یدیہ، ثم رکع فطبق یدیہ جعلهما بین

رکبتہ، فبلغ ذلك سعداء، فقال: صدق أخى قد كنا نفعل ذلك فى أول الإسلام، ثم أمرنا بهذا. وهذا المحفوظ عند أهل النظر من حديث عبد الله بن مسعود“ (۸۳)

شاہ صاحب ”جلاء العینین“ میں لکھتے ہیں: ”أخرجہ أحمد فى العلیل (۱: ۱۱۷) قال: حدثنا عثمان أنبأنا ابن إدريس به، وقال ابن أبى شيبة (۱: ۲۴۶) حدثنا ابن إدريس عن عاصم بن كليب فذكره، وأخرجہ أحمد فى مسنده (۱: ۲۱۸) عن يحيى بن آدم، وأبوداود (۷۴۷) عن عثمان بن أبى شيبة، والنسائى (۲: ۱۸۴) عن نوح بن حبيب، وابن خزيمة (۱: ۳۰۱) عن محمد بن أبان، وابن الجارود (۱۹۶) عن على بن خشرم كلهم عن ابن إدريس، وأخرجہ الدارقطنى (۱: ۳۳۹) عن أبى سعيد الأشج وعن أبى كريب كلاهما عن ابن إدريس به، وأخرجہ البيهقى (۲: ۷۸) عن أبى داود.“

نفس مسئلہ کی تحقیق

امام بخاری فرماتے ہیں: ”الرد على من أنكر رفع الأيدي فى الصلاة عند الركوع“

(۱۷)

شاہ صاحب ”جلاء العینین“ میں لکھتے ہیں: ”بل قد تفوه بعضهم بفساد الصلاة بالرفع، وقد صنف فى ذلك رسالة أبو حنيفة أمير كاتب بن أمير الاتقانى (ت ۷۵۸ھ) ذكره فى كشف الظنون (۱: ۸۶۸) وقبله مكحول النسفى صاحب كتاب الشعاع روى فيه عن الإمام أبى حنيفة أن من رفع يديه عند الركوع، وعند الرفع منه فسدت صلاته كما ذكره العلامة السكهنيوى الحنفى فى الفوائد البهية فى تراجم الحنفية (ص ۲۱۶) والحافظ ابن حجر فى الدرر الكامنة فى ترجمة الأمير.“

وقد رد عليه اللكهنوى، وأخبر أن تقى الدين السبكي رد على رسالة الاتقانى أحسن رد، وكذا رد عليه اللكهنوى فى غيث الغمام (ص ۳۵) وقال اللكهنوى فى التعليقات السنية على الفوائد البهية (ص ۵۰) بعد ذكر كلام الاتقانى ورواية النسفى قلت: ما أقبح كلامه،

وما أفسده، أفسد الصلاة بما تواتر فعله عن رسول الله صلى الله عليه وأصحابه؟ أما علم أن الصحابة منهم من كان يرفع، ومنهم من كان لا يرفع وكان يقتدى أحدهما بالآخر، ولم يرو عن أحد منهم ما تفوه به؟! أم أفهم أن إمامنا وإن لم يأخذ بأحاديث الرفع، ورجح عليها أخبار ترك الرفع لكن لم يشدد في ذلك كما تشدد هو فيما هنالك؟ أما تدبر أن مكحولا الراوى لرواية الفساد من هو؟ وكيف هو؟ وهل تقبل روايته مرسله أم ترد عليه منتقضة؟ أما تفكر أن مشائخنا الثقات، وفقهائنا الأثبات قد صرحوا بعدم الفساد، ولم يعتبر أحد منهم رواية الفساد؟ أفلا يكون إعراضهم موجبا لهجران تلك الرواية، أفلا يكون ذلك دليلا على أنها خلاف الدراية؟ وبالجملة فمقاصد التعصب، وعدم التدبر لا تعد، والبشر له ذنوب وأخطاء لا تعد. ٥١.

قال أبو محمد أى السيد بديع الدين الراشدی؛ فى العبارة بعض الملاحظات فمنها قوله: ومنهم من كان لا يرفع. وقال فى التعليق الممجد (ص ٤١): ورواة الترك جماعة قليلة مع عدم صحة الطرق إليهم إلا عن ابن مسعود، وكذلك ثبت الترك عن ابن مسعود، وأصحابه بأسانيد محتجة بها. اهـ

والحق أنه لم يثبت عن ابن مسعود أيضا مرفوعا، ولا موقوفا، وسيأتى الكلام على ما روى عنه، وقد أثبت المصنف. رحمه الله. أنه لم يثبت عن أحد من الصحابة أصلا كما سيأتى إن شاء الله تعالى فى محله.

ومنها قوله: ورجح عليها أخبار الترك، ففيه كلام من وجوه الأول أنه لم يثبت خبر واحد فى الترك فضلا عن الأخبار كما سيأتى إن شاء الله تعالى: والثانى من أين ثبت أن الإمام رجحها، وبأى وجه رجحها؟ وأما المناظرة المنسوبة إليه مع الأوزاعى فى أنه راجح رواية ابن مسعود على رواية ابن عمر من حيث الفقه فى قصة مكذوبة أوردها الموفق بن أحمد المكي فى مناقب الإمام أبى حنيفة (١: ١٣٠) بسنده من طريق أبى محمد الحارثى

أنبأنا محمد بن إبراهيم الرازي أنبأنا سليمان الشاذكوني سمعت سفيان بن عيينة يقول: اجتمع أبو حنيفة والأوزاعي في دار الحنطين، فساقها. وهذه سلسلة الكذب، الحارثي اسمه عبدالله بن محمد ابن يعقوب الأستاذ السيدموني وشيخه، فشيخه كلهم من الكذابين لهم تراجم في الميزان، واللسان، والضعفاء لابن الجوزي، وغيرها من كتب هذا الشأن، فالاعتماد على تلك الرواية لايجوز، ثم فيها من النكارة، وقد بينت ذلك في رسالتي "كحل العينين"، وهو الوجه الثالث. والرابع لو سلمنا ثبوت الأمرين كليهما فالترجيح بالعكس لأمر الأول: إن اللكهنوي نفسه لم يرض بترجيح إمامه كما نقله عنه حيث قال في التعليق الممجد (ص ٤١): إلا أن ثبوته عن النبي صلى الله عليه وسلم أكثر وأرجح وثانيا: إنه أقرب كون أحاديث الرفع بالتواتر، وقال: لم يثبت الترك إلا عن ابن مسعود. كما مر كلامه، فهل يترجح هذا القدر على المتواتر؟ ياليت قومي يعلمون. وثالثا: إن المثبت مقدم على النافي، فافهم." الخ



پیر آف جھنڈا

ممتاز عالم دین اور عظیم مدائح

یوں تو برصغیر ہندو پاک میں اسلامی ثقافت محفوظ کرنے کا کام ہر دور میں مختلف خاندانوں کے حصہ میں آتا رہا ہے۔

سندھ میں خصوصیت سے جن لوگوں کا کردار مثالی رہا ہے ان میں سندھ کے خاندان راشدیہ کا نام بہت معروف ہے۔ اس خاندان کے فرزند علامہ بدیع الدین شاہ راشدی سے راقم کی ملاقات بہت پہلے ملتان عام خاص میں منعقدہ جماعت اہل حدیث کی ایک عظیم کانفرنس کی موقع پر ہوئی۔ اس وقت وہ عالم جوانی میں تھے۔ گفتگو میں بہت تیز و طرار، کتاب و سنت کے حوالہ جات پیش کرنے میں ماہر، بدی اور شرکی عقائد و رسومات کے توڑنے میں قاطع تلوار، اتباع سنت کے جذبہ سے معمور و شاداب۔ انجمن اہل حدیث جلال پور کے سیکریٹری محمد رمضان صاحب ایک جہان دیدہ اور تبلیغی مقاصد کے لئے عوام کے نبض شناس تھے انہوں نے ایک اجلاس میں فرمایا ہمارے علاقے میں پیر پرستی عام ہے لوگ اس حوالے سے بات سننے کے دہنی ہیں، شہرت یہ کی جاتی ہے کہ اہل حدیث میں رشد و ہدایت کے پیر نہیں ہیں۔ میرا مشورہ ہے پیر آف جھنڈا شاہ بدیع الدین کو سالانہ جلسہ میں دعوت دی جائے۔

علاقہ میں پیر آف جھنڈا سندھ کے حوالے سے اعلانات کئے گئے تو بہت بڑا مجمع سالانہ اجتماع میں ان کے سننے کے لئے موجود تھا۔

پیر صاحب تشریف لائے اور شرک و بدعات کے خلاف زور دار تقریر فرمائی۔ اور بہت سوں کا بھلا ہوا۔ اسی طرح وقتاً فوقتاً پیر صاحب جلالپور میں دعوتی و تبلیغی اجتماعات کے لئے تشریف لاتے رہے، ایک موقع

☆ شیخ الحدیث دارالحدیث احمدیہ جلالپور پیر والد، شارح موطا امام مالک۔

پر لاہریری دیکھنے کا شوق ظاہر فرمایا۔ راقم الحروف نے مکتبہ دارالحدیث محمدیہ کا دروازہ کھولا۔ کتابیں دیکھ کر بہت خوش ہوئے۔ کتب احادیث و اسماء الرجال سے خصوصی دلچسپی ظاہر کی۔ دیکھتے دیکھتے فتح الباری طبع دہلی کے دو نسخے اچھی حالت میں ملاحظہ فرمائے۔ اور بے ساختہ کہا آپ کی لاہریری میں ایک ہی طبع کے دو نسخے ہیں، بہت خوب، میں نے عرض کی آپ کے پاس یہ نسخہ نہیں ہے فرمایا نہیں۔ کچھ وقفہ سے راقم نے فضیلۃ الشیخ العالی محدث جلال پوری سے عرض کی کہ شاہ صاحب کے پاس فتح الباری کا نسخہ دہلی نہیں ہے اور ہمارے پاس دو نسخے ہیں۔ پھر صاحب نے خصوصی دلچسپی کا اظہار فرمایا ہے، شیخ محترم نے فرمایا شاہ صاحب کو ہماری طرف سے نسخہ تحفتاً دے دو۔ کتاب پیش کی تو شاہ صاحب کی خوشی دیدنی تھی۔ ادارہ کے لئے بہت سی دعائیں دیں۔ اور یہ تعلق ان کی وفات تک بارہا قائم رہا۔ تاثرات کی کتاب میں لکھا۔ اس میں ان کے انداز نگارش کا بخوبی اظہار ہوتا ہے۔

”بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ آج بتاریخ ۷، ربیع الاول ۱۴۰۷ھ مطابق ۱۱ نومبر ۱۹۸۶ء مدرسہ دارالحدیث جلال پور پیر والا ضلع ملتان کی زیارت نصیب ہوئی بحمد اللہ بہترین انتظام پایا۔ دیکھ کر انتہائی مسرت ہوئی یہ سب علامہ فضیلۃ الشیخ سلطان محمود صاحب رحمہ اللہ اور جملہ اساتذہ مدرسہ ہذا کے خلوص اور بہترین محنت کا نتیجہ اور ثمرہ ہے۔ ماشاء اللہ مسجد کافی وسیع ہو گئی ہے اور مدرسہ کے کچھ کمرے جو کہ اساتذہ کے لئے تدریس کے واسطے بنائے گئے ہیں ان کو دیکھا ابھی کافی کام باقی ہے۔ جماعتی افراد جہاں کہیں ہوں ان کا فرض ہے کہ اس کے تعاون میں زیادہ سے زیادہ حصہ لیں تاکہ یہ مشروع جلد از جلد پایہ تکمیل تک پہنچے۔ اور کتب خانہ بھی اچھے انداز میں موجود ہے جس میں درسی کتابوں کے علاوہ اور بھی کافی کتابیں ہیں جن سے اساتذہ و دیگر علماء و زائرین استفادہ کر رہے ہیں مگر افسوس کہ ان کے لئے جگہ ناکافی ہے جماعت کو اور اہل ثروت کو اس طرف بھی توجہ دینی چاہیے۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ محترم شیخ موصوف اور دیگر اساتذہ کو ضرور توفیق بخشے اور علماء و طلباء کو خلوص کے ساتھ اس ادارہ کو جاری رکھنے کی توفیق بخشے اور عام مسلمانوں اور طلباء خصوصی (طور پر) تادیہ مستفید ہوتے رہیں۔

ویرحمہ اللہ عبد اللہ قال آمنا۔ ابو محمد بدیع الدین شاہ الراشدی المکی غفرلہ ولوالدیہ“
چند ماہ بعد مکہ مکرمہ سے علماء و اکابرین کا ایک گروپ شیخ محترم محدث جلال پوری کی ملاقات کے
لئے تشریف لائے اور لکھا۔

”بسم اللہ الرحمن الرحیم بحمد اللہ قد وجدنا باحسن ما کتب الشیخ ابو محمد
بدیع الدین من المدرسة وأهله القائمين عليه فجزاهم اللہ تعالیٰ خیرا فی الدارين آمین ثم
آمین۔

کتبہ ابوبصیر محمد عطاء اللہ المدرس بدار الحدیث الخیرية مکة المكرمة الشیخ
محمد حسیب چراغ الدین مکہ مکرمہ عبدالرب بن فیض اللہ المدرس بدار الحدیث
الخیرية بمكة المكرمة

۱۴۰۷/۵/۲۸ھ

حاضر جوابی اور موقعہ محل کی مناسبت سے خوبصورت لطیفے بیان کرنے میں ماہر تھے۔ رحمانی مسجد اہل
حدیث جلال پور میں بدعات کے رد اور اتباع سنت کے موضوع پر ان کی تقریر جاری تھی اور ایک بھاری مجمع
استفادے کے لئے مشغول اور ہر تن گوش تھا۔ بدعات کے رسیا ایک شخص نے ایک مقامی عالم پر طنز کے لئے
جس کا پیر صاحب کو بھی بخوبی علم تھا ایک رقعہ بھیج دیا کہ تعویذ لکھنے والوں کے لئے آپ کا کیا فتویٰ ہے؟ اس
سوال سے شاہ صاحب کی تقریر کو سبوتاژ کرنا بھی مقصود تھا بڑے خوبصورت انداز میں برجستہ جواب فرمایا میں
تعویذ دیتا نہیں اور جو دیتے ہیں ان سے دلیل پوچھو۔ اور پھر اسی طرح خطاب جاری رہا۔

حافظ عبدالمنعم رحمہ اللہ ملتانی کے پاس ان کے کتب خانہ میں پیر صاحب کو کئی بار کتابیں دیکھتے، پسند
کرتے اور خریدتے دیکھا۔ جب نئی کتاب دیکھتے عیش عیش کرائتے۔ لائبریریوں سے بعض بے سچ لوگوں کی
کتاب چوری کا تذکرہ بھی بڑے افسوس کے ساتھ کرتے۔ حافظ عبدالمنعم رحمہ اللہ کا بیان ہے ایک موقع پر شاہ
صاحب نے فرمایا میں نے اپنی لائبریری کے بارے میں ساتھیوں کو کہہ رکھا ہے کہ ایک معمولی کاغذ بھی باہر
نہیں جانے دینا چاہیے اس کے باوجود بعض لوگ کتابیں چوری کر لیتے ہیں۔ اس سلسلے کا ایک واقعہ سنایا کہ

ایک کتاب فروش کی کتابیں دیکھ رہا تھا ان میں میری لائبریری کی ایک کتاب موجود تھی جس پر میرے دستخط بھی تھے۔ اس سے کہا کہ یہ کتاب میری ہے اس پر میرے دستخط ثبت ہیں کتاب فروش نے کہا یہ مجھے فلاں مولوی اتنے روپے میں دے گیا ہے۔ شاہ صاحب نے وہ روپے ادا کئے اور اپنی کتاب ساتھ لے گئے۔ حافظ عبدالمنعم رحمہ اللہ ایک سفر میں شاہ صاحب کے ساتھ تھے رات کا سفر تھا پچھلی رات سڑک کے کنارے ایک مسجد نظر آئی تو شاہ صاحب نے ڈرائیور کو کار روکنے کا حکم دیا۔ مسجد میں تہجد و وظائف ادا کئے اور پھر سفر شروع کیا۔ بقول حافظ عبدالمنعم رحمہ اللہ شاہ صاحب روزانہ دو پارے لازماً پڑھنے کے عادی تھے۔ اس رات بھی کار میں ہی تلاوت قرآن فرماتے رہے۔

مولانا محمد شریف چنگوانی نے بتایا کہ ڈیرہ غازی خان تشریف لاتے تو شوق ظاہر فرمایا کہ نئی سرور کا مقبرہ دیکھنا ہے، ہم وہاں گئے جب منزل پر پہنچے تو میں نے محسوس کیا کہ یہاں خلاف شرع امور ہو رہے ہیں۔ پیر صاحب اپنی عادت مستمرہ کے مطابق اس پر نقد فرمائیں گے۔ اور یہاں کے پیر پرست غالی لوگ بدتمیزی پر نہ اتر آئیں۔ میں نے شاہ صاحب سے عرض کی آپ باہر ٹھہریں میں پہلے اندر ہوا آتا ہوں۔

چنانچہ میں نے اندر جا کر مقبرہ پر حاضرین اور شرک و بدعات میں مبتلا لوگوں سے کہا ایک طرف دیوار کے ساتھ کھڑے ہو جاؤ۔ پیر آف جھنڈا سندھ سے تشریف لارہے ہیں۔ چنانچہ سب لوگ ایک طرف ہو گئے اور شاہ صاحب اپنے معروف انداز سے شرکی امور پر نقد فرماتے اور مقبرہ پر تاریخی حیثیت سے فقرے کتے رہے اور ہم بخیر و مآیت وہاں سے واپس ہوئے۔ ان کا یہ سفر سیاحت ارضی اور تاریخی احوال میں معلومات کی تحصیل کے انداز سے تھا۔

۱۹۷۷ء میں ملتان شہر میں اللہ جل جلالہ کے عرش پر ہونے یا بذاتہ ہر جگہ ہونے اور دعا میں انبیاء و صالحین کے وسیلہ پر بہت بخشش ہوتی رہی ہیں۔ حافظ عبدالمنعم رحمہ اللہ نے یہ دونوں مسائل شاہ صاحب کی خدمت میں جواب کے لئے پیش کئے شاہ صاحب نے اس موضوع پر ایک شاہ کار کتاب ”توحید خالص“ لکھ دی جس میں توحید کے بارے میں عقیدہ سلف صالحین کی توضیح کی اور اس پر قرآن و حدیث سے دلائل کثیرہ تحریر کئے ہیں اور ۴۲۸ صفحات تک یہ حصہ معلومات کا ایک خوبصورت ذخیرہ ہے۔

دوسرا حصہ ”توحید خالص“ دعا کا صحیح ترین طریقہ اور مسئلہ توسل پر ہے اس میں وقیع معلومات اعلیٰ درجہ کی ہیں۔ پوری کتاب ۶۲۲ صفحات پر مشتمل ہے۔

کتاب اردو میں ہے مگر نصف تقریباً عربی عبارات پر مشتمل ہے راقم الحروف نے ان کا سلیس اردو میں ترجمہ کیا ہے جس سے کتاب کی افادی اہمیت بہت بڑھ گئی ہے کہ اردو دان طبقہ بھی کما حقہ اس سے استفادہ کر سکتا ہے۔ مکتبہ فاروقی ملتان نے اسے طبع کیا ہے۔ شاہ صاحب نے مختلف مسائل پر کتابیں عربی، اردو اور سندھی میں تالیف کی ہیں جن سے ان کی معلومات کی وسعت اور مضبوط قوت حافظہ کی نشان دہی ہوتی ہے۔ الشریف نور اللہ الراشدی کا بیان ہے کہ شاہ صاحب رحمہ اللہ نے چار ماہ سے کم مدت میں قرآن پاک حفظ کیا جب کہ وہ ۲۳ سال کی عمر میں تھے۔

شاہ صاحب عربی زبان کے ماہر تھے جس طرح وہ تالیف کتب میں عربی زبان پر کامل دسترس رکھتے تھے۔ اسی طرح عربی تقریر میں بھی انہیں پورا ادراک حاصل تھا۔ ۱۹۷۷ء میں راقم عمرہ اور حج کے لئے مکہ مکرمہ میں مقیم تھا شاہ صاحب صحیح بخاری کی کتاب الایمان پر ان دنوں عربی زبان میں درس دیتے تھے۔ ایمان کے بارے میں محدثین کے نقطہ نظر کا مدلل انداز میں اثبات فرما رہے تھے۔ اور معتزلہ، جہمیہ، معطلہ، مشبہ، اور مرجیہ کا زور دار انداز میں رد کیا۔ جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ میں بھی فضیلۃ الشیخ عبدالعزیز آل باز کے دور میں بھی جب کہ وہ نائب مدیر جامعہ تھے لیکچر دیتے رہے تبلیغی ساتھی میں مداحنت کے قائل نہیں تھے جسے حق سمجھتے اور جانتے بر ملا اس کا اظہار کرتے۔

اظہار توحید کے لئے بعض خطرناک مقامات پر شاہ صاحب تشریف لے گئے اور ڈنکے کی چوٹ پر حق بات کہی۔ ان کے فرزند نور اللہ شاہ لکھتے ہیں۔ وہ ایک بستی ”کارو صدر“ جو ٹنڈوالہیار کے قریب ہے ایک قبر پر منعقد میلہ کے موقع پر وہاں چلے گئے اور کتاب وسنت کی روشنی میں لوگوں کو سمجھایا۔ بہت سے لوگ لڑنے پر تیار ہو گئے اور شاہ صاحب کے قتل پر آمادہ ہوئے۔ مگر شاہ صاحب اور ان کے ساتھی ڈٹے رہے اور اللہ تعالیٰ نے مخالفین کو بھگا دیا۔ (ترجمۃ المؤلف منہ ص ۵)

علماء راتخین ہمیشہ سند کی اہمیت کے قائل رہے ہیں، اور سلسلہ سند میں عالی کی تلاش ایک پسندیدہ

مشغلہ رہا ہے۔ شاہ صاحب کو کتب احادیث و قرآن مقدس کی اسانید کثیرہ حاصل ہیں۔ جن کا مفصل تذکرہ انہوں نے تحریر ثبت ”منجد المستجیز لروایۃ السنۃ والکتاب العزیز“ میں کیا ہے اور واضح کیا ہے کہ انہیں ایک سوانح نامہ سے اتصال سند حاصل ہے لکھتے ہیں۔

قال ابو محمد فهو آلاء مائة وتسع وخمسون نفساً من الأئمة وقد اتصلت بهي السند اليهم وغالب الدواوين الإسلامية مذکور في إبتائهم و مروياتهم ومسموعاتهم والحمد لله تعالى وهناك أئمة سواهم لهم فهارس وشيوخ وروايات واسانيد ”وما يعلم جنود ربك الا هو“ ”واحاط بما لديهم واحصى كل شيء عددا“ ويكفي عن التقصير هذا القدر الاقل كالجنة ان لم يصبها ابل فطل والانسان متعذر في حقه الاحتواء والاحاطة ولكن بحمد الله ما فاتني الجمل وما لا يدرك كله لا يترك الكل سبحانه لا علم لنا الا ما علمتنا انك انت العليم الحكيم.

اس کتاب کی ابتداء شاہ صاحب رحمہ اللہ حمد و ثناء سے کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

بسم الله الرحمن الرحيم. الحمد لله الذي انزل الى رسوله الكتاب مع الحكمة واجاز لكل من يتلوهما بصدق القلب والسادات حيث امره ان يقول واوحى الى هذا القرآن لا نذكركم به ومن بلغ في جميع الاطراف والاكتاف لكل من الافراد والآحاد نزل به الروح الامين يسلك من بين يديه ومن خلفه رسدا ليعلم ان قد بلغوا رسالات ربهم ولديه العدد والاحصاء فلا ينقص فيه ولا يزداد. اخذ منه رسوله وعنه اصحابه وعنهم اتباعهم وهلم جرا الى عصرنا وهذا هو الاسناد.

رسالہ کے آخر میں اجازۃ الروایۃ حاصل کرنے والوں کو وصیتیں تحریر کی ہیں علماء و طالبین علم حدیث کو چاہیے انہیں پڑھیں اور عمل کی سعی کریں۔

پیر صاحب رحمہ اللہ کی یہ پوری سند جو انہوں نے خود چھپوائی تھی اور جو کہ چھوٹے سائز کے ۵۶ صفحات پر مشتمل ہے راقم نے اپنی کتاب ”مولانا سلطان محمود محدث جلال پوری“ کے ساتھ چھاپ دی ہے۔

میرے پاس اس کا نسخہ شاہ صاحب کا دستخط شدہ جو انہوں نے حافظ عبدالمعتم رحمۃ اللہ علیہ مالک فاروقی کتب خانہ ملتان کو مرحمت فرمایا تھا موجود ہے۔

شاہ صاحب کو اکابر محدثین سے اجازۃ الروایۃ حاصل ہے جن میں مولانا ابوالوفاء ثناء اللہ امرتسری، محدث ابوسعید شرف الدین دہلوی، محدث عبداللہ روپڑی، شیخ الصالح محدث نیک محمد امرتسری، محدث حرم کی شیخ عبدالحق الہاشمی اور شیخ محمد خلیل بن محمد سلیم خیر پوری ایسے افاضل بھی شامل ہیں۔

شاہ صاحب سے علماء و فضلاء کی جس جماعت نے اجازۃ الروایۃ حاصل کی ہے ان میں ملکی اور عرب ممالک کے اساتذہ کی ایک بڑی جماعت ہے۔ وذلک فضل اللہ یوتیہ من یشاء۔



شیخ العرب والعجم بدیع الدین شاہ الراشدی رحمہ اللہ

اس مختصر مضمون میں شیخ العرب والعجم امام حافظ ابو محمد بدیع الدین شاہ الراشدی السندھی رحمہ اللہ کے بارے میں بعض معلومات پیش خدمت ہیں:

نام و نسب:

ابو محمد بدیع الدین شاہ بن سید احسان اللہ شاہ راشدی بن سید ابوتراب رشد اللہ شاہ بن پیر رشید الدین شاہ بن پیر محمد بن پیر محمد بن پیر محمد راشد شاہ الراشدی الحسینی السندھی رحمہ اللہ

ولادت:

آپ ۱۰ جولائی ۱۹۲۵ء بمطابق ۱۳۴۲ھ بمقام گوٹھ فضل اللہ شاہ (سابق گوٹھ پیر جھنڈا) نزد سید آباد تحصیل بالا ضلع حیدر آباد سندھ میں پیدا ہوئے۔

رموز راشدیہ (ص ۱۱) میں پیدائش ۱۰ جولائی ۱۹۲۵ء مذکور ہے اور محمد اسحاق بھٹی صاحب نے بھی اسے اختیار کیا ہے۔ دیکھئے برصغیر کے اہل حدیث خدام قرآن (ص ۱۰۲) لیکن شاہ صاحب کے صاحبزادے نور اللہ الراشدی نے ۳۲/۳۹۸ھ میں آپ کی پیدائش ۱۲ مئی ۱۹۲۶ء لکھی ہے۔ (دیکھئے ترجمۃ المؤلف رتو حید خالص ص ۳) پروفیسر محمد یوسف سجاد صاحب نے اسی تاریخ پر اعتماد کیا ہے۔

(دیکھئے تذکرہ علماء اہل حدیث ج ۲ ص ۱۵۶)

محمد منزیل الصدیقی الحسینی صاحب نے تاریخ پیدائش ۱۸ ذوالحجہ ۱۳۴۳ھ ۱۰ جولائی ۱۹۲۴ء لکھی ہے۔

(اصحاب علم و فضل ص ۴۴)

اس سلسلے میں شاہ صاحب کے پوتے محترم نصرت اللہ شاہ صاحب سے رابطہ کیا تو انھوں نے بتایا

☆ معروف محقق، مدیر ماہنامہ ”الحدیث“ حضرات ک۔

کہ آپ ۱۰ جولائی ۱۹۲۳ء بمطابق ۱۸ ذوالحجہ ۱۳۴۳ھ جمعرات اور جمعہ کی درمیانی رات تقریباً تین بجے پیدا ہوئے۔

اساتذہ کرام:

آپ کے چند مشہور اساتذہ کے نام درج ذیل ہیں:

ابو محمد عبدالحق بن عبد الواحد البہاشی بہالپوری مہاجرکی، ابو الوفاء ثناء اللہ امرتسری قاتح قادیان، حافظ عبد اللہ روپڑی، ابواسحاق نیک محمد امرتسری، محبت اللہ شاہ راشدی اور بیہقی زمان ابوسعید شرف الدین دہلوی وغیرہم۔

تصانیف:

سید ابو محمد بدیع الدین شاہ رحمہ اللہ کی عظیم الشان تصانیف میں سے بعض کا ذکر و تعارف درج ذیل ہے:

عربی تصانیف:

۱: الطوام المرعشة في بيان تحريفات أهل الرأي المدهشة.

اس کتاب میں شاہ صاحب نے تقلیدی حضرات کی تحریفات اور اکاذیب کا پردہ چاک کیا ہے تاکہ عامۃ المسلمین ان لوگوں کے شر سے محفوظ رہیں۔ یہ کتاب عظیم محقق مولانا صلاح الدین مقبول احمد حفظہ اللہ کی تحقیق سے کویت سے چھپ چکی ہے۔ میرے پاس اس کتاب کا قلمی مصور نسخہ بھی موجود ہے۔ والحمد للہ

۲: عین الشین بترک رفع الیدین.

یہ کتاب ۱۱۲ سے زیادہ صفحات پر مطبوع ہے جس میں ہاشم ٹھٹھوی تقلیدی کا بہترین رد کیا گیا ہے۔

۳: جلاء العینین بتخریج روایات البخاری فی جزء رفع الیدین.

۱۹۲ سے زیادہ صفحات والی یہ کتاب کئی دفعہ چھپ چکی ہے۔ مولانا ارشاد الحق اثری حفظہ اللہ اور

استاذ محترم مولانا فیض الرحمن ثوری نے بہترین حواشی کے ساتھ اس کتاب کی مراجعت فرمائی ہے۔ شاہ

صاحب نے اس جلیل القدر کتاب میں امام بخاری کی مشہور وثابت کتاب جزء رفع الیدین کی تحقیق و تخریج کر کے منکرین رفع الیدین کو شکست فاش دے دی ہے۔

۴: التعليق المنصور علی فتح الغفور فی تحقیق وضع الیدین علی الصدور.

یہ شیخ محمد حیات السدھی رحمہ اللہ کے رسالے کی تحقیق و تخریج ہے جس میں یہ ثابت کیا گیا ہے کہ نماز میں (مردوں اور عورتوں کو) سینے پر ہاتھ باندھنے چاہئیں۔

۱۳۶ صفحات میں اس کی کمپوزنگ ہو چکی ہے جسے برادر محترم ذوالفقار بن ابراہیم الاثری حفظہ اللہ نے مدینہ طیبہ سے راقم الحروف کے پاس برائے مراجعت بھیجا ہے۔ میرے پاس برادر محترم عبدالعزیز السلفی (کاتب) کے لکھے ہوئے قلمی نسخے کی فوٹو سٹیٹ بھی موجود ہے جس کے ۶۸ صفحات ہیں۔

۵: السمط الإبریز حاشیة مسند عمر بن عبدالعزیز تالیف ابن الباغندي.

یہ کتاب مولانا عبدالنواب ملتانی رحمہ اللہ (متوفی ۱۳۶۶ھ) کے حاشیے کے ساتھ قدیم خطی انداز میں ۷۷ صفحات پر مطبوع ہے۔ اس کتاب میں محدث ابن الباغندی البغدادی نے خلیفہ عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کی مرویات کو اپنی اسانید کے ساتھ جمع کر دیا ہے۔ یہ کتاب ایک متروک و مبتدع محمد عوامہ کی تخریج و تعلیق سے بھی مطبوع ہے۔ دونوں کتابوں کے موازنے سے ظاہر ہوتا ہے کہ عوامہ مذکور نے شاہ صاحب کی تحقیقات و تعلیقات کو جا بجا چرایا ہے۔ مثلاً:

عبداللہ بن محمد بن ابی اسامہ الحکمی نے ”نسنا أبي عن مبشر بن إسماعيل عن نوفل“ کی سند سے رفع یدین کی ایک حدیث بیان کی ہے۔ (مسند عمر بن عبدالعزیز: ۱۰، ۱۱، نسخہ محمد عوامہ: ۱۱، ۱۲، معجم شیوخ ابن الاعرابی ۲/۳۵۰ ج ۲، ۲۰۶، شعار اصحاب الحدیث لابن احمد الحاکم: ۵۱، الارشاد للخللی ۲/۲۸۰) عبداللہ بن محمد بن ابی اسامہ الحکمی سے طبرانی، دولابی، ابوعوانہ الاسفرائینی، ابن ابی حاتم، ابن صاعد اور ابوالعباس محمد بن یعقوب الاصم وغیرہ متاخرین نے روایت بیان کی ہے۔

تاریخ دمشق لابن عساکر (۱۱۶، ۱۱۵/۳۳) الارشاد فی معرفۃ علماء الحدیث للخللی (۲/۲۸۰) اور تاریخ الاسلام للذہبی (۲۰۹/۲۱) وفیات ۲۸۱ھ تا ۲۹۰ھ) میں اس کے حالات موجود ہیں۔ محدث غلیلی نے

کہا: ”صاحب غرائب، روى عنه ابن صاعد و أقرانه وأبو نعيم الجرجاني وآخر من روى عنه الطبراني وهو ثقة“ صاحب غرائب ہے، اس سے ابن صاعد، ان کے معاصرین اور ابونعیم الجرجانی نے روایت بیان کی ہے اور سب سے آخر میں اس سے روایت کرنے والے طبرانی تھے اور وہ ثقہ ہے۔ (الارشاد ۴۸۰/۲)

ابوعوانہ نے اپنی صحیح میں اس سے روایت بیان کی۔ (المستدرک طبعہ جدیدہ ۶۱/۳ ح ۵۸۶۰) حاکم نے اس کی ایک حدیث کو صحیح کہا۔ (المستدرک ۳۲۳/۳ ح ۵۴۰۵) معلوم ہوا کہ تیسری صدی ہجری کا یہ راوی کم از کم صدوق و حسن الحدیث ہے۔

تنبیہ:

کتاب الجرح والتعديل میں ایک راوی عبداللہ بن اسامہ ابواسامہ الکلبی کا ذکر موجود ہے جس کے بارے میں ابن ابی حاتم نے کہا: ”کتبت عنه مع أبي وهو ثقة صدوق“ (۴۶۱۰/۵) واللہ اعلم شیخ بدیع الدین شاہ رحمہ اللہ نے ابن ابی اسامہ الکلبی کے بارے میں حافظ ابن حبان کی کتاب المحررین (۵۰۲) سے جرح نقل کی کہ وہ حدیثیں گھڑتا تھا اور (امام) بخاری اس پر شدید جرح کرتے تھے۔ (السمط الابریز ص ۱۸)

حالانکہ یہ مجروح راوی الکلبی نہیں بلکہ الأسامی ہے اور الکلبی کے مقابلے میں متقدمین میں سے ہے۔ یہ دو علیحدہ علیحدہ راوی ہیں۔

ابن ابی اسامہ کا والد محمد بن (بہلول) ابی اسامہ الکلبی بھی موثق ہے۔ اس سے ابوزرۃ الدمشقی، یعقوب بن سفیان الفارسی (المعرفة والتاريخ ۳۶۴/۲) اور محمد بن عوف الکلبی وغیرہ نے روایت بیان کی ہے اور ابوحاتم الرازی نے کہا: لیس به بأس (الجرح والتعديل ۲۰۹/۷)

معلوم ہوا کہ یہ راوی ثقہ و صدوق ہے لیکن شاہ صاحب نے محمد بن اسامہ (مدنی) کے بارے میں میزان الاعتدال سے نقل کیا کہ ”لا أعرفه“ (السمط الابریز ص ۱۸)

حالانکہ یہ راوی اور ہے اور مدنی اور ہے۔ مدنی اور حلبی دو مختلف راوی ہیں۔ محمد عوامہ تقلیدی نے شاہ

صاحب کی تقلید کرتے ہوئے عبداللہ بن محمد بن ابی اسامہ الجلیسی پر جرح کر دی ہے اور محمد بن ابی اسامہ کے بارے میں لکھا ہے: ”ینظر القول فیہ“ (مسند عمر بن عبدالعزیز ص ۵۵)

۶: انماء الزکن فی تنقید انهاء السکن .

اس کتاب میں شاہ صاحب نے ظفر احمد تھانوی دیوبندی کی کتاب ”انہاء السکن“ کا رد کیا ہے اور یہ کتاب کویت سے ”نقض قواعد فی علوم الحدیث“ کے نام سے ۴۷۸ صفحات میں مطبوع ہے لیکن مطبوعہ میں کمپوزنگ اور پروف ریڈنگ کی غلطیاں کثرت سے ہیں جن سے شاہ صاحب بری ہیں۔

۷: زیادة الخشوع بوضع الیدین فی القیام بعد الركوع .

رکوع کے بعد قیام میں ہاتھ باندھنے چاہئیں؟ یہ مسئلہ اجتہادی ہے اور دونوں طرح عمل جائز ہے اگرچہ ہاتھ چھوڑنا بہتر ہے۔ شاہ صاحب نے اس رسالے میں اول الذکر کو ترجیح دی ہے جبکہ آپ کے بڑے بھائی مولانا محبت اللہ شاہ صاحب رحمہ اللہ ثانی الذکر کو ترجیح دیتے تھے۔

اس رسالے کا جواب مبلغ اہل حدیث مولانا عبداللہ بہا پوری رحمہ اللہ (متوفی ۱۹۹۱ء) کی طرف سے ”مایعوز فی القیام بعد الركوع وضع الیدین أم ارسال الیدین“ کے نام سے مطبوع ہے۔

۸: منجد المستحیز لروایة السنة والکتاب العزیز .

یہ رسالہ شاہ صاحب کی اسانید کا مجموعہ ہے جو آپ اپنے شاگردوں اور مستحیزین کو مرحمت فرماتے تھے۔ آپ نے اپنے دستخطوں اور مہر کے ساتھ ۱۴۰۶/۷/۸ھ کو یہ اجازت نامہ مجھے بھی عطا فرمایا تھا۔ اس میں ایک مقام پر آپ نے اپنی صحیح بخاری کی سند درج ذیل الفاظ میں رقم کی:

”فاخبرني الشيخ عبدالحق الهاشمي قال: أخبرنا أحمد بن عبد الله بن سالم البغدادي عن عبد الرحمن بن حسن بن محمد بن عبد الوهاب عن جده شيخ الإسلام عن عبد الله بن إبراهيم المدني عن عبد القادر التغلبي عن عبد الباقي عن أحمد الوفائي عن موسى الحجازي عن أحمد الشويكي عن العسكري عن الحافظ شمس الدين ابن القيم عن شيخ الإسلام الحافظ تقي الدين أبي العباس ابن تيمية عن الفخر ابن البخاري عن أبي ذر الهروي

عن شیوخہ الثلاثة السرخسی والمستملی والکشمیہنی عن محمد بن یوسف القریبری عن امام الدنیا أبی عبد اللہ محمد بن إسماعیل البخاری “ (منجد المستجیز ص ۱۰، ۱۱)

اس سند میں نہ شاہ ولی اللہ دہلوی ہیں اور نہ شاہ عبدالعزیز و محمد بن اسحاق۔!

۹: القندیل المشعول فی تحقیق حدیث ((اقتلو الفاعل والمفعول))

میرے علم کے مطابق یہ غیر مطبوع ہے۔ ان کے علاوہ شاہ صاحب کی اور بھی بہت سی عربی کتابیں ہیں مثلاً وصول الالہام لاصول الاسلام (یہ ساری کتاب غیر منقوٹ ہے یعنی اس میں نقطوں والا کوئی حرف استعمال نہیں ہوا)

جزء منظوم فی أسماء الدلسین (یہ الفتح المبین کے آخر میں میری مراجعت سے مطبوع ہے) توفیق الباری بترتیب جزء رفع الیدین للبخاری (اس کے آخر میں شاہ صاحب نے لکھا ہے: العبد ابو محمد بدیع الدین شاہ الراشدی المکی)

منقوٹے کے کل صفحات ۲۱ ہیں۔

الحجۃ لہدایۃ الحجۃ (بڑی عجیب و غریب کتاب ہے)

اظہار البراءۃ عن حدیث من کان له إمام فقراء الإمام له قراءۃ

ان کے علاوہ اور بھی بہت سی کتابیں ہیں جن میں سے بعض کا ذکر پروفیسر میاں محمد یوسف سجاد کی کتاب تذکرہ علماء اہل حدیث (ج ۲ ص ۲۱۲-۲۱۵) میں ہے۔

اردو تصانیف:

۱: توحید خالص

اپنے موضوع پر یہ عظیم الشان کتاب ہے، جو تقریباً ۶۲۳ صفحات پر مشتمل ہے۔ عقیدے پر معلومات کا بہترین خزانہ ہے۔

۲: امام صحیح العقیدہ ہونا چاہئے۔

۳: تنقید سدید بر سالہ اجتہاد و تقلید

۴۱۲ صفحات کی یہ لاجواب و مفید ترین کتاب محمد ادریس کاندھلوی دیوبندی تقلیدی کے جواب میں لکھی گئی جس کے جواب الجواب سے (میرے علم کے مطابق) آل تقلید عاجز رہے۔

۴: تواثر عملی یا حیلہ جدلی

یہ مسعود احمد بی ایس سی (تکفیری) کا رد ہے۔

۵: الہی عتاب برسیاہ خضاب

ان کے علاوہ اور بھی بہت سی کتابیں ہیں دیکھئے تذکرہ علماء اہل حدیث (ج ۲ ص ۲۱۶، ۲۱۷)

سندھی تصانیف

۱: بدیع التفسیر

سندھی زبان میں شاہ صاحب نے بہت سی کتابیں لکھیں جن میں سے بدیع التفسیر آپ کا بہت بڑا کارنامہ ہے۔ انہوں نے کہ یہ کتاب صرف چودھویں پارے تک لکھی جاسکی اور آپ فوت ہو گئے۔

۲: تمییز الطیب من الخبیث بجواب رسالۃ تحفة الحدیث .

سندھی زبان میں بڑے سائز اور باریک خط پر ۵۶۶ صفحات کی یہ کتاب مسلک اہل حدیث کی فتح اور آل تقلید کی تباہی کی روشن دلیل ہے۔ اگر اس کتاب کا اردو ترجمہ ہو جائے تو اردو دان طبقہ کے لئے نعمت غیر مترقبہ ہوگی۔

۳: التنقید المضبوط فی تسوید تحریر الملبوط (فقہ و حدیث)

اس کتاب کا کچھ حصہ اردو میں چھپ گیا ہے۔

۴: الأربعین فی الجہر بالتأمین .

۵: تقریر دلپذیر بنام براءت اہل حدیث

آپ نے ان کے علاوہ اور بھی بہت سی کتب مفیدہ تصنیف فرمائیں۔ مثلاً الفتاویٰ البدیعیہ وغیرہ

شاہ صاحب کے تلامذہ: آپ کے بعض تلامذہ کے نام درج ذیل ہیں:

۱: شیخ عبدالقادر بن حبیب اللہ السندھی المدنی رحمہ اللہ

میری ملاقات شیخ عبدالقادر سے مدینہ منورہ میں آپ کے گھر میں ہوئی تھی۔ نحیف جسم کے انتہائی علم دوست عالم تھے۔ آپ نے عربی زبان میں بہت سی مفید کتابیں لکھی ہیں۔

۲: حافظ قحی محمد رحمہ اللہ

۳: حمدی عبدالمجید السلفی العراقی

۴: بشار عواد معروف

۵: شیخ مقبل بن ہادی الوادعی البیہمی رحمہ اللہ

۶: ابوسعید الیربوزی الترمذی

۷: الشیخ الصالح عاصم بن عبد اللہ القریوٹی

۸: الشیخ الصالح الامام وصی اللہ بن عباس المدنی الحنفی حفظہ اللہ

۹: ربیع بن ہادی المدغلی

۱۰: شیخ عبدالعزیز نورستانی حفظہ اللہ

۱۱: حافظ عبداللہ ناصر رحمانی حفظہ اللہ

ان کے علاوہ شاہ صاحب کے بے شمار تلامذہ تھے اور ہیں جن میں سے مولانا ابوخریمہ محمد حسین ظاہری اور راقم الحروف کو بھی شرف تلمذ حاصل ہے۔

پروفیسر میاں محمد یوسف صاحب نے شاہ صاحب کے بہت سے مناظروں کا تفصیلی ذکر لکھا ہے۔

شاہ صاحب علمائے حق کی نظر میں

التعلیقات السلفیہ کے مصنف مولانا عطاء اللہ حنیف بھوجیانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”ہماری جماعت کے فاضل محقق اور سندھ کے نامور راشدی خاندان کے گل سرسبد“

(تصدیق تصدیق صدید ص ۷، ۹ ربیع الاول ۱۴۰۳ھ بمطابق ۲۶ دسمبر ۱۹۸۲ء)

شاہ صاحب کی تعریف و توثیق پر تمام علمائے حق کا اتفاق ہے اور آپ فی الحقیقت ثقہ امام متقن تھے

۔ مولانا محبت اللہ شاہ راشدی نے ایک سوال کے جواب میں فرمایا: ”ثقة“

مولانا محمد صدیق بن عبدالعزیز سرگودھوی نے فرمایا: ”عالم محقق“ میں نے مدینہ میں محمد بن ہادی المدخلی سے ان کے گھر میں یہ فرماتے ہوئے سنا: ”ما نسمع عنہ إلا خیراً“ ہم ان کے بارے میں خیر ہی سنتے ہیں۔ فارح بن نافع الحرابی المدنی نے کہا: ”صاحب سنة من اهل الحديث ونفع الله به“ آپ اہل حدیث میں سے، صاحب سنت تھے اور اللہ نے آپ کے ذریعے (لوگوں کو) نفع پہنچایا ہے۔ (انوار السبیل فی میزان الجرح والتعديل ص ۲۶)

چند یادداشتیں:

شاہ صاحب تصنیف وتالیف (بطور خاص تفسیر قرآن) میں مصروفیت کے باوجود طالب علموں کے لئے وقت نکالتے تھے۔ جو کتاب بھی پڑھاتے ایسا معلوم ہوتا کہ زبردست تیاری کے بعد پڑھا رہے ہیں حالانکہ یہ آپ کے حافظے کا کمال تھا جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو بخشا تھا۔ مشکل سے مشکل عبارات آپ کی زبان پر موم ہو جاتی تھیں اور کسی قسم کا اشکال باقی نہیں رہتا تھا۔ آپ خوارج و تکفیریوں کے سخت مخالف تھے اور مسلک اہل سنت (اہل حدیث) پر مضبوطی سے گامزن تھے۔ شاہ صاحب کی ہر نماز انتہائی خشوع و خضوع والی ہوتی تھی، یہی محسوس ہوتا تھا کہ یہ آپ کی آخری نماز ہے۔

راقم الحروف سے آپ کا رویہ شفقت سے لبریز تھا۔ ایک دفعہ آپ ایک پروگرام میں راولپنڈی تشریف لائے تو کافی دیر تک مجھے سینے سے لگائے رکھا۔

آپ بدیع التفاسیر لکھاتے وقت کاہلوں کو فی البدیہہ کہتے کہ فلاں کتاب لاؤ اور فلاں جگہ سے لے کر فلاں جگہ تک والا حوالہ لکھو۔ عربیت کے تو آپ امام تھے جس کا ایک واضح ثبوت آپ کی احکام والی کتاب وصول الالہام ہے۔

وفات:

آپ ۸ جنوری ۱۹۹۶ء بمطابق ۱۶ شعبان ۱۴۱۶ھ بروز منگل رات تقریباً ۹ بجے مسجد راشدی کے قریب کراچی میں ۷۱ سال کی عمر میں فوت ہوئے اور (پیر جھنڈا) نیو سعید آباد میں دفن کئے گئے۔ رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ آمین۔

شاہ بدیع الدین راشدی رحمۃ اللہ علیہ اور انکی اجازۃ بالروایۃ

استاد سے علم حاصل کرنے کے آٹھ مختلف طرق ہوتے ہیں ہر طالب علم اپنے لئے ان طرق سے کوئی نہ کوئی طریقہ اپناتا ہے اور علم کی تشنگی دور کرتا ہے ان طرق میں سے ایک طریقہ ہے ”اجازۃ“ علماء اصول حدیث نے اجازہ کی تعریف اس طرح کی ہے: جس کا خلاصہ یہ ہے:

”ان یقول الشیخ لأحد طلابہ“ اجزئت لک ان تروی عنی مسموعاتی“

(تدریب الراوی)

یعنی استاد شاگرد کو اس بات کی اجازت دے دے کہ وہ اس کی مسموعات (شنیدہ روایات) یا مؤلفات (جمع کردہ کتب) کو روایت کرے۔

جمہور محدثین کے نزدیک اس کی یہ صورت بلا شک و شبہ مقبول ہے کہ ایک محدث کسی ایک شخص یا اشخاص کو ایک خاص کتاب یا متعدد کتب کے روایات کرنے کی اجازت دے دے۔ صدیوں سے محدثین نے اس طریقہ کو اپنایا ہوا ہے اور ہر محدث اپنے شاگرد رشید کو اجازۃ بالروایۃ سے نوازتا ہے جس کو حاصل کرنے کے بعد طالب علم کو دلی سکون اور راحت محسوس ہوتی ہے اور کئی شاگرد تو سند عالی حاصل کرنے کے لئے ہزاروں میلوں کا رخت سفر باندھتے ہیں کیونکہ جس قدر عالی ہوگی اسی قدر خطا اور علت کے شائبہ سے پاک ہوگی امام ابو عبد اللہ الحاکم فرماتے ہیں:

”طلب الأسناد العالی سنة صحیحة“ اسناد عالی تلاش کرنا (سلف) کی سنت ہے۔

محدثین عظام نے سلف کی اس سنت کو صرف اس لئے جاری ساری رکھا کیوں کہ اسلام میں سند کی

☆ ایم۔ اے، ایم۔ فل، جامعۃ الازہر قاہرہ مصر، شیخ الحدیث جامعۃ بجز العلوم الشلفیہ میر پور خاص، لکچرار گورنمنٹ ڈگری کالج کچہرو

بہت زیادہ اہمیت ہے سنی سنائی بات کی اسلام میں کوئی قیمت و وقعت نہیں ہے۔ بالخصوص جب اس کی نسبت رسول اللہ ﷺ کی طرف جائے تو ذمہ داری مزید بڑھ جاتی ہے کیوں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”من حدث عني بحديث يرى أنه كذب فهو أحد الكاذبين“ (مقدمہ صحیح مسلم)
 ”جس شخص نے میری طرف سے حدیث بیان کی یہ جانتے ہوئے کہ وہ موضوع ہے سو بیان کرنے والا بھی جھوٹ بولنے والوں میں سے ہے۔“

اسی حدیث کو مد نظر رکھتے ہوئے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے حدیث کو بیان کرنے میں بہت احتیاط ملحوظ خاطر رکھا بغیر تحقیق و تہیص کے آگے ہرگز بیان نہ کیا اور اس طرح ان کے بعد تابعین اور تبع تابعین کا موقف تھا۔

امام عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ کا معروف قول ہے فرماتے ہیں کہ:
 ”الإسناد من الدين لولا الإسناد لقال من شاء ما شاء“ (مقدمہ صحیح مسلم)
 سندیں دین کا حصہ ہے اگر سندوں کا اہتمام نہ ہوتا تو دین کے بارے میں جو کسی کے جی میں آتا کہہ دیتا۔

شاہ بدیع الدین الراشدی رحمہ اللہ کا شمار بھی ان محدثین عظام میں ہوتا ہے۔ جنہوں نے سند عالی حاصل کرنے کے لئے سفر کی مشقتیں برداشت کیں اور ہزاروں میل کا سفر کر کے ہندوستان کے صوبہ پنجاب کے معروف شہر امرتسر میں حاضری دی اور اس دور کے مشہور مشہور اساتذہ حدیث سے اجازۃ بالروایۃ کی سند حدیث حاصل کی جو اپنے دور کے سلطان الحدیث تھے اگر یوں کہا جائے کہ مرجع الحدیث تھے تو بہتر ہوگا۔

﴿شاہ صاحب رحمہ اللہ کے حدیث میں اساتذہ﴾

مولانا ابوالوفاء ثناء اللہ امرتسری رحمہ اللہ ۱۹۳۸ء

شیخ الاسلام مفسر قرآن سلطان الحدیث امام المناظرین ابوالوفاء ثناء اللہ امرتسری رحمہ اللہ ان کی پیدائش ۱۸۶۸ء کو امرتسر میں ہوئی ابتدائی تعلیم مدرسہ تائید الاسلام امرتسر سے حاصل کی اور علوم الہیہ و عالیہ مولانا حافظ عبدالمنان محدث و وزیر آبادی سے حاصل کی اور اس کے بعد دہلی تشریف لے گئے اور حضرت شیخ

الکل مولانا سید محمد نذیر حسین دہلوی سے حدیث کی سند و اجازت حاصل کی اور بعد میں مدرسہ تائید الاسلام امرتسر میں حدیث کی تدریس میں مامور ہوئے مولانا صاحب کے دور میں تین گروہ اسلام اور پیغمبر اسلام ﷺ کے خلاف برسر پیکار تھے اور وہ تھے (۱) عیسائی (۲) آریہ (۳) قادیانی

مولانا نے تینوں باطلہ فرقوں کی بیخ کنی کی اور ان کا علمی طور پر رد کامل کیا۔ مولانا صاحب رحمہ اللہ نے تقریباً مختلف فنون میں ۱۸۹ اکتب تصنیف کیں اور ۱۵ مارچ ۱۹۴۸ء کو اپنی جان جان آفریں کے سپرد کر دی۔ شاہ بدیع الدین راشدی ان کی علمی استعداد سے بہت متاثر ہوئے تھے اور علم حدیث کے حصول کے لئے انہوں نے امرتسر شہر کے لئے رخت سفر باندھا اور سیدھا جا کر مولانا صاحب کی صحبت کی سعادت حاصل کی اور ان سے سند حدیث حاصل کرنے کا اعزاز حاصل کیا اور راشدی صاحب کو ایک دو کافر نسوں میں مولانا امرتسری رحمہ اللہ کے سامنے تقریر کرنے کا شرف بھی حاصل ہوا۔ شاہ صاحب رحمہ اللہ جو کہ قرآن پاک کی ایک سندھی زبان میں تفسیر تحریر کر رہے تھے لیکن مکمل نہ ہو سکی اس تفسیر میں شاہ صاحب نے قرآن پاک کا اپنا ترجمہ نہیں کیا بلکہ اپنے استاد محترم ثناء اللہ امرتسری رحمہ اللہ کی تفسیر ثنائی والے ترجمہ کا سندھی ترجمہ کیا جس سے شاہ صاحب کے نزدیک مولانا ثناء اللہ امرتسری رحمہ اللہ کے علم کا برملا اعتراف تھا۔

حافظ عبداللہ روپڑی صاحب رحمہ اللہ ۱۹۶۴ء

قدوة الحمد شین حضرت العلام فضیلۃ الشیخ حافظ عبداللہ روپڑی رحمہ اللہ کا شمار ان علماء حدیث میں ہوتا ہے جو اپنے علم و فضل و ذوق تحقیق قوت استحضار اور وسعت مطالعہ میں بے مثال تھے۔

حافظ رحمہ اللہ کی پیدائش ۱۸۹۴ء کو ضلع امرتسر کے قصبہ کیر پور میں ہوئی اور مدرسہ غزنویہ میں تفسیر حدیث اور فنون کی دیگر کتب پڑھیں اور ۱۹۱۴ء میں مدرسہ عالیہ سے سند فراغت حاصل کی تکمیل کے بعد حافظ صاحب نے دارالحدیث، کے نام سے ایک دینی مدرسہ کی بنیاد رکھی اور درس و تدریس کا سلسلہ شروع کیا اور ۱۹۳۸ء تک اس میں درس تدریس فرماتے رہے اور آخر ۲۰ اگست ۱۹۶۴ء کو انتقال فرما گئے۔

شاہ صاحب رحمہ اللہ نے حافظ صاحب سے مسجد مبارک میں بخاری شریف کی دو تین حدیثیں سنا کر اجازۃ بالروایۃ حاصل کی۔

ابوسعید شرف الدین دہلوی رحمۃ اللہ علیہ ۱۹۶۱ء

فضیلۃ الشیخ الحدیث المدرس مولانا ابوسعید محمد شرف الدین دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کا ان عظیم محدثین میں شمار ہوتا ہے جنہوں نے اپنی ساری زندگی اپنے آپ کو علوم دینیہ کی تعلیم و تدریس کے لئے وقف کئے رکھا تھا۔ آپ کی پیدائش چودھویں صدی ہجری کے آخر میں گجرات میں ہوئی۔ دہلوی صاحب نے ابتدائی تعلیم ”شاہ پور“ میں حاصل کی اس کے بعد دہلی چلے گئے اور وہاں جا کر اجلاء محدثین سے تعلیم حاصل کی اور شیخ اکل سید نذیر حسین دہلوی سے سند حدیث حاصل کی۔

قیام پاکستان سے کچھ عرصہ بعد پاکستان تشریف لے آئے اور مختلف مدارس اسلامیہ میں تدریس فرماتے رہے چنانچہ شاہ بدیع الدین الراشدی رحمۃ اللہ علیہ کے گھر اور ان کے آباء اجداد کے مدرسہ میں درس و تدریس بھی کرتے رہے شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے قیام پاکستان سے قبل اس عظیم محدث سے دہلی میں ”پھانک جش خان“ کے مدرسہ میں ملاقات کی تھی اور قیام پاکستان کے بعد ان کو اپنے مدرسہ میں تدریس کے لئے دعوت دی جو انہوں نے قبول کی اسی اثناء میں شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ان سے سند اجازۃ بالروایۃ حاصل کی۔

شیخ الحدیث مولانا نیک محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ

استاذ العلماء شیخ الاُتقیاء شرف الحدیث و محققین حضرت مولانا نیک محمد حسن کی کنیت ابو اسحاق تھی ان کی پیدائش موضع سکیاں ون (ریاست جموں و کشمیر) ۱۸۸۰م یا ۱۸۸۵ نیسویں صدی کے درمیان ہوئی۔ آپ نے ابتدائی تعلیم اپنے گاؤں میں ہی حاصل کی اس کے بعد ضلع میانوالی کے گاؤں چکڑالہ میں حاصل کی بعد میں وزیر آباد جا کر حضرت الامام الشیخ سید عبدالجبار غزنوی کی صحبت باسعادت میں رہ کر درس نظامی کی تکمیل کی اور پھر اپنے استاد محترم کی خدا خونی تعلق باللہ اور پارسائی کے اتنے متاثر ہوئے کہ مستقل سکونت اور قیام کا فیصلہ کر لیا۔

سید عبدالجبار غزنوی رحمۃ اللہ علیہ کی رحلت کے بعد آپ کے شاگرد رشید مولانا نیک محمد کو ان کی مسند تدریس کے جانشین بن کر حدیث کی خدمت کرتے رہے اور انہوں سے ہزاروں تلامیذ نے حدیث کا فیض حاصل کیا، انہی تلامیذ اجلاء میں سے ایک شاگرد شیخ بدیع الدین الراشدی رحمۃ اللہ علیہ تھے جنہوں نے مدرسہ سلفیہ

غزنویہ میں شیخ الحدیث ابواسحاق نیک محمد کے سامنے شیخ محمد حسین مہتمم مدرسہ کی موجودگی میں سنن ابی داؤد کی ابتدائی کچھ حدیثیں پڑھیں شیخ صاحب نے امتحان کے طور پر کچھ سوالات کئے جن کے جوابات راشدی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے دیئے جس سے شیخ صاحب بہت متاثر ہوئے اور ان کو سند اجازۃ بروایۃ عنایت کی۔

اس کے علاوہ شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ”ثبت الاسانید“ میں ایک کتاب بنام ”منجد المستجیز لروایۃ السنۃ والکتاب العزیز“ تحریر کی ہے جس میں شاہ صاحب نے ۱۵۹ ایک سوانح ائمہ کرام و محدثین عظام تک سلسلہ اسناد پہنچایا اور ثابت کیا ہے۔
ان محدثین عظام کے اسماء گرامی یہ ہیں:

(۱) شیخ المشائخ شیخ الكل سيد نذير حسين الدهلوی رحمۃ اللہ علیہ تک مندرجہ ذیل اساتذہ کرام کے واسطے سے پہنچتی ہے۔

① شيخ المفسرين والمحدثين حجة الله على الارض ابو الوفاء ثناء الله

الامرتسرى رحمۃ اللہ علیہ / عن شيخ الكل

② الشيخ الفاضل المحدث ابوسعيد شرف الدين الدهلوی، عن الشيخ

المحدث محمد بشير السهواني عنه

③ الشيخ المحدث العلامة الحافظ عبد الله الروبري، عن استاذ العلماء مسند

وقته شيخ عبد المنان وزير آبادی عنه

④ الشيخ الصالح التقى النقي ابواسحاق نيك محمد الأمرتسرى. عن

الامام عبد الجبار الغزنوی عنه.

⑤ الشيخ المحدث الشهير في العرب والعجم الفاضل ابو محمد عبد الحق

بن عبد الواحد البهاولي قفوري.

(۲) الشيخ المحدث العلامة الشاه عبد الغني بن أبي سعيد العمري الدهلوی.

① الشيخ محمد خليل بن محمد سليم الخیر پوری کے واسطے سے.

(۳) الامام المحدث الجہد القاضی ابو علی محمد بن علی بن عبد اللہ الشوکانی الیمانی رحمہ اللہ.

① ابواسحاق نیک محمد المحدث رحمہ اللہ.

② الشیخ ابو محمد عبد الحق الهاشمی کے واسطے سے۔

(۴) الشیخ المحقق المحدث الفقیہ الامام محمد عابد بن أحمد علی السندی رحمہ اللہ.

① شیخ الكل بالسند إلى شیخ الكل والی الشریف محمد الحازمی کے واسطے سے۔

(۵) الشیخ الامام المعجد المحدث الفقیہ المجاہد فی سبیل اللہ وامام الدعوة إلى العقيدة السلفية محمد بن عبد الوهاب بن سلیمان النجدی التیمی.

① الشیخ عبد الحق الهاشمی البہاولپوری کے واسطے سے۔

(۶) امام الهند الشیخ الأجل الفاضل الأكمل السید أحمد المولوی ولی اللہ بن السید أبی الفیض عبد الرحیم الدہلوی رحمہ اللہ.

① بالسند إلى شیخ الكل عن الشاہ المعروف.

② بالسند إلى الشاہ عبد الغنی عن الشاہ محمد اسحاق بہ.

(۷) الإمام الحافظ مسند الدنيا ابو عبد اللہ محمد بن علاؤ الدین البابلی القاہری. بواسطة شاه ولی اللہ.

(۸) الإمام الحافظ المتقن المحقق ابو مکتوم عیسی بن محمد المغربی الهاشمی بواسطة شاه ولی اللہ.

(۹) الامام الحافظ شیخ الحدیث جامع الفنون محمد بن محمد بن سلیمان الروانی المکی رحمہ اللہ.

بواسطة شاه ولی اللہ.

(۱۰) الإمام شیخ الحدیث والفقہ برہان الدین ابراہیم بن الحسن بن شہاب الدین

الکردی.

بواسطة شاه ولی الله.

(۱۱) الإمام الضابط شيخ الحديث أبو الأسرار حسن بن علي العجيمي المكي.

بواسطة شاه ولی الله.

(۱۲) الإمام الشيخ الصالح المتقن أبو العباس أحمد بن محمد بن أحمد بن علي النخلى

المكي.

بواسطة شاه ولی الله.

(۱۳) الإمام حافظ عصره المحدث المحقق النقاد الشيخ عبد الله بن سالم البصري.

بواسطة شاه ولی الله.

(۱۴) الإمام البارع المتقن الشيخ المحدث محمد بن محمد بن سنة العمرى المعمر

الفلاني.

① بواسطة شيخ الكل.

② بواسطة الشيخ عابد عن شيخه الحافظ المحدث صالح بن محمد

العمرى عنه.

(۱۵) الإمام الشيخ المحقق المحدث صالح بن محمد بن نوح العمرى.

بواسطة الشيخ عابد السندهى.

(۱۶) الإمام الكبير الشيخ عبدالرحمن بن سليمان بن يحيى الأهدل اليماني.

بواسطة شيخ الكل عنه.

(۱۷) القاضي العالم ابراهيم بن يحيى بن محمد بن صلاح الشجرى الصنعاني.

بواسطة الإمام الشوكاني.

(۱۸) الإمام الشيخ عبدالرحمن بن محمد بن عبدالرحمن زين العابدين الكريزى.

بواسطة شيخ الكل عنه.

(١٩) الشيخ الإمام عالم الدنيا ابو عباد الله محمد بن أحمد بن غازي العثماني.

بواسطة الشيخ أحمد النخلى.

(٢٠) الإمام فريد الوقت علم الأئمة الحافظ ابن حجر ابو الفضل أحمد بن علي

العسقلاني.

بواسطة، الامام البابلي، والشوكانى، محمد عابد السندى، وغيره.

(٢١) الامام الحافظ الإسلام زين الدين زكريا بن محمد بن أحمد بن زكريا الأنصارى.

بواسطة أحمد النخلى رحمته الله.

(٢٢) الإمام الحافظ جلال الدين السيوطى رحمته الله.

بواسطة الامام البابلي والزين.

(٢٣) الامام الحافظ شمس الدين محمد بن عبد الرحمن بن محمد بن أبى بكر بن عثمان

السخاوى رحمته الله.

بواسطة الإمام الكردى والبصرى والشوكانى.

(٢٤) الإمام الحافظ سراج الدين أبو حفص عمر بن الإمام النحوى المعروف ابن الملقن.

بواسطة الشوكانى عن الشيخ الكل.

(٢٥) الإمام الحافظ قددة المحدثين أمير الحفاظ شمس الدين ابو عبد الله محمد بن

أحمد بن عثمان الدمشقى المعروف بالذهبي.

بواسطة عن طريق حافظ ابن حجر رحمته الله.

(٢٦) شيخ الحرم الامام الحافظ العالم الفاضل العارف بالآثار محب الدين ابو العباس

أحمد بن عبد الله بن محمد الطبرى المكى.

(٢٧) الشيخ العالم المحدث المفيد ابو العباس أحمد بن علي البغدادي القلانسي.

- (۲۸) الامام المحدث الفقيه الحافظ ابو العباس احمد بن محمد بن انجب بن الكسار الواسطي ثم البغدادی.
- (۲۹) الامام الفقيه ابو العباس احمد بن محمد بن ابی القاسم الدمیاطی.
- (۳۰) الامام المقرئ المجود الشيخ جمال الدين ابواسحق ابراهيم بن داؤد بن ظافر بن ربيعة العسقلانی ثم الدمشقی الفاضلی.
- (۳۱) الامام المحدث القدوة ابواسحق ابراهيم بن عبدالعزيز بن يحيى بن علی اللودی.
- (۳۲) الامام القدوة شيخ الاسلام علم العاملين تقي الدين ابواسحق ابراهيم بن علی بن احمد بن فضل الله الواسطي الصالحی.
- (۳۳) الامام المحدث الحافظ المتقن مؤرخ الشام علی الدين القاسم بن محمد بن يوسف ابن الحافظ زکی الدين محمد بن يوسف البرزالی الاسیلی.
- (۳۴) العالم المحدث الفقيه ابو الامانة جبرئیل بن ابی الحسن العسقلانی المصری.
- (۳۵) الشيخ العارف بالحديث الفقيه ذو الفنون شهاب الدين محمد بن احمد بن خليل بن سعادة الخوینی ثم الدمشقی.
- (۳۶) الامام المفتی القدوة جمال الدين ابوزكريا يحيى بن منصور بن ابی الفتح الجیشی الحرانى ابن الصیرفی.
- (۳۷) الامام الفقيه اللغوی کمال الدين ابو محمد عبدالله بن علی بن سرنديک الکوکرى.
- (۳۸) الامام الاديب مسند المغرب فی زمانه ابو محمد عبدالله بن محمد بن هارون بن محمد بن عبدالعزيز بن اسماعیل الطائی.
- (۳۹) الامام المحدث المتقن جمال الدين ابو محمد عبدالله بن يحيى بن ابی بکر بن يوسف بن حيون الغسانی المغربي الجزائرى من اعيان الطلبة.

- (۴۰) الشیخ الامام الرجال المحدث ابن المحدث شمش الدین ابو الفرج عبدالرحمن بن الزین احمد بن عبدالملک بن عثمان المقدسی.
- (۴۱) الامام المفتی المخلص القانت المحدث فخر الدین ابو محمد عبدالرحمن بن یوسف بن محمد بن نصر البعلبکی نزیل دمشق.
- (۴۲) الامام المحدث الفاضل ابو محمد عبدالقادر بن محمد بن علی الصبغی المصری.
- (۴۳) الامام المحدث الحافظ بقیة السلف قطب الدین ابو علی عبدالکریم بن عبدالنور بن منیر الحلبی ثم المصری.
- (۴۴) الامام المؤرخ ظہیر الدین علی بن محمد بن محمود الکازرونی ثم البغدادی المعدل.
- (۴۵) الامام الفاضل المحدث المعمر فخر الدین ابو حفص عمر بن یحییٰ بن عمر بن احمد الکرچی ثم الدمشقی خادم حافظ ابن الصلاح.
- (۴۶) العالم الفاضل المحدث نجم الدین ابو عبداللہ محمد بن محمد بن یحییٰ الکیب البستی المعدل نزیل دمشق.
- (۴۷) الامام البارع المتقن الادیب المحدث الفقیہ ابو الفتح محمد بن محمد بن محمد بن احمد بن سید الناس الحافظ الیعمری المصری.
- (۴۸) الامام المحدث المسند الرحلة بقیة السلف الاخیار رشید الدین ابو عبداللہ محمد بن ابی قاسم عبداللہ بن عمر بن ابی القاسم البغدادی.
- (۴۹) الامام المحدث الزاهد محمد بن علی بن محمد بن عبداللہ بن ابو عبداللہ بن قطران الاندلسی ہولاء لهم مرویات.
- (۵۰) الامام الکبیر الرکن الدین بیبرس ابو احمد القیصری الظاہری.
- (۵۱) الشیخ القاضی القضاة نجم الدین ابو العباس احمد بن الصدر عماد الدین محمد بن

العدل امین الدین سالم بن الحافظ الحجة ابی المواهب الحسن بن هبة الله بن محفوظ بن مصری التغلبی الدمشقی.

- (۵۲) الشیخ العالم المسند الفخر الدین ابن عساكر اسماعیل بن نصر الله.
- (۵۳) الفقیه الصالح الزاهد ابو البركات شعبان بن ابی بكر ابن عمر الاربلی القادری.
- (۵۴) الامام الفقیه الزاهد المحدث بقية السلف علاء الدین ابو الحسن علی بن ابراهیم بن داؤد العطار الدمتی.
- (۵۵) الامام شیخ الاسلام فريد العصر ابو الحسن علی بن اسماعیل بن یوسف القونوی.
- (۵۶) الامام الفقیه المحدث الرحلة بقية المشائخ تاج الدین ابو الحسن علی بن احمد بن عبدالحسن بن احمد القدسی العلوی الحسینی العراقي ثم الا سکندرانی.
- (۵۷) الشیخ الزاهد المقرئ العالم ابو عبدالله محمد بن احمد بن ابی بكر بن محمد الحرانی ابن القزاز وابن اخت المحدث سراج الدین بن سجانة.
- (۵۸) العالم الراویة مسند الوقت شمس الدین محمد بن احمد بن ابی الهیجاء بن معالی بن الرزاز الصالحی.
- (۵۹) الشیخ المقرئ الزاهد بن المقیر ابو جعفر عبدالرحمن بن عبدالله بن الشیخ المعمر ابی الحسن بن المقیر الارجنی النخياط الدمشقی.
- (۶۰) الإمام الحافظ شیخ الأئمة فی الحديث شرف الدین أبو محمد عبدالؤمن بن خلف بن ابی الحسن الدمیاطی.
- امام الذہبی کے واسطے سے۔
- (۶۱) الإمام الحافظ الحجة شهاب الدین ابو الفرج بن رجب عبدالرحمن الدمشقی رحمہ اللہ.
- شیخ عبدالوہاب النجدی کے واسطے سے۔
- (۶۲) مسند العصر الحافظ ابو حفص عمر بن حسین ابن أمیلة.

شیخ زین الأنصاری رحمہ اللہ کے واسطے سے۔

(۶۳) مسند عصرہ المحب للحديث الحافظ صلاح الدين ابن أبي عمر ابن قدامة رحمہ اللہ۔

حافظ ابن حجر کے واسطے سے۔

(۶۴) امام الرحلة مرجع الأسانيد الحافظ ابو الحسن فخر الدين المعروف بابن البخاري رحمہ اللہ۔

امام الذهبي کے واسطے سے۔

(۶۵) سند العصر تاج الدين ابو اليمان زيد بن الحسن البغدادي المقرئ۔

امام الذهبي رحمہ اللہ کے واسطے سے۔

(۶۶) الإمام مسند العصر ابو حفص مؤفق الدين عمر بن محمد بن معمر ابن طبرزد۔

حافظ ابن حجر کے واسطے سے۔

(۶۷) الإمام مسند الوقت الشيخ عبدالله بن عمر بن زيد الحريمي القزاز۔

امام السيوطي رحمہ اللہ کے واسطے سے۔

(۶۸) الإمام مسند الشام المحدث زين الدين أحمد بن عبد الدائم المقدسي رحمہ اللہ۔

امام الذهبي کے واسطے سے۔

(۶۹) الشيخ العلامة المفسر فخر الدين ابو عبدالله محمد بن عمر الرازي القرشي۔

الشيخ تقي الدين بن فهد۔

اور شيخ عابد السندھی کے واسطے سے۔

(۷۰) الحافظ المورخ تقي الدين أبو الطيب محمد بن أحمد الفاسي المكي رحمہ اللہ۔

الحافظ ابي القاسم عمر بن فهد کے واسطے سے۔

(۷۱) شيخ العارفين وقدة أهل التوحيد ابو حفص عمر بن محمد التيمي البكري۔

امام الذهبي اور امام الحافظ ابن حجر رحمہ اللہ کے واسطوں سے۔

(۷۲) الإمام المحدث المشهور الثقة ابن الثقة ابو منصور ابن أبي الحسن القزاز امام

- الدہی رحمۃ اللہ علیہ کے واسطے سے۔
- (۷۳) الإمام الحافظ القاضي ابوبكر محمد بن عبد الباقي الأنصاري البغدادي.
- الشيخ عمر بن طبرزد کے واسطے سے۔
- (۷۴) الشيخ المنفرد ابوبكر وجيه بن طاهر بن محمد الشحامي اخو زاهر.
- شيخ فلاني رحمۃ اللہ علیہ کے واسطے سے۔
- (۷۵) الشيخ الثقة ابو الخير محمد بن أحمد بن محمد الباغبان الأصبهاني.
- شيخ الفلاني رحمۃ اللہ علیہ کے واسطے سے۔
- (۷۶) الشيخ سند العصر ابو الفرج مسعود بن الحسن الثقفي الأصبهاني.
- شيخ البابلي رحمۃ اللہ علیہ کے واسطے سے۔
- (۷۷) فخر النساء المسندة الكاتبة بنت أبي نصر أحمد بن الفرج الدينوري.
- امام السيوطي رحمۃ اللہ علیہ کے واسطے سے۔
- (۷۸) الشيخ مسند بغداد ابو الحسين محمد بن أحمد ابن حسنون الترسي رحمۃ اللہ علیہ.
- شيخ حراني کے واسطے سے۔
- (۷۹) الشيخ الصالح المحدث الفقيه ابوطالب محمد بن علي بن الفتح الحرابي المشاري.
- امام السيوطي کے واسطے سے۔
- (۸۰) مسند العراق ابو غالب بن البنا أحمد بن أبي علي الحسن البغدادي.
- امام السيوطي کے واسطے سے۔
- (۸۱) الإمام الحافظ المحدث ابو محمد الحسن بن علي الجوهري الشيرازي البغدادي.
- ابو غالب ابن البنا کے واسطے سے۔
- (۸۲) الحافظ الصحيح مسند العراق ابو علي بن شاذان البغدادي.
- امام السيوطي کے واسطے سے۔

- (۸۳) الإمام الحافظ أبو الفضل عياض بن موسى عياض اليحصبي القاضي رحمته اللہ.
- الحافظ ابن حجر، امام السنخاوی و دیگر محدثین کے واسطے سے۔
- (۸۴) الشيخ مسند الديار المصريه نجيب الدين أبو الفرج عبد اللطيف بن عبد المنعم الحراني رحمته اللہ.
- امام السيوطی کے واسطے سے۔
- (۸۵) مسند المغرب الإمام الحافظ المتقن المقرئ المحدث أبو بكر محمد بن خير الأُمري الأشيلي رحمته اللہ.
- شيخ عابد السندهي کے واسطے سے۔
- (۸۶) الشيخ الفقيه المشاور أبو الحسن يونس بن محمد بن مغيث.
- (۸۷) الشيخ الوزير أبو عبد الله جعفر بن محمد بن مكي بن أبي طالب القيسي.
- (۸۸) الشيخ القاضي أبو بكر محمد بن عبد الله ابن العربي اندلسي.
- (۸۹) الشيخ الاديب أبو عبد الله محمد بن سليمان بن أحمد النقري.
- (۹۰) الشيخ أبو عبد الرحمن محمد بن عتاب بن محسن.
- (۹۱) الشيخ الفقيه أبو الوليد أحمد بن عبد الله بن أحمد بن عبد الله بن طريف.
- (۹۲) المحدث الفقيه أبو بحر سفيان بن أحمد.
- (۹۳) الشيخ أبو الحسن علي بن محمد بن هذيل.
- (۹۴) الشيخ أبو بكر يحيى بن موسى بن عبد الله.
- (۹۵) الشيخ الفقيه أبو القاسم خلف بن عبد الملك بن بشكوال القرطبي الانصاري.
- (۹۶) الفقيه المشاور أبو مروان عبد الملك بن سرة بن عزيز الجعبي.
- (۹۷) الفقيه المقرئ أبو عباس أحمد بن علي بن أحمد بن زدقون الجزيري.
- (۹۸) المحدث الفقيه أبو الحسين عبد الملك بن محمد بن هشام القيسي المعروف بابن الطاء.
- (۹۹) الشيخ الفقيه أبو الحكم عبد الرحمن بن عبد الملك بن غشايان الانصاري.

- (۱۰۰) الشيخ الحاج ابو الحسن طارق بن موسى بن يحيى المخرمى.
- (۱۰۱) الفقيه القاضى الشهيد ابو عبدالله بن محمد بن احمد بن خلف بن ابراهيم اللججى بن الحاج.
- (۱۰۲) الشيخ الامام ابو عمر احمد بن عبدالله بن صلح الازدى.
- (۱۰۳) الشيخ الامام ابو الحسن على بن محمد بن لب القيسى المقرئ.
- (۱۰۴) الشيخ الامام ابو محمد عبدالله بن محمد بن عبدالله بن محمد النفزى.
- (۱۰۵) الشيخ ابو الحسن عباد بن صر جان بن مسلم المعافرى.
- (۱۰۶) الامام الحافظ الفقيه ابو جعفر احمد بن عبدالرحمن ابن محمد بن عبدالبارى.
- (۱۰۷) الشيخ الرواية ابو الحسن على بن عبدالله بن محمد بن موهب الجذامى.
- (۱۰۸) الفقيه عبدالله بن محمد بن نجاح الذهبي القرطبي.
- (۱۰۹) الاستاذ الخطيب ابوبكر محمد بن ابراهيم بن غالب القرشى الشلبى.
- (۱۱۰) الشيخ الامام ابو محمد عبدالحق بن احمد بن عبدالله بن سرى الفاقى الكتورى.
- (۱۱۱) الشيخ الفقيه القاضى ابو محمد عبدالحق بن غالب بن عطيه المحاربى المزى.
- (۱۱۲) المحدث الفقيه المقرئ الحافظ ابو جعفر احمد بن على بن احمد بن خلف الانصارى.
- (۱۱۳) الفقيه ابوبكر عيسى بن محمد ابن الرزق.
- (۱۱۴) الفقيه ابو القاسم احمد بن عبدالله بن محمد بن مسعود القنطرى.
- (۱۱۵) الشيخ ابوبكر عتيق بن عيسى بن احمد بن موسى القرطبي.
- (۱۱۶) الشيخ الفقيه ابو على حسين بن محمد بن احمد الغسانى ثم الجيانى.
- (۱۱۷) الشيخ الفقيه الرواية ابو محمد عبدالله بن محمد بن على اللخمي البابى.
- (۱۱۸) الفقيه ابو عمر احمد بن ابى محمد عبدالله بن محمد بن على الباجى.
- (۱۱۹) الشيخ الفقيه المقرئ ابو عبدالله محمد بن شريح بن احمد الرعينى.
- (۱۲۰) الشيخ الاديب ابو محمد غانم بن وليد بن عمر المخزومى.

- (۱۲۱) الشیخ الفقیہ ابو عبد اللہ محمد بن عتاب بن محسن.
- (۱۲۲) ابو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ بن عبد الرحمن الخولانی.
- (۱۲۳) الشیخ الحافظ ابو ذر عبد بن احمد الهروی.
- (۱۲۴) الشیخ الحافظ ابو عمرو عثمان بن سعید المقرئ الدانی.
- (۱۲۵) الشیخ الفقیہ ابو داؤد سلیمان بن نجاح المقرئ.
- (۱۲۶) الشیخ الفقیہ الحافظ ابو محمد مکی بن ابی طالب القیسی المقرئ.
- (۱۲۷) الامام الفقیہ الحافظ الشهیر ابو عمر یوسف بن عبد اللہ بن عبد البر المزی.
- (۱۲۸) الفقیہ الحافظ ابو الولید سلیمان بن خلف بن سعد بن وارث التیجی البابی.
- (۱۲۹) فخر الاندلس الامام الفقیہ المحدث الکبیر ابو محمد علی بن احمد سعید بن حزم الفارسی.
- (۱۳۰) الشیخ الوزیر ابوبکر محمد هشام بن محمد بن هشام المصحفی.
- (۱۳۱) الشیخ ابو الحسن علی بن ابراهیم التبریزی.
- (۱۳۲) الفقیہ ابو العباس احمد بن عمر بن انس العذری ثم الدلائی.
- (۱۳۳) الامام الحافظ ابو علی حسین بن محمد بن فیرة الصدفی.
- (۱۳۴) الامام الحافظ الثبت الحجة المتقن مسند العصر ابو طاهر احمد بن محمد السلفی الاصبهانی.
- (۱۳۵) الفقیہ الحافظ المحدث ابو عمر احمد بن محمد المقرئ الطلمسکی.
- (۱۳۶) الفقیہ ابو عبد اللہ ابن فرج المشهور ابن الطلاع.
- (۱۳۷) الامام القاضی الوزیر ابو الولید یونس بن عبد اللہ بن مخیث.
- (۱۳۸) الشیخ الفقیہ ابو القاسم حاتم بن محمد الطرابلسی.
- (۱۳۹) الشیخ الوزیر الادیب ابو مروان عبد الملک بن سراج.
- (۱۴۰) الشیخ الاستاذ ابو الحجاج سلیمان بن عیسیٰ النحوی.
- (۱۴۱) الشیخ الفقیہ ابو محمد عبد اللہ بن اسماعیل بن محمد بن خزرج اللخمی.

- (۱۳۲) الشیخ الفقیہ ابو محمد عبداللہ بن الولید ابن سعد بن بکر المالکی.
- (۱۳۳) الشیخ الفقیہ ابوبکر خازم بن محمد ابن خازم.
- (۱۳۴) الشیخ الصالح الفقیہ ابو محمد عبداللہ بن سعید بن لاج الشنتجالی.
- (۱۳۵) الشیخ ابو حفص عمر بن خطاب بن یوسف بن ہلال الماردی.
- (۱۳۶) الشیخ الاستاذ ابو محمد عبداللہ بن محمد بن السید البطلیوسی النحوی.
- (۱۳۷) الشیخ ابو علی البغدادی فقال حدثنی بها ابو عبداللہ محمد بن سلیمان بن احمد النفزی احمد بن ابان بن سید عن ابی علی البغدادی.
- (۱۳۸) الشیخ ابو عبداللہ محمد بن منصور جیکان.
- (۱۳۹) الشیخ الفقیہ ابو عبداللہ محمد بن سعدون بن علی القیروانی.
- (۱۴۰) الشیخ الفقیہ ابوبکر محمد بن مروان بن زهر الایادی.
- (۱۴۱) الشیخ الفقیہ ابوبکر عباس بن اصبح الحجازی.
- (۱۴۲) الشیخ الوزیر الفقیہ القاضی ابو عمر احمد بن محمد بن یحییٰ بن الحزاء التمیمی ابو الحسن یونس بن محمد بن مغیث.
- (۱۴۳) الشیخ ابو عمرو و عثمان بن ابوبکر بن حمود السفاقی.
- (۱۴۴) الشیخ الفقیہ الزاهد ابو الحسن علی بن خلف بن ذی النون العسی المقری.
- (۱۴۵) الشیخ ابو عمر احمد بن عبدالرحمن بن مروان بن عبدالقاهر بن حی بن عبدالملک الاسیحی.
- (۱۴۶) الشیخ ابوالمطرف عبدالرحمن بن مروان بن عبدالرحمن القنازعی.
- (۱۴۷) الشیخ الحافظ المحدث الفقیہ ابو الولید یوسف بن عبدالعزیز بن یوسف اللخمی المعروف بابن الدباغ.
- (۱۴۸) الفقیہ الحافظ ابو الاصبغ عیسیٰ بن سهل بن عبداللہ الأسدی.

(۱۵۹) الامام الحافظ الحجة ابو يوسف يعقوب بن سفيان بن جوان الفارسي العنوي.

شیخ ابو علی بن شاذان کے واسطے سے۔

کتاب کے آخر میں شاہ صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”فہؤلاء مائة وتسع وخمسون نفساً من الأئمة قد اتصلت بي السند اليهم وهناك

ائمة سواهم“

فرمایا یہ ۱۵۹ ائمہ ہیں جن سے میں نے اپنی سند (حدیث) کو ان تک متصل بیان کیا ہے اور ان کے علاوہ اور بھی ائمہ ہیں جن تک میرا سلسلہ سند پہنچتا ہے، وَمَا يَعْلَمُ جُنُودَ رَبِّكَ إِلَّا هُوَ (المدثر)

وَأَحَاطَ بِمَا لَدَيْهِمْ وَأَخْصَى كُلَّ شَيْءٍ عَدَدًا (الجن)

مضمون کے آخر میں ایک حدیث بطور مثال شاہ صاحب رحمہ اللہ کی مسلسل بالسماع نبی ﷺ تک

سند اور متن ذکر کرتے ہیں۔

- ۱۔ شاہ بدیع الدین الراشدی رحمہ اللہ ۱۹۹۶ء محدث نے روایت کیا اپنے شیخ
- ۲۔ ابو الوفاء ثناء اللہ امرتسری سے ۱۹۳۸ء انہوں نے بیان کیا اپنے شیخ
- ۳۔ شیخ الکل السید محمد نذیر حسین المحمّد الدہلوی رحمہ اللہ ۱۳۶۰ھ وہ روایت کرتے ہیں اپنے شیخ
- ۴۔ شاہ محمد اسحاق محدث الدہلوی رحمہ اللہ ۱۲۶۲ھ سے انہوں نے بیان کیا اپنے شیخ
- ۵۔ شاہ عبدالعزیز محدث الدہلوی رحمہ اللہ ۱۲۳۹ھ سے انہوں نے اپنے شیخ و والد
- ۶۔ شاہ ولی اللہ احمد بن عبدالرحیم المحمّد الدہلوی ۱۱۷۶ھ سے وہ روایت کرتے ہیں اپنے شیخ
- ۷۔ ابو طاہر محمد بن ابراہیم الکردی ۱۱۴۵ھ سے اور وہ اپنے استاذ
- ۸۔ الشیخ ابراہیم الکردی ۱۱۰۰ھ سے وہ اپنے استاذ
- ۹۔ الشیخ أحمد القشاشی ۱۱۰۰ھ سے وہ اپنے استاذ
- ۱۰۔ الشیخ أحمد الشناوی ۱۰۲۸ھ سے وہ اپنے استاذ
- ۱۱۔ الشیخ محمد بن أحمد الرطبی ۱۰۰۴ھ سے وہ اپنے استاذ

- ۱۲۔ شیخ ابوبکر ذکریا بن محمد الانصاری ۹۲۵ھ وہ اپنے استاذ
 - ۱۳۔ حافظ احمد بن علی بن حجر العسقلانی ۸۵۲ھ وہ روایت کرتے ہیں اپنے استاذ
 - ۱۴۔ شیخ ابراہیم بن محمد التوفی ۸۰۰ھ سے وہ اپنے استاذ
 - ۱۵۔ شیخ احمد بن ابی طالب الحجازی ۷۳۰ھ سے وہ اپنے استاذ
 - ۱۶۔ شیخ حسین بن مبارک الزبیدی الحنبلی ۶۳۱ھ سے وہ اپنے استاذ
 - ۱۷۔ شیخ عبدالاول بن عیسیٰ السجری ۵۵۳ھ سے وہ اپنے استاذ
 - ۱۸۔ شیخ عبدالرحمن بن محمد بن مظفر الراودی البوہمی ۴۶۷ھ سے وہ اپنے استاذ
 - ۱۹۔ شیخ عبداللہ بن احمد الحموی السرخسی ۳۸۱ھ سے وہ اپنے استاذ
 - ۲۰۔ شیخ محمد بن یوسف الفریدی ۳۳۰ھ سے وہ اپنے استاذ
 - ۲۱۔ امیر المومنین فی الحدیث الامام ابی عبداللہ محمد بن اسماعیل البخاری الجعفی ۲۵۶ھ وہ اپنے استاذ
 - ۲۲۔ شیخ کمی بن ابراہیم ۲۱۵ھ وہ اپنے استاذ
 - ۲۳۔ شیخ یزید بن ابی عبید ۱۴۲ھ وہ اپنے استاذ عظیم صحابی رسول اللہ ﷺ
 - ۲۴۔ سیدنا سلمۃ بن الاکوع رضی اللہ عنہ ۶۲ھ اور وہ
 - ۲۵۔ امام الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ سے
- آپ ﷺ نے فرمایا:

”من یقل علی مالم أقل فلیتبعوا مقعدہ من النار“

(صحیح مسلم)

جس شخص نے میرے متعلق ایسی بات کہی جو میں نے نہیں کہی وہ

اپنا ٹھکانہ آگ میں ڈھونڈ لے۔

شاہ بدیع الدین الراشدی رحمہ اللہ اور نبی ﷺ تک چوبیس واسطے ہیں۔

فضيلة الشيخ ابو الطاهر حكيم محمد يوسف زبيدي

شیخ بدیع الدین شاہ راشدی رحمۃ اللہ علیہ

نحمدہ ونصلی ونسلم علی سید الانبیاء والمرسلین وعلی آلہ وصحبہ اجمعین
اما بعد! یہ جان کر خوشی ہوئی کہ اس بار مجلہ ”بدرالعلوم“ دنیائے اسلام کے عظیم مفکر اور قرآن حکیم کے
ممتاز مفسر خطیب العصر حضرت علامہ ابو محمد بدیع الدین شاہ الراشدی السندی الہکی رحمۃ اللہ علیہ کی ذات گرامی پر مجلہ
موصوف کا (شیخ العرب والجمہر) شائع فرما رہے ہیں۔ اس نمبر میں مجھے بھی کچھ رقم کرنے کا آپ نے فرمایا
ہے۔

حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے میری ملاقات اور تعلقات ذرا تفصیل طلب ہیں۔ جنہیں عرض کرنا
واقعات کی روشنی میں عرض خدمت ہے حضرت العلام جناب شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے میری ملاقات قیام
پاکستان سے پہلے سے تھی جو درج واقعات سے سامنے آئے گی۔ قیام پاکستان سے پہلے کنری شہر میں میرا
یونانی دواخانہ بنام ”کوثر دواخانہ“ تھا کنری شہر میں صرف ایک مسجد تھی جو ریلوے اسٹیشن کے قریب تھی اور میں
اس کا اعزازی خطیب تھا۔ شہر میں ملکیت کے لحاظ سے ہندوؤں اور قادیانیوں کا مرکز تھا۔ قادیانیوں کا کنری
میں کپاس کا ایک کارخانہ بھی تھا۔ قادیانی تبلیغی طور پر بہت سرگرم تھے۔ وہ مختلف ہتھکنڈوں سے تبلیغی کام کرتے
تھے۔ غرباء کو لالچ اور دیگر لوگوں سے دوستیاں پیدا کر کے کام کرتے تھے۔ شہر میں ایک قادیانی ڈاکٹر تھا جو
اپنے آپ کو مرزا قادیانی کا صحابی کہتا تھا اُس کا نام ڈاکٹر احمد دین تھا۔ وہی قادیانیوں کا امیر بھی تھا۔ مجھ سے
بھی بحث مباحثہ شروع کر کے مجھے رام کرنے کی کوشش کی ان کا ایک ٹولا باقاعدہ ایک ہفتہ تک روزانہ مجھ سے
بحث کرتا جب مایوس ہو گیا تو اپنی ایک کتاب (احمدیہ پاکٹ بک) مجھے دے کر چلا گیا۔ میں نے جواب میں
اُن کو (محمدیہ پاکٹ بک) دی وہ جان چھڑا کر بھاگ گیا۔ قادیانی ایک تحریک کی طرح کام کرتے ہیں اور کسی
تحریک سے کوئی تحریک ہی نہپٹ سکتی ہے۔ الحمد للہ جماعت اہل حدیث بھی ایک تحریک ہے۔ چنانچہ اسی سلسلہ

☆ امیر مرکزی جمعیت الحمدیث میر پور خاص سندھ

میں میری محترم شاہ صاحب سے قیام پاکستان سے تقریباً پانچ سال پہلے ملاقات ہوئی جب وہ نئے نئے عالم دین فارغ التحصیل ہوئے تھے۔ کنری میں بریلوی مسلک کے ایک مولوی عبدالرحیم صاحب قبیلہ ”ذل“ سے تعلق رکھتے تھے ان کی شہر میں کپڑے کی دکان تھی میں نے انہیں اس بات پر آمادہ کیا کہ ہم مل کر سیرت خاتم النبیین ﷺ مہم سے قادیانی فتنہ سے لوگوں کو آگاہ کریں۔ وہ آمادہ ہوئے تو میں نے ان سے کہا تم اپنا کوئی عالم دین منگوا لیا کرو اور میں بھی کچھ ساتھیوں کو دعوت دوں گا۔ چنانچہ ہم نے کنری میں سیرت خاتم المرسلین سے کانفرنس کرنے کا فیصلہ کیا چنانچہ میں نے ریاست بہاولپور سے مولانا عبدالحق صاحب محدث احمد پور شرقیہ اور مولانا عبدالعزیز صاحب ملتانی، حضرت شاہ بدیع الدین شاہ راشدی اور حضرت شاہ صاحب کے استاد گرامی حضرت مولانا عبداللہ صاحب رتو ڈیرو والے ان سے رابطہ کر کے کانفرنس رکھی الحمد للہ نتیجہ بہت اچھا سامنے آیا۔ اس کے علاوہ خطبہ جمعہ درس قرآن و درس حدیث بھی جاری رکھا اس کے علاوہ مولانا الیاس برنی رحمہ اللہ کی کتاب ”مقدمہ قادیانی“ بڑا سیٹ منگوا کر پڑھے لکھے لوگوں میں تقسیم کیا۔

حضرت شاہ صاحب سے قیام پاکستان تک قریبی ملاقات رہی۔ تین سال تک کانفرنس کے بعد بریلوی مسلک کے علماء نے محسوس کیا کہ قادیانیوں کا قلع قمع تو ہو رہا ہے لیکن لوگ وہابیت سے متاثر ہو رہے ہیں۔ اور ہم سے برگشتہ۔

چنانچہ بریلوی علماء نے آپس میں مشورہ کر کے ایک ہینڈ بل شائع کر دیا کہ قادیانی، وہابی، شیعہ وغیرہ یہ لوگ دین اسلام کے مخالف ہیں بلکہ دین کے بھیڑیے ہیں وغیرہ وغیرہ۔ ہم ان کو مناظرہ کا چیلنج کرتے ہیں شیعہ تو کنری میں تھے ہی نہیں چنانچہ قادیانیوں نے بریلویوں کا چیلنج منظور کر لیا۔ میں نے کافی سمجھایا بریلوی مولوی نہ سمجھ سکا شاہ صاحب سے مشورہ کے بعد ہم نے بھی چیلنج منظور کر لیا اب بریلوی سخت پریشان انہوں نے مناظرے کے لئے دو وفد ترتیب دیئے ایک وفد مناظرہ تلاش کرنے کے لئے دہلی بھیجا اور دوسرا لاہور، دہلی سے انہیں کوئی ایسا مناظرہ نہ ملا جو بیک وقت اہل حدیث اور قادیانیوں سے مناظرہ کر سکے۔

مابوس ہو کر وہی مولوی عبدالرحیم میرے پاس آیا اور کہنے لگا ہم نے آپ کو دعوت مناظرہ دے کر غلطی کی ہے۔ (حضور ﷺ نے فرمایا ہے اختلاف امتی رحمت) میں نے کہا آپ کو اب یاد آیا جب کہ آپ

نے اشتہار میں چیلنج کیا ہے۔ اب میرے پاس زمینداروں کی سفارشیں لانا شروع کیں ہم واپس اعلان کرتے ہیں۔ اب ہم مل کر قادیانیوں سے مناظرہ کا انتظام کریں مجھے فوراً ایک سو ۱۰۰ روپے دیئے کہ آپ مولانا ثناء اللہ صاحب امرتسری رحمۃ اللہ علیہ سے رابطہ کر کے ان کو کرایہ بھیجیں وہ قادیانیوں سے مناظرہ کریں۔ میں نے ساتھیوں سے مشورہ کے بعد حضرت شیخ الاسلام جناب مولانا ابوالوفاء ثناء اللہ امرتسری رحمۃ اللہ علیہ سے مشورہ کیا (واضح رہے کہ اس زمانہ میں ایک سو روپے آج کے دس ہزار روپے کے برابر تھے۔ حضرت مولانا ثناء اللہ امرتسری رحمۃ اللہ علیہ نے مجھے فرمایا میں اپنے شاگرد (مولانا عبداللہ معمار صاحب کو) بھیج رہا ہوں۔ اور معمار صاحب کی آمد کا سن کر قادیانی پریشان ہو گئے۔ بہر حال تاریخ مناظرہ سے ایک دن پہلے بریلویوں کا لاہور والا وفد لاہور سے مولوی عمر اچھروی کو لے کر پہنچا۔ اس کے آنے سے بریلوی پھر برگشتہ ہو گئے اور وعدہ توڑ دیا اور کہا کہ اب ہمارا زبردست مولوی آ گیا ہے اب ہم تم سے بھی مناظرہ کریں گے۔ ہمارے سارے ساتھی علماء حضرت شاہ صاحب سمیت تشریف لائے تھے ہمیں بریلویوں کی عہد شکنی کا افسوس ہوا۔ میں نے ساتھیوں کے مشورہ سے عمر اچھروی سے مسائل مناظرہ اور شرائط مناظرہ طے کرنے چلا گیا۔ یاد رہے کہ عمر اچھروی صاحب سے اہل حدیث کے دو مناظرے پہلے پنجاب میں ہو چکے تھے ایک مناظرہ ایک ہفتہ تک رہا اور طے تھا کہ جب تک ہر متنازعہ مسئلہ کا ثالث تحریری فیصلہ نہ دے اور مسائل حل نہ ہو جائیں مناظرہ جاری رہے گا۔ اسی مناظرہ میں ثالث نے تحریری طور پر اہل حدیث کو غالب اور کامیاب اور سچے قرار دیا تھا۔ ہمارے مناظرہ صاحب مولانا عبدالرحیم شاہ صاحب ضلع فیروز پور والے تھے جو جناب محبوب شاہ صاحب کے فرزند ارجمند اور مشہور عالم دین اور مناظر تھے عمر اچھروی صاحب اتنے عاجز آئے کہ تحریری لکھ کر دے دیا کہ میرے پاس ان دلائل کا جواب نہیں ہے۔ پھر جب تک عبدالرحیم شاہ صاحب زندہ رہے عمر اچھروی صاحب کا کہیں پتہ نہیں تھا۔

جناب شاہ صاحب کی وفات کے بعد عمر اچھروی پھر حرکت میں آنے لگے۔ دوسرا مناظرہ خود ہمارے گاؤں میں ہوا تھا میں ان دونوں مناظروں میں موجود تھا۔ اب جو اچھروی صاحب سندھ تشریف لائے تو مسائل پر مناظرہ سے انکار کر دیا۔ بلکہ یہ کہا کہ تم تو مولوی ثناء اللہ صاحب سے وجود میں آئے ہو۔ پہلے

صدیوں تک اسلامی تاریخ میں کہیں اہل حدیث کا وجود ہی نہیں تھا تم تو آج مولوی ثناء اللہ سے شروع ہوئے ہو اور ہم زمانہ قدیم ابتدائے اسلام سے ہیں۔

تم پہلے وجود ثابت کرو۔ تم ہم سے کیا بات کرو گے۔ عمر اچھروی صاحب مجھے نہیں جانتے تھے اور میں ان کے گھر کا بھیدی تھا۔ اور عجب یہ تھا کہ اچھروی صاحب ہمارے گاؤں کے ایک امام مسجد (میاں شریف الدین) کے داماد تھے۔ میں ان کے گھر کے افراد تک سے واقف تھا۔ میں نے ان سے کہا اب تو ہم آپ کے سامنے موجود ہیں ہمارے جو اختلافی مسائل ہیں مثلاً فاتحہ خلف الامام۔ بلند آواز سے امام کے پیچھے آمین کہنا۔ میت کا سوئم (تیج) ساتواں، چالیسواں، نذر بغیر اللہ (پیر صاحب کے نام کی گیارویں شریف وغیرہ تمام مسائل پر مناظرہ ہوگا مگر اچھروی صاحب آمادہ نہ ہوئے کیونکہ وہ ان مسائل پر اہلحدیث سے پہلے ہی شکست فاش کھا چکے تھے۔ وہ دوسرے مناظرہ میں بھی بری طرح ہارے تھے ان کا موضوع بھی یہی تھا کہ تم آج مولوی ثناء اللہ سے شروع ہوئے ہو اور ہم زمانہ قدیم سے ہیں۔

میں نے واضح کیا جب ہم آپ کے سامنے موجود ہیں تو ہماری ذات سے آپ کو جو اختلافات ہیں وہ سامنے لائیں۔ فیصلہ ہو جائے گا۔ لیکن عمر اچھروی صاحب آمادہ نہ ہوئے۔ اور اہل حدیث کے سامنے ہونے کے باوجود نفی کرتے رہے ان کے بہت سے ساتھی بھی مسائل کا سامنا کرنے سے گریزاں رہے۔ جب وہ کسی طرح آمادہ نہ ہوئے تو مناظرہ اس بات پر ٹھہرا کہ اہلحدیث اپنا حضور سے وجود ثابت کریں۔ میں نے شرائط مناظرہ طے کر کے اپنے ساتھیوں کو صورت حال سے آگاہ کیا۔

بریلوی دوسرے دن مناظرے میں بری طرح شکست کھا گئے۔ ہماری طرف سے مناظرہ ”مولانا عبدالعزیز ملتانی“ تھے جو سرائیکی زبان میں دلائل پیش کر رہے تھے، ہمارے مناظر نے ”غنیۃ الطالبین“ نکالی اور اچھروی صاحب سے کہا کہ کیا آپ کے پاس حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب غنیۃ الطالبین ہے یا میں بھیجوں اچھروی صاحب نے کہا کہ میرے پاس کتاب ہے۔ مولانا عبدالعزیز صاحب نے فرمایا کہ اچھروی صاحب کتاب کا فلاں صفحہ کھولئے۔ وہاں لکھا ہے۔

”الذین یرفعون ایدیہم فی الصلوۃ ویؤمنون خلف امامہم ہم اہلحدیث“

اچھروی صاحب! حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کو ”ہمارے مناظر نے پوچھا؟“ کتنے سو سال

ہو چکے ہیں جو کہ ایک ہزار سال سے کم نہیں ہیں۔ ہم ان کے زمانے میں موجود تھے جس کا حوالہ خود پیران پیر شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ دے رہیں۔ اور وہ خود بھی اسی عقیدے وسنت اور عمل کے قائل تھے۔

عمر اچھروی صاحب نے اپنی باری پر اٹھتے ہی انکار کر دیا میں عبدالقادر جیلانی کو نہیں مانتا۔ بس پھر کیا تھا اچھروی صاحب کے ساتھیوں سمیت سب حیرانی میں ڈوب گئے کہ یہ ہمارے مولوی صاحب پیران پیر حضرت شیخ عبدالقادر کو ماننے سے انکار کر رہا ہے ہمارے مناظر نے کہا لوگوں لیا آپ لوگوں نے آپ کا مولوی صاحب پیران پیر سے انکار کر رہا ہے جب کہ سندھ میں شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کو پیر بادشاہ کہا جاتا ہے۔ ہمارے مناظر نے واضح طور پر سرائیکی زبان میں لوگوں کو خطاب کر کے کہا لوگو دیکھو تمہارا مولوی پیر بادشاہ کو ماننے سے انکار کر رہا ہے۔ اور اچھروی صاحب سے کہا کہ عمر صاحب لکھ کر دیکھئے کہ میں نہیں مانتا۔ اچھروی صاحب اتنے متذبذب ہوئے کہ نہ نکلتے بنے نہ اگلتے بنے۔ اور نالتے۔ مختلف الزامات کہ تم میں یہ ہے اور وہ ہے ملتانی صاحب نے کہا ان پر الگ سے مناظرہ رکھ لو پہلے لکھ کر دو میں پیر بادشاہ کو نہیں مانتا ہم ماننے ہیں وہ ہر بار اپنی باری میں نالنے کی کوشش کرتا مگر ملتانی چھوڑنے والی نہیں تھے۔

آخر عمر اچھروی نے لکھ کر دیا کہ غنیۃ الطالبین حنفی مذہب کی کتاب ہی نہیں ہے اور میں اسے نہیں مانتا۔ جس پر مناظرہ اسی پر ختم ہو گیا اور اچھروی صاحب بری شکست سے دوچار ہوئے۔ یہ تحریر کئی سال تک میرے پاس محفوظ رہی۔ (جو آج لکھ رہا ہوں)

اہل حدیث غالب اور فاتح رہے۔ قیام پاکستان کے بعد میں میرپور خاص منتقل ہو گیا۔ یہاں سے حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے رابطہ رہا ہم مختلف مواقع پر راشدی صاحب کو دعوت دیتے تھے میرپور خاص میں شاہ صاحب کے علاوہ کاموگی کے مولانا حضرت شاہ عبدالغنی صاحب۔ مولانا قاری عبدالخالق رحمانی صاحب مولانا علی محمد مصام اور کئی بار مولانا نور حسین صاحب گھر جا کھی اور کئی دوسرے علمائے کرام تشریف لایا کرتے تھے کبھی ہیر آباد محمدی مسجد کے پاس کبھی گوردوارہ چوک میونسپلٹی کے سامنے اور ایک بار ایک بہت بڑا جلسہ گوردوارہ بلڈنگ کے اوپر کھلے میدان میں حضرت پیر شاہ بدیع الدین صاحب کا بہت بڑا جلسہ ہوا تھا۔

تا آنکہ جامعہ بحر العلوم السلفیہ کا افتتاح ہوا ۱۹۸۳ء میں حضرت سید بدیع الدین شاہ رحمۃ اللہ علیہ کے دست مبارک سے ہوا تھا اور ان سے ہمیشہ رابطہ رہا۔

پیرسید بدیع الدین شاہ راشدی رحمۃ اللہ علیہ

پیرسید بدیع الدین شاہ راشدی المعروف پیر آف جھنڈا کا شمار اُن علمائے الہدیث میں ہوتا ہے۔ جو اپنے ذوق مطالعہ، تبحر علمی اور وسعت معلومات میں بے نظیر اور بے مثال تھے، پیر صاحب ایک بلند پایہ مفسر، محدث، عظیم الشان مورخ و محقق، عربی، فارسی، سندھی اور اُردو کے مایہ ناز ادیب و دانشور، معلم و متکلم، نقاد و مبصر، خطیب و مقرر، فلسفی اور چار زبانوں (عربی، فارسی، سندھی، اردو) کے مایہ ناز مصنف تھے۔ تمام علوم اسلامیہ پر ان کی یکساں نظر تھی۔ فقہ مذاہب اربعہ پر ان کو عبور کامل تھا۔ تفسیر، حدیث، فقہ الحدیث اور دوسرے علوم متعلقہ حدیث پر ان کا مطالعہ بہت وسیع تھا۔

فتویٰ نویسی اسلامی شریعت کی ایک اہم اصطلاح ہے۔ جو کسی معاملہ پر شریعت کی فیصلہ کن رہنمائی اور واجب العمل حکم نامہ کا مفہوم رکھتی ہے۔ ایک مسلمان کے لئے فتویٰ کی قدر و قیمت دنیاوی معاملات سے کسی ٹریبونل کے ایوارڈ یا ہائی کورٹ کے ججمنٹ سے بھی کہیں زیادہ ہوتی ہے۔ اس لحاظ سے فتویٰ صادر کرنے والی شخصیت کا مقام و منصب بھی بہت اعلیٰ و ارفع ہوتا ہے۔ فتویٰ صادر کرنے کے لئے کسی عالم دین کو کتاب اللہ، حدیث نبوی ﷺ اور فقہ اسلامی پر بڑی وسیع نظر، دینی احکام، فروع و مبادیات سے کما حقہ واقفیت، شریعت اسلامیہ سے مکمل آگاہی ہونا بہت ضروری ہے۔ حضرت پیر آف جھنڈا کا شمار اُن مفتیان کرام میں ہوتا تھا۔ جو تمام علوم اسلامیہ پر وسیع نظر رکھتے تھے۔ اس لئے ان کا فتویٰ قرآن و حدیث کی روشنی میں ہوتا تھا۔ اور کوئی دوسرا عالم دین ان کے فتویٰ کا تعاقب نہیں کر سکتا تھا۔

حضرت پیر صاحب علوم اسلامیہ میں مہارت تامہ رکھنے کے باوجود ملکی معاملات سے بھی پوری طرح باخبر تھے۔ برصغیر پاک و ہند کی تمام قومی، ملی، دینی و علمی اور ادبی و سیاسی تحریکات سے مکمل واقفیت رکھتے تھے۔ عالم اسلام کی تمام تحریکات سے بھی اُن کو مکمل آگاہی تھی۔ پیر صاحب کو نہ صرف واقفیت تھی، بلکہ ہر تحریک کے

بارے میں خواہ وہ ملکی تحریک ہو یا عالم اسلام کی ہو۔ اُس کے قیام اور اُس کے پس منظر سے پوری طرح آگاہ تھے۔ اور اس کے ساتھ ساتھ ہر تحریک کے بارے میں اپنی ایک ناقدانہ رائے رکھتے تھے۔

پیر صاحب کا انداز توضیح، طرز شرح بیان، انتہائی موثر اور قوت استدلال بڑا جامع ہوتا تھا۔ قرآن و حدیث، لغت و بیان، علم کلام، اور عقائد کی دقیق سے دقیق بحثوں سے گوہر مراد نکالنے میں آپ کو ملکہ حاصل تھا۔

اختلافی مسائل میں اپنا نقطہ نظر مدلل اور موزوں انداز بیان میں واضح فرماتے تھے۔ حضرت پیر صاحب اپنے مسلک اہل حدیث میں بہت زیادہ تشدد تھے۔ قرآن اور حدیث کے مقابلہ میں فقہ کو اہمیت نہیں دیتے تھے۔ فرمایا کرتے تھے۔

”جس سوال کا حل قرآن و حدیث سے مل جائے، اس کے بعد

پھر کسی دوسری کتاب کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ تقلید شخصی نے

دین اسلام کو فائدہ نہیں پہنچایا بلکہ نقصان ہی پہنچایا ہے۔“

حضرت پیر صاحب صرف برصغیر (پاک و ہند) میں قدر و منزلت کی نگاہ سے نہیں دیکھے جاتے تھے۔ بلکہ عالم اسلام (خصوصاً سعودی عرب) میں ان کا بہت احترام تھا۔ سعودی عرب کے جلیل القدر علمائے کرام ان کے علمی تبحر اور علم و فضل کے معترف تھے، آپ نے کئی سال تک مسجد حرام میں درس قرآن و حدیث دیا۔ سعودی علماء آپ کے درس قرآن سے مستفیض ہوتے تھے۔

حضرت پیر صاحب شیخ الاسلام مولانا ابوالوفا ثناء اللہ امرتسری، حضرت العلامة مجتہد العصر حافظ عبد اللہ امرتسری رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت العلماء حافظ محمد محدث گوندلوی رحمۃ اللہ علیہ کے علم و فضل کے بہت معترف تھے، مولانا امرتسری رحمۃ اللہ علیہ سے تو آپ کو شرف تلمذ بھی حاصل تھا۔

حضرت پیر صاحب کی زندگی گونا گوں مشاغل سے معمور رہی اپنے آبائی مدرسہ الحمدیہ میں تدریس، سندھ اور بیرون سندھ تقاریر، تصنیف و تالیف اور فتویٰ نویسی وغیرہ کی خدمات انجام دیں۔

پیر صاحب خوش بیان مقرر تھے، ان کی تقریر لوگ بڑے ذوق و شوق سے سنتے تھے، ان کی تقاریر

بڑی جامع اور قرآن و حدیث کے دلائل سے مزین ہوتی تھیں۔ آج کل دوران تقریر نعروں کا بڑا رواج ہو گیا ہے۔ مگر پیر صاحب اپنی تقریر کے دوران نعرہ لگانے کی بالکل اجازت نہ دیتے تھے۔ اگر کوئی شخص نعرہ لگا دیتا۔ تو سختی سے منع کر دیتے تھے۔

حضرت پیر صاحب اپنی گونا گوں خصوصیات اور علمی و دینی خدمات کی وجہ سے برصغیر (پاک و ہند) میں جماعت الہمدیث کے مقتدر اور پیشوا مانے جاتے تھے۔ اور ان کی دینی و علمی خدمات کی وجہ سے محقق کامل ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کا مقام جنت الفردوس میں بنائے گا۔ (ان شاء اللہ)

راقم سے پیر صاحب سے پہلی ملاقات صحیح سن یاد نہیں رہا غالباً ۱۹۶۰ء میں یا ۱۹۶۱ء اپنے آبائی قصبہ سوہدرہ (ضلع گوجرانوالہ) میں ہوئی ہماری مسجد الہمدیث گلے زباں میں ایک پروگرام کے سلسلے میں تشریف لائے۔ رات کو تقریر کی۔ اور صبح درس قرآن بھی دیا۔ درس قرآن کے بعد سوال و جواب کی نشست ہوئی۔ بعد میں پیر صاحب سے ملاقات ہوئی۔ تعارف کرایا۔ بڑی محبت سے مصافحہ کیا دوسری بار بھی پیر صاحب سے سوہدرہ میں ملاقات ہوئی۔ اور یہ ملاقات غالباً ۱۹۶۶ء یا ۱۹۶۷ء کا واقعہ ہے، اس پانچ چھ سال کے عرصہ میں میرے کئی ایک مضامین ہفت روزہ الاعتصام میں شائع ہو چکے تھے۔ تعارف کرایا۔ تو بغلیگر ہوئے اور دعائیں دیں۔ فرمایا آپ کے مضامین بہت عمدہ ہوتے ہیں۔ شخصیات پر آپ کا تعارف بڑا عمدہ ہوتا ہے۔ اس کے بعد ۱۹۸۳ء میں محترم ضیاء اللہ کھوکھر صاحب (گوجرانوالہ) کی دوکان پر ملاقات ہوئی۔ تو بڑی خندہ پیشانی سے ملے اور مصافحہ کیا۔ فرمایا اب تو آپ کے مضامین میں بہت زیادہ پختگی آ گئی ہے۔ اور فرمایا مطالعہ زیادہ رکھا کرو۔ مطالعہ ہی سے معلومات میں اضافہ ہوتا ہے۔ اور یہ بھی فرمایا اونچے مذہبی رسائل اور اونچی کتابوں کا مطالعہ علم میں اضافہ اور پختگی پیدا کرتا ہے۔

حضرت پیر صاحب عربی، اردو اور سندھی زبانوں کے مصنف تھے۔ آپ کی تصانیف کی تعداد (۱۰۸) ہے۔ جن کی تفصیل یہ ہے۔

عربی کتب	=	۶۰
سندھی کتب	=	۲۸

اردو کتب = ۱۹

عربی اردو سندھی = ۱

حضرت پیر صاحب کی تصانیف میں ”جلاء العینین بتخریج روایات البخاری فی جزء رفع الیدین“ (عربی) بڑی معروف کتاب ہے۔ اس کتاب کے بارے میں محقق اہل حدیث مولانا ارشاد الحق اثری رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

”جلاء العینین بتخریج روایات البخاری فی جزء رفع الیدین“ مولفہ شیخ العرب والعجم الشیخ السید بدیع الدین الراشدی راقم ہی نے اس مسودہ کو صاف کیا، حوالوں کی مراجعت کی اور مولانا فیض الرحمان الثوری رحمہ اللہ کی ”تعلیقات علی جزء رفع الیدین“ سے مزید فوائد کا اضافہ کیا۔ اور بعض مقامات پر راقم نے ضروری امور کی وضاحت بھی کی۔ اور بلا مبالغہ کہا جاسکتا ہے کہ رفع الیدین کے موضوع پر عربی میں یہ سب سے جامع کتاب ہے۔ جو ۱۴۰۷ھ مطابق ۱۹۸۳ء درالعلوم الاثریہ فیصل آباد کے زیر اہتمام شائع ہوئی۔

حضرت پیر صاحب نے ۸ جنوری ۱۹۹۶ء کو کراچی میں رحلت فرمائی۔

اور اپنے گوتھ نیو سعید آباد میں مدفون ہوئے۔ اللہم اغفرلہ وارحمہ



سید بدیع الدین شاہ راشدی رحمہ اللہ سلفیت کے حقیقی علمبردار

میرے والدین رحمہ اللہ ۱۹۷۴ء کے آخر میں بذریعہ بحری جہاز سفر حج پر گئے اور چار ماہ کا طویل عرصہ گزار کر ۱۹۷۵ء میں واپس تشریف لائے اس سفر میں میرے والد محترم رحمہ اللہ نے ہمارے لئے خصوصی طور پر ہدایت کی دعا کی اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا قبول فرمائی جس کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ نے ۱۹۷۶ء کے آخر میں مجھے اور میرے بڑے بھائی فقیر محمد رحمہ اللہ کو دین حنیف اور مسلک اہل حدیث کی رہنمائی فرمائی۔ میں نے علی الاعلان سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق نماز ادا کرنا شروع کر دی اور اس کے ساتھ ساتھ اُستاد محترم مولانا حافظ محمد عبداللہ اصغر رحمہ اللہ سے قرآن مجید کا ترجمہ پڑھنا شروع کر دیا ایک دن اتفاقاً صبح کے وقت میں حسب معمول ترجمہ قرآن پڑھ رہا تھا کہ دو بزرگ مسجد مبارک لالہ زار کالونی میں تشریف لائے انہوں نے مجھے دیکھا تو اُستاد محترم کو بلا کر پوچھا کہ یہ کون لڑکا ہے انہوں نے بتایا کہ یہ چوہدری ولی محمد سائیکلوں والے کا صاحبزادہ ہے کچھ دن ہوئے مسلک اہل حدیث قبول کیا ہے چونکہ والد صاحب کا اوکاڑہ میں کاروباری اعتبار سے ایک نام تھا اس لئے انہوں نے مجھ سے ملاقات کی اور میری حوصلہ افزائی کی۔ اُستاد محترم نے تعارف کروایا کہ یہ ہماری جماعت کے بزرگ ہیں اور مرکزی جمعیت اہل حدیث اوکاڑہ کے ذمہ داران ہیں۔ ان دونوں بزرگوں کا تعارف کرواتے ہوئے بتایا کہ یہ چوہدری عبدالحق صاحب امیر جمعیت ہیں اور دوسرے بزرگ حاجی اللہ دتہ رحمہ اللہ صاحب مجلس عاملہ اور شورٹی کے رکن ہیں۔ چونکہ چوہدری عبدالحق صاحب اور ان کے والد صاحب رحمہ اللہ رئیس معبد القرآن و مرکز البحوث العلمیہ والدراسات الاسلامیہ، لالہ زار کالونی اوکاڑہ، معروف خطیب، مصنف جن کی دعوت و تبلیغ سے سینکڑوں افراد نے مسلک حق کو قبول کیا۔ الحمد للہ علی ذلک

① اس کے بعد والد صاحب رحمہ اللہ نے شدید مخالفت شروع کر دی چونکہ وہ دیوبندی تھے اور نہایت تشدد خفی مقلد بھی تھے، آخر میں الحمد للہ صحیح العقیدہ مسلم (اہل حدیث عقائد پر) دنیا سے جمعہ کی رات ۱۲ جنوری ۲۰۰۷ء کو دنیا سے کوچ کر گئے اور دیوبندی خفی مذہب سے برأت کا اظہار کر چکے تھے۔ کسی دوسرے وقت میں وہ تمام تفصیلات لکھوں گا کہ اہل حدیث بننے کے بعد کیا دکھ، تکالیف اور مصائب کا سامنا کرنا پڑا۔ (ظاہری)

میرے والد گرامی کے قریبی دوست تھے اس لئے ان کو نہایت خوشی ہوئی اور مجھے دعوت دی کہ میں ان سے میل جول رکھوں اگر کوئی حاجت اور ضرورت ہو تو ان سے رابطہ کروں بہر حال قصہ مختصر کہ میری اور ان کی آپس میں اس قدر دوستی اور محبت ہو گئی کہ یہی بزرگ شیخ العرب والعجم، مفسر کبیر، محدث شہیر، فقیہ زماں، امام العصر، قاطع شرک و بدعت، حامی توحید و سنت، رئیس المحققین علامہ وفہامہ سید بدیع الدین شاہ صاحب راشدی رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ کے تعارف کا سبب بنے چونکہ مسلک اہل حدیث کے ساتھ والہانہ محبت و عقیدت کی بناء پر شیخ العرب والعجم کا اکثر و بیشتر تذکرہ ہوتا انہوں نے یہ بھی بتایا کہ شیخ العرب والعجم سعودیہ میں مقیم ہیں البتہ ضیاء الحق کے دور حکومت میں جب ۱۹۷۸ء میں مرکزی جمعیت اہل حدیث پاکستان نے مینار پاکستان کانفرنس کا انعقاد کیا تو پہلی دفعہ شیخ العرب والعجم کا خطاب سننے کا موقع ملا اور جب آنحضرتؐ کی وجہ سے کانفرنس بادشاہی مسجد میں منتقل ہوئی تو وہاں ان سے مصافحہ کا شرف حاصل ہوا۔ اس کے بعد میں تعلیم حاصل کرنے کے لئے جامعہ سلفیہ فیصل آباد میں نمونہ سلف حضرت مولانا محمد یحییٰ صاحب شرقپوری رحمہ اللہ کی وساطت سے داخلہ لیا اس دوران میں استاذ محترم اور میری اہلیہ کے حقیقی ماموں مولانا عبداللہ یوسف صاحب موجودہ ناظم مدرسہ دارالحدیث اوکاڑہ ۵ نے بذریعہ اشتہار اطلاع دی کہ شیخ العرب والعجم مدرسہ کے جلسہ میں تشریف لارہے ہیں۔ جونہی اطلاع ملی میں نے فوراً اوکاڑہ کے لئے رخت سفر باندھا اور جلسہ گاہ میں پہنچ گیا وہاں میرے محسن و مربی اور انتہائی واجب الاحترام بزرگ و دوست چوہدری عبدالحق صاحب رحمہ اللہ بھی تشریف فرما تھے ملاقات اور سلام و کلام کے بعد فرمانے لگے ”تو پہنچ گیا“ میں نے عرض کیا کہ شیخ العرب والعجم کی آمد اور وہ بھی ہمارے شہر اوکاڑہ میں اس کے باوجود اگر میں حاضری نہ دوں تو اس سے بڑھ کر کیا محرومی و شومی قسمت ہوگی۔ آخر ہماری محبوب کا نام پکارا گیا آپ تشریف لائے اور اپنے مخصوص انداز میں توحید و سنت پر خطاب کیا لیکن اس وقت محسوس ہو رہا تھا کہ چند ماہ پیشتر والی گرج چمک نہیں ہے اور پہلے جیسا جوش و پ جذبہ

① ان بزرگوں کے ساتھ بھی عرصہ دراز تک بہت گہرے تعلقات رہے اور ان کے زیر امارت تبلیغی جماعت (اہل حدیث) میں کام کرنے کا موقع ملا ان پر بھی ایک مضمون لکھ رہا ہوں۔ (خلاہری)

② ان دنوں میں یہ قائم مقام ناظم تھے جب کہ ان کے والد محترم حضرت مولانا عبدالعزیز رحمہ اللہ ناظم تھے موصوف امام العصر علامہ محمد ابراہیم سیالکوٹی اور قاضی عبداللہ حدادپوری کے شاگرد رشید تھے ان کا درس قرآن بہت شہرت کا حامل تھا نہایت خوش اخلاق اور منساہر تھے پوری زندگی مثالی گذاری۔ اکثر لوگ ان کے شاگرد تھے۔

بھی نہیں ہے۔ خطاب سے فارغ ہو کر موصوف تو ایک الگ جگہ جہاں شعبہ حفظ کام چل رہا تھا آج کل وہ ہمارے ماموں قاری عبداللہ یونس رحمۃ اللہ علیہ کی رہائش ہے جو کہ مدرسہ دارالحدیث میں مدرس ہیں تشریف فرما تھے میں چوہدری عبدالحق صاحب سے عرض کیا کہ جناب شاہ صاحب سے ملاقات کی جائے تو انہوں نے فرمایا کہ کیسے ملاقات کی جائے؟ معلوم ہوتا ہے کہ شاہ صاحب تو بہت لینڈ لارڈ ہیں معلوم نہیں کہ ہمیں کچھ اہمیت دیں میں نے کہا کہ چلیں ملاقات کرتے ہیں تو انہوں نے کہا بات کیسے شروع کی جائے اور کیا بات کی جائے میں نے کہا میں آپ کا تعارف کروادوں گا کہ یہ ہمارے شہر کی مرکزی جمعیت کے امیر ہیں اور آپ میرا تعارف کروادینا کہ یہ نوجوان نیا اہل حدیث ہوا ہے۔ جب ہم نے جا کر کے ملاقات کی تو ہماری توقع کے خلاف شیخ العرب والعجم رحمۃ اللہ علیہ نے چار پائی سے اٹھ کر نہایت محبت اور پرتپاک طریقہ سے مصافحہ کیا رحمۃ اللہ علیہ کہ ان کا انداز اور اخلاق دیکھ کر ہم دونوں اس دن سے آج تک ان کے گرویدہ ہیں اس کے بعد میں نے موصوف سے خط و کتابت کے لئے ایڈریس مانگا انہوں نے فرمایا میرا نام لکھ کر نیو سعید آباد سندھ لکھ دینا پروانہ پہنچ جائے گا میں نے درخواست کی کہ ہم آپ کے پاس سندھ ملاقات و زیارت کے لئے آنا چاہتے ہیں فرمانے لگے جب پروگرام بنے بذریعہ خط پیشگی اطلاع دینا تاکہ آپ کو فارغ ایام کا شیڈول بتا دیا جائے ایسا نہ ہو کہ آپ آئیں اور میں کسی تبلیغی دورہ کے لئے گھریا ملک سے باہر سفر پر ہوں تو آپ کو پریشانی ہوگی۔ میں نے پروگرام معلوم کرنے کے لئے سب سے پہلے عریضہ ارسال کیا آپ کی جانب سے فوراً جواب دے دیا گیا لیکن عجب اتفاق کہ میں ان دنوں جامعہ سلفیہ میں زیر تعلیم تھا کہ والدہ محترمہ رحمۃ اللہ علیہا نے یہ نامہ اپنے خیال سے سنبھال کر میز پوش کے نیچے رکھ دیا جو کہ تقریباً چار ماہ اسی طرح پڑا رہا میں گھر رخصت پر آیا ہوا تھا تو والدہ محترمہ رحمۃ اللہ علیہا نے کہا کہ میز پوش اتار کر دو اسے دھو دوں جب میں نے میز پوش اٹھایا تو نیچے سے موصوف کا مکتوب گرامی ملا میں نے فوراً کھول کر پڑھا آپ نے تو مجھے وقت بتایا تھا کہ ان دنوں میں پنجاب کے دورے پر آ رہا ہوں لہذا

① قاری صاحب موصوف مولانا عبداللہ یوسف ناظم مدرسہ دارالحدیث کے چھوٹے بھائی ہیں اور میری اہلیہ کے حقیقی

ماموں ہیں۔ (ظاہری)

② جیسا کہ کعب بن مالک اپنا واقعہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ: لَقَامَ طَلْحَةَ بْنِ عُبَيْدِ اللَّهِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ يَهْرُولُ حَتَّى مَصَافَتِحْنِي وَهَنَانِي مُتَقِقٌ عَلَيْهِ. پس طلحہ بن عبداللہ لپکتے ہوئے کھڑے ہوئے حتی کہ مجھ سے مصافحہ کیا اور مجھے مبارک باد پیش کی۔

فلاں شہر میں ملاقات کر لیں اور پروگرام بتا کر تشریف لے آئیں میں نے والدہ صاحبہ سے پوچھا تو فرمانے لگیں بیٹا میں تو بھول ہی گئی خیر اس کے بعد دوبارہ خط بھیجا آپ نے جواب دیا کہ میں ۲۹ مارچ ۱۹۷۹ء ساہیوال جلسہ پر آ رہا ہوں آپ ملاقات کر کے پروگرام طے کر لیں میں ساہیوال گیا جہاں آپ نے قیام کیا تھا ملاقات کی آپ بہت اخلاق اور محبت سے پیش آئے اور فرمایا کہ آپ کب آ سکتے ہیں میں نے چوہدری عبدالحق صاحب کی مصروفیات کے پیش نظر کہ گندم کی کٹائی کے ایام میں اور وہ آخر اپریل تک فارغ ہو جائیں گے جیسا کہ انہوں نے کہا تھا یکم مئی کا پروگرام بنالیا موصوف نے شفقت کرتے ہوئے جواب دیا کہ میں ان دنوں نیو سعید آباد میں ہوں خیر اس کے بعد جلسہ سنا اور پہلی مرتبہ ان کی زبانی یہ بات معلوم ہوئی کہ شیخ عبدالقادر جیلانی کی وفات کے ۳۰ سال بعد ان کی قبر کھود کر ان کی ہڈیاں دریائے دجلہ میں بہادی گئیں اور حوالہ کے لئے امام ابو شامہ کی کتاب تراجم رجال القرنین ص ۱۲ بتایا۔ تقریر کے اختتام پر سلام عرض کیا اور اجازت لے کر ادا کاڑھ آ گیا اب دن گننے شروع کئے آخر کار وہ دن بھی آیا جب سندھ کی تیاری تھی چوہدری صاحب عین وقت پر ڈھیلے پڑ گئے اور سفر کا ارادہ بعض وجوہات سے ملتوی کر دیا ہم نے اللہ کی توفیق سے سفر شروع کیا بذریعہ ٹرین نواب شاہ سے نیو سعید آباد کے بجائے گوٹھ پیر جھنڈو میں اتر گئے مسجد میں جا کر خادم سے پوچھا کہ پیر سائیں حضرت شاہ صاحب کب تشریف لائیں گے تو انہوں نے فرمایا نماز ظہر پر آئیں گے ہم سفر کی تھکاوٹ کی وجہ سے لیٹے تو نیند آ گئی آنکھ کھلی تو تقریباً ڈیڑھ بجے کا ٹائم تھا پوچھا پیر صاحب کب آئیں گے تو خادم نے کہا نماز کے وقت حیرانگی ہوئی کہ نماز تو عام طور پر ڈیڑھ بجے ہی ہوتی ہے لیکن یہاں اذان وغیرہ اور نمازی حضرات کا کوئی نام و نشان نہیں پھر پوچھا اس نے کہا ابھی اذان کا وقت قریب ہے پیر سائیں نماز کے لئے آئیں گے اسی شش و پنج میں کہ کسی اور جگہ آ گئے ہیں یا کیا ماجرا ہے؟ شیخ العرب والعجم کے ہاں نماز میں اس قدر تاخیر! آخر کار دو بجے اذان ہوئی سوادو بجے جناب پیر ① صاحب تشریف لائے آتے ہی تکبیر ہوئی انہوں نے نماز پڑھانی شروع کر دی نماز سے فارغ ہو کر پوچھا کہ جناب ہم پیر بدیع الدین شاہ صاحب سے ملنے کے لئے پنجاب سے آئے ہیں تو انہوں نے بتایا کہ بھائی وہ تو نیو سعید آباد میں

① یہ پیر عبدالوہاب شاہ صاحب تھے جو کہ شیخ العرب والعجم کے چچا زاد بھائی تھے اور باقاعدہ پیری مریدی کرتے تھے، جنہا مذہب کے پیر و کار اور باقاعدہ پیر صاحب تھے۔ (ظاہری)

رہائش رکھتے ہیں آپ وہاں جائیں اب یہاں سے بھاگے اور اللہ اللہ کر کے نیو سعید آباد پہنچے تو نماز عصر کا وقت قریب تھا جب نماز کی تیاری کر کے مسجد فردوس جو کہ شیخ العرب والعم نے تعمیر کروائی تھی اور اس کا سنگ بنیاد بھی خود ہی رکھا میں پہنچے تو موصوف تشریف لائے نماز سے فراغت کے بعد ملاقات کی اور حال سنایا تو بہت ہنسے اور فرمانے لگے اچھا ہوا آپ نے پیر صاحب بھی دیکھ لئے۔ ہمارے لئے بوتلیں منگوائیں اس کے بعد کھانے کا اہتمام کیا گیا۔

پروگرام تو صرف ایک ہفتہ کا لے کر آئے کہ نیو سعید آباد حیدر آباد، کراچی کا چکر لگا کر واپس لوٹ جائیں گے لیکن شیخ العرب والعم جناب شاہ صاحب رحمہ اللہ کی شفقت، محبت، اخلاق کریمانہ نے مکمل طور پر اپنی گرفت میں لے لیا ایک ہفتہ تو ان کے ساتھ نیو سعید آباد اور دو تین تبلیغی پروگراموں میں ہی گزر گیا اس کے بعد حیدر آباد اور کراچی میں تقریباً پانچ دن مختلف تفریحی و تاریخی مقامات دیکھنے میں گزر گئے اس دوران کراچی میں بھی علماء کرام سے ملاقاتیں کیں ⑤ اس کے بعد دوبارہ نیو سعید آباد واپس آئے اور چھ دن شیخ العرب والعم کی معیت و صحبت میں گزار کر ان کی رفاقت میں ملتان آئے وہاں سے ڈیرہ غازی خان جلسہ میں شرکت کی یوں تقریباً تین ہفتے اس سفر میں گزر گئے رخصت ہوتے وقت میں نے موصوف سے درخواست کی کہ اگر آئندہ پنجاب کا پروگرام بنے تو مجھے ضرور اطلاع دیں۔ شاہ صاحب کی محبت و شفقت دیکھئے کہ تقریباً پانچ ماہ بعد ملتان جلسہ میں تشریف لائے مجھے بذریعہ مراسلہ اطلاع دی ہم جناب چوہدری عبدالحق صاحب کے ساتھ ملتان ان کی خدمت میں حاجی مقبول ⑥ احمد انصاری رحمہ اللہ کی رہائش پر حاضر ہوئے دو تین دن ان کی معیت میں ملتان میں قیام کیا جب موصوف واپس چلے گئے ہم واپس اوکاڑہ آ گئے۔ خط و کتابت کا سلسلہ

① ان میں سے بطور خاص مشہور عالم دین قاری عبدالحق رحمہ اللہ اور مولانا کریم دین سلفی رحمہ اللہ ان دونوں سے اوکاڑہ کے حوالے ملاقات کی قاری صاحب کے والد گرامی شیخ الحدیث مولانا عبدالباقی کھٹلیوی رحمہ اللہ مدرسہ دارالحدیث اوکاڑہ میں فرائض تدریس دیتے رہے یہیں ان کی وفات ہوئی جب کہ مولانا کریم دین سلفی رحمہ اللہ بھی دہلی سے پاکستان اوکاڑہ میں ہی فوت ہوئے اور یہاں دفن کئے گئے یہ مولانا عبدالعزیز رحمہ اللہ کے داماد تھے اور میری اہلیہ کے خالو تھے۔ ظاہری

② یہ شیخ محترم کے انتہائی مخلص دوست تھے جس قدر ان میں اخلاص اور محبت دیکھی وہ کسی اور میں نظر نہیں آئی۔ ان کی محبت کے کئی ایک واقعات میرے سامنے پیش آئے جو کہ آج بھی مجھے یاد ہیں۔ (ظاہری)

جاری تھا کہ میں نے شیخ صاحب سے اجازت طلب کی کہ میں تعلیم حاصل کرنے کی غرض سے آپ کی خدمت اقدس میں حاضر ہو کر زانوئے تلمذ طے کرنا چاہتا ہوں انہوں نے بخوشی اجازت دے دی میں ۱۹۸۰ء میں حاضر خدمت ہوا انہوں نے اس قدر شفقت فرمائی کہ اس کے بعد میں اس دوران سے محبت کرنے لگا کہ اس کے نتیجہ میں انہوں نے مجھے اپنا پانچواں بیٹا کہنا شروع کر دیا ان سے میں نے تقریباً ایک سال کے دوران صرف عربی کا معلم حصہ اول ہی پڑھا لیکن اس کے برعکس جس قدر مجھے استفادہ کا موقع ملا یا جس قدر علم کے ساتھ والہانہ شغف ہوا وہ شیخ صاحب کا افتاء، إلماء، کروانا تھا اس دوران مجھے مختلف کتب کے حوالے تلاش کرنے کا حکم دیتے میں حوالے تلاش کرتا پھر انہیں نقل کرنے کا حکم دیتے اس طرح سے مختلف کتابوں کا تعارف اور مختلف علوم و فنون سے واقفیت ہوئی فرصت کے وقت شیخ صاحب کے معتمد خاص اور دستِ راز مولانا محمد قاسم خان خلیلی سے کتاب الصرف اور کتاب النحو کا سبق پڑھتا یہ شاہ صاحب سے بے پناہ محبت و عقیدت رکھتے تھے اور جب سے تعلیم کی غرض سے آئے اور شیخ موصوف کے ساتھ ابتداء سے انتہاء تک درس نظامی کی تعلیم حاصل کی اس وقت سے لے کر آخری وقت تک ساتھ رہے۔

شاہ صاحب نے مارکیٹ روڈ حیدرآباد میں تین روزہ کانفرنس کا آغاز کیا پنجاب سے بھی علماء و خطباء کو دعوت دی گئی، ریکارڈنگ کی ذمہ داری مجھے سونپی گئی اس موقع پر علامہ احسان الہی ظہیر رحمہ اللہ سے پہلی ملاقات ہوئی وہ دیکھتے ہی بھانپ گئے کہ میں پنجابی ہوں پوچھا کہاں رہتے ہو میں نے عرض کیا کہ اداکارہ فرمایا یہاں کیا کرتے ہو میں نے عرض کیا شیخ العرب والعجم سے تعلیم حاصل کرنے کے لئے آیا ہوں نیو سعید آباد میں مقیم ہوں فرمایا جب پنجاب آؤ تو مجھ سے ملاقات کرنا میں نے عرض کیا ٹھیک ہے۔ ① اس کانفرنس میں علامہ صاحب رحمہ اللہ کا تاریخی خطاب ہوا۔

اسی دوران شاہ صاحب رحمہ اللہ کو عرب امارات کے دورہ کی دعوت دی گئی آپ نے اسے قبول فرمایا اور ایک ماہ کے دورہ پر عرب امارات روانہ ہو گئے وہاں سے مجھے خطوط لکھتے اور یہاں کے احوال معلوم کرتے میں حکم کی تعمیل کرتے ہوئے عریضہ ارسال کرتا۔ اس دوران کئی ایک اہم واقعات پیش آئے جنہیں

① اس کے بعد علامہ صاحب رحمہ اللہ سے میل جول شروع ہوا اور آخر کار ان کے کئے سالہ اصرار پر ان کے ادارہ ترجمان السنہ لاہور میں ان کے ساتھ کام کرتا رہا اور یہ اللہ تعالیٰ کو پیارے ہو گئے اللہ ان کی شہادت کو قبول فرمائے۔ آمین۔

کسی دوسرے وقت کے لئے چھوڑ رہا ہوں۔

تقریباً ایک سال بعد میں واپس پنجاب آ گیا اور مدرسہ دارالحدیث میں باضابطہ تعلیم کا آغاز کیا کیونکہ اس عرصہ میں مجھے شدت سے احساس ہوا کہ شیخ العرب والعجم کے پاس تعلیم مکمل کر کے جانا زیادہ بہتر ہے جب تک میں دارالحدیث میں زیر تعلیم رہا علامہ احسان الہی ظہیر رحمۃ اللہ علیہ ہمیشہ اصرار کرتے رہے کہ میرے پاس آ جاؤ کام بھی کرو اور علم بھی حاصل کرو۔ تقریباً چھ سال پنجاب میں گزارے اس دورانیہ میں شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ بھی پنجاب کے دورہ پر تشریف لاتے مجھے ضرور اطلاع دیتے اور میں ان کی خدمت عالیہ میں حاضری دیتا جب تک پنجاب میں رہتے میں ان کے ساتھ رہتا۔

۱۹۸۲ء میں فضیلۃ الشیخ حافظ فتح محمد المعروف فقی ① جب پاکستان تشریف لائے تو شیخ کے پاس بھی کچھ دن قیام کیا اور پنجاب کے دورہ کے لئے پروگرام طے کیا کہ ۲۲ مارچ کو اوکاڑہ سے اسٹے مختلف شہروں کے دورہ پر روانہ ہوں گے مجھے بذریعہ مکتوب گرامی حکم دیا کہ اس دورہ میں آپ ہمارے ساتھ رہو گے میں نے اپنے محسن و مربی چودہری عبدالحق صاحب کو ترغیب دلائی لہذا وہ بھی اس دورہ میں اپنی گاڑی سمیت تیار ہو گئے ۲۳ مارچ کو مسجد مبارک لالہ زار کالونی میں شیخین کا خطاب تھا ہمارے شیخ نے وسیلہ کے موضوع پر تقریباً ڈیڑھ گھنٹہ خطاب کیا جو کہ آج بھی لوگوں میں مشہور ہے۔

یہاں سے لاہور کے لئے روانہ ہوئے تو الاعتصام کے ”ادارہ“ دارالدعوة السلفیہ میں غالباً تین چار دن مقیم رہے محدث حضرت مولانا عطاء اللہ حنیف رحمۃ اللہ علیہ محشی ”سنن نسائی“ بانی مفت روزہ الاعتصام و دارالدعوة السلفیہ کی رہائش پر کھانے کی دعوت پر اکٹھے ہوئے فقہی مسائل پر گفتگو چھڑ گئی حافظ فقی صاحب جناب بن کر بحث کرتے شاہ صاحب رد کرتے سامعین بمعہ مولانا عطاء اللہ حنیف خوب محفوظ ہوئے۔

لاہور سے گوجرانوالہ گئے تقریباً ایک ہفتہ دونوں بزرگوں نے قیام کیا اس دوران روزانہ ہی شیخین کی تقاریر ہوتیں فجر کے بعد درس ہوتا یہ تمام ریکارڈ میرے پاس محفوظ ہے۔ الحمد للہ علی ذلک۔

شیخ العرب والعجم کی خصوصیت تھی کہ جہاں بھی جاتے علماء و شیوخ اور طلباء کا ایک جم غفیر آپ کے

① موصوف مکہ مکرمہ میں مقیم تھے جب شاہ صاحب بیت اللہ میں مدرس تھے اس وقت ان کی آپس میں دوستی ہوئی اور شاہ صاحب سے بہت محبت کرتے تھے۔ ظاہری

ارد گرد جمع ہوتا۔ تمام لوگ مؤدبانہ انداز میں آپ کی مجلس میں بیٹھتے اگر کسی شاعر کا تعارف کروایا جاتا تو فرماتے کہ بھی اپنا کلام سناؤ اور سن کر محفوظ ہوتے۔

تمام علماء جن کو میں جانتا ہوں جب آپ کی مجلس میں نہایت ادب و احترام سے بیٹھتے یوں محسوس ہوتا کہ سب آپ کے شاگرد ہیں۔

جب علامہ احسان الہی ظہیر رحمہ اللہ نے ۸۰ھ میں تحریک اہل حدیث بنائی اور جامع مسجد قدس چوک دالگراں لاہور میں بروز جمعرات بعد نماز عشاء کانفرنس منعقد کی تو شاہ صاحب کو بطور خاص دعوت دی میں بھی آپ کا رفیق سفر تھارات کا خطاب بھی عظیم الشان تھا لیکن اگلے دن خطبہ جمعہ تو تاریخی اہمیت کا حامل تھا کہ مناظر اسلام حافظ عبدالقادر روپڑی رحمہ اللہ دو خطبوں کے درمیانی وقفہ میں کھڑے ہو کر جذبات کا اظہار کرتے ہوئے رونے لگے اور فرمایا آج مجھے اپنا چچا حافظ عبداللہ یاد آ گیا ہے۔ ①

مسجد اندر باہر سے کچھ کچھ بھری ہوئی تھی اور تل دھرنے کو جگہ نہ تھی نماز جمعہ کے بعد حضرت حافظ روپڑی رحمہ اللہ نے شاہ صاحب رحمہ اللہ سے درخواست کی کہ جب بھی لاہور تشریف لائیں ہمیں خدمت کا موقع عنایت فرمائیں کیونکہ شاہ صاحب نے محدث روپڑی سے سند اجازہ حاصل کی تھی اس اعتبار سے بھی ان کے ساتھ ایک خصوصی تعلق تھا۔

جن دنوں حافظ فقی رحمہ اللہ اور شاہ صاحب دورہ پنجاب میں مختلف شہروں میں گئے تو ان ایام میں شیخوپورہ میں شیخ القرآن مولانا محمد حسین شیخوپوری رحمہ اللہ کا چامع میں بھی تقریباً ایک دن اور ایک رات قیام کیا قاضی محمد اسلم سیف رحمہ اللہ اسٹیج سیکرٹری تھے انہوں نے فرمایا میں نے شیخ العرب والعجم علامہ سید بدیع الدین شاہ صاحب راشدی رحمہ اللہ کی بیسیوں سے زائد تقاریر سنی ہیں جب بھی کسی موضوع پر اظہار خیال کرتے فی البدیہہ گفتگو فرماتے کئی ایک موضوعات پر بار بار اسناد دلائل ہمیشہ مختلف ہوتے اس دورہ میں جب فیصل آباد مندر گلی مسجد میں خطاب کیا اس موقع پر معروف عالم دین مولانا قدرت اللہ فوق رحمہ اللہ اور نمونہ سلف حافظ مسعود

① یاد رہے کہ حافظ عبداللہ روپڑی محدث رحمہ اللہ کے وقت میں جامع مسجد قدس اسی طرح آباد تھی جیسا کہ آج کل جامعہ اہل حدیث قائم ہونے کے بعد آباد ہے اس میں بطور خاص مفتی پاکستان حافظ ثناء اللہ مدنی رحمہ اللہ اور ڈاکٹر عبدالرشید اظہر کی سعی جلیلہ کا دخل ہے اس کے بعد شیخ حافظ عبدالغفار روپڑی اور مناظر اسلام حافظ عبدالوہاب روپڑی کی کوشش کو بھی بنیادی اہمیت حاصل ہے اللہ تعالیٰ اس ادارہ کے جملہ متعلقین کو سعی کو مقبول و منظور فرمائے۔ آمین۔

عالم بن مولانا محمد یحییٰ شریقی رحمۃ اللہ علیہ بھی موجود تھے۔ سورۃ العصر کی تفسیر اس اچھوتے انداز میں بیان کی کہ بعد از خطاب ان دونوں بزرگوں نے فرمایا کہ قرآن مجید ہم بھی پڑھتے ہیں لیکن جو استدلال آپ کرتے ہیں ہم نہیں کر سکتے۔

اس سورت کی تفسیر میں جہاں ”خر“ کا معنی و مفہوم اہل ایمان کی صفات کا تفصیل تذکرہ کیا وہاں ساتھ ہی مرجیہ (یعنی خفی دیوبندی، بریلوی) کا بھی رد کیا جن کا عقیدہ ہے کہ اعمال ایمان میں داخل نہیں جب کہ اہل سنت (اہل حدیث) کا عقیدہ ہے کہ اعمال ایمان میں داخل ہیں۔ جس کے میسوں دلائل کتاب و سنت میں موجود ہیں۔ اس بات کو سمجھنے کے لئے ہمارے شیخ محترم کا فتویٰ ”امام صحیح العقیدہ ہونا چاہیے“ کا مطالعہ نہایت مفید رہے گا۔

ان دونوں بزرگوں میں قدر مشترک یہ تھی کہ دونوں بزرگ کتابوں کے بے حد شوقین تھے ہم وقت کی نئی کتاب کے متلاشی رہتے بطور خاص علمائے سلف کی کتب حاصل کرنے کے لئے بہت زیادہ تنگ و دو کرتے۔ ہمارے شیخ تو اکثر و بیشتر صاحب مکتبات کے مقروض رہتے۔

ایک دفعہ میرے سامنے کتابوں کی محبت کا ذکر کرتے ہوئے فرمانے لگے اگر اللہ تعالیٰ ہمیں ایک دن کے لئے ساری دنیا کی حکومت عطا کر دے تو ہم ساری دنیا کی کتب اپنے ہاں جمع کر کے حکومت چھوڑ دیں پھر فرمانے لگے کہ جنت میں اللہ تعالیٰ سے مطالبہ کریں گے کہ جو کتابیں دنیا میں نہیں دیکھ سکے وہ جنت میں دکھا دے۔ ان کی مکتبہ میں شعر آویزاں ہے کہ

الایما مستعیر الکتب منی فإن إعارتی للکتب عار
ومحبوبی من الدنیا کتاب فهل أبصرت محبوباً یعار

اس دورہ میں شیخ الحدیث مولانا محمد عبداللہ صاحب امجد چھتوی رحمۃ اللہ علیہ ① سے ملاقات ہوئی انہوں نے ہمارے شیخ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو بتایا کہ خلافتِ نبویہ فقیرِ حنفیہ والی میں کسی آدمی کے پاس موجود ہے شاہ صاحب کے مکتبہ میں اس کا قلمی نسخہ فقط حصہ دوم (جلد ثانی) موجود ہے آپ نے جب یہ بات سنی تو مجھے بتایا کہ میں نے

① شیخ الحدیث عبداللہ چھتوی صاحب اس وقت ستیانہ بنگلہ میں مرکز السلفیہ میں بطور شیخ الحدیث فرائض سرانجام دے رہے ہیں۔ راقم کے استاذ ہیں۔ (ظاہری)

چھتوی صاحب سے یہ بات سنی ہے میں نے عرض کیا کہ ہارون آباد میرے نھیال کا علاقہ ہے میرا وہاں آنا جانا رہتا ہے لہذا میں نہیں سمجھتا کہ وہاں ایسی کوئی مقتدر شخصیت موجود ہو جس کے پاس خلافت بیہقی کا قلمی نسخہ موجود ہو بہر حال ہم فیصل آباد سے مختلف شہروں کی طرف روانہ ہوئے تو ٹوبہ ٹیک سنگھ کے راستہ ملتان گئے۔ شیخ صاحب رحمہ اللہ کا اصرار بڑھا کہ فقیر والی ضرور جانا ہے اور یہ کتاب ڈھونڈنی ہے میں ہر چند درخواست کی کہ وہاں یہ کتاب موجود نہیں لیکن انہوں نے فرمایا بھائی چھتوی صاحب نے بتایا ہے اور کتابوں سے شغف رکھتے ہیں میں نے عرض کیا کہ اگر آپ ضرور جانا چاہتے ہیں تو مجھے کوئی انکار اور عذر نہیں ہے میرے محسن اور شاہ صاحب رحمہ اللہ کے محب صادق جناب چوہدری عبدالحق صاحب اپنی گاڑی سمیت ساتھ ہم ملتان سے فقیر والی روانہ ہوئے جب مدرسہ فقیر والی پہنچے تو جماعتی احباب کی خوشی کی انتہاء نہ رہی جب انہیں معلوم ہوا کہ کتاب کے سلسلہ میں تشریف لائے ہیں علماء سے رابطہ کیا آدمی مختلف علاقوں میں بھیجے گئے تقریباً تین دن وہاں قیام کیا اسی دوران میں نے عرض کیا۔ یہاں دیوبندی حضرات کا مدرسہ قاسم العلوم بنے اس میں بھی کچھ مصور کتابیں موجود ہیں۔

ہماری خبر پر مدرسہ قاسم العلوم تشریف لے گئے جب مکتبہ کے دروازہ سے داخل ہوئے سب سے پہلے جو کتاب زیارت کے لئے رکھی نظر آئی وہ سکھوں کی گرنتھ صاحب تھی۔ ①
لابریرین نے بڑے شوق سے تمہید ابن عبد البر کے قلمی نسخہ کا فوٹو دکھایا شیخ العرب والجم نے چند ایک صفحات پر حاشیہ دکھایا اور پوچھا کہ یہ لکھنے والا ”ابو محمد“ کون ہے؟ وہ حیران پریشان تھا میں نے اسے بتایا بھائی یہ کتاب تو ہمارے شیخ کی ہے اس سے فوٹو کاپی کروائی گئی ہے اور ابو محمد ہمارے شیخ العرب والجم استاذ محترم کی کنیت ہے۔

اس کے بعد ہم نے مہتمم مدرسہ سے معلوم کیا کہ آپ کی طبع کتب و رسائل دستیاب ہیں انہوں نے کہا کہ موجود ہیں لیکن رسالہ تحقیق مسئلہ رفع الیدین اس وقت ختم ہو چکا ہے ہم نے باقی کتب و رسائل کے چھ چھ سیٹ طلب کئے مہتمم صاحب تو کسی کام سے باہر چلے گئے ہم نے لابریرین سے معلوم کیا کہ رسالہ تحقیق

① یہ بات دل چسپی سے خالی نہ ہوگی کہ دیوبندی بزرگوں کے نزدیک بابا گروناک مسلمان تھا جیسا کہ تذکرۃ الرشید ص ۲۳۸ میں جناب رشید احمد گنگوہی کا قول ہے۔ ظاہری

مسئلہ رفع الیدین موجود ہے انہوں نے کہا تقریباً ۱۵۰ نسخہ موجود ہیں ہم نے محض اس نسخہ کے حصول کے لئے چھ سیٹ خریدے تھے ان سے کہا اس کے بھی چھ نسخے عنایت کریں انہوں نے اس رسالہ کے چھ نسخے بھی دے دیئے اور ہم سے رقم وصول کر لی جب مہتمم صاحب واپس تشریف لائے تو دیکھ کر نہایت پریشان ہوئے کہ انہوں نے یہ رسالہ بھی ہمارے ہاتھ فروخت کر دیا تو انہیں الگ لے جا کر خوب ڈانٹ پلائی اور کہا کہ یہ رسالہ ان کے ہاتھ فروخت نہیں کرنا تھا بہر حال ہم نے جلد ہی مدرسہ سے نکلنے کی کوشش کی اس رسالہ میں مصنف مناظر حقیقت وکیل دیوبندیت محمد امین صفدر راوکاڑوی نے صفحہ نمبر ۶ پر قرآن مجید کی آیت میں تحریف کی ہے۔

خود بدلتے نہیں قرآن کو بدل دیتے ہیں

ان ایام میں پوری جماعت کی محنت و کوشش کے بعد معلوم ہوا کہ اصل ماجرا یہ ہے کہ کچھ والد کے دوست ”جناب مولانا عبدالشکور شاہ صاحب سے ملاقات کے لئے سانگہ پل گئے ان کی مسجد کے ہال کی دیوار کے باہر یہ حدیث کنداں تھی۔ فما زالت تک صلوٰۃ حتی لقی اللہ (التلخیص الجید) ان دوستوں نے یہ کتاب (چونکہ شاہ صاحب نے شائع کی تھی) سے خرید کی اور لوگوں کو بتایا کہ ہمارے پاس موجود کتاب میں یہ روایت موجود ہے کسی طرح سے حضرت چھتوی تک بات پہنچی تو خبر کی حقیقت ہی بدل گئی اس کے بعد ہم وہاں سے واپس آئے۔

علامہ سید سلیمان ندوی نے اپنی کتاب یاد رفتگاں میں شیخ العرب والعم رحمۃ اللہ علیہ کے والد گرامی قدر سید احسان اللہ شاہ صاحب راشدی رحمۃ اللہ علیہ کا ذکر کیا ہے اور شیخ الاسلام فاتح قادیان مولانا ثناء اللہ امرتسری رحمۃ اللہ علیہ کا قول ذکر کیا ہے کہ سید احسان اللہ صاحب اسماء الرجال کے امام تھے۔

اس کتاب کے حصول کے لئے بہت محنت کی آخر کار راقم کو حکم دیا کہ معلوم ہوا کہ قاضی محمد اسلم سیف رحمۃ اللہ علیہ کے پاس یہ کتاب موجود ہے ان سے اس کی فوٹو کاپی کروا کر بھیجیں میں نے اس کی فوٹو کاپی یاد نہیں کہاں سے کروائی تھی اور جناب کی خدمت اقدس میں پیش کی تھی۔

اسی طرح جب میں نے کویت کا ویزہ بھیجا اور دعوت دی آپ کویت تشریف لائے جس قدر بھی آپ کے پاس پیسے تھے سب کتابوں پر صرف کر دیئے۔

آپ کے چچا حضرات نے پیر جھنڈ والا مکتبہ کراچی میوزیم کو فروخت کر دیا تھا اس کی خاص کتب کی فوٹو حاصل کرنے اور میوزیم کے مخطوطات کی چھان پھٹک کے لئے ایک ہفتہ کراچی میں گزارا صبح یہاں آتے اور جب میوزیم کا ٹائم ختم ہوتا واپس جاتے ہمارے ہمراہ مشہور محدث و محقق عالم دین مولانا فیض الرحمن ثوری رحمہ اللہ ① بھی تھے۔

میوزیم کے ڈائریکٹر نے آپ کی بہت عزت کی اور آپ کے مطالبہ پر ان سب کتابوں کی فوٹو کاپی عنایت کی جن کی آپ نے خواہش ظاہر کی تھی۔

آپ کے اس شوق کے پیش نظر امام کعبہ عبداللہ ابن اسمیل جب ضیاء دور میں پاکستان تشریف لائے تو کراچی سے نیو سعید آباد ملاقات کے لئے تشریف لائے اور آپ کے لئے قیمتی ہدیہ لے کر آئے وہ امام احمد بن حنبل کے بیٹے امام صالح کی کتاب ”مسائل احمد للإمام صالح“ کے مخطوط کی فوٹو کاپی جو کہ بڑے سائز کے تقریباً ۹۰ صفحات پر مشتمل ہے اس کتاب کو ایک ہی نشست میں پڑھ کر نوٹ لگادیئے۔ اب یہ کتاب انڈیا سے تین جلدوں میں طبع ہو چکی ہے۔

جب ۱۹۹۳ء میں کویت کے دورہ پر تشریف لائے تو ایک ماہ قیام کیا اس دوران منطقہ کیفان میں ایک کویتی کے دیوانیہ میں بعد نماز فجر صحیح بخاری کا درس کتاب الاعتصام بالکتاب والسنة سے آخر تک دیا ایک دن دوران درس حدیث میں ایک عربی جملہ کا تمام حاضرین درس سے معنی پوچھا کوئی ایک بھی جواب نہ دے سکا۔ ان میں شیخ محمد عثمان جیسی اہم شخصیت بھی موجود تھی، اور قابل ذکر بات یہ ہے کہ تقریباً تمام کا درس مدینہ یونیورسٹی کے فضلاء و محرمین تھے آخر ہمارے شیخ العرب والعجم نے جب اس جملہ کا معنی و مفہوم بتلایا تو جمعیت احياء التراث الاسلامی کی نہایت اہم شخصیت ”شیخ عبدالوہاب السنین“ جو کہ باقاعدہ درس میں شریک ہوتے تھے بے ساختہ وفی البدیہ پکار اٹھے۔ ”یا شیخ أنت العرب ونحن العجم“ ② جبکہ موصوف بھی جامعہ

① یہ بزرگ ان دنوں شاہ صاحب کی زیر نگرانی الجوہر النبی لابن الترکمانی کا رد لکھ رہے تھے نیو سعید آباد میں تقریباً دو جلدوں پر کام مکمل ہوا تھا بعد میں جامعہ اثریہ جہلم میں الشیخ الاصولی المدقق حافظ ثناء اللہ زاہدی بانی جامعہ اسلامیہ صادق آباد کی تحریک پر مکمل کیا۔ میں نے ان سے سند اجازہ لی ہے نیو سعید آباد میں سال سے زیادہ عرصہ ان کی رفاقت رہی۔ (ظاہری)

② یہ لفظ حلیہ ہے۔ (ظاہری)

اسلامیہ مدینہ طیبہ کے خراج ہیں۔

۱۹۸۷ء، ۱۹۸۸ء میں جب میں شیخ العرب والعجم کے ہاں حصول تعلیم کے لئے مقیم تھا اور اس دوران نواب شاہ کی مرکزی مسجد اور حیدر آباد کی جامع مسجد محمدی پکا قلعہ دروازہ میں خطابت کے فرائض سرانجام دیتا رہا انہی ایام میں شیخ العرب والعجم تین مرتبہ امریکہ اور یورپ کے دورے پر گئے اس کے اصل محرک محدث العصر علامہ شیخ محمد ناصر الدین الالبانی رحمہ اللہ تھے۔ موصوف کو جب عرب باشندوں نے امریکہ کے دورہ پر بلایا تو محدث العصر رحمہ اللہ نے انہیں مشورہ دیا کہ آئندہ شیخ العرب والعجم کو دعوت دیں مجھے دوبارہ زحمت نہ دی جائے۔ کویت میں دورانِ درس میں نے یہ مسئلہ بیان کیا کہ تارک صلاۃ مخرج عن المملۃ ہے ایک صاحب جنہیں طلباء و علماء کا ہیڈ ماسٹر بننے کا نہایت شوق ہے اس سے شدید اختلاف کیا کیونکہ ان کے بھائی اور اہل خانہ میں یہ کمزوری تھی لہذا انہوں نے مولانا احمد اللہ مبارکپوری رحمہ اللہ جب انڈیا رخصت پر جانے لگے تو بطور تاکید کہا کہ محدث شہیر فضیلۃ الشیخ عبید اللہ رحمانی مبارکپوری رحمہ اللہ سے یہ مسئلہ دریافت کریں موصوف نے فرمایا یہ مسئلہ شیخ بدیع الدین شاہ صاحب راشدی رحمہ اللہ سے دریافت کریں اتفاق کہ تقریباً ایک سال بعد شاہ صاحب رحمہ اللہ کویت تشریف لائے ان سے جب دریافت کیا گیا تو انہوں نے فرمایا کہ تارک صلاۃ مخرج عن الاسلام ہے چونکہ راقم نے شیخ کا ہی موقف بیان کیا تھا۔

موصوف نہایت مہمان نواز تھے ان کی خاندانی و موروثی روایت کے مطابق آج بھی نماز جمعہ کے بعد بیرونی احباب کے لئے کھانے کا انتظام ہوتا ہے فرمایا کرتے تھے رحمہم اللہ

لا یبخل فی الموجود ولا یتکلف فی المفقود۔

ایک مرتبہ ہمارے بزرگ اور محسن چوہدری عبدالحق صاحب بھی شیخ موصوف سے ملاقات کے لئے گئے نواب شاہ اسٹیشن پر اترے تو ظہر کا وقت ہو چکا تھا خیال کیا کہ نماز ظہر ادا کر کے دوپہر کا کھانا ہوٹل سے کھا کر نیو سعید آباد جائیں تاکہ شیخ صاحب کو تکلیف نہ ہو کیونکہ نماز ظہر کے بعد قیلولہ کرنا آپ کا معمول تھا ہم کھانا

① یہ ڈاکٹر رضاء اللہ مبارکپوری رحمہ اللہ کے بڑے بھائی ہیں اور لجنۃ الہندیہ کویت میں بطور سیکریٹری کے کام کرتے تھے۔

(ظاہری)

② شیخ کی مشہور زمانہ تصنیف مرعاة الفاتح شرح مشکاة المصابیح ہے اگر یہ مکمل ہو جاتی تو مشکاة کی شرح کا حق ادا ہو جاتا۔

(ظاہری)

کھا کر کے عصر سے پہلے نیو سعید آباد پہنچے تو آپ کے کاتبین ① نے فوراً آپ کو اطلاع دی آپ اسی وقت مکتبہ میں تشریف لے آئے نماز عصر کے بعد تقریباً ۵ بجے کھانا لگا دیا گیا اور دعوت دی گئی کہ کھانا تناول فرمائیں ہم نے عرض کیا کہ آپ نے پوچھا ہی نہیں فرمانے لگے ہم مہمان سے یہ نہیں پوچھتے کہ کھانا کھاؤ گے بلکہ کھانا پیش کرتے ہیں مہمان کو جس قدر طلب ہوگی وہ کھالے گا چوہدری صاحب نے ہمارے ساتھ ناراضگی کا اظہار کیا کہ آپ لوگوں نے ہوٹل سے کھانا کیوں کھایا ہم نے عرض کیا اس مشورہ میں آپ شامل تھے اور اتفاق رائے سے یہ کام ہوا اب دوبارہ اتفاق رائے سے ہی شاہ صاحب کی دعوت کو قبول کیا جائے جو کر لی گئی۔

آپ اپنے مہمان اور میزبان کے ساتھ مل بیٹھ کر کھانا پسند کرتے تھے اگر کوئی میزبان موصوف کے ساتھ کھانے سے گریز کرتا تو فرماتے ہمیں کیا معلوم کہ آپ ہمیں کیا کھلا رہے ہیں لہذا میزبان مجبور ہو جاتا اور ساتھ بیٹھ کر کھانا کھاتا موصوف میں غنودہ درگذر کی صفت بھی نہایت نمایاں تھی آپ کے بڑے بھائی محدث، محقق، علامہ فضیلۃ الشیخ سید محبت اللہ شاہ صاحب راشدی رحمہ اللہ ② کو بعض لوگوں نے کہا کہ زمین کی تقسیم نہیں ہوگی اور نہ ہی یہ وراثت ہے لیکن جب آپ کو اپنی غلطی کا احساس ہوا تھا آپ نے کاغذ کے پرزے پر لکھ کر بھیجا کہ اس زمین میں آپ کا برابر کا حصہ ہے چاہے وصول کر لیں چاہے معاف کر دیں آپ نے فراخ دلی سے اسی پرزے پر نیچے لکھ دیا کہ میں نے آپ کو یہ زمین معاف کر دی اس کے بدلہ میں اللہ تعالیٰ مجھے روز قیامت معاف کرے اس کے بعد کبھی اس کا تقاضا نہیں کیا۔

مجھ سے نہایت قیمتی شیشہ ٹوٹ گیا میں نے عرض کیا کہ مجھ سے بہت بڑا نقصان ہو گیا ہے اور دل میں ڈر رہا تھا کہ کہیں ناراض نہ ہوں پوچھا کیا نقصان ہوا میں نے بتایا تو صرف یہی فرمایا کہ اب یہ کیسے حاصل کریں گے کوئی ڈانٹ ڈپٹ نہیں کی۔

اپنے حاسدین کے متعلق ہمیشہ خاموشی اختیار کرتے کوئی خبر پہنچتی تو کوئی تبصرہ نہ کرتے۔ آپ کے

① اس سے مراد عبدالعزیز نہرو اور عبدالغفار جونیجو ہیں جو کہ اس وقت شیخ العرب والعجم پر پی۔ ایچ۔ ڈی کا الگ الگ عنوان پر مقالہ لکھ رہے ہیں۔ اللہ کرے جلد منظر عام پر آئے۔ (ظاہری)

② حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ سے مجھے ترمذی پڑھنے کا شرف حاصل ہے اور آپ سے سند اجازہ بھی لی ہے نیز آپ کے مدرسہ کی سند بھی موجود ہے۔ موصوف نہایت عابد، زاہد، منکسر المزاج، خوش اخلاق اور محبت کرینوالے تھے۔ (ظاہری)

مخالفین بھی آپ کے سامنے مؤدب اور دوزانو ہو کر بیٹھے۔

۱۸ مارچ ۱۹۸۷ء کو علامہ احسان الہی ظہیر رحمہ اللہ نے اپنی رہائش گاہ واقع ۴۷۵ شادمان لاہور میں کبار علماء کا اجلاس بلایا جس میں حافظ عبدالمنان نورپوری رحمہ اللہ اور حافظ عبدالسلام بھٹوی موجودہ (حافظ عبدالسلام بن محمد رحمہ اللہ بھی شریک تھے اس کی صدارت شیخ العرب والحم نے کی۔

۲۳ مارچ کو علامہ صاحب کے جلسہ میں بم دھماکہ ہوا تو اس وقت آپ بذریعہ ٹرین (عوام ایکسپریس) لاہور سے حیدرآباد جا رہے تھے حیدرآباد پہنچ کر ۲۴ مارچ کی صبح علامہ صاحب کے بھائی شیخ محبوب الہی ① نے خبر دی تو اگلے دن ہی ۲۵ مارچ بذریعہ طیارہ لاہور پہنچے اور مجھے شاہ صاحب کا پیغام حافظ محمد اور لیس ② صاحب نے بذریعہ ٹیلی فون پہنچایا کہ آپ لاہور ایئرپورٹ پہنچ جائیں میں نے ایئرپورٹ پر ان کا استقبال کیا اور وہاں سے سیدھے ہسپتال علامہ صاحب کی عیادت کے لئے گئے ہسپتال میں سردار عبدالقیوم سے ملاقات ہو گئی جو کہ اس وقت غالباً آزاد کشمیر کے صدر تھے اپنے ساتھ لے گئے اور رات گئے واپس قدس مسجد چوک دالگراں میں چھوڑ گئے۔

اگلے دن ان تمام مقتولین کے گھروں میں تعزیت کے لئے گئے جو اس حادثہ میں انتقال فرما گئے تھے اللہ تعالیٰ ان سب کو شہداء کا ساتھ نصیب فرمائے اور ان کی موت کو شہادت بنائے۔ آمین ثم آمین۔

ان احباب میں میرے اُستاد محترم مؤرخ اہل حدیث فاضل اجل مولانا عبدالخالق قدوسی رحمہ اللہ ③ بھی شامل تھے موصوف ایک سال تک میری وجہ سے دارالحدیث چینیوالی لاہور میں تدریس کے لئے اپنے جیب خرچ پر آتے رہے اس کے بعد انتظامیہ نے درخواست کی تو فرمانے لگے ظاہری کی وجہ سے پڑھانے آتا تھا وہ فارغ ہو گیا اب معذرت خواہ ہوں۔

۱۹۷۹ء میں فجر کی نماز کم از کم ۴۰ منٹ کی پڑھاتے تھے ہم تو تھک جاتے لیکن آپ کے ساتھ

- ① جو کہ کاروباری سلسلہ میں حیدرآباد میں مقیم تھے۔ (ظاہری)
- ② موصوف نہایت متقی برہیزگار انسان تھے لیکن طبیعت میں قدرے سختی تھی جس کی بناء پر راقم اور ہمارے شیخ سے بھی اختلاف ہوا کویت روانگی سے پہلے میں نے جماعت سے صلح کی اور ہمارے مطالبہ پر ان سے استعفیٰ بھی لیا گیا۔
- ③ صاحب مکتبہ قدوسیہ اردو بازار لاہور اب ان کے صاحبزادگان ابوبکر قدوسی اور عمر فاروق قدوسی نہایت اعلیٰ معیار پر طباعت کا کام کر رہے ہیں۔ اللہم زدو

بوڑھے حضرات اس قدر لمبی نماز ادا کرنے کے عادی ہو چکے تھے جب ۸۱، یا ۸۲ میں فضیلۃ الشیخ حافظ عبدالستار حماد صاحب ① بھی رفیق سفر ہوئے تو ایک دن شاہ صاحب کسی کام سے نیو سعید آباد سے باہر گئے تو نماز پڑھانے کی ذمہ داری انہیں سونپ دی یہ بہت زیادہ تکلف کر کے لمبی نماز پڑھاتے اس کے باوجود جب نماز مغرب شروع کی تو ہم وضو خانہ میں وضو کر رہے تھے تو بوڑھے سندھی بزرگوں نے کہا جلدی وضو کرو یہ پنجابی مولانا صاحب نماز ت چھوٹی اور مختصر پڑھاتے ہیں ہم نے یہ بات حافظ صاحب سے عرض کی تو فرمانے لگے انہیں نماز پڑھانا ہمارے بس کی بات نہیں۔

دوران سفر بطور خاص قرآن مجید کی تلاوت فرماتے جب تھک جاتے تو سو جاتے اور بیدار ہونے پر حدیث کی کتاب جو کہ سفر میں ساتھ ہوتی اس کا مطالعہ کرتے اور ضروری نوٹ بھی لگاتے اُسانید پر اس قدر گہری نظر تھی کہ مختلف رواۃ کے اُساء پر ”~“ یہ نشان لگاتے جس کا مطلب ہوتا کہ یہ راوی ضعیف یا متکلم فیہ ہے۔ قرآن مجید صرف ۴ ماہ میں حفظ کیا اور وہ بھی تقریباً ۱۶ سال کی عمر میں قرآن مجید کے ساتھ اس قدر شغف تھا کہ کئی ایک منزلیں ایک ہی وقت میں پڑھتے تھے جیسا کہ میں نے مشاہدہ کیا مثلاً تہجد میں ایک منزل الگ۔ نماز فجر سے پہلے مصحف سے بالترتیب قرآن پڑھتے اور نماز فجر میں الگ سے بالترتیب اسی طرح نماز فجر اور درس قرآن سے فارغ ہو کر مکتبہ کے باہر لان میں دوران چہل قدمی الگ سے بالترتیب نماز ظہر، نماز عصر، نماز مغرب نماز عشاء میں الگ الگ منزل پڑھتے۔

نماز فجر کے بعد باقاعدگی سے درس دیتے حتیٰ کہ جمعہ کے دن بھی ناغہ نہ کرتے اور قرآن مجید کھولتے جہاں سے کھل جاتا وہیں سے درس قرآن شروع کر دیتے یہ ہمیشہ کا معمول تھا کبھی مخصوص مقام اور سورت یا آیت کا درس دینے کا اہتمام نہیں کیا جب درس دیتے تو اس قدر آیت اس کی مناسبت سے پڑھتے اور استنباط فرماتے احادیث نقل کرتے یوں محسوس ہوتا کہ شاید آج اس آیت اور مقام پر مکمل تیاری کر کے آئے ہیں اور یہی معاملہ خطبہ جمعہ کا ہوتا کبھی اس کے لئے الگ سے تیاری نہیں کی جس موضوع اور جو آیت

① مدینہ یونیورسٹی سے سند فراغت پائی۔ ایم۔ اے کی ڈگری بہاء الدین ذکریا یونیورسٹی ملتان سے حاصل کی سعودیہ کی طرف سے مبعوث ہیں کئی ایک کتب کے اردو میں ترجمے کئے اور اپنے مرکز الدراسات الاسلامیہ میاں چنوں سے شائع کئے آج کل اخبار اہل حدیث میں سوالوں کے جوابات دیتے ہیں اور ان کا فتاویٰ اصحاب الحدیث ایک ضخیم جلد میں چھپ چکا ہے۔ (ظاہری)

تلاوت کر کے گفتگو شروع کرتے علم کے دریا بہا دیتے۔ موضوع کی مناسبت سے واقعات بیان کرنا مختلف نکات ذکر کرنا آپ کا معمول تھا۔

ہمیشہ یوں محسوس ہوتا کہ آپ نے اس پر خصوصی مواد جمع کر کے مکمل تیاری سے درس یا خطبہ و تقریر کی ہے۔ زیادہ تر عربی کتب کا مطالعہ کرتے تھے فرق اور ادیان کی اسپیشلسٹ علامہ احسان الہی ظہیر رحمہ اللہ کی زبان سے بارہا میں نے خود یہ الفاظ سنے کہ شاہ صاحب فرق اور ادیان کے بہت بڑے عالم ہیں اور پاکستان میں سب سے زیادہ انکی معلومات اور مطالعہ ہے جب بھی انہیں خط لکھتے تو ”الوالد الکرم“ لکھا کرتے تھے۔ ۱۹۹۹ء میں آخری مرتبہ شیخ العرب والعجم علامہ سید بدیع الدین شاہ صاحب راشدی رحمہ اللہ کی طرف سے میں نے حج بدل کیا اس کے بعد خواب میں ملاقات ہوئی تو نہایت خوش تھے ایک مرتبہ خواب میں دیکھا تو نماز پڑھ رہے تھے۔ ”الحمد لله على ذلك“

قلبت وقت اور عدیم الفرستی کی بناء پر اس پر ہی اکتفا کرتا ہوں اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند فرمائے اور جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔ ان کی حسنات کو قبول عام بخشے اور ان کے صدقہ جاریہ کو دوام بخشے۔ آمین ثم آمین۔



سید بدیع الدین شاہ راشدی رحمۃ اللہ علیہ

بحیثیت داعی و مربی

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے

بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

دنیا میں آنا درحقیقت آخرت کی طرف رخت سفر باندھنے کی تمہید ہے اس عالم رنگ و بو میں آنے والے ہر نفس نے بالآخر موت کے جام کو پینا اور قبر کے دروازہ سے داخل ہونا ہے یہ ایک ایسا اٹل قانون قدرت ہے جس سے کسی کو اختلاف نہیں یہ حقیقت روز و روشن سے زیادہ واضح ہے اور ہم روز اپنی آنکھوں سے اس کا مشاہدہ کرتے ہیں کہ یہ دنیا اور یہ تمام چمک دمک محض ایک جلوہ سراب ہے لیکن اس کے باوجود ہم دنیا اور اس کی رنگینیوں میں اس قدر کھوپچے کہ باید و شاید۔ آج نگاہوں کو خیرہ کرنے والے شان و شکوہ کے قصر زرنگار مال و دولت کے انبار مئے و مینا شاہد و شراب ہی انسان کا معنہائے مقصود ہو کر رہ گئے ہیں اور عاقبت کو فراموش کر دیا گیا ہے۔ اکبر الہ آبادی نے کہا تھا۔

موت کو بھول گیا دیکھ کر جینے کی بہار

دل نے پیش نظر انجام کو رہنے دیا

اگر ہم اس دنیا کا بغور جائزہ لیں تو یہ ہمیں ایک مرقع عبرت افسانہ حسرت اور آئینہ حیرت کے روپ میں نظر آئے گی دنیا کی سطح پر جن عظیم بادشاہوں نے جاہ و جلال کے جلوے دکھائے وہ بھی چل بے جن لوگوں نے دنیا کے آرائش و زیبائش کو چار چاند لگائے وہ بھی نہ رہے وہ اہل کمال جن سے استفادہ اور کسب فیض کرنے کے لیے ایک دنیا ان کے پاس آتی تھی وہ بھی رخصت ہو گئے اور اس زمین کے تختہ پر اللہ تعالیٰ کے سب سے پیارے انسان انبیاء کرام بھی چل بے۔ لیکن ان جانے والوں میں کچھ انسان ایسے بھی ہوتے ہیں

☆ مدیر و مدرس مدرسہ نور الاسلام الحمد یہ الحمد یہ سنہری کھوئی تھری پارکر، فاضل دارالحدیث الحمد یہ جلاپور چیروالہ

جن کے متعلق کہنا پڑتا ہے۔

پی گئی کتنوں کا لہو تیری یاد
غم تیرا کتنے کیلجے کھا گیا

ان نہ بھولنے والی شخصیتوں میں سید بدیع الدین شاہ الراشدی رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت بھی ایک ہے سید بدیع الدین الراشدی کسی شخصیت کی تعارف کی محتاج نہیں لیکن مثنیٰ از خردوارے شاید کہ یوسف کے خریداروں میں نام آجائے کچھ لکھنے کی جسارت کرتا ہوں۔

راشدی خاندان کے اس مایہ ناز فرزند کی ولادت اپنے آبائی گاؤں فضل اللہ شاہ (قدیم جھنڈہ والا) تحصیل ہالاضلع حیدرآباد میں ایک علمی خاندان کی عظیم شخصیت سید احسان اللہ شاہ بن رشد اللہ شاہ بن رشید الدین شاہ بن سید یاسین شاہ بن راشد شاہ الراشدی کے گھر میں ۱۰ جولائی ۱۹۲۵ء کو ہوئی۔

سید یاسین شاہ صاحب کو اپنے بڑوں سے کابل کے حکمرانوں کی طرف سے ملا ہوا اسلامی جھنڈا وراثت میں ملا تھا اس لیے انہیں پیر سائیں جھنڈہ والا کہتے تھے اس وقت سے راشدی خاندان کی اس شاخ کو جھنڈے والے پیر کہا جاتا ہے۔ اس خاندان پر اللہ تعالیٰ کا خاص فضل ہونے کی بناء پر انتہا درجہ کی علمی شخصیات پیدا ہوئیں حدیث مبارک میں آیا ہے:

مَنْ يُرِدِ اللَّهُ بِهِ خَيْرًا يُفَقِّهْهُ فِي الدِّينِ (صحیح بخاری)

جن کے ساتھ اللہ تعالیٰ بھلائی کا ارادہ رکھتا ہے انہیں دین کی سمجھ دیتا ہے۔ (کتاب العلم رقم ۱)

آپ کے پڑدادے سید محمد راشد شاہ جو کہ چھٹی پشت میں ہیں جنہیں روضہ دہنی کہا جاتا تھا اس وقت سے پشت در پشت آپ کے خاندان میں عالم فاضل اہل اللہ پیدا ہوئے شاہ صاحب کے دادا رشید اللہ شاہ نے اپنے گوٹھ میں دارالرشاد کی بنیاد ڈالی جس میں دوسرے علوم کے علاوہ علم حدیث کی خصوصی تعلیم دی جاتی تھی جو کہ آج تک قائم ہے آپ کا مکتبہ برصغیر کے عظیم مکتبوں میں شمار کیا جاتا ہے۔

ہمارے شیخ بدیع الدین الراشدی رحمۃ اللہ علیہ کو علمی خاندان میں آنکھ کھولنے کی وجہ سے علم کو پایہ تکمیل تک پہنچانے میں بڑا موقع ملا جس کے نتیجہ میں آپ نے تحریر و تقریر خواہ مناظرہ میں انتہائی کمال حاصل کیا۔

اس وقت میں آپ کے ایک پہلو سید بدیع الدین شاہ صاحب بحیثیت داعی و مربی پر روشنی ڈالوں گا۔

داعی کی حیثیت و اہمیت

داعی اور مبلغ کی اللہ تعالیٰ کے ہاں کیا قدر و قیمت اور کیا شان و رفعت ہے اس کا اندازہ قرآن مجید کی اس آیت سے لگائیں:

وَمَنْ أَحْسَنُ قَوْلًا لِّمَنْ دَعَا إِلَى اللَّهِ وَعَمِلَ صَالِحًا وَقَالَ إِنِّي مِنَ الْمُسْلِمِينَ

(حم السجده: ۳۳)

اس شخص سے اچھا کون ہو سکتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف بلائے اور نیک عمل کرے یہ کہے کہ میں مسلمان ہوں۔

خیبر کے دن رسول اکرم ﷺ نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو جھنڈا عطا کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

قَوْلَ اللَّهِ لَآن يَهْدِيَ اللَّهُ بِكَ رَجُلًا وَاحِدًا خَيْرٌ لَّكَ مِنْ أَن يَكُونَ لَكَ حُمْرُ النَّعَمِ

(صحیح بخاری کتاب المغازی باب غزوہ خیبر رقم الحديث ۴۶۱۰ صحیح مسلم باب فضائل علی بن ابی طالب رقم ۲۴۰۶)

اے علی سیدھے جا کر پہلے انہیں اسلام کی دعوت دینا حقوق اللہ سے آگاہ کرنا اللہ کی قسم اگر تیری اس داعیانہ کوشش کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کسی ایک بندے کو ہدایت دے دے یہ تیرے لئے سرخ رنگ کے اونٹوں کے حصول سے زیادہ بہتر ہے۔

تو داعی کی قرآن و حدیث میں بڑی فضیلت آئی ہے اور جب سے یہ عالم رنگ و بو وجود میں آیا ہے تب سے داعی و مربی کا سلسلہ اس کے ساتھ جزو لاینفک کی طرح جڑا ہوا ہے اور اس فانی دنیا کے خاتمے تک جاری و ساری رہے گا اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے ابتدائی آفرینش سے لے کر آخری پیغمبر کی آمد سے قبل تک ہر دور میں مختلف علاقوں میں اپنے داعی پیغمبروں کی شکل میں بھیجے تاکہ دنیا والوں کو ان کی زندگی کا مقصد اور دنیا میں رہنے کے لائحہ عمل کی یاد دہانی کرواتے رہیں جس کا وعدہ کر کے انسان دنیا میں آیا ہے۔

اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے دنیا والوں کے لئے سب سے پہلے داعی جناب آدم علیہ السلام تھے آخری داعی جناب خاتم النبیین ﷺ تھے جن کے بعد اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے داعیوں کو پیغمبروں کی صورت میں بھیجنا بند کر دیا

اور دنیا والوں کو بتا دیا اب کوئی نبی نہیں آئے گا ہاں البتہ اس کی روشن و شفاف اور پاکیزہ تعلیمات کے حامل اور عامل علمائے امت محمدیہ آخری رسول کے وارث ہوں گے۔ العلماء و رثة الانبیاء (ترمذی کتاب العلم رقم ۲۶۸۲) کی سند حاصل کرنے کے بعد اب لوگ داعی بن کر اس ورثے کو امت میں ہر فرد کے پاس پہنچائیں گے۔

رسول اکرم ﷺ کی وفات کے بعد پیغمبر آخر الزماں کے تیار کردہ داعی و دعوت و جہاد کا علم اٹھا کر پوری دنیا میں پھیل گئے انہوں نے پوری دنیا میں جہاد کے ساتھ داعوت الی اللہ کے فریضے کا حق اس طرح ادا کیا جس طرح ادا کرنے کا حق تھا نتیجتاً دیکھتے ہی دیکھتے اسلام کا پرچم چار داگ عالم چھا گیا۔

باب الاسلام سندھ کی سرزمین کو بھی یہ سعادت حاصل ہے کہ پہلی صدی ہجری سے ہی مسلمانوں نے اس سرزمین پر قدم رکھا اسلام کے امن اور سلامتی کا جھنڈا لہرایا یہ وہ سرزمین ہے جس نے علم و فضل کے وہ ستارے پیدا کیے جو اندھیروں میں بھٹکے ہوئے انسانوں کے لئے مشعل راہ کا کام دیتے تھے سندھ کے علماء فضلاء محدثین و مفسرین کی تفصیل میں جانے کے لیے دفاتر درکار ہیں ان عظیم شخصیتوں میں سید بدیع الدین شاہ الراشدی نور اللہ مرقدہ کی شخصیت صف اول میں نظر آتی ہے جنہوں نے اپنے کامل و اعیانہ مربیانہ اوصاف کے ذریعے وہ کاوش و جدوجہد کی کہ ان کی دعوت کے ذریعے کتنے ہی گمراہی کے گڑھوں میں گرے ہوئے انسان ہدایت کے راستہ پر آ گئے ان کی محنت سے داعیوں اور مربیوں کی ایک خالص موحد جماعت تیار ہو گئی جو تاقیامت ان کے لیے صدقہ جاریہ کا موجب بنی رہے گی۔ ان شاء اللہ۔

آپ کی دعوت کو دو حصوں سے منسلک کیا جاسکتا ہے۔ ایک جہاد باللسان اور دوسرا جہاد بالقلم

جہاد باللسان

اپنے بھی خفا مجھ سے بیگانے بھی ناخوش
میں زہر ہلاہل کو کبھی کہہ نہ سکا قد

جیسا کہ شاہ صاحب کے خاندان اور بزرگوں کا شعار تھا اور اعلائے کلمۃ الحق سنت رسول اللہ ﷺ کا احیاء شرک و بدعت کی بیخ کنی اسلام کی سر بلندی و تبلیغ آپ نے بھی اسی کو اختیار کرتے ہوئے اس کا پورا حق ادا کیا۔

اس وقت میں اعتقادات کی کمزوری اور شرک و بدعت کا زور کیسا تھا اس کی تصویر کچھ اس طرح تھی کہ اس معاشرتی اور اخلاقی پستی سے زیادہ خطرناک اور اللہ تعالیٰ کی نصرت سے محروم حقیقی طاقت سے عاری کرنے والی خرابی ضعیف الاعتقادی مسلم معاشرہ میں بدعات کا زور ہندوؤں اور شیعوں کے بہت سے عادات و رسوم کی تقلید تھی شرک جلی کی ایسی متعدد صورتیں پائی جاتی تھیں جن کی کوئی علمی توجیہ ممکن نہیں تھی ہوتی قبر پرستی مشائخ کی سجدہ تعظیمی اور مزارات کا حرم کی طرح احترام قبروں پر چادریں چڑھانا منقش ماننا بزرگوں کے نام پر قربانیاں کرنا میلہ لگانا فاشی عربیاتی تقلید شخصی وغیرہ ان تمام برائیوں کے خلاف شاہ صاحب نے جرأت و ہمت اور حکیمانہ طریقہ سے بڑا مقابلہ کیا یہ مانتے ہیں کہ کلی طور پر ان برائیوں کا خاتمہ کرنا تو ان کے بس کی بات نہیں لیکن یہ ضرور تھے کہ آپ کی محنت سے ایک ایسی منظم جماعت تیار ہو گئی ہے جو ان برائیوں سے نہ صرف نفرت کرتی ہے بلکہ ان سیاہ کاریوں کے خلاف ہر وقت جہاد باللسان اور جہاد بالقلم کے ذریعہ ہمہ تن مصروف ہے۔ آپ کی تبلیغ و خطابت میں اللہ تعالیٰ نے وہ اثر رکھا تھا کہ جہاں ایک دفعہ آپ جاتے وہاں کے ہر فرد کی یہ تمنا ہوتی ایک دفعہ اور آپ کی تقریر سننے کا موقع مل جائے تاکہ اپنے دل کو ایمان کے نور سے متور کر سکیں۔

دلوں کو کرتی تھی تسخیر گفتگو اس کی

ہر ایک شخص کو رہتی تھی آرزو اس کی

یہ اثر فقط اخلاص کی وجہ سے للہیت کی وجہ سے تھا آپ کسی غیر شرعی کام کو دیکھ کر تڑپ جاتے تھے بے باکانہ دلیری سے فوراً اسی جگہ پر ٹوکتے تھے اور: لَا يَخَافُونَ لَوْمَةَ لَائِمٍ کی زندہ تصویر بن جاتے تھے اور بعینہ اس حدیث کا مصداق بن جاتے تھے جس میں آیا ہے کہ نبی ﷺ جب خطبہ فرماتے آپ کی صورت اس طرح ہو جاتی

كَأَنَّهُ مُنْذِرُ جَيْشٍ يَقُولُ صَبِّحْكُمْ أَوْ مَبْسِئَكُمْ گویا آپ کسی لشکر سے ڈرا رہے ہوں کہ صبح کو یا

شام تم پر وہ لشکر حملہ آور ہو سکتا ہے۔ (صحیح مسلم ج ۱ ص ۲۸۴)

شاہ صاحب رحمہ اللہ بعینہ اسی طرح اپنے سامعین کو نبی اکرم ﷺ کی سنت پر عمل کرتے ہوئے ڈرایا

کرتے تھے عمل میں کوتاہی پر دکھ کا اظہار فرماتے ہوئے سامعین کو تڑپا دیتے تھے مجھے وہ شاہ صاحب کی کیسٹ سے سنے ہوئے الفاظ یاد آتے ہیں سیالکوٹ کی ایک کانفرنس کے موقعہ پر فرمایا میرے جتنے بھی بیٹے ہیں سب مرجائیں مجھے اتنا دکھ نہ ہوتا جتنا آج مجھے اہل حدیث کی کانفرنس میں اس تصویر سازی پر ہوا ہے۔ وہ تمام اوصاف جو ایک داعی کے لیے ضروری ہوتے ہیں وہ تمام اوصاف بدرجہ اتم سید بدیع الدین کے اندر موجود تھیں سب سے پہلی بات جو ایک داعی کے لیے ضروری ہے وہ ہے

داعی کی پہلی صفت علم

کتاب اللہ اور سنت صحیحہ کے مطابق علم پر کما حقہ حاوی ہونا کیونکہ بلا علم دعوت دینا جہالت کی دعوت دینا ہے اور جہالت کی دعوت کا نقصان اس کے نفع سے بڑھ کر ہے علم کے بغیر دعوت دینا نبی اکرم ﷺ اور صحابہ کے طریقہ کے خلاف ہے۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

قُلْ هَذِهِ سَبِيلِي أَدْعُو إِلَى اللَّهِ عَلَى بَصِيرَةٍ أَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِي (يوسف: ۱۰۸)

تو جب داعی الی اللہ کا زاد راہ صحیح علم ہوگا جو کہ کتاب اللہ اور سنت رسول پر مبنی ہو تو یہی بات شرعی نصوص کی رو سے مطلوب و مقصود ہے اور یہی بات واضح عقلی دلائل کی جان ہے کیونکہ اس میں شبہات و شہوات کی آمیزش نہیں ہوتی۔

شاہ صاحب کو اللہ تعالیٰ نے کامل علوم پر دسترس عطا فرمائی تھی خصوصاً قرآن و حدیث اسماء الرجال اور ان کے متعلقہ علوم پر اللہ تعالیٰ نے وہ فوقیت عطا فرمائی تھی کہ بڑے بڑے علماء محدث ان کے سامنے زانوئے تلمذ ہونے کو اپنے لیے شرف سمجھتے تھے۔ بحوالہ بدیع التفاسیر ج ۱۰ از اسلم سندھی ایک دفعہ حرم شریف میں آفریقہ کے پسماندہ ریاست مالی کے شہری دوست ابو مریم سے پوچھا کیا آپ شیخ بدیع الدین کو جانتے ہو جواب دیا وہ کون سا اہل حدیث ہے جو شیخ بدیع الدین کو نہ جانتا ہو اس وقت مجھے اور زیادہ حیرت ہوئی جب ایک یمنی دوست سے سنا کہ علامہ مقبل بن ہادی الوداعی الیمانی رحمہ اللہ نے کتنی دفعہ ارادہ کیا کہ وہ جائیں اور شیخ بدیع سے صحیح بخاری کے کچھ مشکل ابواب اور کچھ چیزیں پڑھ کر آئیں جب کہ اُس وقت شیخ مقبل کے پاس دو ہزار طالب علم پڑھا کرتے تھے جن میں اکثر بخاری کے طالب علم تھے۔ (بدیع التفاسیر ج ۱۰)

محمد عبدالہادی العمری اپنا مشاہدہ فرماتے ہیں کہ برہنگم کے ایک اجتماع میں شیخ محمد بن اسماعیل جو مصر کے مشہور سلفی تنظیم انصار سلسلہ الحمدیہ کے روح رواں ہیں وہ اور مختلف اہل علم عرب حضرات جمع تھے وہ شاہ صاحب کے سامنے اس طرح بیٹھے مسائل دریافت کر رہے تھے جیسے ایک بار عرب استاد کے روبرو عقیدہ تمند شاگرد بیٹھے ہوئے ہوں اور نماز کا وقت آ گیا تو کیا مجال کہ شاہ صاحب کی موجودگی میں کوئی امامت کرائے اور برہنگم میں منعقد ایک کانفرنس میں شرکت کے لئے جب شاہ صاحب کانفرنس ہال میں داخل ہوئے تو امام کعبہ شیخ ڈاکٹر صالح بن حمید نے کھڑے ہو کر ان کے لئے اپنے قریب جگہ بنائی اور کہتے رہے ایک زیادہ علم والے کے سامنے میں کیا ہوں یوں تو شاہ صاحب کے عرب و عجم میں شاگردوں کی تعداد سینکڑوں سے متجاوز ہے جن میں بعض کو اللہ تعالیٰ نے بڑے اونچے مقام پر فائز کیا ہے جن میں ائمہ حرم میں شیخ عمر السبیل شاہ صاحب کے براہ راست شاگرد ہیں اور مدینہ یونیورسٹی کے کچھ اساتذہ نے شاہ صاحب سے روایت حدیث کی اجازت حاصل کی ہے۔ (رموز راشدیہ ص ۸ منقول از صراط مستقیم برہنگم)

تو آپ کے علم معرفت دانشمندی پر سوچتے ہوئے بے اختیار زبان پر یہ لفظ آ جاتے ہیں۔

نفاست کا تھا پیکر علم و حکمت کا خزانہ تھا

وہ اپنی ہر ادا میں منفرد تھا یگانہ تھا

داعی کی دوسری صفت صبر

دعوت کے میدان میں ہر داعی کو بڑی مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے اس کے آگے رکاوٹوں جھگڑوں مشکلات کے پہاڑ کھڑے کر دیئے جاتے ہیں اپنوں کی مخالفت غیروں کی دل آزاری مالی مشکلات سفری مشکلات کے مصائب غرض ہر طرح کے مصائب آتے ہیں ان تمام مصائب پر صبر کرتے ہوئے دعوت الی اللہ پر ڈٹا رہنا انبیاء کی سنت ہے۔

دعوت کے میدان میں انبیاء پر بڑی تکالیف آئیں کہیں نوح علیہ السلام کے بارے میں کہا جا رہا ہے:

قَالُوا لَئِنْ لَمْ تَنْتَهِ يَا نُوحُ لَتَكُونَنَّ مِنَ الْمَرْجُومِينَ (الشعراء: ۱۱۶)

اے نوح اگر تم تبلیغ سے باز نہ آئے تو پھر سنگسار کر دیئے جاؤ گے۔

کہیں ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں کہا جا رہا ہے:

حَوْفُوهُ وَانصُرُوا آلِهَتَكُمْ إِن كُنتُمْ فَاعِلِينَ (الانبیاء: ۶۸)

قوم کے لوگوں نے کہا اگر تمہیں کچھ کرنا ہی ہے تو اس ابراہیم کو آگ میں جلاؤ اور اپنے معبودوں کی

مدد کرو۔

کہیں فرعون موسیٰ علیہ السلام کو قتل کی دھمکی دے رہا ہے۔

ذَرُونِي أَقْتُلْ مُوسَى وَلْيَدْعُ رَبَّهُ (الغافر: ۲۶)

چھوڑو مجھے میں اس موسیٰ کو قتل کیے دیتا ہوں اور پکار دیکھے یہ اپنے رب کو۔

ادھر انبیاء کے امام خاتم الرسل بنی آدم کے سردار جناب محمد رسول اللہ ﷺ کے بارے میں فرمایا:

وَإِذْ يَمْكُرُ بِكَ الَّذِينَ كَفَرُوا لِيُثْبِتُوكَ أَوْ يُبْتَغُواكَ أَوْ يَخْتَلِفُوكَ وَيَمْكُرُونَ

وَيَمْكُرُ اللَّهُ وَاللَّهُ خَيْرُ الْمَاكِرِينَ (الانفال: ۳۰)

اور اے رسول اس وقت کو یاد کیجئے جب کافر آپ کے لئے خفیہ تدبیریں کر رہے تھے یا تو آپ کو قید

کردیں یا قتل کردیں یا جلاوطن کردیں وہ اپنی تدبیریں کر رہے تھے اللہ اپنی تدبیر کر رہا تھا اور اللہ سب سے بہتر تدبیر

کرنے والا ہے۔

انبیاء کی سنت پر عمل کرتے ہوئے شاہ صاحب نے دعوت کے میدان میں آنے والے ہر مصائب و

آزمائش پر صبر کا مظاہرہ کیا اور دعوت کے میدان میں ڈٹے رہے بلاشبہ آپ کی ہمت و جفاکشی کو سلام کیا جاسکتا

ہے۔ ذیل میں چند واقعات درج ہیں جن سے شاہ صاحب کی محنت کا اندازہ اور آنے والی تکالیف میں صبر کا

اندازہ کیا جاسکتا ہے۔

شاہ صاحب نے خود ہی اپنے انٹرویو میں ان واقعات کی طرف اشارہ کیا ہے:

① آج سے پہلے دس بارہ سال کی بات ہے کہ میہڑ ضلع دادو میں صرف ایک اہل حدیث تھا ہم ضلع

لاڑکانہ کے دورے پر تھے کہ اس وقت ایک جماعتی نے مطالبہ کیا کہ ہم میہڑ جائیں پھر ہم وہاں

پہنچے رات کو تقریر شروع ہوئی جو خالص توحید پر اور وسیلہ کے رد میں تھی ابھی ایک گھنٹہ ہی گزرا کہ

ایک سید جو شہر کا چیمبر مین تھا بڑا تاتا ہوا سیدھا میرے پاس آیا پہلے مجھے دبایا پھر آگے سے لاؤڈ اسپیکر بند کر دیا اور اعلان کیا کہ یہاں کوئی جلسہ نہیں ہو سکتا ہمارے پاس سوائے خاموشی کے کوئی چارہ نہ تھا چند ہی دنوں میں اللہ تعالیٰ نے اس سے انتقام لیا ایک بڑے جرم میں گرفتار ہو کر جیل چلا گیا اور اقرار کرتا رہا کہ میں نے تقریر سے روکا جس میں قرآن پڑھا جا رہا تھا اس کی مجھے سزا ملی ہے۔

دعوتی سفر

دعوت کے میدان میں پاکستان کو چھوڑ کر کتنے ہی غیر ممالک کا آپ نے دورہ کیا آپ کو کئی دفعہ حج کی سعادت نصیب ہوئی جب بھی آپ اس سفر خیر میں گئے مکتہ المکرمۃ اور مدینہ منورہ میں مخصوص آپ کے پروگرام رکھے جاتے تھے حرمین کے علاوہ سعودی عرب کے کتنے ہی شہروں گوٹھوں کا دورہ ہوا جدہ نخیل شقہ حائل وغیرہ شہروں میں پروگرام ہوئے اس کے علاوہ کویت مصر شام سوڈان سے جماعتیں پروگرام میں آتی تھیں ریاست عمان کا دورہ کیا شارجہ دوبئی ابوظہبی خورفکان عمان شہروں میں تقریریں کی یورپ میں بھی اور انگلینڈ میں ڈربی شائر میں ایک بڑا گرجا گھر مسلمانوں نے خرید کیا وہاں خطبہ دیا بڑا جلسہ ہوا۔ ہندوستان کا بھی دورہ کیا۔ (اقتباسات از رموز راشدہ)

پاکستان کے توچہ چپہ پر آپ نے تبلیغ کے دورے کیے ہر شخص کی یہ تمنا رہتی تھی کہ شاہ صاحب ہمیں ٹائم دیں جہاں کے لئے آپ نے ٹائم دے دیا وہاں منتظمین کو یہ یقین رہتا تھا شاہ صاحب ضرور آئیں گے کیا کچھ ہو جائے وعدہ ضرور پورا کریں گے آج کل کے علماء کی طرح نہیں جو آخر وقت تک منتظمین کو یہ ڈر رہتا ہے نہ معلوم فلاں مقرر نہ پہنچے پورا پروگرام خراب ہو جائے شاہ صاحب وعدہ پر ضرور پہنچتے تھے ہمارا علاقہ تھرپاکر جو آج کل تو سفری لحاظ سے کچھ سہولتیں پاچکا ہے لیکن شاہ صاحب کے وقت میں سفر کے لحاظ سے یہ علاقہ اتنا مشکل تھا کہ معمولی منزل پر پہنچنے کے لیے بھی دو تین دن قربان کرنے پڑتے تھے دوران سفر اگر کسی جنگل میں فور ویل گاڑی خراب ہو جاتی تو ڈرائیور اور کلینڈر پر تو ویسے ہی مصیبت آ جاتی تھی کہ اس کا ٹائر خراب ہو گیا تو وہ اگر کوئی اور پرزہ خراب ہو جاتا تو وہ کندھے پر اٹھا کر شہر کو جاتے بنا کر واپس ایک دن بعد آ کر

لگاتے تب تلک مسافروں کا بیڑہ غرق ہو جاتا تھا کئی دفعہ کتنے ہی مریض ڈاکٹر تک نہ پہنچنے کی وجہ سے اجل کا شکار ہو گئے۔

ان سفری مشکلات کے باوجود شاہ صاحب کی تھر پارکر کے باشندوں پر خاص نظر عنایت تھی کافی جگہوں پر پروگرام کیے چھا چھرو تحصیل کے گاؤں چھوڑ میں اُس وقت ایک اہل حدیث تھا اس نے شاہ صاحب کو دعوت دی وہاں آپ پہنچنے کنواں بھی دیا مسجد بھی منظور کر گئے آج اس گاؤں کی اکثریت اہل حدیث ہے یہ گاؤں اتنا دور ہے کہ ہم تھر میں رہنے والے بھی کافی دفعہ دعوت ملنے کے باوجود فقط ایک دو دفعہ شریک ہو سکے ہیں اس کے علاوہ وہ تھر کے گاؤں گاؤں میں پہنچے ہیں ہمارے گاؤں سینھری کھوئی تھر پارکر میں بھی شاہ صاحب دو دفعہ جلسہ کے سلسلہ میں اور ایک دفعہ میری اور بھائی عبدالرزاق کی شادی کی دعوت پر تشریف لائے تھے آج تک اپنے دوستوں میں اس سعادت پر خوشی کا اظہار کرتے ہیں کہ ہمارا نکاح شاہ صاحب نے پڑھایا تھا۔ ذالک فضل اللہ یؤتہ من یشاء

ہمارے گاؤں سینھری کھوئی میں مدرسہ نور الاسلام چھوٹے پیمانے پر تو والد صاحب مرحوم نے شروع کیا تو لیکن باقاعدہ طور پر درس نظامی حفظ و ناظرہ کی ترتیب کے ساتھ اجراء یقیناً شاہ صاحب کے مرہونِ منت ہے جس سے آج تک ۲۵ حفاظ کرام اور ۱۹ علمائے کرام سند فراغت حاصل کر کے مختلف علاقوں میں دینی خدمات سر انجام دے رہے ہیں یقیناً ہم سب کے لئے خصوصاً شاہ صاحب مرحوم اور والد صاحب مرحوم کے لیے صدقہ جاریہ کا سبب بنے ہوئے ہیں ان شاء اللہ۔

تھر پارکر کے سفر کے سلسلہ میں شاہ صاحب کے ایک سفر کا ذکر نہ کرنا یقیناً نا انصافی ہوگی ہمارے ضلع تھر پارکر کے امیر محترم حافظ محمد کھٹی صاحب رحمہ اللہ نے جو کہ ڈیپلو شہر میں رہائش پذیر ہیں شاہ صاحب کو اپنے بیٹے کی شادی کی دعوت دی ہمیں بھی دعوت ملی ہمارے گاؤں اور ڈیپلو شہر کا فاصلہ ۲۸ اٹھائیس کلومیٹر ہے اچانک دعوت کے دن اتنی بارش ہوئی کہ ہمارے لیے نکلنا بڑا مشکل ہو گیا جب کہ ہم فقط اٹھائیس کلومیٹر پر تھے لیکن شاہ صاحب اس بارش میں سعید آباد سے نوں کوٹ تک پہنچتے ہیں شہر کے دوسرے کنارے حافظ صاحب کی گاڑی کھڑی تھی لیکن درمیان میں اتنا پانی تھا کہ کار کا نکلنا مشکل تھا آخر کار ایک بڑا کیکڑا لایا گیا اس پر چڑھ کر

پانی سے گزرتے ہوئے دوسری طرف پہنچتے ہیں وہاں سے حافظ صاحب کی گاڑی میں چڑھ کر وعدہ کے مطابق شادی میں پہنچتے ہیں۔

اولئک آبائی فجئنی بمثلهم اذا جئتنا یا جریر المجمع

جہاد بالقلم

تقریر کے ہنگام امدت ہو دریا
تحریر کے دوران صد قلزم ذخار

شاہ صاحب جہاں بڑے دینی سماجی مصلح تھے شعلہ بیان مقرر و واعظ و خطیب تھے تو دوسری طرف بڑے عالم فاضل ممتاز مصنف اور عربی فارسی کے صاحب طرز ادیب بھی تھے آپ کی تصانیف کی تعداد دو صد کے لگ بھگ پہنچتی ہے۔ جن میں پچاس کے قریب عربی کی تصانیف ہیں باقی اردو اور سندھی میں تصانیف ہیں ان تمام تصانیف میں سندھی میں تفسیر بدیع التفاسیر بڑی اہمیت کی حامل ہے جس میں ہر مسئلہ کو کھول کر تفصیل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ صحیح احادیث کا التزام کیا گیا ہے آیات مبارکہ پر کیے گئے اعتراضات کا بھرپور جواب دیا گیا ہے مثلاً سوامی دیانند تال پر کاش اسی طرح عیسائیوں نے اعتراضات کئے ہیں ان اعتراضات کو بیان کر کے تفصیل کے ساتھ جواب دیئے گئے ہیں تو یہ ایک عظیم تصنیف ہے لیکن افسوس کہ آپ اسے مکمل نہ کر سکے کہ پیغام اجل آپہنچا دعا ہے اللہ تعالیٰ ایسا مرد مجاہد پیدا کرے جو اسی طرز پر اس تفسیر کو پایہ تکمیل تک پہنچائے۔ آمین۔

رحلت

موت ایک اٹل حقیقت ہے جس سے کسی کو مفر نہیں بولے سینا ایسے حکیم کو بھی کہنا پڑا۔

از قعر گل سیاہ تا اوج زطل
کر دم ہمہ مشکلات گیتی راحل
بیروں جستم ز قید ہر مکر و حیل
ہر بند کشادہ شد مگر بند اجل

كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ اس ازلی وابدی قانون کے تحت گلشن اہل حدیث کے یہ پھول موجودہ دور کے ولی کامل موجودہ دور کے امام بخاری و امام ابن تیمیہ عالم اسلام کی یہ عظیم ہستی اپنے ہزاروں شاگردوں اور

لاکھوں معتقدین کو داغ مفارقت دے کر ۸ راتھ جنوری ۱۹۹۶ء کو داعی اجل کو لبیک کہہ کر اپنے خالق حقیقی سے جا ملے۔

نُورَ اللّٰهِ مُرَقَّدَةً وَجَعَلَ الْمَجَنَّةَ مَنَوَاةً

چاک کے تقدیر کو ممکن نہیں کرنا رُفُو
سوزنِ تدبیر ساری عمر گو سیتی رہے
آپ کی وفات کی خبر بجلی کی طرح پاک و ہند اور پوری دنیا میں پھیل گئی آپ کی فوتگی کی اطلاع جس
جس نے سنی سراسیمہ رہ گیا آپ کے مخالفین و اعداء نے بھی رنج و افسوس کا اظہار کیا سچ ہے مَوْتُ الْعَالَمِ مَوْتُ
الْعَالَمِ ایک عالم اسلام کی موت سارے جہاں کی موت ہوتی ہے عالم بھی ایسا جو باعمل سنت نبوی کا شیدائی
جس نے نصف صدی سے زائد عرصہ تک دین مقدس ملت حنیف کی خدمت کی تمام عالم اسلام اس کے لیے
کیوں سوگوار نہ ہوتا۔ آہ!

قوم کا اک چراغ تھا نہ رہا
ایک عالی دماغ تھا نہ رہا



آیہ من آیات اللہ سید راشدی رحمۃ اللہ علیہ

کئی ایسی خوش نصیب خوش قسمت نیک نام نیک بخت ہستیاں ہوتی ہیں کہ جب وہ جہان فانی سے کوچ کر کے جہان دائمی میں جاتی ہیں اور وہ موت العالم موت العالم کے مصداق ہوتی ہیں۔ چنانچہ ان عظیم ہستیوں میں سے اس دور کی ایک عظیم ہستی شیخ العرب والعجم مفسر قرآن محدث الکبیر عالم شہیر حضرت علامہ سید ابو محمد بدیع الدین شاہ رحمہ اللہ بھی ہیں۔ سید احسان اللہ شاہ رحمہ اللہ کے گھر ۱۰ جولائی ۱۹۲۵ء، ۱۸ ذوالحجہ ۱۳۴۳ھ کو گوٹھ فضل اللہ شاہ موجودہ گوٹھ قدیم پیر آف جھنڈا تحصیل ہالاضلع حیدر آباد سندھ میں پیدا ہونے والے گوہر نایاب فرزند ارجمند نے اپنی پوری زندگی کو علم دین کے حصول اور پھر اس کی اشاعت میں کھپا دیا۔ تادم حیات دنیا سے مستغنی رہے اور خالصتاً لوجہ اللہ دین اسلام کی خدمت میں ہمہ تن مصروف رہے۔ آپ

إِنَّ صَلَاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ

کی حقیقی تصویر تھے۔ علمی میدان میں آپ نے جو کام کیا وہ اہل علم کے سامنے ریت میں کندن کی طرح عیاں ہے۔ آپ مسلک اہل حدیث کے ترجمان تھے۔ چنانچہ جس نے بھی مسلک حقہ کے خلاف زبان یا قلم استعمال کیا تو آپ نے حکمت اور موعظہ حسنہ سے دفاع کیا اور معاندین و مخالفین کو تحریری و تقریری طور پر عالمانہ محدثانہ انداز میں عقل و نقل سے ایسے مسکت و مدلل جوابات دیئے کہ مسلک اہل حدیث کی حقانیت واضح ہوگئی اور فریق مخالف میں جواب دینے کی سکت نہ رہی یا اٹھائے گئے نکات کے صحیح طریق سے جوابات نہ دے سکے اور ملاں آں باشد کے چپ نہ شود کے مصداق بن گئے۔ اگر کسی کو شک و تردد ہو تو موصوف رحمہ اللہ کی کتب کا مطالعہ کر کے حق و حقیقت کو اپنی بصارت و بصیرت کی آنکھ سے دیکھ سکتا ہے۔ مجھے سو فیصد یقین ہے کہ جو بھی انصاف پسند اور تعصب سے ہٹ کر ان کتابوں کا مطالعہ کرے گا وہ نہ صرف حضرت راشدی رحمہ اللہ کی تبحر علمی کا ہی معترف نہیں ہوگا بلکہ مخالفین کی خیانتوں کا بھی معترف ہوگا اور پورے مسلک اہل حدیث کی

حقانیت اور صحت کو تسلیم کیے بغیر نہیں رہ سکتا۔ ذلک فضل اللہ یؤتہ من یشاء لیکن یہ علم و عمل کا آفتاب و ماہتاب سرزمین سندھ نیو سعید آباد میں ۸ جنوری ۱۹۹۶ء، ۱۶ شعبان ۱۴۱۶ھ کو اکہتر برس کی عمر میں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے غروب ہو گیا۔

کل من علیہا فان ویبقی وجہ ربک ذوالجلال والاکرام

حضرت شاہ رحمۃ اللہ علیہ سندھ کے ایک ممتاز و محترم راشدی خاندان کے چشم و چراغ بلکہ اس کے گل سرسبد تھے۔ جہاں اللہ تعالیٰ نے ان کو خاندانی شرف و وجاہت عطا فرمائی تھی۔ وہاں علم و فضل کی خوبیوں تقفہ اور استنباط کی بہترین صلاحیتوں، دعوت و تبلیغ کے ولولوں اور جذبول تصنیف و تالیف کے سلیقے، نقد و تحقیق کے اعلیٰ ذوق، قوت حافظہ اور اخلاق کردار کی رفعتوں سے بھی نوازا تھا۔ ان خوبیوں نے انہیں مجموعہ صفات اور مجمع کمالات بنا دیا تھا۔

اسی لئے تو بڑے بڑے جید علمائے کرام رحمۃ اللہ علیہ آپ کی علمی شان اور قدر و منزلت کے معترف تھے۔ چنانچہ ۱۹۴۵ء میں بنالہ ضلع گورداسپور کی مرکزی کانفرنس کے موقع پر امام المناظرین فاتح مذاہب باطلہ شیر پنجاب سیف بے نیام بزرگ دون دشمنان اسلام شیخ الاسلام حضرت مولانا ثناء اللہ امرتسری رحمۃ اللہ علیہ نے برملا اس بات کا اظہار فرمایا تھا کہ آج وہ ایک ایسے اجتماع سے مخاطب ہیں جس کی صدارت ایک ایسا نوجوان عالم کر رہا ہے۔ جو کہ فن رجال اور جرح و تعدیل کا امام ہے۔ ہمارے علاقے میں بریلویوں کے ایک بہت بڑے عالم اور مناظر کہا کرتے تھے کہ اگر کسی نے اہل حدیثوں میں علم و عمل کا پہاڑ دیکھنا ہے تو سید پیر بدیع الدین شاہ راشدی رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھ لے۔ یقیناً حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ محدث زماں تھے مگر فخر و ریا سے مبرا۔ امام العصر تھے اور بوریا نشین۔

ذکاوت و صیانت میں اعلیٰ، سادہ و مطہر، متانت و امانت کے پیکر، علم و عمل کے بحر، نمود و نمائش سے الگ ہر چھوٹے بڑے پر مشفق۔ شرافت و نجابت میں مجسم جمیل، تمام علوم و تقابلی ادیان میں ماہر و کامل۔ اخلاص اور بے لوثی کے مظہر، تدریس و تالیف میں بے نظیر، تحقیق و تدقیق میں عدیم المثال۔ زہد و تقویٰ کا اعلیٰ نمونہ بے داغ کردار کے مالک، نورانی وقار کے مالک۔ مصفی سیرت کے صاحب۔ شیوخ الحدیث کے شیخ،

کاملوں کے استاد، امامت و عدالت کا مرقد، نرم دم گفتگو، گرم دم جستجو، رزم ہو یا بزم پاک دل و پاک بازیقہ السلف واقعاً آیۃ من آیات اللہ۔ لایوجد فی قلبہ الا اللہ کی کامل تصویر۔

علم کا بے کنار سمندر کبھی امام ابن حجر رحمہ اللہ کی طرح مشکلات بخاری کی گتھیاں سلجھاتے ہیں، کبھی رواۃ حدیث کے اسماء و نسب طبقات و مراتب سیر و حالات اور واقعات بیان کرتے ہیں کبھی لطائف حدیث کی کلیاں نچھاور کرتے ہیں۔ کبھی شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ کی طرح احکام اسلام کے اسرار و رموز سمجھاتے ہیں۔ کبھی امام دارمی رحمہ اللہ و آلوسی رحمہ اللہ کے انداز میں علمی نکات بیان کرتے ہیں۔ کبھی راغب رحمہ اللہ و ابن اثیر رحمہ اللہ کی طرح غریب القرآن و الحدیث کی توضیح فرما رہے ہیں۔ آپ رحمہ اللہ میں امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کی وسعت نظر، امام ابن قیم رحمہ اللہ کی سلامت فکر۔ امام ابن ہمام رحمہ اللہ کی قوت استدلال۔ امام سیوطی رحمہ اللہ کی تجربہ و توسع علمی کی جھلک تھی۔

آپ کو علم تفسیر، اصول تفسیر، علم حدیث، اصول حدیث، علم فقہ، اصول فقہ، منطق، فلسفہ بلاغت و معانی، علم عروض و نثر، علم صرف و نحو، تاریخ و سیر لغت و عقائد، ادب و علم القرآن، تجوید و قرأت و غیر ذلک سب پر ایک قدرے وسترس و کمال حاصل تھا۔ الغرض آپ ہر میدان کے شہسوار تھے۔

علمی میدان میں آپ اپنا ثانی نہ رکھتے تھے۔ آپ ایسے اوصاف حمیدہ اور فضائل کریمہ سے متصف تھے جو کم ہی لوگوں میں پائے جاتے ہیں۔ باطنی حسن کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ظاہری حسن سے بھی نوازا تھا باوقار لمبا قد، خوبصورت گندم گول گول چہرہ، بارعب موٹی موٹی آنکھیں، کھڑی ناک، گلاب کی پتھریوں کی طرح ذکر و اذکار کرتے ہوئے سرخ ہونٹ، چہرے پر لمبی سرخ مہندی لگی ہوئی نرم و نازک ریش۔ سر پر ٹوپی، ٹخنوں سے اونچی شلوار قمیص پر شیر وانی، مقررانہ آواز مگر مدلل گفتار جسم کی نظافت و طہارت میں والہ رجسز لہاجر کی تصویر، وٹیا بک فطہر کی عملی تعبیر، خوش پوش۔ خوش خوراک، خوشبو بھی شوق سے استعمال فرماتے تھے۔

اگر آپ علم کے سمندر تھے تو عمل میں بھی کم نہ تھے۔ اتباع سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے جذبہ سے سرشار تھے۔ نماز ہمیشہ اول وقت میں باجماعت ادا فرماتے۔ سنن و نوافل کا احسن انداز میں اہتمام کرتے۔ اکثر روزہ

کی حالت میں ہوتے۔ عمرہ و حج بیت اللہ کی سعادت سے بھی بہرہ ور تھے۔ عبادت میں ایسا حسن پیدا کرتے جو حدیث جبریل علیہ السلام میں مذکور ہے گویا کہ ان تعبد اللہ کانک تراہ فان لم تکن تراہ فانہ یراک کا عملی نمونہ تھے۔ شب بیداری و تہجد آپ کی زندگی کا جزو لاینفک تھی۔ ذکر و فکر میں اکثر مشغول رہتے۔ وقت کی پابندی آپ کا طرہ امتیاز تھا۔

آپ ایک عظیم مبلغ اور داعی کبیر بھی تھے۔ فرق باطلہ کے لیے وہ ایک گرز ابرو شکن شرک و بدعت کی تردید میں ایک سیف برہنہ اور مسلک الحمدیث کے اثبات اور توحید الہی کی توضیح کے لیے حجت قاطع برہان ساطع اور قدیل زبانی تھے۔ ایک طرف وہ بزم افتاء و تدریس کے صدر نشین تھے تو دوسری طرف تبلیغی اجتماعات اور دعوتی کانفرنسوں کی رونق اور روح رواں ایسے عوامی اجتماعات میں بھی ان کی تقریریں جوش و دلولے کی مظہر، قرآن و حدیث کے دلائل سے مزین اور زبان و بیان اور استدلال کی قوت سے بھرپور ہوتیں۔ گویا بیان اور استدلال کا بحر ملاحظہ خیر موزن ہوتا جس میں فریق مخالف کے دلائل خس و خاشاک کی طرح بہہ جاتے۔ قرآن و حدیث کی ایسی روشنی ہوتی جس سے شرک و بدعت کی تاریکیاں دور ہو جاتی اور حقائق و معارف کا ایک دریا ہوتا جو سامعین کو اپنے ساتھ بہا لے جاتا۔ ایک عوامی مقرر، شعلہ بیان خطیب اور سحر انگیز داعی کی حیثیت سے وہ لاکھوں دلوں کی دھڑکن۔ ان کے محبوب راہنما اور عظیم قائد تھے۔ اور اپنی انہی خوبیوں کی وجہ سے وہ شرک و بدعت کی تاریکیوں میں ایک مینار نور تھے۔ الحاد و زندقہ کے بھکڑوں میں ایمان کی یاد بہاری تھے اور قافلہ حق کے سالار اور حدی خواں تھے لاکھوں اہل توحید ان کے ایمان افروز خطاب سے اپنے دلوں کی کشت ویراں کو سیراب کرتے تھے۔ ہزاروں اہل شرک و بدعت کو ان کی تقریروں سے توحید و سنت کی روشنی نصیب ہوتی۔ اور بہت سے گم گشتگان ضلالت کو ہدایت کی صراط مستقیم اختیار کرنے کی سعادت ملی۔ ان کے چلے جانے سے بزم تحقیق ہی سونی نہیں ہوئی۔ تبلیغ و دعوت کی رزم گاہیں بھی اجڑ گئیں۔ افتاء و تدریس کی مسند ہی اپنے صدر نشین سے محروم نہیں ہوئی وعظ و خطابت کی مجلسوں کو گرمانے والا بھی چلا گیا۔ علمی محفلوں کو آباد کرنے والا ہی راہی ملک عدم نہیں ہوا مساجد و مدارس کے اجتماعات بھی بے رونق ہو گئے۔

ایسی ہمہ صفت موصوف شخصیتیں روز بروز پیدا نہیں ہوتیں۔

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے۔

بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

ان تمام خوبیوں اور کمالات کے ساتھ ساتھ اخلاق و کردار کی بلندیوں پر فائز تھے۔ ان کی زبان اپنے ہم عصروں کی غیبت اور بدگوئی سے پاک تھی۔ ان کا دل حسد، بغض و عناد کینہ کدورت اور تکبر کی آلائشوں سے صاف و شفاف تھا۔ مزاج اور طبیعت میں سادگی اور انکساری تھی۔ اہل علم و فضل کے قدردان اور چھوٹوں پر رحم و شفقت فرمانے والے تھے۔ ہر چھوٹے بڑے سے بڑے تپاک محبت اور سرگرمی سے ملتے۔ حق گوئی اور صاف گوئی میں کوئی رو رعایت نہیں کرتے تھے۔ زہر ہلاہل کو انہوں نے کبھی بھی قند نہیں کیا۔ اور اس معاملے میں وہ اپنوں کی خفگی اور بیگانوں کی ناخوشی کی قطعاً پرواہ نہ کرتے تھے۔ کلمہ حق کی ادائیگی اور اس کی پشتیبانی کرتے تھے۔

بہر حال کتاب و سنت کا ترجمان، مسلک حقہ کا پاسبان، نقد و نظر کا بادشاہ، حدیث و تفسیر کا امام، مفکر و متکلم اسلام پیکر، تقویٰ و عمل، حسن اخلاق و کردار کا مرقع جمیل۔ ایک عظیم مبلغ و داعی کبیر، ہم جیسے لاکھوں روحانی فرزندوں کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے داغ مفارقت دے کر اپنے اللہ کے ہاں مہمان بن گئے۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی بشری لغزشوں سے درگزر فرمائے۔ حسنت کو شرف قبولیت فرما کر ذریعہ نجات بنائے اور انہیں جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔ آمین۔ یا رب العالمین۔



ابو عکاشہ عبد الجبار سلیمان السندی ☆

سینہ العرب والعجم

علامہ سید بدیع الدین شاہ راشدی السندی

الحمد لله وحده والصلاة والسلام على من لا نبى بعده

اما بعد:

مجدد الدعوة الاسلامیہ شیخ الاسلام امام محمد بن عبد الوہاب النجدی رحمہ اللہ نے عوام الناس کو توحید ربانی سمجھانے کے لئے ”کتاب التوحید“ تالیف فرمائی۔ اس کتاب کی شرح شیخ محترم کے پوتے علامہ عبد الرحمن بن حسن رحمہ اللہ نے لکھی جو ”فتح المجید“ کے نام سے مشہور ہے۔ اس کتاب کے اردو ترجمہ کی سعادت مولانا عطاء اللہ ثاقب رحمہ اللہ کے حصہ میں آئی جو ”ہدایۃ المستفید“ کے نام سے معروف ہے۔

”ہدایۃ المستفید“ پر ایک علمی اور بسیط مقدمہ لکھنے کی سعادت ہمارے شیخ امیر محسن شیخ العرب والعجم علامہ السید بدیع الدین شاہ الراشدی السندی رحمہ اللہ کے حصہ میں آئی۔

یہ رتبہ بلند ملا جس کو مل گیا

ہر مدعی کے واسطے دارو رن کہاں

اس مقدمہ کے سرورق پر شاہ صاحب رحمہ اللہ کو ان القاب سے یاد کیا گیا ہے۔

☆ ناصر السنة النبویة ☆ ناصر العقیدۃ السلفیۃ

☆ قانع البدعة ☆ المجاہد لاعلاء کلمۃ اللہ

☆ الصلب فی السنة ☆ الملازم للعبادۃ

☆ العالم الفاضل ☆ المحدث الفقیہ

☆ تلمیذ شیخ العرب والعجم امام وخطیب جامع محمدی مسجد الہمدیث ٹوٹو ضلع میرپور خاص سندھ، فارغ التحصیل مدرسہ دارالحدیث والقرآن ڈبیلو

☆ العلامة الشيخ



☆ رئيس المحققين

السيد بديع الدين شاه الراشدی السندی رحمہ اللہآئیے ان القاب کی روشنی میں شاہ صاحب رحمہ اللہ کی شخصیت کا مطالعہ کریں۔

ناصر السنۃ النبویۃ

شاہ صاحب رحمہ اللہ سنت نبوی کے عامل داعی و ناصر تھے۔ آپ کی پوری زندگی سنت نبوی سے عبارت تھی۔ آپ ہر معاملہ میں سنت نبوی کو پیش نظر رکھتے تھے۔

جن لوگوں نے شاہ صاحب رحمہ اللہ کو قریب سے دیکھا ہے ان کو معلوم ہے کہ شاہ صاحب رحمہ اللہ سنت نبوی پر کتنی سختی سے عمل کرتے تھے۔ شاہ صاحب رحمہ اللہ کی عبادت ہو یا معاملات رفتار ہو یا گفتار اٹھنا ہو یا بیٹھنا حضر ہو یا سفر تمام کام سنت کے مطابق ہی ہوتے تھے۔ شاہ صاحب رحمہ اللہ پوری زندگی سنت نبوی پر عامل رہتے ہوئے اس کی دعوت دیتے رہے۔ ایک وقت تھا کہ پورے حیدرآباد سندھ میں صرف ایک مسجد اہلحدیث تھی (حیدرآباد سندھ میں ایک مسجد اہلحدیث تھی تو باقی سندھ میں کیا حال ہوگا یہ کسی سے بھی مخفی نہ ہوگا) اس سے اندازہ لگائیے کہ عالمین سنت کی تعداد کتنی تھی۔ لیکن شاہ صاحب رحمہ اللہ کے شب و روز جہد و محنت و دعوت کا نتیجہ ہے کہ آج الحمد للہ ہر شہر ہر بستی و قریہ بلکہ ہر محلہ میں مسجد اہلحدیث نظر آتی ہے۔ اور عالمین سنت کی کثیر تعداد ہر جگہ موجود ہے۔ شاہ صاحب رحمہ اللہ کتاب و سنت کا پیغام پہنچانے کے لئے تقریباً ہر جگہ گئے۔ صحرائے تھر جو وطن عزیز کا انتہائی پسماندہ علاقہ ہے، جس وقت شاہ صاحب رحمہ اللہ یہ پیغام لے کر نکلے اس وقت تھر کا سفر نہایت مشکل تھا وہ سفری سہولیات جو آج میسر ہیں بالکل نہ تھیں۔ تھر کا کٹھن اور مشکل سفر شاہ صاحب رحمہ اللہ نے کیا۔ آپ عوام تک سنت نبویہ کا پیغام پہنچانے کے لئے کہیں پایادہ کہیں اونٹ پر سوار ہوئے اور کسی جگہ تھر میں چلنے والی گاڑی، چھکڑا پر سفر کیا رات دن ایک کر کے کتاب و سنت کا پیغام پہنچاتے رہے یہ ہی وجہ ہے کہ تھر میں کثیر تعداد میں عالمین سنت اہلحدیث کی تعداد موجود ہے۔ والحمد للہ علی ذالک۔

نہ رہا چمنستان توحید کا گل تھا
اڑ گیا گلستان سنت میں بلبل تھا

ناصر العقیدہ السلفیہ:

شاہ صاحب رحمہ اللہ جس طرح سنت نبوی کے ناصر تھے اسی طرح عقیدہ سلف صالحین کے بھی ناصر تھے آپ اپنی پوری زندگی عقیدہ سلف کے ترجمان تھے اور صحیح عقیدہ کو بغیر خوف لومۃ لائم بیان کرتے رہے آپ نے صحیح عقیدہ کو بڑے زور سے بیان کیا مثلاً

- ۱۔ اللہ تعالیٰ اپنی ذات و صفات میں یکتا و واحد ہے اس کا کوئی مثل و نظیر نہیں۔
- ۲۔ وسیلہ کی ممنوع قسم شرک ہے۔
- ۳۔ اللہ تعالیٰ عرش عظیم پر مستوی ہے۔
- ۴۔ قرآن مجید کلام اللہ ہے مخلوق نہیں۔
- ۵۔ نبی اکرم ﷺ اللہ تعالیٰ کے آخری نبی ہیں۔

چنانچہ شاہ صاحب رحمہ اللہ نے صحیح عقیدہ سمجھانے کے لئے ملک کے طول و عرض میں بے شمار سفر کئے کئی ایک کامیاب مناظرے کئے آپ کے خطبات و تقاریر سن کر کئی لوگوں نے غلط عقیدہ سے توبہ کی اور صحیح عقیدہ کو اختیار کیا۔

مسئلہ وسیلہ:

وسیلہ کی دو قسم ہے۔

م شروع و ممنوع

اہل علم اس کی تفصیل جانتے ہیں لیکن عوام الناس وسیلہ کی ممنوع قسم بھی اپنائے ہوئے ہیں شاہ صاحب رحمہ اللہ نے سلف صالحین کی طرح عقیدہ کی اس خرابی کو بھی واضح کیا چنانچہ آپ نے اپنی کتاب ”توحید خالص“ حصہ دوم میں اس مسئلہ کو بڑی وضاحت سے بیان کیا اس کے علاوہ آپ نے تقاریر میں بھی اس مسئلہ کو بیان کیا کہ خالق و مخلوق کے درمیان واسطہ اور وسیلہ کی کوئی حاجت و ضرورت نہیں۔ قارئین کی دلچسپی کے لئے یہاں پر ایک واقعہ کا ذکر ضروری سمجھتا ہوں۔

یہ کوئی ۱۹۶۷ء کی بات ہے نوکوت شہر میں شاہ صاحب رحمہ اللہ کا تبلیغی پروگرام تھا والد محترم رحمہ اللہ

واحباب جماعت نے یہ پروگرام جامع مسجد حنفیہ میں رکھا تا کہ زیادہ سے زیادہ لوگ شاہ صاحب کی تقریر سے مستفید ہو سکیں۔ چنانچہ شاہ صاحب رحمہ اللہ کے انتظار میں بیٹھے لوگوں کو روکے رکھنے کے لئے اہل مسجد حنفیہ نے ایک حنفی مولوی کو تقریر کے لئے کھڑا کیا اس مولوی نے وسیلہ کی ممنوع قسم کو حق ثابت کرنے کی ناکام کوشش کی اپنی تقریر کے اختتام پر بھی وسیلہ ممنوع کو اختیار کیا چنانچہ شاہ صاحب رحمہ اللہ کو یہ بات پہنچی شاہ صاحب رحمہ اللہ نے سواد و گھنڈہ وسیلہ کی تردید میں ایسی مدلل اور زور دار تقریر کی کہ حنفی مولوی کی تقریر کا غبار لوگوں کے ذہن سے صاف ہو گیا اور اپنے کیا غیر بھی شاہ صاحب رحمہ اللہ کی تعریف میں رطب اللسان تھے۔ اہل توحید کو مدت مزید گزرنے کے باوجود شاہ صاحب رحمہ اللہ کی تقریر دل پزیر یاد ہے۔

خطابت ہی نہیں سیاست کا ہر کاب تھا
گفتگو کا شاہ وہ حاضر جواب تھا

اللہ تعالیٰ عرش عظیم پر مستوی ہے:

قرآن وحدیث سے ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ سات آسمانوں کے اوپر عرش عظیم پر مستوی ہے لیکن لوگوں کی ایک بڑی تعداد میں یہ عقیدہ رواج پا چکا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر جگہ موجود ہے شاہ صاحب رحمہ اللہ نے اپنی کتاب ”توحید خالص“ حصہ اول میں بڑے احسن انداز سے ثابت کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ عرش عظیم پر مستوی ہے۔ ہر جگہ اللہ موجود ہے والا عقیدہ غلط ہے چنانچہ آپ نے اپنی کتاب میں قرآن وحدیث سے اللہ تعالیٰ کے عرش پر مستوی ہونے کے بے شمار دلائل دیئے ہیں اور ثابت کیا ہے کہ ائمہ اربعہ اور سلف صالحین کا عقیدہ بھی یہ ہی ہے اس کتاب کا مطالعہ بہت مفید ہے۔

قرآن مجید کلام اللہ ہے مخلوق نہیں۔

سلف سے خلف تک یہ ہی عقیدہ ہے لیکن معتزلہ نے اس کے خلاف عقیدہ اختیار کیا اور قرآن مجید کو مخلوق کہا صحیح عقیدہ رکھنے والے اہل علم کو تختہ مشق بنایا بہت سے علماء نے جان کی قربانی دی خصوصاً امام اہل سنت امام احمد بن محمد بن حنبل رحمہ اللہ کو سخت ترین مشکلات و آزمائش سے دوچار کیا گیا لیکن امام صاحب کے پایہ استقلال میں فرق نہ آیا مارنے والے مار مار کر تھک گئے لیکن امام صاحب اعلان کرتے رہے کہ ”القرآن

کلام اللہ غیر مخلوق“ شاہ صاحب رحمہ اللہ نے بھی ”بدیع التفسیر“ میں اس مسئلہ کو خوب خوب بیان کیا ہے۔ خصوصاً مقدمہ بدیع التفسیر میں بڑی تفصیل کے ساتھ اس مسئلہ کا ذکر کیا کیوں نہ کرتے وہ جو عقیدہ سلفیہ کے ناصر تھے۔

غیرت دین میں وہ رہتا گرم تھا
اپنوں کی ہو محفل تو ہوتا نرم تھا

نبی اکرم ﷺ اللہ تعالیٰ کے آخری نبی ہیں

امت مسلمہ کا متفقہ عقیدہ ہے کہ سیدنا محمد اکرم ﷺ اللہ کے آخری نبی ہیں آپ کے بعد کوئی نبی نہیں سلف سے خلف تک یہ ہی عقیدہ ہے آج تک دو مسلمانوں کے درمیان اس مسئلہ میں اختلاف پیدا نہیں ہوا امت مسلمہ کے تمام فرق اس عقیدہ پر متفق ہیں۔ لیکن نبی اکرم ﷺ کی حیات طیبہ اور آپ کے بعد ایسے کذاب و دجال پیدا ہوئے جنہوں نے نبوت کا دعویٰ کیا امت مسلمہ نے ان کا مقابلہ کیا اور علماء اسلام عوام الناس کو ان کے دجل و فریب سے باخبر کرتے رہے۔ شاہ صاحب رحمہ اللہ نے بھی عقیدہ ختم نبوت کو خوب خوب بیان کیا اور سمجھایا ماضی قریب کے کذاب و دجال و مفتری قادیانی نبی غلام احمد نے دعویٰ نبوت کیا تو علماء کرام نے اُس کا مقابلہ کیا اور قادیانی نبی کو اس کے انجام تک پہنچایا۔ جب تحریک ختم نبوت ﷺ چلی تو شاہ صاحب رحمہ اللہ پیش پیش رہے اور قلمی طور پر بھی شاہ صاحب رحمہ اللہ نے ان کا رد کیا شاہ صاحب رحمہ اللہ نے بدیع التفسیر میں موقع بموقع عقیدہ ختم نبوت کا ذکر کیا اور قادیانی نبی اور اس کے خلیفہ کی لاعلمی و جہالت اور دجل و فریب کا پردہ چاک کیا۔ چنانچہ ڈاکٹر عبدالعزیز قادیانی نے ایک رسالہ بنام ”نزول ابن مریم علیہ السلام اور حقیقت دجال“ لکھا تھا اس رسالہ کے صفحہ ۵۸ پر لکھتا ہے۔ ”حضرت صاحب کی لاکھوں نے بیعت کی اور زمانہ کے اقطاب و اولیاء نے بھی ہر ملک سے بیعت کی چنانچہ ہماری سندھ کے مشہور ولی اللہ حضرت پیر رشید الدین شاہ صاحب جھنڈے والے بھی حضرت صاحب کی بیعت سے مشرف ہوئے۔“

شاہ صاحب رحمہ اللہ نے ڈاکٹر عبدالعزیز قادیانی کے اس کذب اور جھوٹ کا ایسا مسکت جواب دیا کہ آج تک پھر کسی قادیانی کو لب کشائی یا قلم کو حرکت دینے کی ہمت نہ ہوئی۔

شاہ صاحب رحمہ اللہ نے اپنی کتاب کا نام ہی ایسا رکھا جس نام ہی نے قادیانی جھوٹ و فریب کو عیاں و ظاہر کر دیا۔ شاہ صاحب رحمہ اللہ نے کتاب کا نام ”قادیانی و جھنڈائی خاندان بینہما برزخ لایبغیان“ رکھا۔ واضح رہے کہ شاہ صاحب رحمہ اللہ کے بڑے بھائی اور فن اسماء الرجال کے ماہر علامہ ابوالقاسم السید محبت اللہ شاہ راشدی رحمہ اللہ نے بھی اس جھوٹی قادیانی دعویٰ کا جواب دیا۔ علامہ سید محبت اللہ شاہ راشدی رحمہ اللہ نے اس رسالہ کا نام ”القواطع الرحمانية لافتراء الفرقة القاديانية“ رکھا۔

کاش ہماری جماعت کے جرائد علامہ سید محبت اللہ شاہ صاحب العلم السادس رحمہ اللہ کے خدمات جلیلہ کو عیاں و ظاہر کرنے کے لئے خاص نمبر کا اہتمام کرتے تاکہ ان کی خدمات ہم طلبۃ العلم کے لئے مشعل راہ بن سکیں۔ اللہم اغفر له وارحمه

حفظ دین کو گویا قدرت نے پالا تھا
کشت دین کا وہ کیٹا گل لالہ تھا

قامع البدعة:

شاہ صاحب رحمہ اللہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین عظام رحمہم کی طرح کتاب و سنت کو کافی سمجھتے تھے اور ہر اس چیز کو جو دین میں داخل کی گئی ہے اور اس کی دلیل کتاب و سنت سے نہیں جس کو شرعی اصطلاح میں بدعت کہا جاتا ہے سخت مخالف تھے آپ نے اپنی تالیفات و خطبات و تقاریر میں بدعت کی خوب خوب تردید کی اور یہ درس دیا کہ عمل کے لئے کتاب و سنت کافی ہیں بدعت کی کوئی حاجت نہیں اور بدعت کی تقسیم حسنہ و سیئہ کے بھی شاہ صاحب رحمہ اللہ مخالف تھے شاہ صاحب رحمہ اللہ بدعت و بدعتیوں کی بڑی بے باکی سے تردید کرتے رہے اس سلسلہ میں شاہ صاحب رحمہ اللہ کو کافی تکالیف دیکھنی پڑیں لیکن چونکہ شاہ صاحب رحمہ اللہ ناصر السنۃ و محب السنۃ تھے بڑی خندہ پیشانی سے ان تکالیف کو برداشت کرتے رہے۔

اللہ تعالیٰ نے شاہ صاحب رحمہ اللہ کو مخالفین و معاندین کے مقابلہ میں ایک بہت بڑا حلقہ عطا کیا اور ہزاروں نہیں بلکہ لاکھوں شاہ صاحب رحمہ اللہ کے چاہنے والے پیدا کئے۔

شاہ صاحب رحمہ اللہ کی یہ بہت بڑی دینی خدمت ہے کہ آپ نے خالص کتاب و سنت کا پیغام پہنچایا

اور بدعت کی تردید کی اور بدعتیوں کا بے باک و بے خوف ہو کر مقابلہ کیا اور بدعتی ملاؤں کا راستہ تنگ کیا اور ان کو بھاگنے پر مجبور کیا۔ **فللہ الحمد۔**

بدعت و تقلید کو ابن حزم تھا
ہوتا کیوں نہ ایسا وہ صاحب علم تھا

المجاهد لاعلاء كلمة الله

شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ مرد مجاہد بھی تھے وہ پوری زندگی کوشش کرتے رہے کہ اللہ کا کلمہ بلند و بالا ہو۔ اس سلسلہ میں بھی آپ کو کافی تکالیف دیکھنی پڑیں چنانچہ ہجرت پر مجبور ہوئے۔ ڈرایا اور دھمکایا گیا بائیکاٹ کیا گیا بُرے القاب سے یاد کیا گیا، لیکن شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے پایۂ استقلال میں سرمو فرق نہ آیا۔ جس روز سے مخالفت کی گئی اس سے بڑھ کر شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اللہ کے دین کو بلند کرنے کے لئے شرک و شرک کے اقسام، بدعت و رسم و رواج کی تردید شروع کی شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو اللہ تعالیٰ نے بہت بڑی کامیابی عطا فرمائی چنانچہ میں یہاں پر چند ایک واقعات کا ذکر ضروری سمجھتا ہوں جس سے معلوم ہوگا کہ شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کتنے بڑے مجاہد فی سبیل اللہ تھے۔

پہلا واقعہ:

پنگر پو ضلع بدین سندھ کا ایسا شہر ہے جس میں چند اہل حدیث تھے وہ بھی مالی و سیاسی اعتبار سے بالکل کمزور چنانچہ ان ساتھیوں کی قلت و کمزوری دیکھ کر نوکوٹ و ملکانی شہر کے احباب جماعت نے پنگر پو میں شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا تبلیغی پروگرام رکھا شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ اس پروگرام میں تشریف لائے اور بڑے خوش نظر آ رہے تھے کہ اس شہر میں توحید بیان کرنے کا موقع ملا، پنگر پو ایسا شہر ہے جس سے تقریباً ۲ میل کے فاصلے پر ایک درگاہ سن شاہ ہے جس پر ہر سال بہت بڑا میلہ لگتا ہے اور ہر جمعہ کی رات لوگ حاضری دیتے ہیں چنانچہ پروگرام کے اشتہار تو پہلے ہی شہر کی دیواروں پر لگ چکے تھے شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے پہنچنے پر اعلان بھی کر دیا گیا بعد از صلاۃ العشاء شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے تقریر شروع کی پروگرام سننے کے لئے اہل توحید و اہل شرک کا ہجوم تھا جب شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے شرک پر ضرب لگائی تو اہل شرک نے نعرے بازی شروع کر دی اور جلسہ میں

بدمزگی پیدا کرنے کی کوشش کی لیکن اللہ تعالیٰ کی مدد کا ایسا نظارہ دیکھنے میں آیا کہ ایوم ختم علیٰ افواہہم ان کی نعرے بازی بند ہوگئی اور شاہ صاحب رحمہ اللہ نے اللہ کی توحید کو بیان کیا اور شرک کی ترویج بڑے زوردار الفاظ میں کی کہ اہل توحید اپنے رب کی توحید سن کر خوش ہوئے اور اہل شرک پر سکتہ طاری ہو گیا یہ بہت بڑی ہمت کا کام تھا جو اس مرد مجاہد نے انجام دیا۔

دوسرا واقعہ:

ضلع تھرپارکر چار تحصیلوں پر مشتمل ہے جن میں ڈیلو، مٹھی، چھاچھرو اور ننگر پارکر ہیں اول الذکر دونوں تحصیلوں میں بڑی تعداد میں اہل حدیث موجود ہیں۔ فللہ الحمد

لیکن آخر الذکر دونوں تحصیلوں میں اہل حدیث نہیں صرف تحصیل چھاچھرو کے گوٹھ چھو مورامیں ایک شخص شیر محمد موراد اہل حدیث تھا چنانچہ شاہ صاحب رحمہ اللہ کو معلوم ہوا کہ چھاچھرو سلفی افراد سے خالی ہے آپ نے فرمایا کہ چھاچھرو تبلیغی پروگرام کے لئے چلنا ہے کسی نے بتایا کہ حضرت وہاں پروگرام کرنا کوئی آسان کام نہیں کیونکہ وہاں کے لوگ اہل حدیث کو سننا تو دور کی بات لیکن دیکھنا بھی پسند نہیں کرتے جواباً آپ نے فرمایا ایسی جگہ پروگرام کرنا تو ہمارا مشن ہے چنانچہ چھو مورامیں پروگرام رکھا گیا شاہ صاحب رحمہ اللہ پہنچ گئے لیکن اہل قریہ نے اعلان کر رکھا تھا کہ بدیع الدین شاہ یہاں پر تقریر نہیں کر سکتے۔ اگر زبردستی کی گئی تو مقابلہ ہوگا لیکن اللہ کے فضل و احسان سے شاہ صاحب رحمہ اللہ نے تقریر شروع کر دی اہل قریہ جنہوں نے مرنے اور مارنے کا اعلان کیا تھا غور سے تقریر سننے لگے اللہ کے فضل سے آج چالیس سے زیادہ اہل حدیث مذکورہ قریہ میں موجود ہیں۔ عالی شان اہل حدیث مسجد و مدرسہ دین حق کی خدمت میں شب و روز مشغول ہیں۔ یہ اس مرد مجاہد کی کوشش و محنت کا نتیجہ ہے پروگرام سے واپسی پر شاہ صاحب رحمہ اللہ نے فرمایا ایسے پروگرام کیا کرو اس پروگرام سے بڑی خوشی ہوئی ہے۔

شاہ صاحب رحمہ اللہ تھر کے تحصیل ننگر پارکر بھی پہنچے جہاں پر کوئی اہل حدیث نہیں تھا۔ شاہ صاحب رحمہ اللہ نے اہل ننگر پارکر کو بڑے احسن انداز میں رب کی توحید اور اتباع سنت کا درس دیا شاہ صاحب رحمہ اللہ نے پوری زندگی ایک مجاہد کے طور پر بسر کی اللہ تعالیٰ اس مرد مجاہد کو اجر عظیم عطا فرمائے۔ آمین۔

الصلب فی السنة:

شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ سنت نبویہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والتحیۃ پر بڑی سختی سے عمل کرتے تھے اور عمل کی دعوت دیتے تھے جو چیز احادیث صحیحہ سے ثابت ہو جائے شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ اس کے مقابلہ میں اگرچہ مگرچہ ہرگز برداشت نہ کرتے تھے رسول اکرم ﷺ کی سنت چاہے آج کل وہ متروک ہو کر رہ گئی ہو لیکن شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ اس پر بھی عامل تھے چنانچہ نماز مغرب سے قبل دو رکعت پڑھنا احادیث صحیحہ سے ثابت ہے آپ خود بھی عمل کرتے تھے اور ایک رسالہ بنام ”تحفۃ نماز مغرب“ لکھ کر اس سنت پر عمل کی دعوت دی اس طرح داڑھی جو ہمارے نبی اکرم ﷺ کی سنت اور حکم ہے لیکن بہت سے لوگ داڑھی صاف کرواتے ہیں شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے رسالہ ”اسلام میں داڑھی کا مقام“ لکھ کر لوگوں کو اس حکم و سنت پر عمل کی دعوت دی شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ خود بھی سنت پر سختی سے عمل کرتے تھے اور سنت پر عمل کی تاکید و تلقین کرتے تھے۔

رحمت کرے اللہ عجب مرد آزاد تھا

توحید و سنت کی وہ بلند آواز تھا

الملازم للعبادة:

احادیث میں نبی اکرم ﷺ کی عبادت کا طریقہ بتایا گیا ہے شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی عبادت بھی نبوی طریقہ پر تھی جو شخص آپ کو نماز پڑھتے دیکھتا اس کے سامنے نماز نبوی ﷺ کا نقشہ آجاتا آپ بڑے خشوع و خضوع کے ساتھ عبادت کرتے تھے شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ اکثر اوقات قرآن مجید کی تلاوت کرتے تھے خصوصاً جب سفر میں ہوتے تو گاڑی میں کلام لاریب کی تلاوت میں مشغول رہتے اس سے ایک فائدہ یہ بھی ہوتا کہ ساتھ بیٹھے ہوئے لوگ ادھر ادھر کی باتوں کو چھوڑ کر تسبیح و تحمید میں مشغول رہتے۔

شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ حضر میں ہوں یا سفر میں تہجد نماز بڑی پابندی سے ادا فرماتے اسی طرح نفل نماز کے دوسرے اقسام کی بھی پابندی کرتے تھے۔

ذکر الہی سے وہ رطب اللسان تھا

فرصت میں پڑھتے پایا قرآن تھا

العالم الفاضل:

شاہ صاحب رحمہ اللہ عالم فاضل تھے لیکن عاجزی کا یہ عالم تھا کہ فرمایا کرتے تھے کہ میں طالب العلم ہوں حالانکہ آپ شیخ الشیوخ تھے شیخ العرب والعجم تھے فقیہ الامت تھے مفکر دین و ملت تھے امام المناظرین تھے اور فن اسماء الرجال کے ماہر تھے سب سے بڑی بات کہ آپ عالم باعمل تھے یہ ہی وجہ ہے کہ آپ کی زبان میں چاشنی اور آپ کی تقریر پر تاثیر ہوتی تھی۔ اس عالم باعمل کی تقریریں و خطبات سن کر کئی اللہ کے بندوں نے اپنے عقیدہ کی اصلاح کی اور بدعت سے توبہ کی آپ صحیح معنی میں عالم ربانی تھے۔

المحدث الفقیہ:

روایات اسلام کا وہ نشان تھا
فقیہ و محدث حافظ قرآن تھا

شاہ صاحب رحمہ اللہ حافظ قرآن ہونے کے ساتھ ساتھ حافظ الحدیث بھی تھے فرمایا کرتے تھے کہ قرآن و حدیث میں تمام مسائل کا حل موجود ہے مشکل سے مشکل مسائل شاہ صاحب رحمہ اللہ کو پیش کئے جاتے آپ فوراً ان مسائل کو کتاب و سنت کی روشنی میں حل کر دیتے جو مسائل گھوم پھر کر تھک جاتا تھا وہ جواب سن کر حیران رہ جاتا اور یقین کر لیتا کہ واقعی آپ محدث و فقیہ ہیں محدث و فقیہ ہونے کی جتنی شرائط ہیں وہ شاہ صاحب رحمہ اللہ میں بجا اللہ اتم موجود تھیں۔

چنانچہ جس وقت آپ کی عمر بمشکل ۲۰ سال ہوگی اس وقت آپ نے متحدہ ہندوستان کے شہر بٹالہ ضلع گورداسپور میں مرکزی کانفرنس کی صدارت کی تھی اس صغریٰ ہی میں علمی حلقے شاہ صاحب رحمہ اللہ کے علمی شان و قدر و منزلت کے معترف تھے چنانچہ اس کانفرنس میں سردار الحدیث فاتح قادیان علامہ ابو الوفاء ثناء اللہ امرتسری رحمہ اللہ بھی شریک تھے فاتح قادیان مولانا ثناء اللہ امرتسری رحمہ اللہ نے اس موقع پر اپنے خطاب میں فخر کا اظہار فرمایا کہ آج وہ ایسے اجتماع سے مخاطب ہیں جس کی صدارت ایک ایسا نوجوان عالم کر رہا ہے کہ جو فن رجال اور جرح و تعدیل کا امام ہے۔

حدیث کا حافظ حامل کتاب مبین تھا
دور بدعت میں وہ حارس دین تھا

رئیس المحققین:

اہل حدیث محقق ہوتا ہے مقلد نہیں ہوتا وہ ہر مسئلے میں تحقیق کو ترجیح دیتا ہے شاہ صاحب رحمہ اللہ اس میدان میں بھی رئیس تھے آپ کی تحقیق بڑی عمیق ہوا کرتی تھی اللہ تعالیٰ نے آپ کو بہت بڑا عالم بنایا تھا تو آپ اس میدان میں بھی بڑے تھے چنانچہ جو بات بھی کہتے یا لکھتے بڑی تحقیق کے بعد کرتے چنانچہ آپ کی تالیف کردہ کتب اس بات کا ثبوت ہیں آپ نے ہر بات باحوالہ تحریر کی آپ بدیع التفسیر کو دیکھ لیجئے تحقیق کے دریا بہائے گئے ہیں ہر بات باحوالہ اور دلیل کے ساتھ کرتے تفسیر اور دیگر کتب کا پڑھنے والا اس بات کا یقین کر لیتا ہے کہ یہ لقب کوئی مبالغہ نہیں واقعی آپ اس لقب کے لائق تھے۔

کتب خانہ ان کا تو خزانہ علم تھا
خود وہ بھی تو صاحب لسان و قلم تھا
مفسر بھی اور مناظر بھی لا جواب تھا
بلا کا حافظ گویا کھلی کتاب تھا

العلامة الشيخ:

ہم لکھ آئے ہیں کہ آپ شیخ العرب والعجم تھے بے شمار عربی و عجمی آپ کے شاگرد ہوئے آپ کو مسجد حرام مکہ المشرقة میں درس دینے کا شرف بھی حاصل ہوا۔

شرق و غرب سے آتا ہر پروانہ علم تھا
سعادت ہے اس کو وہ مدرس حرم تھا

لیکن ایک بات ایک شرف جو شاہ صاحب رحمہ اللہ کو حاصل ہے شاید ہی کسی کو حاصل ہوا ہو چنانچہ دوران تعلیم ایک مرتبہ شاہ صاحب رحمہ اللہ نے کمال محبت و شفقت سے ہم طلبہ العلم کو سمجھایا اور تاکید کی کہ دوران تعلیم و بعد از فراغت اساتذہ کا ادب و احترام کریں اس سلسلہ میں آپ نے فرمایا میں نے جن اساتذہ سے تعلیم حاصل کی ان میں سے بعض پھر میرے پاس پڑھنے آئے پہلے میں ان کا شاگرد وہ میرے استاد تھے پھر میں ان کا استاد اور وہ میرے شاگرد ہوئے لیکن چونکہ وہ میرے استاد رہ چکے تھے اس لئے میں ان کی عزت

و احترام وہ ہی کرتا ہوں جو عزت و احترام ایک لائق شاگرد اپنے استاد کا کرتا ہے۔ میں ان کو شاگرد نہیں استاد ہی سمجھتا ہوں۔

یہ بہت بڑا شرف ہے جو آپ کو ملا کہ آپ کے اساتذہ آپ کے شاگرد ہوئے۔ ذلک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء۔ بہر حال شاہ صاحب رحمہ اللہ بے شمار خوبیوں کے مالک تھے۔

عجب	اوصاف	کا	حامل	انسان	تھا
ہمدرد	بہت	طالبوں	پہ	مہربان	تھا
شاہین	نظر	و	بلند	پرواز	تھا
مخصوص	ہر	ادا	میں	رکھتا	اعزاز

مبارک باد کے مستحق ہیں ہمارے فاضل دوست الشیخ افتخار احمد تاج الدین السلفی الازہری رحمہ اللہ و انتظامیہ جامعہ بحر العلوم السلفیہ جنہوں نے شاہ صاحب رحمہ اللہ کی عظیم شخصیت پر خصوصی نمبر کا اہتمام فرمایا۔ جزاہم اللہ خیراً

رب کریم سے دعا ہے کہ وہ شاہ صاحب رحمہ اللہ کی حسنات کو قبول فرمائے، ان کی بشری کوتاہیوں سے درگزر کرے اور ان کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔

اور انتظامیہ جامعہ بحر العلوم کی اس محنت و کوشش کو بھی قبول فرمائے اور جامعہ کو تاقیامت قائم دائم رکھے اور ہر قسم کی مشکلات و مصائب سے محفوظ رکھے۔ اللھم آمین۔

دل شاد بامراد رہیں سب مہربان میرے
آباد حشر تک رہیں سب قدر دان میرے



میرے دادا ابو

الحمد لله والصلاة والسلام على رسول الله وبعد!

جناب جد امجد علامہ سید ابو محمد بدیع الدین شاہ راشدی سندھی رحمۃ اللہ علیہ کی خصال حسنہ پر لکھنے کے لئے بڑے وقت و علم کی ضرورت ہے، اہل قلم اس پر طبع آزمائی کر رہے ہیں، ان کی زندگی کے کئی عظیم پہلو ہیں، ان کا منہج سلیم، عقیدہ سلف صالح کے ساتھ تمسک، حق گوئی، تقویٰ، عمل، علم، حافظہ، قوت الاختصار، تفقہ، قوت الاستدلال، حاضر جوابی، دانائی، جذبہ قربانی، انتھک جدوجہد اور صبر غرض اللہ تعالیٰ نے بے شمار قابل اقتدا خصال صالحہ سے نوازا تھا۔ ان کی تحریک دعوت توحید و اتباع سنیہ اور علمی و منہجی خدمات پر اہل علم و قلم کام کر رہے ہیں اور کرتے رہیں گے اور اپنے عظیم محسنین کی ان کی زندگی اور بعد وفات قدر دانی کرنا ہمارا اخلاقی و دینی فریضہ ہے۔ اس سے انسانوں کی اصلاح بھی ہوتی ہے اور دور جدید کے مادی و فکری فتن سے بچاؤ بھی ہوتا ہے۔

ہم نے جناب جد امجد علامہ سید بدیع الدین شاہ راشدی رحمۃ اللہ علیہ کو ان کی خارجی زندگی کی طرح گھر کے اندر بھی ایک عظیم مصلح پایا۔ بموجب حدیث ”خیر کم خیر کم لاہلہ“ یعنی تم میں سے اچھا وہ ہے جو اپنے گھر والوں کے لئے اچھا ہے۔ سوشاہ صاحب اپنے اہل و اولاد اور گھر کے دیگر افراد کے ساتھ نہایت بلند اخلاق کا مظاہرہ کرتے۔ ان کی صبح و شام یہی کوشش ہوتی کہ ہر ایک کی اصلاح ہو۔ آپ نماز کے متعلق بڑی سختی کرتے دیے بھی شاہ صاحب جہاں پیار و محبت کے ساتھ سمجھاتے وہاں غلطی پر تادیب سزا بھی دیتے۔ اگر نماز کا وقت ہونے والا ہوتا ہم بچوں میں سے بھی کوئی مسجد کی طرف نہیں گیا تو بس یہی کہتے ”ابھی تک نماز کی تیاری نہیں کی اچھا میں آتا ہوں دیکھتا ہوں تمہیں۔“

کوئی دوسری غلطی دیکھتے تو کہتے ”تم ابھی تک سدھرے نہیں ہو؟“ بچپن میں کبھی کسی کی چوری وغیرہ کرتے تو آپ اس کی سزا دیتے اور ایک حد تک مارتے بھی تھے۔ روزانہ صبح سویرے آکر اس بات کی تسلی کرتے کہ لڑکے مدرسہ میں پڑھنے کے لئے گئے ہیں یا نہیں؟ نہ جانے کی صورت میں سزا بھی دیتے اور

☆ مدیر المکتبۃ الراشدیۃ آزاد پیر جھنڈو نیو سعید آباد، شاہ صاحب کے پوتے اور محمد شاہ رحمۃ اللہ علیہ کے بیٹے۔

نصیحت بھی کرتے۔ اس بات پر بڑا زور دیتے۔

گھر کے اندر آتے تو باوجود اس کے کہ گھر کے افراد ان کے بیٹے، بیٹیاں، پوتے پوتیاں اور بہنیں ہوتی تھیں، لیکن اس کے باوجود اپنے کمرے کی طرف آتے تو نظریں جھکا کر آتے اور نظریں جھکا کر ہی جاتے تھے۔ گھر کے اندر سارا وقت تلاوت کرتے یا مطالعہ کرتے یا نوافل پڑھتے رہتے۔ مغرب کے بعد اگر مہمان نہ ہوتا تو گھر کے افراد کے ساتھ مجلس کے لئے وقت نکالتے پھر مسائل و احکام پر بات کرتے تو ہر طرح سے اصلاح کرتے۔ اپنی زندگی کے کئی یادگار واقعات کی تفصیل بیان کرتے۔ حدیث، سیرت و تاریخ اسلام سے سبق آموز نکات و واقعات سناتے۔ گھر والوں سے اکثر خیر و عافیت معلوم کرتے۔ فجر کے بعد اکثر گھر کے اندر یا مکتبہ کے سامنے پارک کے اندر چہل قدمی کرتے اور ورزش بھی کرتے۔ تلاوت قرآن پاک جاری رہتی تو بعض اوقات نصیحت آموز اور یادگار اشعار و دھم کے ساتھ پڑھتے رہتے۔ رات کو کتنے ہی تھکے ہوئے کیوں نہ ہوتے تہجد کے لئے ضرور اٹھتے اور آخری عمر میں جب شدید تکلیف تھی اس وقت بھی تہجد نہیں چھوڑتے۔ فجر نماز کے لئے اول فرصت میں جاتے اور اس وقت دیکھ کر قرآن مجید کی تلاوت کرتے۔ فجر کے بعد کچھ وقت کے لئے سو جاتے۔ ان کی زندگی کے شب و روز عملی اصلاح اور دعوت و توحید و سنت کا نمونہ تھے اللہ تعالیٰ ہمیں بھی اخلاص و عمل صالح اور علم نافع کی نعمت عطا فرمائے۔ آمین۔



علامہ سید بدیع الدین شاہ راشدی رحمۃ اللہ علیہ

ادب و عظمت شخصیت

ممتاز عالم دین علامہ سید بدیع الدین شاہ راشدی ایک گوہر آبدار ہیں جن کے وفور علم اور قلم گہر بار نے صفحہ قرطاس پر علم و فن اپنی پیاس بجھائے بغیر نہیں رہ سکتا۔ جس نے اپنی پوری زندگی دین کی خدمت اور اس کی آبیاری میں صرف کی وہ صوبہ سندھ میں ۱۰ جولائی ۱۹۲۵ء کو پیر جھنڈو نامی بستی میں پیدا ہوئے جو مدتوں سے علماء کا مرکز اور صلحاء کا مخزن رہا ہے۔ ان کے آباؤ اجداد میں سید محمد راشد شاہ ایک نہایت ولی اللہ بزرگ گزرے ہیں جنہوں نے ساری زندگی اسلام کی تبلیغ اور خدمت میں گزاری۔ ان کی وفات کے بعد ان کی پگڑی ان کے بیٹے سید حزب اللہ شاہ کو دے دی گئی اور جھنڈو دوسرے بیٹے سید محمد یلین کو اسی نسبت سے اس خاندان کی دو شاخیں معروف ہو گئیں۔ پیر آف پگاڑو اور پیر آف جھنڈو سید یلین شاہ سے سید احسان اللہ شاہ صاحب کے والد قرآن و حدیث کی تعلیمات کی تبلیغ و تدریس میں معروف رہے۔

سید احسان اللہ شاہ کے تین بیٹوں سید محبت اللہ شاہ سید بدیع الدین شاہ سید محی الدین شاہ میں سے یہ مختلے بیٹے تھے آپ کا نسب نامہ یوں ہوا۔ علامہ شیخ العرب والعجم پیر بدیع الدین شاہ بن سید احسان اللہ شاہ بن رشد اللہ شاہ بن رشید الدین شاہ بن محمد یلین شاہ بن محمد راشد اللہ الحسینی۔ یہ خاندان صوبہ سندھ میں ذی علم اور رشد و ہدایت کے مرکز کے طور پر معروف ہے۔ کیونکہ عمل بالحدیث کا رواج اور تعارف اس خاندان پیر آف جھنڈو کا رہن منت ہے۔ سید محمد راشد شاہ ولی اللہ خدا ترس متقی انسان تھے۔ انہوں نے نماز مغرب کی جماعت سے قبل دو رکعت سنت کا احیا کیا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ شاہ صاحب کے والد سید احسان اللہ شاہ کا لقب ہی ”سنت والا“ معروف ہو گیا تھا اور وہ صرف اس لئے کہ انہیں جس عمل کے سنت ہونے کا علم و یقین ہو جاتا وہ اس پر

☆ ضلع قصور کے معروف مقالہ نگار، ادیب و صحافی

عمل پیرا ہو جاتے اور اس کی تعلیم و تبلیغ سود و زبان سے بے نیاز ہو کر شروع کر دیتے۔ اس جذبہ ایمانی سے انہوں نے مدرسہ دارالرشاد بھی قائم کر رکھا تھا جس میں جملہ علوم و فنون کی تعلیم کا مکمل انتظام تھا۔ علامہ سید بدیع الدین شاہ رحمہ اللہ نے بھی جملہ تعلیم اسی مدرسہ میں حاصل کی۔ اس مدرسہ میں مولانا عبید اللہ سندھی جیسی فاضل شخصیت بھی مدرس رہی۔ حضرت شاہ صاحب کے جملہ اساتذہ علمائے احناف تھے۔ سوائے ان کے برادر بزرگ مولانا سید محبت اللہ شاہ کے حضرت شاہ جی نے جملہ علوم کی تکمیل تو مدرسہ ہی میں کی لیکن حدیث کی سند حاصل کرنے کے لئے تقسیم ہند سے قبل وہ امرتسر تشریف لے گئے۔ جہاں انہوں نے سلطان المناظرین فاتح قادیان علامہ ثناء اللہ امرتسری حضرت العلام حافظ عبداللہ محدث روپڑی، الشیخ ابواسحاق، مولانا نیک محمد، علامہ ابوسعید شرف الدین دہلوی، الشیخ عبدالرحمن رامپوری سے فیض حاصل کر کے حدیث کی اجازت حاصل کی۔

۱۹۳۷ء کے بعد مولانا عبید اللہ سندھی کی خدمت میں حاضر ہو کر پارہ عم کی تفسیر کے سلسلہ میں استفادہ کیا اور ۳۲ سال کی عمر میں آپ نے صرف تین ماہ کے قلیل عرصہ میں مکمل قرآن مجید کو بھی یاد کر لیا تھا۔ پیر صاحب کو اللہ تعالیٰ نے خاندانی شرف و جاہت کے علاوہ غیر معمولی حافظہ، نادر ذہانت، مضبوط قوت استحضار، دعوت و تبلیغ کے ولولوں اور جذبوں، تصنیف و تالیف کے سلیقے اور اخلاق و کردار کی رفعتوں سے نوازا تھا۔ مسائل کے مالہ و ماعلیہ پر ان کی نظر بہت وسیع تھی۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی رائے ہمیشہ دو ٹوک ہوتی۔ اپنی رائے پر اعتماد تو بے پناہ رکھتے تھے۔ لیکن اس پر اصرار کی بجائے مخاطب سے دلائل طلب کرتے اور جب کسی صحیح حدیث یا دلیل سے ان کو اطمینان اور تشفی ہو جاتی تو اپنی رائے فوراً تبدیل کر لیتے۔ اللہ تعالیٰ اور اس کے پیارے حبیب ﷺ کی تعلیمات لوگوں تک پہنچانے اور اللہ کی مخلوق کو دوزخ کی آگ سے بچانے کی خواہش اور ان کی ہدایت کے لئے دعا کرتے رہنے والی انبیاء کی صفت سے موصوف تھے۔ دینی لحاظ سے پسماندہ خصوصاً سندھ کے دور دراز علاقوں میں ان کی خدمات بے مثال ہیں۔

وہ ہر بات کو خوب پرکھتے جانچتے اور اسے دلائل کی میزان میں تولتے۔ تمام ذخیرہ حدیث اور فقہ اسلامی کھلی کتاب کی طرح ان کے سامنے تھیں۔ حتیٰ کہ قلمی نسخوں پر بھی ان کی نظر تھی۔ اس لئے بلا مبالغہ کہا جاسکتا ہے کہ پاک و ہند ہی نہیں پورے عالم اسلام میں وسعت مطالعہ نقد و تحقیق کی بے پناہ صلاحیتوں کے

اعتبار سے شاہ جیسے عالم، محدث، محقق چند ایک ہی ہوں گے۔ ان کی ذاتی لائبریری بھی بہت وسیع ہے جسے عالمی شہرت حاصل ہے۔ کیونکہ اس میں حدیث وفقہ، اصول حدیث، اسمااء الرجال، تفسیر اور تاریخ سیر سے متعلقہ بیشتر مطبوعہ کتابیں اور بہت سی غیر مطبوعہ کتب موجود ہیں جن کی تعداد ہزاروں میں ہے۔ پوری دنیا سے محققین اہل علم و اہل قلم اس لائبریری سے استفادہ کے لئے حاضر ہوتے ہیں۔ درس و تدریس سے بھی انہیں گہرا شغف تھا۔ زمانہ طالب علمی میں ہی وہ طالب علموں کو صرف و نحو اور حدیث کی کتابیں پڑھاتے تھے۔ ”المدرسة الحمدیہ“ جس کا قیام آپ کے ہاتھوں عمل میں آیا تھا جس میں دوسرے مدرسین کے علاوہ خود بھی تدریس کے فرائض سرانجام دیتے رہے۔ چند سال اس میں صحیح بخاری شریف کا درس بھی دیا۔ ان کی علمی قابلیت کی شہرت سن کر عرب ممالک کے طلباء بھی ان سے استفادے اور ان کے خوان علم کی ریزہ چینی کے لئے ان کے پاس آئے اور کئی کئی سال ان کے پاس مقیم رہتے ہوئے ان کے سرچشمہ علم سے فیض یاب ہوئے۔ آج سے بیس سال قبل علمی اور تحقیقی ذوق کے پیش نظر شیخ عبداللہ بن حمید رئیس مجلس القضاۃ الاعلیٰ سعودی عرب کی دعوت پر مکہ مکرمہ تشریف لے گئے تھے۔ دارالحدیث مکہ مکرمہ میں ایک سال اور معہ الحرم میں دو سال تک تدریس کے فرائض سرانجام دیے۔ اس دوران انہیں بیت اللہ شریف میں قرآن و حدیث کا درس دینے کی خصوصی اجازت تھی۔ وہاں ہزاروں تشنگان علم شاہی سعودی خاندان کے افراد سمیت یمنی، ترکی، شامی افریقی ممالک وغیرہ کے طلباء و اصحاب شامل ہیں۔ جنہوں نے اپنی علمی و تحقیقی پیاس آپ کے ہاں بجھائی۔

اگرچہ حضرت شاہ کی مادری زبان سندھی تھی لیکن عربی اردو زبانوں پر بھی انہیں مکمل عبور تھا۔ یہی وجہ ہے کہ تینوں زبانوں میں ان کی تحریر کردہ کتب تقریباً ڈیڑھ سو ہیں۔ ان کا انداز تحریر بہت جاندار اور موثر تھا بڑی سلاست اور روانی سے عالمانہ و فاضلانہ اور محققانہ طور پر قلم اٹھاتے کہ کوئی پہلو تشنہ تکمیل نہ رہتا۔ دوسری طرف پاکستان کے مشہور اور اہم مقامات پر کانفرنسوں میں انہیں خطاب کرنے کا موقع ملتا رہا۔ آپ کی تقاریر جوش و ولولے کی مظہر، قرآن و حدیث کے دلائل سے مزین اردو زبان و بیان و استدلال کی قوت سے بھرپور ہوتیں جس میں فریق مخالف کے دلائل خس و خاشاک کی طرح بہہ جاتے۔ جولائی ۱۹۹۴ء کو ماہنامہ صراط مستقیم کراچی کے ایک انٹرویو میں ان سے سوال کیا گیا کہ پاکستان سمیت پوری امت مسلمہ کی موجودہ دگرگوں

حالت کس طرح بہتر ہو سکتی ہے؟ اس سوال کے جواب میں انہوں نے فرمایا کہ جیسے پہلے اصلاح ہوئی تھی اب بھی ویسی ہی اصلاح کی ضرورت ہے۔ ہم کسی دوسرے طریقے سے اصلاح چاہتے ہیں جبکہ کسی اور طریقے سے اصلاح ممکن نہیں ہے۔ مسلمان اپنی بنیاد یعنی قرآن و سنت کی طرف لوٹیں۔ اپنی اصل کی طرف آئیں۔ اس کے سوا کوئی چارہ کار نہیں۔ امت مسلمہ آج اپنی اصلیت کو چھوڑ چکی ہے۔ جس کی وجہ سے حکمران اپنی آج دنیا بھر میں باون کے قریب اسلامی ریاستیں ہیں۔ پہلے ایک آدمی چلاتا تھا۔ سب لوگ حاکم سے ڈرتے تھے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ حاکم اللہ تعالیٰ سے ڈرتا تھا۔ اب جو ہیں فرقے ہو گئے ہیں۔ ہمارا سینہ حسد و عناد سے بھرا ہوا ہے تو ایسے میں تو یہی ہوگا جو ہو رہا ہے چاہے پاکستان ہو یا کوئی اور ملک اصلاح کی واحد صورت یہی ہے کہ اسی بنیاد کی طرف لوٹا جائے۔ چند برسوں سے وہ قرآن پاک کی بدیع التفسیر کے نام سے سندھی میں تفسیر لکھ رہے تھے جس کے تیرہ پارے مکمل ہو چکے ہیں۔ جو ہزاروں صفحات پر مشتمل ہے۔ چودھواں پارہ شروع تھا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بلاوا آ گیا۔ وہ ۸ جنوری ۱۹۹۶ء کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ہم سے جدا ہو گئے۔ ان کے تلامذہ اندرون و بیرون ملک کی تعداد ہزاروں میں ہے۔ جن میں سے معروف اسماء گرامی میں الشیخ علی عامر یمنی مدیر دارالحدیث مکتہ المکرمۃ، الشیخ عمر بن محمد بن عبد اللہ بن سبیل، سابق امام کعبہ، الشیخ عبدالقادر حبیب اللہ سندھی مدرس جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ، الشیخ حافظ فتح محمد، الشیخ عبدالرب بن فیض اللہ، استاد دارالحدیث مکہ مکرمہ، الشیخ مولانا عبدالعزیز نورستانی جامعہ اثریہ پشاور شامل ہیں۔

علمی اور روحانی طور پر ان کا بہت اونچا مقام تھا۔ حضرت علامہ شیخ العرب والعجم بدیع الدین شاہ راشدی رحمہ اللہ بیک وقت دور حاضر کے بہت بڑے مفسر، محدث، مناظر، خطیب، ادیب اور بے مثال مقرر تھے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی بشری لغزشوں سے درگزر فرماتے ہوئے ان کی ملی، قومی اور دینی خدمات کو شرف قبولیت سے نوازے۔ آمین۔

(ہفت روزہ فیملی میگزین لاہور/ زیر اہتمام روزنامہ نوائے وقت لاہور)

جلد نمبر ۲/ شمارہ نمبر ۱۵، ۱۳ تا ۱۹ جنوری ۲۰۰۲ء

برطانیق ۲۸ شوال تا ۵ ذیقعد ۱۴۲۲ھ

ترجمة السيد بديع المير شاه راشدى الحسينى

الحمد لله رب العالمين والصلاة والسلام على خاتم الانبياء والمرسلين سيدنا

محمد وعلى آله وصحبه اجمعين

ابو محمد

هو الامام العالم الحافظ المحدث وحيد دهره وأوانه وفريد عصره وزمانه شهاب
الملة والدين السيد الشريف ابو محمد بديع الدين شاه بن السيد الشريف احسان الله شاه بن
السيد الشريف رشد الله شاه بن السيد الشريف رشيد الدين شاه بن السيد الشريف محمد
ياسين شاه بن السيد الشريف محمد راشد شاه الراشدى الحسينى ولد فى ١٢/٥/١٩٢٣
بقريه بير جندة ثم هاجر والده الشريف احسان الله شاه من بير جندة واسس قرية جديدة
تسمى درغاه الشريف.

وقد نشأ فى بيت علم وفضل وتلقى علوم الأولى عن أبيه واخذ العلم عن كثير من
العلماء الأعلام فى عصره وله فى كل فن إنتاج قيم

ذكر سيرته وشمائله وزهده وفضائله

وكان رحمه الله بحراً زاخراً بألوان العلوم والمعارف وكان مبرزاً فى فقه الكتاب
والسنة وأصول الدين واللغة العربية وعلم السلوك وتفنى فى علوم الاسلام ودقائق
الاستنباط منه وكان عارفاً بالتفسير وكلام أهل التصوف وشارتهم ودقائقهم وله فى كل فن
من هذه الفنون اليد الطولى. وعالم هذا شأنه لا بد أن يكون موضع إعصاب المنصفين ومنار
حق الأعداء والحاسدين.

☆ مدرس جامعه شمس العلوم المحمديه بدين السند

فلقد كان مستقل الشخصية لا يصدر رأيه في المسائل إلا بعد الوقوف على مآلاته الطوائف المختلفة والنظر بعين فاحمة ورأى ثاقب ينفى به الباطل ويؤيد به الحق. عاش يحطم طواغيت الشرك وأصنام الوثنية ويدمر تلك الحصون التي شيدتها شهوات الطغاة البغاة من أحلاس الرمم. وكان من ضبطه حفظ القرآن في أقل من أربعة أشهر في بيته بدون أن يذهب إلى أي شيخ وكان عمره حينئذ ثلث وعشرون سنة كما قال ابنه الشريف نور الله الراشدي الممحمدي.

وكان شديد المحبة للعلم وكتابته ومطالعة وتصنيفه واقتناء الكتب وكان رحمه الله ذا عبادة وتهجد. وطول صلاة إلى الغاية القصوى وشغف بالمحبة والانباء والإستغفار والافتقار إلى الله والانكسار له ولم يروى لنا التاريخ ولم يتلفظ إلينا بعد هذا المحدث إمام مثل هذا الشيخ فانه نجم طالع بين أقرانه وهو أشبه بالمصباح ونوره أو بالشمس وضوئها.

صفته وشمائله

كان رحمه الله ظاهر الوضأة أبلج الوجه ليس بالأبيض الأمهق وليس بالأدم طويل شق العين وكثيف اللحية ليس بالطويل البائن ولا بالقصير وكان يغضب لحيته ورأسه بالحناء والكتم. وكان في وجهه رعب شديد لا ينظر إليه كل أحد وإذا انتهى إلى قوم جلس حيث ينتهي به المجلس وكان لا يجلس ولا يقوم إلا ذكر الله ولا يقبل الشاء إلا من مكافئ وكان من شمائله على رأسه قلنسوة وفوقها منديل أحمر اللون أو الأبيض وكان أكثر أوقاته عنده حلقة من الصالحين وكان يجيب السائلين بالدلائل من الكتاب والسنة وكان يقبل الدعوة كل أحد كان من أشراف القوم أو من ضعفائهم وكان لا يخاف لومة لائم

الوعظ والمناقشات

كانه رحمه الله وقف حياته لنشر دين الله الخالص بالتدريس والوعظ والمناقشات ضد الباطل والتصنيف وغير ذلك فاما الوعظ فذهب رحمه الله إلى مواضع خطيرة لنشر

التوحيد ومع ذلك يصلى بالناس الجمعة ويسمعهم خطبة الجمعة ويعظمهم بضوء الكتاب والسنة ومع ذلك كان يرتحل ويشترك فى كبار الحفلات والمجالس فى السند والبنجاب وكان يسافر الى السعودية فى كل السنة الا ماشاء الله فيلقى الكلمات بالعربية والأردية بالحرمين الشريفين والقى المحاضرات فى الجامعة الاسلامية بالمدينة المنورة وغير ذلك.

اما المناقشات . فان الشيخ ناقش مناقشات عديدة ومن اهمها اذ كان فى بداية من بلوغه ناقش رحمه الله . بالشيخ محمد عمر من علماء البريلويين فى مسألة عيد ميلاد النبى صلى الله عليه وسلم فهت الشيخ محمد عمر على رؤس الاشهاد ثم بعد سنوات جاء عمر الاشروى فى السند وكان من علماء البريلويين فيجبره الناس على المناظرة بالشيخ رحمه الله فرضى بالمناظرة فعين المقام والوقت فحسب الوعد حضر شيخنا رحمه الله ولم يحضر الاشروى ثم اخبروا بانه ذاهب الى لاهور فتبعوه وهو راكب على عربة يريد المحطة فاخذوه واجبروه للمناظرة فقال دعونى لا استطيع ذلك لاجل بواسير لحق بى

طريقته فى البحث والفتوى

كان رحمه الله يعتمد أولاً على النصوص يستنبط منها الأحكام ويكثر من الأدلة على المسألة الواحدة ويعرض آراء السابقين ويختار منه ما يؤيده الدليل ويعرض أدلة المخالفين ويفندها ويستعين بالأحاديث على بيان معنى الآية ويفتى بالفتوى المستقلة لا يميل الى أحد ولا يستهل كبعض المتساهلين

ثناء العلماء عليه

قال الشيخ ثناء الله امرتسرى رحمه الله فى ثناء الشيخ بديع الدين قال هو امام فى فن الرجال والجرح والتعديل (الاعتصام لاهور ٥ جمادى الاولى ١٣٠٦ هـ) قال الشيخ ابوالقاسم سيف بنارسى فى تقریظ الكتاب المرأة لطرق الحديث من كان له امام لشيخ بديع

قال فأنى أسرع نظرى فى رياض الرسالة المسماة بالمرآة لرأس المحققين العلامة السيد بديع الدين.

وايضاً قال الشيخ علامه احمد الدين ذكر تضعيفها وعللها بالتفصيل وحققتها كالبخارى والبيهقى بالدليل.

قال الشيخ عطاء الله ثاقب فى تقديم هداية المستفيد كان صاحب لواء التوحيد ناصر السنة قاطع البدعة العلامة الشيخ السيد بديع الدين شاه قال الشيخ العلامة عبد الله ناصر الرحمانى حفظه الله امير جمعيت اهل حديث السند فى تقديم خطابات راشدية كان من العلماء الراسخين فى العلم وقد توفى عمره لظهور مسلك اهل حديث وبثوث عقيدة السلف والدفاع عنهم عن كل مذهب باطل واذا تكلم تكلم بالدلائل والبراهين فاذا سلك بذلك الطريق صار بطريق الاستنباط منفردا بين العلماء.

قال الشيخ حافظ زبير على زنى حفظه الله "لوسئل عنى بين الركن اليمانى ومقام ابراهيم لهذا الشيخ لقلت والله ما رأيت أحدا أعلم ولا أفقه من شيخ بديع الدين" مجلة الحديث رقم ٢ صفحہ ٦٠

وايضاً ذكر فى مجلته المسماة بالحديث رقم ٢ قول خطيب بغدادى رحمه الله لامام دارقطنى قال وكان فريد عصره وقيع دهره ونسيج وحده وامام وقته ثم قال الاستاذ ابو القاسم محب الله شاه راشدى وشيخ العرب والعجم ابو محمد بديع الدين شاه الراشدى هما عندى مصداقان لهذا القول.

قال الشيخ الاستاذ عبدالرزاق ابراهيمى مدير الجامعه شمس العلوم السلفيه المحمديه هو عندى عالم حافظ ثقة فريد دهره ووحد عصره شيخ الشيوخ والعلماء بعده عيال على كتبه لم نرمثله فى زماننا كان راسخاً فى العقيدة والمنهج والعلم بلا مبالغة هذا ولا نزكى على الله أحداً وهو يعلم السرائر.

الاجازة للرواية

اخذ الاجازة للرواية من الشيخ الاستاذ المفسر المحدث ابي الوفاء ثناء الله الامرتسرى والمحدث ابي سعيد شرف الدين الدهلوى والشيخ الحافظ المحدث عبدالله الروبرى والشيخ الشهير المحدث ابو محمد عبدالحق البهاولفورى الهاشمى والشيخ محمد خليل الخيربورى رحمهم الله تعالى

واستجازه: الشيخ سعيدى بن مهدى الهاشمى البغدادى خلال لقائهما بمكة المكرمة والشيخ عبدالقادر بن حبيب الله السندى المدنى المدرس بمعهد الحرم بمكة المكرمة والشيخ على بن عامر نائب مدير دارالحديث بمكة المكرمة، والشيخ الحسن الغمارى السعودى والشيخ اسلم بن محمد الاردنى. وآخرون حفظهم الله كما استجازه اخوه الاكبر وشيخه السيد الشريف محب الله شاه رحمهم الله.

تصنيفاته

وصنف تصانيف كثيرة جداً فى انواع العلم باللغة العربية والأردية والسندية

أذكر هنا بعض تصنيفاته التى باللغة العربية

- ١- عين الشين بترك رفع يدين، ٢- زيادة الخشوع بوضع اليدين فى القيام بعد الركوع، ٣- جزء منظوم فى أسماء المدلسين، ٤- جلاء العينين بتخريج روايات البخارى فى جزء رفع اليدين، ٥- القول اللطيف فى الاحتجاج بالحديث الضعيف، ٦- انماء الزكن فى تنقيد انهاء السكن، ٧- شهادة الأحناف فى مسألة علم الغيب على سبيل الانصاف، ٨- السمط الابريز حاشية مسند عمر بن عبدالعزيز، ٩- التعليق المنصور على فتح الغفور فى تحقيق وضع اليدين على الصدور للشيخ محمد حيات السندى، ١٠- الإجابة مع الاصابة فى ترتيب أحاديث البيهقى على مسانيد الصحابة.

وهكذا كتب فى اللغة العربية واحد وستون كتاباً وفى اللغة الاردية اثنان و ثلاثون

کتاباً وفى اللغة السندية خمسون کتاباً منهم المهم فالمهم بديع التفاسير فسرہ على منهج سلف الصالحين.

وكذلك كان للشيخ رحمه الله مكتبة كبيرة جداً.

وفاته

توفى رحمه الله ستة عشر شعبان سنة ١٢١٦ هـ. وصلى عليه الشيخ عبد الله ناصر رحمانى حفظه الله ودفن فى مقبرة بيرجنده مع اخيه الكبير محب الله شاه الراشدى رحمهم الله رحمة واسعة. انا لله وانا اليه راجعون.

وبالماضين ما كان أشبهه

عن الدنيا ما كان اصبره

والشبهه فنفاها

اتته الدنيا فاباها



علامہ سید ابو محمد بدیع الدین شاہ راشدی رحمہ اللہ

اور اُن کے مشاہیر معاصرین علمائے کرام

ارض کائنات میں بعض خطے ایسے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنی خاص عنایت سے نوازا ہے۔ اور ان میں اپنے اپنے ایسے مقبول بندے پیدا کئے ہیں جنہوں نے اعلاء کلمۃ اللہ اور اصلاح الناس کو اپنا وطیرہ بنایا۔ سندھ کی سرزمین بھی انہی خطوں میں سے ایک خطہ ہے۔ جس کو ”باب الاسلام“ جیسے عظیم لقب سے ملقب کیا گیا ہے۔ جس نے عظیم مفکر، سائنسدان، فقیہ، محدث، اور مفسر قرآن کو جنم دیا۔ ان عظیم ہستیوں نے زندگی کے ہر شعبہ میں عوام الناس کی رہنمائی فرمائی۔ خصوصاً دینی حوالہ سے کئی ایسے خاندان بھی پیدا ہوئے، جنہوں نے اپنی تبلیغ کا مرکز سندھ کو ہی منتخب کیا۔ تاریخ کے اوراق شاہد ہیں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، تابعین عظام و تبع تابعین رحمہم اللہ جیسی مقدس ہستیاں سرزمین سندھ میں براجمان ہوئیں اور سندھ کو اپنا مستقل مسکن بنا کر یہیں کی ہو کر رہ گئیں۔ ان خاندانوں میں سندھ کا راشدی خاندان بھی ایک ہے۔ جن کے بڑے ایران سے لگی شاہ صدر نزدیکیوں موجودہ ضلع جامشورو میں آ کر قیام پذیر ہوئے۔ اور بعض اسباب کی وجہ سے سندھ کے مختلف اطراف میں پھیل گئے۔ تاریخ میں ان شاخوں میں سب سے زیادہ شہرت سید راشد شاہ کی اولاد کو ملی جس کے نام کی طرف یہ خاندان منسوب ہوا۔

یہ شاخ بھی آگے چل کر تین حصوں میں تقسیم ہوئی جنہوں نے اپنی خداداد علمی صلاحیتوں کی وجہ سے اپنے اپنے حلقوں میں اعلیٰ مقام حاصل کیا۔ جن میں

① پیر علی محمد راشدی کا خاندان

② پیر گناڑہ کا خاندان

③ پیر جھنڈہ کا خاندان

☆ مدیر المکتبة الدعوة السلفية ميمم كالوني مثياري

مؤخر الذکر خاندان نے سندھ میں اسلام کی حقیقی تعلیم کی نشر و اشاعت کی کوشش کی اور لوگوں کو بدعات، شرک کی خباثتوں سے آگاہ کیا اور عوام الناس کو لاتعداد خداؤں کے آگے سر جھکانے کے بجائے اللہ وحدہ لا شریک کے سامنے اپنی پیشانی جھکانے کی تعلیم دی۔ انہوں نے تحریر و تقریر کے ذریعے ان خرافات کا قلعہ قمع کیا۔ علامہ سید بدیع الدین شاہ راشدی رحمہ اللہ بھی اسی خاندان کے گل سرسبد ہیں۔ جنہوں نے اپنے ایمانی عطربانی سے سر زمین سندھ بلکہ ہندو پاک کے علاوہ پورے عالم اسلام کو معطر کیا اور دنیا کے کونے کونے تک وحدانیت کے پیغام کو پہنچایا۔ آپ ایک عظیم محدث، مفسر قرآن، فقیہ، خطیب، کامیاب مدرس تھے۔

آپ نے تقریباً ۱۸۰ کے قریب سندھی، اردو، اور عربی تصانیف سپردِ قسط کیں۔ جن میں اردو اور سندھی زبانوں میں اکثر تصانیف راقم الحروف کی کوششوں سے مکتبۃ الدعوة السلفیہ مین کالونی میاری نے شائع کی ہیں اور بقایا کتب پر کام جاری ہے۔ اور عربی کتب بھی بھی زیر طبع ہیں، آپ کی تصانیف میں سے سب سے زیادہ مقبول آپ کی سندھی زبان میں لکھی ہوئی قرآن مجید کی تفسیر ”بدیع التفسیر“ ہے۔ جسے شاہ صاحب رحمہ اللہ دس جلدوں یعنی سورہ النحل تک لکھ سکے۔ اس تفسیر میں ایک جلد میں علمی مقدمہ ہے۔ جس کے متعلق راقم الحروف سے ایک ملاقات میں سندھ کے عظیم اسکالر ڈاکٹر عبدالواحد ہالپوٹہ مرحوم نے فرمایا کہ:

”شاہ صاحب سندھ کے جلال الدین سیوطی ہیں“

بہر کیف ذیل میں چند مشاہیر اہل حدیث کا ذکر کیا جاتا ہے جو علامہ سید بدیع الدین شاہ رحمہ اللہ کے

ہمعصر ہیں۔

مولانا عبدالنواب ملتانی

آپ ۱۳ جمادی الثانی ۱۲۸۸ھ اگست ۱۸۷۱ میں ملتان میں علامہ قمر الدین ملتانی کے ہاں پیدا ہوئے۔ تمام تعلیم کی تحصیل اپنے والد بزرگوار سے کی اور حدیث کی تکمیل شیخ الکل سید نذیر حسین محدث دہلوی سے کی۔ تعلیم سے فراغت کے بعد محلہ قدیر آباد میں ایک دینی مدرسہ قائم کیا۔ تدریس کے ساتھ تصنیف و تالیف کا شغف تھا۔ کئی عربی اردو کتب کے مصنف ہیں۔ ان میں سب سے زیادہ مشہور بلوغ المرام کی اردو شرح ہے۔ آپ نے ۹ ربیع الثانی ۱۳۴۳ھ بمطابق ۳۰ مئی ۱۹۲۷ء کو ملتان میں وفات پائی۔

ابوالقاسم سیف بناری متوفی (۲۵ نومبر ۱۹۴۹ء)

آپ بلند مرتبہ علامہ دین، مؤرخ، محدث، معلم، متکلم، خطیب، مناظر، صحافی اور مدرس تھے۔ آپ کو علم حدیث سے غیر معمولی شغف اور محبت تھی۔ حدیث کے بارے میں معمولی سی مداخلت بھی برداشت نہیں کرتے تھے جب ایک بریلوی مولوی ڈاکٹر عمر کریم نے امام بخاری پر اعتراض کیے تو آپ نے ”حل مشکلات البخاری“ کے نام سے ۳ جلدوں میں ایک جامع کتاب لکھی جس کا ملت بریلویہ آج تک جواب نہیں دے سکی اس کے علاوہ اس کے جواب میں ایک کتاب ”الامر المبرم لابطال الکلام المحکم“ بھی لکھی اس کے علاوہ اسی حوالہ سے تقریباً ایک درجن کتب لکھیں جو سب کی سب اسی عمر کریم کے جواب میں ہیں۔ آپ کی تصانیف کی تعداد تقریباً ۶۷ ہے۔ جو یہ تمام تصانیف قادیانیوں، آریاساج، منکرین حدیث، مقلدین احناف، عیسائیوں اور نیچریوں کے باطل نظریات و عقائد کے رد میں لکھیں۔ اس کے علاوہ اخبار اہل حدیث امرتسر میں آپ نے ان نظریات کے خلاف کئی مضامین لکھے۔ ۱۴ سال کی عمر میں فراغت کے بعد اپنے والد کے قائم کردہ مدرسہ سعیدیہ میں علم حدیث کی تدریس پر مامور ہوئے اور اپنی زندگی میں تقریباً ۴۸ مرتبہ صحیحین کا درس دیا۔ تدریسی خدمات انجام دینے کے ساتھ ساتھ ایک ماہنامہ ”السعد“ اپنی پریس ”سعید المطالع“ سے جاری کیا۔

مولانا محمد ابراہیم میر سیالکوٹی (متوفی ۱۲ جنوری ۱۹۵۶ء)

سیٹھ قادر بخش کے گھر میں مولانا ابراہیم ۱۲۹۱ھ/۱۸۷۳ء میں سیالکوٹ میں پیدا ہوئے۔ قرآن مجید کی تعلیم اپنے گھر ہی میں حاصل کی، ۱۳۱۲ھ/۱۸۹۵ء میں مشن ہائی اسکول گندم منڈی سیالکوٹ سے میٹرک کا امتحان پاس کیا اس کے بعد مری کالج سیالکوٹ میں داخلہ لیا۔ جہاں علامہ اقبال ان کے ہم درس تھے۔ ابھی کالج میں داخل ہوئے ایک ہی سال ہوا تھا تو استاد پنجاب حافظ عبدالمنان وزیر آبادی کی خواہش پر ان کو دینی تعلیم کے لئے حافظ صاحب کے پاس بھیج دیا۔ تعلیم مکمل کرنے کے بعد چند ماہ دارالحدیث رحمانیہ دہلی میں درس حدیث دیتے رہے اس کے بعد واپس سیالکوٹ آئے اور اپنے محلہ میانہ پورہ کی مسجد جو آپ کے والد نے بنوائی تھی ”دارالحدیث“ کے نام سے ایک دینی مدرسہ کی بنیاد رکھی اور درس و تدریس کا سلسلہ شروع کیا۔ شاگرد، مولانا اسماعیل سلفی، مولانا عبید الرحمن مبارکپوری، مولانا عبدالجید سوہدروی جیسے عظیم لوگ آپ کے

شاگرد ہیں۔ جماعتی اور سیاسی حوالہ سے آپ کی خدمات نمایاں ہیں۔ قادیانیت اور سیاسیت کے رد میں دو رسالہ ”الہدیٰ“ اور اس کے بعد ”الہادی“ شائع کیا۔ آل انڈیا اہل حدیث کانفرنس کو برصغیر خصوصاً پاکستان میں متعارف کرانے میں اہم کردار ادا کیا، تحریک آزادی میں بھی آپ کی خدمات قابل ستائش ہیں۔ اتنے مشاغل کے باوجود تصنیف و تالیف کا کام بھی جاری رکھا اور ۱۰۲ کتب مضامین شہود پر لے آئے۔ جن میں باطل نظریات خصوصاً قادیانی فرقہ پر خوب تنقید کر کے اس کی اصلیت کو واضح کیا۔ ان تصانیف میں ”واضح البیان فی تفسیر ام القرآن“ ہے۔ تفسیر سورہ کہف، تاریخ اہل حدیث و شہادۃ القرآن وغیرہ سب سے زیادہ مشہور ہیں۔ آپ نے ۱۲ جنوری ۱۹۵۶ء / ۲۶ جمادی الاولیٰ ۱۳۷۵ھ کو سیالکوٹ میں وفات پائی۔ حافظ عبداللہ روپڑی نے آپ کی نماز جنازہ پڑھائی۔

مولانا عبدالمجید سوہدروی

مولانا عبدالمجید سوہدروی ۱۳۱۸ھ بمطابق ۱۹۰۱ء میں پیدا ہوئے۔ دس سال کے تھے سایہ پدری سے محروم ہو گئے، ان کی تعلیم و تربیت آپ کے دادا مولانا غلام ربانی نے فرمائی۔ اور اس کے بعد مولانا ابراہیم میر سیالکوٹی سے علوم دینیہ کی تکمیل کی۔ ۲۰ سال کی عمر میں علوم متداولہ سے فراغت پانے کے بعد اپنے شہر سوہدرہ میں توحید و سنت کی ترویج و اشاعت میں مشغول ہو گئے۔ تبلیغ کے ساتھ تدریس و صحافت سے بھی وابستہ رہے۔ اور کتب بھی لکھیں جن کی تعداد تقریباً ۵۷ ہے۔ ان میں ۲۳ کتب اسلامی موضوعات اور ۳۴ کتب طب کے موضوع پر مشتمل ہیں۔ جن میں رہبر کامل، تفسیر سورہ فاتحہ، میرۃ ثانی وغیرہ مشہور ہیں۔ آپ نے ۴ نومبر ۱۹۵۹ء / ۴ جمادی الاولیٰ ۱۳۷۹ھ میں رحلت فرمائی۔

مولانا محمد اسماعیل سلفی رحمہ اللہ

مولانا اسماعیل سلفی ۱۳۱۴ھ، ۱۸۹۵ء کو وزیر آباد کے نواحی علاقہ ڈھونکی میں مولوی حکیم محمد ابراہیم کے ہاں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم اپنے والد سے حاصل کی۔ اس کے بعد ابتدائی کتب مولوی عبدالستار بن حافظ عبدالمنان کے پاس پڑھیں، اس کے بعد علوم اسلامیہ کی تحصیل استاد پنجاب حافظ عبدالمنان محدث وزیر آبادی سے کی۔

مولانا سلفی بلند پایہ عالم، مفسر، محدث، فقیہ، مورخ، معلم، متکلم، ادیب اور کامیاب خطیب و مصنف اور بڑے سلجھے ہوئے سیاست دان تھے۔ یہی وجہ ہے کہ جماعت اہل حدیث کو منظم اور فعال بنانے میں انہوں نے اہم کردار ادا کیا۔ مولانا حنیف ندوی، مولانا محمد اسحاق بھٹی، حکیم محمود سلفی، اور مولانا خالد گرجا کی ان کے مشہور تلامذہ میں سے ہیں۔ بڑے بلند پایہ مصنف بھی تھے۔ عربی اردو میں تقریباً ۱۹ کتب لکھیں۔ جن میں امام بخاری کا مسلک، حیاۃ النبی، رسول اکرم کی نماز، حجیت حدیث، جماعت اسلامی کا نظریہ حدیث، تحریک آزادی فکر اور شاہ ولی اللہ کی تجدیدی مساعی، وغیرہ زیادہ مشہور ہیں۔ آپ نے ۲۰ ذیقعد ۱۳۷۸ھ، ۲۰ فروری ۱۹۴۸ء میں گوجرانوالہ میں وفات پائی۔ حافظ محمد یوسف گکھڑوی نے ان کی نماز جنازہ پڑھائی۔

مولانا عبدالسلام بستوی

مولانا عبدالسلام بستوی ۱۳۲۷ھ، ۱۹۰۷ء ضلع بستی کے ایک قصبہ ”بشن“ ہندوستان میں یادی علی کے گھر میں پیدا ہوئے۔ والد کی کلکتہ میں سکونت کی وجہ سے ناظرہ قرآن کی تعلیم کا آغاز وہیں سے کیا اس کے بعد ابتدائی عربی فارسی تعلیم اپنے گاؤں بشن ضلع بستی میں مختلف اساتذہ سے حاصل کی۔ اس کے بعد دہلی میں مدرسہ حمیدیہ میں داخل ہوئے۔ اس کے بعد مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور سے سند فراغت حاصل کی۔ اس کے بعد درس و تدریس کے پیشے سے منسلک ہوئے اور عرصہ ۴۳ سال تک اسی پیشے سے وابستہ رہے۔ پوری زندگی وعظ و نصیحت، درس و تدریس اور قلم کے ذریعے دین کی خدمات اپنا فرض منصبی سمجھا۔ ان کی جنبش قلم سے عربی اردو میں تقریباً ۲۹ کتب منصہ شہود پر آئیں جن میں اسلامی خطبات، اسلامی وظائف، انوار المصانح ترجمہ و تشریح مشکوٰۃ المصابیح (جلد ۱۳)، اسلامی پردہ وغیرہ زیادہ مشہور ہیں۔ آپ نے یکم محرم الحرام ۱۳۹۴ھ، ۷ فروری ۱۹۷۴ء دہلی میں وفات پائی۔

حافظ محمد گوندلوی

حافظ محمد گوندلوی ۱۳۱۵ھ، ۱۸۹۷ء میں گوندل نوالہ میں فضل دین کے گھر میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم مولانا علاؤ الدین سے حاصل کی۔ بعد ازاں مدرسہ تقویۃ الاسلام امرتسر تشریف لے گئے آپ کے مشہور اساتذہ کرام مندرجہ ذیل ہیں۔

① سید میاں نذیر حسین دہلوی

② مولانا عبدالجبار غزنوی

③ مولانا سید عبدالاول غزنوی

④ مولانا سید عبدالغفور غزنوی

⑤ مولانا محمد حسین ہزاروی

⑥ حافظ عبدالمنان وزیر آبادی

حافظ محمد گوندلوی رحمۃ اللہ علیہ بلند پایہ عالم، مفسر قرآن، محدث، فقیہ اور کامیاب مدرس تھے۔ تمام علوم اسلامیہ پر ان کو یکساں دسترس حاصل تھی۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کو غیر معمولی حافظہ کی نعمت سے نوازا گیا تھا۔ آپ نے ایک ماہ میں مکمل قرآن مجید حفظ کیا۔ ایک مرتبہ کوئی کتاب پڑھتے تو وہ ان کے سینے میں محفوظ ہو جاتی۔ آپ بڑے ماہر طبیب بھی تھے۔ جمعیت اہل حدیث پاکستان کے امیر بھی رہے۔

آپ کے تلامذہ کی تعداد شمار سے باہر ہے۔ آپ کے تلامذہ میں جن علماء کرام نے اپنا مقام پیدا کیا

ان میں

① مولانا عطاء اللہ حنیف بھوجیانی

② مولانا محمد علی جانبار

③ مولانا محمد صادق خلیل

④ مولانا ارشاد الحق اثری

⑤ مولانا محمد یحییٰ گوندلوی

⑥ مولانا اسحاق بھٹی

⑦ مولانا محمد حنیف ندوی

⑧ علامہ احسان الہی ظہیر شہید

حافظ محمد گوندلوی جہاں فن تدریس کے امام تھے وہاں بلند پایہ مصنف بھی تھے عربی اردو اور پنجابی

میں تقریباً ۲۸ کتب تحریر فرمائیں۔ آپ نے ۱۲ رمضان المبارک ۱۴۰۵ھ، ۴ جون ۱۹۸۵ء کو گوجرانوالہ میں انتقال فرمایا۔

علامہ احسان الہی ظہیر

علامہ احسان الہی ظہیر ۳۰ مئی ۱۹۳۵ء، ۱۸ جمادی الاولیٰ ۱۳۶۲ھ حاجی ظہور الہی کے ہاں سیالکوٹ میں پیدا ہوئے۔ آپ ے والد حاجی ظہور الہی بڑے متقی، متبع سنت عابد و زاہد اور دیندار شخص تھے۔ علامہ صاحب نے اپنی تعلیم کا آغاز دارالعلوم شہابیہ سیالکوٹ سے حفظ قرآن سے کیا۔ اس کے بعد جامعہ اسلامیہ گوجرانوالہ اور جامعہ سلفیہ فیصل آباد سے اپنی تعلیم کی تکمیل کی اور اس کے بعد جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ میں داخلہ لیا۔

آپ نے درجہ ذیل اساتذہ سے اکتساب علم کیا:

- ① مولانا ابوالبرکات احمد مدارس
- ② استاذی العلماء مولانا محمد گوندلوی
- ③ علامہ ناصر الدین البانی
- ④ محدث العصر محمد امین شفقیطی
- ⑤ شیخ عبدالقادر پسندی
- ⑥ شیخ عطیہ سالم
- ⑦ شیخ عبدالعزیز بن باز مفتی اعظم سعودی عرب

آپ تحریر و تقریر میں یدِ طولیٰ رکھتے تھے۔ آپ کے زیرِ ادارت ”ماہنامہ ترجمان الحدیث“ عرصہ دراز تک جاری رہا۔ اہل حدیث کا کوئی اسٹیج آپ کے بغیر سنان لگتا تھا۔ آپ نے تبلیغی مشاغل کے ساتھ تصنیف و تالیف کے کام کو بھی جاری رکھا۔ آپ کی اکثر و بیشتر تصانیف عربی میں ہیں جو زیادہ تر فرقہ باطلہ کی تردید میں ہیں جن میں سب سے زیادہ مقبول ”بریلویت“ ہے۔ آپ کی تصانیف کی تعداد ۲۲ ہے۔

وفات: ۲۳ مارچ ۱۹۸۷ء میں قلعہ پچمن سنگھ راوی روڈ لاہور میں جلسہ سیرت النبی ﷺ میں

خطاب کرتے ہوئے بم دھماکے میں زخمی ہوئے، ۲۹ مارچ کو شاہ فہد کے ایماء پر ان کو شاہ فیصل ملٹری اسپتال سعودی عرب پہنچایا گیا وہاں انہوں نے داعی اجل کو لبیک کہا۔ اور جنت البقیع نے امام دارالہجرۃ انس بن مالک کے پہلو میں آغوش میں لیا۔

شیخ البانی، شیخ ابن باز، شیخ عبداللہ بن حمید، شیخ حماد الانصاری مدینہ منورہ، شیخ محمد بن عبداللہ السبیل، شیخ خلیل بن ہادی الوادعی یمن صنعاء، شیخ احمد بن حجر آل بوطامی قاضی محکمہ شرعیہ قطر، شیخ محمد امین الشقیطی مصر، مولانا عطاء اللہ حنیف بھوجپانی، شیخ مختیار احمد ندوی بمبئی، شیخ محمد داؤد راز دہلوی، شیخ عبید اللہ رحمانی مبارکپوری، شیخ صفی الرحمن مبارکپوری، شیخ رئیس احمد ندوی، عبدالغفار حسن عمرپوری، پروفیسر عبدالرؤف ظفر، مولانا علی محمد سعیدی، مولانا عبدالرحمن سلفی، مولانا محمد عمر جوینجو سندھ، مولانا علیم ناصری، پروفیسر غلام احمد حریری، مولانا عطاء اللہ ثاقب، مولانا حافظ فتح محمد، ڈاکٹر فضل الہی، مولانا خالد گر جاکھی، حافظ عبدالمنان نورپوری، مولانا کریم الدین سلفی، مولانا حافظ یحییٰ میر محمدی، مولانا معین الدین لکھوی، مولانا پروفیسر محمد یامین محمدی، مولانا عبدالستار حماد، مولانا عبدالسلام بھٹوی، مولانا عبدالغفار اعوان المدنی، مولانا علامہ عبداللہ ناصر رحمانی وغیرہم

ان کے علاوہ صرف اہل حدیث علماء کی ایک لمبی فہرست ہے جن کو شاہ صاحب رحمہ اللہ سے ہم عصری کا شرف حاصل ہے۔ یہ صفحات اس لمبی فہرست کے متقاضی نہیں لہذا صرف ان علماء کے سوانح حیات کے متعلق چند سطور رقم کی ہیں جو تصنیف و تالیف کے میدان میں مشہور ہیں۔ باقی صرف نام پر ہی اکتفا کیا ہے۔ مزید معلومات کے لئے جماعت اہل حدیث کے نامور مؤرخین، مولانا اسحق بھٹی، عبدالرشید عراقی، پروفیسر یوسف سجاد، ابوبحیٰ امام خان نوشہروی کی تصانیف کا مطالعہ کرنا چاہیے۔

اس کے علاوہ سندھ کے کئی علماء کو شاہ صاحب سے مصاحبت اور ہمعصری کا شرف حاصل ہے، جن میں اکثریت ان کے تلامذہ کی ہے لہذا ان کا ذکر یہاں موزوں نہیں۔ دیگر مسالک کے کئی بلند پایہ علماء بھی شاہ صاحب کے ہم عصر ہیں ان سے علمی گفتگو بھی رہی اور انہوں نے باوجود مخالفت کے شاہ صاحب کی تبحر علمی کا اعتراف کیا جن میں خصوصاً علامہ غلام مصطفیٰ قاسمی اور مولانا ڈاکٹر عبدالواحد ہالپوتہ کے نام قابل ذکر ہیں۔

قال رسول الله ﷺ

﴿الْمُؤْمِنُونَ شُهَدَاءُ اللَّهِ فِي الْأَرْضِ﴾

(صحیح البخاری ۵/۵۵۲)

تاثرات

سیدنا و سندننا الشیخ بدیع الدین الشاہ الراشدی

بیتے دنوں کی چند یادیں

سرزمین سندھ کو برصغیر پاک و ہند کے لئے ”باب الاسلام“ ہونے کا شرف حاصل ہے۔ قرون اولیٰ سے تاہنوز اس خطہ سندھ سے تعلق رکھنے والے اعیان و اکابر کی ایک طویل فہرست ہے۔ جنہوں نے اپنے اپنے دور میں یہاں علم کی بساط بچھائی اور کتاب و سنت کی روشنی میں لوگوں کے سینوں کو منور کیا۔ ان میں وہ پاکباز ہستیاں بھی گزریں ہیں جن کے علم و فضل سے عرب و عجم نے استفادہ کیا اور عجم سے نکل کر سرزمین حجاز میں اپنے علم و عمل کے جھنڈے گاڑے اور شرق و غرب، شمال و جنوب، چار اطراف سے تشنگان علم نے ان سے استفادہ کیا۔ انہی سربراہان و دروہ حضرات میں ہمارے مدوہ شیخ العرب والعجم الشیخ العلماہ السید بدیع الدین راشدی رحمہ اللہ بھی ہیں جو سندھ کے مشہور علمی و اسلامی خاندان ”راشدیہ“ کے گل سرسبد تھے۔ جن کے تذکرہ کے بغیر خاندان راشدیہ کی تاریخ ناقص بلکہ کہنا چاہیے کہ ان کے تذکرہ کے بغیر پندرہویں صدی ہجری کی تاریخ نامکمل رہے گی۔

اس عاجز کا حضرت شاہ صاحب نور اللہ مرقدہ سے ربط و تعلق سب سے پہلے مارچ ۱۹۶۶ء میں ہوا۔ ان دنوں راقم مسلک اہل حدیث کی معروف دینی دانش گاہ الجامعہ السلفیہ کے درجہ خاصہ کا طالب علم تھا۔ حضرت شاہ صاحب کا رسالہ ”الدلیل النام“ نظر سے گزرا تو اس حوالے سے اپنی معروضات ان کی خدمت اقدس میں تحریراً لکھ بھیجیں۔ یہ ان کی علم پروری اور شفقت تھی کہ ایک ادنیٰ طالب علم کو انہوں نے مایوس نہ کیا اور میری تشفی کے لئے جواب ارسال کیا۔ اس سے قبل جامعہ تعلیم الاسلام ماموں کانجن کی سالانہ کانفرنس پر حضرت شاہ صاحب کا خطاب سننے اور ان کی زیارت کا شرف حاصل ہو چکا تھا تاہم ان سے باقاعدہ ربط

☆ محقق، مصنف، مدرس، سابق رکن اسلامی نظریاتی کونسل، خطیب جامع مسجد اہل حدیث ٹنگمری بازار فیصل آباد، ناظم ادارہ علوم اثریہ، ناظم تالیفات مرکزی جمعیت اہل حدیث پاکستان

۱۹۶۶ء ہی میں ہوا۔

ادارۃ العلوم الاثریہ فیصل آباد کا قیام وجود میں آیا تو حضرت شاہ صاحب سے میل ملاقات اور ان سے استفادہ کی باقاعدہ سبیل پیدا ہوئی۔ حضرت کی یہ اعلیٰ ظرفی تھی کہ دو تین سال ادارہ کے مخصصین کے امتحان کے لیے تشریف لاتے رہے کئی ایام تک ان کا قیام فیصل آباد میں ہوتا۔ مختلف مقامات پر ان کے دروس ہوتے اور دن بھر ادارہ میں طلباء کے ساتھ گزارتے۔ سید الفقہاء امام الحدیث امام محمد بن اسماعیل البخاری کی الجامع الصحیح کے منتخب ابواب کی تدریس و تعلیم کا فریضہ استاذ العلماء حضرت مولانا محمد عبدہ رحمہ اللہ سرانجام دیتے تھے۔ اس حوالے سے خود انہوں نے اور استاذی مکرم حضرت مولانا محمد عبداللہ محدث فیصل آبادی رحمہ اللہ نے حضرت شاہ صاحب سے استدعاء کی کہ آپ الجامع الصحیح کے منتخب ابواب کی فہرست بنادیں تاکہ اس کے مطابق تعلیم و تعلم کا اہتمام کیا جائے۔ حضرت شاہ صاحب نے اس کی اہمیت کو تسلیم کیا اور واپس گھر جا کر چند ایام کے بعد منتخب ابواب کی فہرست ارسال کر دی۔ جس کے مطابق ادارہ میں الجامع الصحیح کی تدریس ہوتی رہی۔ راقم سال میں دو مرتبہ عید الفطر کی رخصتوں میں اور پھر جون جولائی کے دنوں میں ان کی خدمت اقدس میں حاضر ہوتا، ہفتہ بھر وہاں ٹھہرتا مختلف مسائل و مباحث میں ان سے استفادہ کرتا۔ سن تو یاد نہیں البتہ یہ بات میرے لیے باعث افتخار ضرور ہے کہ پہلی بار جب میں ان کی خدمت میں حاضر ہوا۔ تو وہ اس محبت سے ملے جیسے پہلے سے تعلق خاطر رہا ہو واپسی کی اجازت طلب کی تو فرمانے لگے بس اتنے دن ہی کچھ دن اور ٹھہر جاؤ۔ اپنی مصروفیت کی بنا پر معذرت کی تو مجھے انہوں نے الوداعی دعاؤں کے ساتھ رخصت کیا اور اپنے گھر کی ہاتھ سے بنی ہوئے دھاگے کی ٹوپی عنایت فرمائی۔ اس سے قبل میں صرف سر پر رومال رکھتا تھا۔ اس کے بعد سے سر پر ٹوپی رکھنے لگا۔

۱۹۷۱ء میں سقوط ڈھاکہ ہوا، پاکستان کا ایک حصہ جدا ہو گیا۔ ملت اسلامیہ پر بالعموم اور پاکستانیوں پر بالخصوص غم کے پہاڑ ٹوٹے، بہت سے لوگ اسی صدمہ کو برداشت نہ کر سکے تو موت کے منہ میں چلے گئے۔ ایک سراسیمگی اور دیوانگی کی فضا ہر سو پائی جاتی تھی۔ انہی ایام میں حضرت شاہ صاحب ”لائل پور“ تشریف لائے۔ ادارہ کے وہ مہمان تھے۔ پروگرام بنا کہ شہر کے ہر مکتبہ فکر کے علماء کرام کو بلانا چاہیے اور موجودہ

حالات میں حضرت شاہ صاحب کے بیان سے راہنمائی لینی چاہیے۔ چنانچہ محترم میاں غلام محمد صاحب کے مکان پینلز کالونی میں علمائے کرام کو زحمت دی گئی۔ تمام حضرات کشاں کشاں وہاں عصر کی نماز کے بعد تشریف لائے۔ بھرپور اجتماع ہوا حضرت مولانا محمد اسحاق چیمہ مرحوم نے بڑی فکر مندی سے مجھے فرمایا کہ حضرت شاہ صاحب کو اجتماع کی نزاکت سے آگاہ کر دو کہیں ایسا نہ ہو کہ حضرت موصوف کوئی ایسی بات کہیں جو مسلکی اعتبار سے علمائے احناف کو ناگوار گزرے اور مجلس کسی بدمزگی کا شکار ہو کر رہ جائے۔ میں نے عرض کیا میں نہ اس کی جسارت کر سکتا ہوں اور نہ ہی میں اس کی ضرورت سمجھتا ہوں۔ بس ان سے اجتماع کی غرض و غایت عرض کر دی ہے اور تشریف لانے والے حضرات کے بارے میں بھی نہیں بتلا دیا گیا ہے۔ تلاوت کلام پاک کے بعد میرے محترم و مخدوم مولانا حکیم عبدالرحیم اشرف مرحوم نے ابتدائی گفتگو کی، اہل پاکستان کے دکھ درد کا ذکر کیا اور حضرت شاہ صاحب کو دعوت خطاب دی۔ حضرت مرحوم نے خطبہ مسنونہ کے بعد ضَرْبُ اللہ مَثَلًا قَرِیۃً کَانَتْ اِمْنَةً مُطْمَئِنَّۃً الْآیۃِ تلاوت فرمائی۔ اور اس کے حوالے سے ایسی دلدوز گفتگو کی کہ ہر آنکھ اشکبار تھی۔ تمام حضرات مہبوت تھے اور اللہ اکبر، اللہ اکبر کہہ کر حضرت شاہ صاحب کے بیان پر سدھن رہے تھے۔

سبھی حضرات کو معلوم ہے کہ حضرت شاہ صاحب کی مادری زبان سندھی تھی مگر تقریر و تحریر میں اردو، سندھی، فارسی و عربی چاروں زبانوں میں اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنے مافی الضمیر کے اظہار کی قدرت بخشی تھی۔ اور ہر طبقہ خیال میں موقعہ محل کے مطابق دلنواز طریقے سے گفتگو کرنے کا سلیقہ عطا فرمایا تھا۔ ان کی اس خوبی کے بارے میں ایک دوسرے انداز کا تاثر آپ دیکھیں کہ جن دنوں حضرت شاہ صاحب پاکستان سے منتقل ہو کر سعودی عرب مکہ مکرمہ میں جانے کا پروگرام بنا رہے تھے۔ انہی ایام میں راقم اپنے شیخ محترم حضرت مولانا محمد عبداللہ صاحب محدث فیصل آبادی کے ہمراہ حضرت شاہ صاحب اور ان کے برادر کبیر حضرت مولانا سید محبت اللہ رحمہ اللہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضرت شاہ صاحب سے تو ملاقات نہ ہو سکی ہم آگے حضرت مولانا پیر محبت اللہ نور اللہ مرقدہ کی خدمت میں پہنچے۔ اتفاقاً وہاں نواب شاہ سے جناب حاجی نور محمد صاحب بھی آئے چائے پینے کے بعد انہوں نے بڑے ہی جذباتی انداز میں حضرت پیر صاحب سے کہا، پیر صاحب آپ حضرت بدیع الدین شاہ صاحب کو حکماً روک دو کہ وہ سعودیہ عربیہ نہ جائیں۔ پیر صاحب نے فرمایا بھائی

میں یہ کیسے کر سکتا ہوں۔ انہوں نے جانے کا فیصلہ کر لیا ہے اور جانے کی تیاری میں ہیں۔ حاجی نور محمد مرحوم کہنے لگے کہ ٹھیک ہے اگر آپ روک نہیں سکتے تو آپ شاہ صاحب کے خون کے وارث نہ بنیں میں انہیں گولی مار دینا چاہتا ہوں۔ اللہ اکبر یہ بات سن کر حضرت پیر صاحب پر سراسیمگی کی سی کیفیت طاری ہو گئی کچھ بول نہ سکے مگر حضرت مولانا محمد عبداللہ صاحب نے بڑے غضبناک لہجے میں فرمایا حاجی صاحب اللہ تعالیٰ سے ڈریں یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں۔ حاجی صاحب کہنے لگے مولانا صاحب کیا کریں ہمیں جہاں ضرورت ہوتی ہے شہر میں ہو یا گوٹھ میں ہو، پبلک جلسہ میں ہو، یا کوئی مکالمہ و مناظرہ ہو اور وکلا اور ججوں میں ہو، پریس میں ہو، جہاں کہیں بھی ضرورت ہوتی ہے ہم شاہ صاحب کو لے جاتے ہیں۔ شاہ صاحب سعودیہ عربیہ چلے جائیں گے تو ہمیں ضرورت پڑے گی تو حسرت سے کہیں گے شاہ صاحب ہوتے تو انہیں لے جاتے اب ہم کس کو لے جائیں۔ وہ فوت ہو جائیں، سبھی نے جانا ہے فوت ہونے پر یہ حسرت تو نہیں ہوگی اور ہم منہ اٹھا کر سعودیہ کی طرف تو نہیں دیکھیں گے۔ اس واقعہ سے آپ اندازہ کر سکتے ہیں کہ حضرت شاہ صاحب کے ساتھ والہانہ عقیدت اور ان کی خدمات کا احباب سندھ کے ہاں کیا تاثر تھا۔

حضرت شاہ صاحب کے سعودیہ جانے کی بات آئی ہے تو یہ بھی دیکھیں کہ سعودیہ جانے سے پہلے حضرت موصوف دوست و احباب سے الوداعی طور پر ملنے کے لئے پنجاب تشریف لائے تو ہمارے ہاں ادارۃ العلوم الاثریہ کو بھی انہوں نے یہ شرف بخشا۔ صبح کے ناشتے کا اہتمام حضرت مولانا محمد اسحاق چیمہ رحمہ اللہ ناظم ادارۃ العلوم الاثریہ نے اپنے گھر پیپلز کالونی میں کیا۔ حضرت مولانا محمد عبداللہ نور اللہ مرقدہ کے علاوہ چند اور احباب بھی تھے۔ ناشتے سے فارغ ہوئے تو حضرت شاہ صاحب کے سعودیہ چلے جانے کے بارے میں بات چل نکلی۔ وہ نقشہ آج بھی میری آنکھوں کے سامنے ہے کہ حضرت مولانا چیمہ مرحوم نے دست بستہ حضرت شاہ صاحب سے عرض کیا کہ اللہ کے لیے آپ سعودیہ نہ جائیں سعودیہ کی فضا آپ کو اس نہیں آئے گی۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ آپ کے ساتھ ہم سب کو پریشانی اٹھانی پڑے۔ مگر حضرت شاہ صاحب عزم بالجزم کر چکے تھے۔ دعوتی اور علمی ماحول کے اعتبار سے انہوں نے یہ فیصلہ فرمایا تھا۔ ویسے بھی انکی بیت اللہ سے محبت قابل رشک تھی۔ نیو سعید آباد کا نام ”بنت العرب“ رکھ چھوڑا تھا۔ بسوں، ویکوں میں اسی نام کے اسٹیکر میں نے اپنی آنکھوں

سے دیکھے تھے۔ لیکن مولانا چیمہ مرحوم نے جس خطرہ کا اظہار کیا تھا بالآخر وہی ہوا۔ اور بڑے نامساعد حالات نے حضرت شاہ صاحب کو واپس ”بنت العرب“ آنے پر مجبور کر دیا۔

حضرت شاہ صاحب مرکزی جمعیت اہل حدیث پاکستان کے امیر بھی رہے۔ احباب جمعیت کے علم میں ہے مرکزی جمعیت جب دو حصوں میں تقسیم ہوئی تو ایک جماعت کے امیر حضرت شاہ صاحب منتخب ہوئے۔ اس حوالے سے حضرت مولانا محمد اسحاق چیمہ رحمۃ اللہ علیہ نے مجھے فرمایا کہ کچھ حضرات کا خیال ہے کہ شاہ صاحب کو امیر بنایا جائے۔ راقم نے اس رائے سے اختلاف کیا مگر انہوں نے فرمایا کہ ان کے امیر بننے میں خیر کا ایک بڑا پہلو یہ ہے کہ جماعت جلد دوبارہ ایک پلیٹ فارم پر اکٹھی ہو جائے گی۔ ان کی یہ بات بڑی وزنی اور حقیقت پسندانہ تھی۔ حضرت چیمہ مرحوم کی فراست، معاملہ فہمی ایک مسلمہ حقیقت ہے۔ چنانچہ اس مقصد کے لئے شاہ صاحب کی خدمت میں حاضر ہونے کا پروگرام بنایا گیا۔ مگر سوئے اتفاق کہ انہی دنوں راقم نزلہ، کھانسی اور بخار کے عارضہ میں مبتلا ہو گیا۔ دس پندرہ روز بعد کچھ طبیعت سنبھلی تو ہم نیو سعید آباد شاہ صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اس قافلے میں شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد عبداللہ گوجرانوالہ سے، حضرت مولانا حافظ عبدالحق ساہیوال سے اور فیصل آباد سے راقم کے علاوہ استاد مکرم مولانا محمد عبداللہ محدث فیصل آبادی اور حضرت چیمہ مرحوم تھے۔ بروز بدھ شام کو شاہین ایکسپریس کے ذریعے روانہ ہوئے۔ صبح کا ناشتہ حاجی نور محمد صاحب کے ہاں نواب شاہ میں کیا اور ظہر سے پہلے یہ قافلہ نیو سعید آباد وارد ہوا۔ ظہر کی نماز کے بعد حضرت شاہ صاحب سے وفد کے معزز ارکان نے اپنی آمد کا مقصد اور مدعا ذکر کیا تو شاہ صاحب سن کر حیران و ششدر رہ گئے، عصر کی نماز تک اس موضوع پر باتیں ہوتی رہیں مگر شاہ صاحب اس عہدہ کو تسلیم کرنے کے لئے بالکل آمادہ نہ ہوئے۔ ان کے چہرے سے پریشانی کے آثار بالکل نمایاں تھے اور وہ اسی منصب کو قبول کرنے کے لئے لمحہ بھر کے لیے بھی تیار نہ ہوئے اسی بحث و تکرار میں عصر کی نماز کا وقت ہوا، نماز سے فارغ ہو کر ہم لاہریری کے باہر گرا سی پلاٹ میں بیٹھے تو گفتگو پھر شروع ہو گئی۔ اسی اثناء میں شاہ صاحب نے مجھے پکڑا اور لاہریری کے اندر مجھے اپنے ہمراہ چلنے کا حکم فرمایا۔ چنانچہ جب ہم دونوں وہاں بیٹھے تو شاہ صاحب نے بڑی افسردگی سے فرمایا میں اپنے ان ساتھیوں کو کیا جواب دوں میں اس کے لیے اپنے آپ کو بالکل آمادہ

نہیں پاتا، نہ ہی مرکز سے انتہائی دور بیٹھ کر کچھ کر سکتا ہوں، یہ حضرات مجھے کہاں پھنسانا چاہتے ہیں۔ مجھے تم اصل بات بتلاؤ کہ معاملہ کیا ہے۔ میں نے ان سے صاف صاف وہی بات کہہ دی جو حضرت مولانا محمد اسحاق چیمہ مرحوم نے فرمائی تھی۔ وہ بات سن کر شاہ صاحب لمحہ بھر کے لئے خاموش ہو گئے۔ کچھ دیر بعد فرمایا اچھا اگر یہی بات ہے تو میں اپنے رفقاء کے ساتھ مشورہ کیے بغیر کوئی بات نہیں کر سکتا۔ اس کے بعد ہم باہر دیگر بزرگوں کے پاس چلے گئے اور ان سے حضرت شاہ صاحب نے فرمایا کہ آپ نے جو آنے کی زحمت فرمائی ہے اور میرے بارے میں جو حسن ظن رکھا ہے اس پر آپ کا شکر گزار ہوں لیکن اس کے لیے آپ سے کوئی بات نہیں کر سکتا تاکہ اس کے بارے میں مشورہ نہ کر لوں تمام بزرگوں نے شاہ صاحب کی بات کو تسلیم کیا اور ہم سب شہداد پور روانہ ہو گئے وہاں شاہ صاحب کے دیرینہ دوست حکیم عبدالجید صاحب تھے۔ فون پر پیشگی انہیں آمد کی اطلاع دے دی گئی، مغرب کے قریب ہم وہاں پہنچے، نماز سے فارغ ہونے کے بعد کھانا کھایا۔ اس کے بعد اصل مسئلہ پر گفتگو شروع ہوئی۔ بڑی بحث و تھجیس کے بعد حکیم صاحب نے وفد سے تعاون کا مشورہ دیا۔ اور یہ وفد با مراد اگلے روز واپس پلٹا۔

اس وفد کے سارے معزز ارکان ایک ایک کر کے اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے حضور حاضر ہو چکے، اللہ تعالیٰ انہیں اپنی رحمتوں سے نوازے، یہ عاجز اس وفد میں سب سے خورد بلکہ طفل مکتب تھا۔ حضرت شاہ صاحب سے تعلق و محبت کے باعث مجھے اس وفد کی رفاقت کا شرف حاصل ہوا۔ ان باتوں کا بھی احباب جماعت میں سے کسی کو علم نہیں کہ حضرت شاہ صاحب مرکزی جمعیت کے امیر کیسے اور کیوں کر بنے؟ مناسب سمجھا کہ اس حقیقت کا اظہار کر دیا جائے اور اس سلسلے میں جن حضرات نے کوشش کی اسے صفحہ قرطاس پر محفوظ کر دیا جائے۔

اس کے بعد تمام جمعیتی رفقاء کے علم میں ہے کہ جامعہ محمدیہ گوبرانوالہ میں اجلاس ہوا۔ اجلاس میں شمولیت سے روکنے کی کوشش بھی ہوئی مگر وہ بے کار ثابت ہوئی۔ اس سلسلے میں راقم اجلاس سے پہلے بطور تائید حضرت شاہ صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا۔ بلکہ اس کے لیے حضرت سید محبت اللہ شاہ صاحب کی خدمت میں بھی پہنچا انہوں نے بھی اجلاس میں آنے کا وعدہ فرمایا۔ شاہ صاحب تو حسب پروگرام پہلے پہنچ گئے مگر حضرت سید محبت اللہ شاہ صاحب گاڑی لیٹ ہونے کی بناء پر اجلاس کے بعد گوبرانوالہ پہنچے۔ چنانچہ

حضرت شاہ صاحب امیر منتخب ہوئے اجلاس کے اختتام پر انہوں نے بڑا مؤثر خطاب فرمایا جس میں تمام منتخب ارکان سے عہد لیا کہ جماعت کے وسیع تر مفاد میں اگر دوسرے ناراض بھائیوں سے صلح کی کوئی سبیل نکل آتی ہے تو کیا آپ سب بلا تا مل مستغنی ہوں گے؟ تو سبھی ارکان نے وعدہ کیا کہ اس کے لیے کوئی بھی لیت و لعل سے کام نہیں لے گا سبھی اپنے اپنے منصب سے سبک دوش ہو جائیں گے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کچھ عرصہ بعد جماعت ایک پلیٹ فارم پر جمع ہو گئی۔ والحمد للہ علی ذلک۔

قوت حفظ و ضبط

اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے اپنے دین کی صیانت و حفاظت کے لیے صحابہ کرام، تابعین عظام اور محدثین کرام کو جو حفظ و ضبط عطا فرمایا تھا، تاریخ کے اوراق میں وہ ایمان افروز داستانیں محفوظ ہیں۔ محدثین کرام کے بعد بھی ہر دور میں اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو اس وصف سے متصف فرمایا انہی میں ایک ہمارے ممدوح حضرت شاہ صاحب بھی تھے۔ جس کا اندازہ آپ اس سے لگائیے کہ ان کے ترجمہ نگاروں نے لکھا ہے کہ تین ماہ کے قلیل عرصہ میں انہوں نے قرآن مجید حفظ کیا۔ (مذکرہ علمائے الہند ص ۱۶۳)

قرآن مجید سے ان کی شفقتی اور محبت کا یہ عالم تھا کہ میں نے اسی حوالے سے ایک بار ان سے دریافت کیا کہ تلاوت قرآن پاک میں آپ کا معمول کیا ہے؟ فرمانے لگے گھر پر ہوتا ہوں تو نماز کے علاوہ دو پارے روزانہ تلاوت کرتا ہوں۔ سفر میں ہوں تو دس، بارہ پارے بھی ہو جاتے ہیں۔ میں نے تعجب سے پوچھا کہ سفر میں یہ کیسے؟ فرمایا: سفر میں اور کیا کرنا ہوتا ہے گاڑی پر بیٹھ جاتا ہوں تو قرآن مجید کی تلاوت کرتا ہوں۔ نیند آجائے تو یہی آرام ہوتا اور باقی سفر تلاوت میں گزر جاتا ہے اس سے اچھا عمل اور کیا ہو سکتا ہے، اس بات کا خود راقم نے بھی کئی بار مشاہدہ کیا۔

”اعلام اہل العصر باحکام رکعتی الفجر“، حضرت مولانا شمس الحق محدث دہلوی کی معروف کتاب ہے۔ ادارہ کے احباب نے اس کی طباعت کا پروگرام بنایا تو اس کی تحقیق و تخریج کی ذمہ داری راقم کے سپرد کی گئی۔ چنانچہ ۵ صفر ۱۳۹۲ھ بمطابق ۱۰ مارچ ۱۹۷۳ء بروز اتوار یہ کام مکمل ہوا۔ تاہم اس کے بعض مقامات تحقیق طلب اور تشنہ تھے ان مقامات کی مراجعت کے لیے سندھ نیو سعید آباد حضرت شاہ صاحب

کی خدمت میں حاضر ہوا۔ انہی مقامات میں ایک حوالہ مصنف ابن ابی شیبہ کا تھا اور مطبوعہ نسخہ میں مل نہیں رہا تھا۔ میں نے شاہ صاحب سے اس کا تذکرہ کیا تو انہوں نے بھی بادی النظر میں متعلقہ ابواب میں اسے تلاش کیا مگر نہ ملا۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ شاہ صاحب نے فرمایا: اس میں کیوں یہ روایت نہیں ملتی میں نے المصنف کے قلمی نسخہ میں ورق کی اس طرف میں نے یہ روایت پڑھی ہے۔ یہ کہہ کر انہوں نے اپنے بیٹے نور اللہ شاہ صاحب کو آواز دی کہ سائیکل لاؤ۔ وہ سائیکل لائے تو مجھے حکم فرمایا جاؤ بھائی صاحب کے مکتبہ سے المصنف لاؤ۔ چنانچہ اسی وقت سائیکل پر حضرت پیر محبت اللہ شاہ صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا۔ مدعا عرض کیا تو انہوں نے المصنف کی متعلقہ جلد عنایت فرمادی۔ میں اسے لے کر واپس پلٹا۔ حضرت شاہ صاحب انتظار میں تھے۔ یقین جاییے ورق کے جس صفحہ کا اشارہ انہوں نے کیا تھا اسی صفحہ پر وہ حدیث مل گئی۔ مگر صد افسوس کہ یہ کم سواد اس حدیث کے بارے میں یاد نہ رکھ سکا کہ وہ کون سی حدیث تھی۔ بعد میں وہ مطبوعہ نسخہ میں بھی مل گئی۔ والحمد للہ علی ذلک۔

اس سے ان کی قوت ضبط کا اندازہ کر سکتے ہیں۔ کئی دفعہ کسی روایت کی تلاش میں ان سے مراجعت کی تو اکثر بار دیکھا متعلقہ کتاب کھلتے ہی دو چار صفحے آگے یا پیچھے الٹ پلٹ کرتے ہیں اور فرماتے ہیں یہ ہے روایت ان کی حاضر جوابی اور برجستہ گفتگو کے سبھی معترف ہیں۔ ان کی اسی خوبی کی بنا پر کئی بار مجھے امام دارقطنی کا وہ جملہ یاد آ جاتا جو انہوں نے مصر سے واپسی پر امام عبدالغنی بن سعید ازدی کے بارے میں فرمایا تھا کہ ”میں نے مصر میں انہیں دیکھا ان کا دماغ آگ کی طرح شعلہ مارتا تھا۔“ ایک بار میں نے ان سے یہی بات عرض کی۔ ان کی کسی بات پر میں تحسین کیے بغیر نہ رہ سکا اور عرض کیا کہ آپ کے بسا اوقات برجستہ جواب سن کر امام دارقطنی کی بات یاد آ جاتی ہے جو انہوں نے امام ازدی کے بارے میں فرمائی تھی بس اس اشارہ سے وہ بات سمجھ گئے اور فرمایا ایسی بات نہیں کہنی چاہیے۔ ہم تو ان کے خوشہ چیں ہیں۔

مکہ مکرمہ میں مولانا عبدالوکیل ہاشمی رحمہ اللہ نے ایک بار ذکر کیا کہ حضرت مولانا عبدالسلام بستوی رحمہ اللہ یہاں حج بیت اللہ کے لیے آئے۔ رابطہ عالم اسلامی کی طرف سے مشائخ کو کتابیں دی جا رہی تھیں۔ ہم مولانا بستوی مرحوم کے ساتھ رابطہ کے دفتر میں گئے تو بہت سی کتابیں دفتر رابطہ کی طرف سے مولانا بستوی کی خدمت

میں پیش کی گئیں۔ مولانا کی پیرائہ سالی اور بزرگی کی بنا پر وہ کتابیں ہم نے اٹھالیں، حضرت شاہ صاحب نے بھی کچھ کتابیں پکڑ لیں۔ یہ صورت حال دیکھ کر مولانا بستوی نے مزاح فرمایا: وہم یحملون اوزارہم علی ظہورہم، حضرت شاہ صاحب سے نہ رہا گیا برجستہ فرمایا: ووضعنہ عنک وزرک الذی انقض ظہرک۔ شاہ صاحب کا فرمانا تھا کہ سبھی کشت زعفران بن گئے۔

مولانا عبدالرشید نعمانی دیوبندی مکتب فکر کے معروف عالم تھے، حقیت کے ساتھ ان کا تعلق کسی سے مخفی نہیں، کوثری المشرّب تھے۔ ان کی تصانیف میں ماتمس الیہ الحاجہ، اور اس کے اردو ایڈیشن ابن ماجہ اور علم حدیث کو بڑی اہمیت حاصل ہے راقم نے عرصہ ہذا ”ابن ماجہ اور علم حدیث“ کا جواب نعمانی اور اثری نسبتوں سے ”قال، اقول“ کے انداز میں لکھا تھا۔ راقم نے اس کی پوری قرأت حضرت شاہ صاحب پر کی۔ اس کے لئے میں ان کی خدمت میں نیو سعید آباد حاضر ہوا۔ ان کی شفقت تھی کہ تمام مصروفیات چھوڑ کر اسی کام میں مشغول ہو گئے۔ دوران قرأت انہیں حیدر آباد جانا ہوا تو میں فکر مند ہو گیا کہ معلوم نہیں آپ کب واپس تشریف لائیں گے اور یہ قرأت کب مکمل ہوگی۔ میری فکر مندی کا احساس پا کر انہوں نے اپنے ساتھ ہی چلنے کا حکم دیا اور فرمایا کہ مسودہ بھی ساتھ لے چلو۔ چنانچہ انہوں نے مجھے اپنے پاس سیٹ پر بٹھالیا اور سفر کے دوران اس کی قرأت کی۔ حیدر آباد سے واپسی پر بھی ایسا ہی ہوا۔ اور یوں اس کا کافی حصہ دوران سفر پڑھا جا۔ دوران قرأت انہوں نے بعض مقامات پر ترمیم و اضافہ کا اشارہ فرمایا جسے حسب حکم درست کر لیا گیا۔

میرے اس جواب کی بھٹک حضرت مولانا نعمانی مرحوم کو پڑ گئی تھی۔ نہیں معلوم کہ کیسے انہیں اس کا علم ہوا۔ حضرت مولانا سید ابوبکر غزنوی نور اللہ مرقدہ کے جنازہ پر المکتبہ السلفیہ میں بیٹھے ہوئے تھے کہ ان سے تعارف ہوا۔ یہ میری ان سے پہلی ملاقات تھی۔ اسی میں انہوں نے فرمایا اچھا یہ ہیں اثری صاحب۔ جنہوں نے ابن ماجہ اور علم حدیث کا جواب لکھا ہے۔ اللہ کرے ہماری زندگی میں چھپے اور ہم دیکھ لیں۔ مگر تا حال وہ مسودہ جوں کا توں پڑا ہے۔ ایک بار ادارہ علوم اثریہ میں ادارہ کے تصنیفی کام کے حوالے سے میٹنگ ہوئی جس میں دیگر حضرات کے ساتھ ساتھ حضرت شاہ صاحب، حضرت مولانا عطاء اللہ حنیف بھوجیانی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت مولانا ابو حفص عثمانی مرحوم بھی تھے۔ دیگر پروگرام کے علاوہ اس جواب کا بھی ذکر آیا تو حضرت شاہ صاحب

نے اسی صورت میں اس کی طباعت کا مشورہ دیا۔ مگر مولانا عطاء اللہ صاحب نے فرمایا کہ یہ سارا مواد ”امام مالک اور علم حدیث“ کے عنوان سے مرتب کیا جائے۔ یوں اس کی حیثیت مستقل کتاب کی ہوگی محض جوابی کتاب تصور نہیں ہوگی۔ اس رائے کو دیگر احباب نے درست قرار دیا۔ چنانچہ اسی اسلوب میں اس کا آغاز کر دیا گیا ساٹھ ستر صفحات مرتب ہوئے مگر ماشاء اللہ کان و مالم یشاء لم یکن۔ اور یوں یہ کام ادھورار رہا۔ اسی طرح ”توضیح الکلام فی وجوب القراءة خلف الامام“ جب راقم نے مکمل کی تو اس کی بھی مکمل قرأت حضرت شاہ صاحب پر کی۔ اس کا مقدمہ لکھنے کا انہوں نے عزم کیا لیکن اپنی مصروفیتوں کی بنا پر نہ لکھ سکے۔ کتاب چھپ گئی میں مقدمہ کا تقاضا کرتا رہا۔ دو چار صفحات لکھے بھی مگر مکمل نہ کر پائے اور یوں ان کی خواہش کے باوجود یہ کام نہ ہو سکا۔ فوا أسفا۔

تصانیف:

حضرت شاہ صاحب بڑے زور نویس تھے اور اللہ تعالیٰ نے انہیں قوت بیانی کے ساتھ قلم و قریطاس کے ذریعے دین حنیف کی صیانت و حفاظت، اس کی تبیین و توضیح کا وافر ملکہ عطا فرمایا تھا۔ عربی، اردو، سندھی تینوں زبانوں میں لکھنے کی انہیں پوری درستی حاصل تھی۔ عربی زبان میں ابوالفضل کی طرح ان کی غیر منقوط کتاب ”وصول الالہام لاصول الاسلام“ عربی ادب میں ان کے کمال کی بین دلیل ہے۔ مشکل مسائل کو آسان پیرائے میں بیان کرنا اور حیطہ تحریر میں لانا ان کا طرہ امتیاز تھا۔ جس مسئلہ پر بھی قلم اٹھاتے مراجع و مصادر کا انبار لگا دیتے اور مسئلہ کا کوئی گوشہ تشنہ تکمیل محسوس نہ ہوتا۔

ان کی تصانیف کی تعداد ایک سو سے متجاوز ہے۔ عربی میں تقریباً ساٹھ، سندھی میں اٹھائیس اور اردو میں بیس سے زائد ہیں۔ ضرورت ہے کہ ان کی تصانیف کا مفصل تذکرہ اور ان پر تفصیلی تبصرہ کیا جائے۔ یہ کام بذات خود ایک مقالے کا موضوع ہے۔ ان کی تصانیف میں جلاء العینین بتخریج روایات البخاری فی جزء دفع الیدین کو زیور طبع سے آراستہ کرنے کا شرف ادارہ العلوم الاثریہ کو ہوا۔ اور یہ کام اس عاجز کی تحقیق و مراجعت سے پایہ تکمیل کو پہنچا۔ والحمد للہ علی ذلک۔

جلد العینین:

یہ کتاب حضرت امام بخاری کے مشہور رسالہ ”جزء رفع الیدین“ کی تخریج پر مشتمل ہے۔ جس میں انہوں نے اس مسئلہ سے متعلقہ احادیث، آثار اور اقوال کی تخریج کی ہے بلکہ یہ کہنا بے جا نہیں ہوگا کہ اس مسئلہ رفع الیدین پر عربی زبان میں اس سے جامع مباحث کسی اور تصنیف میں موجود نہیں۔ جزء رفع الیدین کی تخریج حضرت مولانا فیض الرحمن الثوری نور اللہ مرقدہ نے بھی کی تھی جو راقم نے اولاً شاہ صاحب کے مسودہ کو نقل کیا اس کے تمام حوالہ جات کی مراجعت کی۔ اس کے بعد مزید جو مفید چیز حضرت الثوری مرحوم کی تخریج میں پائی ان کی اجازت سے اس کے حواشی میں نقل کر دی۔ بعض مقامات پر مزید کوئی مفید حوالہ ملا تو راقم نے حواشی میں اسے بھی درج کر دیا اور یوں یہ سارا مبیضہ مکمل کر کے حضرت شاہ صاحب کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا۔ پوری کتاب کی حضرت شاہ صاحب پر قرأت کی، جن حواشی کا اضافہ کیا تھا اسے بھی پڑھا۔ دوران قرأت کوئی مزید مفید بات جو معلوم ہوئی تو اسے بھی شامل کر لیا جاتا۔

یادش بخیر، مسئلہ رفع الیدین پر انہی سالوں میں خفی مناظرین نے ڈھونڈ کر کچھ نئے استدلال نکالے۔ حضرت مولانا عطاء اللہ حنیف بھوجیانی شارح سنن نسائی نور اللہ مرقدہ نے اس عاجز کو فرمایا کہ ان نئے استدلال کا جواب تیار کرو۔ میں نے اس کا مسودہ لکھا ان کی خدمت میں لے گیا تو انہوں نے فرمایا کہ اس میں رجال و اسانید کے حوالے سے جو کچھ لکھا گیا ہے اس کے بارے میں حضرت شاہ صاحب کی رائے لے لیں انہیں اس حوالے سے جس قدر استحضار ہے وہ کسی اور کو نہیں۔ حسن اتفاق سے حضرت شاہ صاحب فیصل آباد تشریف لائے۔ راقم نے یہ مسودہ ان کی خدمت میں پیش کیا۔ انہوں نے اس کی تحویب و تائید فرمائی اور یوں وہ بہت سے دل دوز مراحل کے بعد ”مسئلہ رفع الیدین پر ایک نئی کاوش کا تحقیقی جائزہ“ کے عنوان سے جس کا دوسرا نام ”التحقیق والایضاح للبس مافی نور الصباح“ ہے ۱۴۰۲ھ بمطابق ۱۹۸۰ء میں طبع ہوا۔ جس میں ”انکشافی دلائل“ کو تار عنکبوت کی طرح تار تار کر دیا گیا۔

جلد العینین کی تیاری کے مراحل میں راقم نے حضرت شاہ صاحب سے عرض کیا کہ عربی زبان میں اس مسئلہ کی وضاحت کا تقاضا ہے کہ ان ”انکشافی دلائل“ کا تجزیہ و تحلیل بھی مناسب مقامات پر ذکر ہوئی

چاہیے۔ حضرت شاہ صاحب نے پہلے تو اس میں تامل فرمایا مگر میری مکرر جسارت کے بعد انہوں نے اس حقیر مشورہ کو قبول فرمایا اور ”التحقیق والایضاح“ کے مباحث جلاء العینین کے مناسب مقامات پر مجھے لکھوا دیئے۔ یوں یہ کتاب پہلی بار ذوالقعدہ ۱۴۰۳ھ بمطابق اگست ۱۹۸۲ء میں زیور طبع سے آراستہ ہو کر شائقین کے ہاتھوں میں پہنچی۔ والحمد للہ علی ذلک۔

کتاب کی طباعت کے فوراً بعد ایک نسخہ حضرت شاہ صاحب کی خدمت میں ارسال کر دیا گیا۔ ۱۹ محرم الحرام ۱۴۰۴ھ کو ان کا مکتوب گرامی ملا۔ جس میں دیگر باتوں کے علاوہ یہ بھی انہوں نے لکھا: ”ایک بات جو رہ گئی کہ کتاب کے صفحہ ۱۲۹ پر یہ عبارت لکھی ہوئی ہے: ”لا سیما السلیمانی بنفسہ متہم ولہ ترجمۃ فی المیزان واللسان“ یہ عبارت غلطی سے آگئی ہے۔ جہاں تک میرا خیال ہے میں نے اصل نسخہ سے بھی کاٹ دی تھی۔ بہر حال آپ یہ عبارت سب نسخوں سے کاٹ دیں۔ اس کا ذکر راقم نے ضروری سمجھا کہ حضرت رحمہ اللہ ہی کے مکتوب گرامی سے اس غلطی سے آگاہ کر دیا جائے تاکہ جن حضرات کے پاس جلاء العینین مطبوعہ ادارۃ العلوم اثریہ کا نسخہ ہو وہ اس کی تصحیح کر لیں۔

یہاں اس بات کا تذکرہ بھی میں ضروری سمجھتا ہوں کہ علامہ زیلعی نے نصب الراہی ص ۴۰۹ ج ۱ میں علامہ ابن دقیق العید کی ”الامام“ سے ایک روایت نقل کی ہے جس میں ذکر ہے کہ رسول اللہ ﷺ آخر وقت تک رفع الیدین کرتے رہے چنانچہ دعویٰ نسخ رفع الیدین کی تردید کرتے ہوئے کہا گیا ہے:

”یزیل هذا التوهم مارواه انیہقی فی سنہ.....“

..... فما زالت تلک صلاتہ حتی لقی اللہ تعالیٰ“

علامہ زیلعی نے اس روایت کا انتساب امام بیہقی کی سنن کی طرف کیا ہے۔

ظاہر ہے کہ اس سے مراد ان کی السنن الکبریٰ ہے۔ مگر یہ روایت اس میں قطعاً نہیں اور نہ ہی معرفۃ السنن والآثار میں ہے کہنے والوں نے کہا اور لکھنے والوں نے لکھا کہ یہ روایت السنن کے مطبوعہ نسخہ سے حذف کر دی گئی۔ مگر بلا ثبوت اس قسم کا الزام بہر حال درست نہیں۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے حضرت شاہ صاحب کو ڈھیروں جزائے خیر عطا فرمائے انہوں نے پہلی بار اس عقدہ کی گرہ کھولی اور فرمایا کہ یہ روایت السنن میں نہیں

امام بیہقی کی الخلافات میں ہے۔ ان کے الفاظ ہیں:

لم نجد هذه الرواية في نسختي السنن الخطية والمطبوعة ولا في المعرفة بل رواه

في الخلافات فقد رأيته في مختصر الخلافات ج ۱ ص ۷۶ (جلاء العينين ص ۱۲۷)

مختصر الخلافات بحمد اللہ زیور طبع سے آراستہ ہو چکی ہے اور اس کے ص ۹۰ ج ۲ پر اس روایت کا ذکر ہے۔ اصلاً ”الثلاثیات“ کی تاحال صرف تین جلدیں شائع ہوئی ہیں۔ جس میں کتاب الطہارہ مکمل نہیں ہے۔ یہ روایت مدعیان نسخ کے لیے زہر ہلاہل ہے اس لیے نصب الراية کے محشی نے اور اسی سے دیگر حضرات نے اس کی سند پر تنقید کی ہے۔ جس کا جواب بھی حضرت شاہ صاحب نے دیا ہے۔

جلاء العينين کو اس کے بعد مؤسسة الکتب الثقافیۃ بیروت نے شائع کیا۔ مگر ظلم یہ کیا ہے کہ اس سے ادارہ العلوم الاثریہ کا نام کلمۃ الناشر، حتی کہ موضوعات کی فہرس بھی حذف کر دی۔ اپنی طرف سے کلمۃ الناشر لکھ کر مطبعی حقوق کے ٹھیکے دار بن گئے۔ تصحیح اغلاط کا بہانہ بنا کر اسے شائع کرنے والوں نے حضرت مولانا فیض الرحمن الثوری کو ”النوری“ لکھا جب کہ باقی فوٹو کاپی میں ”الثوری“ ہی ہے۔ فالی اللہ المشتکی اس ساری صورت واقعی کی اطلاع اس ناچیز کو مولانا برق التوحیدی رحمہ اللہ نے اپنے ایک مکتوب میں

دی۔ جو انہوں نے ۲۰ مئی ۱۹۹۱ء میں لکھا۔ موصوف ان دنوں الجامعۃ الاسلامیہ مدینہ طیبہ میں تھے۔

اس کے بعد ایک نئے اسلوب میں جلاء العينين طبع ہوئی شیخ بدر البدر رحمہ اللہ کو امام بخاری کی جزء رفع الیدین کا ایک خطی نسخہ دار الکتب القاہرہ سے ملا۔ جو حافظ ابن حجر کے نسخہ سے منقول تھا۔ اس میں دو اثر ایسے بھی ہیں جو سابقہ مطبوعہ نسخوں میں نہیں۔ شیخ بدر البدر نے اسی نسخہ کے مطابق روایات و آثار کی ترقیم کی اور حواشی میں جلاء العينين کو حسب حال نقل کیا۔ اور اس میں آیات قرآن، احادیث مبارکہ اور روایات میں وارد شدہ رجال و اسماء کی فہارس کا اضافہ کر دیا۔ جزاۃ اللہ احسن الجزاء یوں یہ نسخہ ۱۴۱۶ھ بمطابق ۱۹۹۶ء دار ابن حزم بیروت سے شائع ہوا۔

شیخ بدر رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ ”قد راجع عمل الشیخ بدیع کل من الشیخ فیض الرحمن الثوری والشیخ ارشاد الحق الاثری“ لیکن یہ صحیح نہیں۔ مولانا فیض الرحمن الثوری رحمہ اللہ نے جلاء العينين کی مراجعت قطعاً نہیں کی۔ یہی سہو

میرے مہربان مولانا محمد اسحاق بھٹی صاحب کو کاروانِ سلف صفحہ ۴۹۷ میں ہوا۔ اور نہ ہی جلاء العینین پہلی دفعہ دارالحدیث محمدیہ جلال پور پیر والا سے شائع ہوئی بلکہ دارالحدیث سے حضرت مولانا فیض الرحمن الثوری کے مکمل حواشی سے جزء رفع البیدین شائع ہوئی تھی۔ اصل صورت حال راقم پہلے عرض کر چکا ہے جس کے اعادہ کی ضرورت نہیں۔ اس طباعت میں مطبعی غلطیوں کے علاوہ ص ۱۵۶ کے حاشیہ نمبر ۴ میں ”سندہ حسن ورجالہ ذکرہم“ ہے جب کہ صحیح اور مکمل عبارت یوں ہے: ”سندہ حسن ورجالہ کلہم مذکورون فی التقرب والنہذیب، و ذکرہم“ اسی طرح ص ۱۴۸ پر حواشی کی نمبرنگ بھی غلط ہو گئی ہے۔ طباعت میں اس قسم کا سقم کوشش بسیار کے باوجود رہ جاتا ہے۔ اور اس کا اور اک اسی کو ہوتا ہے جسے عملاً اس کا سابقہ پڑا ہو۔

انماء الزکون فی تنقید انہاء السنن

ماضی قریب میں علمائے دیوبند کے اعیان میں ایک بڑا نام مولانا ظفر احمد تھانوی عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کا تھا۔ جنہوں نے اپنے شیخ و مرشد حضرت مولانا اشرف علی تھانوی مرحوم کے ایماء پر ”اعلاء السنن“ لکھی، جو تمام تر حنفی مسلک کی خدمت اور ان کے مستدلات کو جمع کرنے پر مشتمل ہے۔ اسی کتاب کا انہوں نے ایک مقدمہ ”انہاء السنن إلی من یطالع إعلاء السنن“ کے نام سے لکھا۔ جو پہلی بار ۱۳۴۸ھ میں ہندوستان سے اور دوسری بار ۱۳۸۳ھ میں پاکستان سے شائع ہوا۔ جس میں انہوں نے اعلاء السنن کے مقاصد کے مطابق حنفی اصول کو متعارف کرانے کی سعی بلیغ کی۔ اس کے بعد اسی کتاب کو ان کے تلمیذ رشید شیخ عبدالفتاح ابو غندہ مرحوم نے انہی کی اجازت سے اس کا نام ”قواعد فی علوم الحدیث“ رکھا اور بڑے تفصیلی حواشی سے اسے ۱۴۹۲ھ بمطابق ۱۹۷۲ء میں شائع کیا۔

کسی کتاب کی خدمت اور اس کی متعلقات کی تائید و حمایت یا نقد و تنقید ہر دور میں اہل علم کا شیوہ رہا ہے۔ مگر انہاء السنن کی بجائے اسے قواعد فی علوم الحدیث کے نام سے متعارف کرانا بہر نوع محل بحث ہے۔ اہل علم خوب جانتے ہیں کہ مولانا عثمانی مرحوم نے اس میں جابجا ”اصلنا“، ”عندنا“، ”اصحابنا“ ”فقہاء نا“ کہہ کر اپنے حنفی اصول کا دفاع کیا ہے۔ بلکہ ایک جگہ تو صاف طور پر لکھتے ہیں:

ان لہم (ای للحنفیة فی الحدیث اصولاً کما أن للمحدثین اصولاً فلا لوم ان

خالفتانہم فی قبول بعض الاحادیث والعمل بہ وترك العمل بغيره (قواعد ص ۴۶۱)
 کہ احناف کے حدیث میں اصول ہیں جس طرح محدثین کے اصول ہیں۔ اس لیے بعض روایات کو قبول کرنے اور ان پر عمل کرنے اور اس کے خلاف پر عمل کرنے پر اگر ہم محدثین کی مخالفت کرتے ہیں تو اس پر طعن و ملامت نہیں ہونی چاہیے۔ اس قدر صراحت کے باوجود بھی اگر شیخ ابوعبدہ انہاء السکن کے بجائے اس کا نام قواعد فی علوم الحدیث رکھتے ہیں۔ تو یہ برعکس نام نہنگی کا نور کا مصداق ہے۔

اسی انہاء السکن کا جواب حضرت شاہ صاحب نے ”انماء الزکون فی تنقید انہاء السکن“ کے نام سے لکھا۔ مگر افسوس کہ یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ انہوں نے یہ جواب کہاں اور کب لکھا۔ مکہ مکرمہ میں قیام کے دوران میں پاکستان میں۔ البتہ راقم نے ہی انہاء السکن ۱۸ شوال ۱۳۹۳ھ میں نقل کی جو بحمد اللہ میرے ہاں محفوظ ہے۔ یہ اس بات کا قرینہ ہے۔ مکہ مکرمہ میں تشریف لے جانے سے عرصہ پہلے وہ اس کی تکمیل کر چکے تھے۔ فضیلۃ الشیخ العلامة صلاح الدین مقبول احمد رحمہ اللہ نے جب اس کی طباعت کا اہتمام کیا تو حضرت شاہ صاحب کی اجازت سے ”انہاء السکن“ کی بجائے اس کا نام ”نقض قواعد فی علوم الحدیث“ رکھا اور اسے ۲۰۰۳ء میں زیور طبع سے آراستہ کر کے شائقین کے ہاتھوں ہاتھ پہنچانے کی سبیل پیدا کر دی جزاء اللہ احسن الجزاء۔ اسی ”نقض“ کے مقدمہ ص ۴۸ میں انہوں نے لکھا ہے کہ ۱۳۹۰ھ یا ۱۳۹۱ھ میں حضرت شیخ حافظ فتح محمد جو علماء کے مابین حافظ فتی کے نام سے معروف تھے اور مکہ مکرمہ میں قیام پذیر تھے۔ نے حضرت شاہ صاحب کو انہاء السکن کے جواب کا احساس دلایا۔ اور انہی کے مشورہ سے انہوں نے اس کا جواب لکھا۔ اسی سے یہ بات بھی واضح ہوتی ہے کہ حضرت شاہ صاحب نے یہ جواب کوئی بڑے طویل عرصہ میں نہیں بلکہ یہی کوئی چھ ماہ سال کے اندر اندر مکمل کیا۔

حضرت شاہ صاحب نے یہ جواب گواختصار سے لکھا مگر امر واقعہ یہ ہے کہ مولانا ظفر احمد عثمانی کے تمام تر مغالطات اور محدثین کے اصول کے برعکس حنفی اصول اور اس کے تحفظات کو طشت از بام کر دیا۔ جس کا اندازہ ہر منصف مزاج قاری کر سکتا ہے اور اسی سے حضرت شاہ صاحب کی وسعت معلومات اور ان کے حفظ و ضبط کا بھی اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ مولانا عثمانی نے ایک اصول ذکر کیا ہے کہ جارج خود مجروح ہو تو اس کی

راوی پر جرح جب کوئی اس کی توثیق کرنے والا نہ ہو مردود ہوگی۔ اس کی تائید میں انہوں نے میزان الاعتدال سے ابان بن اسحاق المدنی کے ترجمہ کا حوالہ دیتے ہوئے علامہ ذہبی سے نقل کیا ہے کہ امام ازدی نے اپنی کتاب میں ایسے متعدد راویوں کو ضعیف کہہ دیا ہے جن پر کسی نے کلام نہیں کیا اور ازدی خود متکلم فیہ ہیں۔ (قواعد فی علوم الحدیث ص ۱۷۸) حضرت شاہ صاحب علامہ ذہبی کے اسی بیان پر لکھتے ہیں:

اقول والذہبی نفسه یقبل کلامه (ای کلامہ الأزدی) وجرحه فی مواقع کما لا ینحی علی من طالع میزانه، وقد اکتفی علی نقل الجروح عن الأزدی دون غیره فی کثیر من الرجال، ومن شرطه ان یتعقب اذا کان الجرح غیر مقبول کما بینہ فی المقدمة، کبشر بن غالب وبشر بن بشر وبکار بن زکریا وبکر بن صالح وبکر بن محمد وبلال بن عیینہ العتکی وتغلب بن ضحاک وثابت بن عیینہ اللہ وثابت بن عطیة وثعلبة الحمصی وجابر بن سلیم وضحاح (جناح) مولی الولید وحباب بن جبلة الرقاق وحجاج بن سنان والحسن بن محمد بن عثمان الکوفی والحسین بن زیاد وداؤد بن ابراهیم العقیلی ودھثم بن جناح وشعیب بن عمر الطحان وجماعة لا یحصون، اکتفی فیہم بکلام الأزدی ولم یتعقب اصلاً وذلك لانه لم یعارضهم توثیق فالنتفصیل فی الباب ما ذکرنا (نقض ص ۱۷۸)

گویا علامہ ذہبی کے کلام سے امام ازدی کے حوالے سے جوابہام پایا جاتا ہے حضرت شاہ صاحب نے خود علامہ ذہبی کے متعدد حوالوں سے اس کی وضاحت فرمادی۔ اسی ایک مقام سے ان کی باریک بینی اور فن رجال سے ان کی وسعت و معلومات کا اندازہ ہو سکتا ہے۔ پوری کتاب اس نوعیت کی بہت سے غلط فہمیوں کے ازالہ پر مشتمل ہے۔ ”انہاء السکن“ جب ”قواعد فی علوم الحدیث“ کے عنوان سے طبع ہوئی اور شیخ ابو نعیم نے مزید اس میں رنگ بھرنے کی کوشش کی تو اس عاجز نے حضرت شاہ صاحب سے عرض کیا کہ از سر نو اب اس پر نظر ثانی کی ضرورت ہے۔ مگر انہوں نے فرمایا کہ اس کے لیے اب کوئی فرصت نہیں پاتا۔ اور جہاں تک بنیادی اصولوں کا تعلق ہے اس پر بحث ہو چکی ہے۔ اس لیے اس کی مزید ضرورت بھی نہیں۔ بہر حال یہ کتاب بھی حضرت شاہ صاحب کے علم و فضل کا شاہکار ہے۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ محترم شیخ صلاح الدین مقبول احمد کو جزائے

خیر عطاء فرمائے جنہوں نے بہترین زیور سے آراستہ کر کے اس کو شائع کیا۔ کیا ہی خوب ہوتا جو اگر وہ اس کا تفصیلی انڈکس بھی بنادیتے۔ حضرت شاہ صاحب نے جن مراجع سے استفادہ کیا ان کی فہرں بھی شامل ہوتی۔ ان کے مراجع میں جن مخطوطات سے استفادہ کیا گیا ہے ان میں اکثر طبع ہو چکے ہیں۔ ان مطبوعہ نسخوں کی مراجعت ہو جاتی تاہم جو ہے بسا غنیمت ہے اور اہل علم اس پر ان کے اور حضرت شاہ صاحب کے شکر گزار ہیں۔

یہاں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ ”انہاء السکن“ کا جواب شیخنا المحدث الحافظ محمد گوندلوی نور اللہ مرقہ نے بھی دیا تھا۔ جس کا دو تین بار انہوں نے ذکر کیا۔ راقم نے اس کی کچھ تفصیل معلوم کرنے کی ان سے گزارش کی تو انہوں نے فرمایا کہ: مدینہ یونیورسٹی میں تدریس کے دوران میں اس کا نسخہ حافظ فحی مرحوم نے مجھے دیا تھا اور اس کے جواب کا نقاضا کیا تھا۔ میں نے اسی انہاء السکن کے نسخہ کے حواشی پر نقد لکھ کر حافظ فحی کو دے دیا تھا۔ اس کے بعد کیا ہوا اور کہاں چلا گیا اس کا مجھے علم نہیں۔ حافظ فحی مرحوم کے کتب خانہ کا ان کے انتقال کے بعد جو حشر ہوا وہ بڑا دلور ہے۔ اگر ان کا کتب خانہ محفوظ جگہ پر منتقل ہو جاتا تو حضرت محدث گوندلوی کا یہ جواب بھی شاید مل جاتا۔ مگر ان قدح بشکست و آن ساقی نہ ماند۔

اظہار البراءة عن حدیث من كان له امام فقراء الامام له قراءۃ

امام کے پیچھے مقتدی کا فاتحہ پڑھنے پر نزاع بڑا قدیم ہے۔ جو حضرات اس کے قائل نہیں وہ من جملہ دیگر دلائل کے اسی روایت ”من كان له امام فقراء الامام له قراءۃ“ سے بھی استدلال کرتے ہیں۔ حضرت شاہ صاحب نے اسی روایت کی تحقیق پر ”اظہار البراءة“ کے نام سے مستقل ایک کتاب تصنیف کی ہے جو متوسط سائز کے ۲۳۲ صفحات پر مشتمل ہے۔ جس میں اولاً بارہ صحابہ کرام سے مروی اس حدیث کے تمام طرق پر بحث ہے اس کے بعد ایک خاتمہ ہے جس میں سات فضلیں ہیں اور ہر فصل نہایت مفید مباحث پر مشتمل ہے۔ یہ کتاب انہوں نے کن ایام میں مرتب کی ان کی اپنی تحریر سے اس کی کوئی وضاحت نہیں ہوتی۔ البتہ اس کے اختتام پر مندرج تقاریظ سے اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت شاہ صاحب یہ کتاب مستطاب ۱۳۶۳ھ سے پہلے ضبط تحریر میں لائے تھے۔ جبکہ ان کی عمر ابھی صرف اٹھارہ بیس سال تھی۔ اس عمر میں اس روایت کی

اسانید اور اس کے طرق پر جس تفصیل سے انہوں نے بحث کی ہے اس سے قرون وسطیٰ کے محدثین کی یاد تازہ ہو جاتی ہے۔

معلوم ہوتا ہے کہ ۱۹۴۵ء میں جب بنالہ ضلع گورداس پور میں انجمن اہلحدیث کے سالانہ جلسہ میں شرکت کے لئے تشریف لے گئے ”حسن الدلائل الی بعض المسائل“ کے عنوان پر مقالہ پیش کیا۔ اس کے بعد ۱۹۴۶ء میں پھر بنالہ کانفرنس میں شرکت کے لئے تشریف لے گئے ایک نشست میں کانفرنس کی صدارت بھی کی۔ اور شیخ الاسلام مولانا ثناء اللہ امرتسری مرحوم کے حکم پر سندھی زبان میں ”حقانیت مسلک اہلحدیث“ کے عنوان پر تقریر کی۔ حضرت شاہ صاحب ذکر کیا کرتے تھے کہ میں نے شیخ الاسلام سے عرض کیا کہ یہاں سندھی زبان سمجھنے والا تو کوئی نہیں اس کا سامعین کو کیا فائدہ ہوگا۔ تو انہوں نے فرمایا کہ ہمارا مقصد یہ ہے کہ سامعین کو بتلایا جائے کہ مسلک حقہ اہلحدیث کے علمبردار کہاں کہاں کارفرما ہیں۔ اسی جلسہ میں حضرت شاہ صاحب کا تعارف کرواتے ہوئے شیخ الاسلام نے فرمایا تھا: فن اسماء الرجال میں انہیں بڑی مہارت حاصل ہے انہی ایام میں آپ امرتسر، دہلی وغیرہ تشریف لے گئے اور علماء و محدثین کرام سے ملاقاتیں کیں، ”اظہار البراءة“ ان کے پاس تھی جسے علمائے کرام نے ملاحظہ فرمایا اور اس پر تقاریظ لکھیں۔

چنانچہ اس پر حسب ذیل حضرات نے تقریظات لکھیں ہیں۔

- (۱) شیخ الاسلام حضرت مولانا ثناء اللہ امرتسری جس پر ۱۰ رمضان ۱۳۶۳ھ کی تاریخ درج ہے۔
- (۲) حضرت مولانا ابو محمد عبدالحق الحمیدی محدث بہاولپوری مہاجر مکی، جس پر ۱۱ رمضان ۱۳۶۳ھ کی تاریخ درج ہے۔

(۳) حضرت مولانا حافظ محمد عبداللہ محدث روپڑی اس پر ۹ رمضان ۱۳۶۳ھ کی تاریخ ہے۔

(۴) حضرت مولانا سید محبت اللہ شاہ صاحب راشدی

(۵) حضرت مولانا عبدالرحیم بن عبدالعزیز رحیم آبادی۔ اس پر ۴ شوال ۱۳۶۳ھ کی تاریخ ہے۔

(۶) حضرت مولانا عطاء اللہ حنیف محدث بھوجیانی شارح سنن النسائی اس میں جمعہ ۲۵ صفر ۱۳۶۳ھ کی

تاریخ ہے۔

(۷) حضرت مولانا محمد اسماعیل روپڑی اس میں ۱۷ ربیع الاول ۱۳۶۶ھ کی تاریخ ہے۔

(۸) حضرت مولانا علامہ محمد اسماعیل سلفی آف گوجرانوالہ

(۹) حضرت مولانا محدث ابوالقاسم البناری انہوں نے یہ تقریظ رجب ۱۳۶۲ھ میں لکھی۔

(۱۰) مولانا حافظ عنایت اللہ اثری جو انہوں نے ۲۹ مارچ ۱۹۳۵ء کو قلمبند کی۔

(۱۱) مولانا عبدالسلام بھٹکوی

(۱۲) حضرت مولانا محدث ابو محمد عبدالجبار سلفی کھنڈیلوی

(۱۳) حضرت مولانا ابواسحاق نیک محمد محدث امرتسری

(۱۴) حضرت مولانا محمد عبداللہ ثانی

(۱۵) حضرت مولانا عبدالحمید سوہدروی

(۱۶) حضرت مولانا عبدالعلیم شورکوٹی

(۱۷) حضرت مولانا ابوزین عبدالستین احمد پوری

(۱۸) حضرت مولانا مناظر اسلام احمد دین لکھنوی

(۱۹) حضرت مولانا ابوسعود بناری

(۲۰) حضرت مولانا خدا داد گورداسی

(۲۱) حضرت مولانا عبدالنور گھر جاگی

ان اکابر علمائے اہل حدیث نے تقاریظ میں کیا لکھا یہ اپنی جگہ تفصیل طلب ہے۔ ہمیں تو یہاں صرف اتنا عرض کرنا تھا کہ ۲۰، ۱۸ سال کی عمر میں لکھی ہوئی اس کتاب پر ان اعیان کرام کی یہ تقاریظ حضرت شاہ صاحب کے تبحر علمی کی دلیل ہیں۔

عرصہ ہوا خود راقم نے ۱۳۹۱ھ میں اس کتاب کو نقل کیا اور ”توضیح الکلام فی وجوب القراءة خلف الامام“ میں اس سے بھرپور استفادہ کیا۔ راقم ہی کے ایماء پر مرکز الترویہ الاسلامیہ فیصل آباد کے دو فضلاء نے اس کی تصحیح و مراجعت کا فریضہ سرانجام دیا۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ استاذ العلماء مولانا حافظ محمد شریف

صاحب رحمہ اللہ دیر مرکز التریبۃ الاسلامیہ کو اس کی طباعت کی توفیق عطاء فرمائے۔

تفہیم سدید بر سالہ اجتہاد و تقلید

تقلید اور عمل بالحدیث کے مباحث عرصہ دراز سے چلے آتے ہیں۔ فریقین نے اس موضوع پر بہت کچھ لکھا اور آئندہ بھی یہ سلسلہ اپنے اپنے انداز میں جاری رہے گا۔ حضرت شاہ صاحب نے بھی یہ کتاب اسی عنوان پر لکھی جو دراصل معروف دیوبندی عالم مولانا محمد ادریس کاندھلوی کے رسالہ ”اجتہاد و تقلید“ کا جواب ہے۔ اس پر تقریظ حضرت مولانا عطاء اللہ حنیف محدث بھوجپانی شارح سنن النسائی نے لکھی، جس میں انہوں نے اس کتاب کے بارے میں لکھا:

ہماری جماعت کے فاضل محقق اور سندھ میں نامور راشدی خاندان کے گل سرسبد حضرت مولانا سید بدیع الدین شاہ صاحب پیر آف جھنڈا دامت برکاتہم وعصمت فیوضہم نے تفہیم سدید میں مقلدین کے ان سب متمسکات پر مدلل و مبرہن اور سیر حاصل گفتگو فرمائی ہے۔ انداز ایسا متین اور دل نشین ہے کہ اہل ذوق مطالع شروع کریں تو چھوڑنے کو جی نہیں چاہتا۔“

حضرت بھوجپانی نور اللہ مرقدہ کے اس تبصرہ کے بعد ضرورت نہیں رہتی کہ اس حوالے سے مزید کچھ لکھا جائے اور اس کے مباحث کی ندرت، استدلال کی وسعت اور گرفت کی قدرت کو اجاگر کیا جائے۔ ایک طالب علم کی تسفی کے لئے اس میں ایسے ایسے مباحث ہیں جو اسے بہت سی کتابوں سے بے نیاز کر دیتے ہیں۔ مقلدین حضرات کا یہ عموماً مغالطہ ہوتا ہے کہ طبقات حنابلہ، طبقات حنفیہ، طبقات مالکیہ اور طبقات شافعیہ اٹھا کر دیکھو تم پر عیاں ہو جائے گا کہ یہ سب حضرات مقلد تھے۔ حضرت شاہ صاحب نے اسی مغالطہ کی بھی خوب خوب خبر لی ہے اور بتلایا ہے کہ محض نمبر بڑھانے والے حضرات نے ایک ہی شخص کو طبقات حنفیہ میں اور دوسرے نے طبقات حنابلہ میں یا شافعیہ میں ذکر کیا ہے حتیٰ کہ امام شافعی کو مالکیوں نے طبقات مالکیہ میں اور حنبلیوں نے طبقات حنابلہ میں، امام اسحاق بن راہویہ کو طبقات شافعیہ میں اور حنبلیوں نے طبقات حنابلہ میں ذکر کیا ہے۔ گویا یہ اصحاب الطبقات تو اس کا مصداق ہیں۔

ولکل یدعی وصلاً للیلی ولیلے لاتقرلہم ہذاکا

راقم کو اس کتاب کی طباعت سے پہلے استفادہ کا شرف حاصل ہے۔ یہ کتاب ۱۴۰۳ھ بمطابق ۱۹۸۲ء میں ادارہ احیاء التراث اہل السنۃ، الہ آباد، وزیر آباد ضلع گوجرانوالہ سے محترم حکیم عبدالحمید الہ آبادی مرحوم کی نگرانی میں شائع ہوئی۔ حکیم صاحب حضرت مولانا محمد اسماعیل سلفی مرحوم کے عزیزوں میں سے تھے۔ جن ایام میں وہ اس کتاب کی طباعت کا اہتمام کر رہے تھے انہی دنوں میں مجھے ان کی زیارت نصیب ہوئی۔ ان کی مسجد میں ایک خطبہ جمعہ کا بھی اتفاق ہوا۔ بڑے حلیم الطبع اور شب زندہ دار بزرگ تھے۔ اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے اور اس کتاب کی طباعت میں ان کی کوششوں کو قبول کرے۔ آمین۔

چند اور تذکرے:

حضرت شاہ صاحب کی ایک سو سے زائد تصانیف ہیں۔ مگر ان میں سب سے ضخیم ”بدیع التفاسیر“ ہے جو ۱۰ جلدوں اور چودہ سپاروں پر مشتمل ہے اور سندھی زبان میں ہے۔ تفسیر کا آغاز انہوں نے اواخر عمر میں کیا۔ جو افسوس کہ مکمل نہ ہو سکا۔ سندھی زبان میں ہونے کی بنا پر اس کا دائرہ بھی محدود ہو گیا۔ ان کے عقیدت مند اور رفقاء اسے اردو قالب میں منتقل کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس حوالے سے ان کے لئے آسانیاں پیدا فرمائے تاکہ اس سے زیادہ سے زیادہ احباب استفادہ کر سکیں۔ اسی طرح ان کی تصانیف میں ”توحید خالص“ کو بھی ایک بڑا مقام حاصل ہے۔ جس میں حضرت شاہ صاحب نے وجودیت کے افکار کا تانا بانا تار تار کیا ہے۔ ضرورت ہے کہ فقہی عنوانات کے تحت حضرت رحمہ اللہ کی تصانیف کا تعارف کروایا اور ان کے فتاویٰ جات کو شائع کیا جائے۔

ان کے سلسلہ تصانیف کے علاوہ جو بات ہم یہاں عرض کرنا چاہتے ہیں۔ وہ ان کے معمولات اور شب و روز ان کی مصروفیتوں کے حوالے سے ہے۔ راقم کو کچھ اسفار میں اور ان کے در دولت پر قیام کے دوران میں انہیں قریب سے دیکھنے کا موقع ملا۔ میں نے ان کی زندگی کو کتاب و سنت میں ڈھلا ہوا پایا۔ سفر ہو یا حضر، تہجد کا باقاعدہ اہتمام فرماتے۔ فیصل آباد میں قیام کے دوران میں رات کو فیصل آباد کے مضافات میں جلسہ ہوتا رات گئے واپسی ہوتی۔ حضرت شاہ صاحب تھوڑی دیر آرام فرمانے کے بعد تہجد کے لیے بیدار ہوتے اور اپنے رب سے ملنے لو لگاتے۔ نیو سعید آباد ہوتے تو صبح کی نماز اور اسی طرح ظہر کی نماز میں لمبے قیام

کرتے۔ بالخصوص صبح کی نماز میں قیام زیادہ ہوتا۔ اگر کوئی اقامت کے وقت بیدار ہوتا اور حوائج ضروریہ اور وضوء سے فارغ ہو کر مسجد پہنچتا تو پہلی رکعت اسے مل جاتی۔ صبح کی نماز میں جب کبھی دعائے قنوت پڑھتے تو آواز بھرا جاتی، آنکھیں بھیگ جاتی اور ایک ساں بندھ جاتا۔ نماز سے فراغت اور مسنون اوراد و وظائف کے بعد قرآن مجید کا درس ہوتا۔ ایک مرتبہ راقم تقریباً ہفتہ بھران کے ہاں ٹھہرا، پورے ہفتہ میں ﴿سُبْحَانَ الَّذِي سَخَّرْنَا هَذَا وَمَا كُنَّا لَهُ مُقَرَّبِينَ وَإِنَّا إِلَىٰ رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُونَ﴾ پر ہی انہوں نے درس ارشاد فرمایا۔ اس وقت تو کچھ باتیں یاد تھیں اسی بنا پر واپس لیاقت پور حضرت والد صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا تو گاؤں میں دو تین دن اسی موضوع پر درس دیا۔ حضرت شاہ صاحب کا یہ درس تقریباً طلوع آفتاب تک جاری رہتا۔ درس سے فارغ ہو کر کچھ وقت کے لیے گھر تشریف لے جاتے ڈیڑھ دو گھنٹے بعد تشریف لاتے۔ جو بھی مہمان آئے ہوئے ہوتے ان کے ہمراہ ناشتہ کرتے۔ اخبار آ جاتا تو ایک نظر اس پر ڈالتے اور پھر تصنیف و مطالعہ میں مصروف ہو جاتے۔ اور یہ سلسلہ ظہر کی نماز تک جاری رہتا۔ نماز ظہر کے بعد کھانا مہمانوں کے ساتھ تناول فرماتے۔ اور کچھ وقت آرام کے لیے گھر تشریف لے جاتے۔ عصر کی نماز کے بعد ”لابریری کے گرامی پلاٹ میں بیٹھ جاتے۔ کوئی مسائل پوچھنے والا ہے کسی کا گھریلو معاملہ ہے یا کوئی جماعتی مسئلہ ہے اسی پر گفتگو فرماتے۔ بصورت دیگر مطالعہ میں مصروف ہو جاتے۔ مغرب کی نماز کے بعد پڑھنے لکھنے کا اکثر معمول نہیں تھا۔ عشاء کی نماز کے بعد مہمانوں کے ہمراہ کھانا تناول فرماتے پھر تھوڑی دیر بعد گھر آرام کے لئے چلے جاتے۔ اکثر و بیشتر ان کا یہی معمول تھا۔ رات کے کھانے میں دودھ ضرور نوش جان فرماتے بلکہ دودھ کے گھونٹ سے کھانا کھاتے۔ ایک بار فیصل آباد تشریف لائے۔ احباب نے ان سے عقیدت و محبت میں بڑے پر تکلف کھانے تیار کئے۔ حضرت شاہ صاحب تکلف بھری یہ محبت برداشت کرتے رہے۔ مگر یہاں سے جب واپس سندھ جانے لگے تو اسٹیشن پر کھڑے احباب میں میرا ہاتھ پکڑ کر ایک طرف لے گئے اور فرمانے لگے اب کی بار تو تم نے مجھے مروادیا۔ میں یہ سن کر بڑا پریشان ہوا اور عرض کی حضرت جو ہوا اس کی پیشگی معذرت کرتا ہوں فرمائیے کیا ہوا تاکہ آئندہ محتاط رہوں۔ فرمایا تمہیں معلوم نہیں ہم لوگ سالن میں نمک مرچ کم کھاتے ہیں اور رات کے کھانے میں تو دودھ ضروری ہوتا ہے بلکہ کھانا ہی دودھ سے کھاتے ہیں۔ اس بار تو مرچ کھلا کھلا کر تم نے

مروادیا۔ میں نے معذرت کی اور آئندہ اس کا پاس و لحاظ رکھنے کا عہد کیا۔

وضوء کرتے ہوئے میں نے انہیں مسواک کرتے، داڑھی کا خلال کرتے اور پاؤں کی انگلیوں کے مابین حدیث کے مطابق چھوٹی انگلی سے خلال کرتے ہوئے دیکھا یوں وہ حتی الوسع تمام سنتوں کا اہتمام کرتے حضرت شاہ صاحب دائیں ہاتھ میں انگٹھی پہنتے تھے اور وضو کے دوران اسے ہلاتے تھے۔ البتہ مجلس میں جب کبھی ہنسی اور مزاح کی بات ہوتی تو ہنستے ہنستے لوٹ پوٹ ہو جاتے ان کی یہ عادت بہر حال ان کی عظمت کے شایان شان نہ تھی۔ آخر وہ تھے تو انسان ہی، معصوم بھی وہ نہ تھے اس قسم کی تمام کمزوریوں سے صرف انبیاء کرام علیہم السلام ہی پاک اور صاف ہیں اور وہی امتوں کے لیے کامل نمونہ ہیں۔

حضرت شاہ صاحب کا انتقال جنوری ۱۹۹۶ء میں ہوا۔ ان کے ساتھ ارتحال سے کچھ عرصہ پہلے ان کی عیادت کے لیے نیو سعید آباد حاضر ہوا۔ معلوم ہوا کہ آپ حیدر آباد میں ہیں۔ حسن اتفاق کہ وہیں حضرت مولانا عبدالرحمن چیمہ صاحب رحمہ اللہ شیخ الحدیث دارالحدیث لودھراں تشریف لے آئے۔ ہم دونوں حیدر آباد چل نکلے مغرب کی نماز ہو چکی تھی کہ ہم مسجد میں پہنچے۔ نماز کے بعد شاہ صاحب سے ملاقات ہوئی۔ طبیعت بڑی مضاعف تھی چہرے کی بشاشت افسردگی میں تبدیل ہو چکی تھی۔ مغرب پھر عشاء کے وقت بھی سرسری سی ملاقات پر ہم دونوں پریشان تھے۔ البتہ صبح کی نماز کے بعد ناشتہ تک وہ ہمارے پاس ٹھہرے۔ اسی دوران میں اس عاجز نے اور مولانا چیمہ صاحب نے ان سے اجازت بالروایہ طلب کی۔ فرمانے لگے تمہیں اس کی کیا ضرورت ہے۔ عرض کیا ضرورت ہی کی بنا پر تو یہ طلب کر رہے ہیں بالآخر انہوں نے اپنا مثبت ”منجد المستجیز لروایۃ السنۃ والکتاب العزیز“ اپنے دستخطوں اور اپنی مہر سے عطاء فرمایا۔ والحمد للہ علی ذلک۔

حضرت شاہ صاحب کی زندگی کا احاطہ نہایت مشکل ہے، ان کا حلقہ تلمذ عجم سے عرب تک پھیلا ہوا ہے۔ اسی بنا پر وہ شیخ العرب والعجم معروف ہوئے۔

نور اللہ مرقده واعلیٰ اللہ مقامہ فی الجنة مع النبیین والصدیقین والشہداء
والصالحین. آمین.

شیخ بدیع الدین شاہ راشدی رحمۃ اللہ علیہ سے چند ملاقاتیں

الحمد لله رب العالمين والصلاة والسلام على سيد المرسلين وعلى آله وصحبه

اجمعين وبعد

اللہ تعالیٰ کا اس امت پر احسان ہے کہ ہر عہد میں اس قسم کے علماء اور فضلاء موجود رہتے ہیں جو امت کی رہنمائی اپنے علم کے ذریعے کرتے رہتے ہیں، اور قیامت تک یہ طائفہ منصورہ باقی رہے گا یہ روشن ستارے دنیا میں اپنا فرض ادا کرتے رہیں گے اور بھٹکے ہوئے لوگوں کی راہیں منور کرتے رہیں گے۔

انہی روشن ستاروں میں حضرت العلام السید بدیع الدین شاہ راشدی کا نام نامی آتا ہے، جنہوں نے اپنے عہد میں اپنے علم و فضل کے ذریعے سے لوگوں کی رہنمائی اور تعلیم و تربیت کا فریضہ انجام دیا۔

میں خوش محسوس کرتا ہوں کہ اس نابھہ روزگار شخصیت سے ملاقات کا شرف حاصل ہوا، الحمد للہ مدینہ منورہ میں والد صاحب مولانا عبدالغفار حسن رحمۃ اللہ علیہ کی معیت میں پندرہ سال رہنے کا موقع ملا۔ اور مدینہ میں قیام کے دوران برصغیر کی نامور شخصیات کو دیکھنے اور سننے کا موقع ملا۔

انہیں شخصیات میں حضرت شاہ صاحب کا ذکر آتا ہے۔ جن سے میری پہلی ملاقات اس وقت ہوئی جب کہ حضرت صاحب شیخ عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز سے ملاقات کی غرض سے جامعہ اسلامیہ میں تشریف لائے، بعض دیگر احباب کے ساتھ آپ مرکزی لائبریری میں کتابوں کا مشاہدہ کر رہے تھے کہ ایک ساتھی نے شاہ صاحب سے تعارف کروایا، اور آپ نے نہایت شفقت اور محبت سے اس خاکسار سے معاملہ کیا اور حال وغیرہ دریافت کیا۔ اور اس وقت سے میرے ذہن میں ان کا وہ نورانی چہرہ سادگی اور خوش دلی ذہن میں پیوست ہو گئی۔

دوسری مرتبہ اس وقت ان کو دیکھا جب وہ مسجد الحرام میں درس حدیث ارشاد فرما رہے تھے اور ان

کے درس میں اہل علم کی تعداد بھی عام سامعین کے ساتھ موجود تھی، اور انکی زبان سے عربی میں انتہائی سلاست اور روانی سے حدیث کا درس تمام سامعین اور حاضرین کے لئے حیرانی کا باعث تھا یہ تذکرہ غالباً ستر کی دہائی کا ہے جب آپ وہاں مقیم تھے۔ یہ بھی اس زمانے میں سنا تھا کہ آپ نے ”مخلی ابن حزم“ کا درس شروع کیا ہے۔ اس طرح مکہ مکرمہ کی رہائش کے دوران طلبہ آپ سے بھرپور استفادہ کرتے رہے۔ اور آج بھی حافظ محمد فتنی مرحوم کی رباط کی میں رہائش گاہ اور حرم میں ان کی بیٹھک نگاہوں کے سامنے گذر جاتی ہے۔ جو کہ برصغیر کے اہل علم کے ملنے اور بات چیت کرنے کا مرکز تھا، اور حافظ فتنی مرحوم کی ذات سے تمام حضرات کے بارے میں معلومات حاصل ہو جاتی تھیں۔

علامہ بدیع الدین راشدی کے تذکرے میں اگر کتابوں سے ان کے لگاؤ کا ذکر نہ ہو تو بات تشنہ رہ جائے گی، اور یہ حقیقت ہے کہ ان کا مکتبہ اپنی حیثیت میں ایک بے مثال مکتبہ تھا۔ ان کی مطبوعات اور مخطوطات سے محبت اور لگن اپنی جگہ ضرب المثل تھی، مجھے ان کا مکتبہ دیکھنے کا موقع نہ مل سکا۔ لیکن اکثر شوقین احباب سے ان کے مکتبہ کی تعریف سنی اور دل چاہتا بھی رہا لیکن یہ تنہا پوری نہ ہو سکی۔

فیصل آباد میں قیام کے دوران ایک ساتھی نے چند مخطوطات کا فوٹو لاکر دیا جو کہ وہ پیر صاحب کے مکتبہ سے فوٹو کروا کے لائے تھے، ان کتابوں میں ایک ان کی تحریر کردہ کتاب کا عکس تھا جس میں قراءۃ خلف الامام کے بارے میں نہایت عالمانہ فاضلانہ اور محدثین کرام کے اسلوب پر بحث کی گئی تھی اور ان کی علییت اور تحقیق کی غماز تھی۔

ان کی کتابوں سے لگن کا اندازہ اس بات سے ہو سکتا ہے کہ وہ اپنے مقالے جو کہ مولانا عطاء اللہ حنیف رحمۃ اللہ علیہ کی یاد میں انہوں نے تحریر کیا تھا اور الاعتصام کے خصوصی شمارہ میں شائع ہوا ہے۔

اس مقالے میں فرماتے ہیں کہ ”مرحوم (مولانا عطاء اللہ حنیف رحمۃ اللہ علیہ) سے میری پہلی ملاقات قیام پاکستان سے پہلے ملتان شہر کے محلہ قدیر آباد میں مرحوم علامہ الشیخ ابوتراب عبدالتراب صاحب کے مکتبہ میں ہوئی، اس وقت علامہ موصوف کے یہاں فروخت کے لئے مکتبہ موجود تھا۔ سال میں ایک دو مرتبہ میرا وہاں جانا ہوتا تھا اور کتابیں خریدتا تھا، اس مرتبہ مولانا عطاء اللہ حنیف مرحوم بھی اس شوق سے وہاں پہنچے تھے، مولانا

عبداللہ صاحب نے ان کا تعارف کرایا۔ مولانا عطاء اللہ صاحب مجھے غائبانہ جانتے تھے، دونوں کو مل کر انتہائی خوشی ہوئی، خاص طور پر اس لئے کہ دونوں پر علمی کتابوں کا شوق غالب تھا اس جذبے نے اور زیادہ قریب کر دیا، وہاں سے روانہ ہونے تک ہمارے مابین کتابوں کے متعلق گفتگو ہوتی رہی، کبھی کسی نئی کتاب کے دیکھنے کا ذکر ہوا تو کہیں کسی کتاب کے متعلق ایک دوسرے سے معلومات حاصل ہوتیں، کسی نئی کتاب کا سن کر دل میں انتہائی مسرت کی کیفیت پیدا ہوتی، میں نے اس ملاقات میں کتاب ”اوجز المسالک“ کا نام سنا۔ اس اقتباس سے پیر صاحب کی کتابوں سے محبت اور اس کے لئے سفر کرنا بالکل ظاہر ہے۔ اور اس کے ساتھ ساتھ ان اکابرین امت کی آپس میں محبت اور گہرے تعلقات کا اندازہ ہوتا ہے۔

شاعر نے کیا خوب کہا ہے۔

صورتیں آنکھوں میں پھرتی ہیں وہ نقشے یاد ہیں
کیسی کیسی صحبتیں خواب پریشاں ہو گئیں
اللہ تعالیٰ ہم جیسے ناکارہ افراد کو بھی ان کے سیرت و کردار پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین



ایک عظیم محنت کی یاد میں

شخصیات کے بارے میں لکھنا میرے لیے ہمیشہ سے مشکل رہا ہے کیونکہ کسی شخصیت کے متعلق لکھتے وقت افراط و تفریط کے پہلو سے بچنا انتہائی کٹھن مرحلہ ہوا کرتا ہے بالخصوص اس شخصیت کے بارے میں خاصہ فرمائی کرنا جس کے ساتھ سفر و حضر میں رفاقت کا موقع میسر نہ ہو آدمی اس کے بارے میں لکھے تو کس بنیاد پر؟ حضرت شاہ بدیع الدین کے بارے میں میرا یہی معاملہ ہے۔ ان کے ساتھ میرا تعلق ایک زاہد اور سامع سے زیادہ نہ تھا۔ لہذا ان کے بارے میں میری معلومات اسی بنیاد کے حوالے سے ہیں جامعہ بحر العلوم میرپور خاص جو حقیقتاً سندھ کے صحراؤں میں بحر العلوم ہے جس سے اٹھنے والی علم و حکمت کی گھٹائیں پورے سندھ پر قرآن و سنت کی برکھا برسا رہی ہیں جسے میرپور کی جماعت بالخصوص سندھ ہائیکورٹ کے معروف و کلاء حاجی محمد اسماعیل میمن اور ان کے قریبی عزیز محمد ہاشم میمن اپنے گروہ خاص اور احباب کے مالی تعاون سے جاری رکھے ہوئے ہیں۔ ان کی خوش قسمتی اور مدرسہ کے لیے اعزاز ہے کہ شیخ الحدیث افتخار احمد صاحب جو کہ شاہ بدیع الدین کے شاگرد ہیں۔ وہ مسند تدریس کے سربراہ کی حیثیت سے جامعہ کے نظام تعلیم کی نگرانی کر رہے ہیں۔ صاحب علم و فضیلت ہونے کے ساتھ احساس ذمہ داری کی دولت سے مالا مال ہیں مجھے ان کے بارے میں ذاتی طور پر پہلے بھی علم تھا کیونکہ بارہا دفعہ بحر العلوم حاضری دے چکا ہوں لیکن اب تو یقیناً کامل ہو چکا ہے کہ فاضل دوست واقعی مستعد اور احساس ذمہ داری کی دولت سے مالا مال ہیں۔ حالانکہ لوگ اس مسند پر براجمان ہو کر انتظامی ذمہ داریوں کی طرف توجہ کرنا اپنے لئے مناسب نہیں جانتے لیکن موصوف نے میرے ساتھ مضمون لکھنے کے لیے اتنی مرتبہ رابطہ کیا کہ میں شرم کے مارے شخصیت نگاری پر قلم اٹھانے کے لیے تیار ہو گیا لہذا شاہ صاحب کی ذات اور ان کی خدمات کے حوالے سے چند باتیں حوالہ قرطاس کرنے کی جسارت کرتا ہوں۔ مرحوم کی ذات بلا مبالغہ عرب و عجم میں اہل علم کے لیے مسلمہ اتھارٹی تھی۔ ان کا ارشاد پورے انہماک کے ساتھ سنا جانا اور

☆ مدیر ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہما اکیڈمی لاہور، کنوینیر دعویت توحید، سابق ناظم اعلیٰ مرکزی جمعیت اہل حدیث پاکستان

اختلافی مسئلے میں حضرت کا استنباط مستند تصور ہوتا تھا۔ یہ مقام اور علمی فیض متحدہ ہندوستان سے لے کر اب تک ان کے خاندان میں ساتویں آٹھیں نسل سے قائم اور جاری ہے۔ روحانی فیض اور ترسیل علم کے حوالے سے شاہ صاحب کا خاندان برصغیر میں خصوصی مرتبہ کا حامل رہا ہے۔ بالخصوص صوبہ سندھ کے علم و فکر کے حلقوں میں اس خاندان کا وقار سر فہرست ہے ہمارے محسن و مخدوم سید بدیع الدین (مرحوم) اس خانوادے کے چشم و چراغ اور سربراہ تھے۔ آپ کا جسم پتلا دبلا مگر پھر تپتا جو کہ مستعدی کی علامت ابھرتی ہوئی قد و قامت بلند و بالات شخص کی ترجمانی تھیکے اور خوبصورت نقش و نگار تعق نگاہی اور بلا کی ذہانت کے عکاس تھے شاہ صاحب اپنے خاندان کے روایات کے پاسبان اور علم کے امین تھے۔

جامع شخصیت کے اوصاف

ایک علمی شخصیت میں کردار کی پختگی اور عمل کی صلاحیت کے ساتھ تدریس، تحریر اور خطابت کے جوہر جمع ہو جائیں تو علم و عرفان کی دنیا میں ایسی شخصیت جامع اور باکمال تصور ہوتی ہے۔

تعلیم و تعلم

شاہ صاحب مطالعہ کے ذہنی اور رسوخ فی العلم کی وجہ سے مستند اور جید عالم ہونے کے ساتھ نہایت ہی کامیاب مدرس تھے۔ جب وہ کسی مسئلہ پر دلائل دینے پر آتے تو دریا کی لہروں کی طرح ایک سے ایک بڑھ کر تابڑ توڑ دلائل دیتے جاتے یہی وجہ ہے کہ جس نے بھی شاہ صاحب سے فیض پایا وہ اپنے حلقے میں کامیاب مدرس اور اسکالر ثابت ہوا جس کا زندہ ثبوت یہ شخصیات ہیں۔

خطبہ و خطاب

اکثر اہل علم میں یہ کمزوری ہوتی ہے کہ وہ علم و مطالعہ کے باوجود عوام الناس کے سامنے مسئلہ واضح نہیں کر سکتے شاید اس کی وجہ یہ ہو کہ وہ تعلیم و تعلم کی دنیا کے بادشاہ ہوتے ہیں اور عوام کے ساتھ ان کا ربط نہ ہونے کے برابر ہوتا ہے جس کی وجہ سے وہ عوام کی فہم و فراست کے درجے پر اتر کر بات کرنے میں دقت محسوس کرتے ہیں۔ مگر شاہ صاحب کو عوام میں اپنا نقطہ و نگاہ مؤثر اور مدلل انداز میں بیان کرنے کی اللہ تعالیٰ نے ایسی صلاحیت عطا فرمائی تھی کہ بڑے بڑے عوامی خطباء سے بھی سبقت لے جاتے تھے۔ ان کے لب و

لہجہ میں دبدبہ، دلائل کا انبار اور شخصیت کا ابھار شاہ صاحب کا طرہ امتیاز تھا۔ سندھی ان کی مادری زبان تھی مگر اردو اور عربی میں انہیں کمال و دسترس حاصل تھی۔

۱۹۶۸ء کی بات ہے اس وقت بنگلہ دیش بھی مشرقی پاکستان کی صورت میں پاکستان کا حصہ تھا۔ موجودہ پاکستان کو مغربی پاکستان اور بنگلہ دیش کو مشرقی پاکستان کہا جاتا تھا دونوں کا ایک ہی وزیر اعظم اور صدر ہوا کرتا تھا۔ جو فوجی جہتا اور نااہل سیاستدانوں کی وجہ سے الگ ہوا چنانچہ مغربی پاکستان کے مرکزی جمعیت اہل حدیث کے اسیر شیخ الحدیث مولانا محمد اسماعیل سلفی جو بیک وقت بے مثال مدرس علمی اور عوامی حلقوں میں کامیاب خطیب اور قلم و قراطس کے شہسوار تھے آپ ۲۰ فروری ۱۹۶۸ء کو فوت ہوئے۔ اور اسی سال ہی رئیس المناظرین حضرت حافظ عبدالقادر روپڑی اور مسلک دیوبند کے سرخیل اور زبردست خطیب مولانا غلام اللہ خاں کے درمیان فاتحہ خلف الامام کے عنوان پر راولپنڈی شہر میں مناظرہ طے پایا۔ مولانا غلام اللہ خاں صاحب کی خطابت کا پنڈی میں طوطی بولتا تھا دونوں طرف سے عظیم شخصیات اور ٹاپ لسٹ مناظر تیار تھے اور پنڈی اس وقت پاکستان کا دار الخلافہ ہونے کی وجہ سے پورے ملک میں تہلکہ مچ گیا اس مناظرے کے لمحہ بہ لمحہ اثرات ملک بھر میں گہرے ہوتے جا رہے تھے۔ حکومت نے یہ صورت ہال دیکھ کر عین ایک دن پہلے دفعہ ۱۴۴ کا نفاذ کیا اور یہ مناظرہ نہ ہو سکا۔ انہی حالات کے پیش نظر مرکزی جمعیت اہل حدیث پاکستان نے سالانہ کانفرنس لیاقت باغ پنڈی میں منعقد کرنے کا اعلان کیا۔

شاہ صاحب کا آل پاکستان اہل حدیث کانفرنس میں بے مثال خطاب

مولانا محمد اسماعیل سلفی رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کے بعد یہ مسئلہ پیدا ہوا کہ خطبہ جمعہ کے لیے کس شخصیت کا انتخاب کیا جائے سب کی نظر سید بدیع الدین شاہ صاحب پر ٹھہری اور موضوع بھی انہیں مسلک اہل حدیث اور فاتحہ خلف الامام کا دیا گیا۔ دار الخلافہ اور مناظرانہ حالات میں بڑے بڑے علماء محسوس کر رہے تھے کہ شاید شاہ صاحب سندھی ہونے کی وجہ سے اردو میں خطبہ جمعہ کا حق ادا نہ کر سکیں اور پھر موضوع بھی ایسا جو خالص علمی تھا۔ اور جمعہ کے اجتماع میں احناف نے بھی بڑی کثیر تعداد میں شرکت کی لیکن جو نبی شاہ صاحب نے خطبہ مسنونہ کے بعد اپنے خطاب کا آغاز کیا تو ہر لمحہ اس طرح عوام پر چھٹائے چلے گئے کہ جیسے لوگوں کے دل و

دماغ پر قبضہ کر لیا ہوشاہ صاحب نے فاتحہ خلف الامام پر علمی اور عوامی انداز میں وہ دلائل دیے کہ لوگ عرش کراٹھے۔ اس کے بعد پورے ملک میں شاہ صاحب کی خطابت کا طوفانی بولنے لگا۔

شاہ صاحب کی سعودیہ روانگی اور مراجعت

کچھ عرصہ بعد خبر آئی کہ شاہ صاحب مستقل طور پر سعودی عرب منتقل ہو چکے ہیں جسے جماعتی حلقوں نے اس لیے تحسین کی نظر سے نہ دیکھا کہ وہ سمجھتے تھے کہ شاہ صاحب کی سعودی عرب کے بجائے پاکستان میں زیادہ ضرورت اور اہمیت ہے۔ لیکن شاہ صاحب علم اور مطالعہ کے دھنی تھے اس لیے وہ سعودی عرب کے ماحول کو اپنے لیے زیادہ موزوں پاتے تھے۔ وہاں جاتے ہی علمی مجالس میں بڑے بڑے شیوخ سے تبادلہ خیالات ہوا جس سے شاہ صاحب کے علم و مطالعہ کی پورے عالم اسلام میں دھاک بیٹھ گئی۔ لیکن وہاں کے مخصوص سیاسی حالات اور شاہ صاحب اپنی حق گوئی کی وجہ سے زیادہ نہ رہ سکے اور واپس آ کر اپنے کام میں ہمد تن مصروف ہو گئے۔

شاہ صاحب مرکزی جمعیت اہل حدیث کے امیر کی حیثیت سے

مرکزی جمعیت اہل حدیث اجتماعی تربیت کے فقدان کی وجہ سے کئی ادوار میں انتشار کا شکار رہی ہے مولانا سلفی کی وفات کے بعد جمعیت شدید تنظیمی بحران کا شکار ہوئی بالآخر جماعت دو دھڑوں میں منقسم ہوئی ایک دھڑے کے امیر مولانا لکھوی صاحب اور ان کے ناظم اعلیٰ میاں فضل حق برقرار رہے۔ دوسرے گروپ نے سید بدیع الدین راشدی صاحب کو منتخب کیا جس کے ناظم اعلیٰ پروفیسر ساجد میر قرار پائے کیونکہ شاہ صاحب پڑھنے پڑھانے اور قلم و قریطاس کے آدمی تھے انہوں نے پہلے دن ہی یہ بات واضح کر دی کہ جو نبی صلح و اتحاد کی بات چلے گی میں امارت سے مستعفی ہو جاؤں گا۔

فیصل آباد شہان اہل حدیث کے سرکردہ مولانا محمد شریف اشرف، مولانا محمد یوسف انور، پروفیسر محمد شریف، مولانا طیب معاذ اور ان کے ساتھیوں نے کچھ بزرگوں کے ساتھ مل کر اتحاد کے لیے مؤثر کردار ادا کیا جو نبی اتحاد کے فارمولے پر اتفاق ہوا تو شاہ صاحب نے حسب وعدہ و اعلان امارت سے استعفیٰ دے دیا اس طرح انہوں نے اپنی بات کی پاسداری کی اور اس پر من و عن عمل کر کے دکھایا حالانکہ شہرت اور منصب کی

ہوں کے دور میں ایک شخصیت کے لیے ایسا کرنا بہت ہی مشکل ہوتا ہے۔ جس کی وجہ سے جماعتوں میں ایسی مثالیں کم ہی پائی جاتی ہیں۔ اس کے بعد شاہ صاحب مرکزی نظام سے اس قدر دلبرداشتہ ہوئے کہ انہوں نے اپنے آپ کو تنظیمی اعتبار سے صرف جمعیت اہل حدیث سندھ تک محدود کر لیا ان کے فیض یافتہ معتمد فاضل اور جید عالم دین امیر الشیخ عبداللہ ناصر رحمانی ناظم اعلیٰ جمعیت اہل حدیث قاضی عبدالحق انصاری اور ان کے ساتھی ڈاکٹر عبدالحفیظ سموں اور ڈاکٹر عبدالرہیب نے سندھ میں اس جماعت کو مؤثر بنانے میں بڑا کردار ادا کیا ہے۔ اور ان کی سرکردگی میں سینکڑوں مساجد اور درجنوں مدارس کام کر رہے ہیں جہاں تک ان کے خاندانی اداروں کا تعلق ہے نیو سعید آباد میں ان کے پوتے نصرت اللہ شاہ صاحب اور ابوجمید شاہ چلار رہے ہیں۔ درگاہ شریف جو ان کے بزرگوں کی گوتھ میں ہے وہاں شاہ صاحب کے بڑے بھائی سید محبت اللہ شاہ راشدی جو اپنے وقت کے عظیم محدث تھے ان کے صاحبزادے سید قسم شاہ خاندانی درس گاہ کی سرپرستی فرما رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کی خدمات میں برکت اور فیض کو تا قیام قیامت قائم رکھے۔ آمین یا رحم الراحمین۔



حضرت پیرسید بدیع الدین شاہ راشدی رحمہ اللہ

بھولی بسری یادیں!

مجلہ ”بحر العلوم“ میرپور خاص کی یہ کوشش لائق صد تحسین ہے کہ اس کے ادارہ نے حضرت پیرسید بدیع الدین شاہ راشدی رحمہ اللہ پر خصوصی اشاعت کا اہتمام کیا ہے اور پھر یہ بات مزید خوش کن ہے کہ حضرت سے منسوب اس اشاعت کو ”شیخ العرب والعجم“ کے خوبصورت اور حسب حال نام دینے کا عزم کیا ہے، دعا گو ہوں کہ اللہ تعالیٰ ان کی یہ مساعی حسنہ بار آور فرمائے۔ مندرجہ بالا خوبصورت روزہ ”الجمادیہ“ میں دیکھ کر یہ سطور سپرد قلم ہو گئیں۔

یہ کوئی چالیس پینتالیس برس قبل کا زمانہ ہوگا کہ حافظ محمد اسماعیل روپڑی ہمیں شاہ صاحب کے بارے میں بتایا کرتے تھے کہ وہ علم و عمل کے پہاڑ اور کلام و بیان کے شہسوار ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں قلم و قرطاس اور منبر و محراب و اسٹیج پر چھاجانے کی وافر صلاحیتوں سے نوازا ہے۔ چنانچہ اپریل ۱۹۶۲ء میں جمعیت شبانہ الجمادیہ کے زیر اہتمام سہ روزہ عظیم الشان کانفرنس دھوبی گھاٹ فیصل آباد میں ہم نے انہیں مدعو کیا وہ تشریف لائے اور طے شدہ وقت و موضوع اور پروگرام کے مطابق مسلک الجمادیہ کی حقانیت و صداقت پر ایسی مدلل مگر عام فہم تقریر دلپذیر فرمائی کہ اجتماع کے ہزار سامعین خوب معظوظ ہوئے جب کہ پنڈال کے گرد و نواح کھڑے احناف کے علماء و طلباء بھی حیران و ششدر ہو ہو گئے بلکہ اکثریت نے مسلک الجمادیہ کو صرف اسلام کی اصل تعبیر ہی نہیں بلکہ اسے قبول کرنے کا بھی اعلان کیا، بعد ازاں مختلف موقعوں پر پیر صاحب فیصل آباد میں تشریف لاتے رہے، ہمارے دوست مولانا ارشاد الحق اثری سے انہیں گہرا لگاؤ اور پیار تھا۔ ان کے ہاں ادارہ علوم اثریہ میں کی گئیں علماء کے ساتھ مجالس اور مسائل کے تحقیق و تنقید پر شاہ صاحب کی مؤثر

☆ نائب امیر مرکزی جمعیت اہل حدیث فیصل آباد، خطیب جامع مسجد الجمادیہ امین پور بازار فیصل آباد

گفتگو بھلائے نہیں بھول سکتی۔ مولانا ارشاد الحق بھی دو چار ماہ بعد کسی نہ کسی بہانے ان کی خدمت میں سعید آباد سندھ تشریف لے جاتے اور واپسی پر ہمیں وہاں کی لائبریری شاہ صاحب کی علمی و تحقیقی مصروفیات کے سلسلہ کی دلچسپ محبتوں سے آگاہ فرماتے۔

۶۸ء میں مرکزی جمعیت الہدیٰ کی راولپنڈی کانفرنس میں پیر صاحب کا جمعۃ المبارک کا خطبہ کمال دلنشین اور بڑا معرکہ آراء تھا۔ ان دنوں راولپنڈی میں مولانا حافظ عبدالقادر روپڑی رحمۃ اللہ علیہ اور مولانا غلام اللہ خان رحمۃ اللہ علیہ کے درمیان سورۃ فاتحہ پر مناظرہ کی باتیں چل رہی تھیں کہ مناظرہ کی نوبت تو نہ آ سکی لیکن فریقین کے درمیان اشتہارات اور جلسے کانفرنسیں شہر بھر میں کئے جا رہے تھے۔ پیر صاحب جمعہ کے خطبہ میں مسئلہ کی اہمیت کو خوب واضح و اجاگر کرتے ہوئے مسلک الہدیٰ کے دیگر امتیازی مسائل پر ایسی براہین سے بھرپور تقریر فرمائی کہ کانفرنس کی اصل جان اور روح یہی خطبہ جمعہ رہا۔ انہوں نے زوردار چیلنج کیا کہ وہ تین دن پنڈی میں موجود ہیں جس کا جی چاہے آئے اور جس مسئلہ پر چاہے بات چیت کرے۔

پیر صاحب جماعتی اختلافات کے تھوڑے سے عرصہ میں مرکزی جمعیت الہدیٰ کے ایک گروپ کے امیر بھی رہے دور امارت کے اس ماحول میں انہوں نے پنجاب اور ملک کے دوسرے صوبوں میں گاہے بگاہے تبلیغی دورے کئے جن سے مسلک الہدیٰ کو بڑا فروغ حاصل ہوا اور عام جماعتی احباب کو ان کی گفتگو اور ملاقاتوں کی سعادت ہوئی اندرون سندھ تو ان کی خطابت اور تقاریر و بیانات کا دائرہ بڑا وسیع تھا ان کی قائم کردہ تنظیم تاحال قائم اور فعال ہے، علامہ عبداللہ ناصر رحمانی رحمۃ اللہ علیہ اور پروفیسر ابراہیم بھٹی رحمۃ اللہ علیہ اس سے منسلک ہیں۔

پیر صاحب کی علمی خدمات کا دائرہ بھی بڑا وسیع ہے۔ ان کے کتب خانہ میں جدید و قدیم علوم کا ایک خزانہ، بعض کتب پر شروحات و نوٹس اور ان کے قلم سے چھوٹی بڑی اہم ترین موضوعات پر تصانیف بصد غنیمت ہیں جن کی اشاعت اگر ہو جائے تو علماء و طلبہ کے لئے انتہائی مفید ہو سکتی ہیں۔ مرحوم کے بڑے بھائی حضرت پیر محبت اللہ شاہ راشدی رحمۃ اللہ علیہ بھی وقت کے بہت بڑے محقق عالم اور زہد و تقویٰ کے پیکر تھے۔ حضرت مولانا سید محمد داؤد غزنوی رحمۃ اللہ علیہ کے زمانہ امارت میں انہوں نے لاہور موچی دروازہ میں منعقد ہونے والی ایک عظیم الشان کانفرنس کی صدارت بھی فرمائی تھی۔ ہمیں تو اسی موقع پر ان کی زیارت کا شرف حاصل ہوا تھا۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ دونوں بھائیوں کی ان خدمات علیہ و جلیلہ کو قبول و منظور فرما کر انبیاء و صلحاء کے ساتھ رفاقت عطا فرمائے اور ان کی آل و اولاد کو صدقہ جاریہ بنا کر دینی خدمات کی توفیق مرحمت فرمائے۔ پیر صاحب سعودی عرب کی بیشتر جامعات اور علمی اداروں میں درس و تدریس اور علمی خدمات انجام دیتے رہے، حرمین شریفین کے فضلاء اور جید علماء آپ کے بحر علم کے کافی متاثر و معترف تھے۔

میرپور خاص میں دو تین مرتبہ آج سے کئی سال پیشتر میاں فضل حق مرحوم کے ساتھ جانا ہوا تھا۔ محترم مولانا محمد یوسف زبیدی کی سرپرستی میں مقامی جمعیت شہر اور مضافات میں مسلک کی تبلیغ و تعلیم کا جو حال بچھائے ہوئے ہے اس کی خبریں و کاروائیاں جماعتی رسائل و جرائد اور امتحانات لینے جانے والے جامعہ سلفیہ کے اساتذہ سے معلوم ہوتی رہتی ہیں، ”بحر العلوم“ مجلہ کی اشاعت کا آغاز ان کاوشوں میں حسین اور وقت و حالات کے تقاضوں کے عین مطابق ہے اور بہترین اضافہ بھی ہے کراچی کے بعد سندھ کے معروف مقام میرپور خاص میں ہم سمجھتے ہیں کہ مرکزی جمعیت الحمد للہ کی تنظیم و تبلیغ کا حق بخوبی ادا کیا جا رہا ہے۔ اس سلسلے میں محترم محمد رمضان صاحب رحمانی اور ان کے رفقاء کار کی دیرینہ محنت خوب رنگ لارہی ہے۔ بہت سے ان کے ساتھیوں کے اسمائے گرامی اب یاد نہیں آ رہے۔ بہر حال سبھی ہماری دعاؤں اور نیک تمناؤں میں شامل ہیں۔ ”مجلہ بحر العلوم“ کے اجراء اور ”شیخ العرب والعجم“ نمبر شائع کرنے کی ٹیگ و تازہ پردل کی گہرائیوں سے ان سطور کے ذریعے تمام متعلقہ احباب جماعت کی خدمت میں مبارک باد عرض ہے غرض کہ پیر صاحب رحمہ اللہ کے شاگردوں اور حلقہ ارادت کا سلسلہ بیحد وسیع ہے جس کے لئے ایک دفتر درکار ہے، شاید کوئی شاگرد رشید اس پر توجہ فرمائے۔



شاہ صاحب رحمۃ اللہ کی الجامعة المحمدية (ٹنڈو غلام علی) سے چند خوشگوار یادیں

الحمد لله والصلاة والسلام على رسول الله وبعد:

علامہ سید بدیع الدین شاہ الراشدی رحمۃ اللہ کی شخصیت علمی حلقوں میں محتاج تعارف نہیں، ان کے متعلق مجھ جیسے ہمیدان کے لیے کچھ عرض کرنا سورج کو چراغ دکھانا ہے۔

آپ نادر روزگار ہستیوں میں سے ایک گوہر نایاب تھے۔ آپ کے علم حدیث میں سلف امت، قرآن مجید کی تفسیری نکتہ آفرینی میں امام رازی اور جملہ مذاہب پر عبور میں امام ابن حزم، علمی تاریخ میں امام طبری اور تبلیغ حق میں شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ کی جھلک نظر آتی ہے۔ ملک کے اطراف و اکناف یا بیرون ملک کوئی گوشہ، جہاں کہیں تبلیغ اسلام کے لیے اجتماعات ہوتے آپ کو نہایت اعزاز سے مدعو کیا جاتا تھا۔ جس کا اندازہ آپ کے یورپ، امریکہ، انگلینڈ، ڈنمارک، انڈیا، بنگلہ دیش، متحدہ عرب امارات، سعودی عرب، کویت وغیرہ کے تبلیغی سفرناموں سے لگایا جاسکتا ہے۔

الغرض آپ گوناگوں مصروفیات کے باوجود سفر کی صعوبتیں برداشت کر کے وہاں شرکت فرماتے اور مختلف موضوعات پر خالص علمی انداز میں قرآن و حدیث کے دلائل و براہین سے ایسی سہل اور عام فہم تقاریر ارشاد فرماتے کہ دنیا عش عش کر اٹھتی۔

عالم شباب میں شاہ صاحب رحمۃ اللہ علماء کی نظر میں کیا تھے اس کا اندازہ اس واقع سے لگایا جاسکتا ہے کہ ۱۹۴۵ء میں متحدہ ہندوستان کے شہر بمالہ ضلع گورداسپور میں مرکزی کانفرنس کی صدارت کے موقع پر خطبہ ارشاد فرمایا (وہ خطبات راشدہ میں موجود ہے)۔

جب کہ اس وقت شاہ کی عمر بمشکل ۲۰ سال ہوگی۔ اس صغریٰ ہی میں علمی حلقے شاہ صاحب کی علمی ☆ مدیر الجامعہ الحمدیہ گوٹھ مولوی سلطان احمد ٹنڈو غلام علی، فارغ التحصیل جامعہ الاحسان کراچی، معروف خطیب و مضمون نگار

شان اور قدر و منزلت کے معترف تھے۔ (اور کیوں نہ ہوتے کہ آپ اس قدر ذہین تھے کہ صرف تین ماہ کے قلیل عرصہ میں مکمل قرآن مجید حفظ کیا)

چنانچہ اس کانفرنس کی صدارت کا شرف انہیں حاصل ہوا، جس میں شیر پنجاب، فاتح قادیان مولانا ثناء اللہ امرتسری رحمۃ اللہ علیہ بھی شریک تھے اور مولانا ثناء اللہ امرتسری نے اس موقع پر اپنے خطاب میں فخر کا اظہار فرمایا کہ آج وہ ایسے اجتماع سے مخاطب ہیں کہ جس کی صدارت ایک ایسا نوجوان عالم کر رہا ہے جو فن رجال اور جرح و تعدیل کا امام ہے۔

شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو اللہ تعالیٰ نے مسلکی غیرت و حمیت سے لبریز ایک بیدار مغز اور روشن دل عطا فرمایا ہوا تھا۔ پوری عمر مسلک الہمدیث کے احقاق و اثبات اور عقیدہ سلف کے دفاع میں صرف کردی۔ آپ کی ہر تقریر و تحریر کا حاصل اور نچوڑ یہی اسلوب رہا۔ جب بھی بولتے انتہائی مدلل بولتے اور لکھنے پر آتے تو آپ کا قلم، دلائل و براہین کا انبار لگادیتا تھا۔ طریق کا مستدل اور دلیل استدلال پر انطباق شاہ صاحب مرحوم کا وہ خاصہ تھا جس نے انہیں علماء محدثین کے درمیان منفرد و ممتاز بنائے رکھا۔

شاہ صاحب کا الجامعۃ الحمدیہ (گوٹھ مولوی سلطان احمد) سے تعلق کب سے؟

راقم الحروف نے یہ تمام معلومات مولانا سلطان احمد مرحوم کے فرزند حاجی عطاء اللہ صاحب سے حاصل کیں، وہ بیان کرتے ہیں کہ والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ ۱۹۳۷ء سے اس گوٹھ میں مقیم ہیں۔ اس وقت ٹنڈو غلام علی میں چند میروں کے گھر ہوا کرتے تھے۔ اور وہاں ایک مولوی حبیب اللہ نامی شخص رہتا تھا، کہ جس کے والد صاحب کے ساتھ بڑے اچھے تعلقات تھے۔ تو اس نے والد صاحب سے ٹنڈو غلام علی میں جلسہ کرانے کو کہا۔ تو والد صاحب کہنے لگے کہ جس عالم کو چاہیں آپ بلوالیں، جلسہ پر آنے والے تمام اخراجات میں برداشت کروں گا۔ تو مولوی حبیب اللہ نے شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو دعوت دی۔ کیوں کہ مولوی حبیب اللہ کا شاہ صاحب سے اچھا تعلق تھا، یہاں میروں نے یہ حکم جاری کیا کہ یہاں کوئی جلسہ نہیں کرے گا۔ اگر کسی نے کوشش کی تو اس کا بہت برا حشر ہوگا۔ اس دور میں حیدرآباد سے یہاں تک صرف ایک بس چلتی تھی، اور شاہ صاحب اس کے باوجود اس پروگرام میں حسب وعدہ تشریف لائے۔ اور آپ کو ہتھایا گیا کہ میروں نے حکم جاری کیا ہے۔

بہر حال شاہ صاحب نے توحید پر بڑا جاندار خطاب فرمایا اور مزید کہا کہ اگر یہ میر ہیں تو ہم پیر ہیں۔ آ جاؤ جس نے مقابلہ کرنا ہے کہ میں آج رات یہیں ہوں۔ کسی کی جرأت نہ ہوئی، اس جلسہ میں آپ ﷺ سے مولانا سلطان احمد صاحب کا بھی تعارف ہو گیا۔ اور اچھی دوستی ہو گئی۔

کچھ عرصہ کے بعد اس گوٹھ میں مولانا ہدایت صاحب (جو کہ مولانا حافظ عبدالغفار (بمبا نوالہ) کے والد گرامی ہیں) بحیثیت مدرس یہاں تشریف لائے۔ مولانا کے شاہ صاحب ﷺ اور مولانا محمد حسین شیخ پوری ﷺ کے ساتھ اچھا تعلق تھا۔ مولانا نے پھر اس گوٹھ میں جلسہ کرانا چاہا تو مولانا سلطان صاحب سے مشورہ کیا کہ جلسہ میں شاہ صاحب اور شیخ پوری صاحب کو بلایا جائے۔ بہر حال یہ جلسہ منعقد ہوا۔ اور شاہ صاحب تشریف لائے۔ مولانا سلطان احمد صاحب نے شاہ صاحب سے کہا کہ ہمارا گوٹھ بہت چھوٹا ہے اگر آپ مانیں تو جلسہ ہم شہر میں کر لیں۔ شاہ صاحب فرمانے لگے کہ بھائی یہ گوٹھ تو ہمارا مرکز ہے ہم اس کو نہیں چھوڑ سکتے۔ اگر یہاں کوئی بھی نہ آیا تو ہم ان دیواروں کو ہی توحید سنا کر جائیں گے۔ پھر شاہ صاحب نے یہاں خطاب فرمایا، اس کے بعد شاہ صاحب ﷺ اس گوٹھ میں سلطان احمد صاحب کے پاس دوستی اور محبت کی بنا پر خود ہی تشریف لایا کرتے تھے۔ راقم الحروف کو مولانا کے صاحبزادے حاجی عطاء اللہ صاحب نے بتایا کہ ایک دفعہ شاہ صاحب تشریف لائے۔ کیونکہ آپ اچانک آئے تھے مولانا نے آپ کے لیے طعام کا بندوبست کرنا چاہا، تو شاہ صاحب فرمانے لگے کہ مولانا میرے لیے صرف ایک روٹی اور ایک لسی کا گلاس لے آؤ مزید تکلف نہ کرنا۔ یہ شاہ صاحب ﷺ کی ساوگی تھی۔ مگر مولانا ﷺ کیونکہ بہت مہمان نواز تھے اور یقیناً یہ چیز ان کی اولاد کو بھی ورثہ میں ملی ہے۔ اللہم زد فرد۔

الجامعۃ الحمدیہ کی سنگ بنیاد میں شاہ صاحب کا کردار

مذکورہ گوٹھ میں دینی تعلیم و تربیت اگرچہ مولانا سلطان احمد ﷺ نے ۱۹۳۷ء سے ہی شروع کر لی تھی، کہ جس میں بچوں کی ناظرہ تعلیم کا انتظام تھا، اور پھر حالات کے ساتھ ساتھ ترقی ہی ہوتی گئی اور شعبہ حفظ اور کچھ عرصہ بعد شعبہ درس نظامی بھی شروع کر لیا تھا۔ اور یہ تمام شعبہ جات مولانا ﷺ کے گھر کے کمروں یا اوطاق میں چل رہے تھے۔ اور پھر اس دینی درس گاہ کو باقاعدہ ایک نامی گرامی جامعہ بنانے کی کوشش کی گئی۔ کہ

بہترین نام اور بہترین عمارت ہو، اس سوچ کو پورا کرنے کے لئے مولانا عبدالقادر سندھی رحمہ اللہ جو کہ امام کعبہ محمد بن عبداللہ بن سبیل رحمہ اللہ کے بہت گہرے دوست تھے، مولانا سندھی صاحب کا تعلق کیونکہ مولانا سلطان مرحوم سے بھی بہت گہرا تھا، مولانا کے کہنے پر سندھی صاحب نے امام کعبہ سے گزارش کی اور انہوں نے اس دعوت کو شرف قبولیت بخشا اس طرح امام الحرم المکی فضیلۃ الشیخ محمد بن عبداللہ بن السبیل رحمہ اللہ مولانا عبدالقادر سندھی صاحب (مرحوم) کے ساتھ گوٹھ مولوی سلطان احمد ٹنڈو غلام علی میں تشریف لائے۔ اس موقع پر کیسا انتظام ہوگا یہ آپ خود بھی اندازہ لگا سکتے ہیں۔ جس اسٹیج پر امام کعبہ نے کھڑے ہو کر خطبہ دیا اور شاہ صاحب رحمہ اللہ نے ترجمانی کا فریضہ انجام دیا وہ مٹی کا اسٹیج آج بھی موجود ہے اور ان کی یاد دلاتا ہے۔

اس موقع پر شاہ صاحب رحمہ اللہ نے عربی میں سپاس نامہ پیش فرمایا۔

اور امام کعبہ نے الجامعۃ المحمدیہ کی سنگ بنیاد رکھی اور یہ ۱۹۷۹ء کی بات ہے۔ اور تقریب کے بعد جامعہ کی عظیم عمارت تعمیر کی گئی کہ جو دیکھنے کے لائق ہے۔

یہ اعزاز صرف اس جامعہ کو حاصل ہے کہ یہاں امام کعبہ اور امیر جمعیت الجامعیۃ سندھ تشریف فرما تھے۔ اور اس ادارہ میں ان دونوں ہستیوں کی حاضری یقیناً بڑی سعادت کی بات ہے۔ للہ الحمد۔

الجامعۃ المحمدیہ میں شاہ صاحب رحمہ اللہ بحیثیت ممتحن

راقم الحروف کو حاجی عطاء اللہ صاحب نے بتایا کہ شاہ صاحب رحمہ اللہ جب تک زندہ رہے آپ ہر سال جامعہ کا سالانہ امتحان خود لیا کرتے تھے۔ اور آپ کے ہاتھوں کے لکھے ہوئے تاثرات اور قیمتی مشورے اب تک جامعہ کے ریکارڈ رجسٹر میں محفوظ ہیں۔

کسی دینی ادارہ کا امتحان لینا اور اس میں انصاف کو مد نظر رکھنا ضروری ہے، اور یہ کوئی معمولی بات نہیں کہ اس جامعہ کا سالانہ امتحان شیخ العرب والعجم لیں۔ آپ کا انداز کیا ہوگا، اور آپ کی شخصیت تو بڑی بارعب تھی، مگر آپ امتحان میں طلباء کے لیے بڑے مشفق و مہربان ہوتے، اور نمبر دینے میں کوئی کمی نہ چھوڑتے طلباء کی توقع سے بھی زیادہ نمبر دیا کرتے تھے اور کسی کو فیل کرنا تو ان کے تصور میں بھی نہ تھا۔ ان باتوں کی تصدیق کرنے کے لیے میں نے کوشش کی کہ کیا واقعی آپ اس سوچ کے مالک تھے، گزشتہ دنوں راقم

الحروف امیر جمعیت اہلحدیث علامہ عبداللہ ناصر الرحمانی رحمہ اللہ کے ساتھ ایک سفر میں تھے۔ کیونکہ آپ کے ساتھ کافی پرانا اور گہرا تعلق ہے اور آپ ہی نے بندہ کی یہاں تقرری فرمائی ہے اور آپ کی سرپرستی میں خدمت دین کے فریضہ کو ادا کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہوں۔

تو میں نے آپ سے شاہ صاحب رحمہ اللہ کے بارے میں پوچھا تو آپ نے فرمایا کہ شاہ صاحب بہت فراخ دل تھے۔ اور طلباء کو فیل کرنے کے خلاف تھے اور ان کو خوب حوصلہ افزا نمبر دیا کرتے تھے تاکہ طلباء میں مزید محنت کا جذبہ پیدا ہو اور وہ بد دل نہ ہوں۔

امیر محترم نے ہی اس بات کے ساتھ اپنے ایک شیخ کا واقعہ بھی سنایا کہ ہمارے ایک شیخ تھے ان کا نام مولانا حاکم علی تھا۔ وہ ایک دفعہ کسی طالب علم کا امتحان لے رہے تھے آپ نے اس طالب علم سے پوچھا کہ علامہؒ میں کون سی ہے۔ اس نے جواب دیا کہ تاء تانیث تو شیخ نے اس کو ۵۰ نمبر دیے۔ ہم نے تعجب کیا اور پوچھا تو فرمانے لگے کہ اس طالب علم کو یہ تو معلوم ہے کہ کوئی تاء تانیث بھی ہوتی ہے مطلب کچھ نہ کچھ آتا ہے اور اس کو پاس کر دیا، یہ ہمارے سلف کی سوچ تھی دینی طلباء کے بارے میں۔

تبلیغی میدان میں شاہ صاحب کی کوششیں

جہاں تک شاہ صاحب رحمہ اللہ کی تبلیغی کوششوں کا تعلق ہے اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ راقم الحروف کو امیر (جمعیت اہلحدیث) محترم علامہ عبداللہ ناصر الرحمانی رحمہ اللہ نے بتلایا کہ میں نے پاکستان بننے کے بعد پنجاب کے ایک علاقہ میں دیوار پر کافی پرانا اشتہار چسپاں دیکھا جو کہ آپ کے بقول ۱۹۴۶ء کا تھا، اس میں مولانا داؤد غزنوی، مولانا محمد اسماعیل جیسے نامور علماء کے نام تھے اور سب سے اوپر مبلغ سندھ خطیب نو جوان داعی حق علامہ السید ابو محمد بدیع الدین شاہ الراشدی تحریر تھا اور الداعی الی الخیر میں مولانا سلطان محمود رحمہ اللہ کا نام تھا۔ اور فرمایا کہ اس وقت شاہ صاحب کی عمر تقریباً ۲۲ سال تھی۔ اسی طرح قیام پاکستان کے بعد ۱۹۶۰ء میں پنجاب میں جمعیت اہلحدیث پاکستان کے زیر اہتمام سیرۃ النبی کانفرنس میں خطاب فرمایا، اسی طرح قیام پاکستان کے بعد لاہور میں جلسہ منعقد ہوا جس کا تذکرہ کاروان سلف میں محترم محمد اسحاق بھٹی رحمہ اللہ نے بھی کیا ہے کہ جس میں شاہ صاحب رحمہ اللہ کو مدعو کیا گیا تھا، اور جن الفاظ سے شاہ صاحب

کا تعارف کرایا گیا اور آپ کو اسٹیج پر دعوت خطاب دیا گیا بھی صاحب نے ان الفاظ کا بھی ذکر کیا، ان واقعات و شواہد سے معلوم ہوتا ہے کہ شاہ صاحب رحمہ اللہ تبلیغی پروگراموں میں بڑے متحرک اور پیش پیش تھے۔

اندرون سندھ میں شاہ صاحب کی خدمات

ٹھٹھہ سندھ کا سب سے پرانا شہر ہے کہ جس میں تاریخی و قدیمی مزارات اور مساجد اور قبرستان ہیں۔ اس شہر میں بڑے بڑے شرک کے اڈے ہیں، کہ جہاں نذر و نیاز کے ساتھ ساتھ مختلف قسم کی برائیاں بھی پائی جاتی ہیں، اور شرک اس قدر ہے کہ راقم الحروف نے ایک دفعہ (جبکہ کراچی جامعۃ الاحسان الاسلامیہ میں بحیثیت معلم تھا) چند دوستوں کے ساتھ ٹھٹھہ گھومنے کا پروگرام بنایا۔ (کیونکہ اس سے قبل گھومنے کا اتفاق نہیں ہوا تو، باوجود کہ یہ ہمارا راستہ تھا، ہم گولارچی اسی شاہراہ سے گزرتے تھے) اور ہم نے وہاں دیکھا کہ ایک بہت بڑا مزار ہے کہ جہاں لوگ جوتے اتار کر جاتے ہیں اور ٹکریں مارتے ہیں۔ جس کا نام عبداللہ اصحابی ہے۔ اصحابی یہ اس کا تخلص ہے اس سے آگے ہم نے ایک اور مزار دیکھا کہ جس کا نام لٹھن شاہ تھا، یہاں شرم گاہ کی پوجا ہوتی تھی، جو کہ اب بھی موجود ہے۔ اعاذنا اللہ منہ۔ یہ اس شہر ٹھٹھہ کا مختصر تعارف تھا کہ مگر شاہ صاحب رحمہ اللہ نے غالباً ۱۹۹۰ء میں شاہ جہاں مسجد کے سامنے (جو کہ سچاول روڈ پر ہے) ایک مسجد کی بنیاد رکھی۔ کہ جس میں علامہ عبداللہ ناصر الرحمانی بھی موجود تھے۔ اس مسجد کا نام محمدی مسجد الحمدیٹ ہے یہاں پر مولانا محمد طاہر صاحب ہوتے ہیں جو کہ اس شرک و بدعت کے علاقہ میں توحید الہی کو عام کر رہے ہیں۔ اسی طرح راقم الحروف کا ۲۰۰۲ء میں تھر پار کر جانا ہوا۔ تھر کے ریگستانوں میں ہم سفر کرتے ہوئے سنہری کھوئی (یہ ایک جگہ کا نام ہے) پہنچے وہاں پر مدرسہ کے ساتھ مسجد بھی ہے یہ مسجد بھی شاہ صاحب رحمہ اللہ کے توسط سے بنی کیونکہ اس وقت بھی بیرون ملک سے بڑا تعاون آیا کرتا تھا۔ اسی طرح اسلام کوٹ سے کچھ فاصلے پر گوٹھ ہے (کہ جہاں مدرسہ بدیع السلفیہ اسلام کوٹ کے مدیر مولانا عبدالحق رہتے ہیں)۔ وہاں پر شاہ صاحب کے تعاون سے مسجد تعمیر ہوئی اس کے علاوہ تقریباً پورا سندھ شاہ صاحب رحمہ اللہ نے دیکھا اور وہاں کام کیا۔

راقم الحروف کا چند سال قبل خطبہ جمعہ جامع مسجد الفردوس نیو سعید آباد میں تھا جہاں شاہ صاحب خطبہ دیا کرتے تھے۔ اتنی بڑی مسجد کہ دیکھ کر دل کو سرور ملتا ہے۔ یہ شاہ صاحب کی بہت بڑی کوشش اور محنت و

لگن کی علامت تھی۔ اس سے متصل جمعیت کا دفتر بھی دیکھا جو کہ شاہ صاحب کے بعد ویرانگی کا شکار رہا تھا۔ اور وہاں پر موجود تمام قسم کی مختلف اشیاء جو شاہ صاحب کے دور میں قابل استعمال تھیں، دیمک لگنے کا خطرہ محسوس کر رہی تھیں۔ اس دفتر کی چھت سے ملحق چاروں اطراف ان مساجد کے نقشہ جات لٹکائے ہوئے تھے جو شاہ صاحب کے دور میں پورے سندھ میں تعمیر کرائی گئی تھیں۔ اللہ تعالیٰ ان تمام مساجد کو شاہ صاحب رحمہ اللہ کے لیے صدقہ جاریہ بنائے اور جن احباب خیر نے تعاون فرمایا ان کیلئے توشہ آخرت بنائے۔ آمین۔

شاہ صاحب کا الجامعہ المحمدیہ میں رائج نصاب کے متعلق مشورہ

آپ گزشتہ سطور میں پڑھ چکے ہیں کہ شاہ صاحب رحمہ اللہ تاحیات جامعہ کا سالانہ امتحان لیتے رہے۔ اس کے ساتھ ساتھ تعلیمی ماحول کو بہتر بنانے کے لیے آپ نے قیمتی مشوروں سے بھی نوازا۔ شاہ صاحب رحمہ اللہ ۱۳۹۷ھ بمطابق ۱۹۷۶ء میں تشریف لائے اس وقت یہاں صدر مدرس مفتی محمد صدیق رحمہ اللہ ہوا کرتے تھے۔ اس دوران شاہ صاحب نے جو تاثرات سپرد قلم کیے وہ اب تک محفوظ ہیں۔ شاہ صاحب نے لکھا کہ جامعہ کے نصاب کے لیے جامعۃ الاسلامیہ مدینہ منورہ کے نصاب کا انتخاب کیا جائے۔

اس قیمتی مشورہ پر اگرچہ عمل نہ ہوسکا مگر شاہ صاحب رحمہ اللہ کی جامعہ سے محبت اور لگن کی دلیل تھی کہ سندھ کی یہ عظیم درس گاہ ثابت ہو کہ جہاں اعلیٰ نصاب تعلیم رائج کیا جائے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں شاہ صاحب کے اس قیمتی مشورہ پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

طلباء میں قابلیت پیدا کرنے کے لیے شاہ صاحب کا مشورہ

مفتی محمد صدیق مرحوم کے دور میں ۱۴۰۵ھ بمطابق ۱۹۸۵ء میں جب شاہ صاحب سالانہ امتحان کے موقع پر تشریف لائے تو اس وقت آپ نے مشورہ دیا کہ طلباء میں مزید محنت کا جذبہ پیدا کرنے کے لیے اور انہیں قابلیت پیدا کرنے کے لیے صیغوں کی تمرین کرائی جائے۔ راقم الحروف کی معلومات کے مطابق آج ہمارے اداروں میں اس چیز کا فقدان ہے اساتذہ کرام کو چاہیے کہ وہ ترجمہ القرآن یا ترجمہ الحدیث پڑھاتے وقت طلباء کو صیغوں کے متعلق پوچھے اور بتائیں اور یہ چیز ابتدائی کلاسوں سے شروع کی جائے اور روزانہ یا ہر دوسرے دن بچوں کو ایک نہ ایک قاعدہ یا قانون صرف و نحو کا ضرور بتلائیں۔ آپ دیکھیں گے کہ یہ طلباء بہت

جلدان چیزوں کو قبول کر لیں گے اور ان میں قابلیت پیدا ہوگی۔ ان شاء اللہ

ایک نظر شاہ صاحب کی کتب پر

میری مراد شاہ صاحب رحمہ اللہ کی کتب پر تبصرہ کرنا نہیں بلکہ یہ ہے کہ میں نے جہاں تک مطالعہ کیا ہے اس میں کہاں تک متاثر ہوا۔ راقم الحروف کو کچھ عرصہ کنری شہر کی جامع مسجد محمدی الہدیث میں (امیر جمعیت الہدیث علامہ عبداللہ ناصر الرحمانی رحمہ اللہ کے حکم پر) کام کرنے کا موقع ملا۔ اس دوران کسی گوشہ میں ماہانہ درس قرآن پر سورۃ الاخلاص پر گفتگو ہوئی تو وہاں عجیب افواہیں پھیلنے لگیں (کہ الہدیث کہتے ہیں کہ اللہ ہر جگہ نہیں ہے، ہم نے یہ پہلی مرتبہ سنا ہے) تو مجھے اس بات کو دلائل سے ثابت کرنے کے لیے شاہ صاحب رحمہ اللہ کی کتاب توحید خالص (جو کہ نام ہی کافی ہے) کا مطالعہ کرنا پڑا۔ اور اس دوران کیونکہ مطالعہ میں انہماک تھا تو دلائل و براہین پر بہت تعجب ہوتا تھا۔ اور آپ کے لیے دل سے بے ساختہ دعائیں نکلتی تھیں۔

اسی طرح شاہ صاحب کی کتاب الاسماء الحسنی بہت زبردست دلائل و براہین سے پر کتاب ہے۔ اور آپ کی تصانیف کے کیا کہنے کہ تمام تصانیف ایک علمی خزانہ ہے۔

اور جہاں تک تعلق آپ کی تصانیف پر تبصرہ کا ہے جو کہ آج کل ہر رسالہ میں ہوتا ہے کہ (تبصرہ کتب) شاہ صاحب کی کسی بڑی کتاب پر تو کیا بلکہ ایک چھوٹی سی کتاب جو کہ ایک فتویٰ تھا یعنی ”قرآن خوانی کی شرعی حیثیت“ تو ہفت روزہ الاعتصام میں جلد ۵۳ شمارہ ۱۲/۲۰۰۱ء میں مبصر مولانا حافظ محمد اسلم شاہد روی صاحب لکھتے ہیں کہ حضرت پیر صاحب کی تحریر کے علمی پہلو پر راقم کا کچھ کہنا مناسب نہیں ہے آپ خود سند کی حیثیت رکھتے ہیں۔ فریق ثانی کے دلائل کا ابطال اور انکا جواب علمی اور لا جواب کر دینے والا پیش فرما دیا ہے۔

شاہ صاحب کی جماعت الہدیث کو منظم رکھنے کی کوشش

شاہ صاحب رحمہ اللہ اپنی پوری زندگی اپنی تقاریر و کتب کے ذریعے لوگوں کو اسی ایک طریقے پر لانا چاہتے تھے کہ جو سلف صالحین کا طریقہ ہے۔ اور جب آپ کو کسی علاقہ کی جماعت کے منظم ہونے کی خبر ملتی تو بہت خوش ہوتے کیونکہ یہی سلامتی کا راستہ ہے جس طرح کہ ماہنامہ دعوت الہدیث کے شمارہ ۶ جلد ۲۰۰۶ء میں مولانا محمد رفیق اثری رحمہ اللہ کا انٹرویو ہے۔ اس میں اثری صاحب نے بتلایا ہے کہ شاہ صاحب کے سامنے

ایک ساتھی یہ بات لائے کہ پورے جلاپور کے علاقے میں ایک ہی جگہ مرکزی جامعہ مسجد میں جمعہ ہوتا ہے وہ ساتھی کہتے ہیں کہ شاہ صاحب لیٹے ہوئے تھے یہ بات سنتے ہی اچھل کر بیٹھ گئے اور کہا! ہیں! (یہ کلمہ تعجب ہے) اس بات نے تو قرون اولیٰ کی یاد تازہ کر دی ہے، کہ ایک ہی نظم میں ایک ہی امام پورے علاقہ کو نماز پڑھاتا ہے اور خطبہ ایک ہی جگہ ہوتا ہے یہ تو بہت بڑی بات ہے۔ شاہ صاحب رحمہ اللہ کی جماعت کے لیے بڑی قربانیاں ہیں اور آپ ایک عظیم انسان تھے اور اسماء الرجال کے ماہر تھے کہ جس کا اعتراف آج سے چند سال قبل جبکہ آپ زندہ تھے B.B.C لندن نے بھی کیا۔ کہ دنیا میں اسماء الرجال کا عالم علامہ السید ابومحمد بدیع الدین راشدی السندی ہیں اور یہ بات بھی سننے میں آئی کہ شاہ صاحب جس وقت سعودیہ عرب سے کتب لائے تو تمام کتب اس وقت بحری جہاز پر آئیں۔ جہاز کمپنی کے مینیجر نے کہا کہ یہ اتنی سارے کتب کس کی ہیں میں اس کو دیکھنا چاہتا ہوں، جب اس نے شاہ صاحب کو دیکھا تو ورطہ حیرانگی میں پوچھا کہ یہ ساری کتب آپ کی ہیں؟ آپ پڑھیں گے؟

اور اب ایسے لوگ چراغ لے کر ڈھونڈنے سے بھی نہیں ملتے، اور اللہ نے آپ کو بڑا تیز حافظہ دیا تھا اور آپ بڑے حاضر جواب بھی تھے۔ میں نے سنا کہ ایک مرتبہ شاہ صاحب کی لائبریری میں ایک خفی دوست آیا اس نے کتابوں کا معائنہ کیا تو دیکھا کہ تمام کتب فقہ الماریوں میں اوپر رکھی ہوئی ہیں اور احادیث والی نیچے۔ تو اس نے کہا کہ حضرت ماشاء اللہ یہاں بھی کتب فقہ اوپر اور باقی تمام نیچے ہیں تو آپ نے فوراً جواب دیا کہ ہاں الحمد للہ! ہیرے جواہرات وزنی ہوتے ہیں وہ نیچے ہوتے ہیں اور گرد و غبار بھوسہ وغیرہ اوپر۔ تو وہ شخص لا جواب ہو گیا۔



ابواز کی محمد عثمان علوی ☆

☆ ایک روحانی شام کا تذکرہ ☆

ہفت روزہ الہمدیث کی وساطت سے آپ کے ادارہ کی کاوش ”شیخ العرب والعجم نمبر“ کا علم ہوا۔ میں اس قابل تو نہیں کہ کچھ الشیخ الراشدی رحمہ اللہ کے مرتبہ کا حق ادا کر سکوں مگر پھر بھی جو کچھ علم ناقص میں ہے لکھ رہا ہوں۔ شاید کہ شرف باریابی ہو جائے۔

میں شہرہا کی ”گوجرہ“ کا رہائشی ہوں، ہمارے قریب ”جامع مسجد مرکزی الہمدیث انصار کالونی“ واقع ہے۔ جب سے شعور جوان ہوا۔ خدا تعالیٰ کے اسی گھر میں رکوع و سجود کا سلسلہ جاری ہے تا حیات رہے۔ آمین!

والد صاحب مرحوم حاجی رحمت علوی جامع مسجد کی انتظامیہ میں بحیثیت ”خازن“ رکن تھے۔ وہ مجھے نہایت ہی کم عمری سے جامع مسجد ساتھ لے جانے لگے۔ اکلوتا ہونے کے ناطے شدت سے پیار کرتے تھے۔ یہ ان کی محنت کا ثمر اور اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے کہ بندہ دین کے راستے کا شیدائی ہے اور مسجد مذکورہ کی ذیلی تنظیم الہمدیث یوتھ فورس ٹی گوجرہ کا سیکریٹری مالیات ہے۔ خدا تعالیٰ بندہ کی یہ ادنیٰ خدمت قبول کر کے اپنے یہاں مقام اولیٰ نوازے۔ آمین۔

واقعہ یوں ہے کہ میں والد صاحب کی معیت میں مسجد میں داخل ہوا۔ اب صغریٰ کے باعث مجھے اچھی طرح یاد نہیں کہ نماز عصر کا وقت تھا یا کہ مغرب کا۔ سردیاں تھیں یا کہ گرمیاں۔ بچوں کی طرح میری عادت تھی کہ جوتا اتار کر سر پٹ بصلے کی طرف بھاگنا اور وہاں پر موجود امام صاحب یا جو کوئی بھی ضعیف بیٹھا ہو۔ اس سے مصافحہ کرنا۔ بہر حال یہ ذہن کی عمیق گہرائیوں میں نقش ہے کہ وقت شام کا تھا۔

بوجہ عادت میں بھاگم بھاگ صحن سے دوڑتا ہوا مسجد کے ہال میں داخل ہوا تو پہلی ایک مکمل صف اور

☆ شاہ صاحب رحمہ اللہ کا ایک عقیدہ مند

دوسری تقریباً آدھی سے زیادہ صف کو سفید پگڑیوں، عماموں اور سفید شلوار قمیضوں والے آدمیوں سے پُر پایا۔ بوجہ جھک میں داخلی دروازے پر ہی رک گیا اور پیچھے مڑ کر والد صاحب کی طرف اُلٹے پاؤں دوڑ گیا۔ جو کہ اپنی اور میری جوتی سنبھال رہے تھے۔ وہ بھی حیران ہوئے کہ یہ تو ایسے کبھی واپس نہیں آیا۔ ہم دونوں مسجد میں داخل ہوئے تو ہال کے مرکزی داخلی دروازے سے ہی والد صاحب نے حسبِ عادت بلند آواز سے السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ پکارا۔

نہایت طرز کی خوش کن آواز میں جواب آیا۔ ”وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ“ زیادہ آدمیوں کے بیک وقت ایک سے جواب سے مسجد میں ہلکی سی گونج پیدا ہو گئی۔ آہستہ آہستہ دوسرے نمازی بھی آنے لگے۔ چونکہ ہم اذان سے کچھ پیشتر ہی مسجد میں چلے جاتے تھے۔ مؤذن، قاری صاحب اور امام مسجد بھی تشریف لے آئے۔ اذان کی ادائیگی کے بعد ایک بزرگ شخصیت کو امام صاحب نے مصلے پر آنے کے لئے اسرار کیا۔ ان بزرگوں کی اقتداء میں ہم نے نماز ادا کی۔ امام صاحب نے کھڑے ہو کر (اٹھ کر) حضرت ﷺ کا تعارف کروایا تو تمام نمازی والہانہ عقیدت سے مصافحہ و معانقہ کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے۔

سنّتوں کی ادائیگی کے بعد حضرت ﷺ کا نہایت مختصر درس قرآن ہوا۔ درس کے بعد دوبارہ احباب کی صاحب سلامت شروع ہو گئی۔ لوگ ملنے کے بعد جانے لگے۔ جب چند خواص رہ گئے تو ممبران انتظامیہ حلقہ کی شکل میں حضرت ﷺ کے گرد تشریف فرما ہوئے۔ عام باتیں شروع ہو گئیں۔ حال احوال کا استفسار شروع ہوا۔ والد صاحب نے اپنی آغوش میں لئے ہوئے مجھے بزرگوں کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ جاؤ مصافحہ کر کے آؤ۔ میں جھکتا ہوا۔ قریب ہوا۔ انہوں نے نہایت شفقت سے ننھے ہاتھ کو اپنے ہاتھ میں پکڑا اور کھینچ کر گود میں بٹھایا اور پیشانی پر بوسہ دیا۔

نام پوچھا۔ والد صاحب کا نام پوچھا۔ ہکا سابدن کو گلدایا اور اس کے بعد دوبارہ پھر پیشانی چوم کر مجھے چھوڑ دیا میں اٹھ کر دوبارہ والد صاحب کی گود میں براہِماں ہو گیا۔ یادِ ماضی کی طرح نقوشِ ذہن کی اتھاہ گہرائیوں میں ڈوب گئے باقی تو یاد نہ رہا صرف پیر صاحب جھنڈا ﷺ یاد تھا۔

ایک دن والد صاحب نہایت ہی دگرگوں حالت میں تشریف لائے۔ میں بھی پریشان تھا کہ ابوجان

پہلے تو کبھی ایسے حال میں داخل خانہ نہیں ہوئے۔ میں اب ذرا بڑا ہو گیا تھا۔ والد صاحب نے روتے ہوئے بتایا کہ سید بدیع الدین شاہ راشدی رحمۃ اللہ علیہ اس جہان فانی سے رخصت ہو گئے ہیں۔ میں نے وضاحت چاہی تو انہوں نے بچپن کی ملاقات کے حوالے سے پیر صاحب جھنڈا رحمۃ اللہ علیہ کا نام لیا۔ ذہن یکدم برسوں پیچھے چلا گیا۔ وہ روحانی شام میری آنکھوں میں تیرنے لگی اور میں بھی ان کی وفات کا سن کر مغموم ہو گیا۔

یاد ماضی عذاب ہے یا رب
چھین لے مجھ سے حافظہ مرا

اب جب میں مکمل باشعور ہوں تو شیخ الراشدی رحمۃ اللہ علیہ کے علمی مرتبہ سے تعارف ہوا۔ ان کی شخصیت اور ان کے مقام کا علم ہوا۔ تو میں خود کو خوش نصیب اور اسے خدا تعالیٰ کا اک انعام خیال کرتا ہوں کہ مجھ حقیر پر تقصیر کو صغیر میں شیخ رحمۃ اللہ علیہ کی شفقت نصیب ہوئی۔

آج وہ منظر ان کے مریدوں کی فوج ظفر موج سفید کپڑوں والوں کا ہجوم، ان کی صف آرائی اور شاہ صاحب کی خدمتگاری کے لئے آگے پیچھے۔ اٹھک بیٹھک۔ حضرت کی والہانہ شفقت ان مٹ نقش کی طرح ہے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے انہی پاک طینت بندوں میں شمار فرمائے۔ آمین!

آج مجھے اس بات کی کمی بھی محسوس ہوتی ہے کہ اگر میں آج اس پختہ عمر میں شیخ کی صحبت میں ہوتا تو ان سے کامل راہنمائی حاصل کرتا۔ اب تو والد صاحب ہی اللہ تعالیٰ کے ہاں جا چکے ہیں۔ میں اپنی چشم تصور میں اس منظر کو دیکھ رہا ہوں کہ اب بھی اسی روحانی حلقے کی طرح جنت کے کس گوشے میں حضرت کے گرد حضرت کے مریدین بیٹھے ہوں گے اور خدا تعالیٰ کی نعمتوں سے بہرہ ور ہو رہے ہوں گے۔

آخر میں دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ پیر صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو اعلیٰ علیین میں جگہ عطا فرمائے اور ہم گنہگاروں کو ان کا قرب عطا فرمائے۔ آمین! ثم آمین!۔

ابو محمد بدیع الدین شاہ راشدی رحمۃ اللہ علیہ

سندھ میں جن پیر خاندانوں نے دین متین کی صحیح اشاعت و تبلیغ کی اور تعلیم عام کرنے اور ملک عزیز کو آزادی دلانے اور اسلامی نظام کو باقی رکھنے میں اہم کردار ادا کیا ان میں سرفہرست نام راشدی خاندان کا آتا ہے بعد میں اس خاندان میں اختلاف ہوا اور یہ خاندان دو حصوں میں تقسیم ہو گیا ایک 'پیر پگڑہ' جب کہ دوسرے خاندان کو 'پیر آف جھنڈا' کے نام سے موسوم کیا گیا یہ تقسیم پیر راشد شاہ کے دور میں ہوئی ایک پیر صفت اللہ شاہ راشدی پاگارو خاندان کے بڑے اور دوسرے پیر سید یاسین شاہ جو جھنڈے والے خاندانوں کے بڑے تھے۔

دوسری شاخ (جھنڈا والے) وہاں سے نکل کر ہالا کے نزدیک سعید آباد کے متصل سکونت پذیر ہوئے یہاں بننے کے لئے پیر آف ہالا نے جو اس وقت علم و عرفان اور رشد و ہدایت کا مرکز تھا زمین کا قطعہ ہدیہ دیا جس پر یہ لوگ بستی بسا کر مقیم ہو گئے۔

یہ بات علم میں رہے کہ ان تینوں مراکز (ہالا، پیر جھنڈو اور پیر جو گوٹھ) نے قرآن مجید کی تعلیم عام کرنے کے لئے قرآن کے تراجم کئے اور تفسیریں لکھوائی۔ ہالا والوں کے بزرگوں میں سے مخدوم نوح نے برصغیر میں سب سے پہلے قرآن مجید کا فارسی میں ترجمہ کیا یہ ترجمہ شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ سے نوے سال پہلے کیا گیا اور اب یہ چھپ گیا ہے۔

پیر پاگاڑو کے خاندان نے 'تفسیر کوثر' تین جلدوں میں مرتب کرائی یہ اچھی، مستند اور عمدہ تفاسیر میں سے ایک ہے، جس کا نام 'ارشاد الصدیقین لہدایۃ المتقین' معروف تفسیر کوثر یہ تفسیر ۱۲۹۰ھ میں مکمل ہوئی پیر سید حزب اللہ شاہ پاگارو نے مرتب کرائی اور مولانا محمد صدیق حیدر آبادی نے تحریر کی۔

اسی طرح پیر جھنڈو والوں نے بھی تفسیر مرتب کرائی اور اس تفسیر کا نام 'مفتاح رشد اللہ' ہے یہ قاضی

فتح محمد نظامانی نے پیر رشد اللہ شاہ رحمہ اللہ کے فرمان پر مرتب کی ہے یہ تین جلدوں میں اس کی پہلی جلد ۱۳۰۶ھ میں مکمل ہوئی۔ اس سے ان کی قرآن مجید اور اسلامی تعلیم سے وابستگی کا اندازہ کیجئے۔

پیر جھنڈو کی لائبریری برصغیر کی مشہور لائبریریوں میں سے ایک تھی قلمی اور نایاب کتب کا ذخیرہ وافر تعداد میں موجود تھا مطبوعہ کتب کا بڑا ذخیرہ بھی اس میں تھا کسی زمانے میں پٹنہ کی خدا بخش لائبریری، بھوپال کی شاہی لائبریری، اور نظام دکن اور لاہور اور دہلی کی لائبریریوں کے پائے کی تھی۔ برصغیر اور افغانستان کے علماء اور محققین استفادہ کرنے یہاں آیا کرتے اور قیام کرتے اور علم کے موتی سمیٹ کر لے جاتے۔

اس کے ساتھ یہ سیاسی مرکز بھی تھا مولانا عبید اللہ سندھی رحمہ اللہ جیسی شخصیت نے دنیا کا دورہ کرنے اور مکہ المکرمہ میں قیام کرنے کے بعد واپسی پر پیر جھنڈو میں سکونت اختیار کی اور آخری ایام یہاں گزارے اس مدرسہ سے سندھ کے بہت سے مشہور علماء نے استفادہ کیا مولانا عبداللہ لغاری اور مولانا خلیل اللہ برادر مولانا رشید احمد ”الرشید ٹرسٹ“ والوں نے استفادہ کیا۔

اسی ماحول میں ابو محمد بدیع الدین شاہ الراشدی نے احسان اللہ شاہ راشدی کے گھر ۱۹۲۵ء میں آنکھ کھولی اور ان بزرگوں سے اسی مدرسہ میں مختلف اساتذہ کرام سے تعلیم حاصل کی اور انتھک محنت کی اور پھر علم میں بڑھتے گئے موجودہ دور کے علماء میں بہت کم ہونگے جو اتنے آگے بڑھے ہوں گے۔

پیر جھنڈو کی بڑی لائبریری خاندانوں کی تقسیم سے دو حصوں میں تقسیم ہو گئی ایک حصہ پیر جھنڈو میں قائم رہا اور دوسرا حصہ سعید آباد شہر میں آ گیا اس لائبریری کی تقسیم کا واقعہ میرے استاد مرحوم سید محمد سلیم بتاتے تھے کہ اس کا فیصلہ انگلینڈ کے فیصلے کے مطابق دو حصوں میں تقسیم ہوئی چنانچہ مریدوں اور حکام نے کتابیں مضمون یا عنوان کے بجائے تعداد کے حساب سے تقسیم کی اس لئے بعض کتابوں کی ایک جلد ایک کے پاس تو دوسری جلد دوسرے کے پاس چلی گئی۔

پھر دوسرا کتب خانہ پیر بدیع الدین شاہ اور پیر محبت اللہ شاہ صاحب کے درمیان تقسیم ہوا۔ پیر محبت اللہ شاہ صاحب نے اپنی بستی علیحدہ درگاہ شریف کے نام سے بسائی اور لائبریری قائم کی اور ان کے بیٹے پیر قاسم شاہ صاحب خوب سے خوب تر بنایا جو کہ اس وقت سندھ کی بڑی لائبریری میں سے ایک ہے بلکہ کراچی کی

دو تین لائبریریاں چھوڑ کر بڑی لائبریری ہے اس لائبریری میں بے شمار عربی کے نادر و نایاب مخطوطات و قلمی نسخے اور کتابیں موجود ہیں اس طرح جدید سے جدید کتابیں تک بھی موجود ہیں۔

راقم الحروف منصورہ (نزد سعید آباد) کے قیام کے دوران پیر صاحب سے ملاقات ہوتی رہی ان سے علمی مجلسیں تو کم رہیں لیکن ان کے مواعظ، خطبات جمعہ اور بعض تقاریر سننے کا موقع ملا نیز ان کے علم و فضل اور دعوت و تبلیغ کے بارے میں سنتا رہا۔

ان کی آواز، زور بیان، دلائل و براہین اور طرزِ خطاب ایسا تھا کہ سامع لازماً متاثر ہوتا تھا ان کی شخصیت، وجاہت اور خصائص کا سامع پر جادو کا سا اثر ہوتا تھا۔ ان کی تفسیر کے ابتدائی اجزاء (بدیع التفسیر) مطالعہ کئے جس سے ان کے قرآن و حدیث کی وسعتِ علم کی گہرائی، تقابلِ مسالک و مکاتب میں بلوغ، مختلف فرقوں کا مطالعہ اور مجموعی طور پر علم بے کراں کا سمندر آتے پایا۔

پیر بدیع الدین شاہ راشدی رحمۃ اللہ علیہ کو اگر شیخ العرب والعجم کہیں تو بجا ہے، مرحوم کی مقبولیت اور عقیدت کا اندازہ اس سے کیجئے کہ سعودی عرب کے علماء اور شیوخ ان کو بڑی چاہت اور محبت سے مکہ مکرمہ بلایا اور ان کی عزت و توقیر کی اور وہاں کے شیوخ نے ان سے علم حاصل کیا۔

ان کا بہت بڑا کارنامہ ضلع تھر پارکر میں دعوت کے کام کو وسعت دینا ہے چونکہ میرا ”تھر“ سے دعوتی و تبلیغی لگاؤ ہے چنانچہ گزشتہ دو دورے پروفیسر عبدالجبار شاکر (ڈائریکٹر جنرل دعوة اکیڈمی بین الاقوامی یونیورسٹی) کے ہمراہ کئے اس میں ان کے لگائے ہوئے علمی باغات اور چمن دیکھے جواب پھل پھول دینے کے منزل میں پہنچ رہے ہیں ایک دن آنے والا ہے جب ”تھر“ سے جہالت، شرک بدعات اور خرافات کا قلع قمع ہو جائے گا اور اسلام کا نور گھر گھر پھیلے گا اس میں پیر صاحب مرحوم کا صدقہ جاریہ ہے وہ بڑھتا رہے گا اور ان کے درجات بلند ہو رہے ہوں گے (ان شاء اللہ)

یہ چند سطریں ایک داعی حق کو خراج عقیدت و محبت پیش کرنے کے لئے تحریر کیں ورنہ ان کی زندگی کے مختلف کارناموں کے لئے ایک ضخیم کتاب بھی کم ہوگی۔

ادخله الله الجنان وأعلى درجاته واسكنه مع النبيين والصديقين والشهداء

والصالحين (آمین)

علامہ بدیع الدین شاہ راشدی رحمۃ اللہ سے چند ملاقاتیں

پیر سید بدیع الدین شاہ صاحب ایک عظیم عالم دین ہی نہیں ایک عظیم انسان بھی تھے۔ وہ اعلیٰ اخلاق، انتہائی اعلیٰ کردار، بہترین مفکر، شاندار مقرر بھی تھے دین کی عظمت اسلام کی محبت کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ انتہائی بڑے عالم ہونے کے باوجود جب تک سائل کی تسلی نہ ہوتی بات ختم نہ کرتے۔

پہلی ملاقات یہ تقریباً ۱۹۷۰ء کی بات ہے کہ میرے والد گرامی محترم شیخ ظہور الہی صاحب رحمۃ اللہ نے لیاقت کالونی حیدرآباد میں مسجد بنیاد رکھی تھی جو اس وقت کچی دیواروں پر ٹین کی چادر کی چھت بنائی گئی تھی۔

شاہ صاحب رحمۃ اللہ کو جلسہ عام سے خطاب کی دعوت دی گئی۔ اس وقت میں نے محترم شاہ صاحب رحمۃ اللہ کو پہلی دفعہ دیکھا تھا۔ انسانی فطرت کے تقاضے کے مطابق میرے تخیل میں تھا کہ محترم شاہ صاحب رحمۃ اللہ اتنے بڑے عالم ہیں۔ خاندانی طور پر بہت بڑے جاگیردار ہیں اس کے مطابق ہی ان کا حلیہ اور پوشاک ہوگی۔ آپ کا حلقہ مریدین بھی اسی طرح شاہ صاحب کو پروٹوکول دے رہے ہوں گے۔ میں بھی منتظمین لوگوں کے ساتھ منتظر تھا کہ آواز آئی کہ شاہ صاحب رحمۃ اللہ تشریف لائے ہیں کیا دیکھتا ہوں، تقریباً ۶۰، ۷۰ افراد شیخ عبدالحق صاحب جن کے گھر کھانے کا بندوبست تھا آ رہے ہیں۔ اب میری نظر محترم شاہ صاحب کی متلاشی تھی کہ ان میں کون سے دستار آور جبہ کے شخصیت ہو۔ سارے دوست ہمارے قریب پہنچ گئے۔ میرے تخیل کے مطابق وہ نظر نہیں آ رہے تھے۔ بے ساختہ بلند آواز سے پاس کھڑے ہوئے شیخ نذیر احمد صاحب سے پوچھا کہ شاہ صاحب کہاں ہیں۔ شیخ صاحب نے کندھے پر ایک ہلکا سا ہاتھ سے اشارہ کیا مجھے سمجھ نہ آئی۔ دوبارہ بلند آواز سے سوال کیا کہ مولوی صاحب محترم شاہ صاحب کہاں ہیں سب لوگ آئے ہیں۔ محترم شاہ صاحب نظر نہیں آ رہے اب شیخ صاحب نے کھل کر کہہ دیا ہے کہ محترم شاہ صاحب تمہارے ساتھ کھڑے ہیں۔ ساتھ ہی شیخ نذیر احمد نے تعارف کرا دیا کہ یہ حاجی ظہور الہی کے بیٹے ہیں۔ میں نے مؤدبانہ سلام عرض کیا۔ محترم شاہ

☆ علامہ احسان الہی ظہیر شہید کے چھوٹے بھائی، سابق مہتمم مدرسہ تعلیم القرآن والحدیث لیاقت کالونی حیدرآباد

صاحب نے پیار سے کندھے چھپھپھپھائے۔ لیکن میں حیران اور ششدر کھڑا رہ گیا۔ کہ میرے خیال میں تو کوئی دستار جٹ والا شخص ہوگا لیکن یہ تو انتہائی سادگی پسند شخصیت کے حامل پر نور چہرے والے عرب و عجم کے عالم شرم و حیا کے پیکر بنے کھڑے تھے۔

ساتھیوں نے بڑے پیار سے اس مجلس میں کھانے کا بندوبست کیا تھا۔ منتظمین نے محترم شاہ صاحب کے لئے تھوڑا سا خصوصی کھانا بھی تیار کیا ہوا تھا۔ محترم شاہ صاحب کے آگے خصوصی کھانا رکھا گیا لیکن محترم شاہ صاحب کی عظمت کو سلام محترم شاہ صاحب نے اپنا خصوصی کھانا اٹھا کر عام لوگوں کے سامنے رکھ دیا اور عام کھانا اٹھا کر خود کھانا شروع کیا۔ تھوڑے سے وقت میں محترم شاہ صاحب کی عظمت اور سادگی میں رواداری کی بہترین مثالیں قائم ہو رہی تھیں۔

محترم شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ انتہائی متقی و پرہیزگار انسان تھے۔ وہ فرائض کی ادائیگی کے ساتھ ساتھ سنت و نوافل پر خصوصی توجہ فرماتے تھے وہ علم کے ساتھ ساتھ عمل سے بھی بھرپور لبریز تھے۔

محترم شاہ صاحب کو کئی دفعہ دیکھا جاتا تھا کہ محترم شاہ صاحب رات کے ایک دو بجے جلسہ عام سے خطاب سے فارغ ہوتے ہیں پھر گھنٹہ دو گھنٹہ بعد پھر شب بیداری کے لئے بیدار ہو جاتے۔

میرے گھر پر بھی محترم شاہ صاحب نے جلسہ کے خطاب کے بعد قیام کیا تو سونے سے پہلے انتہائی سرگوشی میں تہجد کی نماز کے لئے پانی اور جانماز کے اہتمام کا حکم فرمایا۔ ایک دفعہ ہماری مسجد لیاقت کالونی میں خطاب کے لئے تشریف لائے یہاں مسجد کے ایک ساتھی نے فرضوں کے بعد سنت و نوافل کی حیثیت کے بارے میں سوال کیا؟

محترم شاہ صاحب سے سوال کیا گیا کہ فرض نماز کے بعد سنتوں اور نوافل کی کیا حیثیت ہے؟ تو حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے نبی معظم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث سنائی، جس کا مفہوم یہ تھا کہ فرضوں کے گرد سنت، نوافل کی حیثیت ایک ”باز“ کی سی ہے اور شیطان سب سے پہلے نوافل چھڑواتا ہے، پھر سنت کا تارک بناتا ہے، بعد میں انسان کو فرضوں میں بھی سست کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ اور اس طرح محترم شاہ صاحب نے سنت و نوافل کی اہمیت کو اجاگر کیا۔ محترم شاہ صاحب توحید اور اتباع سنت کے بارے میں انتہائی شاندار انداز

میں بیان فرماتے، شرک کی تردید اور تقلید شخصی کے خلاف انتہائی مدلل اور آسان گفتگو فرماتے۔

لیاقت کالونی حیدرآباد کی مسجد میں ہی ایک جلسہ عام کا واقعہ ہے کہ کسی سائل نے رکوع کے بعد ہاتھ باندھنے کا مسئلہ دریافت کیا محترم شاہ صاحب نے اپنی تحقیق کے مطابق رکوع کے بعد ہاتھ باندھنے کے دلائل دیئے۔ جواب میں سائل نے گزارش کی کہ میں اب شاہ صاحب آپ کے فرمانے کے بعد رکوع کے بعد ہاتھ باندھا کروں گا۔ محترم شاہ صاحب نے بھرے مجمعے میں اس بات کو واضح کیا کہ میری وجہ سے یہ عمل نہیں کرنا بلکہ خود بھی تحقیق کرو، اُس کے بعد عمل کرو گے تو ثواب کے مستحق ہو گے۔

اس پر عمل کرو یعنی محترم شاہ صاحب اجتہاد شرعی کے زبردست موید تھے۔ محترم شاہ صاحب علم کے سمندر تھے ابھی سائل کا سوال پورا ہی ہوتا۔ تو محترم شاہ صاحب جواب قرآن و حدیث سے پوری عربی عبارت کے ساتھ پڑھ کر دیتے۔ جب تک سائل سوال کرتے رہتے شاہ صاحب تشریف فرما رہتے۔ غلٹ نہ کرتے۔

میں نے کئی دفعہ شاہ صاحب کے ہاں نیو سعید آباد میں نماز جمعہ ادا کی ہر دفعہ ہی وسیع دسترخوان پایا۔ بہترین مہمان نواز تھے۔ پیرانہ سالی کے باوجود تبلیغ کے سلسلہ میں دور افتادہ علاقوں میں سفر جاری و ساری رکھتے۔ پورے سندھ میں مختلف اداروں کے تعاون سے بے شمار مساجد کی تعمیر کروائی۔

الحمد للہ کوئی شخص بھی ان کی امانت داری پر انگلی نہیں اٹھا سکتا۔ محترم بھائی جان علامہ احسان الہی ظہیر شہید رحمۃ اللہ علیہ سے بیٹوں کی طرح انسیت کا اظہار کرتے، محترم علامہ شہید رحمۃ اللہ علیہ بھی محترم شاہ صاحب سے انتہائی عقیدت کا اظہار فرماتے ہوئے گویا ہوتے کہ واقعی محترم شاہ صاحب عرب و عجم میں علم کا سمندر کی حیثیت رکھتے ہیں۔



افتخار احمد تاج الدین الازہری ☆

شاہ صاحب رحمہ اللہ کی جامعۃ بحر العلوم السلفیہ میرپور خاص سے جڑی یادیں

جامعۃ بحر العلوم السلفیہ اندرون سندھ کا سب سے بڑا دینی ادارہ ہے جو گذشتہ ۲۳ سالوں سے دین حنیف کی ترویج و اشاعت میں مصروف عمل ہے جہاں سے اب تک ۵۵ علماء کرام کی دستار بندی کی جا چکی ہے جو کہ ملک کے اکناف و الحراف میں دین کی شمع روشن کئے مختلف میدانوں میں علم محمدی کو بلند کئے اسلام کی ترقی میں مصروف عمل ہیں اور اسی طرح ۸۰ سے زائد حفاظ کرام سند فراغت حاصل کر کے ملک کی مختلف مساجد اور مدارس میں تدریس کا کام سرانجام دے رہے ہیں۔

جامعہ کا سنگ بنیاد:

میرپور خاص کے روشن ضمیر بلند خیال موحد اور سنت رسول اللہ ﷺ کے شیدائی محترم حاجی محمد اسماعیل مبین صاحب رحمہ اللہ نے اپنی جماعت کے ہمراہ ارادہ کیا کہ کفر و جہالت کے گھٹا ٹوپ اندھیروں کے ازالہ کے لئے ایک روشن منارہ قائم کیا جائے جس میں قال اللہ وقال رسول اللہ ﷺ کے فرمودات عالیہ کی نشر و اشاعت ہو سکے اور غیر اسلامی عقائد کا قلع قمع کیا جائے۔ چنانچہ اس پاکیزہ تصور کو عملی شکل دینے کے لئے مورخہ ۷ اپریل ۱۹۸۲ء کو جامعۃ بحر العلوم السلفیہ کا سنگ بنیاد میرپور خاص کے مرکزی جمعیت اہل حدیث کے امیر ممتاز عالم دین بقیۃ السلف حضرت مولانا محمد یوسف زبیدی مدظلہ العالی نے اپنے دست مبارک سے نصب فرمایا اور جامعہ کا نام تجویز کیا اور جامعہ کی انتظامیہ کمیٹی بنائی جس کے وہ خود امیر ہیں۔

جامعہ کا افتتاح:

۱۹۸۳ء کو جب جامعہ کی شاندار عمارت تیار ہو گئی تو جامعہ کے مہتمم محترم جناب حاجی محمد اسماعیل مبین صاحب شاہ صاحب کے پاس نیو سعید آباد تشریف لے گئے اور اُن سے عرض کی کہ آپ نے اس جامعہ کا افتتاح کرنا ہے تو شاہ صاحب نے آپ کی دعوت قبول کر لی اور مورخہ ۱۸ اپریل ۱۹۸۳ء کو بنفس نفیس جامعہ کا افتتاح کیا اور جامعہ کی ترقی کے لئے دعائیں کیں ۱۹۸۳ء سے لے کر ۱۹۹۶ء تک شاہ صاحب کا جامعہ سے ہر قسم کا تعاون رہا اور جامعہ کی کوئی بھی تقریب ہو یا کانفرنس سب سے بڑا نام شاہ صاحب کا ہی ہوتا تھا، جب

☆ مدیر مجلہ بحر العلوم

جامعہ کا نصاب امیر محترم مولانا محمد یوسف زبیدی صاحب نے ترتیب دیا تو شاہ صاحب نے اس میں کمی پٹشی کے بعد پاس کیا۔ اور اسی طرح اساتذہ کی تقرری کے موقع پر بھی شاہ صاحب سے مشورہ لیا گیا اور ایک دو دفعہ جامعہ کے شیخ الحدیث مولانا محمد علی بنھور رحمۃ اللہ علیہ کسی وجہ سے ناراض ہو گئے تھے تو شاہ صاحب ان کے پاس گھر گئے اور ان کو دوبارہ جامعہ میں خدمت کے لئے آمادہ کیا یعنی جب بھی جامعہ کو کسی چیز کی ضرورت رہی شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے بلیک کہا اور اپنا تعاون آخر دم تک جاری رکھا۔

شاہ صاحب بحیثیت ممتحن:

جامعہ بحر العلوم السلفیہ کے سالانہ امتحان ہمیشہ شاہ صاحب نے خود لئے ۱۹۸۴ء میں پہلی دفعہ جب شاہ صاحب نے امتحان لئے تو راقم الحروف اس وقت صف الاعدادی کا طالب علم تھا اور پہلی مرتبہ شاہ صاحب کو دیکھنے کا اتفاق ہوا تھا اور شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے دست مبارک سے اس سال بندہ ناچیز کو اول انعام دیا تھا جو احقر کے لئے ایک اعزاز ہے۔

امتحان لینے کے بعد شاہ صاحب نے جامعہ کے رزلٹ بک میں اپنے خیالات کو اس طرح قلمبند کیا۔
 ”آج مورخہ ۱۷ شعبان ۱۴۰۴ھ بمطابق ۱۹ مئی ۱۹۸۴ء مدرسہ بحر العلوم السلفیہ سیٹلائٹ ٹاؤن میرپور خاص کا امتحان لیا طلبہ کی تعداد اگرچہ کم تھی لیکن ماشاء اللہ نتیجہ بہت اچھا رہا خاص طور پر حفظ کے طلباء کا یہ سب مخلص ساتھیوں کی محنت کا نتیجہ تھا۔“

اور جامعہ کے ویزٹ بک میں کچھ اس طرح تحریر کرتے ہیں۔

”مورخہ ۱۶ شعبان ۱۴۰۴ھ، ۱۹ مئی کو اس مدرسہ میں آنا ہوا اور دیکھ کر انتہائی خوشی محسوس ہوئی کہ جس مدرسہ کا میں افتتاح کر کے گیا تھا وہ چمک دک کے ساتھ جاری ہے اللہ تعالیٰ کا بڑا احسان ہے کہ جماعت اہل حدیث سندھ کا یہ نیا ادارہ کامیابی کی طرف گامزن ہے امتحان کا رزلٹ جو حوصلہ افزاء ہے دیکھ کر بہت خوشی محسوس ہوئی اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس مدرسہ کو ہمیشہ قائم و دائم رکھیں اور ترقی عطا فرمائیں۔ (آمین)
 ۱۹۸۴ء سے ۱۹۹۵ء تک شاہ صاحب نے ہمیشہ امتحان لئے ۱۹۹۶ء جنوری کی ابتدائی تاریخ کو شاہ صاحب نے امتحان لینے کے لئے ٹائم دیا تھا اور پرچے بھی بنائے تھے لیکن طبیعت کی ناسازی کی وجہ سے محترم حاجی اسماعیل صاحب امتحان لینے سے معذرت کر لی تھی اور مورخہ ۸ جنوری ۱۹۹۶ء کو شاہ صاحب اس دنیا سے رخصت ہو گئے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔“



بسم الله الرحمن الرحيم

اور جو شخص اللہ (کے دین) کی مدد کرتا ہے
اللہ اس کی ضرور مدد فرماتا ہے۔
(القرآن العظیم، الحج ۲۲: ۴۰)

GOVERNMENT OF PAKISTAN
COUNCIL OF ISLAMIC IDEOLOGY

ISLAMABAD.....28.....3.....38-7

Gram : IDEOLOGY

Phone :

مکرم و محترم شیخ الحدیث مولانا افتخار احمد تاج الدین الازہری رحمہ اللہ

السلام علیکم ورحمة الله وبرکاته

امید ہے کہ مزاج گرامی بخیر ہوں گے۔

آپ کے مقررہ ماہی مجلہ بحر العلوم کے دو شمارے ”توحید باری تعالیٰ نمبر“ اور ”رد بدعات نمبر“ موصول ہوئے، جو اپنے دامن میں بہت سی معلومات کے حامل ہیں۔ یہ پڑھ کر بہت خوشی ہوئی کہ آپ اب تک اس طرح کے ۸ مختلف نمبرز شائع کرنے کا اعزاز حاصل کر چکے ہیں اور اس سے بھی زیادہ مسرت اس بات سے ہوئی کہ اب آپ شیخ العرب والعجم، المحدث العظیم والمفسر العلام والداعی الکبیر الشیخ ابو محمد بدیع الدین الراشدی السندی رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ کے کارہائے نمایاں اور مساعی جلیلہ پر مشتمل شیخ العرب والعجم نمبر کی اشاعت کا اہتمام فرما رہے ہیں۔ اللہم زدہ!

حضرت شیخ العرب والعجم رحمہ اللہ بلاشبہ اس دور کی عظیم علمی و روحانی شخصیت تھے، درس و تدریس و عطا و ارشاد، تبلیغ و مناظرہ اور تصنیف و تالیف کے ذریعہ آپ نے جو بیش بہا دینی خدمات سرانجام دی ہیں، انہیں مدتوں یاد رکھا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو بے پناہ صلاحیتوں سے سرفراز فرمایا تھا۔ آپ بلاشبہ اپنے دور کے کامیاب مدرس، محقق اور زور نویس مصنف اور مد مقابل پر قوت و انتہاء دلائل سے چھا جانے والے حاضر جواب مناظر تھے اور پر خطیب تو اس قدر شعلہ نوا تھے کہ آپ کے خطاب کو سن کر یوں محسوس ہوتا تھا کہ دریائے سندھ نے اپنی تمام تر روانیوں کو آپ کے نطق اعجاز پر نثار کر دیا ہے۔

مجھے ادارہ علوم اثریہ فیصل آباد پھر آپ کے مکہ مکرمہ میں قیام کے دوران کئی بار آپ کی مجلسوں اور صحبتوں میں شرکت کی سعادت حاصل ہوئی ہے، آپ اپنی وجاہت اور علمی ثقاہت کے باعث مجلس پر

چھائے رہتے، آپ کی موجودگی میں دوسروں کو بولنے کی ہمت کم ہوتی تھی، علمی نکات و ظرائف سے بھرپور گفتگو سن کر یوں محسوس ہوتا

ع بلبل چمک رہا ہے ریاض رسول میں

افسوس اس وقت بہت سی دیگر علمی مصروفیات اور پھر اس پر ناسازی طبع کے باعث بہت جی چاہنے کے باوجود، حضرت اشیش رحمہ اللہ کے بارے میں کوئی مضمون لکھنے کی سعادت حاصل نہیں کر سکا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ یہ سعادت کسی دوسرے موقعہ پر حاصل کرنے کی ضرورت کو محسوس کروں گا۔ امید ہے کہ آپ ”بحر العلوم“ کے اس کوزہ میں شیخ العرب والعجم رحمہ اللہ کی شخصیت کی مختلف جہات سے متعلق تمام معلومات بند کرنے کی کوشش فرمائیں گے۔

- ① اگر آپ جامعہ بحر العلوم السلفیہ کے شعبہ تصنیف و تالیف کی طرف سے حضرت رحمہ اللہ کی اردو، عربی اور سندھی زبان میں لکھی ہوئی کتابوں کے جدید رجحان کے مطابق طباعت کا اہتمام فرمائیں
- ② اور آپ کے مکتبہ اور آپ کے برادر اکبر حضرت اشیش محبت اللہ شاہ الراشدی رحمہ اللہ کے مکتبہ کی مکمل فہرست مرتب کر کے ”بحر العلوم“ کی کسی اس اشاعت کی زینت بنادیں تو یہ ایک بہت مفید کام ہوگا اور ہمارے ان بزرگوں کے لئے صدقہ جاریہ بھی!

آخر میں اللہ رب ذوالجلال والا کرام کے حضور دست بدعا ہوں کہ وہ آپ کی کوششوں کو شرف قبولیت سے نوازے، شیخ العرب والعجم نمبر کو خوب سلیقہ کے ساتھ زیور طباعت سے آراستہ کرانے کی توفیق بخشے اور حضرت اشیش رحمہ اللہ کو اعلیٰ علیین میں بلند و بالا اور ارفع و اعلیٰ درجات سے سرفراز فرمائے، آمین یا رب العالمین۔ ورحمہم اللہ عبد اقل آمینا۔

احباب کرام کی خدمت میں ہدیہ سلام عرض کرنے اور دعاؤں میں شرکت کی درخواست کے

ساتھ اجازت چاہتا ہوں۔

والسلام

محمد خالد سیف

ہوا الشافی

بسم اللہ تعالیٰ

ہوا الشافی

وَإِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ يَشْفِينِ

انسانی
خدمت کے
فلاحی ادارے

ترجمہ اور جب کوئی بیمار ہو جائے تو اللہ تعالیٰ شفاء دینے والے ہیں (القرآن)

انسانی
خدمت کے
فلاحی ادارے

سلفیہ چیریٹیبل ہسپتال اور پیتھالوجیکل لیبارٹریز

شاہ فیصل شہید روڈ (جامع مسجد اہلحدیث) لال چند باغ میرپور خاص

نیکی اور برہنہ نگاری کے کاموں میں تعاون کیجئے (القرآن)

مخیر حضرات سے اپیل

سلفیہ چیریٹیبل ہسپتال لالچند باغ میرپور خاص پچھلے 14 سال سے بلا رگ و نسل اور امتیاز کے عوام الناس کی خدمت کر رہا ہے، شہر میں (۲) شاخیں پاک کالونی اور سیٹلائٹ ٹاؤن بھی خدمت انجام دے رہی ہے۔ سالانہ 100000 ایک لاکھ مریض استفادہ کر رہے ہیں۔ 5/- روپے کی پرچی میں ادویات، انجکشن اور شربت کپسول و ٹیبلٹس مہیا کئے جاتے ہیں یہ سب مخیر حضرات کی بھرپور تعاون سے ہی ہمارے لئے ممکن ہوا۔ میرے محترم! قرب و جوار کے دیہات اور شہر کے غریب محلوں کیلئے گشتی شفاخانے اور ایسولینوں کی شہریوں کو اشد ضرورت ہے اس سے ہم زیادہ سے زیادہ لوگوں تک علاج معالجہ کی مفت سہولتیں مہیا کرنے کی پوزیشن میں ہو سکیں گے۔ ان شاء اللہ اس کے علاوہ میت گاڑی کی بھی اشد ضرورت ہے۔ آپ سے دردمندانہ درخواست ہے کہ (۲) ایسولینس (۲) گاڑیاں گشتی شفاخانہ کیلئے اگر مہیا کر دی جائیں تو ہمارا یہ ادارہ اس غریب اور بے وسیلہ شہر کی مزید بہتر خدمات سرانجام دے سکے گا۔ جس کے لئے ہم تعاون کنندہ حضرات کے مشکور و ممنون ہوں گے۔

مخیر حضرات مندرجہ ذیل بینک میں اپنی رقم جمع کروائیں۔ (الدریج ایل الرغبر)

اراکین سلفیہ چیریٹیبل ہسپتال

الائیڈ بینک سبزی منڈی براج A/C 1070-9

مرکزی جمعیت اہلحدیث

یو بی ایل سرسید روڈ براج A/C 2971-7

میرپور خاص سندھ

رابطہ کیلئے: محمد رفیق سلفی، فون نمبر 0333-2967738

ليس الحياة بأنفاس تردّها
إن الحياة حياة الفكر والعمل

خدمات

پروفیسر مولا بخش محمدی ☆

بدیع التفاسیر کے ادبی محاسن پر نگاہ

قرآن مجید فرقانِ حمید، حکمت و معرفت، علم و دانش، کالازوال خزینہ ہے۔ یہ کتاب ہدیٰ نوعِ انسانی کے لئے دنیا و عقبیٰ میں مستقل ہدایت اور فلاح دارین کا ذریعہ ہے۔ اس کی تلاوت بھی باعثِ اجر و ثواب ہے، اس کی تعلیم، تفہیم منع خیر و ہدایت ہے۔ یہ کتاب ہدایت فہم و اوراک کو بے پناہ وسعتیں عطا کرتی ہے۔ یہ جدید و قدیم علوم کا منبع ہونے کے ساتھ انسانوں پر ترقی کے ان گنت شعبے واکر کے تخیر کائنات اور روحانی برکات و تجلیات کے سدا بہار چشمے جاری کرتی ہے۔ یہ کتاب آثار و شواہد کا مظاہر ہونے کے ساتھ قصائص و عبرت کا مرقع ہے، شروفساد سے باخبر کر کے دنیا و آخرت سنوارنے کا ذریعہ بھی ہے اس کا ایک ایک لفظ سراسر معجزہ ہے۔ اس کتاب مبین میں مختلف النوع اقوام و ملل کا ذکر بسیط سیدنا آدم علیہ السلام سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک بڑے موثر انداز میں پیش کیا گیا ہے۔ کتاب اللہ روئے زمین پر واحد آسمانی صحیفہ ہے جو ہر اعتبار سے کامل اور جامع غیر مبدل پیغامِ زندگی ہے۔ یہ نسخہِ کیمیا نوعِ انسانی کے منجملہ تقاضائے زندگی کو پورا کر کے انسانی فطرت کے موافق زندگی اور موت کا تصور پیش کرتا ہے۔ دورِ جدید میں ہر طرف الحاد و مادہ پرستی، شر و کفر کی گھنائیں چھا رہی ہیں ان کی لپیٹ سے بچانے کا واحد طریقہ قرآن مجید کی تعلیمات کو عام کرنا ہے اسی غرض سے شیخ العرب و العجم ماہر علوم عقلیہ و نقلیہ، محقق احکام شرعیہ، علامہ الشیخ بدیع الدین شاہ راشدی رحمہ اللہ نے اپنی مادری اور قدیم سندھی زبان میں ایک جامع مستند بدیع التفاسیر کے نام سے تقریباً ۱۳ پاروں کی گیارہ ضخیم جلدوں میں تفسیر و تالیف فرمائی ہے۔ جیسا کہ یہ تفسیر سندھی میں ہے لہذا اس پر ایک تعارفی اور علمی محاسن پر ایک نگاہ ڈالنے کی کوشش کی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ہدایات ربانی سے مستفید کرے۔

☆ گورنمنٹ ڈگری کالج ضلع تھرپارکر، فارغ التحصیل مدرسہ دارالرشاد پیر جھنڈا، ایم۔ اے اسلامی کچھ سندھ یونیورسٹی جامشورو، معروف مقالہ نگار، ادیب، کالم نگار۔

زیر مطالع تفسیر بدیع التفاسیر الشیخ علامہ سید ابو محمد بدیع الدین شاہ راشدی رحمۃ اللہ علیہ کی تالیف لطیف ہے، جن کی ساری زندگی تدبر، تفکر، تفقہ فی الدین کی آئینہ دار تھی اس تفسیر میں مطالع قرآن و علوم القرآن کے بے انتہا علمی عملی فکری پہلو نمایاں نظر آتے ہیں۔ علامہ شیخ العرب والعجم نے جدید و قدیم کتب تفاسیر کے ذخیرہ کا روح اور عطر اس تفسیر میں سمیٹنے کی جہد بلیغ محنت شاقہ کی ہے۔ آپ نے علوم قرآنی و رموز فرقانی کو بڑی عرق ریزی کتاب و سنت کی پاکیزہ روشنی میں سمونے کی کوشش فرمائی ہے۔ خصوصاً اپنے استاد مکرم مولانا ابوالوفاء ثناء اللہ امرتسری رحمۃ اللہ علیہ کی تفسیر ثنائی سے زیادہ سے زیادہ استفادہ کرنے کی کوشش فرمائی ہے۔ دور جدید کے اسلام مخالف ادیان کا گہرا مطالعہ کر کے ان کو مدلل کتاب و سنت سے عقلی و نقلی جوابات دینے کے ساتھ دیگر ادیان و مذاہب پر بھی بصیرت افروز معلومات فراہم کر کے اسلام کی حقانیت اور صداقت پر بڑے جاندار دلائل و براہین فرمائے ہیں۔ جنہیں ملاحظہ کر کے انسان کے علم و اتیان میں اسلام کا دین فطرت ہونا واضح ہو جاتا ہے۔ یہ بات بھی علماء و فضلاء سے مخفی نہیں کہ قرآن حمید کی تفسیر کے لئے کس غائر مطالع مشاہدہ اور علوم عالیہ میں مہارت تامہ ہونا از حد ضروری ہے۔ پھر بڑے محتاط انداز میں روح قرآن و سنت کی روشنی میں تفسیر لکھی جاتی ہے۔ شاہ صاحب نے بھی ان تقاضات کو ٹخن و خوبی نبھایا ہے۔ جس نے ایک جلد ضخیم میں مقدمہ التفسیر کے علاوہ دس ضخیم جلدوں میں صرف سورہ ”حجر“ تک قرآن حکیم کی تفسیر لکھی ہے۔

شاہ صاحب نے بدیع التفاسیر جیسی فاضلانہ تفسیر لکھ کر سندھی زبان و ادب کو تحقیقی و تدقیقی عظیم علمی شہ پارہ سے سرفراز فرمایا ہے۔ ان کی علمی و ادبی زبان شگفتہ طرز تحریر دلنشین اسلوب بیان، قاری کی دلچسپی کو کہیں کم ہونے نہیں دیتا۔ شاہ صاحب جس راشدی خاندان کے چشم و چراغ ہیں اس خانوادہ کے علمی و فکری نقوش پوری ایک صدی پر محیط ہیں راشدی خاندان علم و عمل رشد و ہدایت، کتاب و سنت کے لحاظ سے تاریخ میں نمایاں مقام رکھتا ہے۔ بہر حال تفسیر بدیع التفاسیر مبتدی و منتہی کے لئے علوم قرآن میں کلیدی اہمیت کی حامل ہے۔ شاہ صاحب نے خصوصاً دقیق علمی مسائل کو پہلی بار انتہائی احسن اور سہل انداز میں قارئین کرام تک پہنچانے کی کامیاب کوشش کی ہے۔ شاہ صاحب نے جہاں معنی و مقایم کی صحت کو ملحوظ خاطر رکھا وہاں انہوں نے زبان و بیان کا جو دلنشین و دلپذیر فاضلانہ اسلوب اختیار کیا ہے وہ ادب عالیہ کا بھی شاہکار معلوم ہوتا ہے

جس میں زبان و بیان کے ساتھ علمی و ادبی نادر نکات کی شیرینی کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی ہے۔ اُن کے انداز بیان میں سوز و درد بھی شامل ہے تو اخلاص کا بحر بیکراں بھی موجزن نظر آتا ہے۔ مختصر آشاہ صاحب کے ہاں کلام الہی کے غلو کے ساتھ حسن بیان و زبان کی خوبی بھی روز روشن کی طرح نظر آتی ہے۔ یہ گرانقدر علمی سرمایہ دلائل و براہین سے مکمل مزین ہونے کے ساتھ، عقلی و نقلی دلائل سے بھی لبریز ہوا کرتا ہے، اہم بات تو یہ ہے کہ یہ تفسیر اسرائیلی روایات سے پاک و صاف ہے جن پر مذاہب باطلہ کی بنیاد ہوتی ہے۔

مختصر ابدیع التفسیر کی خوبیوں میں چند حسب ذیل ہیں۔ ہر سورۃ کے نام پر انتہائی بصیرت افروز علمی مباحث، جامع تعارف، متقدمین و متاخرین کی آراء کی روشنی میں شان نزول سورتوں کے فضائل، ربط آیات، مشکل الفاظ کا مجرد محققانہ حل، حل اللغات، کے لحاظ سے تو اتنی تحقیق و تدقیق نظر آتی ہے کہ انہیں ایک مثالی اور معیاری ڈکشنری کہنا بے محل نہ ہوگا صرفی و نحوی تراکیب، نادر علمی نکات، اغیار کی جانب سے اسلام پر اعتراضات اور ان کا دندان شکن جواب، تفسیر القرآن بالقرآن، تفسیر بالا حدیث صحیحہ فن رجال، کی نگاہ میں صحیح روایات و آثار کا انتخاب، موضوع اسرائیلی غیر مستند روایات سے تفسیر کو کلیتاً پاک رکھنا وغیرہ کا خوب اہتمام کیا گیا ہے۔ بدیع التفسیر سلفی منہج اور مسلک حق کا سندھی میں انفرادی تفسیر ہے۔ جس کے مصادر و منابع صرف اور صرف کتاب و سنت کے ساتھ توضیح و تشریح میں سلف الصالحین، صحابہ رضی اللہ عنہم تا بعین رضی اللہ عنہم کی تعبیر اور منہج کو پوری طرح ملحوظ رکھا گیا ہے۔ شاہ صاحب مثالی علوم اسلامیہ کے عرب و عجم کے ماہر، فقید المثال مناظر، مفکر، خطیب، داعی، ہونے کے ساتھ ذہانت و فطانت، میں ”عبقری“ شخصیت کے مالک تھے، مفسر قرآن کے مشاہدہ اور مطالع عمیق کے ہمہ گیری، حکمت و دانش کے اندازہ کے لئے ان کی تفسیر ہی کافی ہے۔ ویسے ان کی تصانیف ڈیڑھ سو سے زائد۔ عربی، اردو، سندھی میں ہیں۔ لیکن ان کی علمیت کا اندازہ، آپ کو بدیع التفسیر سے ہی لگانا مشکل نہیں۔ آپ بدیع التفسیر میں اُن کے علمی جاہ و جلال، پر زور طریقہ استدلال کو بام عروج پر پائیں گے۔

شاہ صاحب کسی مقام پر بھی اپنے قلم اور اپنے ضمیر سے ایک لمحہ بھر کے لئے بھی جدا نہیں ہوتے۔ وہ اپنی تحریر پر تاثر میں اپنے موضوع کی مناسبت سے ادبی چاشنی، روانی عبارت، سلاست زبان، تاثر کلام خصوصاً

مقصدیت میں کمی نہیں آنے دیتے۔ ان کی تحریر میں جہاں کتاب و سنت سے بے پناہ وابستگی ہے وہیں پر جدید و قدیم شعراء عرب، کی جولانیاں بھی نمایاں نظر آتی ہیں۔ بڑی بات کے اُن کے ہاں ”معدرت خواہانہ“ انداز بیان جو امت میں جڑ پکڑ رہا ہے اُس کا کہیں شائبہ تک نظر نہیں آتا۔ وہ سر تان کر ڈنکے کی چوٹ پر بات کرتے ہیں۔ وہ اپنوں یا اغیار کی جانب سے اسلام پر اعتراضات کا جواب دینے کا خوب ملکہ رکھتے ہیں۔ سید صاحب نے سندھی زبان میں پہلی بار ایک انتہائی تحقیقانہ، فاضلانہ اور معیاری تفسیر ”باب الاسلام“ کے لوگوں تک پہنچائی ہے۔ بدیع التفسیر کو آپ عربی یا اردو میں بھی لکھ سکتے تھے لیکن یہ معرکہ الآراء تفسیر سندھی میں لکھ کر سندھ کے لوگوں کو اپنی شاندار ماضی، عظمت رفتہ یاد دلانے کی کوشش کی گئی ہے۔ شاہ صاحب نے سندھی زبان کو قصے کہانیوں، دیو مالائی باتوں، فسانہ و ناول، رومانوی شاعری سے نکال کر علمی، ادبی، تحقیقی اور تدقیقی زبانوں کی صف میں لاکھڑا کرنے کی سعی فرمائی ہے۔

شاہ صاحب نے اسلامی مبادیات، عقائد اسلام، مابعد طبیعیات، اساسیات اسلام کے ساتھ عوام الناس کے اذہان میں تشکک و تذبذب کے جو جراثیم تھے انہیں ختم کر کے خدا، وحی الہی، رسالت، جنت، جہنم، توحید، آخرت، ملائکہ اور جنات جیسی اشیاء پر انتہائی بصیرت افروز مباحث کر کے نئی نسل پر احسان فرمایا ہے۔ ”تقلید جامد“ پر بھی آپ نے پوری حقیقت منکشف کرتے ہوئے ثابت کیا ہے کہ کتاب و سنت، اجتہاد سے منہ موڑ کر کوئی بھی قوم کسی جاندار تہذیب میں کھڑی نہیں ہو سکتی۔ علم و اجتہاد، تحقیق و تدقیق، کتاب و سنت سے منہ موڑ کر دین خالص کا حصول ”سراب“ کے پیچھے دوڑنے کے سوائے کچھ نہیں۔

شاہ صاحب کی تفسیر میں ایک خوبی یہ بھی ہے کہ وہ اپنے قاری کو جادہ مستقیم دکھاتے ہوئے قرآن و سنت کی پاکیزہ روشنی میں افراد، اشخاص، نظریات، اور دینی و مذہبی اداروں کو جانچنے پر کھنے کا تنقیدی شعور عطا کرتے ہیں۔ شاہ صاحب ایک سحر البیان، ادیب، اسلامی اسکالر، وقت کے نابض، مفکر، گرائمر، لغات، علم العروض، اور علم المعانی کے ماہر تھے۔ خصوصاً توحید باری تعالیٰ کے مسئلہ پر آپ کی تفسیر انتہائی بصیرت افروز ہے آپ نے متعدد علمی مباحث چھیڑ کر، توحید ذات، صفات، ربوبیت، الوہیت، تخلیق، تکوین، حاکمیت، جیسے ابدی اصول بڑے احسن انداز سے قاری تک پہنچانے کا فریضہ سرانجام دیا ہے۔ مختلف اہم مسائل میں مثلاً

ناخ منسوخ، عقائد، نظریات اعمال، احکام، عبادات، معاشرت، سیاسیات، اقتصادیات، معیشت اسلامی نظام مملکت، اجتہاد، صلح، جنگ، جہاد فی سبیل اللہ، غزوات، عدالت و قضایا، انفرادی و اجتماعی معاملات، حقوق و فرائض، جیسے تمام اہم معاملات میں کوئی بھی علمی بات بغیر حوالہ نہیں کہی ہے۔ ہر صفحہ حوالہ جات سے مزین نظر آتا ہے۔ اتنی تحقیق دیگر تفاسیر میں کم ہی دیکھنے کو ملتی ہے۔ آپ نے کوئی مسئلہ شاید ہی تشنہ طلب چھوڑا ہے آپ کو بدیع التفاسیر کے مطالع کے دوران علمی، ادبی، لغوی نادر نکات بھی ملیں گے۔ تراکیب حل الغات صریح و نحوی مباحث کے ساتھ اعجاز قرآنی بھی عروج پر نظر آئے گا۔

بدیع التفاسیر کے ابتدائی جلدوں میں جوائثنانی تفصیلات کا علمی شیر دریا بہتا ہوا نظر آتا ہے وہ آخری جلدوں میں قدرے اختصار میں سمٹ جاتا ہے، اس کی اصل وجہ شاہ صاحب کی یہ تمنا تھی کہ زندگی مستعار نہ معلوم کب تک ساتھ نبھائے، ورنہ مفسر قرآن کا قلم تھکا تھا نہ ذوق و شوق مانند پڑا تھا۔ بدیع التفاسیر کے مطالع سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ابتدائی صدی سے بیسویں صدی تک اہم مذہبی معرکے اور عظیم فتنے ذکر کر کے شاہ صاحب نے انتہائی مدلل عقلی و نقلی دلائل سے اُن کا بطلان کیا ہے۔ تاہم کہیں ان کی تنقید کا لہجہ سختی میں تبدیل ہو جانے پر کچھ احباب کو قدرے ناراضگی اور مایوسی بھی ہو جاتی ہے۔ مگر مصنف بھی کیا کرتا! ان مذاہب باطلہ نے کیسی بے رحمی سے اسلام کو بدنام کیا اور شعائر اسلام کا مذاق اڑایا پھر یہ کہ شاہ صاحب کوئی بھی بات اپنے جانب سے بغیر دلیل نہیں کہتے۔ انہی کتب اور انہی کے قابل اعتماد زعماء کا حوالہ پر حوالہ دیئے جاتے ہیں۔

کاش اس پورے تفسیر کا تفصیلی انڈکس (اشاریہ) بھی کوئی مرد مجاہد مرتب کرتا، تو قارئین کو کتنا فائدہ ہوتا۔ اس تفسیر میں جہاں دور حاضر کے مسائل کا حل موجود ہے وہیں دور جدید کے چٹکنجوں کا مردانہ وار مقابلہ اور منفی اسلام دشمن تحریکوں کے سدباب کا بھی تذکرہ موجود ہے۔ شاہ صاحب نے دور جدید کے نئے نئے فتنوں، مادہ پرستانہ فلسفوں، شرک و کفر، الحاد و انکار، مستشرقین یہود و نصاریٰ، سیکولرزم، کمیونزم، سوشلزم، ہندو دھرم، آریا دھرم، ڈارون کے ارتقائی نظریہ، بلکہ وحدت ادیان کے ذہنی خلیجان کا بھی خوب پوسٹ مارٹم کیا ہے۔ مزید یہ کہ شاہ مرحوم نے ”مغربی سامراج“ کی عنایت کردہ ”چھتری کے سایہ تلے پروان چڑھنے والی نام نہاد مذہبی تحریکوں، مثلاً قادیانیت، بھائیت، پرویزیت، انکار حدیث، قبہ و قبر پرستی، پیر پرستی، کی بھی

خوب خبر لی ہے۔ اگر پس منظر پر نگاہ ڈالی جائے تو مفسر قرآن، کی ساری حیاتی جدوجہد میں گذری، کبھی اپنے مکتبہ میں عرب و عجم سے آئی ہوئی بڑی اور بھاری کتب کی ورق گردانی کرتے، علمی جولانگہ میں تحقیق و تدقیق کا فریضہ سرانجام دیتے ہوئے، کبھی اپنے آباء و اجداد کی سنت (شاہ اسماعیل شہید اور سید احمد شہید) پر عمل کرتے ہوئے کبھی گھوڑے، اونٹ کی پیٹھ پر یا پایادہ ملک کے طول و عرض حتیٰ کہ وادی ریگستان کی جلتی ہوئی ریت، چلچلاتی ہوئی دھوپ میں، یا کبھی پنجاب و سرحد کے دور افتادہ قصبات میں کبھی سات سمندر پار دیار مغرب کے طول و عرض میں قرآن و سنت، علوم اسلامیہ کے بحر ذخار سے آبیاری کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ کبھی کتاب اللہ و سنت رسول کی بالادستی کی غرض سے ایوان اقتدار سے لڑتے ہوئے کبھی توہین رسالت اور شعائر اسلام کی دھجیاں بکھیر نیوالی نام نہاد آزاد صحافت کے خلاف پریس کانفرنسیں کرتے پوری حیات گذاری۔ باقی جو چند لمحات میسر آتے ان میں یا تو عبادت گذاری، شب زندہ داری، طویل قیام اللیل کرتے یا بدیع التفاسیر لکھنے میں وقت گزارتے۔ بدیع التفاسیر میں گمراہ کن مفسرین کی تاویلات کو بھی آڑے ہاتھوں لے کر کتاب و سنت سے جواب دیا گیا ہے۔

یہ بات بھی سب پر عیاں ہے کہ شاہ صاحب کے خاندان کے بڑے پیرانہ گھرانے سے تعلق رکھتے تھے۔ انہوں نے بھی بڑے بڑے صوفیاء کرام کے تذکرے پڑھے ہوں گے، جن حضرات نے اپنے گاؤں نکیوں اور خانقاہوں تک دینِ قیم کو محدود کر لیا تھا۔ اُن کے طویل تھکا دینے والے مراقبہ، مجاہدے، سے بھی آپ غافل نہیں ہوں گے۔ بڑے بڑے کشف و کرامات، خیالوں اور خوابوں، کے طویل و عریض قصے بھی سن رکھے ہوں گے۔ لیکن ان سب باتوں کے باوجود آپ نے نام نہاد پیری مریدی، قبہ و قبر پرستی نام نہاد کشف و کرامات کا خوب علمی انداز میں اپنی تفسیر میں جواب دے کر صحیح دین محمدی کی قرونِ اولیٰ والی تصویر کی حقیقی عکاسی فرمائی ہے۔ بہر حال مفسر کے ذہن و فکر میں یہ جذبہ پوری طرح کارفرما ہے کہ ہر بات کا جواب کتاب و سنت سے دیا جائے۔ اور ہر بات منشاء خداوندی اور سنت رسول ﷺ سے ماخوذ ہو تفسیر میں شاہ صاحب بکثرت روایات لائے ہیں۔ لیکن سب روایات فن رجال کی کسوٹی پر پرکھنے کے بعد۔

اللہ تعالیٰ شاہ صاحب مرحوم کی علمی دینی اور تفسیری خدمات کو شرف قبولیت سے سرفراز کرے اور

مفسر، ناشر، طابع، کتابت کرنے والے اور قارئین کرام سب کے لئے اس کو زور اور راہ بنائے۔ اور امت مسلمہ کو اس علمی ذخیرہ سے صحیح معنی میں استفادہ کرنے کی توفیق بخشے اور اللہ تعالیٰ کوئی ایسا رجل رشید پیدا کرے جو اسلامی جذبہ سے سرشار ہو کر اسی باوقار تفسیر کا عربی، اردو، انگریزی اور فارسی میں ترجمہ کرے تاکہ عوام الناس کو اس علمی ذخیرہ سے استفادہ کرنے کا موقع دیا جائے۔ یہ اُن کی علمی یادگار ہے جو محض رضائے الہی کے لئے لکھی گئی ہے اللہ تعالیٰ شاہ صاحب پر بھی اپنے انعام و اکرام کا نزول فرمائے اور ان کو جو ارحمت اعلیٰ علیین میں مقام عطا فرمائے۔

تفسیری محاسن کے بعد اب ایک نگاہ نفس تفسیر پر بھی ڈالتے جائیں تو مزید معلومات حاصل ہوگیں۔ مقدمہ بیان بے نظیر بدیع التفاسیر ص ۴۳۳ صفحات پر مشتمل بڑی سائیز مطبوعہ ۱۳۹۷ھ کے ابتدائیہ میں جناب ڈاکٹر ابو العطاء سید محمد صالح شاہ لکھتے ہیں کہ اردو یا دیگر زبانوں میں قرآن حکیم و احادیث رسول کے تراجم و تفاسیر موجود ہیں تاہم ان میں بھی عموماً صحت و سقم کے سلسلے میں خیال کم ہی رکھا جاتا ہے سندھی زبان میں ایسی کوئی بھی جامع و مستند تفسیر نہ تھی جس میں دور جدید کے حالات کو مد نظر رکھ کر خالص دین حنیف کی روشنی میں تعلیمات اسلامیہ پیش کی گئی ہوں لہذا مشہور محدث علامہ سید ابو محمد بدیع الدین شاہ راشدی الہکی السندی نے شدت سے اس ضرورت کو محسوس کرتے ہوئے تفسیر قرآن لکھنا شروع کیا جس کا یہ جلد اول ”مقدمہ“ بدیع التفاسیر ہدیہ قارئین ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں توفیق بخشے کہ باقی تفسیر کی تکمیل کے منصوبہ پر عمل درآمد کر سکیں۔ آمین۔ مقدمہ التفسیر کے مطالع سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے دس ابواب ہیں جن کی مختصر تفصیل حسب ذیل ہے۔

- ① باب اول۔ قرآن حکیم کے فضائل اور آداب، تلاوت وغیرہ یہ پانچ فصول پر مشتمل ہے۔
- ② باب دوم۔ قرآن حکیم کا نزول، اور اس کے متعلقات کے بیان میں یہ تین فصول پر مشتمل ہے۔
- ③ باب سوم۔ قرآن حکیم کی جمع و ترتیب کے بیان میں۔ یہ بھی تین فصول پر مشتمل ہے۔
- ④ باب چہارم۔ قرآن حکیم کا سات حروف یا سات قرأت پر نزول ہونا۔
- ⑤ باب پنجم۔ قرآن حکیم کی سورتیں، رکوع، آیات، کلمات، حروف، پارے اور اعراب یہ باب آٹھ

فصول پر مشتمل ہے۔

- ① باب ششم۔ یہ باب اوقاف قرآن کے متعلق ہے۔
- ② باب ہفتم۔ متواتر قرأت کے بیان میں
- ③ باب ہشتم۔ علم تجوید کے بیان میں یہ باب چار فصول پر مشتمل ہے۔
- ④ باب نهم۔ قرآن حکیم کلام الہی اور غیر مخلوق ہونے کے بیان میں یہ باب بھی تین فصول پر مشتمل ہے۔
- ⑤ باب دہم۔ قرآن حکیم کی تفسیر اور اس کے جمیع احکامات کا ذکر یہ باب طویل و عریض اکیس فصول پر مشتمل ہے۔
- ⑥ باب یازدہم۔ کا طبع جدید میں اضافہ کر کے طبقات مفسرین بڑی تفصیل سے بیان کئے گئے ہیں۔ اسی تفسیر کے ایڈیشن دوم ۱۹۹۷ء کی ابتداء میں مشہور محقق اور صاحب قلم جناب پروفیسر محمد جن نے ۳۶ صفحات پر مشتمل شاہ صاحب کے ”فکر و فلسفہ“ پر بڑا جامع بصیرت افروز مضمون تحریر فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کو جزائے خیر عطا فرمائے۔ آمین۔

پروفیسر کی تحریر پر تاثیر سے

ایک اقتباس قارئین کرام کے سامنے عرض خدمت ہے۔ پروفیسر صاحب فرماتے ہیں کہ سلف صالحین، متقدمین (ومتأخرین) کے انداز بیان کو سامنے رکھتے ہوئے۔ علامہ سید بدیع الدین شاہ راشدی رحمہ اللہ نے یہ مقدمہ تفسیر (محنت شاقہ) سے قلمبند فرمایا۔ سندھی زبان و ادب میں اس سے پہلے اس قسم کی کہیں بھی مستند، نادر اور علمی محزون کا ملنا ناممکن تھا۔ یہ مقدمہ پہلی بار ۱۹۷۶ء میں ۴۳۳ صفحات پر مشتمل اشاعت پذیر ہوا تھا۔ جسے اصحاب علم و ادب، اہل علم احباب نے ہاتھوں ہاتھ لے لیا جس کے پیش نظر اب اس کا یہ دوسرا ایڈیشن تشنگان علوم و معارف تک پہنچانے کا اہتمام کیا گیا ہے۔

اس مقدمہ نے علماء و فضلاء میں بے پناہ مقبولیت اور پذیرائی حاصل کی۔ فاضل مصنف نے جو محنت شاقہ فرمائی ہے خصوصاً کتاب کی ابتدا میں خطبہ الکتاب جو فاضلانہ انداز علم و ادب کا بحر بیکراں پیش کیا اس

سے شاہ صاحب کی بلاغت کا اندازہ لگانا مشکل نہیں۔ اس ایک کتاب میں آپ نے تفسیر و علوم تفسیر کے سارے مضامین کو بڑے احسن انداز سے یکجا کر دیا ہے۔

بدیع التفاسیر جلد اول بنام ”احسن الخطاب فی تفسیر أم الكتاب“ جو بڑی سائز کے ۵۰۰ صفحات پر صرف بسم اللہ، تعوذ اور فاتحہ الکتاب کی تفسیر ہے۔ جس کا تعارف کرواتے ہوئے مکرم پروفیسر عبدالعزیز نہڑیو صاحب جو کہ اس تفسیر کے کاتب اور پروف ریڈر ہونے کے ساتھ ”المکتبۃ الراشدیہ“ کے منتظم بھی ہیں۔ وہ تحریر فرماتے ہیں کہ یہ تفسیر انتہائی سہل، دلنشین، مستند اور مدلل انداز میں لکھی گئی ہے۔ سورۃ فاتحہ کے متعلق جمیع احکامات و مسائل (علوم و معارف) نہایت اختصار اور جامعیت سے کتاب و سنت کی روشنی میں بیان کئے گئے ہیں۔ مزید یہ کہ اعداء اسلام، منکرین و ملحدین کے قرآن حکیم اور جو قرآن پر اٹھائے گئے اعتراضات کا ایک ایک کر کے مسکت اور دندان شکن جوابات دیئے ہیں۔ مختصراً یہ تفسیر تین ابواب میں تقسیم کی گئی ہے جس کی تفصیل کچھ اس طرح ہے باب اول میں بڑے بڑے گناہوں پر مفصل نگاہ ڈالی گئی ہے۔ جن میں الحاد، انکار خدا، شرک، بدعات، سبائت، تقلید جامد، عشق، ظلم و ستم، قومی عصبیت، تکبر و غلو، پیری مریدی، اخلاق سیئہ۔ فرقہ بندی جیسے مہلکات کا خوب قرآن و سنت اور عقلاً و نقلاً رد پیش کیا گیا ہے۔

دوسرے باب میں فرقہ ہائے باطلہ مثلاً قادیانیت، انکار حدیث، البہائیہ، الہیائیہ، وکریہ، یہودیت، و عیسائیت، ہندو دھرم، اشتراکیت اور فری میسن جیسی تحریکوں کا دلائل و براہین سے خوب بطلان کیا گیا ہے۔ تیسرے باب میں سورہ بقرہ سے الناس تک پورے قرآن حکیم کا فاتحہ الکتاب سے براہ راست تعلق ثابت کیا گیا ہے۔ اور دلائل کی روشنی میں مدلل انداز میں یہ ثابت کیا گیا ہے کہ ”سبع مثانی“ فاتحہ الکتاب کا پورے قرآن حکیم سے نہ صرف تعلق ہے بلکہ پورے قرآن مجید کا لب لباب اور خلاصہ بھی ہے۔

بدیع التفاسیر جلد دوم بنام بشری البرہ فی تفسیر سورۃ البقرۃ، مطبوعہ طبع اول ۱۹۸۸ء کے ابتدائیے میں مولانا پروفیسر عبدالغفار جو نیجو صاحب جنہیں شاہ صاحب کے ساتھ مدت مدید تک سفر و حضر میں ساتھ رہنے اور علوم و معارف حاصل کرنے کا اعزاز نصیب ہوا۔ رقمطراز ہیں کہ دنیائے اسلام کے مشہور و معروف عظیم اسکالر باب الاسلام سندھ کے مایہ ناز عالم دین سید ابو محمد بدیع الدین شاہ راشدی کی معرکہ آراء تفسیر بدیع

التفاسیر کا یہ دوسرا جلد ہدیہ قارئین ہے۔ جو قرآن عظیم کی بابرکت سورۃ البقرۃ کے حرف ابتدائی سے دس رکوع پر مشتمل ہے۔ ان شاء اللہ العزیز اسی سورہ بابرکت پر (اتنی ضخیم) دو جلدوں میں صرف سورۃ البقرہ کی تفسیر تکمیل تک پہنچے گی۔ مزید تحریر فرماتے ہیں کہ یہ سورہ شریف مطالب و مضامین کے لحاظ سے قرآن حکیم کی سب سے مفصل سورہ شریف ہے۔

جس میں احکام رب العالمین بڑے جامع انداز میں بیان فرمائے گئے ہیں۔ اساسیات اسلام و مبادیات اسلام بلکہ انفرادی اور اجتماعی پوری زندگی پر محیط احکام و مسائل پر بڑے بصیرت افروز مباحث لائے گئے ہیں۔ اسی سورہ میں ”احکام و فرائض“ کو بھی واضح انداز میں بیان کیا گیا ہے۔ (جن کا جاننا علماء و عوام کے لئے بے انتہا ضروری ہے)۔

اس غرض سے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ جیسی جلیل القدر علمی شخصیت کو بھی اس کے تہہ تک جانے کے لئے آٹھ سال کی مدت صرف کرنی پڑی۔

نیز حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ جیسی دنیا کی ذہین و ذکی شخصیت کو بھی بارہ برس تک اس بابرکت سورہ میں غور و خوض کرنا پڑا۔ مختصراً یہ سورہ شریف احکام و مسائل کا بحر بیکراں ہے۔ لہذا فاضل مفسر قرآن نے بڑے احسن اور علمی انداز میں احکام و مسائل سمجھائے ہیں فاضل مفسر کے قلم کی روانی اپنی مثال آپ ہے۔ (بدیع التفاسیر جلد دوم صفحہ ۸)

جناب پروفیسر محمد جن کنہر بدیع التفاسیر جلد نہم۔ الانوال فی تفسیر سورۃ الانفال طبع اول کے مقدمہ میں تحریر فرماتے ہیں کہ:

اللہ تعالیٰ کی عنایات بے پایاں سے سر زمین سندھ کے انتہائی علمی قابل قدر راشدی خاندان کے بلند پایہ محدث دوراں، مفسر قرآن، علامہ سید ابو محمد بدیع الدین شاہ راشدی رحمہ اللہ نے سندھی زبان میں ایک ایسی گرانقدر جامع مستند مدلل و مفصل تفسیر تحریر فرمائی جس نے تفاسیر کی دنیا میں چار چاند لگا دیئے۔ اس تفسیر سے قبل مختلف زبانوں مثلاً سندھی، عربی، اردو، فارسی، میں لکھی گئی تفاسیر میں اس تفسیر کو ایک انفرادی مقام حاصل ہوا۔ شاہ صاحب نے اس تفسیر میں قرآن کی تفسیر قرآن سے احادیث صحیحہ۔ آثار صحابہ سے فرمائی اور

اسرائیلی روایات، بے بنیاد قصص و واقعات سے اپنی تفسیر کو پاک رکھا۔ فن رجال کی کسوٹی پر روایات کو پرکھا۔ اب اجمالاً پورے تفسیر پر ایک نظر ڈالی جاتی ہے تاکہ اردو خواندہ بھائی بھی معلومات حاصل فرما سکیں۔

(۱) بیان بے نظیر مقدمہ التفسیر، اشاعت اول ۱۹۷۷ء، اشاعت ثانی ۱۹۹۹ء، ۳۰۶ صفحات دیباچہ طبع اول ڈاکٹر سید محمد صالح شاہ جیسی ماہر علوم شخصیت تھے۔ طبع ثانی میں پروفیسر محمد جن کٹھمر نے مفصل گرائفندر مقدمہ لکھا ہے۔

۱۔ جلد اول۔ نام ”احسن الخطاب فی تفسیر ام الكتاب“ اشاعت ۱۹۸۶ء، ۵۰۰ صفحات ہیں سورہ فاتحہ کی انتہائی مستند مدلل اور مفصل تفسیر جس میں بسم اللہ اور تعوذ پر بھی مفصل مباحث ہیں اس کے ابتداء میں پروفیسر عبدالعزیز نہڑیو صاحب نے تعارفی ”دوالفاظ“ بڑے جاندار تحریر فرمائے ہیں۔

۲۔ جلد دوم۔ ”بشری البرہہ فی تفسیر سورۃ البقرۃ (۱)“ اشاعت ۱۹۸۸ء، ۵۵۸ صفحات ہیں سورۃ بقرہ کے صرف ابتدائی ۱۰ رکوع پر بڑا ہی بصیرت افروز اور جامع و مانع تفسیر قرآن، تفسیر کے ابتداء میں چند تعارفی صفحات ”اپنی طرف سے“ کے عنوان سے پروفیسر عبدالغفار جو نجو نے قلمبند فرمائے ہیں۔

(۳) جلد سوم ”بشری البرہہ فی تفسیر سورۃ البقرۃ (۲)“ اشاعت ۱۹۹۰ء، ۷۸۶ صفحات اس کے ابتداء میں ”مہاگ“ کے عنوان سے جناب عبدالرحمن منکیو صاحب نے سندھی میں تفاسیر و تراجم کی تاریخ پر خوبصورت عکاسی فرمائی ہے۔

(۴) جلد چہارم ”بشری البرہہ فی تفسیر سورۃ البقرۃ (۳)“ اشاعت ۱۹۹۲ء، ۵۵۰ صفحات اس جلد میں مہاگ کے عنوان سے سندھ کے مایہ ناز ادیب بقیۃ السلف بزرگ شخصیت منصور ویراگی صاحب نے انتہائی جامع تفاسیر و تراجم پر نگاہ عقیق ڈالی ہے۔

(۵) جلد پنجم ”آلاء الرحمن فی تفسیر آل عمران“ اشاعت ۱۹۹۴ء، ۵۱۴ صفحات اس جلد کی ابتداء میں خود علامہ راشدی رحمہ اللہ نے انتہائی رقت انگیز انداز میں دعائیہ الفاظ سے آل عمران کے تفسیر کا آغاز فرمایا ہے۔ یہ دعائیہ الفاظ بار بار پڑھنے کے لائق ہیں۔

(۶) جلد ششم ”النداء الدعاء فی تفسیر سورۃ النساء“ اشاعت ۱۹۹۵ء، ۵۴۲ صفحات

اس بابرکت جلد کا ابتدائیہ ناچیز راقم الحروف (مولا بخش محمدی) کے اعزاز میں آیا ہے۔

(۷) جلد ہفتم۔ ”المأهدة فی تفسیر المائدة“ اشاعت ۱۹۹۸ء ۳۸۸ صفحات اس جلد کا

پیش لفظ پروفیسر حافظ محمد کھٹی صاحب نے بڑے خوبصورت انداز میں تحریر فرمایا ہے۔

(۸) جلد ہشتم۔ ”الاحکام فی سورة الانعام“ والفاف فی تفسیر سورة الاعراف“

۶۳۳ صفحات ۱۹۹۹ء اشاعت، اس جلد کی ابتداء میں تعارفی صفحات مولانا عبدالرحمن اوٹھو صاحب نے قلمبند

فرمائے ہیں۔

(۹) جلد نهم ”الانوال فی تفسیر سورة الانفال“ والبراعة فی تفسیر البراءة“

اشاعت ۲۰۰۱ء صفحات ۲۰۹۔ اس کی ابتداء بھی فاضل نوجوان پروفیسر محمد جن کنبھر کے جاندار قلم سے ہوئی ہے

جس میں آپ نے کیا خوبصورت بات کہی ہے کہ باب الاسلام سندھ میں ”یہ تفسیر شب ظلمت میں منارہ نور

سے کم نہیں“

(۱۰) جلد دهم ”بدیع التفسیر کی یہ آخری جلد ہے جس کی ابتداء سورة یونس سے ہو کر سورة حجر پر

ہوتی ہے صفحات ۲۶۱ اشاعت ۲۰۰۳ء اس کے تعارفی الفاظ محترم محمد اسلم سندھی اور قدرے تفصیل سے مقدمہ

مولانا حافظ عبدالرزاق ابراہیمی صاحب نہڑیو کی جانب سے لکھا گیا ہے۔ جس میں شاہ صاحب کی وفات

حسرت پر بات خوب المیاتی صدمہ کا اظہار کیا گیا ہے۔ اور تفسیر و علوم تفسیر پر بصیرت افروز مواد پیش کیا گیا۔

اس طرح دسویں جلد پر یہ تفسیر اختتام پزیر ہوئی۔

سورہ حجر کی ابتدائی آیات سے ہی یہ باب رحمت بند ہوا۔

تفسیر بدیع التفسیر کے آخری جلد ۱۰ کے اختتام پر پروفیسر عبدالغفار جو نیجو صاحب جو شاہ صاحب

کے تفسیر کے کاتب، پروف ریڈر تھے انہوں نے اختتامی صفحہ انتہائی درد و الم سے بھرے قلب سے تحریر کیا ہے۔

انہوں نے شاہ صاحب کے داغ مفارقت کو کچھ اس انداز سے بیان فرمایا ہے۔

آہ! شاہ صاحب کا تفسیر تکمیل تک پہنچانے کا ارادہ مصمم دل ہی میں رہ گیا۔ ہم کتابت کرنے والے

(پروفیسر عبدالغفار و پروفیسر عبدالعزیز) کو یقین تھا کہ اتنا فاضل، جلیل، عالم باعمل، انتہائی عاجزی و انکساری

سے اپنے رب کبریا کے آگے بائیں پھیلانے آنکھوں میں آنسو سجائے، جو تفسیر کے تکمیل کی دعائیں مانگ رہا ہے۔ وہ یقیناً بارگاہ ایزدی میں شرف قبولیت عطا کریں گے مگر مالک الملک، جی و قیوم ساری کائنات سے بے نیاز جو چاہے وہ کرے اس کی قضائے قدرت غالب آئی۔ (شاہ صاحب جو سائبان تھے وہ ہمیں چلچلاتی دھوپ میں تنہا چھوڑ کر) داعی اجل کو لبیک کہہ گئے۔ مؤرخہ ۱۹ دسمبر ۱۹۹۵ء کو آپ نے چودھویں پارے کی پہلی آیت کی تفسیر مرقومہ بالا الفاظ تک پہنچایا اور دو برس سے جو ہماری پنپ رہی تھی اس کی وجہ سے آخری ایام آن پہنچے اور یہ تفسیر کا مبارک سلسلہ ہمیشہ کے لئے بند ہو گیا۔

سورہ حجر کی ابتدائی دو آیات کے تفسیر کے بعد ہمیں داغ جدائی ملا۔ کاش اُس کے کسی تلمیذ رشید کو یہ سعادت عظمیٰ نصیب ہو کہ یہ علمی ارمغان پایہ تکمیل تک پہنچا سکے (اور موجودہ تفسیر کا انڈکس (اشاریہ) مرتب کر سکے)

آخر میں محمد عبدالہادی العمری کے ماہنامہ صراط مستقیم برہنگم فروری ۱۹۹۶ء کے یہ الفاظ نقل کرنے کو جی چاہتا ہے جس میں آپ لکھتے ہیں کہ شاہ صاحب کی یہ بڑی آرزو تھی کہ سندھی زبان میں جس کے بولنے والوں کی برصغیر میں بہت بڑی تعداد ہے اس میں ایک مستند اور معتبر تفسیر ہونی چاہیے۔

چنانچہ آپ نے خود اس کا بیڑا اٹھایا تھا چونکہ سندھی زبان آپ کی مادری زبان تھی۔ اس لئے اس میں تیزی سے کام بڑھتا گیا۔ اور کئی جلدیں تیار ہو گئیں۔ لیکن موت اس سے زیادہ تیز ثابت ہوئی اور اس عظیم تفسیر کے مکملہ کی آپ کو مہلت نہ مل سکی۔ اس طرح یہ اہم کام ادھورا ہی رہ گیا۔ کاش کوئی اسے مکمل کر دے۔ (رموز راشد یہ ص ۷)

یہاں پر یہ وضاحت کرنا بھی ضروری ہے کہ شاہ صاحب رحمہ اللہ نے عربی دان دوستوں اور شاگردوں کے شدید اصرار پر خود ہی تفسیر بدیع التفاسیر کا عربی ترجمہ شروع کیا تھا۔ مقدمہ تفسیر کا عربی ترجمہ مکمل ہو گیا تھا اور سورۃ فاتحہ کی تفسیر کا عربی ترجمہ دو تہائی حصہ تک کر لیا تھا۔ آخری ایام میں علالت کی وجہ سے کام رکا رہا اور یہ کام بھی ادھورا رہ گیا۔

عبدالرزاق ابراہیمی ☆

شیخ العرب والعجم علامہ السید ابو محمد بدیع الدین شاہ الراشدی رحمہ اللہ کی

تفسیری خدمات

الحمد لله وكفى وسلام على عباده الذين اصطفى اما بعد!

یگانہ روزگار عالم با عمل مفسر قرآن ہمارے مربی اور عظیم محسن علامہ السید بدیع الدین شاہ الراشدی رحمہ اللہ کی ہمہ گیر شخصیت کے متعلق زندگی کے مختلف گوشوں پر روشنی ڈالنے کے لئے مجلہ بحر العلوم کی مجلس عاملہ کی طرف سے مختلف اہل علم کو موقع فراہم کیا گیا ہے۔ یقیناً شاہ صاحب رحمہ اللہ کے متعلق کافی کچھ لکھا جائے گا جس شخص کی بھی شاہ صاحب سے ملاقات ہوئی یا ان کی صحبت کا شرف حاصل ہوا وہ آپ کی تعریف میں رطب اللسان نظر آتا ہے۔ بے پناہ کمالات و اوصاف کے مالک عظیم انسان کو رہتی دنیا تک یاد رکھا جائے گا۔ ان شاء اللہ۔

میں اپنی تمام کمزوریوں کے باوصف شاہ صاحب رحمہ اللہ کے لئے اپنی دل میں بے پناہ محبت محسوس کرتا ہوں اور دعا کرتا ہوں کہ اللہ ذوالجلال والاکرام ہماری اس دینی محبت کا صلہ ہمیں آخرت میں شاہ صاحب رحمہ اللہ کے ساتھ لقاء و صحبت کی صورت میں عطا فرمائے۔ آمین۔

احب الصالحين ولست منهم

لعل الله يرزقني صلاحاً

میں اس مضمون میں شاہ صاحب رحمہ اللہ کی تفسیری خدمات کے حوالہ سے چند گزارشات پیش کرنا چاہوں گا تاکہ ان خدمات جلیلہ کے تذکرہ سے غافل قوم کو خبردار کیا جائے باخبر لوگوں کو حرکت میں لایا جائے

☆ مدبر و شیخ الحدیث جامعہ شمس العلوم الحمدیہ اہل حدیث کینٹ روڈ غریب آباد بدین، فارغ التحصیل دارالحدیث الحمدیہ جلالپور پیر والہ ملتان، معروف خطیب و مقالہ نگار۔

اور طلباء علم کو خواب غفلت سے جگانے کی سعی کی جائے۔ علامہ بدیع الدین شاہ صاحب رحمہ اللہ کی خدمات دینیہ میں تفسیر بدیع التفاسیر ایک ایسی شاندار تصنیف ہے جس کے ذکر کئے بغیر آپ کا تذکرہ نامکمل ہوگا۔ کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے۔

يلوح الخط في القرطاس دهرًا

وكتبه رميم في التراب

شاہ صاحب رحمہ اللہ کی تفسیری خدمات پر روشنی ڈالنے سے قبل علم تفسیر کی تاریخی اہمیت و افادیت کو پیش نگاہ رکھنا انتہائی لازم ہے۔

علم تفسیر کی اہمیت و تاریخ پر ایک نظر

علم تفسیر کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تفسیر قرآن کا عالی منصب امام الانبیاء والمرسلین حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے سپرد کیا ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَأَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ (النحل: ۴۴)

یعنی ہم نے آپ پر قرآن نازل کیا تاکہ اس کی وضاحت اور تفسیر آپ لوگوں کے سامنے بیان کریں۔

آپ ﷺ کے زمانہ میں صحابہ کرام آپ کے قول، فعل، تقریر سے قرآن کا تفسیر معلوم کرتے تھے۔ یوں سمجھیے کہ پیغمبر اسلام خود قرآن کریم کے عملی تفسیر تھے۔ ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے جب آپ ﷺ کے اخلاق کے متعلق سوال کیا گیا تو فرمائی گئیں۔

فان خلق النبي الله صلى الله عليه وسلم كان القرآن (مسلم)

یعنی قرآن کریم ہی آپ ﷺ کا اخلاق تھا۔ جس کا مقصد یہ ہے کہ قرآن میں جو کچھ بھی ہے آنحضرت ﷺ نے اس پر عمل کیا قرآن کریم میں موجود امر و نہی۔ اخلاقیات، معاشیات، عبادات وغیرہا کی جامع تفسیر پیغمبر عربی ﷺ کی مبارک زندگی ہے۔ آنحضرت ﷺ کے بعد صحابہ کرام نے علم تفسیر کو بہت زیادہ اہمیت دی صحابہ کرام میں دس حضرات کو اس فن میں امتیاز حاصل تھا۔ خلفاء راشدین میں سب سے زیادہ

تفسیری روایات حضرت علی سے مروی ہیں مگر بحیثیت مجموعی تمام صحابہ میں سب سے زیادہ تفسیری روایات حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی طرف منسوب ہیں ان کے حلقہ درس نے نہایت وسعت حاصل کی ہزاروں شاگرد پیدا ہوئے۔ (ماخوذ تاریخ تفسیر و مفسرین۔ تالیف غلام احمد حریری)

امام بیہقی نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت لائی ہے
أَعْرَبُوا الْقُرْآنَ وَالتَّمَسُّوا غَوَائِهُ يَعْنِي تَمِيزُ قُرْآنَ كِتَابِ اللَّهِ وَتَفْهِيمُ مَعْنَاهُ
(بحوالہ الاتقان فی علوم القرآن ص ۳۸۸ جلد ۲)

بیہقی میں ایک اثر اس طرح مروی ہے عن عبد اللہ بن بريدہ عن رجل من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ لَوْ اَنَّ اَعْلَمَ اِذَا سَافَرْتُ اَرْبَعِينَ لَيْلَةً اَعْرَبْتُ آيَةً مِنْ كِتَابِ اللَّهِ لَفَعَلْتُ
(بحوالہ مذکور)

یعنی ایک صحابی رسول ﷺ یہ خواہش ظاہر کرتے ہیں کہ اگر مجھے معلوم ہو جاتا کہ چالیس راتوں کے سفر سے میں قرآن کریم کی ایک آیت کی تفسیر معلوم کروں گا تو ضرور کرتا۔
کسی آیت مبارکہ کی تفسیر کو صحابہ کرام خیر کثیر پر محمول کرتے تھے قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ تفسیر کو حکمت سے تعبیر کرتے ہیں۔ فرمایا:

يُؤْتِي الْحِكْمَةَ مَنْ يَشَاءُ وَمَنْ يُؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ أُوتِيَ خَيْرًا كَثِيرًا (بقرہ: ۲۶۹)
امام ابن ابی حاتم دیگر مفسرین اس آیت مبارکہ کی تفسیر میں ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول نقل کرتے ہیں۔
الحكمة قال المعرفة بالقرآن ناسخه ومنسوخه ومحكمه ومتشابهه ومقدمه
ومؤخره وحلاله وحرامه وامثالها (الاتقان فی علوم القرآن)
یعنی ابن عباس رضی اللہ عنہما حکمت سے قرآن کے علوم ناسخ، منسوخ، محکم، متشابه، حلال، حرام وغیرہ مراد لیتے ہیں۔

تابعین میں کافی نامور مفسرین پیدا ہوئے جن میں مجاہد عطاء بن ابی رباح، عکرمہ، سعید بن جبیر، حسن بصری، ابوالعالیہ، ضحاک، اور قتادہ ممتاز درجہ پر فائز ہیں۔

خلافت امویہ کے اخیر میں علم تفسیر نے باقاعدہ ایک علیحدہ فن کی حیثیت اختیار کر لی۔ اب قرآن کی ترتیب کے مطابق ہر ہر آیت اور سورۃ کی تفسیر مرتب کی جانے لگی اس میں ابن ماجہ ابن جریر طبری، ابن ابی حاتم، امام حاکم و دیگر اکابرین نے حصہ لیا، یہ تفاسیر سنن انبی کریم ﷺ اور صحابہ و تابعین و تبع تابعین سے منقول ہیں۔

خلافت عباسیہ کا دور شروع ہونے سے قبل تفسیر کا انحصار منقول روایات پر تھا۔ خلافت عباسیہ میں گروہی تعصب آخری حد تک پہنچ گیا مختلف اسلامی فرقے اپنے مخصوص افکار و عقائد کی دعوت دینے لگے منطق و فلسفہ سے متعلق کتب کا یونانی سے عربی میں ترجمہ کیا گیا اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ یہ سب علوم تفسیر کے ساتھ گھل مل گئے جو شخص کسی علم و فن میں کمال رکھتا تھا اس کی تفسیر اسی علم تک محدود رہ گئی۔ تفسیر کے علاوہ قرآن مجید کے خاص خاص مباحث پر جداگانہ اور مستقل تصانیف کا سلسلہ شروع ہوا کسی نے صرف مسائل فقہیہ پر بحث کی کسی نے اسباب نزول پر کتاب لکھی۔ کسی نے امثال قرآنی کو یکجا کیا، کسی نے آیات مکررہ کے نکات بیان کئے۔ یہ تصنیفات اگرچہ بے شمار ہیں لیکن ان سب کو چھ قسموں پر تقسیم کیا جاسکتا ہے۔

① فقہی ② ادبی ③ تاریخی ④ نحوی ⑤ لغوی ⑥ کلامی

تفسیری کتب کی تعداد بہت زیادہ ہے علامہ بدیع الدین شاہ رحمہ اللہ نے مقدمہ بدیع التفاسیر میں صاحب تاریخ التفسیر کے حوالہ سے لکھا ہے کہ انہوں نے اپنی کتاب کے صفحہ ۸۶ پر لکھا ہے کہ ایک کتاب میری نظر سے گزری جس میں لکھا تھا کہ تیرہ صدی ہجری کے نصف تک پوری دنیا میں قرآن شریف کے مکمل تفسیر کی تعداد ۱۱۶۱ تک پہنچ چکی تھی ان کے علاوہ خاص آیات یا خاص سورتوں یا خاص مقامات پر جو تفسیر لکھی گئیں ہیں ان کو شمار نہیں کیا جاسکتا۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ نزول قرآن سے لے کر عصر حاضر تک مسلمانوں نے کتاب الہی کے ساتھ جو تعلق قائم کیا اس کے مطالب و معانی اسرار و نکات معلوم کرنے کے لئے جس قدر محنت کی دنیا کی کوئی قوم اس کی مثال پیش نہیں کر سکتی۔ مگر ان تمام تر کوششوں کے باوجود قرآن کریم کی وسعت و جامعیت کا یہ عالم ہے کہ اس کے نکات اور اسرار ختم ہونے میں نہیں آتے۔ دنیا کی معروف زبانوں میں قرآن کریم کی تفاسیر لکھی

گئیں۔ لیکن تاحال تشکی اور ضرورت محسوس کی جا رہی ہے۔ سندھی زبان میں مختلف تفسیریں لکھی گئیں۔ مثلاً

مولوی عزیز اللہ معلوی کی تفسیر..... تفسیر مفتاح رشد اللہ

مولوی محمد عثمان نورنگزادہ کی تفسیر..... تنویر الایمان

مولانا محمد مدنی کی تفسیر..... ترجمۃ القرآن مع تفسیر القرآن

شاہ مردان شاہ اول کی تفسیر..... تفسیر کوثر شاہ

ان میں زیادہ تر نایاب ہیں جو موجود ہیں ان میں بھی کوئی تفسیر ایسی مدلل مستند نہیں ہے جس کی صحت پر اعتبار کیا جاسکے۔ ان تفاسیر میں بے اعتدالی اور کمزوری پائی جاتی ہے۔ اسرائیلی ضعیف، منقطع، موضوع اور شاذ روایات کی بھرمار ہے۔

سندھی زبان میں ایک مستند تفسیر کی ضرورت

مندرجہ بالا تفصیل سے یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ سندھی زبان میں مستند اور جامع تفسیر کی سخت ضرورت تھی ایک ایسی تفسیر جو سلفیت کی آئینہ دار ہو، تفسیر بالرای سے محفوظ ہو۔ تفسیر الراۃ سے مراد قرآن کریم کی ایسی تفسیر کرنا جو قرآن کریم کے سیاق و سباق کے خلاف ہو مضمون قرآن کے معارض ہو صحیح حدیث اس تفسیر کو رد کرتی ہو، صحابہ تابعین سلف صالحین کے معروف نظریہ و تفسیر کے خلاف ہو مشہور اسلامی عقیدہ کے خلاف ہو، لغت یا عربی قواعد کے خلاف ہو تو اُسے محض ایک رائے اور خیال سمجھا جائے گا بغیر دلیل ہونے کے باعث اسے باطل اور مردود قرار دیا جائے گا۔

اس بارے میں آنحضرت ﷺ سے سخت وعید مروی ہے۔

عن ابن عباس رضی اللہ عنہما قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مَنْ قَالَ فِي

الْقُرْآنِ بِغَيْرِ عِلْمٍ فَلْيَتَّبِعُوا مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ (ترمذی)

یعنی جس شخص نے بغیر علم کے قرآن کی تفسیر میں کسی قسم کی بات کی تو وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنالے۔

اس تفسیر کی اس لئے ضرورت تھی کہ قرآن کریم سرچشمہ ہدایت کتاب ہے۔ فرمان الہی ہے:

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِي أُنْزِلَ فِيهِ الْقُرْآنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَيِّنَاتٍ مِّنَ الْهُدَى وَالْفُرْقَانِ (سورة بقرہ ۱۸۵)

یعنی قرآن کریم کو مبارک ماہ رمضان میں نازل کیا گیا ہے جس میں لوگوں کے لئے ہدایت ہے اور ہدایت کے واضح دلائل اس میں موجود ہیں یہ کتاب حق اور باطل میں فرق کرنے والی ہے۔ جو کتاب ہدایت کا پیغام لے کر آئی ہے اس کی تفسیر اصل مصادر سے کی جائے تو ہی حصول ہدایت کی راہیں آسان ہوں گی۔

قرآن کریم کی تفسیر کی مختلف صورتیں ہیں۔ (الف) تفسیر القرآن بالقرآن (ب) تفسیر القرآن بالحدیث (ج) لغت عربی سے قرآن کی تفسیر کرنا (د) صحابہ کرام سے منقول تفسیر بیان کرنا۔

ہماری سندھی زبان میں ضرورت تھی کہ ایسی تفسیر لکھی جائے جو موضوع، ضعیف، منکر اور شاذ روایات سے پاک ہو جو تفسیر اعتزال، صوفیت، خارجیت، الحاد، کی بیخ کنی کرے صاحب تفسیر شرک، بدعت، تقلید سے مبرا ہو کہ خالصتاً ایک ایسی تفسیر پیش کرے جس کا نمونہ محمد ﷺ کی زندگی ہو اور جس پر عمل کرنے سے صحابہ کی عظیم جماعت نے دنیا و آخرت میں کامیابی حاصل کی۔

بدیع التفاسیر وقت کی ضرورت

ایں سعادت بزور بازو نیست
تانہ بخشد خدائے بخشندہ

شاہ صاحب رحمہ اللہ بیک وقت مانے ہوئے خطیب کامیاب مدرس شاندار مناظر بہترین منتظم اور اعلیٰ پایہ کے مصنف تھے۔ آپ کی تصانیف عربی، اردو اور سندھی زبانوں میں پائی جاتی ہیں۔ ایک احاطہ کے مطابق عربی زبان میں ۶۱ اردو زبان میں ۳۲ سندھی زبان میں ۵۰ کتابیں لکھی گئی ہیں۔

تفسیری حوالہ سے شاہ صاحب رحمہ اللہ کی عربی زبان میں ایک کتاب بنام، تفسیر القرآن الکریم المسمیٰ بالاستنباط العجیب فی اثبات التوحید من جمیع آیات الکتاب ہے۔ اس کتاب میں قرآن کریم کی آیات مبارکہ سے مسائل توحید کا استنباط کیا گیا ہے۔

آمد ہم بر سر مطلب

شاہ صاحب جیسے دور رس نقطہ بین اور عمیق نظر رکھنے والے مصنف نے سندھی زبان میں ایک مستند تفسیر لکھنے کا فیصلہ وقت کی ضرورت کو سامنے رکھتے ہوئے کیا اور پھر مصمم ارادہ کیا بعد میں اُسے عملی جامہ پہنایا

جو ہمارے پاس آج بدیع التفسیر کی شکل میں موجود ہے۔ علم تفسیر کی دنیا میں بدیع التفسیر ایک نیا لیکن ممتاز نام ہے۔ جس میں لائق مصنف نے مجتہدانہ انداز اختیار کیا ہے۔ بالاختصار اس طرح کہ اولاً سورہ کا نام، وجہ تسمیہ، سورہ کی فضیلت مکی یا مدنی ہونے کا بحث، نزول قبل از ہجرت یا بعد از ہجرت، سیاق و سباق پر نظر، پچھلی سورہ کے ساتھ ربط، سورہ میں بیان شدہ احکام و مسائل کا خلاصہ، قرآنی آیات کی تفسیر قرآنی آیات سے، احادیث نبویہ سے یا آثار صحابہ سے کیا گیا ہے۔ مشکل الفاظ کی معانی، گرامر کے قواعد، خاص مسائل پر تحقیق بالتحقیق پیش کی گئی ہے۔ جب کہ فریق مخالف کے دلائل کا وضاحت سے جواب دیا گیا ہے مخالفین اسلام کو عقلی و فنی دلائل کے ساتھ خاموش کرانے کی کامیاب کوشش اس تفسیر میں عیاں و ظاہر نظر آتی ہے۔

اس تفسیر کی شکل میں شاہ صاحب رحمہ اللہ نے اپنی جماعت کے ہاتھوں میں ایک نایاب موتی چھوڑا ہے لیکن افسوسناک خبر یہ ہے کہ اس طرح تفسیر لکھتے ہوئے شاہ صاحب رحمہ اللہ نے قرآن کریم کے تیرہ پاروں کو مکمل کیا تو وقت موعود آن پہنچا۔ اور فرشتہ اجل کو لبیک کہتے ہوئے آپ دار فانی کو سدھار گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

تاہم جتنا کچھ لکھا گیا ہے انتہائی قیمتی ہے عوام خواہ خواہ کے لئے ایک انمول تحفہ ہے صرف ضرورت اس چیز کی ہے کہ ایک مرد مجاہد نے اپنی گونا گوں مصروفیات مثلاً تبلیغی دورہ جات، جماعتی نظم و نسق سنبھالنا، رفاہی امور، درس و تدریس، دیگر تالیفات، ذاتی و نجی مصروفیات میں سے ٹائم نکال کر ایک بحر عمیق میں غوطہ زن ہو کر پوری زندگی کے مطالعہ کا خلاصہ و نچوڑ تفسیر کی شکل میں ہمارے پاس چھوڑا ہے تو ہم بھی اس گوہر نایاب سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کریں اس کی تعلیمات کو عام کریں اور بھرپور وعظ و نصیحت حاصل کریں اور اپنے اہل و عیال یا اولاد و طلباء کو اس کے پڑھنے کی تلقین کریں۔ فہل من مذکور؟

تعارف مقدمہ بدیع التفسیر

علماء متقدمین کے طریقہ تحریر کو سامنے رکھتے ہوئے شاہ صاحب رحمہ اللہ نے اپنی تفسیر کا تفصیلی مقدمہ لکھا ہے جو کہ ۳۰ صفحات پر مشتمل ایک مکمل کتاب ہے یہ ایک علمی گرانقدر ذخیرہ ہے، مقدمہ کے شروع میں تمہیدی کلمات کے طور پر چند صفحات میں شاہ صاحب رحمہ اللہ نے ادبیت خواہ فصاحت و بلاغت کی اعلیٰ مثال قائم

کی ہے جس کے پڑھنے سے ہر بندہ اللہ تعالیٰ کی سچی بندگی اور محمد رسول اللہ ﷺ کی سچی اطاعت و محبت کا جذبہ اپنے دل میں قائم کر لیتا ہے۔

گیارہ ابواب پر مشتمل مقدمہ التفسیر میں تفسیر القرآن اور اصول تفسیر کے متعلق بنیادی اور ضروری معلومات فراہم کر دی گئی ہے۔ ذیل میں ان گیارہ ابواب میں موجود معلومات کی طرف نشان دہی کی جاتی ہے۔

باب نمبر ۱: اس باب میں قرآن کی فضیلت و آداب کے ساتھ حفظ قرآن کے احکام سجدہ تلاوت کا بیان اور قرآنی آیات کا جواب کن الفاظ میں دیا جائے کی تفصیل موجود ہے۔

باب نمبر ۲: اس باب میں قرآن مجید کے مختلف نام قرآن مجید کا نزول اور نزول کی کیفیت کے متعلق کافی معلومات موجود ہے۔

باب نمبر ۳: اس باب میں قرآن مجید کی جمع و ترتیب کو قرآن، حدیث اور آثار صحابہ کے دلائل سے ثابت کیا گیا ہے۔

باب نمبر ۴: اس باب میں قرآن کریم کو سات مختلف لغتوں میں نازل کیا گیا ہے کی تفسیر پیش کی گئی ہے۔
باب نمبر ۵: اس باب میں قرآن کی سورتیں، آیات، کلمات، حروف، نقطے، اعراب، پارے، رکوع کے متعلق تفصیلی معلومات موجود ہے۔

باب نمبر ۶: اس باب میں بالاختصار وقفہ جات کے متعلق معلومات دی گئی ہے۔

باب نمبر ۷: اس باب میں بالاختصار متواتر قرأت کا تعارف پیش کیا گیا ہے۔

باب نمبر ۸: یہ باب علم تجوید کے بیان میں ہے۔

باب نمبر ۹: اس باب میں قرآن، حدیث اور آثار صحابہ سے یہ ثابت کیا گیا ہے کہ قرآن اللہ کی کلام ہے مخلوق نہیں ہے۔

اس باب میں امام عبدالعزیز کنانی اور بشر مرسی کا مناظرہ بھی بالتفصیل موجود ہے۔

باب نمبر ۱۰: اس باب میں تفسیر کے متعلق ضروری احکام لکھے گئے ہیں جبکہ صوفیاء کی تفسیر اور تفسیر بالرای کا رد کیا

گیا ہے۔

باب نمبر ۱۱: اس باب میں مفسرین کے طبقات کا بیان ہے۔ اس طرح ان گیارہ ابواب میں معلومات کا خزانہ موجود ہے۔ ہر چیز دلیل کے ساتھ باحوالہ پیش کی گئی ہے۔ شائقین علم کو اس مخزن سے فائدہ اٹھانے کی استدعا کی جاتی ہے۔

تعارف بدیع التفاسیر جلد ”۱“

بنام

احسن الخطاب فی تفسیر ام الكتاب

شاہ صاحب رحمہ اللہ نے تفسیر کی شروعات سورہ فاتحہ سے کی ہے سورہ فاتحہ کی تفسیر انتہائی شرح و بسط کے ساتھ کی ہے سورہ فاتحہ کی تفسیر ۲۹۴ صفحات پر ایک مکمل جلد میں پھیلی ہوئی ہے۔

اس جلد میں جن بنیادی چیزوں کا ذکر کیا گیا ہے۔

خلاصہ کے طور پر درج ذیل میں ان کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے۔

تعوذ باللہ سنت قدیمہ ہے، تعوذ کے متعلق احکامات، سورہ فاتحہ کے ۲۵ نام اور فضائل کا ذکر، شان نزول، سورہ فاتحہ کے متعلق اہم مسائل کا ذکر، لفظ اللہ کا اشتقاق و معنی یہ مبارک نام اسم اعظم ہے اس کے ساتھ ناول اسماء مبارکہ کی تشریح، مختلف مواقع پر فرقہ آریہ سماج کے قائد سوامی دیانند کے اعتراضات کا منہ توڑ جواب، بسم اللہ ہر سورہ کی آیت ہے اس موقف کے دلائل اور مانعین کا رد، صفت رب العالمین کے تحت چند اہم مضامین، آیت مبارکہ ایاک نعبد میں توحید کی تعلیم ہے جب کہ اس کے مقابلہ میں شعراء اور جھوٹے بزرگ کس چیز کی تعلیم دیتے ہیں، ہدایت کی اقسام، صراط مستقیم کیا ہے۔ اسلام دین اعتدال ہے، اس سورہ میں توحید کے ثبوت اور شرک کے رد میں تیس وجوہ کا بیان، رد بدعت، رد تقلید، پیری مریدی کے نقصانات، فرقہ باطلہ کی تردید، آخر میں ایک باب کے اندر بالتفصیل یہ ثابت کیا گیا ہے کہ پورے قرآن میں تمام سورتوں کے اندر جتنے بھی مختلف مضامین پائے جاتے ہیں ان کا سورہ فاتحہ کے ساتھ تعلق ہے۔ ہر سورہ کو عنوان بنا کر اس کا سورہ فاتحہ کے ساتھ تعلق و ربط کو دلائل کے ساتھ ثابت کیا گیا ہے۔

تعارف بديع التفاسير جلد نمبر ”۲، ۳، ۴“

بنام

بُشْرَى الْبَرَّةِ فِي تَفْسِيرِ سُورَةِ الْبَقَرَةِ

سورہ البقرہ کی مکمل تفسیر تین ضخیم جلدوں پر محیط ہے اس سورہ مبارکہ کی تفسیر میں جن خاص عناوین پر بحث کی گئی ہے، بطور معلومات ان کی طرف اشارہ پیش خدمت ہے۔

اولاً مصنف نے اس چیز کی صراحت کی ہے کہ پورے قرآن کریم میں تمام سور کی ابتداء مخصوص دس اقسام سے باہر نہیں ہے، سورہ بقرہ کے مختلف نام، فضیلت، سورہ فاتحہ کے ساتھ ربط اور خلاصہ، ایمان پر تفصیلی بحث، نماز پر تفصیلی بحث، صدقہ کے متعلق آیات و احادیث اور قبولیت صدقہ کی شرائط، شیعہ کی طرف سے قرآن میں تحریف کی چند مثالیں، صحابہ کی شان اور منافقین کی چال بازی، سرسید احمد خان کا رد، خلافت صدیق ﷺ پر نص اور تصریح، پندرہ بنی اسرائیلی عادات پر تفصیلی روشنی، زکوٰۃ کے ضروری احکامات، ال اور اہل میں فرق، ال رسول کون ہیں، گائے کے واقعہ سے حاصل ہونے والے اسباق اور چند مسائل، علماء سوء ہمیشہ جہالت سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔

یہودی قوم کا منفی کردار، جادو پر تفصیلی بحث، خاص واقعہ میں جادو سکھانے والوں سے مراد شیطان تھے نہ کہ فرشتے۔ مسجد کے متعلق فضائل اور ضروری احکامات، سیرت ابراہیمی میں اسباق، فطرت والے کام، داڑھی ایک اسلامی شعار اور مودودی کی سنت دشمنی، موافقات امیر عمر رضی اللہ عنہ، موافقات ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ، تعمیر کعبہ کی تاریخ اور ضروری احکام، تحویل قبلہ کا مسئلہ، خبر واحد کا عقائد اعمال اور احکام میں حجت ہونا۔ احناف کا حدیث پر قیاس کو ترجیح دینا، ذکر اللہ کے فضائل احادیث کی روشنی میں، مسائل حج و عمرہ، دنیا کے پانچ بڑے دریاء، مردار جانور کے متعلق ضروری مسائل، غیر اللہ کے نام پر نذر ماننا حرام ہے، وصیت کے متعلق تفصیلی احکام، صیام رمضان کے متعلق تفصیلی بحث، قبولیت دعا کے متعلق بنیادی معلومات، رشوت کے متعلق وعید، قنہ کے متعلق احادیث پر بحث، جہاد کی فضیلت اور فرضیت کے احکام، شراب پینے کی مذمت اور ضروری مسائل، طلاق و عدت کے مسائل جہوریت کا رد، ناجائز تجارت کی چند اقسام، سود کی مذمت اور مسائل، گواہی کے

متعلق مسائل، آیہ الکرسی میں صفات الہیہ کا تذکرہ، سورہ بقرہ کی آخری دو آیات کی فضیلت۔

تعارف بدیع التفاسیر جلد نمبر ”۵“

بنام

الاء الرحمن فی تفسیر سورة ال عمران

بدیع التفاسیر کی پانچویں جلد سورہ ال عمران کی تفسیر پر مشتمل ہے۔ تعارف کے طور پر اس جلد میں سے چند بنیادی چیزیں پیش کی جاتی ہیں یہ کوئی مکمل فہرستیں نہیں ہیں اردو جاننے والے احباب کو ایک طرح سے روشناس کرانا مقصود ہے جبکہ شاہ صاحب رحمہ اللہ کے طریقہ تفسیر پر مضمون کے آخر میں تبصرہ پیش کیا جائے گا۔ وبالله التوفیق۔

بدیع التفاسیر کی پانچویں جلد میں زیادہ تر فضائل پر بات کی گئی ہے۔ مثلاً، استغفار کے مسائل، سچ بولنے کے فضائل، امر بالمعروف ونہی عن المنکر کے فضائل، اتباع رسول ﷺ کے فضائل، امت محمدی کی فضیلت، غصہ پینے کے فضائل، حبس اللہ و نعم الوکیل کہنے کی فضیلت، مشورہ کے احکامات، قرعہ اندازی کی شرعی حیثیت، مسائل طلاق، اس طرح ۵۷۲ صفحات پر مشتمل ایک ضخیم جلد زندگی سے تعلق رکھنے والے مسائل و فضائل پر پھیلی ہوئی ہے۔

تعارف بدیع التفاسیر جلد نمبر ”۶“

بنام

النداء والدعاء فی تفسیر سورة النساء

سورہ نساء کی اس تفسیر میں بہت کچھ پائے جانے کے ساتھ درج ذیل استنباطات و استدلالات سے ایک قاری کافی قدر محظوظ ہوتا ہے۔

چار شادیوں کے متعلق فطری، عرفی، مذہبی دلائل، تعداد ازواج میں اسلام، عیسائیت، آریہ سماج کا تقابل، مہر حسب حال دینے کے متعلق حنفی اور محمدی مذہب میں اختلاف۔ شیعہ کی جانب سے خلفاء راشدین پر ترکہ نبوی کے متعلق الزام اور اس کا مدلل جواب۔

شیعہ کا متعہ کے متعلق غلط استدلال اور اس کا رد۔ اگر متعہ کی اتنی فضیلت ہے تو شیعہ حضرات اپنی بیویوں کو محروم کیوں کرتے ہیں۔ کفو ایدیکم سے احناف کا عدم رفع الیدین پر غلط استدلال اور قرآن کریم میں تحریف۔ جو کام فتنہ کا سبب بنیں ان سے بھی منع ہے۔ نزول عیسیٰ کے مسئلہ پر تفصیلی بحث۔ اس کے علاوہ، احکام رضاعت، محرمات، مسائل میراث، اطاعت امیر، احکام دیت، مسائل سفر، وغیرہا پر تفصیلی بحث شامل تفسیر ہے۔

تعارف بدیع التفاسیر جلد نمبر ”۷، ۸“

بدیع التفاسیر جلد نمبر ۷، ۸ تین سورتوں کی تفسیر پر مشتمل ہے، یعنی سورہ مائدہ، سورہ انعام سورہ اعراف اگر بدیع التفاسیر کا بغور مطالعہ کیا جائے تو اس میں ہر فن ملتا ہے۔ اگر مسائل کو دیکھا جائے تو یہ سنن اور فقہ کی کتاب لگتی ہے اگر ایمانیات کو دیکھا جائے تو یہ عقیدہ کی کتاب لگتی ہے اگر کثرت روایات پر غور کیا جائے تو یہ حدیث کی کتاب محسوس ہوتی ہے۔ الغرض لغت، ادب، تاریخ وغیرہ کسی بھی فن سے تشنہ نہیں رکھا گیا ہے۔ پچھلی جلدوں کے حوالہ سے جن چیزوں کی طرف اشارہ کیا گیا انہیں چھوڑ کر مزید اشیاء کی طرف نشان دہی کی جاتی ہے۔

شکار کے مسائل، اہل کتاب کے متعلق خاص مسائل وضو کی برکات اور وضو کے مسائل، غسل کے مسائل اور موجبات غسل، بیت الخلاء اور تیمم سے متعلق مسائل۔

آنحضرت ﷺ پر قاتلانہ حملوں کی سازش اور آپ ﷺ کا حسن اخلاق، میت دفن کرنے کے مسائل، اسلامی قانون کی برکت اور اہل مغرب کا داویلا، اللہ تعالیٰ کی صفات ید پر بلا تاویل ایمان، قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کی زیارت کا شرف برحق ہے، ذبح کے متعلق تفصیلی مسائل، حرام جانوروں کے متعلق احکامات قیامت کی نشانیاں، وزن اعمال کا ذکر، وسوسہ کا بیان، لباس کے مسائل، الرحمن علی العرش استویٰ پر تفصیلی بحث، قوم فرعون کی تباہی، ملک شام کی فضیلت، دین میں حیلہ بازی، تبلیغ و دعوت دین کی اہمیت، اس طرح کے کافی اہم مضامین پر یہ دونوں جلدیں مشتمل ہیں۔

تعارف بدیع التفاسیر جلد نمبر ”۹، ۱۰“

بدیع التفاسیر ان دو جلدوں میں سورہ انفال، سورہ البراءة، سورہ یونس، سورہ ہود، سورہ یوسف، سورہ رعد، سورہ ابراہیم، سورہ حجر کی تفسیر شامل ہے۔

چونکہ کافی قدر احکامات کا ذکر، کچھ جلدوں میں ہو چکا اس لئے ان دو جلدوں میں سورتوں کے اصل مضمون پر زیادہ توجہ دی گئی ہے۔ بالاختصار درج ذیل مضامین کو مد نظر رکھا گیا ہے۔

اوصاف مؤمن، جہاد کی شرعی حیثیت، جہاد کے فوائد و ثمرات، جنگی حکمت عملی، صلح پسندی کی ترغیب، سیاسی و جنگی قوانین، معاہدہ کی اہمیت، مسجد کی تعمیر، خدمت اور مقام، خودکشی متعلق احادیث مذمت دنیا، اسلام میں تالیف قلبی، صحابہ کی شان و فضیلت، مسجد قبا و مسجد نبوی کی فضیلت، رسول اللہ ﷺ کی شان و توحید، فکر آخرت، رد شرک، رد تقلید، انبیاء ﷺ کی زندگیوں میں سبق۔ نوح علیہ السلام کی دعوت و توحید، دنیا میں عقلمند انسانوں کی کمی، اتفاق رحمت اور اختلاف عذاب ہے۔ قصہ یوسف علیہ السلام میں عبرتیں اور نصیحتیں، اکثریت کوئی دلیل نہیں ہے۔ اس طرح کے کافی اصلاحی، تربیتی و منہجی مضامین پر یہ دو جلدیں مشتمل ہیں۔

شاہ صاحب رحمہ اللہ کا طریقہ تفسیر

بدیع التفاسیر میں زندگی سے تعلق رکھنے والے ہر مسئلہ پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے پچھلے صفحات میں جو نمونہ دکھایا گیا ہے اس سے شاہ صاحب کی علیت، استدلال میں قوت اور دقت نظری پر مخالف خواہ موافق داد دینے پر مجبور ہو جاتا ہے۔

اب ذیل میں تفسیری طریقہ کار پر روشنی ڈالی جاتی ہے۔ کسی سورہ کی تفسیر کرتے وقت سورہ کا مقام نزول، شان نزول، سورہ کے مختلف نام، سورہ کی فضیلت، پہلی سورہ کے ساتھ ربط، سورہ کا خلاصہ شروع میں ہی پیش کیا جاتا ہے۔ باقاعدہ تفسیر شروع کرتے وقت چند آیات کی سلیس معنی لکھنے کے بعد لفظی تحقیق لغوی و اصطلاحی معنی نحوی صرنی بحث، متعلقہ مسئلہ میں مفسرین کے مختلف اقوال اور اختلاف رائے، مخالفین کے اعتراضات کا دلائل سے جواب، اختلافی مسائل کا تفصیلی ذکر، احکامات، مسائل، نقد و جرح۔ استدلال کے لئے صحیح روایت کا انتخاب، لغت عرب سے استدلال، اشعار سے استشہاد، پوری تفسیر میں بڑے انہماک کے ساتھ تمام امور کا التزام کیا گیا ہے۔ شاہ صاحب رحمہ اللہ کی تفسیری خصوصیات میں ایک بنیادی ملکہ ربط بین

الآیات ہے جس کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ سورہ فاتحہ کی تفسیر میں (۱۱۳) قرآنی سورتوں کا سورہ فاتحہ کے ساتھ ربط اور تعلق پیدا کیا گیا ہے۔ یہ انتہائی علمی اور تحقیقی کام ہے۔
قارئین کی ضیافت طبع کی خاطر ایک نمونہ پیش کیا جاتا ہے۔

ربط الفاتحہ بین السور

- (الف) توحید کے متعلق تمام قرآنی آیات ایک ایک نعتیں کے تحت ہیں۔
(ب) داؤد علیہ السلام کے واقعہ میں عدل و انصاف کا ذکر مالک یوم الدین کے تحت ہے۔
(ج) سلیمان علیہ السلام کی قربانی ایک ایک نعت کے تحت اور دعا اہدنا الصراط المستقیم کے تحت ہے۔
(د) ایوب علیہ السلام کی شفا الرحمن الرحیم کے تحت ہے۔
(ه) ایماندار لوگ، متقین، فجار، طاغین کا احوال اور مال آخری ایت کے تحت ہے۔
(و) شیطان کا تکبر کے باعث دھکا را جانا مغضوب علیہم کی مثال ہے۔

بدیع التفسیر ج ۱ ص ۳۷۵

اس طرح ہر سورہ کا علیحدہ علیحدہ سورہ فاتحہ کے ساتھ ربط اور توافق ثابت کیا گیا ہے جسکے پڑھنے سے بندہ کا ایمان بڑھ جاتا ہے اور شاہ صاحب کیلئے دل کی اتھاہ گہرائیوں سے دعا نکلتی ہے۔ رحمۃ اللہ رحمۃ واسعة میں نے اس مضمون میں ادنیٰ سی کوشش کے ساتھ بدیع التفسیر کا مختصر تعارف اور شاہ صاحب رحمہ اللہ کی تفسیری خدمات پر روشنی ڈالنے کی زحمت اٹھائی ہے حقیقت یہ ہے کہ بدیع التفسیر ایک علمی سمندر ہے جس سے ہیرے اور جواہر تلاش کرنے کی ضرورت ہے بالخصوص ہماری سندھی قوم کے لئے یہ انمول تحفہ ہے۔
میں اپنے قارئین بالخصوص نوجوان علماء اور منصفی طلبہ سے گزارش کروں گا کہ اپنی علمی استعداد بڑھانے کے لئے اس تفسیر کا مطالعہ کریں آپ کو زیادہ کتابیں پڑھنے یا دیکھنے کی ضرورت نہ پڑے گی یہ کئی کتب بلکہ بہت بڑی لائبریری کا مجموعہ ہے۔ اللہ تعالیٰ مجھے میرے معاصر علماء اور ہماری نوجوان نسل اور روحانی اولاد طالبین علم کو اس تفسیر سے بھرپور فائدہ اٹھانے کی توفیق عطا فرمائے۔ اور ہمارے مدد و مددگار محسن اور مربی الشیخ ابو محمد بدیع الدین شاہ الراشدی رحمہ اللہ کے لئے اس کام کو صدقہ جاریہ بنادے ان کی بشری لغزشیں معاف فرمائے، ان کے درجات بلند کرے اور جنت میں انبیاء، صدیقین، شہداء، صالحین کی صحبت نصیب فرمائے۔
آمین یا رب العالمین۔

علامہ بدیع الدین شاہ راشدی رحمۃ اللہ علیہ المکی

اور ان کی بدیع التفاسیر

شیخ العرب والعجم رئیس المحققین سلطان المحدثین استاد التفسیر والمحدث قاطع الشک والبدعة ناصر السنۃ النبویہ علامہ سید ابو محمد بدیع الدین شاہ سندھی المکی دنیائے اسلام میں اکرام و احترام کی نگاہ سے دیکھے جاتے ہیں۔

ابو محمد بدیع الدین شاہ کی ولادت ۱۳۴۳ھ/۱۰/ جولائی ۱۹۲۵ء کو پیر جھنڈو ضلع حیدر آباد سندھ میں ہوئی۔ انہوں نے اپنے برادر معظم مولانا حافظ پیر محبت اللہ شاہ راشدی کی طرح علم و شریعت حقیقت و معرفت کی فضا میں پرورش پائی۔ پاکیزہ و اعلیٰ ماحول کی تربیت سے ذہنی و روحانی ارتقاء عمل میں آیا۔ تین ماہ میں قرآن حفظ کیا۔ قرأت اور تجوید قرآن میں خصوصی مہارت حاصل کی۔

علوم عربیہ کی تحصیل و تکمیل مدرسہ دارالرشاد پیر جھنڈو اور مدرسہ غزنویہ امرتسر سے کی۔ جن استادوں سے خصوصی درس لئے ان میں مولانا عبدالحق بہاولپور مہاجر کی اور مولانا ثناء اللہ امرتسری کے نام قابل ذکر ہیں۔ حاجی حافظ بدیع الدین شاہ علوم باطنی و علوم ظاہری، اللہ کی دونوں نعمتوں سے مالا مال ہیں۔ ان کی زندگی اشاعت اسلام، فروغ علم، خدمت خلق اchiائے دین، اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے احکامات و تعلیمات کو عام کرنے کے جد مسلسل میں گزری۔ انہیں سرور کائنات، سرکارِ دو عالم، نبی آخر الزماں حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ سے والہانہ محبت ہے۔ اس محبت سے سرشار ہو کر کئی بار حج بیت اللہ سے مشرف ہوئے۔ مکہ معظمہ، مدینہ منورہ اور مشرق وسطیٰ کے ممالک و مقامات کی سیاحت و زیارت کی۔ جہاں جہاں تشریف لے گئے وہاں دین محمدی ﷺ کی شمعیں فروزاں کرتے رہے۔ ان مقامات کی برگزیدہ شخصیات علمی اداروں، دینی دانش

☆ معروف ادیب، مقالہ نگار، مؤرخ، پی۔ ایچ۔ ڈی (اردو ادب)، سندھ یونیورسٹی جامشورو

گاہوں اور کتب خانوں سے استفادہ کیا۔ انہوں نے مکہ معظمہ میں قیام کے دوران وہاں مستقل سکونت اختیار کرنے کا ارادہ کیا لیکن رب کعبہ کو کچھ اور ہی منظور تھا اپنے وطن واپس آ گئے۔ یہاں اپنے وطن عزیز پاکستان میں روز و شب اپنے علمی و دینی مشن کی تکمیل میں ہمہ تن مصروف رہتے ہیں۔

سادگی حسن سلوک، منکسر المزاجی، انسانوں سے محبت، حاجت مندوں سے ہمدردی، دین سے رغبت، علم و عرفان سے شفقت، راشدی گھرانے کا خاص شعار رہا ہے یہ تمام اوصاف بدیع الدین شاہ میں پوری شان فقر و غنا کے ساتھ موجود ہیں۔ وہ سلف صالحین کا ایک عملی نمونہ ہیں تواضع، انکسار، اخلاق فاضلہ، زہد و تقویٰ، استقلال و استغنا جیسی صفات کے پیکر و گلداز ہیں۔ ان کی نور علی نور شخصیت میں نہایت دلبری و دلکشی ہے۔ ان کے حلقہ بگوشوں میں ہر خاص و عام شامل ہے۔ ان کے مریدین، عقیدت مندوں اور تلامذہ کی کثیر تعداد میں علماء و فضلاء صوفیا و فقہا بھی ہیں۔ نیو سعید آباد نواح حیدر آباد سندھ میں ان کا کتب خانہ اسلامی علوم و فنون کا ایک گنجینہ گراں مایہ ہے۔

رئیس محققین بدیع الدین شاہ راشدی قرآن و حدیث اور فقہ کے نامور عالم ہیں۔ علمی و دینی موضوعات اور فقہی مسائل پر بے شمار مضامین اور متعدد کتابیں تحریر فرمائی ہیں۔ عربی، فارسی، سندھی، اردو زبانوں پر مکمل دسترس رکھتے ہیں۔ موقع محل کے مطابق قرآنی آیات اور احادیث نبوی ﷺ کے حوالہ جات سے پیچیدہ سے پیچیدہ شرعی مسائل کو جس ادراک و استدراک سے حل کرنے کی قدرت رکھتے ہیں اس سے ان کی فاضلانہ عظمت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ موضوع و مواد کے لحاظ سے عربی و فارسی زبان، اس کے الفاظ و استعارات اور تراکیب کا استعمال انہیں خوب آتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے مضامین و قیغ اور علمیت سے پُر ہوتے ہیں۔ جو عبارت ہے سلیجی ہوئی، جو جملے فقرے ہیں رواں اور صاف کوئی، تقریر ہو یا تحریر، خطابت ہو یا مناظرہ اس کا معیار شاہ صاحب کے مرتبے کی ضمانت ہوتا ہے گویا وہ ان تقریر، تحریر، درس و تدریس، مناظرہ محاکمہ ہر میدان کے شہ سوار ہیں۔

شیخ الاسلام بدیع الدین شاہ راشدی کی تصانیف مع تفاسیر کی تعداد ستر (۱۵۰) سے تجاوز کر چکی

ہے۔

علامہ بدیع الدین شاہ کی مادری زبان سندھی ہے، ان کے اسلاف میں فارسی کا رواج عام تھا۔ شاہ صاحب کے درس و تدریس کا سلسلہ زیادہ تر عربی زبان میں رہا۔ لیکن انہیں اردو سے محبت ہے کئی پشتوں سے ان کے گھرانے میں اردو زبان اسی طرح بولی لکھی اور پڑھی جاتی ہے جس طرح اردو زبان دانوں کا دستور ہے۔ یہ امر بھی خاص طور پر قابل ذکر ہے کہ سندھ میں اردو زبان و ادب کی ترویج و اشاعت میں شاہ صاحب کا بھی بڑا حصہ رہا ہے۔

ذیل میں شاہ صاحب کی بعض مطبوعہ اردو کتابوں کا تعارف کرایا جاتا ہے۔
 ”ارسال الیدین“ فقہ کا ایک ایسا مسئلہ ہے جس کے بارے میں مختلف مکاتب فکر میں اختلاف پایا جاتا ہے اس موضوع پر مولانا حافظ عبداللہ نے دو مضامین لکھے۔

۱. ارسال الیدین

۲. رفع الایہام فی جواب دلیل التام (مطبوعہ ہفتہ وار تنظیم الاحمدیہ فروری ۱۹۶۶ء)

علامہ بدیع الدین شاہ نے اس مسئلے پر تین رسائل قلمبند کئے۔

۱. زیادة الخشوع

۲. الدلیل التام علی ان سنتی المصلیٰ الوضع کلما قام

۳. الاعلام بجواب رفع الایہام وتائید الدلیل التام

شاہ صاحب نے اس مناظرے کے دوران جو رسالے قلمبند کئے ان میں ہر مسئلہ پر آیات قرآنی اور احادیث نبوی ﷺ کی روشنی میں مدلل بحث کی ہے۔ اپنے موقف کی تائید اور استدلال میں آنحضرت ﷺ کے طریقہ نماز کی عملی مثالیں بھی پیش کی ہیں۔

شاہ صاحب کی دیگر چند غیر مطبوعہ کتابیں یہ ہیں جو مکتبہ راشدہ نیو سعید آباد کے کتب خانے میں بطور قلمی نسخے محفوظ ہیں۔

۱۔ بدیع الفتاویٰ

یہ ایک ہزار صفحات کی ایک ضخیم کتاب ہے۔ شاہ صاحب کے اکثر مریدین ارادتمند اور دیگر حضرات

کسی نہ کسی شرعی مسئلے پر شاہ صاحب سے فتویٰ حاصل کرتے رہتے ہیں۔ شاہ صاحب نے ان کے جواب میں جو فتاویٰ صادر فرمائے۔ ”بدیع الفتاویٰ“ ان ہی کا مجموعہ ہے۔

۲۔ تنقید السدید بر رسالہ اجتہاد و تقلید

۳۶۵ صفحات کی یہ کتاب ۱۹۶۵ء میں علامہ محمد ادریس کاندھلوی کے رسالہ موسوم بہ ”اجتہاد و تقلید“

کے جواب میں تحریر کی گئی ہے۔

۳۔ توحید خالص

ختمات ۲۰۰ صفحات اس کتاب میں قرآن کریم کی آیات اور حضور ﷺ کی بعض حدیثوں کے حوالوں سے مسئلہ وحدت الوجود کی صراحت کی گئی ہے یہ کتاب بعض طبقوں کی غلط فہمیوں کے ازالہ کی غرض سے لکھی گئی۔

۴۔ نشاط العبد

یہ ۳۷۷ صفحات کا ایک کتابچہ ہے جس میں اس مسئلے کو زیر بحث لایا گیا ہے کہ نماز کے دوران ”ربنا لک الحمد“ باواز بلند کس موقع پر کہنا چاہیے۔ اس مسئلہ پر شاہ صاحب نے اپنے نقطہ نظر کی صراحت کی ہے۔

۵۔ بدیع التفسیر

قرآن حکیم اللہ تعالیٰ کی وہ عظیم الشان کتاب ہے جس کا جواب آج تک ہو سکا ہے۔ نہ قیامت تک ہوگا۔ قرآن کریم کا ترجمہ دنیا کی اکثر و بیشتر چھوٹی بڑی زبانوں میں ہو چکا ہے اور یہ سلسلہ ہنوز جاری ہے ان میں سب سے زیادہ ترجمے سورہ الفاتحہ اور سورۃ الفرقان کے ہوئے ہیں۔

سندھ کو اس اعتبار سے اولیت حاصل ہے کہ برصغیر پاک و ہند میں قرآن شریف کا سب سے پہلا مکمل ترجمہ سندھی زبان میں تیسری صدی ہجری میں ہوا۔ یہ ترجمہ ایک عراقی عالم نے فرماں روا منصورہ کے عہد حکومت (۸۸۱ء، ۸۷۰ء، ۹۱۵ء، ۳۰۳ھ) میں راجہ مہروک بن رائق کی فرمائش پر کیا تھا۔

سندھ کو یہ فوقیت بھی حاصل ہے کہ قرآن حکیم کا پہلا مکمل فارسی ترجمہ سندھ کے بہت بڑے صوفی

بزرگ مفکر اسلام مفسر قرآن حضرت مخدوم نوح سرور ہالائی نے دسویں صدی ہجری میں کیا تھا۔ یہ مکمل فارسی ترجمہ (۹۱۱ھ، ۱۵۰۴ء، ۹۹۸ھ، ۱۵۹۰ء) ۱۹۸۱ء میں سندھی ادبی بورڈ جام شورو حیدر آباد کے زیر اہتمام شائع ہو چکا ہے۔ تجزیاتی مطالعہ کے لئے ملاحظہ ہو راقم (ڈاکٹر وفاراشدی) کا مقالہ بعنوان برصغیر میں قرآن حکیم کا پہلا مکمل فارسی ترجمہ مطبوعہ ماہی دانش فرہنگی سفارت جمہوریت اسلامی ایران اسلام آباد شمارہ ۲۳/۱۹۹۰ء

مندرجہ بالا فارسی اور سندھی تراجم و تفاسیر کے بعد سے تاحال ہر دور کے مفسرین قرآن اور علمائے عظام نے نظم و نثر میں ترجمہ و تفسیر کے فرائض انجام دیئے ہیں۔ مخدوم ہاشم ٹھٹھوی قاضی عزیز اللہ، مولانا محمد صدیق مولانا تاج محمد امری، قاضی عبدالرزاق، مولانا محمد مدنی، مولانا احمد ملاح اور علامہ غلام مصطفی قاسمی کے سندھی ترجمے اور تفسیریں علمی اعتبار سے بہت معیاری ہیں۔ ان علمائے کرام کی خدمات جلیلہ سے ملت اسلامیہ سندھ ہمیشہ مستفیض و مستفید ہوتی رہے گی۔

شیخ الاسلام، استاذ التفسیر والمحدث علامہ سید ابو محمد بدیع الدین شاہ راشدی الہکی کا مرتبہ معارف علوم اسلامیہ میں بالعموم اور علم حدیث و فقہ میں بالخصوص بہت بلند ہے وہ بحیثیت مفکر اسلام و مفسر قرآن ان تمام اوصاف و کمالات کے حامل ہیں جن کی ودیعت خداوند کریم نے قرآن حکیم میں اپنے برگزیدہ بندے کے لئے کی ہے انہیں قرآن و حدیث سے فطری شغف ہے۔ وحدت و رسالت پر ان کا عقیدہ راسخ، شرک و بدعت اور کفر و الحاد کے خلاف جہاد ان کی زندگی کا نصب العین ہے۔

سندھی زبان میں قرآن مجید کا ترجمہ اور تفسیر موسوم بہ 'بدیع التفاسیر' علامہ بدیع الدین راشدی کا سب سے بڑا علمی و دینی کارنامہ ہے۔ بدیع التفاسیر کا مقدمہ ایک ضخیم جلد میں پہلے شائع ہو چکا ہے۔ مقدمہ کے علاوہ تیس پاروں کی الگ الگ تفسیریں تیس (۳۰) جلدوں پر مشتمل ہوں گی۔ اس اجمال کی تفصیل یہ ہے:

بدیع التفاسیر (بزبان سندھی)

جلد پھریون (جلد اول) احسن الخطاب فی تفسیر أم الكتاب

سورة الفاتحة تقطیع ۳۰ x ۲۰/۸ ضخامت ۴۹۴ صفحات ۱۴۰۶ھ / ۱۹۸۶ء ابتداء: از عبدالعزیز بن محمد

حسین نبرہ نگراں مکتبہ راشدیہ نیو سعید آباد

جلد بیو (جلد دوم) بشری البررة فی تفسیر سورة البقرة

تقطیع ۲۰x۳۰/۸ ضخامت ۵۵۸ صفحات ۱۴۰۸/۱۹۸۸ء

ابتدائیہ: عبدالغفار بن محمود جونیجو

شائع کردہ: جمعیت اہل حدیث سندھ

حدیث و تفسیر میں اس سورۃ کے اور بھی نام تفویض ہوئے ہیں۔ مثلاً اساس القرآن، القرآن العظیم، الکفر، الوافی، الحمد، الصلوٰۃ، الکافیۃ، الشفاء اور الدعا وغیرہ۔ اس سورۃ کا ایک نام ”سبع مثانی“ بھی ہے۔ اس لئے کہ اس کی آیات کی تعداد سات ہے۔ یہ سورۃ نماز کی ہر رکعت میں پڑھی جاتی ہے۔

سورۃ فاتحہ قرآن کا خلاصہ ہے:

قرآن پاک سورۃ الفاتحہ سے شروع ہوتا ہے نماز اسی سے شروع ہوتی ہے نزول کے اعتبار سے بھی سب سے پہلی سورۃ جو مکمل طور پر نازل ہوئی وہ یہی سورۃ ہے۔ گرچہ اس سے پہلے سورۃ اقراء منزل اور مدثر نازل ہو چکی تھی لیکن یہ مکمل نہیں تھیں۔

در اصل سورۃ فاتحہ ایک دعا ہے جو خدا نے ہر اس انسان کو سکھائی ہے جو اس کتاب کا مطالعہ کر رہا ہو یہ سورۃ ایک دُعا ہے بندے کی جانب سے اور قرآن اس کا جواب ہے خدا کی جانب سے۔ بندہ دُعا کرتا ہے اے پروردگار! میری رہنمائی کر جواب میں خالق قرآن و کائنات، قرآن اس کے سامنے رکھ دیتا ہے کہ وہ ہدایت و رہنمائی ہے جس کی دُعا تو نے مجھ سے کی ہے۔

سورۃ فاتحہ کی فضیلت میں بہت سی احادیث اور آثار منقول ہیں۔ مثلاً ایک موقع پر آپ ﷺ نے

فرمایا:

اللہ نے تورات اور انجیل میں اُم القرآن جو سبع مثانی بھی ہے، کی مانند کچھ نازل نہیں فرمایا۔ یہ سورۃ اللہ اور اس کے بندے کے درمیان منقسم ہے اور اس سے بندہ جو مانگے پاتا ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے آنحضرت ﷺ سے جن آیات کا عرش ربانی کے ساتھ معلق ہونا نقل کیا ہے

ان میں سورۃ فاتحہ بھی ہے حدیث میں اس سورۃ کو قرآن کی بہترین سورۃ ہر بیماری سے شفاء قرآن کی سب سے عظیم سورۃ بھی کہا گیا ہے۔

حضور ﷺ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے ارشاد فرمایا:

”اگر تم بستر پر سوتے وقت سورۃ فاتحہ اور سورۃ اخلاص پڑھ لیا کرو تو موت کے سوا ہر آفت سے محفوظ رہو گے۔“

بدیع التفسیر کی جلد اول، سورۃ الفاتحہ کی تفسیر کے پہلے باب میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے دنیا سے انکار، بدعت، عصییت، فرقہ بندی جیسی لعنتوں کا ذکر کیا گیا ہے اور ان چیزوں کو تعلیمات قرآن اور احکام الہی کے منافی قرار دیا ہے۔

دوسرے باب میں باطل فرقوں کے گمراہ کن عقائد و نظریات، دشمنان اسلام بالخصوص مغربی مفکرین کے مذموم خیالات اور اشتغال انگیز بیانات کا نہ صرف منہ توڑ جواب تحریر کیا ہے بلکہ اپنے موقف کی تصدیق و تائید میں انتہائی مؤثر اور عالمانہ انداز میں آیات قرآن و احادیث نبوی کی واضح حوالے بھی دیئے ہیں تیسرے باب میں قرآن کے اُن مضامین کا بیان ہے کہ کسی نہ کسی پہلو سے جن کا تعلق اور ربط سورۃ فاتحہ سے ہے۔

اس تفسیر کے آخری حصے میں قرآن حکیم کی ایک سو چودہ سورتوں کے خاص خاص نکات پر مبنی معنی آفریں اشاریہ کی شمولیت سے تفسیر کی افادیت مزید دو چند ہو گئی ہے۔ (سورۃ الفاتحہ سے سورۃ الناس تک)

دوسری جلد۔ سورۃ البقرۃ

بدیع التفسیر کی دوسری جلد سورۃ البقرۃ کے بعض رکوعوں پر مشتمل ہے۔ سورۃ البقرۃ قرآن کریم کی دوسری سورۃ ہے۔ اس سورۃ کو فسطاط القرآن (قرآن کا خیمہ، سنام القرآن (قرآن کی چوٹی یا کوہان) اور سورۃ الفردوس جیسے ناموں سے موسوم کیا جاتا ہے۔ یہ قرآن مجید کی طویل ترین سورۃ ہے۔ سورۃ البقرۃ مدنی ہے اس کا بیشتر حصہ ہجرت نبوی ﷺ کے بعد ابتدائی زندگی میں نازل ہوا۔ مگر حصہ ایسا ہے جو بعد میں نازل ہوا اور مضمون کی مناسبت سے اس میں شامل کر دیا گیا۔

مضامین کی کثرت کے سبب اس سورۃ کی اہمیت و فضیلت کے بارے میں ان احادیث و تفاسیر کی

کتابوں میں بہت کچھ لکھا گیا ہے۔ اس کے پڑھنے والوں کو اللہ تبارک و تعالیٰ خصوصی انعام و اکرام عطا کرتا ہے ان پر رحمتیں اور برکتیں نازل ہوتی ہیں۔ پورا ماحول شیطان کے شر اور فتنے سے محفوظ رہتا ہے۔ اس کے قارئین کو اسلامی معاشرے میں بڑی قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے انہیں سیادت، قیادت اور امارت کے اہل بھی قرار دیئے جاتے ہیں۔ یہ سورۃ احکام الہی کا جامع ہے اس میں اسلام کے بنیادی ارکان کی تفصیل ہے۔ زندگی کے اہم مسائل کا ذکر ہے اس سورۃ کی روشنی میں انسان زندگی کے ہر شعبہ میں راہنمائی حاصل کر کے کامیابی و نیک نامی سے ہمکنار ہو سکتا ہے روایت ہے کہ خلیفہ ثانی حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ جیسے جلیل القدر صحابی مقرب رسول ﷺ نے اس کے احکام و مسائل کو سمجھنے میں اور ان پر عبور حاصل کرنے میں بارہ سال اور آپ کے فرزند حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے آٹھ سال صرف۔ کئے سورۃ البقرۃ کی فضیلت کا اندازہ ان روایتوں سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے کسی مہم پر ایک لشکر روانہ کیا اس کی قیادت ایک نوجوان کے سپرد اس وجہ سے کی تھی کہ اسے سورۃ بقرۃ زبانی یاد تھی۔ حضرت لبید بن ربیعہ العامری عہد اسلام کی چوٹی کے شاعروں میں سے تھے، انہیں سورۃ بقرۃ یاد کرنے کے باعث بیت المال سے دو ہزار درہم وظیفہ ملتا تھا اس میں خلیفہ وقت حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے حکم سے پانچ سو درہم کا اضافہ کر دیا گیا تھا۔

علامہ بدیع الدین شاہ راشدی کی ”بدیع التفسیر“ کی مجموعی خصوصیات یہ ہیں کہ ہر سورۃ کی شان نزول، اس کا خلاصہ، فضیلت، الفاظ و معانی کی تحقیق، آیت کے ایک ایک لفظ کی معنوی، تشریح، زیر تفسیر سورۃ کی آیتوں کے ساتھ دوسری سورتوں کی آیات کا تعلق اور ربط کو بھی واضح کیا گیا ہے۔ احادیث نبوی ﷺ کی روشنی میں ان کے افادہ پہلوؤں کو بھی اُجاگر کیا گیا ہے۔

خدائے بزرگ و برتر ”بدیع التفسیر“ کے مفسر عالی مرتبہ علامہ سید بدیع الدین شاہ صاحب کو جزائے خیر عطا فرمائے کہ انہوں نے علماء و دینی معلومات سے بھرپور فکر انگیز بصیرت افروز اور ایمان پرور تفسیریں نہایت خوش اسلوبی سے تحریر فرمائی ہیں۔ ان کے فاضلانہ تراجم و تفاسیر، شرح و مطالب اور عالمانہ و محققانہ تحریریں پڑھتے وقت ایسا لگتا ہے کہ شاہ صاحب راح العقیدہ مومن ہونے کے ساتھ ساتھ قلم کے بادشاہ اور علم و فضل کے دہنی بھی ہیں۔ ان کی زبان میں لطافت، بلا کی روانی و برجستگی، سلاست و فصاحت، طرز بیان

کی دلکشی قرآن کی عظمت کو دل پر ثبت کر دیتی ہے۔ ایمان کی حرارت موجزن ہو جاتی ہے عمل صالح کی ترغیب ہوتی ہے فکر آخرت کا جذبہ بیدار ہوتا ہے۔

سورۃ الفاتحہ اور سورۃ البقرۃ کی متعدد تفسیروں دیگر زبانوں کی طرح سندھی زبان میں بھی موجود ہیں لیکن علامہ بدیع الدین شاہ راشدی نے ان سورتوں کی تفاسیر جس شرح بسط اور وضاحت و فصاحت کے ساتھ تحریر فرمائی ہیں اس کی مثال سندھی زبان تو کیا کسی دوسری زبانوں میں بھی ملنی مشکل ہے۔

جمعیت اہل سندھ کے معزز ارکان و علمائے عظام خصوصاً مولانا عبداللہ ناصر رحمانی استاد الحدیث جامعہ دارالحدیث رحمانیہ کراچی، عبدالعزیز بن محمد حسن نہڑیو نگراں مکتبہ راشدیہ سعید آباد، عبدالغفار بن محمود جونیجو اور شاہ صاحب کے مرید خاص مولوی محمد سلیم دہلی والے لائق تحسین اور مبارکباد کے مستحق ہیں کہ انہوں نے شاہ صاحب کی بدیع التفاسیر کی طباعت و اشاعت کا اہتمام کر کے نہایت قابل قدر علمی و دینی فریضہ انجام دیا ہے۔ (بشکریہ ماہنامہ ”آگہی“ کراچی)



تفسیر ”بدیع التفاسیر“ کا مختصر اشاریہ (انڈیکس)

قرآن کریم ایک ایسا بحرِ عمیق ہے جس میں رشد و ہدایت کے متلاشیوں نے خوب خوب غواصی کی۔ مگر یہ سمندر بے پایاں دولت و ثروت کی وجہ سے سب کے لئے اپنا دامن عطاء و بخشش پھیلانے ہوئے ہے۔ اصحاب عقل و بینش علم و فن سے لیس ہو کر اس بحرِ ناپیدا کنار میں اپنی کشتیاں ڈالتے رہے اور اپنی اپنی طلب و جستجو کے مطابق اس سے بہرے، جواہرات نکال کر اپنے دامنِ علم کو بھرتے رہے۔ مگر اس کی موجوں کی تلاطم خیزیوں اب بھی مسلسل اہل فکر کو دعوتِ نظارہ دے رہی ہیں اور ”ہل من سائل“ کی آوازہ بدستور گونج رہی ہے۔

آج تک قرآن مجید کی بے شمار تفاسیر لکھی جا چکی ہیں۔ بقول شاعر

ع ”ہر گلے را رنگ و بوئے دیگر است“
مگر کسی مصنف نے یہ نہ کہا کہ میری یہ تفسیر قرآن کی آخری تفسیر ہے۔ کیونکہ

جميع العلم فى القرآن لكن
تقاصر عنه افهام الرجال

اسی لئے امام رازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

”كل ما ذكرنا من لطائف القرآن قطرة من البحر“

قرآن کریم کی تفسیر میں ہم نے جتنے بھی علمی نکات بیان کئے ہیں وہ سب کے سب علوم قرآنی کے سمندر میں سے ایک قطرے کی حیثیت رکھتے ہیں۔

علامہ ابو محمد بدیع الدین شاہ راشدی رحمہ اللہ گلستانِ علم و ادب کا حسین پھول تھے وہ جب تک زندہ رہے اپنے علم کی خوشبو سے دنیا کو مستفید فرماتے رہے۔ جب اس دنیا سے رخصت ہوئے تو اپنی تحقیقی و علمی تصنیفات سے آنے والی نسلوں کی رہبری و رہنمائی کا اہتمام کر گئے ان کی تصانیف میں سے اہم تصنیف سندھی

☆ محکم جامعہ بحر العلوم السلفیہ میرپور خاص سندھ

زبان میں بدیع التفاسیر ہے جس کے اندر شاہ صاحب نے سب مسائل کو کھول کھول کر واضح کیا ہے اور یہ تفسیر سندھی زبان میں آج تک جتنی بھی تفاسیر لکھی جا چکی ہیں ان میں منفرد حیثیت رکھتی ہے۔

بندہ ناچیز نے بدیع التفاسیر کو کئی دفعہ پڑھا اور اس کا مختصر اشاریہ (انڈیکس) بنانے کی جسارت کی ہے تاکہ قارئین کرام کے لئے آسانی ہو جائے اور میں نے اس اشاریہ پاک کو ابواب فقہیہ پر ترتیب دیا ہے تاکہ قاری جلد اپنے مطلوب تک رسائی حاصل کر لے۔

مضمون	جلد/صفحہ نمبر
آسانی کتابوں پر ایمان لانا اور ان کے اتارنے کا مقصد	۳۳۸/۲
قبر کا عذاب	۲۰۸/۲
ملائکوں کا تذکرہ	۳۳/۳
روح القدس کا بیان	۳۳/۳
جبرائیل کا بیان	۶۲-۲۲۱/۳
میکائیل کا بیان	۶۲/۳
ہاروت و ماروت کیا فرشتہ تھے؟	۷۰/۳
جنت کا ذکر	۱۷۶/۲، ۲۲۶، ۱۸۰
جنتیوں کی صفات	۱۸۳/۲
حورالعین کا بیان	۸۳-۱۸۳/۲
خوف خدا	۵۰.....۹
توکل علی اللہ کا مفہوم و مطلب	۵۱/۹
احادیث کی روشنی میں	

مضمون	جلد/صفحہ نمبر
کتاب الایمان	
ایمان کا معنی مفہوم	۲۲/۲
ایمان بالغیب کا مفہوم	۳۷/۲
ایمان اور اسلام میں کیا فرق ہے	۳۳/۲
قرآنی آیات سن کر ایمان میں اضافہ ہونا	۵۱/۹
ایمان میں کمی پیشی کا بیان	۳۰/۲
مومن کی نشانیاں و صفات	۳۹ و ۲۶۵/۹
ایمان کیلئے صرف زبانی اقرار کافی نہیں	۱۰۱/۲
موت کے وقت ایمان قابل قبول نہیں	۱۶۳/۱۰
قیامت کا بیان	۲۰۰ تا ۱۲۸/۶
آخرت پر ایمان لانا	۸۳/۲
قیامت کی نشانیاں	۲۷ و ۱۰۸/۸، ۲۳۷
ملائکہ پر ایمان لانا	۲۱۶/۲

کتاب التوحید	کتاب العقائد
توحید ربوبیت ۲۰۳، ۲۲، ۲۱/۱۰	تقدیر کا مسئلہ ۲۰۴/۱۰
توحید الوہیت ۲۹، ۲۰، ۲۱/۱۰	موت کے بعد دوبارہ زندہ ہونا ۴۳/۱۰
توحید اسماء و صفات ۲۰۳، ۲۱/۱۰	۱۱۴، ۱۱۳
صفت علو ۲۳۶، ۳۰/۱۰	قبروں سے اٹھنے کا بیان ۲۰۹/۱۰
صفت علو ۲۱۱/۲	موت کا بیان ۳۰۱/۶
صفت قی ۲۱۱/۲	عقیدہ ۲۸۷، ۲۸۱/۳
توحید ۳۶۰، ۲۷/۱۰	غیب کی چابیاں صرف اللہ کے پاس ہیں ۹۴/۸
توحید کی دعوت ۶-۸/۱۰	عقیدہ ختم نبوت ۲۳۲/۱
انبیاء کی دعوت توحید ۶۴۱/۱۰	اللہ تعالیٰ کا عرش عظیم پر ہونا ۲۹۰/۸
عبادت صرف اللہ کی ۵۷۴/۱۰	صراط مستقیم کے متعلق سلف صالحین ۲۰۹/۱
صفات باری تعالیٰ ۳۲۳، ۳۰۷/۳	کے اقوال
علم الغیب ۶۵/۱۰	میزان کے متعلق احادیث ۲۹۸/۸
مشکل کے وقت اللہ کو پکارو ۷۷/۱۰	یوم الدین آخرت کے اسماء میں سے ۱۶۵/۱
مشکل کے وقت مشرک بھی اللہ کو پکارتے ہیں ۷۷/۱۰	ایک ہے
رزق دنیا رب کا کام ہے ۹۴/۱۰	دین الہی اور دین وضعی میں فرق ۱۸۳/۱
اللہ کے علاوہ کسی سے مدد نہیں مانگنی چاہیے ۱۹۶/۱	قیامت کے دن کے نام ۱۸۶/۱
اسمائے الحسیٰ اور اس کی تشریح ۱۰۱، ۹۱/۱	رؤیت باری تعالیٰ ۱۸۱/۸
الرحمن الرحیم کا معنی و مفہوم ۱۷۰، ۱۰۵/۱	کیا نبی ﷺ نے اللہ کو دیکھا ہے؟ ۱۷۱/۸
رب العالمین کا صفت باری تعالیٰ ۱۶۱/۱	ان اللہ یحیون بین المرز و قبلہ کا مفہوم ۱۱۸/۹
	صفت معیت کا مطلب ۲۵۷/۹

۲۰۷-۲۰۷/۶	جنابت کے مسائل	۱۰۱۵۹۱/۱	لفظ اللہ کی تشریح
۲۱۰۵۲۰۷/۶	تیمم کے مسائل	۲۶۴/۱	شرک اور اس کی مذمت
۱۵۶/۶	تیمم کا ایک مسئلہ	۱۹۵-۱۹۴/۱۰	شرک کا رد
۱۳۸/۶	قرآن حدیث میں تمام مسائل کا حل موجود ہے	۱۳۶/۱۰	اللہ تعالیٰ کی طرف اولاد کی نسبت کرنا سب سے بڑا شرک ہے
۶۵/۷	وضو پر اہل تشیع کے اعتراضات اور انکے جوابات	۱۵۷، ۱۵۳/۲	اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کیا جائے
۸۰/۷	وضوء سے پہلے بسم اللہ پڑھنا	۱۵۶، ۱۵۵	کوئی بھی چیز غیر اللہ کے نام دینا شرک ہے
۸۰-۷۴/۷	وضوء میں اعضاء کی ترتیب اور درمیان میں دعا پڑھنا	۴۷۱/۳	شرک کی مذمت کے متعلق آٹھ احادیث
۸۲/۷	موزوں پر مسح کا بیان	۲۲۳ تا ۲۲۱/۱۰	شرک کبیرہ گناہ ہے
۸۶/۷	کندھے کا مسح کرنا	۲۱۳ تا ۲۱۲/۶	شرک کی تردید کا بیان
۸۷/۷	غسل کے اہم مسائل	۱۱۳/۸	ظلم سے مراد شرک ہے
۸۹/۷	کن چیزوں سے غسل واجب ہوتا ہے	۱۲۶/۸	کتاب الطہارت
۹۸/۷	جنبی سے تعلق رکھنے والے مسائل کا بیان	۲۳۸/۴	تحیۃ الوضوء
۱۰۴/۷	نوافض الوضوء	۱۹۹/۳	جمعہ کے دن غسل کرنا
	کتاب الصلوٰۃ	۱۹۹-۱۸۷/۳	خمس من الفطرہ
۶۳ تا ۲۸/۲	نماز کی اہمیت و فضیلت	۲۷۵/۶	پانی کے متعلق دو مسائل
۵۱/۲	نماز کا تارک مسلمان نہیں	۳۰۲/۶	پختہ عمارت بنانا
۵۵/۲	تارک نماز کے بارے میں علمائے ملت کے اقوال	۳۰۱/۳	داڑھی کا خلال
۵۹/۲	تارک نماز کی مذمت قرآنی آیات سے	۲۰۶/۳	داڑھی کے متعلق مودودی صاحب کا فتویٰ اور اس کا رد

۶۰۵۱/۲	تارک نماز کی مذمت احادیث کی رو سے
۶۲/۲	نماز کی ترغیب میں آیات و احادیث
۳۲۷/۲	باجاماعت نماز کی فضیلت احادیث کی روشنی میں
۳۳۳/۲	امامت کے مسائل
۳۳۷/۲	کیا عورت عورت کی امامت کر سکتی ہے
۳۳۳/۲	اگر کوئی نقلی نماز پڑھ رہا ہے۔ اس کے پیچھے فرض نماز کی نیت کر کے نماز پڑھی جائے تو کیا نماز ہو جائے گی؟
۳۶۱۶۳۳۲/۲	جماعت کے متعلق ۱۳۷ اہم مسائل
۲۳۰۵۲۱۹/۳	نماز کا طریقہ احادیث کی روشنی سے
۲۳۳/۳	عکبیر کے بعد نقلی نماز جائز نہیں
۲۱۵/۳	اگر کوئی کھڑا ہو کر نماز نہیں پڑھ سکتا تو بیٹھ کر نماز پڑھ سکتا ہے
۲۰۵/۶	نشے کی حالت میں نماز
۲۵/۱	سورۃ فاتحہ نماز کا رکن ہے
۴۰/۱	سورۃ فاتحہ کے بغیر نماز نہیں ہوتی
۴۲/۱	سورۃ فاتحہ کے متعلق احناف کے اعتراضات اور ان کے جوابات
۲۳۲۳۳۰/۱	آمین کی فضیلت
۲۳۸۵۲۳۲/۱	نماز میں جبری آمین کا حکم
۲۵۰/۱	احناف کے اعتراضات اور اس کے مسکت جوابات
۵۹/۱	رکوع میں ملنے والی رکعت شمار نہ ہوگی
۷۸۵۶۰/۱	مدرک الرکوع کے متعلق اعتراضات کے جوابات
۲۹۹/۶	رفع الیدین نہ کرنے والوں کا استدلال اور ان کا رد
۳۵۴/۸	ایک ہی کپڑے میں نماز پڑھنا
۲۰۰/۱	نماز میں اللہ کے سامنے کھڑے ہونے کی کیفیت
۲۰۲/۱۰	نماز کے حقوق و شرائط
۱۵۹/۱۰	جماعت کے ساتھ نماز پڑھنا دوسری امتوں کو بھی حکم تھا
۲۱۵/۳	نماز میں سلام کا زبان سے جواب دینا منع ہے
۱۵۸/۱۰	بشکل وقت میں نماز پڑھنے کا حکم
۴۸۲/۶	نماز میں سستی
۲۱۶/۱۰	نماز کو پانچ وقت پڑھنا
۳۶۴/۱۰	نماز کے فوائد
۳۹۷/۶	نماز کے اوقات
۲۰۹/۳	حافظوا علی الصلوٰۃ

کتاب الصیام			
روزے کی فضیلت و فرضیت	۵۲۳/۳	صلوۃ الوسطی سے کیا مراد ہے	۲۱۰/۴
احادیث کی روشنی میں	۵۲۴	فرض نماز کی سنتوں کا بیان	۲۳۰/۴
پیماری کی حالت میں روزے کا حکم	۵۳۳/۳	صلوۃ الوتر اور اس کی اہمیت	۲۳۷/۴
روزوں کے مسائل	۶۳۰۵۹۰/۳	صلوۃ الوتر کے احکام	۲۳۸/۴
رمضان المبارک	۵۳۹/۳	وتر کی رکعتیں	۲۳۹/۴
آداب صیام	۵۵۸/۳	دعا قنوت مسنون ہے	۲۴۱/۴
نفل روزوں کے اقسام	۶۰۳/۳	تحیۃ المسجد کا حکم	۲۴۷/۴
سفر میں روزہ رکھنے یا چھوڑنے کا اختیار	۵۳۵، ۵۳۳/۳	سفر نماز کے مسائل	۳۸۳، ۳۹۳/۶
حاملہ اور مرقعہ کو روزہ چھوڑنے کی اجازت	۵۳۶/۳	صلوۃ الخوف کا حکم	۲۱۷/۴
عاشورہ کا روزہ	۵۶۳/۳	صلوۃ الخوف کے طریقے	۳۸۸/۶
وہ ایام جن میں روزہ نہیں رکھا جاسکتا	۶۱۶۵۶۱۱/۳	نماز اشراق اور اس کا حکم	۲۴۴/۴
روزہ میں حرام کام	۶۲۰/۳	چاشت کی نماز	۲۴۴/۴
وہ جگہیں جہاں پر ۳، ۳ یا ۶ مہینے	۵۷۵/۳	صلوۃ التبع کا حکم	۲۴۷/۴
دن یا رات ہوتی ہے، وہاں پر		صلوۃ العیدین	۲۵۰/۴
روزے رکھنے کا طریقہ		صلوۃ الحاجہ	۲۴۹/۴
وہ کام جن سے روزہ نہیں ٹوٹتا	۶۲۹۵۶۲۳/۳	صلوۃ التوبہ کا حکم	۲۴۷/۴
اعتکاف کی فضیلت اور اسکے مسائل	۶۳۶۵۶۲۳/۳	صلوۃ الکسوف	۲۵۰/۴
کتاب الزکوۃ		صلوۃ الکسوف کے احکام	۲۹۲/۴
مال کے متعلق احکام اور مال جمع	۲۶۷/۹	صلوۃ الاستسقاء	۲۵۵/۴
کرنے کی مذمت	۲۶۸	صلوۃ الاستسقاء کی دعائیں	۲۵۶/۴
		کافر اور مسلمان کی مثال	۲۵۸/۱۰

۶۹۵/۳	احرام کے بغیر مکہ میں داخل ہونا	۴۴۴/۹	مسافر کو زکوٰۃ دینا
۷۲۲/۳	احرام کی حالت میں خادم کو تنبیہ کرنا	۳۲۱ تا ۳۰۴/۲	زکوٰۃ اور اس کے متعلق تمام مسائل
۳۷۴/۳	صفا مروہ کے درمیان سعی کا حکم	۴۳۷-۳۱۰/۹-۲	فرضی زکوٰۃ کا نصاب اور اسکے مستحقین
۷۳۹/۳	صفا مروہ کے متعلق ضروری احکام	۳۲۱/۲	صدقۃ الفطر کے مسائل
۷۲۶/۳	دوران حج خرید و فروخت کرنا	۳۷۵/۴	صدقات کا بے حساب ثواب اور اس کے آداب
۲۲۸ تا ۲۲۱/۳	مقام ابراہیم علیہ السلام	۳۹۲ تا ۳۷۹/۴	صدقات کے متعلق احادیثیں
۳۷۱/۳	صفا مروہ	۷۷۰/۴-۲	اتفاق فی سبیل کی فضیلت آیات و احادیث کی رو سے اور قبولیت کے شرائط
۷۳/۳	عرفات	۳۷۹-۷۷	ربع دینار کے بارے میں تحقیق
۱۸۲/۳	ابراہیم علیہ السلام کی فضیلت	۲۱۱/۷	کتاب الحج
۲۱۸، ۲۷۶			
۳۴۷/۴	ابراہیم علیہ السلام کا ذکر	۶۹۷/۳	حج و عمرہ کی فضیلت احادیث کی روشنی میں
۳۵۲/۴	ابراہیم علیہ السلام کا مناظرہ	۷۳۱/۳	حج کے احکام
۳۵۲/۴	ابراہیم علیہ السلام کا مناظرہ	۷۸۷ تا ۷۵۷/۳	حج کے متعلق مسائل
۷۶۴/۳	حجر اسود کے متعلق ضروری مسائل	۵۷۲/۳	حج کے موقع پر مختلف جگہوں پر دعا کرنا
۷۳۳ تا ۷۳۰/۳	عرفات سے تعلق رکھنے والے مسائل	۷۸۵، ۷۰۶/۳	احرام کی حالت میں ممنوعہ کام
۷۶۳ تا ۷۶۲/۳	لبیک کے متعلق مسائل	۳۷۵/۳	عمرے کے مسائل
۷۷۸/۳	مسجد نبوی کی زیارت کرنا	۶۹۲/۳	عمرہ واجب ہے فرض ہے یا نہیں؟
۷۸۱/۳	احناف کے نزدیک مدینہ منورہ حرم نہیں؟	۷۲۰/۳	رفتہ فسوق اور جدال کی تشریح
۷۷۴/۳	طواف افاضہ	۶۸۸/۳	احرام کے مسائل
	کتاب النکاح	۷۰۶، ۷۰۳	
۲۶	۲۵/۶		

۱۷۹/۴	رضاعت کی مدت	۳۶/۶	چار سے زائد شادیاں اور اس کا حکم
۱۱۹/۶	رضائی ماں کا بیان اور اس کی مثال	۱۲۴/۴	نکاح میں ولی کی شرط
۱۷۹/۴	ماں کے دودھ کا حکم	۱۲۴/۴	مشترک عورتوں سے نکاح جائز نہیں
۱۲۰/۶	رضاعت کے متعلق چند مسئلے	۴۰۲۳۵/۶	حق مہر کے مسائل
۱۳۱/۶	رضاعت کے متعلق تین خاص رکن	۱۹۹/۴	حق مہر کا حکم
	کتاب الطلاق	۲۱۰۶/۶	حرمت والے رشتے اور ان کی
۱۹۹/۴	مطلقہ عورتوں کی اقسام	۱۳۰	تفصیل
۱۶۰/۴	بیک وقت دی گئی تین طلاقیں ایک طلاق شمار ہوگی	۱۰۶۲۱۰۱/۶	عورتوں کے حقوق
۱۶۱/۴	طلاق کے متعلق حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا حکم	۳۲/۶	عورتوں کے درمیان انصاف کرنا
۲۰۱/۴	حصوہن میں امر و جوبی ہے یا استجابی	۱۳۲/۴	بیوی کو دبر سے آنا منع ہے
۶۷-۱۶۶/۴	خلع اور اس کے احکام و شرائط	۱۳۱/۶	لوٹڈی سے نکاح کی صورت میں اس کو حق مہر دینا
۱۶۹/۴	حلالہ کا حکم	۱۳۲/۶	لوٹڈی کے زانیہ ہونے کی صورت میں سزا کا بیان
۱۷۰/۴	حلالہ کی مذمت	۱۷۰/۶	مرد عورتوں پر نگراں ہیں
۱۳۴/۴	ایلاء کا حکم	۱۷۷، ۱۷۱/۶	عورتوں کے مسائل
	کتاب العدة	۱۷۷/۶	شوہر بیوی میں اختلاف کی صورت میں حکم
۱۹۷ تا ۱۹۱/۴	عدة کے مسائل		کتاب الرضاغ
۱۹۵/۴	وضع حمل کے بعد عدت ختم	۱۲۲ تا ۱۱۹/۶	رضاعت اور اس کے مسائل
۱۹۳/۴	اسلام اور جاہلیت میں عدت کے طریقے	۱۸۲/۴	رضاعت کے متعلق احکام
	کتاب الوصایا		
۵۱۷/۳	وصیت کا حکم استجابی ہے		

۱۵۵/۶	خیاری البیع کا مسئلہ	۵۱۷/۳	وصیت متعلق اہم مسائل
۴۶۸/۳	سود کے احکام	۵۲۱/۳	وصیت کرنے والا اپنی زندگی میں
۴۹۰/۳	سود کی مذمت احادیث کی رو سے		وصیت تبدیل کر سکتا ہے
	کتاب الاذکار والدعاء	۵۲۰/۳	غیر مسلم کی وصیت اور مسلمان وارث
۳۲۸/۳	ذکر کی فضیلت احادیث کی روشنی میں	۵۴۱/۳	وصیت کا پورا کرنا
۵۶۹/۳	آداب دعا	۵۲۱/۳	وصیت کا ارادہ ہو لیکن پہلے مرجائے
۳۶۵/۳	مصیبت کے وقت کی دعائیں		کتاب المیراث
۵۷۲/۳	مختلف اوقات کی دعائیں	۸۱۵۶۷/۶	میراث کے مسائل اور اسکے متعلق احکامات
۲۱۵/۱	دعا کا مفہوم اور اس کا تقاضا	۲۷۱/۳	میراث کا مسئلہ
۵۸/۱۰	اللہ تعالیٰ وہ دعا قبول کرتا ہے جو خیر و برکت کے لئے ہو	۶۰۵۵۵/۶	میراث کی تقسیم
۳۹۹/۸	دعا اور اس کے تعلقات	۳	والد یا بھائیوں کی موجودگی میں
۱۶۰/۱۰	اجتماعی دعا کرنا جائز ہے		دادے کی میراث کا حکم
۵۳۹۹/۸	دعا کی فضیلت میں احادیث اور اس کے آداب	۵۴۱/۶	کلامہ کا بیان
۴۰۲	آمین مستقل دعا نہیں دعا کے تابع ہے		کتاب الاستغفار
۱۶۰/۱۰	کیا صرف اللہ کا ورد جائز ہے؟	۱۳۴/۳	توبہ کی فضیلت
۳۲۳/۳	آیت الکرسی کی فضیلت	۷۱/۸	توبہ کے فوائد
	کتاب الشہادت	۹۶۵۹۵/۶	توبہ کے مسائل
۵۱۲، ۴۹۴/۳	گواہی کے احکام	۱۶۱۵۱۵۶/۶	کبیرہ گناہوں کا بیان
۲۴۴/۶	خائن کی گواہی قبول نہیں	۱۰/۲۱۵	اللہ سے بخشش مانگو
			کتاب البیوع
		۱۵۴/۶	تجارت میں اور چھوٹی قسم کھانا

۱۷۱، ۳۲۲/۹، ۶	جہاد کی فضیلت و غنیمت کے مسائل
۸۷۵، ۷۸۸/۳	جہاد کی فضیلت احادیث کی روشنی میں
۳۳، ۲۲۸/۹	جنگ بدر، حنین، تبوک کا واقع اور
۶۱، ۵۷۷	جنگ بدر کے اسباب
۲۰۸، ۲۸۸/۹، ۶	جہاد اور اس کی تیاری
۲۷۳/۹	جنگی قوانین کے بارے میں مسائل
۳۵۵	اور جزیہ کے مسائل
	کتاب الامارات
۲۲۲/۲	امیر کا یا امام کیلئے ایسے شخص کو ہونا
	چاہئے جس میں مندرجہ ذیل شروط ہوں
۲۵۵، ۲۵۳/۲	امیر کی اطاعت
۲۵۲/۶	امیر کی اطاعت کے متعلق حدیثیں
۲۵۲، ۲۳۲/۶	قاضی کا بیان اور اس کی اقسام
	کتاب الاطعمۃ والاشریۃ
۲۳۲/۳	مردار جانوروں کا حکم
۲۳۶/۳	اگر پانی یا دودھ میں مکھی گر جائے تو؟
۲۳۸/۳	خون کا حکم
۲۳۹/۳	خزیر کے گوشت کا حکم مختلف مذاہب میں
۲۳۲/۳	وما اهل لغير الله کا مفہوم
۲۳۶/۳	کوئی بھی کھانا یا خیرات اللہ کے لئے
۳۶۷	ہونا چاہئے

۵۱۶/۲	شادی کے متعلق احادیث
۵۱۷/۲	جھوٹی گواہی کبیرہ گناہ ہے
۵۱۸/۲	قرض کے متعلق احکامات
۳۲۳/۳	گواہی صرف معتبر دے سکتا ہے
	کتاب النذر
۴۲۲/۲	نذر کی فضیلت احادیث کی روشنی میں
۴۲۳/۲	درگاہوں پر نذر و نیاز پر فقہ حنفی کا فتویٰ
۲۲۳/۲	نذر و نیاز کے احکامات
۴۲۵/۲	جو چیز انسان کے اختیار میں نہیں اس
	میں کوئی نذر نہیں
	کتاب الحدود
۱۰۴/۲	شراب کی مذمت میں احادیث
۱۰۸/۲	شراب کے متعلق احکام و مسائل
۱۱۳/۲	شراب پینے والے کی سزا
۱۱۴/۲	جوا کی مذمت
	کتاب القصاص والدیات
۵۰۹، ۵۰۴/۳	قصاص کا بیان
۳۳۶/۶	دیت کا بیان اور کن حالات میں
۳۵۶	دیت نہیں؟
	کتاب الجہاد
۱۱۷، ۴۱/۹	جہاد کا اصل مقصد

۵۳۹/۲	برالوالدین	۴۷۲/۳	مجبوری کی حالت میں حرام چیز کھائی جاسکتی ہے
۵۴۰/۲	حقوق الوالدین	۱۲۶/۱۰	کیا جانوروں کو ذبح کرنا ظلم ہے؟
۵۴۵/۲	رشتہ داروں کے حقوق		کتاب الصید
۳۵۸/۸	دنیا آخرت کا بہترین اخلاق	۱۹۶/۸	ذبح کرنے کا طریقہ اور اس کے متعلق مسائل
۳۵۷، ۱۷۱/۸، ۶	صلو جی	۱۹۷/۸	کیا عورت ذبح کر سکتی ہے؟
۱۸۸/۶	ہمسایہ سے اچھا سلوک	۱۹۸/۸	اگر دوران ذبح جانور کی گردن اتر جائے تو کیا وہ جانور حرام ہو جائیگا؟
۱۹، ۴۴۶/۶، ۳	غلاموں سے سلوک		کتاب الاخلاق والاداب
۴۹۴/۳	یتیم مسکین وابن السبیل سے حسن سلوک	۶۰/۶	یتیم کے مال کو ظلم سے کھانا
۶۲۴/۸	عفو کی فضیلت	۲۰/۶	یتیم کا مال نہ کھانا، ۴ سے زائد شادیاں نہ کرنا
۵۴۸/۲	یتیموں کے حقوق	۵۵۰، ۲۱۰/۲، ۱۰	اخلاق حسنہ
۵۴۹/۲	مسکینوں کے حقوق	۱۵۳/۶	سود، جوا، لائری النعامی بانڈ کا حکم
۴۹۷/۳	وعدے کی پاسداری	۳۵۸/۶	اچھے آداب کا بیان
۳۶۷/۱۰	نیکی برائیوں کو مٹاتی ہے	۵۵۵، ۲۹، ۲۲/۶	یتیم کے کہتے ہیں اور اسکے دیگر مسائل
۴۸۸/۳	صبر و استقامت	۴۲۳/۶	کچھ آداب کا بیان
۳۹۳/۱۰	اتفاق اللہ کی رحمت ہے	۲۸/۱۰	اچھی عادات
۱۰، ۳، ۳۶۴/۲، ۳۶۹، ۲۱۵	صبر اور اس کی فضیلت	۴۶، ۴۶	
۴۳۹/۲	نجات کے اسباب	۲۸/۲، ۳، ۱۰	عمل صالح
۳۱/۲	تقویٰ کا مفہوم	۱۷۴، ۱۲۲	
۸۶/۲	فلاح یا فتنہ کیاب لوگ کون!		
۳۲۳/۶	اچھے کام میں سفارش کرنا		

۳۲۵/۶	سلام اور اس کے مسائل	۳۲۹	۳۲۵/۶	حسد کی مذمت
۱۲۷/۳	اخلاص	۱۲۷/۳	۷۸/۳	جادو کی مذمت
۱۳۸ تا ۱۳۵/۶	انصاف کا بیان	۱۳۸ تا ۱۳۵/۶	۵۳۱/۶	غلو کی مذمت
۱۳۵ تا ۱۳۳/۶	امانت کی اہمیت	۱۳۵ تا ۱۳۳/۶	۱۶۸/۶	حسدی بیان، بری تمنا
۳۷۶/۸	دوسوں سے اجتناب ضروری ہے	۳۷۶/۸	۳۸۹/۹	خودکشی کی مذمت
	کتاب مساوی الاخلاق		۴۷۸/۶	مگناہ کی مجلس میں بیٹھنا منع ہے
۲۹۳/۱	بداخلاقی کی مذمت	۲۹۳/۱	۱۰۰/۳	مشتبہ الفاظ استعمال کرنے سے گریز کیا جائے
۳۹۳/۴	ریاء کی مذمت	۳۹۳/۴	۳/۵۳	موت کی تمنا نہیں کرنی چاہیے
۲۹۴/۱	فرقہ بندی کی مذمت	۲۹۴/۱	۳۹۱/۹	ماتم کرنے کی مذمت
۵۲۸۱/۳۱	پیری مریدی کی مذمت	۵۲۸۱/۳۱	۶۴۲/۳	رشوت لینا حرام ہے
۴۱۰۲۹۲		۴۱۰۲۹۲	۶۷۵/۳	اپنے آپ کو ہلاکت میں نہیں ڈالنا چاہیے
۲۷۹/۱	تکبر کی مذمت	۲۷۹/۱	۳۹۸/۹	دنیا کی مذمت
۲۷۸/۱	عصبيت وقوميت کی مذمت	۲۷۸/۱	۲۹۱/۲	بنی اسرائیل کی ۱۵ نامناسب عادتیں جس سے اجتناب لازمی ہے
۲۷۷/۱	ظلم کی مذمت	۲۷۷/۱		کتاب المساجد
۲۷۴/۱	عشق کی مذمت	۲۷۴/۱	۳۹، ۱۳۶/۳	مسجد اور اس کی فضیلت احادیث کی روشنی میں
۵۵۳/۲	قتل و غارت کی مذمت	۵۵۳/۲	۱۳۴/۳	مساجد کے آداب
۱۹۲/۶	تکبر و فخر کی مذمت	۱۹۲/۶	۱۳۵/۳	مسجد میں حدود نافذ کرنا جائز نہیں
۴۶۰، ۱۹۴/۶	بخیلی کی مذمت	۴۶۰، ۱۹۴/۶		
۱۹۵/۶	دکھاوے کی مذمت	۱۹۵/۶		
۹۳ تا ۸۵/۶	زنا و لواطت کی مذمت	۹۳ تا ۸۵/۶		

۲۵۳/۶	اختلاف کی صورت میں قرآن و سنت	۲۳۷/۳	بیت اللہ شریف کی فضیلت احادیث کی روشنی میں
۲۳/۱۰	نبوت اور رسالت	۲۱۱/۳	قبلہ کا ذکر
۳۳۸، ۲۷۱/۶، ۱	بدعت کا رد	۳۳۶/۳	قبلہ کا مفہوم
۲۱۱، ۹۹، ۲۷۲/۱۰، ۱	تقلید کا رد	۳۳۷/۳	مسجد حرام کی وجہ تسمیہ
۱۰۰/۱۰	قیاس کا رد	۳۲۱/۹	اگر کسی مسجد میں شریک اشعار لکھے ہوئے ہوں تو اس میں نماز پڑھنا کیسی ہے
۳۱۳/۶	تحقیق کا ثبوت و تقلید کا رد	۵۳۷/۹	لمسجد أسس علی التقویٰ
۲۶۰، ۲۵۹/۶	استحسان اور قیاس کا رد	۵۳۹/۹	مسجد نبوی اور مسجد حرام کی فضیلت
۱۵۷/۷	فترۃ کی مدت کا بیان		کتاب فی بیان اتباع السنۃ
۳۲۱/۳	خبر واحد عقائد میں حجت	۵۱۷۳/۶	اطاعت رسول
۱۰۰/۱۰	ظن و گمان کی کوئی دلیل نہیں ہے	۳۰۶، ۱۷۴	اطاعت کرنے والوں کا مرتبہ
۲۵۵، ۲۴۳/۷	ویسے کا بیان	۲۸۱/۶	رسول اللہ ﷺ کی اتباع نہ کرنے والے کا انجام
	کتاب فضائل القرآن	۳۲۶/۶	قرآن و سنت کی پیروی اور قیاس آرائیاں اور رائے سے بچنا
۱۰/۱۰	قرآن کی صداقت	۳۱۰/۱	سیرت محمدی ﷺ
۵۱۰۰/۲، ۱۰	قرآن کا اعجاز	۲۵/۱۰	رسول اللہ ﷺ کی مخالفت کفار کی سازشیں
۱۶۸، ۸۷، ۱۰۳	قرآن کی حفاظت	۳۱۶/۶	حدیث حجت اور واجب الاتباع سے
۶۵۸/۶	تذکرہ قرآن		
۳۱۲/۶	قرآن اللہ کا کلام ہے		
۲۹۳/۱۰	قرآن مخلوق یا غیر مخلوق ایک مشہور قصہ		
۳۰۲/۸	قرآن میں کوئی غیر عربی لفظ استعمال نہیں		
۳۸۳/۱۰			

۲۳/۱	سورة فاتحہ کے متعلق مسائل	۳۱۳/۶	وحی کے علاوہ باقی تمام اقوال میں غلطی کا امکان ہے
۱۶/۵	سورة البقرة کی فضیلت اور اس کے نام	۱۰/۱	ایک انگریز کا قرآن پاک کی چند آیات پڑھ کر ایمان لانے کا واقعہ
۴۵۹/۲	گائے کا قصہ	۲۳۷/۷	شاہ صاحب کا دورہ یورپ اور عیسائیوں کا قرآن پر اعتراض
۵۴۳/۴	سورة البقرة کے آخری رکوع کی فضیلت	۸۰،۵/۱	آداب تلاوت
۵۱۲،۱۱/۶	سورة نساء کا نام اور وجہ تسمیہ اور فضیلت شان نزول ربط اور خلاصہ	۱۰۹/۳	ناسخ و منسوخ کا مسئلہ
۲۱/۶	آیت کا شان نزول اور ربط	۵۳۹/۳	فتح کا مسئلہ
۳۳۴،۲۳/۶	آیت کا شان نزول	۵۴۴	
۴۷۵۴۶		۸۲/۳	معجزہ اور کرامت میں فرق
۱۳/۷	سورة مائدہ کے مختلف نام	۷۷۳/۱	استعاذہ کا حکم
۱۹/۱۰	سورة یونس اور اس کی فضیلت	۷/۱	استعاذہ کس وقت پڑھنا چاہیے
۳۷۷/۱۰	سورة یونس کی فضیلت اور وجہ تسمیہ	۸۰/۱	بسم اللہ کی اقسام
۲۰۰/۱۰	سورة ہود کی فضیلت اور نام	۱۴۰ تا ۱۱۵/۱	بسم اللہ کے متعلق مسائل
۶۰۵/۱۰	سورة ابراہیم کی فضیلت	۱۳۸ تا ۱۳۲/۱	حمد اور اس کے احکام و مسائل
۶۵۵/۱۰	سورة حجر کی وجہ تسمیہ اور اس کی فضیلت	۱۳۱/۷	نور و کتاب مبین کا مفہوم
۲۸/۸	سورة انعام کی فضیلت اور اس کے نام	۱۳۸/۷	قرآن میں مسئلہ نور و بشر
۲۸۱/۸	سورة اعراف کی فضیلت		قرآن کی مختلف سورتوں کی فضیلت
۲۹-۲۷/۹	سورة الانفال کی فضیلت اور اس کا خلاصہ	۲۰/۱	سورة فاتحہ کی فضیلت
۲۵۵/۹	سورة البراءة کی فضیلت اور اس کے نام	۲۰ تا ۱۱/۱	سورة فاتحہ کے ۲۵ نام

کتاب تذکرہ الانبیاء	
آدم علیہ السلام کی پیدائش	۲۵۱/۲
آدم علیہ السلام اور ہوا کی پیدائش	۱۶/۶
آدم علیہ السلام کا تذکرہ	۳۳۳، ۳۳۱/۸، ۲
آدم علیہ السلام کے ساتھ شیطان اللہ کا تذکرہ	۲۶۳/۲
نبی سب معصوم ہیں	۲۸۲/۲
تمام انبیاء پر ایمان لانا فرض ہے	۲۸۸/۳
بعض انبیاء کا تذکرہ	۵۳۳، ۵۱۸/۶
نوح علیہ السلام کا ذکر	۲۶۶، ۱۳۲/۱۰
نوح علیہ السلام کا واقعہ	۲۸۸، ۲۷۰
نوح علیہ السلام کا واقعہ	۲۷۵/۱۰
طوفان نوح علیہ السلام کا تذکرہ	۲۷۷
ہود علیہ السلام کا ذکر	۲۹۶، ۲۹۲/۱۰
صالح علیہ السلام کا ذکر	۳۱۲، ۳۰۳/۸، ۱۰
الیاس علیہ السلام اور لوط علیہ السلام کا ذکر	۳۱۱/۱۰
شعیب علیہ السلام کا ذکر	۱۳۸، ۳۳۵/۸، ۱۰
یونس علیہ السلام کا ذکر	۳۳۶، ۳۳۲/۸، ۱۰
یوسف علیہ السلام کا ذکر	۱۸۳، ۱۸۱/۱۰
یوسف علیہ السلام کا تذکرہ	۳۸۳/۱۰
یوسف علیہ السلام اور زلیخا	۳۰۵، ۳۰۹، ۳۰۲
	۳۳۳/۱۰
ابراہیم علیہ السلام کا ذکر اور اس کا قصہ	۱۳۲، ۶۳۲/۸، ۱۰
یعقوب علیہ السلام کا ذکر	۲۶۶/۳
سلیمان علیہ السلام کا ذکر	۷۷/۳
کیا سلیمان علیہ السلام کی بادشاہی انگوٹھی کی وجہ سے تھی؟	۹۷/۳
صالح علیہ السلام کا قصہ	۳۳۱/۸
محمد ﷺ کا قصہ	۵۵۳
موسیٰ علیہ السلام کا تذکرہ	۳۰۱/۳، ۱۰، ۲
نوح علیہ السلام اور موسیٰ علیہ السلام	۳۲، ۳۳۶
عیسیٰ اور مریم کا بیان	۲۶/۱۰
عیسیٰ علیہ السلام قتل نہیں ہوئے بلکہ اٹھالیے گئے	۵۲۹/۶
عیسیٰ علیہ السلام کا دوبارہ آنا	۵۵۱/۶
قوم بنی اسرائیل کا تذکرہ	۵۱۰
رحمۃ للعالمین کا ذکر	۲۹۱، ۲۹۸/۲
نبی ﷺ کا مرتبہ و مقام	۱۳۱/۹
نبی ﷺ کے قتل کی سازش	۲۵۹/۹
کتاب مناقب الصحابہ	۱۳۳/۹
شان صحابہ کرام	
صحابہ کرام کی فضیلت	۳۷۴/۳
	۵۲۶/۹

۳۱۳/۶	رافضہ اور اہل رائے کا رد
۵۰۳/۶	یہودیت عیسائیت اور شیعہ کا رد
۲۵۷/۶	تحریف قرآن کا رد
۸۳، ۸۲/۶	شیعہ کے استدلال کا رد
۱۳۴، ۱۳۲/۶	شیعہ کا استدلال متحدہ اور اس کا رد
۱۲۷، ۱۲۶/۶	فقہ حنفی کا ایک مسئلہ اور اس کا رد

صفحہ نمبر

نام

نمبر

296/1	۱	الاباضیۃ
296/1	۲	الازراقیۃ
296/1	۳	الاسواریۃ
296/1	۴	الاسکافیۃ
296/1	۵	اسحاقیۃ
296/1	۶	نصیریۃ
297/1	۷	الاسماعیلیۃ
297/1	۸	الاطرافیۃ
297/1	۹	الامامیۃ
297/1	۱۰	الجاحظیۃ
297/1	۱۱	الجارودیۃ
297/1	۱۲	الجازمیۃ
297/1	۱۳	الشیعۃ

۲۹۰/۳	عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت
۲۱۸/۹	الحب للہ والبغض فی اللہ
	کتاب الروایۃ
۳۸۷/۱۰	خواب کی حقیقت
۳۸۸/۱۰	نبیوں کے خواب وحی ہوتے ہیں
	کتاب اللباس
۳۳۸/۸	کپڑے پہننے کے اسلامی آداب
	سفید کپڑا پہننے کی فضیلت
	کتاب الفرق والمذہب
۲۲۳، ۲۲۲/۱	عیسائیوں اور یہودیوں کا ذکر
۴۴۱/۲	عیسائیوں کا ذکر
۵۰۰، ۴۴۰/۶، ۲	یہودی اور ان کی غلطیاں
۸۹/۲	کفار کا تذکرہ
۳۸۲/۲	فرعون کا ذکر
۱۶۹/۱۰	فرعون کی لاش مصر کے عجائب گھر میں موجود ہے
۲۷۶/۹	منافقوں کی صفات
۲۷۵/۹	مشرکوں کے احوال
۳۵۳/۶	معتزلہ کا رد
۳۰۲/۶	فرقہ معتزلہ اور قدریہ کا رد
۲۸۰/۶	قادیانیت کا رد

300/1	العمرية	۳۴
301/1	العنادية	۳۵
301/1	القدرية	۳۶
301/1	الکاملية	۳۷
301/1	الکعبية	۳۸
301/1	المجهودية	۳۹
302/1	المرجية	۴۰
302/1	المشبة	۴۱
302/1	المعتزلة	۴۲
302/1	المعمرية	۴۳
302/1	المعلومية	۴۴
303/1	المغيرة	۴۵
303/1	المکرمية	۴۶
303/1	الملامية	۴۷
304/1	المنصورية	۴۸
304/1	النجارية	۴۹
304/1	النظامية	۵۰
304/1	الواصلية	۵۱
304/1	الهوذلية	۵۲
305/1	الهشامية	۵۳

297/1	الجبائية	۱۴
297/1	الجبرية	۱۵
297-331/1	الجعفرية	۱۶
297/1	الجناحية	۱۷
298/1	الجهمية	۱۸
298/1	الخانطية	۱۹
298/1	الحارثية	۲۰
298/1	الحفصية	۲۱
298/1	الخلفية	۲۲
298/1	الخوارج	۲۳
298/1	الخياطية	۲۴
299/1	الزرارية	۲۵
299/1	الزعرانية	۲۶
299/1	السبئية	۲۷
299/1	السليمانية	۲۸
299/1	الثعبية	۲۹
299/1	الشيانية	۳۰
300/1	الصالحية	۳۱
300/1	الصلبية	۳۲
300/1	العاذرية	۳۳

353/1	اللواریہ	۷۴
379/1	الدروزیہ	۷۵
382/1	التبلیغیہ	۷۶
385/1	النور بنخشیتہ	۷۷
388/1	الأشعریہ	۷۸
391/1	مذاهب اربعہ	۷۹
396/1	البریلویہ	۸۰
404/1	الديوبندية	۸۱
	غير مسلم خاص فرقے	
422/1	اليهود	۱
422/1	النصارى	۲
423/1	المجوس	۳
432/1	سکھ	۴
434/1	الصابئة	۵
435/1	الاشتراكيون	۶
437/1	الشيوعون	۷
	مختلف فرقوں کے اعتراضات	
۳۳۸/۶	سوامی کا اعتراض اور اس کا رد	
۳۰۸/۶	آریہ کا اعتراض اور اس کا رد	
۲۹۵، ۲۷۷/۶	آریہ اور عیسائیوں کے اعتراضات کا جواب	
۱۸۴، ۱۹۸		

305/1	اليزيدية	۵۴
306/1	الحرورية	۵۵
306/1	القدرية	۵۶
306/1	الجهمية	۵۷
307/1	المرجية	۵۸
309/1	الرافضية	۵۹
310/1	الجبرية	۶۰
310/1	المعتزلة	۶۱
311/1	جكر الوية	۶۲
312/1	القاديانية	۶۳
315/1	البابية	۶۴
316/1	البهائية	۶۵
318/1	البهورة	۶۶
322/1	الآغاخانية	۶۷
326/1	الذكرية	۶۸
340/1	الوجودية يا الحلولية	۶۹
345/1	القلندرية	۷۰
346/1	الاباضية	۷۱
350/1	الفغارية	۷۲
353/1	ذيكريه	۷۳

۱۷۲/۱	سوامی کا اعتراض اور اس کا جواب اگر قرآن کا خدا دنیا کا پروردگار ہوتا اور سب پر بخشش اور رحم کیا کرتا تو دوسرے مذاہب والوں کو مسلمانوں کے ہاتھوں قتل کرانے کا حکم نہ دیتا
۶۳/۳	سر سید احمد خان کے اعتراض کا جواب کہ انہوں نے فرشتوں کے وجود کا انکار کیا ہے۔
۵۱/۳	آریہ کا اعتراض کہ اگر مسلمانوں کے مذاہب میں داخل ہونے سے خدا راضی ہوتا ہے تو مسلمانوں کا طرفدار ہے۔ اس کا جواب
۵۶/۳	آریہ کا اعتراض کہ کیا نیکی اور بدی کے کرنے پر خدا ایسی ہی رزق دیتا ہے تو پھر بھلائی برائی کرنا یکساں ہے اور اس کا جواب
۳۵/۷	فرقہ باطلہ (سوامی) کا اعتراض اور اس کا جواب
۱۳۸/۳	فرقہ آریہ کا اعتراض عورتوں کو کھیت سے مشابہت دینا اور یہ کہنا کہ جس طرح چاہو انکے پاس آؤ یہ تو انسان کی شہوت بھڑکانے کا موجب ہے
۳۲۸/۶	آریہ کے اعتراض اور اس کا رد
۳۸۲، ۳۷۰/۶	سوامی کے اعتراض کا رد
۳۸۳/۶	آریہ مصنف کا رد
۳۳/۳	آریہ کا معجزہ سے انکار اور اس کا جواب
۲۱۳/۱	آریہ سماج کا اعتراض کہ کیا سیدھا راستہ صرف مسلمانوں کا ہے؟
۳۹/۳	آریہ سماج کا اعتراض کہ سب مذاہب میں جھوٹ پایا جاتا ہے؟
۱۲۰، ۶۳/۶	آریہ کے مختلف اعتراضات اور ان کے جوابات
۱۶۰، ۱۲۳	آریہ کے مختلف اعتراضات اور ان کے جوابات
۳۳۸، ۲۶۰	آریہ کے مختلف اعتراضات اور ان کے جوابات
۲۲۹/۳۱	آریہ کے مختلف اعتراضات اور ان کے جوابات
۳۶، ۳۱۵، ۳۶۰	آریہ کے مختلف اعتراضات اور ان کے جوابات
۲۰۱/۱	آریہ سماج کا اعتراض کہ کیا بڑی بات میں مدد چاہنا درست ہے؟
۳۲۷/۷	آریہ کا اعتراض اور اس کا جواب
۱۸۸/۱	آریہ سماج کا اعتراض کہ کیا خدا ہمیشہ انصاف نہیں کرتا! کسی خاص دن انصاف کرتا ہے، تو یہ اندھیرے کی بات ہے۔ اور اس کا جواب

۲۷۸/۹	شیعوں کا اعتراض اور اس کا جواب
۳۱۹، ۱۳۳/۲	آریہ کے اعتراضات اور ان کے جوابات
۳۷۲، ۳۵۳	
۱۴۳/۹	سوامی آریہ کا اعتراض
۲۷۴/۲	آریہ کا اعتراض بھلا خدا کو قرض لینے سے کیا مطلب؟
۳۰/۲	آریہ سماج سوامی کا اعتراض کیا اپنے منہ سے اپنی کتاب کی تعریف کرنا خدا کی خود نمائی کی بات نہیں؟ انکا جواب
۳۵/۲	آریہ سماج کا اعتراض کہ جو پرہیزگار لوگ ہیں وہ خود راہ راست پر ہیں اور جو جھوٹی راہ پر ہیں ان کو یہ قرآن جھوٹی راہ نہیں دکھلا سکتا تو پھر کسی کام کا رہا، کیا گناہ و ثواب محنت کے بغیر خدا اپنے ہی خزانوں سے خرچ کر دیتا ہے؟ اگر دیتا ہے تو سب کو کیوں نہیں دیتا اور مسلمان لوگ محنت کیوں کرتے ہیں۔ اس کا جواب
۹۷، ۷۸/۲	عیسائیوں کا اعتراض اور اس کا جواب
۸۰/۲	بائبل کیا ہے
۱۰۵، ۸۰/۲	سوامی کا اعتراض اور اس کا جواب
	اگر انجیل وغیرہ پر ایمان لانا ہے تو مسلمان مثل قرآن کے ایمان کیوں نہیں لاتے؟ ۸۰/۲
۹۷، ۹۱/۲	آریہ سماج کے مختلف اعتراضات
۳۵۵، ۲۳۵	
۵۵۸، ۵۵۷/۲	اور ان سب کے جوابات
۱۸۶/۲	سوامی دیانند کا اعتراض اور اس کا جواب کہ بھلا اس قرآن کی بہشت میں دنیا سے بڑھ کر کوئی عمدہ شئی ہے؟
۱۵۲/۲	سوامی دیانند کا اعتراض اور اس کا جواب کہ بھلا آسمان کی چھت کس کی ہو سکتی ہے، یہ جہالت کی بات ہے
۳۵۵/۲	آریہ سماج کا اعتراض کہ اگر موسیٰ کو کتاب دی تھی تو پھر قرآن کا ہونا فضول ہے اس کا جواب
۲۱۹/۲	سر سید احمد خان کا اعتراض اور اس کا جواب کہ جن فرشتوں کا قرآن میں ذکر ہے ان کا کوئی وجود نہیں ہے۔
۳۲۲/۲	سر سید احمد کا معجزہ سے انکار
۳۹۰/۲	سر سید احمد خان کا ایک اور اعتراض
۳۹۴	اور اس کا جواب

۲۱۹/۱۰	آریہ سماج کا اعتراض کہ کیا طفولیت کی بات ہے زمین اور آسمان کبھی بات سن سکتے ہیں	۳۵۲/۲	سر سید احمد خان کا اعتراض اور اس کا جواب کہ ان لوگوں کی شکلیں تبدیل نہیں ہوئی تھیں
۳۱۳/۱۰	آریہ سماج کا اعتراض کہ اگر خدا کی اونٹنی ہے تو اونٹ بھی ہوگا	۳۸۷/۹۰۲۲	سر سید احمد خان کے اعتراض کا جواب
۳۵۷/۱۰	آریہ سماج کا اعتراض جب دوزخ اور بہشت میں قیامت کے بعد لوگ جائیں گے تو آسمان اور زمین کس لیے قائم رہیں گے۔	۴۷۵/۲	معتزلہ کا اعتراض اور اس کا جواب
۴۰۰/۸	آریہ سماج کا اعتراضات اور ان کے جوابات	۳۹۶/۲	قادیانی خلیفہ حکیم نور الدین کا اعتراض
۳۳۸، ۴۰۳	آریہ سماج کا اعتراضات اور ان کے جوابات	۴۱، ۴۰/۱۰	آریہ سماج کا اعتراض کہ اگر وہ محیط کل ہوتا تو آسمان پر قرار کیوں کرتا اس کا جواب
۵۰۶/۸	شیعوں کے اعتراض کا جواب	۱۲۲/۱۰	آریہ سماج کا اعتراض کہ کیا خدا صرف مسلمانوں کا ہے دوسروں کا نہیں؟ اس کا جواب
۶۳۲			



شیخ ابو محمد بدیع الدین شاہ راشدی رحمۃ اللہ علیہ تصنیفی میدان میں

تیری رحمت سے الہی پائیں گے یہ رنگ قبول

پھول کچھ میں نے چنے ہیں ان کے دامن کے لئے

۱۰ جولائی ۱۹۲۵ء بمطابق ۱۸ ذوالحجہ ۱۳۴۳ھ جمعہ کی رات ۳ بجے علامہ سید احسان اللہ شاہ

راشدی کی حویلی میں جنم لینے والی شخصیت علامہ سید بدیع الدین شاہ راشدی کی بین الاقوامی شخصیت کسی تعارف کی محتاج نہیں ہے۔ وہ نرم کلام، کم گو، متواضع، متکسر المزاج، حلیم الطبع اہل العلم تھے۔ بقول شاعر

دفتر ہستی میں تھی رزیں تیری حیات

تھی سراپا دین و دنیا کا سبق تیری حیات

شاہ صاحب کی وفات ۸ جنوری ۱۹۹۶ء بمطابق ۱۶ شعبان ۱۴۱۶ھ منگل کی رات تقریباً نو بجے

کراچی میں ہوئی۔

اس طرح ۷۱ سال پر مشتمل سلفی تحریک کا سنہری باب اپنی انتہا تک پہنچ کر اس تحریک کو آگے

بڑھانے کے لئے اس کا لغام اپنے احباب کے حوالے کر دیا۔

ان کی موت جماعت اہل حدیث اور مسلک اہل حدیث کے لیے بہت بڑا حادثہ تھا۔ وہ تنہا ایک فرد

کی موت نہ تھی بلکہ ایک صحیح ترین نقطہ فکر کا نقصان تھا، ایک ادارے کا فقدان تھا، ایک دینی کارواں کا ضیاع

تھا، علم و عمل کے گلستاں پر خزاں کا چھا جانا تھا تبلیغ و اشاعت دین کے ایک مرکز کا اجڑ جانا تھا۔ لیکن اس کے

باوجود یہ بھی حقیقت ہے جس کا اظہار ایک عربی شعر میں کیا گیا ہے۔

موت التقی حیاة لا انقطاع لها

قدمات قوم وہم فی الناس احياء

☆ مدرس جامعہ بحر العلوم السلفیہ میرپور خاص سندھ، فاضل جامعہ سلفیہ فیصل آباد

پرہیزگار کی موت دراصل زندگی سے عبارت ہے جس کا سلسلہ منقطع ہونے والا نہیں۔
 قوم بلاشبہ مرچکی ہے حالانکہ وہ لوگوں کے ہجوم میں یہ ظاہر دیکھنے میں زندہ ہے۔
 شاہ صاحب نے جس ماحول اور علاقے میں دین کی خدمت کا سلسلہ شروع کیا اس میں اپنے انداز
 کے وہ ایک ہی شخص تھے اور انفرادی حیثیت رکھتے تھے۔
 كان في العلم والشجاعة فذا وهو في الزهد والعفاف ليعود
 وہ علم اور شجاعت میں یگانہ تھے زہد اور پاک دامنی میں دوسروں کے سربراہ تھے
 مات الامام العالم الجبر الذي بهداه عالم كل قوم يهتدي
 ان کی موت ایسے عالم اور حرم کی موت ہے جس سے ہر قوم کے عالم رہنمائی حاصل کرتے ہیں
 علم و اخلاق کے سلسلے کی بہت سی چیزیں عالم جوانی ہی میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے انہیں حاصل
 ہو گئیں تھیں۔

علوم و اخلاق کرام و سود
 وجود و مجد بازخ و تواضع
 وزهد و ايثار وتقوى وعفة
 وتلك سجايا حازتها وهو يافع

گو تاگوں علوم، اخلاق کریمانہ، سرداری و سخاوت، مجد و شرافت، انکساری و تواضع، زہد و ایثار، تقویٰ و
 عفت، پاک بازی وہ اوصاف ہیں جو دور شباب ہی میں ان میں پیدا ہو گئے تھے۔
 ذاتی طور پر منکسر تھے لیکن تبلیغ دین میں سخت تھے عام معاملات میں نہایت متواضع تھے لیکن شریعت
 کی اشاعت میں انتہائی تیز تھے۔ دنیوی باتوں میں کم گو تھے لیکن کلمہ حق کہنے میں نہایت بلند آہنگ تھے۔ ان
 کی زندگی کے تمام امور کا حاصل محور الحب للہ والبنص للہ تھا۔ ان کے شب و روز کے معاملات اسی مرکز کے
 گرد گھومتے تھے ان کی کوشش ہوتی کہ جو قدم اٹھے دائرہ شریعت کی روشنی میں اٹھے۔
 شیخ العرب والعجم کو اہل علم و عوام سب کے ہاں بڑی قدر سے دیکھا جاتا تھا عرب و عجم آپ کے

ثقافت فقہت اور منہج سلیم کے معترف تھے۔

یہاں ہم شاہ صاحب کی اردو اور سندھی کتب کا تعارف پیش کریں گے جس سے شاہ صاحب رحمہ اللہ کی علمی شخصیت ابھر کر سامنے آتی ہے۔

شاہ صاحب کی اردو تصانیف

① توحید خالص

یہ کتاب دو حصوں پر مشتمل ہے۔

پہلے حصہ میں شاہ صاحب نے سب سے پہلے جس مسئلہ کی وضاحت کی ہے وہ ہے ”الرحمن علی العرش استوی“ کی حقیقت کو واضح کیا ہے۔

جس میں سب سے پہلے قرآن مجید کی آیات سے استدلال کیا ہے کہ جس میں صراحۃً اللہ رب العالمین کا آسمانوں کے اوپر عرش پر مستوی ہونا مذکور ہے۔ جن کو تقریباً صفحہ نمبر ۲۰ سے لے کر ۵۷ تک مع ادلہ ثابت کیا ہے کہ اللہ کی ذات عرش پر مستوی ہے کمالیق بھائے۔

اور عقیدہ سلف کو نکھار کر پیش کیا ہے اور فرقہ ضالہ کے تمام خدشات کی سرکوبی کی ہے۔ اور ہر قسم کے حلول وحدۃ الوجود کا عقیدہ رکھنے والوں کا بھی احسن طریقے سے پوسٹ مارٹم کیا ہے۔

اور موضوع روایات کی تحقیق کرتے ہوئے ہر ایک کا جواب مع ادلہ پیش کیا ہے اور اس کے بعد شاہ صاحب نے وحدۃ الوجود کے متدلالات کے تفصیلی جوابات ارشاد فرمائے ہیں۔ اور ان کے استدلالات جو قرآنی آیات سے کرتے ہیں ان کا بھی جواب شاہ صاحب نے علی وجہ البصیرہ پیش فرمایا ہے اور جو وہ احادیث اپنے مؤقف کی تائید میں پیش کرتے ہیں ان کا بھی جواب شاہ صاحب نے افضل طریقہ کے ساتھ پیش کیا ہے اور آخر میں جو لوگ عقلی دلائل سے ”اتحاد بین الخالق والمخلوق“ کو ثابت کرنا چاہتے ہیں ان کے جواب بھی پیش فرمائے ہیں۔

مثال کے طور پر

قرآن مجید میں سینکڑوں آیات کریمہ سے اللہ تعالیٰ کی ”صفت علو“ ثابت ہے اور یہ ثابت ہے کہ

وہ ”فوق علی العرش بائن عن الخلق“ ہے اور یہ ناممکن ہے کہ اس قرآن مجید میں ان آیات کے خلاف کوئی ایسی آیت موجود ہو کہ ”وہو فی کل مکان“ یا ”لاوجود الا اللہ“ ثابت ہوتا ہو اور جو فرقہ ضالہ جہمیہ وغیرہ اس آیت سے دلیل لیتے ہیں۔

(۱) وہو معکم این ما کنتم (فرقہ ضالہ کے استدلال کا جواب)

(۱) یہاں پر معیت من حیث العلم مراد ہے۔

(۲) ای رقیب علیکم، شہید علی اعمالکم، حیث کنتم واین کنتم من ہر و بحر فی لیل ونہار او فی القفاز الجمیع فی علمہ سواء وتحت بصرہ وسمعه فیسمع کلامکم ویری مکامکم، ویعلم سرکم ونجواکم۔ (توحید خالص ص ۳۰۰)

کتاب کا پہلا حصہ عقیدہ توحید کے تمام پہلوؤں پر مبنی ہے اور دوسرے حصے میں۔

طریقہ دعا، اور توسل کی حقیقت کو واضح کیا ہے۔ جس میں تمام تر خدشات کا تذکرہ ہے جو غیر مسنون طریقہ سے کی جاتی ہیں۔

(۱) سب سے پہلے انبیاء کا طریقہ دعا بیان کیا گیا ہے جس میں مسنون طریقہ دعا کی بھی وضاحت کی گئی ہے۔

(۲) باطل طریقہ دعا پر قلم کو اٹھایا جس میں ان تمام طریقہ کی وضاحت کی گئی ہے جو غیر مسنون ہیں۔ مثلاً ندا غیر اللہ کفر ہے۔

نداء غیر اللہ شرک ہے

دعا میں اشخاص کا وسیلہ دینا بھی شرک ہے

اور آخر میں جو لوگ وسیلہ کے قائل ہیں ان کی استدلالات کا جواب شاہ صاحب نے احسن طریقہ سے دیا ہے۔

(۲) تنقید سدید بر رسالہ اجتہاد و تقلید (مطبوع)

شاہ صاحب نے ”تنقید سدید“ میں مقلدین احناف کے ان سب متمسکات پر مدلل اور مبرہن اور

سیر حاصل گفتگو فرمائی ہے۔ انداز ایسا متین اور دل نشین ہے کہ اہل ذوق مطالعہ شروع کریں تو چھوڑنے کو جی نہیں چاہتا۔ طعن تشنیع سے احتراز کیا گیا بس نفس موضوع کو سامنے رکھا ہے غیر ضروری باتوں سے اہتمام ہے اور ہر بات باحوالہ ہے۔ اہل علم اور عوام دونوں کے لئے یکساں مفید ہے یقیناً افروز اور بصیرت افزا ہے مثل صفحہ نمبر ۱۴۶ کو دیکھیں۔

کتاب ”تنقید سدید“ انہی تحقیقی اور علمی شاہ پاروں میں سے ایک ہے بظاہر تو یوں محسوس ہوتا ہے کہ اس گھسے پٹے موضوع پر شاہ صاحب جیسے محقق کو اتنے تکلف کی چنداں ضرورت نہیں تھی۔ لیکن جب آپ اس کتاب کو پڑھیں گے تو محسوس ہوگا کہ اس موضوع پر یہ کتاب نہ ہوتی تو یقیناً علمی اور تحقیقی میدان میں ایک بہت بڑی کمی ہوتی۔

خیر القرون کے سیدھے سادھے دور کے مدتوں بعد ایجاد ہونے والے مذاہب اربعہ کے بعض مقلد فقہاء نے اپنے اپنے مذہب کی ترجیح میں کیا کیا گل نہیں کھلائے حتیٰ کہ اپنے مذہب کے جنون میں اپنے مخالف امام کو نیچا دکھانے میں بھی دریغ نہیں کیا گیا۔

جیسا کہ ساتویں آٹھویں صدی کے شافعی اور حنفی فقیہوں کی بعض کتابیں جن لوگوں کی نظر سے گذری ہیں وہ اس سے بخوبی واقف ہیں۔ یہ کتاب ۱۹۸۳ء میں حکیم عبدالجید الہ آبادی مرحوم نے ادارہ احیاء التراث اہل السنۃ کی طرف سے شائع کیا۔ صفحات کی ضخامت ۴۵۶ ہے

ادارہ احیاء التراث اہل السنۃ الہ آباد وزیر آباد کی طرف سے شائع ہونے والی یہ پہلی کتاب ہے اور ادارہ اس بات میں فخر محسوس کرتا ہے کہ اللہ کریم نے ہمیں سب سے پہلے ایسی کتاب شائع کرنے کی توفیق بخشی ہے جو کہ حقیقتاً وراثت اہل السنۃ شخصیت کے مقابلہ میں عمل بالمحدیث ہے۔

⑤ القنوط والیاس لاهل الإرسال من نیل الامانی وحصول الآمال

زیر نظر رسالہ جناب شاہ صاحب کی تالیف اس کا نام بالاسطر سے ملاحظہ کریں۔

در اصل جماعت کے مایہ ناز عالم دین اور عظیم محدث اور محقق سید محبت اللہ راشدی صاحب نے نیل الامانی وحصول الآمال کے نام سے ایک رسالہ تالیف فرمایا تو جس میں رکوع کے بعد کی ہیئت ہاتھ چھوڑنے پر

سات دلائل ذکر فرمائے ہیں۔ اس کے علاوہ وضع الیدین بعد الركوع کے بعض دلائل پر تعاقب فرمایا ہے، چنانچہ اس رسالہ کے علمی انداز سے انکار نہیں کیونکہ بہت بڑے انتہائی قابل احترام عالم کی تالیف ہے۔ سید بدیع الدین شاہ الراشدی رحمہ اللہ نے اس رسالہ کا بڑا شافی اور مفصل جواب تحریر فرمایا ہے جس میں ارسال کے ساتوں دلائل پر جو تعاقب کیا گیا تھا اس کا بھی علمی محاسبہ فرمایا ہے جس سے وضع الیدین بعد الركوع کی صداقت، وحقانیت اظہر من الشمس عیاں ہوگئی۔

چنانچہ قارئین کرام، اگر بنظر انصاف دونوں رسائل کا مطالعہ فرمائیں تو ان کے سامنے پر حقیقت عیاں ہو جائے گی کہ ارسال کی نسبت وضع کے دلائل زیادہ قوی ہیں۔

اور یہ بھی واضح ہو جائے گا کہ ارسال کو ثابت کرنے کے لیے تکلف سے کام لیا جاتا ہے نیز یہ کہ ان دلائل کی کوئی چٹنگی یا مضبوطی باقی نہیں رہی کیونکہ جناب سید بدیع الدین شاہ الراشدی کا محاسبہ انتہائی مدلل ہے جب کہ وضع کے تو دلائل ہر قسم کے تکلف سے پاک ہیں اور انتہائی صریح دلائل ہیں۔ اس کے بعد شاہ صاحب نے اس مسئلہ کو سلف کے نگاہوں میں اس کی حیثیت کو بیان کیا ہے۔

(۱) امام اہل سنت امام احمد بن حنبل

ان شاء ارسل یدیہ وان شاء وضع یمینہ علی شمالہ (کشاف القناع ۱/۲۰۲)
ترجمہ: اگر چاہے تو اپنے ہاتھوں کو چھوڑ دے اور اگر چاہے تو اپنے دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر باندھ

لے۔

(۲) فقہ حنبلی کی مشہور کتاب الروض المربع فی شرح زاد المستقنع للشیخ شرف الدین ابوالنجا موسیٰ بن احمد المقدسی الدمشقی

اذا رفع المصلی من الركوع فان شاء وضع یمینہ علی شمالہ، وان شاء ارسلها
(الروض المربع ۲/۳۹)

(۳) شیخ عبدالرحمن بن محمد بن قاسم

وہ بیان کرتے ہیں کہ رکوع کے بعد ہاتھ باندھ لینا چھوڑنے سے بہتر ہے۔

(۴) حافظ ابن حجر العسقلانی رحمہ اللہ

هَوَ (ای) الوضع امنع من العبث واقرب الى الخشوع (التعليقات السلفيه ۱/۱۰۵)

(۵) علامہ ابن حزم وہ فرماتے ہیں کہ نماز میں کھڑے ہونے والی حالت میں ہاتھ باندھنا افضل

ہے۔ (المحلی لابن حزم ۴/۱۱۲)

اس کے بعد شاہ صاحب نے سرزمین پاک و ہند کے ان علماء کا تذکرہ کیا جو رکوع کے بعد ہاتھ

باندھنے کے قائل و فاعل ہیں۔

(۱) میاں نذیر حسین دہلوی کے شاگرد مولانا ابواسماعیل یوسف حسین ہزاروی نہ کہ وضع کے قائل

تھے بلکہ وضع کے متعلق مدلل رسالہ اتمام الخشوع فی وضع الیمنی علی الشمال بعد الركوع تصنیف فرمایا۔

(۲) علامہ خان سندھی امان ہزاروی

(۳) مولانا عبدالحق بہاولپوری

(۴) (بگل میں) مولانا محی الدین

(۵) (ملتان میں) مولانا عبدالنواب کے صاحبزادے مولانا عبدالودود صاحب

(۶) عظیم محدث مولانا اسماعیل غزنوی

(۷) نجد کے بادشاہ عبدالعزیز بن سعود

عظیم محدث حافظ محمد عبداللہ روپڑی نے لکھا ہے کہ دہلی میں بعض لوگ رکوع کے بعد ہاتھ باندھتے

تھے۔

اور محترم شاہ صاحب نے وضع الیدین بعد الركوع کے بارے میں کم و بیش ۱۰ مدلل کتب و رسائل

تصنیف فرمائے ہیں جو کہ عربی اردو اور سندھی زبان میں ہیں (القطوط والیاس) کے شروع میں مقدمہ امیر

جمعیت اہل حدیث سندھ عظیم اسکالر اور عظیم محدث فضیلۃ الشیخ پروفیسر عبداللہ ناصر الرحمانی رحمہ اللہ کا ہے اور یہ

کتاب جمعیت نوجوانان اہل حدیث کورنگی کراچی نے شائع کروائی۔

(۴) مصنف بہاولپوری کے جواب میں رکوع کے بعد ہاتھ باندھنا (مطبوع)

(۵) الدليل التام على ان سنة المصلى الوضع كلما قام (مطبوع)

(۶) الاعلام بجواب رفع الابهام وتأييد الدليل التام (مطبوع)

(۷) اسكات الجزوع فى جواب مابعد الركوع (مطبوع)

(۸) هدية البديع الى اخيه الكريم الرفيع

(۹) الجواب الوقيع عن التعقب المنيع

(۱۰) رساله عجاب وعجالة لاجواب ليعنى ركوع کے بعد ہاتھ باندھنا

یہ کتاب اصل میں سندھی میں تھی جس کی افادیت و جامعیت دلائل کے پیش نظر محترم ساتھی عبدالرحمن یمن نے اس کا اردو میں ترجمہ کیا، کچھ لوگوں نے تعصب و عناد پر اس مسئلہ کو اجماع امت کے خلاف قرار دیا ہے اور بعض نے اس کو دور جدید کی پیداوار اور کچھ حضرات نے اس کو بدعت بلکہ شاہ صاحب کا نظریہ کہہ کر عوام الناس کو خاموش کیا تو شاہ صاحب نے دوسرے مسائل کی طرح اس مسئلہ کی حقانیت کو مبینہ دلائل سے واضح کیا ہے اور مخالفین کے اعتراضات کا مسکت جواب دیا ہے۔ سب سے پہلے لفظوں کی معنی اور نماز کی مسنون ہیئت واضح کی ہے اس کے بعد حضرت علقمہ کے حوالہ سے پہلی دلیل پیش کی۔ اس کے بعد حدیث نمبر ۳ کے اعتراضات کا مفصل جواب پیش فرمایا تقریباً دلائل دے کر رکوع کے ہاتھ باندھنے کو ثابت اور سنت قرار دیا ہے۔ اس کے بعد ائمہ اور محدثین کے اقوال و آثار بھی بطور تائید میں پیش فرمائے ہیں۔ اور آخر میں..... رکوع کے بعد ارسال کرنے والوں کے اشکال کا مفصل جواب دے کر ایک بھولی ہوئی سنت کو عوام الناس کے سامنے پیش کیا ہے۔

(۱۱) صحیح بخاری کی ایک حدیث اور مسئلہ وضع الیدین فی القیام بعد الركوع

عن سهل بن سعد قال كان الناس يؤمرون ان يضع الرجل يده اليمنى على ذراعيه

اليسرى فى الصلاة (صحیح بخاری، کتاب الاذان، باب وضع الیمنی علی الیسری فی الصلاة)

اس حدیث کی بھی وضاحت اور تفسیر شاہ صاحب نے رکوع کے بعد ہاتھ باندھنے کے بارے میں کی ہے۔ جو لوگ رکوع کے بعد والی حالت کو ”قومہ“ کہتے ہیں ان کا اور ان کے تمام اشکالات کا مفصل جواب

تحریر کیا ہے۔ اعلاء کلمۃ اللہ کا فریضہ سرانجام دیا ہے۔ (ناشر مکتبہ السلفیہ میمن کالونی میاری)

(۱۲) تواثر عملی یا حلیہ جدلی

زیر نظر رسالہ میں شاہ صاحب نے مسعود احمد عثمانی کے اس مصنوعی مذہب اور اس کے اصولوں کا قلع قمع کیا ہے۔ اور خصوصیات تواثر عملی کو (۲۱) وجوہات سے رد کیا ہے۔ یہ رسالہ کچھ عرصہ پہلے علامہ عبد اللہ ناصر رحمائی کے مقدمہ کے ساتھ کراچی سے شائع ہوا ہے۔

اس کی افادیت کو سامنے رکھتے ہوئے مکتبہ الدعوة السلفیہ میمن کالونی میاری نے اس کے دوبارہ شائع کرنے کی سعادت حاصل کی ہے۔

اس رسالہ کا مکمل لب لباب رکوع کے بعد ہاتھ باندھنا اس کے دلائل اور فرقہ مخالف کا رد پیش کیا گیا ہے۔

(۱۳) نشاط العبد بجہر ربنا ولک الحمد: اس کتاب میں شاہ صاحب نے رکوع کے بعد ربنا ولک الحمد کے جہری پڑھنے کو احادیث صحیحہ سے ثابت کیا ہے اور اس کی فضیلت بیان کی ہے۔

(۱۴) اتباع سنت تقریر (مطبوع)

(۱۵) برآة اہل حدیث

(۱۶) الضرب الشدید علی القول السدید فی اثبات التقليد

(۱۷) دفع الاختلاف فی مسائل الخلاف

(۱۸) امام صحیح عقیدہ ہونا چاہیے۔

واضح ہو کہ احناف میں بہت سارے عقائد ایسے ہیں جو قرآن و حدیث اور سلف کی فکر سے مختلف ہیں۔ اس کتاب کے اندر ایسے بہت عقائد کو ان کے مستند اور متداول کتابوں کی روشنی میں پیش کیا گیا ہے کہ یہ سارے عقائد کتاب و سنت کے خلاف ہیں مثلاً:

(۱) حنفی مذہب والے اللہ کے اوصاف میں تاویل کرنا جائز سمجھتے ہیں۔ مثلاً استواء علی العرش کو غلبہ اور استیلا کے معنی میں لینا یہ اللہ کی تاویل قدرت کرنا۔

(۲) احناف مابین الدین میں جو لکھا ہوا ہے اس کو قرآن کلام اللہ نہیں مانتے ہیں اس پر ان کی کتاب ”عقائد نسفی ص ۴۱ شاہد ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ قرآن صرف لوح محفوظ میں ہے جو یہ الفاظ ہیں یہ اس کی ترجمانی کرتے ہیں۔“ اس لئے ان کے نزدیک اگر نماز میں صرف معنی پڑھی جائے قرآن نہ پڑھا جائے تو بھی نماز ہو جائے گی۔

(۳) مذہب حنفی ویلے کے قائل ہیں، اس رسالہ میں ان کے اشعار موجود ہیں جو شرک پر دلالت کرتے ہیں۔ حاجی امداد اللہ۔

صدقہ اپنی عزت و جلالت کا صدقہ

اپنے پیغمبر کا صدقہ اے خدا نام جن محمد مصطفیٰ ﷺ

(۴) احناف رسول اللہ ﷺ کو ابدی زندگی کے ساتھ متصف کرتے ہیں یہاں تک کہ قبر کے اندر

زندہ مانتے ہیں اور زندگی بھی دنیا والی برزخی نہ حالانکہ یہ غلط عقیدہ ہے۔

ہمیشہ زندہ رہنا بھی اللہ کا کام ہے نبی کا نہیں

جیسے قرآن مجید شاہد ہے۔ انک میت فانہم میتون

(۵) الایمان لایزید ولا ینقص

ان العمل الصالح لیس جزاء من الایمان لان العمل یزید و ینقص

ان بنیاد پر ان کے پاس نماز ایمان نہیں ہے کیونکہ نماز عمل ہے۔ جو شخص نماز کو چھوڑے اس کا کیا

حشر ہوگا۔

تو شاہ صاحب ان عقائد کو سامنے رکھتے ہوئے عوام کو بتایا کہ ایسے امام کے اقتداء میں نماز درست

نہیں ہوتی۔ اور آخر میں شاہ صاحب اس رسالہ میں جو لوگ ایسے امام کی امامت کو جائز قرار دیتے ہیں ان کے

دلائل کا رد فرمایا ہے۔

یہ کتاب جمعیت نوجوانان اہل حدیث سندھ نے شائع کروائی ہے۔

(۱۹) الجزاء والقضاء بامر اللہ متی یشاء

زیر نظر کتاب جو موجودہ ہندوستان کے ایک مولوی اصغر نے ایک رسالہ الجزاء بعد القضاء لکھا، جس میں صراحۃً عذاب قبر کا انکار کیا گیا تھا اور پورا زور لگایا ہوا تھا کہ عذاب صرف آخرت میں ہوگا۔ اور مولوی نے مضحکہ خیز طریقہ سے اپنا موقف ثابت کرنے کی کوشش کی تو شاہ صاحب نے اس رسالے کا عالمانہ تعاقب کیا، اس علمی تعاقب سے اس مولوی کے رسالے کا سارا مواد ہباً منثوراً ہو گیا۔

شاہ صاحب نے سب سے پہلے اثبات عذاب قبر کی متعلق صحیح بخاری کے حوالے سے ایک روایت تحریر فرمائی جس میں صراحۃً عذاب قبر کا ذکر موجود ہے۔

اس کے بعد ص ۲۹ اعتراضات و اشکالات لا کر ان کا احسن طریقے سے جواب پیش فرمایا ہے صفحات کی ضخامت ۹۲ ہے اور یہ کتاب اردو زبان میں ہے۔

ناشر: المکتبۃ السلفیہ مبین کالونی میاری ضلع میاری سندھ

(۲۰) اسلام میں داڑھی کا مقام

آج کل کئی لوگ رسول اللہ ﷺ کی محبت کے بلند بانگ دعوے کرتے ہیں لیکن آپ کے حکم کی مخالفت کرتے ہیں اپنی داڑھیاں مونڈتے اور کاٹتے ہیں اور اس محبت کے دعوے میں جھوٹے ہیں۔ بقول شاعر۔

تعصى الرسول والت تظهر حبه هذا العمرى فى القياس بدیع

لو كان حبك صادقا لا طعته ان المحب لمن يحب المطيع

شاہ صاحب نے اپنی اس کتاب میں سب سے پہلے خلقت انسان اور صیغۃ اللہ پر تفصیل سے بحث کرتے ہوئے مخالفین سنت کے لیے برے انجام کا تذکرہ کیا ہے۔

اور شاہ صاحب نے تقریباً (۱۳) احادیث لا کر اس بات کو عیاں اور ظاہر کیا ہے کہ داڑھی کا بڑھانا سنت نبوی ہے اور مونچھیں کاٹنا بھی طریقہ رسول ہے جو آدمی اس کے برعکس کرتا ہے وہ یہودیوں کے مشابہت کرتا ہے آگے ایک الگ فصل قائم کرتے ہوئے اس بات کی وضاحت فرمائی ہے کہ جو لوگ داڑھی کاٹتے ہیں ان کے استدلالات کا جواب دے کر تمام شبہات کا ازالہ بھی فرمایا ہے۔ داڑھی رکھنے کے فوائد پر بھی تبصرہ فرمایا

ہے۔ اور آخر میں مودودی صاحب نے جو اس مسئلہ کی توہین کی ہے اس کا بھی شاہ صاحب نے دلائل سے جائزہ لیا ہے۔

یہ کتاب اردو زبان میں ہے تقریباً ۲۸ صفحات پر مشتمل ہے۔ مکتبہ اسلامیہ کی طرف سے شائع ہوئی ہے۔

(۲۱) احسن الدلائل علی بعض المسائل

(۲۲) میلاد کی شرعی حیثیت (تقریر ہے، کتاب کی صورت میں) (مطبوع)

(۲۳) اسلام میں عورت کا مقام (مطبوع)

(۲۴) حقوق العباد (مطبوع)

(۲۵) الاھی عتاب برسہا خضاب

زیر نظر کتاب شاہ صاحب رحمہ اللہ سے کسی نے سوال کیا کہ داڑھی اور سر کے بالوں کو کالا خضاب لگانا درست ہے یا نہیں۔ تو آپ نے ان کو ایسی دلائل اور محققانہ فتویٰ پیش کی جس نے آگے چل کر کتاب کی شکل اختیار کر لی۔

اور آپ جب کسی مسئلہ پر قلم اٹھاتے تو ایسا محققانہ انداز پیش کرتے اور مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالتے کہ وہ بعد میں کتابی شکل اختیار کر لیتی جس کا ثبوت یہ کتاب ہے جو کہ اردو زبان میں متعدد بار چھپ چکی ہے۔ اب سندھی زبان میں بھی اس کا ترجمہ جناب عبدالرحمن مین نے کیا ہے۔

اس کتاب میں شاہ صاحب نے بالوں کو کالا رنگ کرنے کو صریحاً قرآن و حدیث کے خلاف قرار دیا ہے اور کبیرہ گناہوں میں شمار کیا۔ ایسا آدمی اللہ کی رحمت سے دور ہوگا اور جنت کی خوشبو سے محروم ہوگا اور قیامت کے دن اس کا مدینہ لا ہوگا۔ ان تمام باتوں کو دلائل کے ساتھ ثابت کیا ہے۔ تقریباً (۶۰) احادیث لا کر اس مسئلہ کی وضاحت کی ہے۔ اور آخر میں جو لوگ ابن ماجہ کی حدیث کو لے کر اس کے جواز کے قائل ہیں ان کو مسکت جواب دیا ہے اور ساتھ ساتھ اس حدیث کی تخریج کر کے اس کو ضعیف قرار دیا ہے۔

ناشر: مکتبۃ الدعوة السلفیہ مین کالونی ٹیاری اس کتاب کا مقدمہ ابن المصنف محمد شاہ راشدی نے

تحریر فرمایا ہے۔

شاہ صاحب کی سندھی تصانیف

(۱) مقدمہ بدیع التفاسیر

(۲) بدیع التفاسیر (سندھی زبان کی سب سے بڑی تفسیر (مطبوع) تیرہ پارے مکمل)

(۳) تمیز الطیب من الخبیث

جماعت اہل حدیث کو زیادہ متعارف کروانے کے لیے اور مسلک اہل حدیث کو اجاگر کرنے کے لئے اور اس کی دعوت دوسروں تک پہنچانے کے لئے شاہ صاحب نے دور دراز کا سفر کر کے جاتے تھے یہاں تک کہ تھر جیسے ریگستانی علاقوں میں بھی جہاں پر کسی قسم کی سواری کا بندوبست نہیں تھا۔ ان علاقوں کے سفر کی صعوبتوں کو برداشت کر کے مختلف شہروں اور گوٹھوں میں تبلیغی پروگرام کرتے تھے۔ جب مخالفین نے دیکھا کہ جماعت اہل حدیث کی تحریک دن بدن ترقی کی راہ کو عبور کر رہی ہے۔ تو لوگ اس پاک و صاف وادی کے پانی سے سیراب ہو رہے ہیں۔ اس وادی کا پانی آب حیات کا کام دے رہا ہے۔ اور لوگ یدخلون فی دین اللہ افواجا۔ کے مصداق بڑھ رہے ہیں، تو ان لوگوں نے (یعنی مخالفین نے) اس سیلاب کو روکنے کے لیے جماعت حقہ کی مخالفت میں کمر کشی الزام تراشی کی بھرمار کر دی ان الزاموں میں مولوی عبدالحق مینم کو تھر کے مشہور شہر ڈیلو میں بلایا گیا۔ جس نے حنفیت کی حمایت میں آکر اپنے مذہب کے دفاع اور اس کے ثبوت میں من گھڑت ضعیف اور موضوع روایتوں کا سہارا لے کر اپنے مسلک کو ثابت کرنے کی ناکام اور ناتمام کوشش کی تو شاہ صاحب نے اس کا جواب ۲۵ شعبان ۳ ستمبر ۱۹۷۵ء میں جامع مسجد اہل حدیث ڈیلو شہر میں تقریر کی صورت میں دیا جو آخر میں تقریر لا جواب کے نام سے چھپی۔ جس سے حق کے متلاشیوں کے لئے حق کی راہ ہموار ہو گئی اور مختلف شکوک و شبہات دور ہو گئے۔ اس کے بعد مولوی عبدالحق مینم نے ایک کتاب تحفۃ الحدیث لکھی جس میں مینم صاحب نے جن مسائل کو تحریر کیا وہ چار ہیں۔ ① قرأۃ خلف الامام ② رفع الیدین ③ وتر اور اس کی ترتیب ④ تعداد تراویح

پھر شاہ صاحب نے اپنے مشاغلہ کثیرہ کے باوجود کافی وشافی جواب بنام تمیز الطیب من

الخبیث تحریر کیا مذکورہ رسالہ میں شاہ صاحب نے پوری متانت و دیانت سے اور صحیح احادیث کی روشنی میں اور اسماء الرجال کی مدد اور آثار صحابہ کی روشنی میں (تحفۃ الحدیث) کا جواب پیش کیا اور مخالف کی دلفریب کہاوتوں کا منہ توڑ جواب دیا۔

اس کتاب میں عبارتوں کے مکمل حوالہ اور اپنے موقف کو ثابت کرنے کے لئے دلائل کے انبار لگاویئے ہیں۔ اور شاہ صاحب نے ہر مسئلہ کی وضاحت اسی طرح کی ہے گویا کہ وہ تحقیق کے میدان میں ہوں اور دلائلوں کے محاذ پر کھڑے ہوں، اور اس کی ہر بات کا جواب شاہ صاحب نے جس انداز میں دیا ہے ذرا ملاحظہ فرمائیں۔

مثال کے طور پر تحفۃ الحدیث کے صفحہ ۳۵ پر یمن نے ایک حدیث لکھی ہے۔ عن جابر رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من کان له امام فقرأه الامام له قراءة ﴿شاہ صاحب کا جواب﴾ شاہ صاحب نے سب سے پہلے اس حدیث کی سند پر بحث کی ہے۔ موطا امام محمد کے صفحہ ۷۷، ۷۸، ۷۹ پر یہ حدیث ہے ۳ طرق سے مروی ہے، لیکن امام محمد خود مجروح ہیں ان کی کہیں بھی توثیق نہیں ملتی۔ (میزان الاعتدال ۳/۳۲)۔ امام یحییٰ بن معین بیان کرتے ہیں کہ محمد بن حسن الشیبانی لیس ہشی (تاریخ منصور ص ۵۶)۔ شاہ صاحب نے پوری سند پر باحوالہ جرح کی جس کو سپرد قریطاس کرنا بھی محال ہے۔ قارئین کرام! اس حدیث کو ائمہ حدیث ضعیف اور غیر ثابت کہتے ہیں اور

(۱) امام بخاری رحمہ اللہ جزء القراءة ص ۵ طبع ہند میں فرماتے ہیں: هذا خبر لم يثبت عند اهل

العلم من اهل الحجاز واهل العراق وغيرهم لارساله وانقطاعه

(۲) حافظ ابن حجر من كان له امام فقرأه الامام له قراءة

مشهور من حديث جابر وله طرق عن جماعت من الصحابة وكلها معلولة (تلخيص

الحيبر ص ۲۳۲ ج ۱)

لہ کی ضمیر مولوی صاحب کے معانی کے مطابق من کی طرف لوٹ رہی ہے شاہ صاحب رحمہ اللہ

فرماتے ہیں الامام مرجع قریب ہے اور علماء نحو کے نزدیک حتی الامکان ضمیر قریب کی طرف لوٹی ہے جیسے ان کا

مشہور مقولہ ہے الحق بقریب۔

(۳) یہ روایت تاریخ بغداد ص ۴۲۶ ج ۱۱ میں اس طرح ہے۔

فان قرأته له قراءة وصلا له صلاة

امام بیہقی رحمہ اللہ نے کتاب القراءة ص ۱۱۶ پر لکھا ہے:

فان قرأته له قراءة يدل على ان قراءة الامام تقوم مقام قراءة المأموم وجب ان يكون قوله

وصلا له صلاة يدل على ان صلاة الامام تقوم مقام صلاة المأموم ولا تعلم احدا يقول ذلك.

(۳) مبین صاحب والی معنی تو امام ما موئین کی قرأۃ کا بوجھ اٹھاتا ہے یہ نص قرآنی کے خلاف

ہے، ولا تزر وازرة وزر اخرى

من عمل صالحا فلنفسه ومن عصى فعليها

(۴) یہ جملہ ایسا ہے کہ کسی صورت میں اس کا مرجع من کو بنانا درست نہیں ہوگا۔ جیسے مثال:

مَنْ كَانَ لَهُ امام فقرأه الامام له قراءة

من كان له اب فزوجه الاب له زوجة

من كان له حمار فولد الحمار له ولد

ان تمام جملوں کو سامنے رکھتے ہوئے انصاف سے فیصلہ کریں کہ لہ کی ضمیر من کی طرف ہے یا امام۔

اب یا حمار کی طرف بس تمہاری معنی کی تمہیں مبارک ہو۔

(۴) التنقيد المضبوط في تسويد تحرير الملبوط (المعروف فقه وحديث)

اس کتاب میں فقہ حنفیہ کی مشہور کتاب ہدایہ سے بے شمار مسائل پیش کئے گئے ہیں جن کی تعداد

ایک سو ہے اور اس کے علاوہ چالیس مسائل فقہ حنفی کے وہ ہیں جو انسان کو اس کے مرتبہ عظیم اور اشرف

الخلوقات کو زیان نہیں دیتے بلکہ صف انسانی سے نکال کر جانوروں کی صف میں کھڑا کرنے کے مترادف ہیں

باقی سو مسائل جو ہدایہ سے نقل کئے گئے ہیں وہ سراسر حدیث رسول ﷺ سے ٹکراتے ہیں۔

احناف کے یہاں سب سے معتبر سند والی کتاب ہدایہ کو سمجھا جاتا ہے بلکہ بعض متعصبوں نے

اس کتاب ”ہدایہ“ کو قرآن کا مرتبہ دیا ہے۔ جب اس معتبر کتاب کا یہ حال ہے تو اور کتابوں کا کیا حال ہوگا۔ اختصار کے ساتھ ہدایہ کے کچھ مسائل ذکر کرتا ہوں۔

ہدایہ کے اندر مسئلہ نمبر ۱۲ صفحہ ۱۷۱ جلد ۱ باب الصلوٰۃ الجمعة

اذا خرج الامام يوم الجمعة ترك الناس الصلاة والكلام (ہدایہ صفحہ ۱۷۱/۱)
یہ مسئلہ شاہ صاحب نے اپنی کتاب میں صفحہ ۳۹ پر اس کا جواب دیا اور اس کو سنت رسول ﷺ سے مختلف قرار دیا ہے جیسے

عن جابر رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وهو یخطب اذا جاء احدکم يوم الجمعة والامام یخطب فلیرک رکعتین ولیتجوّز فیہما۔

سوا سی طرح شاہ صاحب نے احتاف کے سو ۱۰۰ مسائل حدیث کے خلاف اس کتاب کے اندر درج کئے ہیں۔ اور ان کے چالیس مسائل فقہ کی دوسری معتبر کتابوں میں سے ایک یہ بھی ہے۔

من انی امرأة فی الموضع المکروه او عمل عملاً قوم لوط فلا حد علیہ عند ابی حنیفہ (جامع الصغير صفحہ ۵۱۲ جلد ۲)

تو میں اس کتاب کے پڑھنے والے مقلدین حضرات سے درود دل سے استدعاء کروں گا کہ خدا را مذہبی تعصب اور بزرگوں کی عقیدت مندیاں چھوڑ کر اس کتاب کا مطالعہ کریں اور اپنی آخرت کو سنواریں اور یہ کتاب ۱۱۲ صفحات پر مشتمل ہے اور یہ جمعیت نو جوانان اہل حدیث سندھ کی طرف سے شائع ہوئی ہے۔

(۵) التفصیل الجلیل فی ابطال تأویل العلیل

یہ کتاب شاہ صاحب کی ابتدائی زندگی اور عالم شباب کی کاوشوں میں ایک ہے جب آپ درس و تدریس وعظ و ارشاد اور عام محفلوں میں فقہ حنفی کے ایسے مسائل بیان کرتے تھے جن کا قرآن و حدیث سے کوئی تعلق نہ ہوتا۔

ایک مرتبہ شاہ صاحب قرآن و سنت کی اہمیت و افضلیت بتا رہے تھے اور اسی دوران فقہ حنفی کے مشہور و معروف کتاب سے مندرجہ ذیل عبارت سامعین کو سنائی

تعلّم الفقه اولى من تعلّم القرآن. (فتاویٰ قاضی خان صفحہ ۴۹۴ جلد ۴)
فقه کو سیکھنا قرآن مجید کے سیکھنے سے بہتر ہے۔

(۲) طلب الاحادیث حرفة المفاليس یعنی احادیث کو سیکھنا مفلسوں کا کام ہے۔ (فتاویٰ عالمگیری)
یہ عبارتیں ایک شخص نے شاہ صاحب سے لکھا کہ علماء احناف کی طرف رجوع کیا تا کہ اصل حقیقت تک پہنچا جاسکے وہ عبارتیں پیر جھنڈو میں قائم مدرسے کے خفی استاد عبدالحی گھوٹو صاحب کے پاس گئیں تو انہوں نے فقہ خفی کا لاج رکھتے ہوئے فقہا کا بھرم رکھنے کی کوشش کی اور اس عبارت کی غلط تاویل کرتے ہوئے لوگوں کو بتلایا تو شاہ صاحب نے اس کا تحریری جواب دیا یوں بحث و تحقیص کا سلسلہ کئی دن تک جاری رہا نتیجہ یہ نکلا کہ ایسے مسائل صفحہ قرطاس پر آ گئے۔ نمونے کی ایک جھلک۔ موجودہ فقہ کسی بھی طرح عمل کے لائق نہیں اسی لئے کہ اس میں اختلاف موجود ہے اور اختلاف کے وقت تمام اقوال چھوڑ کر اصل قرآن و حدیث کی طرف رجوع کرنے کا حکم ہے کئی ایسے مسائل کتب خفی میں موجود ہیں جن کا قرآن و سنت سے کوئی تعلق نہیں ہے بلکہ ان کو سننا بھی کوئی مسلمان برداشت نہیں کرے جیسے مثلاً۔

أما في دهر نفسي فرجع في النهي عدم الوجه الا بلا انزال (الشامی صفحہ ۱۲۶ ج ۱)
یہ کتاب اصل میں سندھی زبان میں ہے اور اس کا ترجمہ اردو میں بھی آچکا ہے۔ شیخ محمد ابراہیم طارق نے اس کا اردو ترجمہ کیا جو ”مروجہ فقہ کی حقیقت“ سے موسوم ہے۔

(۶) المبسوط المغبوط فی جواب المخطوط المهبوط
یہ کتاب بھی اسی خفی کے ایک مخطوط کا جواب ہے جو شاہ صاحب کی پہلی کتاب کے جواب میں اس خفی نے لکھا تھا۔ (یعنی التفصیل الجلیل فی ابطال التأویل العلیل)
تو شاہ صاحب نے اس خفی کے مخطوطے کا جواب اس شعر سے شروع کیا۔

مجھ سا مشتاق جہاں میں کوئی پاؤں گئے نہیں

گرچہ ڈھونڈھو گئے چراغ رخ زیبا لے کر

اس کتاب میں علماء احناف کے ان مسائل کا ذکر کیا گیا ہے جن کا تعلق شریعت سے کچھ نہیں مثلاً

احناف کے نزدیک (۱) بھنگ لینا (۲) کتے کی ہڈیوں سے علاج کرنا اور اس کے علاوہ متعہ کے جواز علماء احناف کے فتوؤں کی بھی وضاحت فرمائی ہے اس کے علاوہ علماء احناف سے غلیظ ترین مسائل کی بھی وضاحت کی گئی ہے جن کا اصول اسلام سے کوئی تعلق نہیں مثلاً صفحہ نمبر ۹۳ پر فقہ حنفی اور دہر میں وطی صفحہ نمبر ۱۰۲ پر فقہ حنفی اور شراب پینے کی لذت (فتویٰ قاضی خان صفحہ ۶۷۳ جلد ۴، عالمگیری ص ۲۹۴ جلد ۴، اس کے بعد شاہ صاحب نے اپنی کتاب کے صفحہ ۱۱۸ پر بیس رکعات تراویح کی حقیقت کو بیان کیا اور احناف کی طرف سے بیان کی ہوئی احادیث کا مکمل جواب دیا ہے اور اس کتاب کے آخر میں عقیدہ اہلحدیث پر گفتگو کرتے ہوئے علماء احناف کے تمام اشکالات کا جواب دیا گیا ہے یہ کتاب اصل میں سندھی زبان میں ہے جس کا ترجمہ شیخ ابراہیم طارق کراچی نے اردو میں کیا ہے۔

(۷) ضرب الیدین علی منکری دفع الیدین (مطبوع)

(۸) نماز جون مسنون دعائون (مطبوع)

(۹) حجة الوداع (مطبوع)

(۱۰) عوام جی عدالت میں (مطبوع)

(۱۱) الوسیق فی جواب الوثیق

زیر نظر کتاب کی وجہ تصنیف مسلمانوں میں تراویح کی رکعات میں اختلاف دیکھتے ہوئے ایک اشتہار کی شکل میں پرچہ بنام آٹھ (۸) رکعات تراویح شائع کیا گیا۔

اور یہ پرچہ ہالا کے ایک مولوی میر محمد کوری کے ہاتھ لگا جس نے اس کے جواب میں توثیق الاحناف کے نام سے ایک پرچہ شائع کیا جس میں صراحتاً حق کی مخالفت کی گئی اور مولانا نے جگہ جگہ مختلف مغالطوں سے کام لیا تو اس کا جواب شاہ صاحب نے جس احسن انداز عمدہ ترتیب مدلل طریقہ سے تحریر فرمایا جو اپنی مثال آپ ہیں اس رسالہ کے پڑھنے سے قارئین کو آٹھ (۸) اور بیس (۲۰) کے مسئلہ کے بارے میں صحیح فیصلہ تک پہنچنے میں آسانی رہے گی۔ انتہائی مفید اور ایک علمی ذخیرہ ہے۔

یہ اصل میں سندھی زبان میں شائع ہوئی تھی عوام کی بڑی تعداد اس کے استفادہ سے محروم تھی اس

لئے عام لوگوں کے استفادہ کی خاطر اس کتاب کا مولانا عبدالواحد سیال آبادی نے اردو میں ترجمہ کیا اور ڈاکٹر عبدالحمید سمون ناظم اعلیٰ جمعیت الحمدیث سندھ نے اس کا مقدمہ تحریر کیا۔ اور شاہ صاحب نے اس رسالہ میں مولانا کے تمام دلائل کے جوابات تحریر فرمائے ہیں اور ذکر کردہ ۱۰ دلائل کا مفصل جواب بھی تحریر فرمایا ہے اور علماء احناف کے آثار نقل کئے ہیں:

دلیل کے طور پر شاہ صاحب نے یہاں صرف علماء احناف کی عبارات نقل کی ہیں جن میں صراحتاً یہ مذکور ہے کہ احناف کے اکابر آٹھ (۸) رکعات تراویح کے قائل و قائل تھے (وشہد شاہد من اہلہا) مولانا کے گھر کی صفائی اسکے اپنے ہی گھر سے ہو جائے اور مولانا صاحب حسرت سے ہاتھ ملتا رہے بقول شاعر

دل کے پھولے جاگ اٹھے سینے کے داگ سے

اس گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے

(۱) حنفی مسلک کے مایہ ناز علامہ القاری مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں صفحہ ۱۷۵ جلد ۲

(۲) حنفی مذہب کے مجتہد فی المذہب شیخ ابن الہمام فتح القدیر شرح ہدایہ میں صفحہ ۲۰۵ جلد ۲

(۳) فخر علماء ہند علامہ عبدالحی لکھنوی التعلیق المجید علی موطا امام محمد میں

(۴) علامہ بدر الدین عینی حنفی عمدۃ القاری میں صفحہ ۵۹۸ جلد ۳

(۵) حافظ جمال الدین زیلی حنفی نصب الراية میں صفحہ ۱۵۳ جلد ۲

(۶) علامہ شرم نبلاتی حنفی مراقی الفلاح میں صفحہ ۶۹ شرح نور الایضاح میں بیان کرتے ہیں

ثبت انه صلى الله عليه وسلم صلى بالجماعة احدى عشرة ركعة بالوتر

ان اکابر فقہاء کی ذکر کردہ عبارات سے رسول اللہ ﷺ اور آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم سے آٹھ (۸)

رکعات تراویح کا ثبوت ملتا ہے۔

اس کے بعد شاہ صاحب نے اس کتاب میں شوافع کے تین بڑے قابل اعتبار اشخاص

(۱) علامہ جلال الدین السیوطی

(۲) علامہ حموی شافعی

(۳) امام بیہقی کے رموزات بھی نقل فرمائے ہیں جن میں بھی صریحاً آٹھ (۸) رکعات کا ذکر ہے۔

اس کے بعد شاہ صاحب نے حنابلہ کے چوٹی کے علماء کا ذکر کیا ہے۔

(۱) امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ

(۲) امام ابن القیم، زاد المعاد صفحہ ۸۷ جلد ۱

(۳) امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ

اور ایسے ہی مالکیہ کے مذہب کے اکابر کا تذکرہ فرمایا جنہوں نے بھی سنت رسول ﷺ آٹھ (۸)

رکعات کو قرار دیا گیا ہے۔

اس کی اشاعت شعبان برطانیق اکتوبر ۲۰۰۳ء میں دارالتقویٰ کو نصیب ہوئی۔ یہ تقریباً ۶۲ صفحات پر

مشتمل ہے۔

(۱۲) نماز نبوی

یہ کباب تقریباً ۳۱ صفحات پر سندھی زبان میں ہے۔ یہ رسالہ ۱۳۷۷ھ میں بنام نبی کریم ﷺ جی

محسن لاء تحفہ شائع ہوا۔

اس رسالہ کے اندر وتر ادا کرنے کے مسنون طریقہ اور وہ مکمل نماز جو صحیح احادیث سے ثابت ہے جو

نبی ﷺ سے ترتیب مروی ہے اور ہم تک پہنچی اس کو مختصر نمونے کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے۔

اور بعد میں جماعت کے اصرار پر شاہ صاحب نے دوبارہ اس پر نئی تحقیق کے مطابق مزید وضاحت

فرماتے ہوئے دوبارہ شائع کروایا جس سے عوام الناس آج تک مستفید ہو رہے ہیں۔

جمعیت نوجوانان اہل حدیث کی طرف سے شائع ہوئی۔

(۱۳) مسئلہ فاتحہ خلف الامام

اس کتاب میں شاہ صاحب نے سورۃ الفاتحہ کی فضیلت پر اہم نقاط نقل کئے ہیں اس کے علاوہ یہ

ثابت کیا ہے سوائے اسکے کوئی بھی نماز فرضی یا نفل یا جنازہ جہری یا سری انفرادی یا اجتماعی نہیں ہوتی ہر حالت میں

سورۃ فاتحہ کا پڑھنا واجب ہے۔ اس کے ثبوت کے لئے شاہ صاحب نے تقریباً ۱۶ صحیح ترین روایات لائی ہیں۔

اور اس کے علاوہ (۱۷) آثار لا کر اس بات کو ثابت کیا ہے کہ یہ طریقہ صرف اللہ کے نبی کا نہیں بلکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا بھی ہے کہ ہر نماز میں سورۃ الفاتحہ پڑھتے تھے۔

اور پھر آثار تابعین کو بھی شاہ صاحب نے تحریر فرمایا تاکہ یہ مسئلہ واضح ہو جائے کہ سورۃ فاتحہ نماز کا جزء ہے اس کے بغیر نماز نہیں ہوگی۔ اور آخر میں مخالفین کے دلائل پر تبصرہ بھی فرمایا ہے اور ان کے تمام اشکالات کا جواب بھی تحریر فرمایا۔

اور آخر میں مشہور احناف کے نام لکھے ہیں ان سے بھی یہ ثابت کیا ہے کہ وہ بھی نماز میں امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ پڑھتے تھے۔

یہ کتاب بھی جمعیت نوجوان اہل حدیث کی طرف سے شائع ہوئی۔

(۱۳) نماز میں خشوع و عاجزی یعنی..... سینی تی ہتھ بدھن..... (مطبوع)

(۱۵) تحفہ نماز مغرب (مطبوع)

(۱۶) الاربعین فی اثبات الجہر بآمین (مطبوع)

(۱۷) تنویر العینین باثبات رفع الیدین (مطبوع)

(۱۸) ہر برائی جو علاج جہاد (مطبوع)

(۱۹) چالیس حدیثوں (آخری تصنیف) مطبوع

(۲۰) توحید ربانی

زیر نظر کتاب علامہ سید بدیع الدین شاہ الراشدی کی علمی کاوشوں میں سے ایک ہے۔ شاہ صاحب نے عقیدہ توحید کے ابلاغ کی دعوت و اشاعت کے لئے زندگی کے لمحہ لمحہ کی قدر کرتے ہوئے عقیدہ توحید پر کتاب توحید و توحید ربانی جیسی کتابیں لکھیں اور کفر و شرک کے ایوانوں میں زلزلہ برپا کر دیا۔ جس سے شرک و بدعت کی خود ساختہ عمارتیں لرزہ بر اندام ہو کر زمیں بوس ہو گئیں ائمہ کفر و شرک میں صف ماتم بچھ گئی۔

یہ کتاب چار حصوں اور اٹھارہ ابواب پر مشتمل ہے مذکورہ کتاب میں توحید کے ہر پہلو کی وضاحت کی گئی ہے۔ شرک کے ہر پہلو کی قرآن و سنت کی روشنی میں تردید کی گئی ہے۔ (نمونہ ملاحظہ ہو)

جواب اقول: باوجود تلامذہ ہونے کے سخت ان کی مخالفت کی ہے۔

دین اہل حدیث کا ہے کلام اور حلیہ بازی اہل الرائے کے لئے اور جھوٹ رافضیوں کے لئے۔
نیز ابن مبارک کا یہ بھی قول ہے:

اس طرح مصنف کے جواب میں فرمایا

اس کتاب کو شائع کرنے والے جمعیت نو جوانان اہل حدیث سندھ ہیں۔

(۱۵) تحفہ نماز مغرب

اور تقریباً (۱۰) احادیث لا کر اس بات کو ثابت کیا ہے کہ مغرب کے فرض سے پہلے اذان کے بعد دو رکعتیں سنت ادا کرنا مسلمان پر واجب ضروری ہیں جس سنت کو آج ہم بھول چکے ہیں۔

اور پھر (۲۹) آثار صحابہ رضی اللہ عنہم و تابعین کو جمع کیا ہے کہ وہ سارے دوسری پہلو پر عامل تھے۔ اور اس کے

بعد مذاہب اربعہ کے بڑے بڑے فقہاء کے اقوال لائے ہیں کہ وہ بھی سنت مغرب قبل الفرض ادا کرتے تھے۔ اس کے بعد شاہ صاحب نے اس سنت مغرب قبل الفرض کو راشدی خاندان کا محبوب مشغلہ قرار دیا ہے۔ یہ کتاب سندھی زبان میں ہے، شائع کرنے والے شیخ محبوب الہی رحمۃ اللہ علیہ ہیں، یہ کتاب تقریباً ۳۱ صفحات پر مشتمل ہے۔

(۱۶) قادیانی و جھنڈائی خاندان بینہما برزخ لایہ بغیان

مرزا غلام احمد قادیانی نے اپنی نبوت کا ذبہ کے دوران برصغیر کے مختلف علماء اور مشائخ سے بھی تعلق پیدا کیا۔ اس سلسلے میں سندھ کے راشدی خاندان کے عظیم جھنڈائی مشائخ سے بھی تعلق خاطر پیدا کیا۔ ان میں سے بالخصوص حضرت جناب سید رشید الدین شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے۔

اس کتاب میں بدیع الدین شاہ صاحب نے ان تمام تفصیلات کو اپنی کتاب میں ذکر کیا اور یہ ثابت کیا کہ شیخ رشید الدین شاہ صاحب کا مرزا غلام احمد قادیانی سے کوئی تعلق نہیں تھا۔

پیر صاحب کو اللہ تعالیٰ نے علم و فضل کی خوبیوں فقہ و استنباط کی بہترین صلاحیتوں دعوت و تبلیغ کے ولولوں اور جذبولوں، تصنیف و تالیف کے سلیقوں و نقد و تحقیق کے اعلیٰ ذوق، قوت حافظہ اور اخلاق و کردار کی رفعتوں سے نوازا تھا انہی خوبیوں کو مجموعہ صفات اور مجموعہ کمالات بنادیا تھا۔

ولیس علی اللہ بمستنکر ان یجمع العالم فی واحد

سید بدیع الدین وسیع العلم اور کثیر الافادۃ عالم دین تھے، شاہ صاحب کا ایک نہایت اہم کام مکتبہ لاہوری کا قیام تھا جس میں ہزاروں تعداد میں نادر مطبوعات اور بڑی تعداد میں مخطوطات اور مسودات جمع کئے ہیں جمع الکتب کا ذوق ان کو ورثے میں ملا ہوا تھا شاہ صاحب نے بڑے جانفشانی اور جدوجہد کے ساتھ کتابیں جمع کیں یوں سمجھیں کہ آپ کی زندگی کی پونجی یہی المکتبہ الراشدیہ تھا۔

اسکے علاوہ شاہ صاحب مکہ مکرمہ جیسے بابرکت مقام پر انہیں درس حدیث دینے کا شرف حاصل رہا۔ سید بدیع الدین شاہ صاحب نے تبلیغی اغراض و مقاصد کے لئے جمعیت اہل حدیث سندھ کی بنیاد رکھی اس وقت جماعت کے سربراہ شاہ صاحب کے تلمیذ رشید اور ہمارے استاد محترم و امیر مکرم حضرت مولانا عبداللہ ناصر الرحمانی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔

اولانک آبائی فجعنی بمثلہم اذا أجمعتنا یا جریر المجامع

افتخار أحمد تاج الدین الازہری ☆

شیخ بدیع الدین راشدی رحمہ اللہ اور ان کی حدیثی خدمات

عن أبي موسى عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: مَثَلُ مَا بَعَثَنِي اللَّهُ مِنَ الْهَدْيِ وَالْعِلْمِ كَمَثَلِ الْغَيْثِ الْكَثِيرِ أَصَابَ أَرْضًا فَكَانَ مِنْهَا نَقِيَّةٌ، قَبِلَتِ الْمَاءَ، فَأَنْبَتَ الْكَلَّا وَالْعُشْبَ الْكَثِيرَ، وَكَانَتْ مِنْهَا أَجَادِبُ أُمْسَكِ الْمَاءِ، فَنَفَعَ اللَّهُ بِهَا النَّاسَ فَشَرِبُوا وَسَقَوْا وَزَرَعُوا، وَأَصَابَ مِنْهَا طَائِفَةٌ أُخْرَى، إِنَّمَا هِيَ قَيْعَانٌ لَا تُمْسِكُ مَاءً وَلَا تُنْبِتُ كَلًّا فَذَلِكَ مَثَلُ مَنْ فَقَهُ فِي دِينِ اللَّهِ وَنَفَعَهُ مَا بَعَثَنِي فَعَلِمَ وَعَلَّمَ، وَمَثَلُ مَنْ لَمْ يَرْفَعْ بِذَلِكَ رَأْسًا وَلَمْ يَقْبَلْ هُدَى اللَّهِ الَّذِي أُرْسِلْتُ بِهِ (أخرجه البخاري رقم الحديث ٤٩)

ابوموسیٰ الاشعری رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: اللہ نے جو ہدایت اور علم کی باتیں مجھ کو دے کر بھیجیں ان کی مثال زور کے مینہ کی سی ہے جو زمین پر برسا اور بعض زمین عمدہ تھی جس نے پانی چوس لیا اس نے گھاس اور سبزی خوب اگائی اور بعض سخت تھی (پتھریلی) اس نے پانی تھام لیا اللہ نے لوگوں کو اس سے فائدہ دیا پیا اور (جانوروں کو) پلایا اور کھیتی میں دیا اور بعض ایسی زمین پر یہ مینہ برسا جو صاف چٹیل تھی نہ تو پانی کو اس نے تھاما اور نہ اس نے گھاس اگائی (پانی اس پر سے بہہ کر نکل گیا) یہ اس شخص کی مثال ہے جس نے خدا کے دین میں سمجھ پیدا کی اور اللہ نے جو مجھ کو دے کر بھیجا اس سے اس کو فائدہ ہوا اس نے خود سیکھا اور دوسروں کو سکھایا اور اس شخص کی جس نے اس پر سہی نہیں اٹھایا اور اللہ کی ہدایت جو میں دے کر بھیجا گیا نہ مانی۔

اس حدیث شریف میں مثال دے کر یہ فرمایا اور سمجھایا گیا ہے کہ جب پانی برستا ہے اور زمین کے لئے شادابی اور گل ریزی کا سامان مہیا ہونے لگتا ہے تو تم دیکھتے ہو کہ زمین بارش کے پانی سے فائدہ اٹھانے میں تین حصوں میں منقسم ہو جاتی ہے۔

☆ شیخ الحدیث جامعہ بحر العلوم السلفیہ میرپور خاص سندھ

(الف) پانی کو چوس کر پیداوار کرنے والی زمین۔

(ب) پانی کا ذخیرہ رکھنے والی زمین۔

(ج) ناقابل کاشت اور ناقابل ذخیرہ۔

ٹھیک ایسے ہی علم و ہدایت کی بارش کے لئے انسانی قلوب کی زمین بھی تین حصوں میں منقسم ہے۔ ان میں سے پانی کو چوس کر پیداوار کرنے والی زمین سے مراد محدثین کی جماعت ہے جو قرآن و سنت کا ذخیرہ رکھتے ہیں پہلے اس کو سمجھتے ہیں اور پھر اس پر عمل کر کے لوگوں تک پہنچاتے ہیں۔ اس قسم کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

نضر الله امرأ سمع مقالتي فحفظها ووعاها واداهها فرب حامل فقه إلى من هو افقه منه (الحديث) خوش و خرم رکھے اللہ اس شخص کو جس نے میری بات سنی اسے محفوظ رکھا اور پوری حفاظت سے آگے روانہ کیا بہت سے سمجھ کی بات رکھنے والے بات کو اپنے سے زیادہ سمجھ رکھنے والے تک پہنچاتے ہیں۔ تو ہماری شیخ اور استاد ابو محمد بدیع الدین راشدی رحمہ اللہ کا شمار بھی اسی قسم کے لوگوں میں ہوتا ہے جنہوں نے اپنے سینوں میں قرآن اور حدیث کا ذخیرہ رکھا اور بعد میں ہم تک احسن انداز سے پہنچایا اور ہم کو سمجھایا اس مختصر مضمون میں شاہ صاحب کی حدیثی خدمت کا جائزہ لوں گا۔ اور ان کی کتب کا مختصر تعارف پیش کروں گا ان شاء اللہ۔

① المرأة لطرق حديث من كان له إمام فقراءة الإمام له

قراءة (غير مطبوع) (۱)

شاہ بدیع الدین الراشدی رحمہ اللہ کی یہ ایک معرکہ آراء کتاب ہے جس میں انہوں نے حدیث مَنْ كَانَ لَهُ إِمَامٌ فَقَرَأَ الْإِمَامُ لَهُ قِرَاءَةً (آخر جہ ابن ماجہ) کی تحقیق و تخریج کی ہے۔

علماء اہل حدیث اور علماء احناف میں صدیوں سے اختلاف چلا آ رہا ہے کہ فاتحہ خلف الامام فرض

(۱) اس کتاب کا بعض جگہ نام ”انظہار البراءة“ آیا ہے، لیکن صحیح نام ”المرأۃ“ ہی ہے، جس طرح شاہ صاحب نے خود ذکر کیا ہے اور تمام محدثین اور مشائخ نے جو تقاریف لکھی ہیں ان میں انہوں نے یہی نام ذکر کیا ہے۔

ہے یا نہیں؟ تو علماء احناف کی یہ حدیث بڑی دلیلوں میں سے ایک ہے اور انہوں نے اس حدیث سے یہ استدلال لیا ہے کہ امام کی قرأت مقتدیوں کے لئے کافی و شافی ہے۔

شاہ صاحب رحمہ اللہ نے اپنی اس کتاب میں یہ ثابت کیا ہے کہ اس روایت کے جتنے بھی طرق ہیں وہ پایہ ثبوت تک نہیں پہنچتے اور نہ ہی کثرت طرق سے ”حسن“ کے درجہ تک رسائی ہوتی ہے۔ کیوں کہ اس روایت میں جو ”ضعف“ ہے وہ شدید ضعف ہے اور علماء اصولیین کے ہاں شدید الضعف کثرت طرق سے بھی منجمر نہیں ہوتا۔

تو شاہ صاحب رحمہ اللہ نے اس کتاب میں پہلے تمام طرق کو جمع کیا پھر اس کی تحقیق کی اور بعد میں اس کے رجال پر جرح و تعدیل کے اصولوں کو مد نظر رکھتے ہوئے رجال پر حکم لگایا۔ شاہ صاحب رحمہ اللہ نے یہ کتاب ۲۰ سال کی عمر میں ہی تصنیف کر دی تھی اور یہ کتاب ۲۵۰ صفحات پر مشتمل ہے۔ اس کتاب کو شاہ صاحب نے کئی محدثین عظام کے سامنے پیش کیا اور کئی علمائے کرام نے اس پر تقاریظ لکھیں جس سے کتاب کی اہمیت و افادیت اور آجاگر ہو گئی وہ علماء کرام جنہوں نے اس کتاب پر تقاریظ تحریر کیں اور اس کتاب کی تعریف و توصیف کی ان میں آپ کے بڑے بھائی سید محبت اللہ شاہ راشدی صاحب العلم السادس، مولانا محمد اسماعیل سلفی گوجرانوالہ، مولانا ابوالوفاء ثناء اللہ امرتسری، مولانا ابوالقاسم سیف بناری، مولانا شیخ الحدیث عبداللہ روپڑی صاحب، مولانا عبدالجبار کھنڈیلوی صاحب، مولانا احمد الدین گکھڑوی، مولانا عطاء اللہ حنیف بھوجپانی رحمہ اللہ، مولانا عبدالرحیم پچھی اور مولانا عبدالحق بھاوپوری شامل ہیں۔

ان تقاریظ میں سے چند پیش خدمت ہیں۔

مولانا احمد الدین گکھڑوی صاحب لکھتے ہیں۔

فبانی رأیت بعض المواضع من الرسالة التي ألفها السيد بدیع الدين فوجدتها عجيبة التحقيق، مفيدة التدقيق قد جمع فيها جميع طرق الحديث الذي روى عن جابر وغيره اعني من كان له إمام فقرة الإمام له قراءة وذكر تضعيفها وعللها بالتفصيل وحققها كالبخاري والبيهقي بالدليل“

میں نے بدیع الدین شاہ صاحب کی کتاب سے بعض مواضع کا بغور مطالعہ کیا تو میں نے اس کتاب میں عجیب و غریب اور فائدے مند تحقیق پائی جس میں (مؤلف) نے من کان لہ امام فقراۃ الامام لہ قرأۃ والی روایت میں جابر جعفی کے طرق سمیت دوسرے تمام راویوں کے طرق کو ذکر کیا اور اس کی وجہ ضعف و علل تفصیلی طور پر بیان کی اور اس کتاب کی تحقیق امام بخاری اور امام بیہقی کے طرز پر بادلیل کی ہے۔

شاہ صاحب کے بڑے بھائی علامہ سید محبت اللہ شاہ رحمہ اللہ اس کتاب کے بارے میں کچھ یوں رقمطراز ہوتے ہیں۔

”هذا ولم يتكلم فيما علمنا على جميع طرق هذا الحديث أحد بالاستيعاب فلم يتميز إلى الآن الخطاء من الصواب فاراد أخى الشقيق والحمد لله على ذلك ان يكشف عن وجوهها الأستار لتظهر عيوبها القبيحة لأولى الأبصار فسعى في جمع طرقها والكلام عليها بالإنصاف مع التجنب عن الورود مورد الاعتساف.

جہاں تک مجھ کو علم ہے ابھی تک کسی نے اس کے تمام طرق کا استعاب نہیں کیا تھا اور نہ ہی صحیح اور سقیم میں تمیز کی تھی تو میرے حقیقی بھائی نے ارادہ کیا کہ اس روایت کے پردے چاک کئے جائیں تاکہ عقلمندوں کے لئے اس کے عیوب عیاں ہوں۔ پہلے تو (بھائی) نے اس روایت کے تمام طرق کو جمع کیا اور پھر روایت پر منصفانہ طور پر کلام کیا اور ایک ہی نسخ پر گامزن رہے۔

محدث عبد الجبار کھنڈیلوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

فإننى طالعت الرسالة المسماة بالمرأة لطرق حديث من كان له إمام فقراۃ الإمام لہ قرأۃ، فوجدتها وحيدة فريدة فى هذا الباب بلا شك وارتباب لأنها مملوءة بالتحقيقات الانيقة عندا لى الالباب.

میں نے رسالہ ”المرأة لطرق حديث من كان له إمام“ بغور مطالعہ کیا تو میں نے اس کو اس میدان میں بغیر شک و شبہ اپنے مجال میں وحید اور نادر پایا کیوں کہ یہ کتاب بہترین اور خوبصورت تحقیقات سے بھرپور ہے۔

② تحفة الأحاباب فی تخریج أحادیث قول الترمذی وفی

الباب (غیر مطبوع)

امام ابوعبسی ترمذی رحمہ اللہ کی مشہور زمانہ کتاب ”جامع ترمذی“ صحاح ستہ کی ایک اہم کتاب ہے جس پر بے شمار محدثین کرام نے مختلف نوعیت کا کام کیا کئی نے اس کتاب کی شروحات تحریر کیں تو کئی نے اس کی تخریج کی اور کئی محدثین نے امام ترمذی کی دوسری روایت کی طرف اشارہ کر دہ ”وفی الباب“ کی تخریج کی۔ امام ترمذی کی یہ عادت ہے کہ وہ جامع ترمذی، میں پہلے باب باندھتے ہیں اور اس کے تحت احادیث کو ذکر کرتے ہیں اور پھر حدیث کے آخر میں ”وفی الباب“ لکھ کر دوسری روایات کی طرف اشارہ کر دیتے ہیں کہ اس کے شواہد فلاں فلاں صحابی سے منقول ہیں۔

شاہ صاحب رحمہ اللہ نے اپنی اس کتاب میں قول ترمذی ”وفی الباب“ میں ذکر کردہ تمام شواہد کی تخریج کی ہے اور بتایا ہے کہ یہ شواہد کن کن کتب میں موجود ہیں اور شاہ صاحب نے اس کتاب میں مندرجہ ذیل منج اپنایا ہے۔

(۱) پہلے وہ باب کے تحت ”وفی الباب“ کے تمام شواہد کی تخریج کرتے ہیں پھر ہر ایک کی سند بیان کرتے ہیں اور پھر حدیث پر حکم لگاتے ہیں اور ہر باب کے تحت شاہ صاحب نے ایک فصل کا ذکر کیا ہے جس کا نام انہوں نے ”فصل فی الاستدراک“ کا دیا ہے جس میں انہوں نے ان شواہد کا بھی ذکر کر دیا جس کا مصنف رحمہ اللہ نے اشارہ نہیں کیا تھا یہ کتاب اپنی نوعیت کی بہترین کتاب ہے لیکن وہ صرف کتاب الطہارۃ تک تخریج کر سکے تھے۔

③ السمط الابریز حاشیۃ مسند عمر بن عبدالعزیز (مطبوع)

امام الحافظ الکبیر محدث العراق ابوبکر محمد بن محمد بن سلیمان بن الحارث الازدی الواسطی المعروف ”الباغندی“ نے مسند عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کے نام سے ایک کتاب تصنیف کی جس میں انہوں نے عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ سے جتنی روایات تھیں ان کو ایک جگہ جمع کیا ہے۔

شاہ صاحب رحمہ اللہ نے اس کتاب کی مکمل تحقیق کی اور حاشیہ کے طور پر مندرجہ ذیل علمی نقاط کا اضافہ کیا۔

- ۱- تمام روایت کی تخریج معہ تمام راویوں کے تراجم اور ان کے بارے میں محدثین کے اقوال نقل کئے۔
- ۲- تمام روایات کی ترتیب دی اور ان کو ارقام میں تقسیم کیا۔
- ۳- اور عند الحاجة فوائد علمیہ اور قیمہ سے قرطاس کو منور کیا۔
- ۴- صحت و ضعف کے لحاظ سے حدیث پر حکم لگا دیا۔
- ۵- یہ کتاب مکتبہ فاروقیہ ملتان سے شائع ہو چکی ہے۔

۴) الإجابة مع الإصابة فی ترتیب أحادیث البیهقی علی

مسانید الصحابة (غیر مطبوعہ)

امام الحدیث الحافظ الجلیل ابی بکر أحمد بن الحسین بن علی المعروف امام بیہقی رحمہ اللہ اپنے زمانہ کے ایک عظیم محدث تھے ان کے اوصاف و کمالات کا اعتراف ان کے معاصرین علماء فن و ارباب سیر اور تذکرہ نگاروں نے کیا ہے علامہ ابن سبکی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

امام بیہقی علم و فضل کا پہاڑ اور اپنے دور میں عدیم المثال یکتائے روزگار میدان علم کے شاہ سوار حاذق الفن محدث اور علوم اسلامیہ کے بحر عالم تھے۔

ان کی پیدائش ۳۸۴ھ میں خراسان کے مشہور شہر نیشاپور کے مضافاتی قریہ ”بہق“ میں پیدا ہوئے جن کی طرف ان کی نسبت کی جاتی ہے، اور ان کی وفات ۷۴۷ھ کی عمر میں نیشاپور میں ۱۰ جمادی الاولیٰ ۴۵۸ھ کو اپنے وطن میں ہوئی امام صاحب نے بے شمار کتب تالیف کیں لیکن ان کی کتاب ”السنن الکبریٰ“ ایک مایہ ناز اور شہرہ آفاق تصنیف ہے، اس کی عظمت و مقبولیت کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ صحاح ستہ کے بعد جن کتابوں کو غیر معمولی شہرت اور بقائے دوام نصیب ہوا اس میں سنن کبریٰ بھی شامل ہے۔

حافظ ابن صلاح، امام السیوطی، شاہ ولی الدہلوی اور حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی نے اس کتاب کی تعریف و توصیف کی ہے اور اس کو عمدہ اور پر منفعت بتایا ہے۔ (کاروان حدیث ص ۱۸۶ عبد الرشید عراقی) امام بیہقی رحمہ اللہ نے اپنی اس کتاب کو ابواب فقہیہ پر مرتب کیا ہے اور پہلے وہ کتاب ذکر کرتے ہیں اور بعد میں اس کے تحت ابواب مرتب کرتے ہیں اور پھر حدیث بیان کرتے ہیں۔

شاہ بدیع الدین راشدی رحمۃ اللہ علیہ نے ”السنن الکبریٰ“ کی تمام احادیث کو علی مسانید الصحابہ یعنی ہر صحابی رسول کی احادیث کو الگ الگ ذکر کر دیا مثال کے طور پر حضرت انس رضی اللہ عنہ کی تمام حدیثوں کو مختلف بابوں سے لے کر ایک جگہ جمع کر دی جس طرح مسند احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ ہے اسی طرح ہر صحابی کی حدیث کو ایک جگہ جمع کر دیا ہے اور اس کتاب کو انہوں نے حروف تہجی پر ترتیب دیا ہے اور اس کی تحقیق اور تخریج کے ساتھ ساتھ ان احادیث پر صحت و ضعف کے لحاظ سے حکم بھی لگایا ہے اس کے علاوہ فوائد علمیہ و قیمتیہ سے بھرپور ہے لیکن صدا فوس یہ کتاب مکمل نہ ہو سکی صرف حضرت جابر رضی اللہ عنہ تک ہوئی تھی کہ شاہ صاحب دنیا سے رخصت ہو گئے ورنہ یہ کتاب کئی جلدوں پر مشتمل ہوتی۔

⑤ الإمام بتبویب أحادیث الخطیب علی الأحکام (مطبوعہ)

امام ابوبکر خطیب بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک عظیم الشان کتاب بنام ”تاریخ بغداد“ کئی اجزاء میں تحریر کی جس میں انہوں نے ان راویوں کے تراجم نقل کئے ہیں جو یا تو بغداد کے ساکن تھے یا ان کا وہاں ورود مسعود ہوا یا ان کا کسی طرح بھی بغداد سے تعلق تھا۔ اور ہر راوی کے ترجمہ کے ساتھ ساتھ وہ چند احادیث بھی نقل کرتے ہیں اور امام صاحب کی کوشش و سعی یہ ہوتی تھی کہ ان روایات کو نقل کیا جائے جو انہوں نے بغداد میں سنی ہوں۔

شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ”تاریخ بغداد“ کی تمام احادیث کو جمع کیا اور ان کو ابواب فقہیہ پر ترتیب دیا ہے اور مندرجہ ذیل منہج پر کتاب کو مرتب کیا۔

۱- تاریخ بغداد کی تمام روایات کو جمع کیا۔

۲- ان احادیث کو ابواب فقہیہ یعنی کتاب الطہارۃ کتاب الصلاۃ پر ترتیب دیا۔

۳- ہر حدیث پر صحت اور ضعف کے لحاظ سے حکم لگایا۔

۴- ہر حدیث کی تخریج کی۔

۵- اور آخر میں یہ بتایا کہ یہ حدیث تاریخ بغداد کے کس راوی کے تحت نقل کی گئی ہے۔

۶- یہ کتاب بھی نامکمل ہے تقریباً کتاب العلم کتاب الایمان کتاب الطہارۃ اور کتاب الصلاۃ سے

باب ”الإبراد بالصلوة إذا اشتد الحر“ تک کام ہو چکا تھا۔

⑥ فہرستہ احادیث تاریخ مدينۃ السلام علی تبویب

المسائل وترتيب الأحكام (غیر مطبوعہ)

یہ کتاب دراصل الامام بتویب الاحادیث الخطیب علی الاحکام کی فہرست ہے جس کا نام شاہ صاحب نے الگ رکھا ہے۔

④ أزهار الحقائق فی تذکار من جمع احادیث خیر الخلاق

(غیر مطبوعہ)

شاہ صاحب رحمہ اللہ کی یہ ایک اہم کتاب ہے جس میں انہوں نے ان محدثین کی کا تذکرہ کیا ہے جس نے کوئی بھی حدیث کی کتاب لکھی ہے۔ گویا کہ حدیث کی کتب کا ایک انسائیکلو پیڈیا ہے جس میں تقریباً دو ہزار کتب کا تعارف ہے شاہ صاحب نے اس کتاب پر مندرجہ ذیل منہج پر کام کیا ہے۔

۱۔ سب سے پہلے وہ کتاب کا مکمل نام تحریر کرتے ہیں۔

۲۔ پھر مصنف کا مکمل تعارف اختصار کے ساتھ

۳۔ ہر کتاب کی ایک حدیث اور اس کی مکمل تخریج کرتے ہیں۔

⑧ حاشیۃ انتقاض الاعتراض فی الرد علی العینی فی شرح

البخاری (غیر مطبوعہ)

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ المتوفی ۸۵۲ھ نے بخاری شریف پر ایک بہترین شرح لکھی جس کا نام ”فتح الباری“ رکھا تھا علامہ عینی نے حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کی شرح پر بعض جگہ اعتراض کئے جس کا جواب حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے ”انتقاض الاعتراض“ کے نام سے تحریر کیا اور علامہ عینی رحمہ اللہ کا مسکت جواب دیا۔

شاہ صاحب رحمہ اللہ نے بعض جگہ حاشیہ کے طور پر علمی نقاط تحریر کئے ہیں اور حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کے دیئے ہوئے ہر حوالہ کا صفحہ اور جلد نمبر تحریر کیا ہے شاہ صاحب کتاب کے ابتدائی ۳۷ صفحات پر کام کر چکے تھے۔

⑨ صریح المہمد فی تخریج بلاغات مؤطا محمد (غیر مطبوع)

امام محمد رحمہ اللہ کی مشہور کتاب ”مؤطا محمد“ جس پر کئی محدثین نے مختلف انداز میں مختلف نوعیت کے کام کئے شاہ صاحب رحمہ اللہ نے اس کتاب میں ”بلاغات“ احادیث کی تخریج کی ہے اور بعض جگہ اس کا اتصال بھی بیان کیا ہے اور حدیث پر حکم بھی لگایا ہے ”کتاب الاضاحی“ تک اس پر شاہ صاحب نے کام کیا ہے۔

⑩ اربعینات فی الدینیات (غیر مطبوع)

شاہ صاحب رحمہ اللہ نے محدثین کے طرز پر اربعین کا مجموعہ تیار کیا لیکن ان کا منہج اس کتاب میں بالکل مختلف تھا۔

شاہ صاحب رحمہ اللہ نے پہلے ابواب فقہیہ کو چالیس ابواب میں تقسیم کیا اور پھر ہر باب کے تحت چالیس احادیث کا مجموعہ جمع کیا اور ہر حدیث کی تخریج کی اور حکم لگایا۔ یہ کتاب بھی اپنی نوع کی ایک منفرد کتاب ہے، شاہ صاحب نے اس کتاب کے صرف نو باب مکمل کئے تھے۔

(۱۱) البرق السماوی علی السارق الدنیاوی (غیر مطبوع)

شاہ صاحب رحمہ اللہ نے اس کتاب میں سارق یعنی ”چور“ کی سزاء احادیث صحیحہ کی روشنی میں بیان کی ہیں اور اس کتاب کو مختلف ابواب میں تقسیم کیا ہے اور ہر باب کے تحت حدیث کو ذکر کرنے کے بعد اس حدیث کی تخریج بھی کی ہے اور حکم بھی لگایا ہے شاہ صاحب رحمہ اللہ نے یہ کتاب اپنے ہاتھ سے لکھی تھی ورنہ اکثر کتابیں وہ کاتب سے لکھواتے تھے۔

(۱۲) التعليقات الراشدية علی شرح اربعین النوویہ للشیخ

محمد حیات السندی (غیر مطبوع)

امام سحبی بن شرف نووی رحمہ اللہ کی مشہور زمانہ کتاب ”اربعین نووی“ ہے جس میں انہوں نے صحیح احادیث جمع کیں ہیں اور ان میں اکثر روایات صحیح بخاری و مسلم سے ماخوذ ہیں اختصار کے خیال سے سندیں حذف کر دی ہیں اور ۴۰ کے بجائے ۴۲ حدیثیں جمع کی ہیں۔

اس کتاب کی شرح بے شمار محدثین عظام نے تحریر فرمائی ہیں جن میں امام نووی خود، ابن رجب

حنبل، ابن حجر ہیثمی، ابن حجر عسقلانی اور دیگر محدثین شامل ہیں۔

ان شارحین میں سے ایک بارہویں صدی کے سندھ کے عظیم محدث العلامة محمد حیات السندی رحمۃ اللہ علیہ التوفی ۱۱۶۲ھ شامل ہیں جنہوں نے اس کتاب کی بہترین شرح تحریر کی ہے۔
شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اس کتاب پر مختصر تعلق لگائی ہے۔

(۱۳) التعلیق المنصور علی فتح الغفور فی وضع الایدی علی

الصدور (غیر مطبوعہ)

بارہویں صدی کے عظیم محدث العلامة المحدث محمد حیات السندی التوفی ۱۱۶۲ھ نے ایک کتاب ”فتح الغفور فی وضع الایدی علی الصدور“ لکھی تھی جو بہت معروف و مشہور کتاب ہے تو شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اس کتاب کی مکمل تحقیق مندرجہ ذیل اصولوں پر کی ہے۔

- ۱- کتاب پر ایک علمی و جامع مقدمہ لکھا ہے۔
- ۲- ہر حدیث کی مکمل تخریج و تحقیق کی ہے۔
- ۳- سند کے تمام رجال کا ترجمہ اور حکم ذکر کیا ہے۔
- ۴- ہر حدیث کے فوائد بھی بیان کئے ہیں۔
- ۵- اور ہر حدیث کے متابعات اور شواہد کا احاطہ کرنے کی کوشش کی ہے۔
- ۶- مصنف رحمۃ اللہ علیہ کے بیان کردہ تمام حوالوں کو اصلی مصادر و مراجع سے نقل کر کے صفحہ اور جلد نمبر ذکر کیا ہے۔

(۱۴) توفیق الباری فی ترتیب جزء رفع الیدین للبخاری

(غیر مطبوعہ)

شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اس کتاب میں امام بخاری کی کتاب جزء رفع الیدین کی احادیث کو ترتیب دیا یعنی احادیث مرفوعہ کو الگ اور موقوفات کو الگ اور امام صاحب کے اقوال کو ایک جگہ جمع کر دیا ہے تاکہ افادہ حاصل کرنے میں آسانی ہو یہ کتاب ہندوستان کے مشہور رسالہ محدث بنارس سے ۱۹۸۵ میں قسط وار

شائع ہو چکی ہے۔

(۱۵) غایۃ المرام فی تخریج جزء القراءة خلف الإمام للبخاری

(غیر مطبوع)

امام بخاری رحمہ اللہ نے ایک کتاب ”جزء القراءة خلف الإمام“ تحریر کی جس میں انہوں نے احادیث کی روشنی میں امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ کو پڑھنا مقتدی کے لئے ضروری قرار دیا اور قرآنہ خلف الإمام کی تمام احادیث کو ایک جگہ جمع کر دیا۔

شاہ صاحب رحمہ اللہ نے اس کتاب کی تمام احادیث کی تخریج کی اور تمام رجال کا ترجمہ ذکر کیا اور صحت حسن اور ضعف کے لحاظ سے حدیث پر حکم بھی لگایا۔

شاہ صاحب نے اس کتاب کو شائع کرنے کے لئے شیخ عبدالمعتم فاروقی کتب خانہ والے کو دی انہوں نے شیخ عبدالککور سانگلہ والے کو دی اور ان سے یہ کتاب ضائع ہو گئی جو ابھی تک مفقود ہے۔

(۱۶) القندیل المشعول فی تحقیق حدیث اقتلوا الفاعل

والمفعول (غیر مطبوع)

شاہ صاحب رحمہ اللہ نے اس کتاب میں حدیث ”من وجدتموه يعمل عمل قوم لوط فاقتلوا الفاعل والمفعول له“ کی تحقیق کی ہے۔ بعض محققین نے اس حدیث کو ضعیف قرار دیا جب کہ شاہ صاحب رحمہ اللہ نے اس حدیث کو کثرۃ طرق اور متابعات و شواہد کی روشنی میں یہ ثابت کیا ہے کہ یہ حدیث ”حسن لغیرہ“ کے درجہ تک رسائی کرتی ہے۔

(۱۷) زجاجة القندیل (غیر مطبوع)

اس کتاب میں شاہ صاحب رحمہ اللہ نے لواطت کرنے والے شخص کی سزا کے بارے میں احادیث اور آثار کی روشنی میں یہ ثابت کیا ہے کہ اس کو رجم کیا جائے یا قتل یا کسی اونچی جگہ سے دھکا دیا جائے۔

(۱۸) التذیل للقندیل (غیر مطبوع)

اس کتاب میں شاہ صاحب رحمہ اللہ حدیث البیہمة یعنی ”من أتى البیہمة فاقتلوه واقتلوا معه“

کی تحقیق کی ہے۔ اس حدیث کے بارے میں بھی محققین کا اختلاف ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے حسن یا ضعیف شاہ صاحب رحمہ اللہ نے اس حدیث کو درجہ ”حسن“ تک پہنچایا ہے۔

(۱۹) التکمیل لتذیل القندیل (غیر مطبوع)

اگر کوئی شخص کسی جانور سے وطنی کرتا ہے اور وہ جانور ماکول اللحم ہے تو کیا اس کا گوشت کھایا جاسکتا ہے یا نہیں؟ تو اس کتابچے میں اس مسئلہ کی وضاحت کی گئی ہے اور آخر میں احادیث آثار اور فقہاء کے اقوال کے پیش نظر حکم بیان کیا گیا ہے۔

(۲۰) انماء الزکن فی تنقید انهاء السکن المعروف ”نقض

قواعد فی علوم الحدیث (مطبوع)

حنفی علماء کے مشہور عالم دین ظفر احمد تھانوی رحمہ اللہ نے حنفی مذہب کی تائید میں ایک کتاب ”اعلاء السنن“ لکھی جو کئی جلدوں پر مشتمل ہے۔ اور اس کتاب کا مقدمہ لکھا جس کا نام انہوں نے ”انهاء السکن“ رکھا جس میں انہوں نے علوم حدیث کو حنفی رنگ میں بیان کئے اور بعد میں شام کے مشہور عالم دین شیخ ابو نعیم نے مصنف کی اجازت سے اس کا نام بدل کر ”قواعد فی علوم الحدیث“ رکھ دیا اور اسی نام سے شائع کر دیا اس وقت جو ماریٹ میں قواعد فی علوم الحدیث تھانوی صاحب کی مشہور ہے یہ وہی اعلاء السنن کا مقدمہ ہے۔ شیخ البانی رحمہ اللہ اس کتاب کے بارے میں لکھتے ہیں:

حق تو یہ تھا کہ اس کتاب کا نام قواعد علی مذہب الحنفیہ رکھا جاتا نہ کہ قواعد فی علوم الحدیث اور آخر میں لکھتے ہیں:

”حق هذا الكتاب ان يسمى مهازل في علوم الحديث فعلم الحديث في واد وهو

لاء العميان في واد انا لله وانا اليه راجعون.“

شاہ بدیع الدین رحمہ اللہ جب مدینہ منورہ تشریف لے گئے تو ان کو جامعہ اسلامیہ میں ایک پاکستانی شیخ حافظ فتحی رحمہ اللہ نے شاہ کو اس بات کی طرف توجہ دلائی کہ اس کتاب کا جواب تحریر کیا جائے تو شاہ صاحب نے یہ ذمہ داری قبول کی اور اس کتاب کا مسکت جواب دیا اور اس کتاب کا نام ”انماء الزکن فی تنقید

انہاء السکن“ رکھا اور شیخ صلاح الدین مقبول صاحب نے اس کتاب کی مکمل تحقیق کی اور علمی تعلیقات سے کتاب کی اہمیت کو اور اجاگر کر دیا اور کویت سے اس کتاب کو ”نقص قواعد فی علوم الحدیث“ کے نام سے شائع کیا ہے۔

(۲۱) الطّوام المرعشہ فی بیان تحریفات اہل الرأی المدہشہ (مطبوعہ)

محدثین عظام کا یہ وطیرہ رہا ہے کہ جب بھی کسی نے قرآن و حدیث پر کسی بھی طرح حملہ کیا تو ان لوگوں نے اس کا دفاع کیا اور مکمل طور پر اس کا جواب دیا تو محدثین کے مقابلہ میں ایک فرقہ ”اہل الرأی“ ہے جس نے ہمیشہ قرآن و حدیث کے دلیل کے خلاف عقل کو استعمال کیا۔ بظاہر تو وہ قرآن کے خلاف کچھ نہیں کر سکتے تو انہوں نے قرآن پاک کی باطل تاویلات کی اور اس طرح حدیث شریف میں کچھ اس طرح اضافہ کیا کہ وہ اپنے اصل معنی سے ہٹ گئیں مثال کے طور پر اہل الرأی نے مسلم کی حدیث کو کچھ اس طرح اپنی کتب میں ذکر کیا۔

مالی اراکم رافعی ایدیکم عند الرکوع والرفع عنه کاذناب خیل شمس
حالانکہ ”عند الرکوع والرفع عنه“ کے الفاظ صحیح مسلم میں نہیں ہیں۔

تو شاہ صاحب رحمہ اللہ نے اس کتاب میں اس طرح کی مثالیں دیں اور ان کا پردہ چاک کیا اور اپنی اس کتاب کو ایک مقدمہ اور دو بابوں میں تقسیم کیا مقدمہ میں دفاع عن حدیث اور اہل الرأی کا مطلب بیان کیا اور باب اول میں تحریفات فی القرآن جبکہ باب ثانی میں تحریفات فی حدیث بیان کیں یہ کتاب صلاح الدین مقبول رحمہ اللہ کی تعلیق کے ساتھ کویت سے شائع ہوئی ہے۔

(۲۲) شیوخ الإمام البیہقی (غیر مطبوعہ)

شاہ صاحب رحمہ اللہ نے اس کتاب میں امام بیہقی کے اساتذہ کے تراجم کو جمع کیا ہے اور تمام شیوخ کو حروف تہجی پر ترتیب دیا اور ہر استاد کے ساتھ ایک روایت بطور استدلال ذکر بھی کرتے یہ کتاب بھی ناکمل ہے لیکن جتنا کام ہوا ہے وہ اپنی مثال آپ ہے۔

(۲۳) المعقبات المرضية للتعقيبات الغير المرضية (غير مطبوع)

شاہ محبت اللہ راشدی رحمۃ اللہ علیہ نے شاہ صاحب کی کتاب ”المرأة لطرق حديث من كان له امام فقرة الإمام قراءة“ پر بعض جگہوں پر اعتراض کیا تھا تو شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اس کتاب میں ان کے ان اعتراضات کا جواب تحریر کیا اور اس کا نام رکھا ”المعقبات المرضية للتعقيبات الغير المرضية“

(۲۴) تهذيب الأقوال فيمن له ترجمة في المرأة من الرجال

(غير مطبوع)

شاہ بدیع الدین راشدی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب ”المرأة لطرق حديث من كان له امام فقرة الإمام له قراءة“ کے تمام راویوں کے تراجم ذکر کئے اور ان کے ثقہ غیر ثقہ ہونے کا حکم لگایا اور اس کتاب کو تہذیب الاقوال سے موسوم کیا۔

(۲۵) التجویب لتعقیب التہذیب (غير مطبوع)

شاہ محبت اللہ راشدی صاحب نے شاہ صاحب کی کتاب ”تہذیب الاقوال“ کے چند رجال پر تنقید کی اور شاہ بدیع الدین راشدی رحمۃ اللہ علیہ کی رائے کی مخالفت کی تو شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اس کتاب میں شاہ محبت اللہ صاحب کی تنقید کا علمی جواب بنام ”التجویب لتعقیب التہذیب“ سے دیا۔

(۲۶) القول اللطيف في الاحتجاج بالحديث الضعيف (غير مطبوع)

کیا ضعیف حدیث پر عمل کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟

یہ ایک ایسا سوال ہے جس پر متقدمین اور متاخرین محدثین میں شدید اختلاف رہا کئی تو مطلقاً جائز قرار دیتے ہیں اور کئی مطلقاً ناجائز قرار دیتے اور بعض محدثین چند شروط کے ساتھ جائز قرار دیتے ہیں۔ شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اس کتاب میں اسی سوال کا جواب دیا ہے اور انہوں نے چند شروط کے ساتھ حدیث ضعیف پر عمل کرنا جائز قرار دیا ہے شروع کتاب میں وہ شروط بیان کرتے ہیں اور بعد میں اپنے مؤقف کی تائید میں ۷۷ محدثین کرام کے اقوال نقل کرتے ہیں۔

راقم الحروف نے جامعۃ الازھر قاہرہ مصر میں دوران تعلیم اس کتاب کی مکمل تخریج و تحقیق کی تھی اور

ان شاء اللہ عنقریب اردو ترجمہ کے ساتھ طبع کرنے کا ارادہ ہے۔

(۲۷) جزء منظوم فی أسماء المدلسین (مطبوع)

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ المتوفی ۸۵۲ھ نے مدلس راویوں کے بارے میں ایک کتاب بنام ”تعریف اہل التقدیس بمراتب الموصوفین بالتدلیس“ تحریر کی جس میں انہوں نے ۱۵۲ راویوں کو پانچ مراتب میں تقسیم کیا ہے تو شاہ صاحب رحمہ اللہ نے اس کتاب میں ان تمام راویوں کو نظم میں پرو دیا ہے تاکہ یاد کرنے میں آسانی ہو جائے۔

راقم الحروف نے اس کتاب کی مکمل تحقیق قاہرہ میں کی تھی جس کو عنقریب شائع کرنے کا ارادہ ہے۔

(۲۸) جلاء العینیین بتخریج روایات البخاری فی جزء رفع

الیدین (مطبوع)

امیر المؤمنین فی الحدیث ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل البخاری رحمہ اللہ نے ”رفع الیدین“ کے موضوع پر ایک بہترین کتاب بنام ”جزء رفع الیدین“ تحریر کی جس پر شاہ بدیع الدین راشدی صاحب نے ایک بہترین تعلیق بنام ”جلاء العینیین“ کے نام سے تحریر کی جس میں شاہ صاحب نے تمام روایات کی تخریج، ہر راوی کا ترجمہ اور ہر روایت پر حکم لگایا اور سب سے پہلے اس کتاب کو ”ادارہ اثریہ کے مدیر فضیلۃ الشیخ ارشاد الحق اثری صاحب رحمہ اللہ نے فیصل آباد سے شائع کروایا اسکے علاوہ یہ کتاب لبنان اور مصر سے بھی شائع ہو چکی ہے۔

(۲۹) تحقق الدعاء برفع الیدین وما قبل فی اسلام الابوین

(غیر مطبوع)

شاہ صاحب نے اس کتاب میں دو مسئلوں کو علمی طور پر حل کیا ہے جو مختلف فیہ مسائل میں سے ہیں۔

المسئلة الأولى:

تحقیق الدعاء برفع الیدین بعد الصلوة مفروضة كانت او نافلة مع الجماعة
یعنی فرض نماز یا نفلی نماز کے بعد جماعت کے ساتھ ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا اس کا شریعت میں ثبوت

ہے یا نہیں؟

تو شاہ صاحب نے اس کتاب میں اس مسئلہ پر علمی اور سیر حاصل بحث کی ہے اور اس مسئلہ کے متعلق اختصار کے طور پر سمجھایا ہے کہ

والمسئلة المسئلة عنها للناس فيها افراط و تفريط و الثابت من الاصل المسلك
الوسيط و خير الامور راوسطها لا فراطها ولا افراطها

قال ابو محمد: والقول بين القولين المقارب للفريقين وهو ان رفع الايدي في
الدعاء بعد الصلوة المكتوبة مع الجماعة فعل مسنون وعمل مأمون وكذا تركه مباح لا جناح
لا معيوب ولا معيوب ومنسوب لا مكتوب (تحقيق الدعاء ص ۱۵۵)

شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ یہ جو مسئلہ مجھ سے پوچھا گیا ہے یہ افراط و تفريط کا شکار ہے اور صحیح
بات یہ ہے کہ مسئلہ ثابت ہے اور بہتر کام معتدل ہے۔

قال ابو محمد: یہ شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی کثیت ہے اکثر کتاب میں وہ علماء سلف کی طرح اپنی کثیت لے
کر مسئلہ کی وضاحت کرتے ہیں فرماتے ہیں کہ صحیح بات ان دونوں قولوں کے درمیان ہے جو دونوں فریقوں کو
قریب لاتی ہے وہ یہ کہ فرض نماز کے بعد جماعت کے ساتھ دعا کے لئے ہاتھ اٹھانا فعل مسنون ہے اور امن
والافعل ہے اسی طرح اس کا چھوڑنا بھی جائز ہے جس میں نہ گناہ نہ عیب ہے اور نہ ہی عتاب کا باعث ہے اور
دعا کرنا مستحب ہے فرض نہیں ہے۔

المسئلة الثانیة:

ابو النبی صلی اللہ علیہ وسلم ماتا علی الاسلام ام علی الکفر هل هو إلى الان

کذلک ام لا

دوسرا مسئلہ جو اس کتاب میں ہے وہ یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کی وفات اسلام پر ہوئی ہے یا
کفر پر اگر کفر پر ہوئی ہے تو پھر کیا وہ کافر ہیں یا نہیں اور امام قرطبی نے ایک روایت نقل کی جس میں انہوں نے
ایک حدیث ذکر کی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقام کی وجہ سے آپ کے والدین کو دوبارہ زندہ کیا گیا اور انہوں
نے اسلام قبول کیا۔

شاہ صاحب رحمہ اللہ نے اس کتاب میں اس سوال کا تسلی بخش جواب تحریر کیا ہے اور امام قرطبی رحمہ اللہ سے جو روایت ذکر کی ہے اس کا علمی و تحقیقی لحاظ سے پوسمارٹم کیا ہے اور امام قرطبی رحمہ اللہ نے جو اس حدیث کو دلیل بنا کر دوسرے اقوال اور دلائل و براہین کا ذکر کیا ہے کہ جب بنی اسرائیل میں مقتول زندہ ہو سکتا ہے اصحاب الکہف زندہ ہو سکتے ہیں اور عیسیٰ علیہ السلام کے ہاتھوں اللہ تعالیٰ کیجی الموقی، کر سکتا ہے تو ہمارے نبی ﷺ تو امام الانبیاء ہیں اور ان کا مقام سب نبیوں سے اعلیٰ ہے تو ان سے یہ معجزہ صادر کیوں نہیں ہو سکتا؟

شاہ صاحب رحمہ اللہ نے اس کتاب میں ان سب کا عقلاً و نقلاً رد پیش کیا ہے۔
اور اس طرح اس کتاب میں شاہ صاحب نے امام السیوطی رحمہ اللہ کی اس موضوع پر لکھی گئی دو کتب میں
① الفوائد الکامنة فی ایمان السیدة آمنة

اور دوسری کتاب

② التعظیم والمنة فی أن ابوی المصطفی صلی اللہ علیہ وسلم فی الجنة

کا خوب تعقب کیا ہے۔

راقم الحروف نے اس کتاب کی بھی مکمل تحقیق جامعۃ الازھر میں کی تھی۔

جب کہ اس کتاب کا پہلا حصہ فضیلتہ الشیخ محمد عبداللہ ظاہری صاحب رحمہ اللہ نے اس کتاب کا اردو ترجمہ کے ساتھ حیدرآباد سے شائع کیا ہے۔

(۳۰) رفع الإرتیاب عن حکم الأصحاب (غیر مطبوعہ)

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی فضیلت اور دفاع عن الصحابة کے موضوع پر شاہ صاحب کی یہ ایک بہترین شاہکار ہے جس کو ۲۱ بابوں میں تقسیم کیا ہے ان میں سے چند ابواب کی تفصیل:

باب اول: صحابی کی تعریف اور ان کی فضیلت قرآن و احادیث کی روشنی میں

باب ثانی: جو شخص صحابہ پر سب و شتم کریں اس کا گناہ۔

باب ثالث: صحابہ کرام کا یہ کہنا ”امرونا بکذا نہینا عن کذا“ رفع الحدیث۔

”من السنة کذا“ کنا نقول کذا“ آیا یہ مرفوع کے حکم میں ہے یا موقوف کے؟

باب رابع: صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اقوال حجت ہیں یا نہیں؟

اس کے علاوہ اور بہت کچھ جو اس کتاب کی زینت ہے۔

(۳۱) ایفاء اللہی علی اعفاء اللہی (غیر مطبوعہ)

شیخ محمد حیات السندھی ۱۲۳ھ نے داڑھی کی اہمیت پر ایک کتاب بنام ”اعفاء اللہی“ تحریر کی شاہ صاحب رحمہ اللہ نے اس کتاب پر ایک بہترین تعلیق بنام ”ایفاء اللہی“ تحریر کی اور کتاب کے شروع میں ایک مقدمہ لکھا جس میں انہوں نے ”لحیہ“ لفظ پر لغوی بحث کی ہے اور داڑھی کے فوائد بیان کئے ہیں۔

(۳۲) خیر المشرب فی سنیۃ الركعتین قبل المغرب (غیر مطبوعہ)

شاہ بدیع الدین صاحب کو بعض محدثین عصر نے ”ملازم بالسنة“ کا لقب دیا ہے اس کی یہ وجہ تھی کہ شاہ صاحب ہر سنت کو اپناتے تھے اور اس پر عمل کرتے تھے جس سے ان کی محبت رسول ﷺ ثابت ہوتی ہے اس کتاب میں شاہ صاحب نے ایک مفقود سنت (نماز مغرب سے پہلے دو رکعات سنت) کو احادیث رسول ﷺ سے ثابت کیا ہے۔



مکتبہ راشدیہ

علامہ سید بدیع الدین شاہ راشدی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک عظیم کارنامہ

علم اللہ تعالیٰ کی ایک بہت بڑی نعمت ہے، عالم اور جاہل برابر نہیں ہوتے۔ فرمان الہی ہے:

قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِينَ يَعْلَمُونَ وَالَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ (الزمر: ۹)

بتاؤ تو علم والے اور بے علم کیا برابر کے ہیں؟

اور ایمان و اسلام سے نابلد اور جاہل ہونا بڑا عیب و خسارہ ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں بار

بار بیان فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس علم کو قلم و کتاب سے محفوظ کرنے کا بھی علم عطا فرمایا ہے۔ فرمان الہی ہے:

اقْرَأْ وَرَبُّكَ الْأَكْرَمُ ۝ الَّذِي عَلَّمَ بِالْقَلَمِ (القلم: ۳، ۴)

تو پڑھتا رہتا تیرا رب بڑے کرم والا ہے جس نے قلم کے ذریعے علم سکھایا۔

بلکہ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی ہدایت کے لئے انبیاء کو کتابیں عطا فرمائیں جن پر ایمان لانا واجب

ہے۔ فرمان الہی ہے:

لَقَدْ أَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنَاتِ وَأَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتَابَ وَالْمِيزَانَ لِيَقُومَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ

(الحديد: ۲۵)

یقیناً ہم نے اپنے پیغمبروں کو کھلی دلیلیں دے کر بھیجا اور ان کے ساتھ کتاب اور میزان (ترازو)

نازل فرمایا تاکہ لوگ عدل پر قائم رہیں۔

☆ گورنمنٹ ڈگری کالج کالی موری حیدرآباد، کاتب سید بدیع الدین شاہ راشدی رحمۃ اللہ علیہ، سابق انچارج مکتبہ راشدیہ

آزاد پیر جھنڈا، اس وقت آپ شاہ صاحب پر پی۔ ایچ۔ ڈی کا رسالہ بنام ”پیر جھنڈو خاندان کی دینی و علمی خدمات“ پر

مقالہ تحریر کر رہے ہیں۔

اور فرمایا:

كُلُّ آمَنٍ بِاللَّهِ وَمَلَائِكَتِهِ وَكُتُبِهِ وَرُسُلِهِ (البقرة: ۲۸۵)

یہ سب اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتوں پر اور اس کی کتابوں پر اور اس کے رسولوں پر ایمان لائے۔ وہ کتب اور احکام وحی کی صورت میں نازل ہوتے تھے لیکن پھر اللہ تعالیٰ کے حکم سے انہیں کتابی شکل میں محفوظ کیا گیا۔ فقط موسیٰ علیہ السلام کو تورات تختیوں پر لکھی ہوئی ملی تھی۔ فرمان الہی ہے:

وَكُتِبْنَا لَهُ فِي الْأَلْوَابِ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ مُوعِظَةً (الاعراف: ۱۲۵)

اور ہم نے چند تختیوں پر ہر قسم کی نصیحت ان کو لکھ کر دی۔

نبی اکرم ﷺ نے قرآن مجید کو کتابوں سے لکھوایا اور آپ ﷺ کے فرامین، صفات اور اعمال و کردار کو صحابہ نے بھی حفظ کیا اور لکھا بھی۔ جناب امام، حافظ، فقیہ، سید المحدثین ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا:

ما من اصحاب النبي صلى الله عليه وسلم احد اكثر حديثا عنه مني الا ما كان من عبدالله بن عمرو فانه كان يكتب ولا اكتب (صحيح بخاری ۱/۳۸) وقال فاني كنت اعي بقلبي، وكان يعي قلبه ويكتب بيده (معاني الآثار ۲/۳۸۴)

یعنی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے عبداللہ بن عمرو بن العاص کے علاوہ کوئی بھی مجھ سے زیادہ آپ ﷺ کی احادیث روایت کرنے والا نہیں، کیونکہ میں فقط یاد کرتا تھا جبکہ عبداللہ بن عمرو بن عاص یاد بھی کرتے تھے اور لکھتے بھی تھے۔

صحابہ کرام کے بعد امت محمدیہ نے جس طرح علم کو کتابی شکل میں محفوظ کیا اس کی مثال اقوام عالم میں ملنا ناممکن اور مشکل ہے۔ مسلمانوں نے نہ صرف علوم اسلامیہ بلکہ تاریخ، طب، جغرافیہ، ریاضی اور دیگر سائنسی علوم پر بے شمار کتابیں لکھیں اور قرون اولیٰ سے لے کر اسلامی علوم اور دیگر فنون پر بے بہا اور عظیم کتب کو جمع کیا۔ اسی طرح عالم اسلام میں بڑے بڑے مکتبات کا قیام عمل میں آیا۔

تاریخ بغداد ص ۱۶۴/ج ۲ میں امام عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ کے ترجمہ میں ہے۔ کسنت کتبہ الذی حدث بها عشرين الفا و واحداً وعشرين الفا یعنی امام عبداللہ بن مبارک المروزی رحمہ اللہ کے

پاس ہیں یا اکیس ہزار کتابیں تھیں جن سے وہ احادیث بیان کرتے تھے، امام عبداللہ بن مبارک تبع تابعی تھے اور ۱۸ھ میں فوت ہوئے ہیں۔ مسلمانوں کے اس ابتدائی زمانہ میں غنی مکتبات میں اس قدر کتابیں تھیں تو بعد میں آنے والے وقت میں تو اندازہ سے زائد مکتبات و کتب جمع ہوئی ہوگی۔ جب علوم و فنون کا دائرہ بھی بڑھ گیا تو ایک ایک مصنف نے ہزاروں لاکھوں صفحات لکھ ڈالے۔ امام ابن حزم اندلسی کے متعلق آتا ہے:

رووا عن ابنه الفضل انه اجتمع عنده بخط ابيه من تالیفه نحو ۴۰۰ مجلد تشتمل

على قریب من ثمانین الف ورقة (الاعلام للزرکلی ۵/۵۹)

یعنی ان کے فرزند فضل کہتے ہیں کہ ان کے پاس والد محترم ابن حزم ظاہری کی تالیفات کی ۴۰۰ جلدیں ہیں جو تقریباً اسی ہزار ورقات (یعنی ایک لاکھ ساٹھ ہزار صفحات) پر مشتمل ہیں۔

امام ابراہیم بن اسحاق الحربی (۱۹۸ھ - ۲۹۵ھ) کے پاس بارہ ہزار اجزاء فقط لغت اور غریب الحدیث کے فن پر تھے جو کہ انہوں نے خود لکھے تھے (تذکرہ الحفاظ ۲/۱۳۷)

امام ابن عقیل بغدادی (۴۳۱ھ - ۵۱۳ھ) جو کہ پہلے معزلی بن گئے تھے بعد میں توبہ کی۔ انہوں نے کتاب الفنون کے نام سے کتاب لکھی جو کہ ۴۰۰ سے زائد بڑی جلدوں پر مشتمل تھی۔ امام ذہبی کہتے ہیں:

لم یصنف فی الدنیا اکبر منه (تاریخ الاسلام للذہبی ۴/۲۰۹، سیر اعلام النبلاء

۱۹/۴۴۵، الاعلام للزرکلی ۶/۱۲۹)

یعنی اس سے بڑی کتاب دنیا میں کہیں نہیں لکھی گئی۔

بعض مبتدعین نے تو بہت طوالت سے کام لیا مثلاً ابو یوسف قزوینی معزلی نے ایک تفسیر لکھی تھی جس کے بارے میں حسین بن محمد بنی کہتے ہیں: صنف (التفسیر) فی ثلاث منة مجلد ونیف یعنی تین سو سے بھی زیادہ جلدوں پر تفسیر لکھی۔ ابن عقیل کتاب الفنون میں کہتے ہیں ”بلغ خمس مائة مجلد یعنی پانچ صد جلدوں پر مشتمل تھی۔“ محمد بن عبد الملک کہتے ہیں ”فسر فی سبع مائة مجلد کبار (المنتظم لابن الجوزی ۹/۹۰، البدایہ والنہایہ لابن کثیر ۱۲/۱۵۰، النجوم الزاہرہ ۵/۱۵۶ بحوالہ سیر اعلام النبلاء ۶۱۶-۱۸/۲۱۹) یعنی سات سو جلدوں پر مشتمل تھی ہو سکتا ہے وہ اس تفسیر کو بڑھاتے گئے

ہوں یہاں تک سات سو جلدیں بن گئیں۔

یہ تو چند مثالیں ہیں ورنہ رجال و اعلام اور تاریخ اسلام کی کتب مسلمانوں کے شاندار ماضی کی گواہ ہیں۔ یہ ذوق علم اور شوق کتب دنیا کے ہر خطہ کے مسلمانوں کے اندر تھا۔ ہمارا برصغیر پاک و ہند بھی کسی سے پیچھے نہیں تھا برطانوی نشریاتی ادارہ بی بی سی اردو سروس کے مشہور براڈ کاسٹر رضا علی عابدی نے برصغیر کے قدیم مکتبات کی رپورٹنگ کر کے ”کتب خانہ“ کے نام سے شائع کی ہے اس میں لکھتے ہیں:

”کہتے ہیں ابھی زیادہ عرصہ نہیں ہوا جب برصغیر کے ہر صاحب حیثیت کے دولت خانہ میں تین خانے ہوا کرتے تھے۔ مہمان خانہ، اسلحہ خانہ اور کتب خانہ ایک روایت یہ بھی ہے کہ صرف حیدر آباد دکن میں چار ہزار کتب خانے تھے (ص ۱۵) گھر گھر کتب خانے ہوا کرتے تھے اور امراء کو تو جانے دیجئے، غریب غرباء تک جیسے بھی بن پڑتا تھا گھر کے ایک طاق میں کچھ نسخے ضرور سجایا کرتے تھے۔ (ص ۲۲)

رضا علی عابدی صاحب نے اس سفر میں ہندوستان سے مدھیہ پردیش اور پاکستان سے صوبہ سندھ کا انتخاب کیا ہے۔ لکھتے ہیں ”سندھ ہمیشہ علم و ادب کا گہوارہ رہا ہے اور اس کے حکمران عالموں کی سرپرستی کرتے رہے ہیں اور اسی کا نتیجہ ہے کہ نہ صرف مدر سے بلکہ اہل علم کے گھرانے اور حکمران خاندانوں کی ڈیوڑھیاں آج بھی ایسی ایسی کتابوں سے بھری پڑی ہیں جن کے صفحوں پر حکمت و دانش بکھری ہوئی اور وہ بھی سونے چاندی کے پانی میں گھلی ہوئی۔“ (ص ۲۸)

سرزمین سندھ میں جہاں بے شمار شخصیات اور خاندانوں نے کتب و سنتی مہنائی ہے وہاں راشدی خاندان کا کردار نہایت شاندار رہا ہے۔ راشدی خاندان سید محمد راشد شاہ بن سید محمد بقا شاہ شہید کی طرف منسوب ہے۔ ان کے بیٹے سید صبغت اللہ شاہ کی اولاد ”پیر پگارا“ اور دوسرے بیٹے سید محمد یاسین شاہ کی اولاد ”پیر جھنڈو“ کے القاب کے ساتھ مشہور ہے۔

پیر صبغت اللہ شاہ اول نے بڑا علمی کتب خانہ جمع کیا تھا جس میں نادر و نایاب کتابوں کا بڑا ذخیرہ تھا۔ سید احمد شہید کے نواسے سید حمید الدین ان کے کتب خانہ کے بارے میں فرماتے ہیں:

”درخانہ سید مذکور کتب خانہ عجیب و غریب بہ نظر آمد کہ ہرگز درخانہ سلاطین و امراء نبودہ باشد۔“

ان کا کتب خانہ بڑا عجیب و غریب تھا سلاطین و امراء کے پاس بھی ایسا کتب خانہ نہ ہوگا۔ (سیرت سید احمد شہید از مولانا غلام رسول مہر ۳۰۳/۱)

پیر جھنڈو خاندان کے چشم و چراغ سید رشید الدین شاہ راشدی نے وینی مدرسہ اور کتب خانہ کی بنیاد ڈالی۔ انکی مجالس میں کئی علماء تشریف لاتے تھے جن میں مولانا عبید اللہ سندھی بھی شامل تھے۔ وہ لکھتے ہیں کہ: ”مولانا رشید الدین صاحب العلم الثا لث کی صحبت سے مستفید ہوا میں نے ان کی کرامتیں دیکھیں ذکر اسماء الحسنیٰ میں نے انہیں سے سیکھا وہ دعوت توحید و جہاد کے مجدد تھے۔ (مولانا عبید اللہ سندھی کی سرگزشت کا بل ص ۹)“

ان کے بعد ان کے فرزند سید ابوتراب رشد اللہ شاہ الراشدی مسند نشین ہوئے انہوں نے علمی، ادبی، روحانی، سیاسی، سماجی خواہ طبعی میدانوں میں جو کارہائے نمایاں سرانجام دیئے ان کی مثال ملانا ممکن نہیں تو محال ضرور ہے۔ ان کا دور گوٹھ پیر جھنڈو کے کتب خانے کے لئے ایک سنہری دور تھا وہ اعلیٰ درجہ کے عالم تھے۔ ان کی طبیعت میں فطری طور پر کتابیں جمع کرنے کا میلان موجود تھا۔ اللہ تعالیٰ کی مدد سے سب وسائل و اسباب بھی میسر ہو گئے۔ مولانا عبید اللہ سندھی رحمہ اللہ نے مستقل طور پر گوٹھ پیر جھنڈو میں سکونت اختیار کی وہ پیر صاحب کے دست راست بن کر رہے۔ مدرسہ دارالرشاد کا باقاعدہ قیام ہوا اور مولانا عبید اللہ سندھی اس کے صدر مدرس مقرر ہوئے یہ مدرسہ آگے چل کر سندھ میں دینی علوم کا عظیم درس گاہ ثابت ہوا جہاں برصغیر کے نامور علماء کرام تشریف لاتے رہے جن میں علامہ حسین بن محسن انصاری یمانی، شیخ الہند مولانا محمود الحسن، مولانا اشرف علی تھانوی اور ڈاکٹر ضیاء الدین واکس چانسلر علی گڑھ یونیورسٹی شامل ہیں۔ اسی طرح کتب خانے کے لئے کتابیں جمع ہونا شروع ہو گئیں۔ پیر رشد اللہ شاہ نے کتب خانہ کی ترقی اور اسے مزین کرنے کے لئے جو اقدامات کئے وہ حسب ذیل ہیں۔ ایک تو خود کئی کتابیں تصنیف فرمائیں اور کچھ کتابیں ان کے استاد مولانا قاضی فتح محمد نظامانی نے تصنیف فرمائیں۔ زر کثیر خرچ کر کے خاص نمائندے، کاتب اور خوشنویس مقرر کر کے مدینہ منورہ، مکہ معظمہ، قاہرہ، دمشق، استنبول، بغداد، بمبئی اور حیدرآباد دکن سے نادر و نایاب کتابیں حاصل کیں۔ سندھ کے قدیم علمی مراکز سیوہن اور ٹھٹھہ سے کئی کتابیں حاصل کیں جن میں مخدوم محمد ہاشم ٹھٹھوی رحمہ اللہ

کے کتب خانہ کی نادر کتابیں بھی شامل تھیں۔ ہندوستان کے مشہور کتب فروشوں مثلاً ابنائے غلام رسول سورتی اور شرف الدین یحییٰ کتبی والوں سے کتابیں خریدی گئیں۔ آپ نے سفر حج کے دوران بے شمار قلمی اور نایاب کتابیں جمع کیں۔ اسی طرح قطرہ قطرہ کر کے ایک بحر بے کراں جمع ہو گیا۔ چند سالوں میں کتب خانہ پیر جھنڈو نے وہ عالمی شہرت حاصل کی کہ کئی اسلامی ممالک کے علماء نے اس کتب خانہ سے علمی پیاس بجھائی۔ دائرۃ المعارف حیدرآباد دکن والوں نے بھی اس علمی کتب خانہ سے کتابیں نقل کروائیں۔ مولانا عبید اللہ سندھی لکھتے ہیں:

”کتب خانہ پیر صاحب العلم گوٹھ پیر جھنڈا ضلع حیدرآباد: راشدی طریقے کے پیر صاحب العلم کے پاس علوم دینیہ کا کتب خانہ تھا۔ میں دوران مطالعہ میں وہاں جاتا رہا اور کتابیں مستعار بھی لاتا رہا۔ میرے تکمیل مطالعہ میں اس کتب خانہ کے فیض کا بڑا دخل تھا۔ پھر حضرت مولانا ابوالتراب رشد اللہ صاحب العلم الرابع سے علمی صحبتیں رہیں وہ علم حدیث کے بڑے جید عالم اور صاحب تصانیف تھے۔“ (مولانا عبید اللہ سندھی کی سرگزشت کابل از مولانا عبداللہ لغاری ص ۹)

اس کتب خانہ کی خصوصیت یہ تھی کہ جو کتابیں دنیا میں نادر و نایاب تسلیم کی جاتی تھیں وہ اس کتب خانہ کی زینت بنیں۔ امام حافظ ابن عبدالبر اندلسی رحمہ اللہ نے مؤطا امام مالک کی دو شرحیں الاستاذ کار اور التمهید لکھی تھیں۔ التمهید کا ایک نسخہ مراکش میں تھا تو دوسرا پیر جھنڈو میں۔ امام حافظ ابن حجر عسقلانی کی نادر تالیف ”اتحاف المہرہ باطراف العشرہ“ کا قلمی نسخہ بھی موجود تھا جو خود مصنف حافظ ابن حجر عسقلانی کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے۔ اس طرح ان کی کتاب زوائد مند بزار اور علامہ خطیب بغدادی کی ”کتاب الفقیہ والمتفقہ“ کے عمدہ خطی نسخے موجود تھے۔ علامہ عبدالحق اشہلی کی کتاب ”الاحکام الکبریٰ“ بھی دو جلدوں میں موجود تھی۔ علمائے سندھ میں سے شیخ ابوالحسن سندھی، شیخ محمد عابد سندھی، شیخ محمد حیات سندھی، مخدوم محمد ہاشم ٹھٹھوی، مخدوم محمد معین ٹھٹھوی کی نادر کتابوں کا بڑا ذخیرہ اس کتب خانہ کی زینت تھا۔

ان کی وفات کے بعد یہ علمی لائبریری خاندانی اختلافات کی وجہ سے ان کے دو بیٹوں سید ضیاء الدین شاہ راشدی اور سید احسان اللہ شاہ راشدی میں تقسیم ہو گئی۔ پیر ضیاء الدین شاہ راشدی ان کے بڑے فرزند تھے اور مدرسہ دارالرشاد پیر جھنڈو کے فارغ التحصیل تھے انہوں نے اپنے والد محترم کے اس علمی ورثہ کی

اچھی طرح حفاظت کی۔ ان کی وفات کے بعد ان کے فرزند پیر سید وہب اللہ شاہ راشدی کے تحویل میں رہا لیکن وہ وقت بھی آیا جب پیر سید وہب اللہ شاہ نے ۱۹۸۰ء کے قریب اپنے آباؤ اجداد کے اس قیمتی ورثہ کو قومی عجائب گھر کراچی کو فروخت کر دیا۔

مولانا سید احسان اللہ شاہ راشدی نے اپنے آبائی کتب خانہ کی نہ صرف اچھی طرح دیکھ بھال کی بلکہ اسے خوب ترقی دی۔ انہوں نے حدیث، تفسیر، اسماء الرجال، تاریخ اور دیگر علوم و فنون کا بیش بہا عمدہ ذخیرہ جمع کیا۔ ان کے علمی شوق و ذوق کے متعلق علامہ سید سلیمان ندوی نے ان کی وفات پر اپنے مجلہ ”معارف“ میں اس طرح لکھا ہے:

”علمی حلقوں میں یہ خبر غم و افسوس کے ساتھ سنی جائے گی کہ جھنڈو گوٹھ ضلع حیدرآباد (سندھ) کے مشہور عالم پیر احسان اللہ شاہ صاحب جو قلمی کتابوں کے بڑے عاشق تھے، چوالیس برس کی عمر میں ۱۳ اکتوبر ۱۹۳۸ء کو اس دنیا سے چل بسے۔ مرحوم حدیث و رجال کے بڑے عالم تھے ان کے کتب خانہ میں حدیث، تفسیر و رجال کی نایاب قلمی کتابوں کا بڑا ذخیرہ تھا۔ ان کے اس شوق کا یہ عالم تھا کہ مشرق و مغرب، مصر و شام، عرب و قسطنطنیہ کے کتب خانوں میں ان کے کاتب و ناخ نی قلمی کتابوں کی نقل پر مامور رہتے تھے۔ مرحوم ایک خانقاہ کے سجادہ نشین اور طریق سلف کے تتبع اور علم و عمل دونوں میں ممتاز تھے۔ اللہ تعالیٰ مرحوم پر اپنے انوار رحمت کی بارش فرمائے۔ (یاد رنگان سید سلیمان ندوی ص ۱۸۶)

ان کے کاتبوں قاضی لعل محمد اور مولانا قطب الدین ہالجوی نے حیدرآباد دکن میں نواب عثمان علی خان کے کتب خانہ سے کئی نایاب کتابیں نقل کیں۔ آپ حیدرآباد کے مشہور دارالاشاعت ”دائرة المعارف العثمانیہ“ کے اراکین میں سے تھے۔ دائرة المعارف کے کتب خانہ سے جو کتاب چھپتی تھی وہ آپ کے علمی کتب خانہ کو اعزازی طور پر ملتی تھی۔ دائرة المعارف العثمانیہ دکن والوں نے جب السنن الکبریٰ للبیہقی اور مستدرک حاکم طبع کروائیں تو اس وقت ان کے سامنے جو خطی نسخے تھے ان میں سے ایک نسخہ پیر احسان اللہ شاہ کے کتب خانہ سے حاصل کیا گیا تھا۔ آپ کے علمی ذوق کا یہ عالم تھا کہ علامہ ابوبکر خطیب بغدادی کی مایہ ناز کتاب تاریخ بغداد جو ابھی غیر مطبوعہ تھی وہ آپ نے ۱۹۲۸ء میں مصر کے مشہور کتب خانہ ”دارالکتب المصریہ“ قاہرہ سے

۱۵-۱۶ سو روپے خرچ کر کے اس کا فوٹو اسٹیٹ حاصل کیا۔ جب مصر والوں نے یہ کتاب چھپوائی تو اس کا ایک نسخہ آپ کے علمی کتب خانہ کے لئے تحفہً بھیجا۔ آپ نے امام ابو نعیم اصبہانی کی تاریخ اصبہان کا فوٹو اسٹیٹ انڈیا آفیس لائبریری لندن سے منگوا لیا۔ سندھ کے مشہور محقق ڈاکٹر عمر بن محمد داؤد پوتہ صاحب ترجمہ شرح ایات سندھی کے مقدمہ میں لکھتے ہیں کہ:

(ترجمہ:) ”ماہ مئی ۱۹۳۲ء کے پہلے عشرہ میں گوٹھ پیر جھنڈو جانا ہوا۔ مرحوم سید احسان اللہ شاہ جو ایک جید اور غیر مقلد عالم تھے ان سے ملاقات کا موقعہ میسر آیا۔ ان کے کتب خانہ کی ہر جگہ شہرت تھی اس کی زیارت سے بڑی خوشی حاصل ہوئی۔ اس کے معائنہ میں پورے دو دن لگ گئے۔ کتب خانہ کی دوسری تو ساری الماریاں باقاعدہ صفائی سے رکھی ہوئی تھیں اور ان میں ہر فن کی کتابیں موضوع کے مطابق مرتب تھیں صرف ایک دو الماریوں کی حالت اچھی نہیں تھی۔“

آپ کی وفات کے بعد کتب خانہ آپ کے بڑے صاحبزادہ علامہ سید محبت اللہ شاہ راشدی کی ملکیت میں آیا۔ آپ نے اپنے آباؤ اجداد کے اس قیمتی علمی ورثہ کی بخوبی حفاظت کی اور نایاب کتابوں کے حصول میں زکیر صرف کر کے مختلف علوم و فنون کی ہزاروں مطبوع اور قلمی کتابوں کا اضافہ کیا۔ آپ نے کتابوں کے حصول کے لئے امرتسر اور دہلی کے سفر کئے۔ ترکی کے علمی مرکز استنبول، برطانیہ کے سفر اور حج کے متعدد اسفار میں زیادہ وقت کتابیں حاصل کرنے میں گذارا۔ اس لئے ان کا المکتبۃ العالیۃ العلمیہ آج بھی ہزاروں مطبوعات و مخطوطات کا خزانہ تسلیم کیا جاتا ہے۔ جسے آپ کے لائق و فائق فرزند سید محمد قاسم شاہ راشدی بطریق احسن سنبھالے ہوئے ہیں۔ اور تشنگان علم و تحقیق کی رہنمائی کیلئے ہر وقت مستعد رہتے ہیں۔

علامہ سید ابو محمد بدیع الدین شاہ راشدی رحمۃ اللہ علیہ نے آبائی کتب خانہ سے بھرپور فائدہ اٹھایا اور علمی کتابوں سے اپنے مطالعہ میں خوب اضافہ کیا۔ ۱۹۵۵ء میں اپنے والد ماجد سید احسان اللہ شاہ راشدی کے گاؤں درگاہ شریف کو چھوڑ کر بنو سعید آباد شہر سے متصل ”آزاد پیر جھنڈو“ کے نام سے گاؤں آباد کیا اور وہاں مدرسہ محمدیہ اور مکتبہ راشدیہ کی بنیاد رکھی۔ جو صرف ایک الماری پر مشتمل تھا۔ یہ کتب ان کے برادر محترم سید محبت اللہ شاہ راشدی رحمۃ اللہ علیہ کی طرف سے ملی تھیں۔ اس کے بعد آپ نے اپنی محنت سے یہ عظیم الشان کتب خانہ جمع

کیا۔ آپ نے محدود وسائل کے باوجود جس طرح کتابیں جمع کیں اور نادر و نایاب مخطوطات جمع کئے اس کی مثال ملنا مشکل اور ناممکن ہے۔ کتابیں جمع کرنے کا ذوق اور شوق آپ کو ورثہ میں ملا تھا۔ نئے گاؤں میں آباد ہونے کے بعد آپ کو کئی مصائب و مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ آپ نے بلا خوف و خطر جس طرح توحید و سنت کی دعوت پیش کی، شرک و بدعت، تقلید اور پیری مریدی کی پر زور تردید کی۔ تقریر و تحریر کے ذریعے سندھ کے شرک و بدعت کے ایوانوں میں زلزلہ برپا کیا۔ اس کی مخالفت ہونا لازمی تھی۔ پیری مریدی کا دور تھا جگہ جگہ پیروں کی گدیاں اور آستانے تھے جو غیر شرعی کاموں کے مراکز تھے۔ تقلید و جمود کی مضبوط گرفت تھی۔ ان حالات میں شاہ صاحب نے توحید و سنت کی آواز کو بلند کیا۔ پیروں اور علماء سوء کی طرف سے مخالفت کا طوفان کھڑا ہوا۔ آپ کو اس نئے گاؤں سے نکالنے کی بھرپور کوششیں کی گئیں۔ قانونی اور غیر قانونی حربے استعمال کئے گئے، مقدمات کا سامنا کرنا پڑا لیکن اللہ تعالیٰ نے ہر جگہ آپ کو سرخرو فرمایا اور کامیابیاں نصیب ہوئیں جس سے مخالفین کی آنکھیں کھل گئیں۔ ان حالات کے باوجود آپ نے کتابیں جمع کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ پنجاب کے تبلیغی دوروں پر جاتے تو واپسی پر کتابوں کے ڈھیر ساتھ لاتے۔ آپ جہاں بھی تشریف لے جاتے آپ کا زیادہ وقت کتب خانوں پر گذرتا۔ جوئی کتاب جہاں نظر آئی فوراً حاصل کی۔ آپ تقریباً ہر سال حج پر تشریف لے جاتے وہاں سے بے شمار کتابیں ساتھ لاتے۔ سعودی عرب، کویت، مصر، شام، متحدہ عرب امارات اور ہندوستان سے آپ کے دوست و احباب اور شاگرد آپ کو تحفہ کتابیں بھیجتے۔ عرب ممالک سے آپ کے ملازمہ آپ کو خطوط لکھ کر مارکیٹ میں آئی ہوئی نئی کتابوں کی تفصیل بھیجتے اور لکھتے کہ ان کتابوں میں سے آپ کو جس کی ضرورت ہو طلب فرمائیں اس طرح کتابوں میں اضافہ ہوتا گیا۔ ۱۹۷۲ء میں کتب خانہ کی موجودہ عمارت تعمیر ہوئی اور اس میں خوبصورت لکڑی کی الماریاں سجائی گئیں اور فنون کے حساب سے کتابیں ترتیب سے رکھی گئیں۔ آپ کے سعودی عرب میں تین سالہ قیام کے دوران کتابوں میں بے پناہ اضافہ ہوا۔ آپ نے یورپ، امریکا، مشرق وسطیٰ، ہندوستان اور بنگلہ دیش کے تبلیغی دوروں میں کافی کتابیں حاصل کیں۔ اس طرح رفتہ رفتہ مکتبہ راشدیہ میں تفسیر، حدیث، عقائد، فقہ، رجال، تاریخ، لغت، فلسفہ، منطق اور اصول و قواعد وغیرہ فنون کی کتابوں کا بڑا ذخیرہ جمع ہو گیا۔ مطبوعہ کتابوں کی تعداد ۱۵ سے ۲۰ ہزار تک ہو گئی۔

مخطوطات اور مصورات کی تعداد بھی پانچ سو تک پہنچ گئی۔ مخطوطات اور نایاب کتابوں کے حصول کے سلسلہ میں شاہ صاحب نے متعدد اسفار کئے۔ اس سلسلہ میں شاہ صاحب نے ایک دلچسپ واقعہ سنایا کہ ”ہمیں معلوم ہوا کہ اعجم الکبیر للطبرانی کا قلمی نسخہ نواب بہاولپور کے کتب خانہ میں موجود ہے لیکن وہ کسی کو نہیں دکھاتے لیکن میں حدیث کے اس نایاب نسخہ کی زیارت کی خاطر احمد پور شرقیہ میں ہمارے استاد مولانا ابو محمد عبدالحق بہاولپوری مرحوم کے پاس پہنچا اور انہیں اپنا مدعا بتایا۔ مشورہ کر کے ہم نے نواب صاحب کو ٹیلیگرام بھیجا کہ ہم سندھ سے خاص طور پر اس کتاب کی زیارت کے لئے آئے ہیں۔ مہربانی کر کے ہمیں اس کتاب کی زیارت سے مشرف فرمائیں۔ ہم نے دو دن تک انتظار کیا لیکن نواب صاحب نے تارکا کوئی جواب نہیں بھیجا۔ اس لئے ہم علی الصبح احمد پور شرقیہ سے ڈیرہ نواب صاحب کے لئے مولانا عبدالحق بہاولپوری صاحب کے ساتھ روانہ ہوئے۔ جب وہاں پہنچے اور ان کے خاص نمائندہ سے ملے اور اپنے بھیجے ہوئے تارکا ذکر کیا۔ تو انہوں نے کہا کہ سرکار والا شان کو آپ کی تارل گئی تھی لیکن انہوں نے جان بوجھ کر اس کا جواب نہیں بھیجا نواب صاحب نے بولا کہ یہ لوگ اتنی دور سے آئے ہیں ہو سکتا ہے یہ کتاب مجھ سے مانگ لیں۔ اگر میں ان کو یہ کتاب نہ دوں تو یہ کہیں کہ ہم اتنا فاصلہ طے کر کے آئے ہیں لیکن نواب صاحب نے ہمیں ایک کتاب نہیں دی اور اگر میں یہ کتاب انہیں دے دوں تو ایسی نادر چیز ہم سے چلی جائے گی۔ ہم نے انہیں بولا کہ بھائی ہم مانگنے والے نہیں ہیں ہمارا اپنا کتب خانہ ہے اور ہمیں کتابوں کی قدر ہے ہم صرف حدیث کی اس نادر کتاب کی زیارت کرنا چاہتے ہیں۔ اس کے بعد انہوں نے نواب صاحب سے بات کر کے ہمیں بتایا کہ نواب صاحب نے کتاب کی صرف ایک جلد ایک گھنٹے کے لئے دیکھنے کی اجازت دی ہے۔ پھر ہمیں ایک کمرے میں پہریداروں کے درمیان بٹھایا گیا اور کتاب کی ایک جلد ہمیں دی گئی ہم نے سرسری طور پر ایک گھنٹے تک اسے دیکھا اور پھر ہم سے کتاب واپس لے لی گئی۔“

معجم کبیر طبرانی شاہ صاحب کے شاگرد شیخ حمادی عبدالحجید السلفی کی تحقیق سے بغداد سے شائع ہوئی شروع ہوئی۔ جو جلد چھٹی اس کا ایک نسخہ شاہ صاحب کو فوراً بذریعہ ڈاک پہنچتا۔ یہ سلسلہ آخری پچیسویں جلد تک پہنچ گیا۔ لیکن درمیان میں پانچ جلدیں ناقص رہ گئیں کیونکہ ان کے پاس مکمل نسخہ نہیں تھا۔ اس وقت شیخ حمادی

عبدالمجید سلفی نے شاہ صاحب سے رابطہ کیا کہ نواب بہاولپور والا نسخہ کسی طرح حاصل کریں تاکہ کتاب مکمل ہو جائے۔ اس وقت شاہ صاحب نے وفاقی وزیر دفاع میر علی احمد تالپور کی وساطت سے سندھ کے گورنر سعید الرشید محمد (ایس ایم) عباسی سے رابطہ کیا جو بہاولپور کے نوابوں میں سے تھے لیکن خاندانی اختلافات کی وجہ سے لائبریری بند تھی اور کتاب نہیں مل سکی۔ پھر شیخ حمادی نے عراقی سفارت خانہ کی معرفت سرکاری طور پر بھی رابطہ کیا لیکن کامیابی نہیں ہو سکی۔

اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ کتابوں کے ساتھ ان کا والہانہ لگاؤ کتنا تھا اور نایاب کتابوں کے لئے ان کے دل میں کتنی تڑپ تھی۔ مکہ مکرمہ سے آپ کے گہرے ساتھی حافظ فتح محمد فتحی جہلمی، شیخ عبدالقادر بن حبیب اللہ سندھی، شیخ عمر بن محمد عبداللہ السبیل، شیخ عبدالرب بن فیض اللہ ملتانی وغیرہم کا معمول تھا کہ جو اہم کتاب چھپ کر مارکیٹ میں آتی وہ فوراً حاصل کر کے مکتبہ راشدیہ کے لئے بھیجتے۔ اگر مخطوط ہے تو اس کی فوٹو اسٹیٹ کاپی کروا کر بھیجتے۔ کویت سے آپ کے دوست شیخ عارف جاوید محمدی، شیخ جاسم بن عبداللہ الدیوس بھی اس سلسلہ میں پیش پیش تھے۔

۱۹۹۳ء میں آپ کو کویت کے دورہ پر تشریف لے گئے جہاں آپ کا ایک ماہ قیام رہا۔ اسی اثناء میں آپ نے کافی کتابیں حاصل کیں۔ جمعیت احیاء التراث الاسلامی کویت کے دفتر میں روزانہ بعد نماز مغرب طلبہ و علماء کے لئے دروس کا سلسلہ جاری رہا۔ ان دروس میں شریک آپ کے ایک شاگرد جو اس وقت کویت ایگزوز میں پابلیٹ تھے شاہ صاحب کو کہا کہ کل صبح مجھے ریاض فلائیٹ لے کر جانا ہے اور شام کو واپسی ہے۔ کسی چیز کی ضرورت ہو تو حکم فرمائیں میں لیتا آؤں۔ آپ نے انہیں چٹ پر تاریخ الاسلام للذہبی کا نام لکھ کر دیا۔ شام کو وہ جب درس میں پہنچا تو تاریخ الاسلام کا مکمل سیٹ لے کر آیا۔

مدینہ منورہ سے شیخ مساعد بن سلیمان الراشد الحمید آپ سے سند لینے کے لئے تشریف لائے۔ انہوں نے اپنے مکتبہ کے لئے دارالکتب المصریہ قاہرہ سے کافی اہم کتابیں فوٹو اسٹیٹ کروا کر لائی تھیں ان کی فہرست شاہ صاحب کو دکھائی اور معلوم کیا کہ آپ کو ان میں سے جن کتابوں کی ضرورت ہو ان کی نشاندہی کریں۔ شاہ صاحب نے انہیں جو کتابیں نوٹ کروائیں۔ وہ انہوں نے واپس جا کر فوراً فوٹو اسٹیٹ کروا کر

آپ کو بھیج دیں۔

کوئی نئی اہم کتاب مکتبہ میں آتی تھی تو بیکہ خوش ہوتے تھے اور فرماتے تھے کہ اس کتاب کے بغیر تو لاہری ناکمل تھی۔ ایک مرتبہ آپ کے استاد محترم مولانا عبدالحق بہاولپوری رحمۃ اللہ علیہ کے فرزند شیخ ابوتراب ظاہری نے جدہ سے آپ کے لئے اسماء الرجال پر امام ابوالحجاج حزی کی مایہ ناز کتاب ”تہذیب الکمال“ بھیجی تو بڑے خوش ہوئے اور کہنے لگے کہ اس کتاب کے بغیر تو مکتبہ کچھ نہیں۔ آپ نے جس محبت اور شوق کے ساتھ منتخب اور نایاب کتابیں جمع کیں اسی طرح ان کا خوب مطالعہ کیا۔ جوئی کتاب آتی تھی تو اس کا مطالعہ کرنے کے بعد فہرست میں اندراج کرتے تھے۔ ہزاروں کتابوں پر آپ کے حواشی اور فٹ نوٹس ہوں گے۔ کتابوں کی حفاظت کے سلسلہ میں آپ بہت فکر مند رہتے تھے، کئی علماء اور محققین مکتبہ سے استفادہ کے لئے تشریف لاتے تھے ان کے ساتھ حسب حال تعاون کرتے تھے لیکن کسی کو کتاب عاریتاً لے جانے کی اجازت نہیں تھی۔ انہوں نے یہ عربی شعر فریم کر کے مکتبہ میں لگا دیا تھا جو آدی مکتبہ میں داخل ہوتا اس کی نظر اس شعر پر پڑتی تھی تو پڑھ کر بہت محظوظ ہوتا تھا۔

الا يا مستعير الكتب مني فان اعارتني للكتب عار

ومحبوبى من الدنيا كتاب فهل ابصرت محبوباً يعار

جناب عبدالرشید عراقی صاحب مکتبہ راشدیہ کی عالمی شہرت کے بارے میں فرماتے ہیں کہ:

”یہ کتب خانہ سید بدیع الدین شاہ راشدی کے دادا جناب رشد اللہ شاہ نے جمع کیا تھا۔ حضرت پیر بدیع الدین شاہ راشدی نے اس کتب خانہ میں بہت اضافہ کیا اور نادر و نایاب کتابوں کا کافی ذخیرہ جمع کیا تمام علوم و فنون کی کتابیں اس کتب خانہ میں موجود ہیں۔ عربی مخطوطات اور قلمی کتابیں بھی کثرت سے ہیں۔ اس کتب خانہ کا شمار پاکستان کے مشہور کتب خانوں میں ہوتا ہے۔ ڈاکٹر حمید اللہ حیدر آبادی مقیم پیرس لاہور تشریف لائے اور پنجاب یونیورسٹی ہال گئے۔ دوران تقریر ڈاکٹر صاحب نے فرمایا کہ میرے پاکستان آنے کا صرف ایک مقصد تھا کہ مجھے ایک کتاب کی ضرورت محسوس ہوئی (ڈاکٹر صاحب نے کتاب کا نام لیا تھا اور مصنف کا بھی ذکر کیا لیکن مجھے کتاب اور مصنف کا نام یاد نہیں رہا) تو مجھے معلوم ہوا کہ کتاب اسلام آباد میں

ادارہ تحقیقات اسلامی کے کتب خانہ میں موجود ہے میں اسلام آباد آیا وہاں سے مجھے اطلاع ملی کہ یہ کتاب مولانا سید بدیع الدین شاہ راشدی صاحب کے کتب خانہ میں موجود ہے چنانچہ میں شاہ صاحب کے پاس نیو سعید آباد پہنچا اور کتاب سے استفادہ کیا۔ اس سے آپ اندازہ کر سکتے ہیں کہ شاہ صاحب کے پاس نادر و نایاب کتابوں کا کافی ذخیرہ موجود تھا۔“ (برصغیر) (پاک و ہند) میں علمائے اہل حدیث کے علمی کارنامے از عبدالرشید عراقی ص ۲۱۵ تا ۲۱۹)

نادر و نایاب کتابوں کی زیارت کے لئے جوتشنگان علم اپنی پیاس بجھانے کے لئے ملک اور بیرون ملک سے تشریف لاتے تھے ان کے تاثرات کے لئے ”کلمات الزائرین الافاضل والضيوف الامثال“ رکھا ہوا تھا اس میں سے کچھ اقتباسات پیش کئے جاتے ہیں۔
مولانا ابوالفضل فیض الرحمن ثوری فرماتے ہیں:

”یہ بندہ عاجز تقریباً چالیس سال سے زیادہ عرصہ ہوا حضرت پیر بدیع الدین شاہ صاحب سے نیاز حاصل کر رہا ہے۔ اتنے ہی عرصہ سے پیر صاحب کے ہاں آتا جاتا ہے۔ اس تعلق کا سبب کتب خانہ ہی بنا ہے۔ ابھی پیر صاحب سعید آباد تشریف نہیں لائے تھے کتابیں ایک ہی جگہ تھیں بعد میں تقسیم ہو گئیں لیکن تقسیم کے بعد بہت کتابوں کا اضافہ ہوا ہے۔ یہ پیر صاحب کی علم سے محبت کی نشانی ہے جتنی کتابیں ہیں اتنا ہی پیر صاحب کا مطالعہ وسیع ہے۔ اس بات میں پیر صاحب منفرد حیثیت کے مالک ہیں۔
مولانا غلام مصطفیٰ قاسمی صاحب لکھتے ہیں:

”زرت بعون الله تعالى المكتبة الكبيرة لمحدث بلادنا المولى الحافظ العلامة بدیع الدین الموقر فتحیرت حین لمحت فی دقائق قليلة الكتب العلمية المطبوعة والخطية موضوعة بمنهج جدید وكانت الكتب اكثرها من نواذر الكتب فی العالم، كنت زرت قبل مكتبة صاحب العلم من القدماء وكانت منقسمة فی اولاده واستفدت منها كثيرا فی زیارات عديدة ولآن من الاسف نصف الكتب الذی كان فی یدی المولى وهب الله شاه قد نقد وهو باع كل الكتب والنصف الآخر موجود فی دار كتب المحدث المولى الحافظ محب الله

الموقر ولم يكن في علمي ان المحدث الكبير السيد المولى بدیع الدین قد حاز هذا الكتب من نواذر العالم فبارك الله في حرصه للعلم والكتب وادعوا الله تعالى ان يديم حرصه في هذا الموضوع ويهدي اولاده لهذا الامر الشريف وهو المستعان وعليه التكلان“

اللہ تعالیٰ کی مہربانی سے آج مجھے ہمارے ملک کے محدث علامہ حافظ بدیع الدین شاہ راشدی رحمۃ اللہ علیہ کے عظیم مکتبہ کی زیارت نصیب ہوئی، میں حیران رہ گیا جب تھوڑے وقت میں علمی کتابیں مخطوطات اور مطبوعات کی صورت میں جدید انداز میں رکھی ہوئی دیکھیں۔ کتابوں کی اکثریت دنیا میں نایاب کتابوں کی تھی۔ میں بہت عرصہ پہلے ان کے بڑوں کے پاس موجود مکتبہ دیکھ چکا تھا۔ جوان کی اولاد میں تقسیم ہو گیا تھا۔ میں نے کئی مرتبہ آکر اس سے بہت استفادہ کیا تھا۔ لیکن بڑے افسوس کی بات ہے کہ آدھی کتابیں جو پیر وہب اللہ شاہ صاحب کے پاس تھیں وہ ضائع ہو گئیں اور انہوں نے بیچ ڈالیں۔ دوسرا حصہ علامہ سید محبت اللہ شاہ راشدی کے مکتبہ میں موجود ہے۔ لیکن مجھے اس بات کا علم نہیں تھا کہ محدث کبیر سید بدیع الدین شاہ راشدی نے نادر و نایاب کتابوں کا اتنا بڑا ذخیرہ جمع کر لیا ہے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ علم اور کتابوں کے اس شوق اور حرص میں برکت دے اور اس شوق و محبت کو ہمیشہ قائم رکھے۔ اور ان کے اولاد کو بھی اس کام کی توفیق دے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ سب کا مددگار ہے اور اسی پر توکل اور بھروسہ ہے۔

مشہور محقق ڈاکٹر نبی بخش بلوچ صاحب رقمطراز ہیں:

”آج جناب پیر صاحب سے ملاقات کے ساتھ کتب خانہ کا دیدار نصیب ہوا، قریباً جملہ علوم اسلامیہ پر منتخب کتابوں کا ذخیرہ موجود ہے۔ مثلاً میں نے پوچھا کہ الجامع الصغیر للامام الشیخانی ہے؟ تو پیر صاحب نے فرمایا کہ ہے اور مطبع یوسفی فرنگی محل لکھنؤ کا مطبوعہ نسخہ مع المقدمة للفاضل عبدالحی لکھنوی موجود تھا۔ الحاوی فی الطب مکمل موجود ہے۔ مجھے رازی کی الحاوی کی کتاب الصيد دیکھنے کا شوق تھا۔ دیکھا گیا کہ بائیس جلدوں میں مطبوعہ ہے۔ کتابوں کے علاوہ جناب پیر صاحب کی شگفتہ طبع اور فاضلانہ گفتار نے بہت محظوظ کیا۔

آزاد کشمیر کے سابق صدر سردار محمد عبدالقیوم خان تحریر فرماتے ہیں:

”آج یہاں محترم پیر صاحب بدیع الدین شاہ صاحب کی دعوت پر تھوڑی دیر قیام کا موقع ملا۔

لاہیری بھی دیکھنے کا موقع ملا اور ان بعض ساعی کی خبر بھی جو پیر صاحب فرما رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ برکت فرمائے۔

یمن کے عالم شیخ عمر احمد سیف رقمطراز ہیں:

لقد شرفت بزيارة المكتبة الراشدية في نيو سعيد آباد في باكستان السند فرأيت فيها من الكتب القيمة في جمع الفنون تفسير وحديث، فقه، سير، تاريخ رجال ما يبصر الناضر ويسر الخاطر ومن الله بزيارة صاحبها العالم الرباني المحدث المفسر الشيخ ابو محمد بديع الدين وسمعت من حديثه وتقرير في بيان الفرق الموجودة في القطر ما يدل على اطلاع واسع وعلم جم

مکتبہ راشدیہ کی زیارت کا شرف حاصل جس کے اندر ہر فن کی قیمتی کتابیں موجود ہیں۔ مثلاً تفسیر، حدیث، فقہ، سیرت، تاریخ، رجال جن کو دیکھنے سے راحت اور دلی سکون حاصل ہوتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کا احسان ہے کہ اس نے شیخ بدیع الدین شاہ کی زیارت نصیب فرمائی اور فرقوں کے متعلق ان کا خطاب سنا جس سے ان کے وسیع مطالعہ اور علم کا اندازہ ہوا۔

دمشق کے عالم شیخ ابو محمود محمد شکور بن محمود الحاجی امریر السوری لکھتے ہیں:

ففضل الله ونعمته علينا ان اكرمنا بزيارة اخي في الله فضيلة الشيخ العالم المسند بديع الدين شاه فوجدنا عالماً يرتحل اليه لطلب العلم والاسناد ورأينا عنده الكرم وطيب اللقاء وسمت العلماء الاجلاء كما زرنا مكتبة العامرة فرأينا فيها من الكتب المطبوعة والمخطوطة معروفة والنادرة حتى ان ابصارنا لاتكاد تتعلق بكتاب حتى تسرع بالنظر الى غيره كمن في بستان فيه من كل الثمار واطايها لايدري ماياخذ ومايدع فبارك الله بشيخنا وجزاه عنا وعن المسلمين كل خير وقد تكرم باجارتنا بكل مروياته ومسموعاته عن مشايخه وبارك في هذه المكتبة العامرة وحفظهما الله وجعلها مؤثلاً للعلم والعلماء وجعلها صدقة جارية لشيخنا في حياته وفي مماته وانقل الله له بها كفة حسناته انه نعم المولى ونعم المسؤل

اللہ تعالیٰ کا بہت فضل و احسان ہے کہ جس نے ہمیں فضیلۃ الشیخ بدیع الدین شاہ راشدی کی زیارت نصیب فرمائی۔ ہم نے انہیں حقیقی عالم پایا جن کی طرف علم حاصل کرنے کے لئے لوگ اپنا رخت سفر باندھتے ہیں۔ جس طرح ہم نے ان کے حسن ضیافت کے بارے میں سنا تھا اسی طرح پایا۔ ہم نے مکتبہ کی زیارت بھی کی جس میں مطبوع اور نادر مخطوطات دیکھے یہاں تک کہ ہماری آنکھیں ان کو دیکھتے دیکھتے تھکتی نہ تھیں۔ ایک کتاب کو اٹھاتے تو جی کرتا کہ دوسری کتاب کو بھی جلدی دیکھ لیں۔ جس طرح ہم کسی باغ میں ہوں جہاں ہر قسم کے پھل ہوں اور ہم نہ سمجھیں کہ کس پھل کو توڑیں اور کس کو چھوڑیں۔ اللہ تعالیٰ ہمارے شیخ کی عمر میں برکت عطا فرمائے۔ ہم نے ان سے روایت کی اجازت بھی حاصل کی۔ اللہ تعالیٰ اس مکتبہ میں مزید اضافہ فرمائے اور اس کی حفاظت فرمائے اور علم و علماء کا مرکز بنائے اور ہمارے شیخ کے لئے صدقہ جاریہ بنائے۔ ان کی زندگی میں اور وفات کے بعد بھی ان کے نیکوں کے پلڑے کو بھاری کرے۔ وہی بہترین مددگار ہے۔

فضیلۃ الشیخ عبداللہ ناصر الرحمانی صاحب امیر جمعیت اہل حدیث سندھ اپنے تاثرات میں لکھتے ہیں:

كما من الله على بزيارة المكتبة الراشدية وهي مكتبة معروفة لدى اهل العلم في اطراف الارض واكتافها وكم من العلماء الكرام ولدوا اليها بقطع مسافة بعيدة فهذه مكتبة فيها كتب قيمة من مطبوعة ومخطوطة ومصورة مكتبة جامعة للنوادير في جميع العلوم وخاصة في الحديث وعلومه زاده الله ولاهله شرفاً.

اللہ کا احسان ہے جس نے مجھے مکتبہ راشدیہ کی زیارت کا موقع نصیب فرمایا جو پوری دنیا کے اہل علم میں معروف ہے۔ کئی علماء کرام نے دور دراز کا سفر طے کر کے اس سے استفادہ کیا۔ اس مکتبہ میں مطبوعات اور مخطوطات اور مصورات کا بڑا قیمتی ذخیرہ موجود ہے۔ تمام علوم خصوصاً علم حدیث کی نادر کتابوں کا مرکز ہے۔

علامہ حبیب اللہ سلفی افغانی فرماتے ہیں:

”وبعد صلاة العصر دخلت مكتبته فرأيتها مملوءة من كتب التفسير والحديث و الكتب

المثبتة للتوحيد والمؤيدة للسنة الدافعة للشبهات الماحية للشرك والبدعات ففرحت
فرحاً كثيراً فلله الحمد والمنة“

میں بعد نماز عصر مکتبہ میں داخل ہوا اور اس میں کتب تفسیر، حدیث، توحید، سنت کے دفاع اور شرک و بدعت کی تردید پر کتابیں دیکھ کر بہت خوش ہوا۔ فلله الحمد۔

فضیلۃ الشیخ عبداللہ بن صالح القرعاری، فضیلۃ الشیخ نصیر احمد اختر صاحب
اور شیخ حافظ مسعود عالم صاحب فرماتے ہیں:

نحمد الله الذي وفقنا لزيارة فضيلة الشيخ بديع الدين شاه الراشدی السندی
وذلك في تاريخ ٢١/٦/١٤٠٨ هـ واستفدنا من مكتبته العامرة بالكتب القيمة واسم هذه
المكتبة المكتبة الراشدية وهي تشتمل على كتب بعدة لغات وفيها مجموعة من
المخطوطات فنسئل الله ان ينفع بها ونشكر لفضيلة الشيخ ما قام به من اكرام لنا فجزاه الله
خيراً ووفقه واهد في عمره لخدمة الاسلام والمسلمين.“

ہم اللہ تعالیٰ کی تعریف کرتے ہیں جس نے ہمیں مورخہ ۲۱/۶/۱۴۰۸ھ شیخ بديع الدين کی زیارت
نصیب فرمائی اور ہم نے مکتبہ راشدیہ سے استفادہ حاصل کیا جو بہترین کتب سے بھرا ہوا ہے اس مکتبہ کا نام
المکتبۃ الراشدیہ ہے۔ اس میں مختلف زبانوں کی کتب موجود ہیں اور مخطوطات کا بھی بڑا ذخیرہ ہے۔ دعا ہے کہ
اللہ تعالیٰ ہمیں اس سے فائدہ حاصل کرنے کی توفیق بخشے۔ ہم شیخ صاحب کے حسن ضیافت کے شکر گزار ہیں۔
اللہ تعالیٰ ان کو جزائے خیر دے مزید توفیق دے اور اسلام اور مسلمانوں کی خدمت کے لئے ان کی عمر دراز
کرے۔ آمین۔

شیخ ابوصلاح الناصر ساکن الریاض فرماتے ہیں:

فانه في هذا اليوم المبارك الجمعة ٣/٣/١٤٠٨ هـ قمت بزيارة العالم الفاضل بديع
الدين شاه الراشدی وزرت مكتبته العامرة بالكتب المطبوعة والمخطوطة والفيتها جامعة

عامرہ تدل علی اہتمام صاحبہا العلم خاصہ علی سنۃ المصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم
ونتمنی علی الشیخ الفاضل طباعۃ فہرس المخطوطات لہیہ حتی یسہل الاطلاع علیہ
والاستفادۃ منہ وبذلک یقدم خدمۃ جلیلۃ للعلم وطلابہ واللہ الموفق

آج مورخہ ۳/۳/۱۴۰۸ھ عالم ربانی شیخ بدیع الدین کی زیارت نصیب ہوئی اور ان کے مکتبہ کی بھی
زیارت کی جو مطبوعہ اور مخطوطہ کتابوں سے بھری ہوئی تھی۔ اس کی جامعیت صاحب مکتبہ کی علم حدیث میں
مہارت کی مظہر تھی۔ آخر میں ہم گزارش کرتے ہیں کہ وہ اپنے مکتبہ میں موجود مخطوطات کی فہرست شائع
کروائیں تاکہ ان تک پہنچنا اور استفادہ کرنا آسان ہو جائے۔ یہ علم اور طالب علموں کیلئے عظیم خدمت ہوگی۔
فضیلۃ الشیخ عبدالرب بن فیض اللہ ملتانی مدرس دارالحدیث الخیریہ مکہ رقمطراز ہیں:

احمد اللہ الذی وفقنی لزیارۃ والذی الشیخ الکریم واستاذی فی الحدیث ابو
محمد بدیع الدین شاہ الراشدی وذلك یوم الاحد الموافق ۲۶/۸/۱۹۹۰ م برفاقہ الاخ
الشیخ عبدالرحمن بن محمد شفیع المدرس بمدرسة الفلاح بمكة المكرمة وقمنا بزيارة
المكتبة الراشدية التي اعرفها قبل عن عاما وانا في عهد الطفولة والله الحمد وهي عامرة
بالكتب القيمة والمراجع ذات اهمية وأسأل الله سبحانه ان يديم هذه النعمة على المسلمين
وخاصة اهل الحديث بباكستان وهي منة من الله سبحانه على اهل الحديث بوجود هذه
المراجع في مثل هذه القرية نيو سعيد آباد فلله الحمد في الاولى والآخرة“

میں اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتا ہوں کہ مجھے ۲۶/۸/۱۹۹۰ع برادرِ شیخ عبدالرحمن بن محمد شفیع مدرس
مدرسہ الفلاح مکہ مکرمہ کے ہمراہ والدی الشیخ ابو محمد بدیع الدین شاہ راشدی کی زیارت نصیب ہوئی۔ ہم نے
مکتبہ راشدیہ کی بھی زیارت کی جس کو میں دس سال پہلے بچپن سے جانتا تھا۔ (واللہ الحمد) یہ مکتبہ بہترین کتابوں
اور مراجع و مصادر سے بھرا ہوا ہے۔ میں آخر میں اللہ تعالیٰ سے دعا گو ہوں کہ اللہ تعالیٰ اس نعمت عظمیٰ کو
مسلمانوں پر ہمیشہ قائم رکھے اور خاص طور پر پاکستان کے اہل حدیثوں پر کیونکہ نیو سعید آباد جیسے گاؤں میں
ایسی بڑی لائبریری کا ہونا اہل حدیثوں پر خاص احسان ہے۔ واللہ العزیز

نامور مؤرخ مولانا محمد اسحاق بھٹی صاحب ”کاروان سلف“ میں رقمطراز ہیں:

”تبلیغ و اشاعت دین کے ان تین طریقوں کے علاوہ اس خاندان کے اکابر میں ایک چوتھا طریقہ بھی تھا جو اپنے اندر بے پناہ اثر رکھتا تھا اور وہ اب بھی ہے۔ وہ طریقہ تھا ان کے خاندانی اور ذاتی کتب خانوں کا۔ کتب بنی اور مطالعہ کے شائقین ذہنی، فکری، اور مسلکی طور پر مخالف ہوں یا موافق وہ اپنی علمی تشنگی دور کرنے اور ذوق مطالعہ کی تسکین کے لئے کتب خانوں کا رخ کرتے ہیں اور وہاں جا کر اپنی تحقیق و کاوش کا سامان بہم پہنچاتے ہیں۔ پیر جھنڈا کو اللہ نے اس نعمت سے نوازا ہے کہ ان کے پاس بڑے بڑے دو کتب خانے ہیں۔ ایک کتب خانہ پیر سید محبت اللہ شاہ کا ہے جو ان کے گاؤں میں ہے۔ دوسرا کتب خانہ ان کے چھوٹے بھائی پیر بدیع الدین شاہ کا ہے جو نیو سعید آباد میں قائم ہے۔ تحقیق و کاوش میں دلچسپی رکھنے والے لوگ ان کتب خانوں کے محتاج ہیں اور وہاں جا کر اپنے ذوق کو سکون کی دولت سے مالا مال کرتے ہیں۔“

تفسیر بدیع التفسیر کی کتابت کے سلسلہ میں ۱۹۸۰ء کے اواخر میں بندہ ناچیز نیو سعید آباد آیا اور تفسیر سورۃ فاتحہ کی ابتدا ہوئی اور مکتبہ راشدہ کی نگرانی بھی میرے ذمہ تھی۔ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے بیس سال تک یہ ذمہ داری نبھائی شاہ صاحب مرحوم کا یہ معمول تھا کہ صبح ناشتہ کے بعد مکتبہ میں آ جاتے تھے۔ ان کے آنے سے پہلے ہم متعلقہ کتابیں نکال کر رکھتے اور انتظار کرتے تھے جیسے ہی آپ تشریف فرما ہوتے تفسیر کا کام شروع ہو جاتا یہ سلسلہ بلاناغہ ظہر کی اذان تک جاری رہتا۔ ظہر کے بعد آرام فرماتے اور عصر سے مغرب تک باہر پارک میں بیٹھتے۔ اس کام کے دوران کتابوں کے ڈھیر لگ جاتے۔ کبھی ہم تین تین چار چار آدمی لکھنے والے ہوتے تھے۔ ہر ایک کا الگ کام ہوتا تھا لیکن سب کو اپنا اپنا کام ادا کرواتے رہتے۔ آپ کی تمام تصانیف خصوصاً تفسیر بدیع التفسیر آپ کے مطالعہ اور تحقیق کا نچوڑ ہے۔

آپ کتابوں کی حفاظت کا بہت زیادہ خیال رکھتے تھے۔ صفائی اور ستھرائی کا خاص اہتمام ہوتا تھا۔ ہر سال پورے کتب خانہ کی صفائی ہوتی تھی۔ سب کتابیں باہر نکالتے اور ایک ایک کتاب کی صفائی کرتے تھے۔ پھر ترتیب کے ساتھ واپس الماری میں سجاتے تھے۔ آپ فرماتے تھے کہ بھائی کتابوں کا خاص خیال رکھو۔ مولوی لوگ گائے بھینس کی تو چوری نہیں کریں گے۔ یہ لوگ کتابیں اٹھائیں گے۔ اس سلسلہ میں آپ

بڑے محتاط رہتے تھے۔ صرف دونوں بھائی ایک دوسرے کے کتب خانہ سے ضرورت کی کتابیں منگواتے تھے۔ آخری چند سال آپ نے حیدر آباد میں رہائش اختیار کر لی تھی۔ ہر جمعہ کو نیو سعید آباد شریف لاتے تھے۔ تفسیر کے سلسلہ میں جن کتابوں کی ضرورت ہوتی حیدر آباد منگواتے تھے جو کتاب فارغ ہوتی واپس نیو سعید آباد بھیج دیتے تھے۔ بعض لوگوں کی یہ خواہش تھی کہ آپ لاہیری حیدر آباد منتقل کریں لیکن آپ نے ایسی ہر تجویز کو ٹھکرا دیا۔ مسجد تو حیدر اہل حدیث کالی موری کے نقشہ کے متعلق مشورہ ہو رہا تھا۔ مسجد کے ساتھ دارالمطالعہ کا کمرہ اور مستورات کے لئے گیلری کا پروگرام تھا تو ایک صاحب کہنے لگے کہ شاہ صاحب کی لاہیری کا کمرہ یہاں بنے گا۔ تو آپ نے انہیں سختی کے ساتھ ڈانٹا کہ میری لاہیری یہاں نہیں آئے گی۔

لاہیری کی عمارت پرانی اور بوسیدہ ہو چکی تھی۔ کتابوں کی تعداد زیادہ بڑھ جانے کی وجہ سے لاہیری کا ہال ناکافی تھا۔ الماریوں کے علاوہ کھڑکیاں اور روشندان بھی بھر چکے تھے۔ اس لئے آپ لاہیری کے ہال میں توسیع اور از سر نو تعمیر کے لئے کوشاں تھے لیکن بوجہ آپ کی یہ خواہش پوری نہ ہو سکی۔ آپ چاہتے تھے کہ گھروں کی تعمیر جلد پایہ تکمیل کو پہنچ جائے تاکہ میں جلد نیو سعید آباد منتقل ہو جاؤں۔ مسجد الفردوس کی تعمیر ہو رہی تھی۔ مسجد الفردوس کے ساتھ مدرسہ محمدیہ کی تعمیر کے لئے پلاٹ حاصل کر لیا تھا اور مدرسہ محمدیہ کو جامعہ کا درجہ دینے کے لئے آپ نے نیو سعید آباد سے متصل بائیس ایکڑ زمین ”جامعہ راشدیہ“ کے لئے خریدی تھی۔ آپ ان تمام مشاروع کو جلد از جلد شروع کرانے کے خواہشمند تھے۔ عرب ممالک میں آپ کے کئی دوست احباب اور شاگردان منصوبوں میں خاصی دلچسپی لے رہے تھے لیکن.....؟؟۔

دیکھا جو کھا کہ تیر کمین گاہ کی طرف

تو اپنے ہی دوستوں سے ملاقات ہو گئی

اس وقت اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے آپ کے ایک مخلص دوست فضیلۃ الشیخ حافظ ثناء اللہ زاہدی کی کوششوں سے مکتبہ راشدیہ کے ہال کی نئے سرے سے تعمیر ہو رہی ہے دعا ہے کہ یہ جلد از جلد مکمل ہو جائے۔ آپ کے پوتے سید نصرت اللہ شاہ راشدی، اور سید ابوجہید شاہ راشدی لاہیری کی نگہداشت بحسن و خوبی کر رہے ہیں اللہ تعالیٰ ان کو مزید ہمت اور توفیق دے اور شاہ صاحب کے اس مرکز کو ہمیشہ آباد رکھے، ترقی دے اور ہر بری نظر سے محفوظ رکھے۔ آمین۔

جمعیت اہل حدیث سندھ کا قیام

اور علامہ سید بدیع الدین شاہ راشدی رحمۃ اللہ علیہ کا کردار

شیخ العرب والعجم علامہ سید ابوبکر بدیع الدین شاہ راشدی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے جو اوصاف حمیدہ اور خصائل جمیلہ ودیعت کئے تھے ان کا کوئی شمار ہی نہیں ہے۔ وہ اپنی ذات میں انجمن اور یگانہ روزگار شخصیت تھے۔ ان کی تقریباً ۷۳ سالہ زندگی پر طائرانہ نظر ڈالی جائے تو معلوم ہوگا کہ آپ نے ہر محاذ پر بھرپور زندگی گزاری۔ آپ کی شخصیت کے سارے رخ روشن ہیں جن کی ضیاء پاشیوں سے کئی اندھیرے، اجالوں میں بدلتے نظر آئیں گے۔ علم، عمل، دعوت، خلوص، ثابت قدمی، سچائی اور قربانی کے میدان کارزار میں آپ نے اکیلے جو کارنامے سرانجام دئے وہ ہمیں اسلاف کی یاد تازہ کراتے ہیں۔ اسلام کی آبیاری، توحید کی ترقی اور سنت کی ترویج میں آپ نے جو خدمات جلیلہ کی ہیں ان میں سے ”جمعیت اہل حدیث سندھ“ کا قیام آپ کی شخصیت کے تعارف کے لئے کافی ہے۔

یہ اُن دنوں کی بات ہے جب آپ نے مدارس میں مروجہ علوم کی تکمیل کے بعد خاندانی منصب کو سامنے رکھتے ہوئے دعوت کے میدان میں قدم رکھے تھے۔ پہلے ان احباب تک پہنچے جو خاندانی تعلقات اور مراسم کے اعتبار سے بالکل قریب تھے۔ اُن کے آباء و اجداد نے اپنے متعلقین اور محبین کو نہ ایک نظم کے تحت جمع کیا تھا اور نہ ہی لوگ جماعتی نظم سے آشنا تھے۔ فرسودہ اذہان کی تربیت کرنا اور ان کو جماعتی قالب میں ڈھالنا ”جوئے شیر لانا“ کے مترادف تھے۔ دامے، درمے، قدے، سنخے ان منتشر اور بکھرے ہوئے لوگوں کو آپ ایک جگہ پر منظم انداز میں جمع کرنے میں کامیاب ہو گئے۔

۱۹۵۷ء میں جب آپ کی عمر عزیز ۳۳ برس تھی اس وقت آپ نے ”جمعیت اہل حدیث حیدرآباد“ کی

داغ تیل ڈالی۔ جن رفقاء کو آپ نے کام کرنے کے لئے چنا تھا انہوں نے آپ کو ہی ”جمیعت اہل حدیث حیدر آباد“ کا پہلا امیر چنا۔ علامہ شاہ صاحب رحمہ اللہ نے جماعتی نظم و نسق کو بہتر انداز میں چلانے کے لئے اس وقت کے معروف عالم دین، علاقہ تھر کے دامن میں علم کے موتی اور جواہر بکھیرنے والے اور مشکوٰۃ المصابیح کا سندھی زبان میں ترجمہ کرنے اور اس پر مختصر تشریح لکھنے والے مولانا محمد عمر جو نیو رحمہ اللہ کو نائب امیر بنایا۔ آپ نے چند اور رفقاء کو ساتھ لے کر دین کی دعوت کا مرکز حیدر آباد اور اس کی مضامات کو بنایا۔ حقیقت یہ ہے کہ حیدر آباد پوری سندھ کی دل کی حیثیت رکھتا ہے اسی لئے آپ نے حیدر آباد کا انتخاب کیا آپ کو حیدر آباد شہر سے اور جماعت کے ساتھ جو انیسیت تھی اس کی کوئی حد نہ تھی۔ حیدر آباد کی جماعت کے احباب نے آپ کو نہ صرف اپنی دل میں جگہ دی۔ بلکہ، آپ کے سامنے اپنے سارے وسائل حاضر کر دیئے۔ جب ”جمیعت احیاء التراث الاسلامی انکویت“ کی طرف سے سندھ میں مساجد، مدارس اور مراکز اسلامی بنوانے کے لئے آپ سے تعاون کیا گیا تو آپ نے اپنے دوست شیخ جاسم الدبوس رحمہ اللہ کے خاص تعاون سے حیدر آباد سے قدیمی مرکزی جامع مسجد اہل حدیث، قلعہ دروازہ بنوائی جس پر، اس دور میں تقریباً ستر لاکھ روپیہ (۷۰۰۰۰۰۰ روپیہ) لاگت آئی تھی۔ کتنے دوستوں نے آپ کو کہا آپ اپنی پرانی مسجد، مسجد الفردوس، نیو سعید آباد کو مذکورہ رقم سے بنوائیں لیکن، آپ نے کہا کہ ”میری تحریک حیدر آباد سے شروع ہوئی تھی لہذا اس جماعت کا مجھ پر اوروں سے زیادہ حق ہے۔ آپ نے جب جماعت اہل حدیث کے بکھرے ہوئے لوگوں کو ایک جگہ پر جمع کرنے کے کام کا آغاز کیا تو دیکھتے دیکھتے ایک بڑا جم غفیر آپ کے گرد جمع ہو گیا۔

نیکے تھے جانب منزل مگر
لوگ آتے گئے اور کارواں بنتا گیا

اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی توفیق سے وہ اہل حدیث حضرات جو ایک دوسرے سے نااہل اور دور تھے، غمی میں اور نہ خوشی میں جماعتی نظم کے تحت رہتے تھے وہ آنا فنا ایک دوسرے کے بالکل قریب ہو گئے۔ یہ سب کچھ جماعتی نظم کی برکت کا نتیجہ تھا جس کی وجہ سے وہ ایک دوسرے سے اللہ تعالیٰ کی رضا، توحید، سنت اور مسلک اہل حدیث کی خاطر تعاون کرنے لگے۔

ہیں جذبِ باہمی میں قائم نظارے سارے

پوشیدہ ہے یہ نکتہ تاروں کی زندگی میں

مسلم اہل حدیث کی دعوت لوگوں تک منظم اور جماعتی سطح پر پہنچانے کے لئے آپ کی سرپرستی میں ”ماہنامہ الہدیٰ“ کا اجراء کیا گیا، اُس دور میں یہ مؤثر مجلہ جماعتی حلقوں میں ایک پُل کا کام کرنے لگا۔ اس جہودِ مخلصہ کا یہ نتیجہ نکلا کہ ”جمعیت اہل حدیث حیدر آباد“ ایک قوت بن کر ابھری۔ اب آپ نے مسلم اہل حدیث، منہج اہل حدیث، دعوت اہل حدیث، فکر اہل حدیث، ضابطہ اہل حدیث اور اصول اہل حدیث کو سندھ میں چار سو پھیلانے کا عزم مصمم کیا۔ اس مقصدِ عظیم کے لئے آپ نے اپنی خاندانی اور علمی اعتبار سے ساری توانائیاں سرف کر ڈالیں۔ نیت میں خلوص اور ارادے میں سچائی ہو تو پھر، پھر بھی موم بن جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی توفیق اور رحمت سے آپ کی مخلصانہ محنتوں نے رنگ دکھایا۔ سندھ کے طول و عرض میں کافی مخلص ساتھی اور اہل علم، اس دعوت و عظمت کے کارواں میں داخل ہو گئے۔ آپ نے اس نعمتِ غیر مترقبہ کو غنیمت جانتے ہوئے، ”جمعیت اہل حدیث سندھ“ کی بنیاد ڈالی۔ ۱۹۸۸ء میں آپ نے باقاعدہ ہر ضلع کی تنظیم سازی کی۔ فضیلۃ الشیخ علامہ عبداللہ ناصر الرحمانی رحمۃ اللہ علیہ (موجودہ امیر جمعیت اہل حدیث سندھ) ناظم اعلیٰ، محترم قاضی عبدالحق الصاری (مرحوم) نائب امیر، محترم ڈاکٹر عبدالحفیظ سمون صاحب، نائب ناظم اعلیٰ، عبدالعزیز نہڑیو، ناظم مالیات، محمد اسماعیل میمن، ناظم تعلیمات اور انجینئر جاوید حسین، ناظم نشر و اشاعت و تبلیغ مقرر کئے۔

اسی طرح سندھ بھر کے اضلاع پر امیر، ناظم اعلیٰ، خازن اور دیگر عہدیدار دارالکین مجلس شوریٰ بھی مقرر کئے گئی۔ جن ساتھیوں کو جو ذمہ داریاں تفویض کی گئیں انہوں نے بحمد اللہ تعالیٰ تھوڑے دنوں میں بہت کام کر دکھایا۔

جمعیت اہل حدیث سندھ کے امیر ہونے کے ناتے آپ نے خدمتِ دین کی وہ تاریخ رقم کی جو ہمارے سلف صالحین نے رقم کی تھی۔ باوجود نامساعد مالی حالات آپ دل کے غنی، فیاض اور جود و سخا کے مالک تھے۔ اپنے آبائی گاؤں پیر جھنڈو سے نقل مکانی کر کے آزاد پیر جھنڈو میں سکونت اختیار کرنے والے ایام آپ کے لئے نہایت کٹھن اور دشوار ترین تھے۔ پھر بھی آپ نے ہمت نہ ہاری۔ جب بھی، جس نے بھی،

جہاں سے بھی اور جتنے مرتبہ بھی کسی نے دعوت کے لئے نکارا حالات کا شکوہ کئے بغیر آپ وہاں پہنچے۔ اگر پورے گاؤں میں صرف ایک مخلص اور باعمل اہل حدیث بھی تھا تو وہاں بھی آپ نے بار بار دعوتی پروگرام کئے۔ نہ مالی مجبوریاں رکاوٹ بنیں اور نہ مسلکی مخالفین کی مخالفتوں نے پیچھے ہٹنے پر مجبور کیا۔

برہم ہوں بجلیاں کہ ہوائیں خلاف ہوں،
کچھ بھی ہو اہتمام ٹکٹاں کریں گے ہم۔

یہی عظمت تھی جس کی وجہ سے آج کراچی سے لے کر کشمور تک اور تھر کے ریگستان سے لے کر کوہستان تک ”جمعیت اہل حدیث سندھ“ کا جماعتی نظم ہر حال میں موجود ہے۔ نہ صرف نظم موجود ہے بلکہ نظم کے تحت چھوٹے یا بڑے دینی پروگرام، دروس اور تبلیغی اجتماعات بڑی تن دہی سے ہو رہے ہیں جس کی وجہ سے لوگ تیزی سے مسلک اہل حدیث قبول کر رہے ہیں یا قبول کرنے سے پہلے مطالعہ یا تحقیق کر رہے ہیں۔ کئی نامور علماء اپنا تقلیدی مذہب چھوڑ کر سفینہ اہل حدیث میں سوار ہوئے ہیں۔

آپ دنیوی اعتبار سے نہ مالدار تھے اور نہ ہی حکومت وقت کا کوئی وظیفہ خور یا کسی سرکاری منصب پر فائز تھے بلکہ، آپ ایک محدث بلادنا السنہ اور جید عالم دین تھے۔ جب سماجی خدمات کے حوالے سے تذکرہ کیا جائے گا تو آپ کا اس باب میں پہلا نمبر ہوگا۔ ان شاء اللہ۔ آپ نے جمعیت اہل حدیث سندھ کے تحت سندھ بھر میں کام کے حوالے سے جو مبارک آثار چھوڑے ہیں یقیناً، وہ قابل رشک ہیں۔ ہزاروں تربیت یافتہ جماعتی، احباب، بیسیوں شاگرد، بیشار اہل علم دوست، سندھ کے کونے کونے میں نظم کے تحت بنوائی گئیں مساجد، دینی مدارس، کھدوائے گئے کنوئیں اور دوسرے فلاحی کام اب بھی زبان حال سے آپ کی محنت شاقہ کے مژدہ سار ہے ہیں۔ جب تک یہ چیزیں موجود رہیں گی شاہ صاحب رحمہ اللہ کی خدمات جلیلہ کا تذکرہ کرتی رہیں گیں۔

جس دن سے آپ نے سندھ میں باضابطہ جماعتی نظم قائم کیا اس کو تا وفات ڈھیلا نہ ہونے دیا کئی فتنے اٹھے، آندھیاں آئیں اور مشکلاتوں نے اپنے رنگ دکھائے لیکن، عزم و استقلال کے اس پیکر کو لٹ سے مس نہ کر سکے۔ جو منہج شروع سے لیا اس میں کبھی بھی پیچھے نہ ہٹے۔ ملک کے دوسرے حصوں میں جماعتی سطح پر

ہونے والی افراتفری، علیحدگی، پارٹی بازی، تنظیم سازی، دھڑے بندی، اختلاف اور انتشار پر بہت رنجیدہ خاطر ہوتے۔ فی الواقع یہ حقیقت اپنی جگہ پر مسلم بھی ہے۔ اگر جماعت اہل حدیث میں کوئی شخصی دھڑے بندی نہ ہوتی اور ان کا ایک ہی نظم اور بیت المال ہوتا تو، اللہ تعالیٰ کی رحمتوں اور برکتوں کی برکھ اپنی آنکھوں سے برستے دیکھتے جس سے گلشن توحید و سنت، پُر نور فضاؤں سے منور ہوتا۔

دل کے یہ پھپھولے جل گیا ہے سینہ،
اس گھر کو آگ لگ گئی ہے گھر کے چراغ سے

جماعتی نظم کے معاملے میں آپ بہت محتاط، دقیقہ رس اور زود فہم واقع ہوتے تھے، اگر گہرائی اور گیرائی سے دیکھا جائے تو یہ سختی ہی نظم کا روح نظر آئے گی۔ فضیلۃ الشیخ مولانا محمد رفیق اثری رحمہ اللہ کا کبار علماء اہل حدیث میں شمار ہوتا ہے۔ آپ نے نظم کے حوالے سے ایک بات بتلاتے ہوئے کہا کہ: شیخ بدیع الدین شاہ الراشدی رحمہ اللہ کے سامنے ایک ساتھی یہ بات لائے کہ پورے جلالپور کے علاقے میں ایک ہی جگہ مرکزی جامع مسجد میں جمعہ ہوتا ہے۔ وہ ساتھی کہتے ہیں کہ شاہ صاحب لیٹے ہوئے تھے۔ یہ بات سنتے ہی اُچھل کر بیٹھ گئے اور کہا ”ہیں!“ (یہ کلمہ تعجب ہے) اس بات نے تو قرونِ اولیٰ کی یاد تازہ کر دی ہے کہ ایک ہی نظم میں ایک ہی امام پورے علاقے کو نماز پڑھاتا ہے اور خطبہ ایک ہی جگہ پر ہوتا ہے یہ تو بہت بڑی بات ہے۔ شیخ صاحب نے اس بات کی بہت تعریف کی۔ (ماہنامہ دعوت اہل حدیث / حیدر آباد ص ۲۱، شمارہ نمبر ۶۶ اردو، ماہ دسمبر ۲۰۰۶ء) معزز قارئین نے مندرجہ بالا معنی خیز عبارت پڑھی جس سے علامہ شاہ صاحب رحمہ اللہ کی ایک مضبوط اور مربوط جماعتی نظم سے عقیدت کا پتہ پڑتا ہے۔ آج ہم جن حالات میں جی رہے ہیں وہ اس کے برعکس ہیں۔ تنظیم سازی اور جماعت سازی کے اختلاف نے جماعتی نظم کا شیرازہ بکھیر دیا ہے۔ اس قضیہ کا فائدہ توحید اور سنت کے ظاہری، باطنی اعداء کو ہوا ہے۔ ۱۹۵۷ء سے لے کر ۸ جنوری ۱۹۹۶ء تک جب تک آپ کے دم میں دم رہا آپ نے جمعیت اہل حدیث سندھ کے مضبوط نظم کا بھرم رکھا اور اس پر کوئی حرف آنے نہ دیا۔ اسی اثنا میں کچھ لوگوں نے لفظ اور لقب اہل حدیث کو دین کی دعوت میں رکاوٹ سمجھا اور جماعت اہل حدیث کو چھوڑ کر نئی جماعت بنائی۔ کل حزب بمالہ بہم فرحون کے تحت وہ تو بڑے خوش ہو کر اپنے کام میں

لگ گئے لیکن، جس شخصیت نے رات کو دن سمجھ کر دین کی دعوت دی، لوگوں کو شرک، بدعت، تقلید شخصی اور بد اعمالی کے دلدل سے اللہ تعالیٰ کی توفیق سے باہر نکالا اور انہیں توحید اور سنت کا صحیح اور حقیقی فہم دیا وہ معصوم اور سادہ لوح لوگوں کو منتشر ہو جانے پر ضرور افسردہ ہوا ہوگا۔ اس سانحہ پر شاہ صاحب رحمہ اللہ کہا کرتے تھے کہ کوئی ہم سے پوچھے کہ ہم نے ان ٹوٹی، بکھری اور منتشر ٹہنیوں کو تلاشِ بسیار کے بعد کیسے اکٹھا کیا تھا۔ درخت درخت کی یہ ٹہنیاں اب پھر منتشر ہونے لگی ہیں۔ ہم نے سندھ میں منظم انداز میں مسلک اہل حدیث کا بیج بویا، اس کو تباہ و درخت کیا، اس کو مخالف ہواؤں اور دشمنوں سے بچا کر پروان چڑھایا اب یہ لوگ، کچی پکائی پر آ کر بیٹھے ہیں اور کہتے ہیں یہ سب کچھ ہم نے کیا ہے۔

جب چمن کو لہو کی ضرورت پڑی سب سے پہلے ہی ہماری گردن کٹی اب کہتے ہیں ہم سے یہ اہل چمن یہ چمن ہے ہمارا تمہارا نہیں جمعیت اہل حدیث سندھ کے دستور اور منہج کا کسی دوسری سیاسی، سماجی، ادبی اور مذہبی جماعت، تنظیم اور پارٹی سے اگر موازنہ کیا جائے گا تو علامہ شاہ صاحب رحمہ اللہ کی دینی فراست اور قیافہ شناسی کھل کر سامنے آ جائے گی۔ کوئی بھی ذی وقار اور ذمہ دار شخص جمعیت اہل حدیث سندھ کے دستور اور منہج کا بازیک بینی سے مطالعہ کرے گا تو اسے ان شاء اللہ ایک بھی بات ایسی نہ ملے گی جو قرآن، حدیث اور فہم سلف صالحین کے منافی ہو۔ الحمد للہ! اس کے برعکس جتنی بھی چھوٹی یا بڑی جماعتیں ہیں ان کے دساتیر اور منہج کو دیکھیں ان سب میں عقیدے اور عمل کے لحاظ سے اتنے سقم اور جھول نظر آئیں گے جن کا کوئی شمار نہیں ہے۔ ”سیاست کے حمام میں سب ننگے ہیں“ ایک ایسی کہاوت ہے جس کو بنظر غائر دیکھا جائے تو یہ صرف ایک کہاوت نہیں بلکہ، ایک ایسی حقیقت ہے جس سے کسی کو انکار نہیں ہو سکتا۔ دوسرے ممالک کو چھوڑو صرف پاکستان میں جتنی بھی سیاسی اور مذہبی جماعتیں موجود ہیں ”اقتدار“ ان سب کی پہلی منزل ہے۔ اقتدار کے لئے مملکت میں مروجہ جمہوریت (Democracy) جو ایک شرکیہ نظام حکومت ہے، کو قبول کرتے ہوئے سیاست کرنا، الیکشن لڑنا، ووٹ دینا، ووٹ لینا اور الیکشن مہم چلانا ضروری ہوتا ہے۔ اس پورے سیاسی ڈھانچے کو شریعت کے قواعد و ضوابط پر رکھیں تو آپ کو سیاہ و سفید کا پتہ لگ جائے گا۔ کیا سیاست کی گندگی اور غلاظت یہ کم ہے کہ، الصلوٰۃ

والسلام علیک یا رسول اللہ، یا رسول اللہ مدد، یا عبدالقادر جیلانی شہید اللہ، نورانی نور ہر بلا دور، داتا گھڑا تو پھر کون دے گا، یا علی مدد، یا علی مشکل کشا، ”یا صاحب الزمان اور کئی“ اور یا ”علی انظر حالنا“ کہنے والوں اور تیجہ، چالیسواں، بارہواں، ختم، عرس، میلاد، گیارہویں، نیاز اور کوٹھے وغیرہ کرنے والوں کو بھی ساتھ لے کر چلنا پڑتا ہے ورنہ وہ ووٹ نہیں دیں گے۔ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے علامہ شاہ صاحب رحمہ اللہ نے قرآن، حدیث اور سلف صالحین کی طرز حیات کو سامنے رکھتے ہوئے جمعیت اہل حدیث سندھ کے دستور میں ایسی مہلک اور عقیدہ توحید و سنت کے منافی چیزوں کو سرے سے رکھا ہی نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جمعیت اہل حدیث سندھ ہی پورے ملک کی جماعتوں میں وہ واحد سلفی العقیدہ جماعت ہے جو سیاست کے داؤ پیچ اور جمہوریت کے کچھڑے بالکل پاک ہے۔ اس سے بڑھ کر عقیدے اور منہج کی بلندی کیا ہوسکتی ہے کہ یہاں کوئی ہڑتال، لانگ مارچ، جلوس، دھرنا، بانکٹ، فلک شکاف نعرے، زندہ باد، مردہ آباد، آوے ہی آوے، جاوے ہی جاوے، ظالموں فلاں آ رہا، ”فلاں ساڈا شیراے باقی سب ہیر پھیراے“ اور قوم کہتی ہے فلاں ہماری جمہوری ہے وغیرہ کا ڈھونگ بالکل نظر نہ آئے گا۔ علامہ شاہ صاحب رحمہ اللہ کی زندگی قال اللہ تعالیٰ وقال رسول اللہ ﷺ کی عملی تصویر تھی، آپ نے جمعیت اہل حدیث سندھ کو جن بنیادوں پر استوار کیا تھا ان سے کبھی اعراض نہیں کیا، آپ ہی کی مخلصانہ کاوشوں کا یہ نتیجہ ہے کہ آپ کی وفات کے بعد جمعیت اہل حدیث سندھ اسی ہی منہج پر کام کر رہی ہے جس پر آپ نے چھوڑا تھا۔ فضیلۃ الشیخ، محدث العصر علامہ عبداللہ ناصر رحمانی رحمہ اللہ آپ کے صحیح جانشین ثابت ہوئے اور اسی ہی منہج پر کام کر رہے ہیں جس پر شیخ العرب والعجم قائم تھے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ مسلک اہل حدیث کی ترقی، ترویج اور نشر و اشاعت میں علامہ شاہ صاحب رحمہ اللہ نے جو خدمتیں کی ہیں وہ سب اپنی بارگاہ میں قبول و منظور فرمائے اور اس تحریک اور مشن کو آگے لے کر چلنے والے زعماء و مخین کو مزید ہمت و توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

اپنے لہو سے روشن کر دیں گلیاں اس ویرانے کی
گرچہ تنگ بہت تھیں راہیں شہر وفا کو جانے کی
جان تھی اک سو حاضر کردی پھر بھی رہے سے شرمندہ
دل والے خود ہی لکھ لیں گے سُرخِی اس فسانے کی

ضلع تھرپارکر میں سید بدیع الدین شاہ راشدی رحمۃ اللہ علیہ کی دعوتی و تعمیری خدمات

رب تعالیٰ نے اپنے کلام پاک میں اپنے بندوں سے فرمایا:

﴿ادْعُونِي أَسْتَجِبْ لَكُمْ (المؤمن: ۶۰)﴾

خلیل اللہ ابراہیم علیہ السلام نے اپنے رب کو پکارا۔

﴿وَأَجْعَلْ لِّي لِسَانَ صِدْقٍ فِي الْآخِرِينَ (الشعراء: ۸۴)﴾

اس دعاء کو ہر مومن جانتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حکم دیا۔

﴿وَأُذِّنْ فِي النَّاسِ بِالْحَجِّ (الحج: ۲۷)﴾

اس آواز کو اللہ تعالیٰ نے اس زمین کے ذرے ذرے تک پہنچا دیا۔

کیا شہر کیا چھوٹی بستی کیا پہاڑ کیا صحراء، ہر مکین نے اس آواز کو سنا۔ خلیل اللہ علیہ السلام نے کعبۃ اللہ کی

تعمیر کی تو اب تک آباد ہے اور اس کا طواف دن رات جاری ہے۔ بیٹے کی قربانی کے لئے تیار ہوئے تو اللہ

تعالیٰ نے اس کو کس طرح قیامت تک شعار اللہ بنا دیا۔ ﴿وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي الْآخِرِينَ ۝ سَلَامٌ عَلَى

إِبْرَاهِيمَ ۝ كَذَلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ ۝ إِنَّهُ مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِينَ (الصافات: ۱۰۸-۱۱۱) یہ

ابراہیم علیہ السلام اور دیگر انبیاء کرام تو منتخب بندے تھے لیکن ان کے پیروکاروں کی ایک بڑی فہرست ہے۔

﴿وَالسَّابِقُونَ السَّابِقُونَ ۝ أُولَئِكَ الْمُقَرَّبُونَ ۝ فِي جَنَّاتِ النَّعِيمِ ۝ ثَلَاثَةٌ مِنَ الْأُولَىٰ ۝ وَقَلِيلٌ

مِّنَ الْآخِرِينَ (الواقعة: ۱۰-۱۴)﴾ جن کے جوش ایمانی، اخلاص عمل اور دعوت دین کو ان کے دنیا سے

جانے کے بعد بھی اللہ تعالیٰ نے باقی رکھا اور وہ ﴿وَجَعَلَهَا بَاقِيَةً فِي عَقْبِهِ﴾ اور ﴿لِسَانَ صِدْقٍ فِي

☆ امیر جمعیت الحمدیہ ضلع تھرپارکر، سابق پرنسپل گورنمنٹ کالج ڈیپلو، معروف سماجی شخصیت۔

الآخرین ﴿﴾ کا مرقعہ بن گئے۔ ان میں اس امت کے عظیم فرزند، اس وادی سندھ کی عظیم شخصیت، دین حق کی آبرو استاذی المکرم سید بدیع الدین شاہ راشدی بھی ہیں۔ جس کی زندگی کے کئی پہلو اور گوشے ہیں۔ ان کی خدمات کی لمبی فہرست ہے۔ سعید آباد سے کراچی تک، سندھ سے پنجاب اور سرحد تک، وادی مہران عبور کرنے کے بعد صحراءِ قحریہ تک، پاکستان سے یورپ امریکا تک، سعودی عرب اور مشرق وسطیٰ تک ان کی خدمات نمایاں ہیں۔

ضلع قحریہ کا ایک پس ماندہ علاقہ ہے، ریت کے ٹیلوں پر مشتمل ایک بڑا رقبہ ہے، مشرق سے مغرب تک تقریباً ۳۲۵ کلومیٹر، شمال سے جنوب تک ۱۵۰ کلومیٹر کا رقبہ جس میں ۲۰۰۰ کے قریب چھوٹے بڑے گاؤں اور ۴ بڑے اور تاریخی شہر ڈیلو، مٹھی، چھاچھرو اور ننگر پارکر آباد ہیں، قحریہ پارکر میں ۵۵ فی صد مسلم آبادی اور ۴۵ فی صد غیر مسلم (ہندو) قیام پذیر ہیں۔ ڈیلو تحصیل میں مسلمان زیادہ ہیں۔ مٹھی تحصیل میں ۴۰ فی صد اور ڈیلو تحصیل میں ۹۰ فی صد سلفی عقائد کے حامل مسلمان ہیں اور یہ کاوش مقامی علماء اور بزرگ حضرات کی ہے۔ اس میں شاہ صاحب کا بھی ایک وافر حصہ ہے۔

ڈیلو شہر کے حاجی صاحب ڈنومین رحمہ اللہ جن کی دعوت پر سب سے پہلے شاہ صاحب نے قحریہ میں ڈیلو شہر میں مبارک پاؤں رکھے اور تشریف لائے تھے۔ حاجی صاحب ڈنومین پڑھے لکھے، بڑے سخی اور نیک کردار کی شخصیت کے حامل تھے۔ نادار اور محتاجوں کی مدد کرتے رہتے تھے۔ پورے ملک پاکستان کے مدارس سے تعاون، مساجد کی تعمیر اور مختلف ضروریات کے سلسلے میں لوگ آتے اور یہ شخص ان کو خوش کر کے واپس بھیجتے۔ ان کی سخاوت دیکھ کر شہر کے اور لوگ بھی اللہ کے نام پر دینے پر عادی ہو گئے اور آج بھی ڈیلو کا نام دینے والوں کے ناموں میں سرفہرست البید العلیا خیر من البید السُفلی کا جیتا جاگتا ثبوت ہے۔ مجھے یاد ہے میں بالکل کم سن تھا۔ سعودی عرب کا تیل کے سلسلے میں اوج اور ترقی کا نام جو آج ہے وہ نہیں تھا۔ اس وقت سعودی عرب سے نادار بدوی آتے اور حاجی صاحب کی سخا سے مستفیض ہوتے۔ یہی حاجی صاحب ڈنومین جس نے مشکوٰۃ شریف سندھی ترجمہ کے ساتھ چھپوائی۔ اب ان کے بیٹے محترم عبدالرحیم رحمہ اللہ نے پھر چھپوائی ہے۔ اور مزید کام کیا ہے۔

محترم استاذی المکرم مولوی محمد عمر جو نیچو متوفی ۱۹۸۳ء جو حافظ قرآن، عالم تبحر، صرف و نحو کے بڑے ماہر اور بڑے معلم و مدرس و مبلغ تھے۔ ساری زندگی ڈیلو میں تعلیم و تدریس میں گذاردی۔ مجھے بھی ان سے تعلیم و تربیت کی سعادت حاصل ہوئی۔ اور ڈیلو کی عظیم شخصیت اماں مریم (وفات ۱۹۷۹ء) تھیں۔ جس نے ڈیلو میں ۱۹۶۵ء میں اپنے زیورات بیچ کر مدرسہ کی بنیاد رکھی۔ ایک نیک خاتون، قرآن و سنت کی داعیہ، جو دوسٹا کی مالک، اماں مریم کے دور میں شاہ صاحب بار بار آتے رہے۔ ان مبلغوں کے علاوہ ڈونجھ مٹھی تعلقہ کے مولوی علی محمد جو نیچو اور مولوی گل محمد ہنگور جو قابل ذکر ہیں۔ جنہوں نے اللہ کے دین کی خدمت کی ہے۔ ان اولیاء اللہ کی تبلیغ اور دعوت سے تھر پارکر میں جہاں مال و دولت کی پس ماندگی ہے لیکن قرآن و سنت کی آبیاری میں یہ ضلع بڑا شاہوکار اور ایمان کی دولت سے مالا مال ہے۔ یہ جو چند پودے تھے بڑھ کرتا درخت بن گئے۔ ان مضبوط اور قد آور درختوں سے جو بے شمار درخت پیدا ہوئے وہ اس وقت لہلہارے ہیں آج وہ تھر پارکر کی رونق ہیں۔ اس وقت تھر پارکر میں ۱۰۰ کے قریب علماء اور ۵۰ سے زیادہ حفاظ ہیں۔ ان کی آبیاری اور بھلنے پھولنے میں شاہ صاحب نے جو کام کیا وہ پیش خدمت ہے۔

غالباً ۱۹۵۳ء کا زمانہ ہے، محترم حاجی صاحب ڈنومین رحمہ اللہ کا ایک خاندانی معاملہ تھا، اس وقت ڈیلو میں معاملہ فہم لوگ بھی تھے جو اس معاملہ کو سلجھا سکتے تھے۔ لیکن حاجی صاحب کا خیال تھا کہ یہ خاندانی معاملہ بھی قرآن و سنت کے مطابق حل ہو اور کوئی عالم دین اس کا منصف بنے اور ان کی نظر انتخاب شاہ صاحب کی طرف گئی۔ شاہ صاحب کو حاجی صاحب کی طرف سے منصفی کے لئے دعوت دی گئی۔ شاہ صاحب حیدرآباد سے نوکوٹ تک ریل گاڑی میں آئے۔ اس وقت بسوں اور گاڑیوں کا تصور تھر پارکر میں نہیں تھا۔ ہر کوئی سفر اونٹوں اور گھوڑوں پر کرتا تھا۔ شاہ صاحب نے نوکوٹ سے ڈیلو تک ۲۷ کلومیٹر کا یہ کٹھن سفر اونٹ پر طے کیا۔ شاہ صاحب کا تھر کا یہ پہلا سفر تھا۔ عام لوگ شاہ صاحب کو پیر کے نام سے پکارتے تھے۔ جسے آپ پسند نہیں فرماتے تھے۔ جب آپ ڈیلو آئے تو نہ آپ لغوی معنوں میں پیر تھے اور نہ اصطلاحی معنوں میں پیر تھے۔ اس لئے کہ آپ اس وقت تک منزل پیری میں داخل نہیں ہوئے تھے۔ بلکہ عالم شباب میں تقریباً ۲۸ برس کے جوان رعنا تھے اور پیروں کے کردار اور خصوصیات سے سخت متنفر اور نالاں تھے۔ میں کمن تھا۔ یہ واقعہ

مجھے یاد نہیں لیکن ڈیپلو شہر میں ایک بار رونق اور باوقار مجلس سجائی گئی۔ آپ نے منصفی اور امانت کے فرائض ادا کئے اور اپنی بہترین یادوں کو چھوڑ کر سعید آباد چلے گئے۔

دوسری بار گاؤں گرجا ابھ کے محترم مولوی جان محمد نہڑیو جواب تک باقید حیات ہیں ان کی اور اس کے کچھ ساتھیوں کی دعوت پر شاہ صاحب تھر کے دورہ پر آئے۔ نوکوٹ سے کلوئی، کلوئی سے گرڑا بھ تک اونٹ اور گھوڑے پر سفر کیا۔ یہ دورہ بھی مجھے یاد نہیں اور یہ بھی معلوم نہیں کہ کتنے گاؤں میں گئے اور کتنی بار تشریف لائے۔ یہ ایک اصول ہے جہاں حق کی آواز جتنی زیادہ بلند ہوگی وہاں اس کی مخالفت بھی زیادہ ہوگی۔ مکہ مکرمہ میں نبی ﷺ کے ساتھ کیا سلوک ہوا۔ دعوت حق کے مقابلے میں ہر طرح کی اذیتیں دیں، مجھے یاد ہے، اس پر فخر نہیں بلکہ خوشی ہے کہ ہم نے ڈیپلو میں مخالفت کی جھلک دیکھی۔ مخالفوں نے کئی رنگ اختیار کئے، تفصیل کا موقعہ نہیں۔ اتنی مخالفت کہ کچھ مخالفوں کے نام ابو جہل اور فرعون کے طور پر پکارے گئے۔ مخالفت کا فائدہ یہ ہوا کہ حق نکھر تا گیا اور ہم مضبوط ہوتے گئے۔

مسجدوں میں ہمیشہ ایک دوسرے کے خلاف خطبے ہوتے رہے فرق یہ تھا کہ کچھ مسجدوں میں حق کی آواز بلند ہوتی رہی۔ قرآن و سنت کی طرف دعوت دی جاتی تھی اور دوسری مسجدوں میں تقلید کی تائید اور سنت کی مخالفت میں آوازیں اٹھتی رہیں۔ مخالف باہر سے مولوی بلا تے اور تقلید کی تائید میں تقاریر کراتے۔ آخر یہاں تک نوبت آئی کہ مخالفوں نے مناظرہ کا اعلان کر دیا۔ احناف کے خاص مدرسہ ٹھیکڑی سے انہوں نے مولویوں کو بلایا۔ تاریخ مقرر ہوئی ہمیں اطلاع دی گئی ہم نے شاہ صاحب کو عرض کی۔ شدید سخت گرم موسم تھا۔ لوگ رہی تھی۔ نوکوٹ سے ڈیپلو تک چھکڑے چلتے تھے، مقرر تاریخ پر مغرب سے پہلے شاہ صاحب اپنے ساتھیوں کے ساتھ تشریف لائے۔ مناظرہ کے لئے اپنے ساتھ کتب کثیر لائے۔ شاہ صاحب کا نام سن کر مخالفوں کا کوئی مولوی نہیں آیا۔ پتہ نہیں کہاں سے واپس چلے گئے اور کہاں چھپ گئے۔ یہ غالباً ۱۹۶۸ء کا واقعہ ہے آج سے کم و بیش ۴۰ برس پہلے کی بات ہے۔ شاہ صاحب کی پہلی مرتبہ زیارت کی، ایک خوبصورت شخصیت، موٹی موٹی آنکھیں، کھڑی ناک، گول چہرہ، سر پر ٹوپی اور رومال، سفید سلوار اور قمیص پہنے ہوئے۔ عشاء نماز کے بعد جم غفیر میں مسجد میں کرسی پر بیٹھ کر خطبہ مسنونہ پڑھا۔ قرآن مجید کی تلاوت کی۔ بلند اور

بارعب آواز میں تقریر شروع کی۔ سخت گرمی تھی۔ اس وقت ڈیپلو میں لایٹ (بجلی) نہیں تھی۔ ایک ساتھی مسلسل کھڑا ہو کر جھولا (ہاتھ کا پنکھا) چلا رہا تھا۔ شاہ صاحب ماحول کے مطابق بول رہے تھے۔ ان میں کوئی مروجہیت نہ تھی۔ روانی سے اپنی بات جاری رکھے ہوئے تھے۔ مخالفوں پر کوئی بیجا تنقید نہ تھی۔ قرآن و سنت کے دلائل تھے۔ تقلید کی بیخ کنی تھی اور وہ بھی دلائل کے ساتھ۔ ہمیں ایک بڑی خوراک مل گئی اور ہم تازہ توانا ہو گئے۔ مخالفوں میں چند تو کمزور ہو گئے لیکن ﴿وَأَصْلَهُ اللَّهُ عَلَىٰ عِلْمٍ﴾ (جاثیہ: ۲۳) وہ مخالفت میں اور زیادہ سخت ہو گئے۔ شاہ صاحب نے دوسرے دن بھی ڈیپلو میں قیام کیا۔ مجلسیں ہوئیں اور ملاقاتیں ہوئیں۔

ڈیپلو میں مخالفوں کی طرف سے مناظرہ کا اعلان پھر اس سے انحراف اور شاہ صاحب کا تشریف لانا اور زور دار خطاب کرنے سے وہ اور طیش میں آ گئے اور منصوبہ بندی کرنے لگے۔ ایک سازش کے تحت ایک جمعہ پر میاری سے ایک مولوی عبدالخالق کو بلایا اور مسجد پر قبضہ کر کے ان سے خطبہ دلویا۔ خطبہ میں محترم مولوی محمد عمر جو نیو بھی موجود تھے۔ اس مولوی نے ایک حدیث پڑھی اور اپنی مکاری اور بے علمی کا ثبوت فراہم کیا۔ مولوی نے حدیث بتائی فقیہ واحد اشعلی الشیطان من الف عابد (ترمذی) اور کہا دیکھو اس میں حدیث جاننے والے کو فقیہ کہا گیا ہے اور یہ لفظ فقہ سے لگتا ہے اور دیکھو فقہ کا ذکر حدیث میں موجود ہے اور کہا فقیہ اسم فاعل کا صیغہ ہے اور صرف و نحو میں بھی اپنی مہارت دکھادی۔ یہ مولوی (ضَلُّوا وَاضْلُوا) تقریر کے فن میں ماہر تھا۔ ڈیپلو میں بڑا عرصہ رہا۔ حقیقت کی حمیت میں ضعیف اور موضوع روایات کا سہارا لیتے ہوئے اور یہود کا طریقہ کار ﴿يُحَرِّفُونَ الْكَلِمَ عَنْ مَوَاضِعِهِ﴾ (النساء: ۴۶) اختیار کرتے ہوئے ایک کتاب بنام تحفۃ المحدث تحریر کیا جس میں شاہ صاحب اور مولوی محمد عمر جو نیو پر بیجا اعتراض بھی کئے ہیں۔ شاہ صاحب تک جب یہ کتاب پہنچی اور آپ نے اسے پڑھا تو تقریری جواب دینے کے لئے آپ نے ڈیپلو آنے میں دیر نہ کی۔ چار مسائل تھے (۱) فاتحہ خلف الامام (۲) رفع الیدین (۳) تراویح رمضان (۴) وتر پڑھنے کا طریقہ۔ شاہ صاحب نے مدلل جواب دیا۔ شاہ صاحب جو علم حدیث کے ماہر، بڑے محقق، اساء الرجال کے عالم مانے جاتے ہیں، ان کے کمال مناظرے، تبحر علمی، بے مثال تقریر اور بے عدیل تحریر اور ان کی ذہانت اور فطانت کی تعریف کی جاتی ہے، ایک ایسے عالم جسے عالم شباب میں فاتح قادیان شیخ الاسلام مولانا ثناء اللہ امرتسری

متوفی ۱۳۶۷ھ نے تقسیم ہند سے پہلے اعتراف کیا تھا، بنالہ میں اہل حدیث کا نفوس کے شرکاء سے تعارف کراتے ہوئے کہا تھا، شاہ صاحب اسماء الرجال کے امام ہیں۔ اس خطاب کو ٹیپ رکارڈ سے نقل کر کے راقم نے ”لا جواب تقریر“ کے نام سے کتاب چھپوائی تھی۔ اس کے بعد شاہ صاحب نے ایک مفصل کتاب بنام ”تمییز الطیب من الخبیث بجواب رسالہ تحفۃ الحدیث“ تحریر کی اور ۱۹۸۷ء کو چھپوائی۔ شاہ صاحب کا کہنا تھا کہ یہ کتاب میرے کتب خانے کا نیچوڑ ہے۔ بڑی محنت اور عرق ریزی کے بعد یہ کتاب لکھی گئی ہے۔ اہل علم کو یہ کتاب ضرور پڑھنی چاہیے۔

بدیع التفاسیر کی ابتداء کب ہوئی، کیسے ہوئی، یہ سفر کتنا کٹھن تھا۔ شاہ صاحب کے لئے کیا مشکلات تھیں، کیا رکاوٹیں تھیں، جماعتی افراد کو یہ سب باتیں معلوم ہیں۔ لیکن تھر پار کر کا یا ڈیپلو تعلقہ کا اس میں کیا حصہ ہے یہ سب کو معلوم نہیں۔ میں چند سطریں تحریر کرتا ہوں تو کئی نئے ساتھیوں کو ﴿إِنَّ هَذَا لَشَيْءٌ عُجَابٌ﴾ (ص: ۵) محسوس ہوگا۔ ۱۹۶۷ء کے بعد تھر پار کر کے ساتھیوں کو محسوس ہوا کہ قرآن مجید کی تفسیر سندھی زبان میں شاہ صاحب کی تحریر میں ہو اور یہ سندھ اور پھر دنیا کے لئے قیمتی تحفہ ہوگا۔ نوکٹ میں حاجی محمد مٹھوانی (اماں مریم کے بھائی) کے ہاں شاہ صاحب کے ساتھ ایک مجلس ہوئی۔ جس میں حاجی احمد علی مین پیٹرول پمپ والے، مولوی جان محمد گرزابہ والے اور کچھ ساتھی شامل تھے۔ شاہ صاحب کو عرض کی گئی کہ تفسیر لکھنے کا کام شروع کریں۔ شاہ صاحب نے کہا کہ جماعتی پروگراموں سے فارغ نہیں رہتا۔ اگر جماعت مجھے فرصت دے اور دعوتی پروگرام کم کرے تو میں کتب خانے میں بیٹھ کر لکھ سکتا ہوں اور اسکے ساتھ ایک کاتب بھی مہیا کیا جائے۔

طے یہ ہوا کہ سب جماعتی ساتھیوں کو عرض کی جائے گی کہ شاہ صاحب کے باہر کے پروگرام کم ہوں اور اس کے ساتھ ڈیپلو کے ساتھیوں نے کاتب مہیا کرنے اور اس کا وظیفہ دینے کا وعدہ کیا۔ پھر بھی تفسیر کی ابتداء ویر سے ہوئی۔ اسی وقفہ کے دوران ڈیپلو کے ایک مخلص ساتھی نے ڈیپلو کے ایک ساتھی کو تفسیر لکھنے کے لئے کہا۔ بڑے اصرار کے بعد اس نے لکھنا شروع کیا۔ تھوڑا سا مقدمہ لکھا اور اس کے ساتھ سورہ فاتحہ کا کام شروع کیا۔ لیکن پھر اس نے لکھنا چھوڑ دیا اور شاہ صاحب کے تفسیر کا انتظار کیا (یہ صیغہ راز کی باتیں ہیں) بڑے انتظار کے بعد شاہ صاحب نے تفسیر کا کام شروع کیا۔ شاہ صاحب کے دعوتی پروگراموں میں تو کوئی کمی

نہیں آئی۔ لیکن تفسیر کا سفر چلتا رہا۔ کاتب کا وظیفہ ڈیپلو والے ادا کرتے رہے۔ ہے نہ عجیب بات! افسوس کہ یہ کام مکمل نہیں ہوا۔ چودھواں پارہ شروع ہوا تھا کہ مالک باری تعالیٰ نے اپنے بندے کو بلالیا۔ جو کچھ تحریر ہوا وہ جماعتی ساتھیوں کے پاس امانت ہے اور وہ مستفیض ہو رہے ہیں۔

پہلے ذکر کیا کہ ۱۹۶۵ء میں اماں مریم نے ڈیپلو میں مدرسہ دارالحدیث والقرآن کی بنیاد رکھی۔ اور اس کے صدر مدرس کی حیثیت سے استاذی المکرم مولوی محمد عمر تاحیات رہے۔ مجھے یہ سعادت حاصل ہے کہ جب تک شاہ صاحب نے امتحان لینا شروع نہیں کیا اس مدرسہ کا میں ہی متحن رہا۔ تھر پارکر میں میں شاہ صاحب کے پروگرام طے کرتا تھا۔ شاہ صاحب ٹائم دیتے پہلے سال میں دو مرتبہ ۶-۶ دن کا پروگرام ہوا کرتا تھا۔ وہ پروگرام ڈیپلو سے شروع ہوتے۔ پھر وہاں سے ۵ دن کا سفر مختلف گاؤں کا ہوتا۔ کبھی کبھار ایک جمعہ کا پروگرام بھی ہو جاتا اور وہ ڈیپلو میں ہوتا۔ ایک مرتبہ مٹھی شہر میں بھی جمعہ کا پروگرام ہوا۔ اس جمعہ میں اس وقت کے تھر پارکر کے ڈپٹی کمشنر عبدالقادر منگی شامل ہوئے تھے۔ اسے دعوت دی گئی تھی۔ اس نے شمولیت اور خطبے کے بعد اعلان کروایا کہ جس کو کسی افسر کے خلاف یا کسی ڈپارٹمنٹ کے خلاف یا اور کسی قسم کی شکایت ہو وہ ابھی آئے اور اپنی شکایت پیش کرے۔ ابتدائی دنوں میں شاہ صاحب نوکوٹ سے چھکڑے میں آتے اور تھر کا پورا پروگرام اسی چھکڑے میں ہی طے ہوتا۔ یہ بندوبست اماں مریم کے بھائی حاجی محمد رکھتے۔ گاڑی ان کی اپنی ہوتی۔ اماں مریم ان کو دعائیں دیتیں اور کہتی جس طرح مجاہد کے گھوڑے کی لید اور پیشاب بھی میزان میں تولے جائیں گے۔ حاجی محمد تو اللہ کے راستے میں گاڑی دے اس کا تیل بھی تیرے میزان میں تولا جائے گا اور اس بھائی نے پورا تعاون کیا۔

۱۹۷۶ء کا زمانہ ہے، امام مریم کی رہائش گاہ ہے، امام مریم کا ذاتی کمرہ ہے، '14'x'18' کا کمرہ ہے، چند کرسیوں سے سجایا گیا اور مدرسہ ڈیپلو کی دستار بندی کا بندوبست رکھا گیا۔ جسے موجودہ وقت میں تقریب صحیح بخاری کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ اس تقریب میں مدرسین اور طلباء کے سوا شہر کے چند افراد تھے، دو تین عورتیں باہر صحن میں بیٹھی تھیں۔ اماں مریم اس کمرے میں موجود تھیں۔ رہائش گاہ ان کی اپنی تھی۔ کمرہ ان کا تھا، صدارت ان کی تھی۔ پروگرام ان کا تھا، مجلس کو اس نے سجایا تھا۔ بڑی پروقار تقریب تھی، شاہ

صاحب کے زیر سایہ یہ تقریب شروع ہوئی۔ صحیح بخاری کی کوئی حدیث نہیں پڑھی گئی شاہ صاحب نے دو فارغ التحصیل عالموں (مولوی عبدالرحیم لوڈو اور مولوی عبدالغنی پسیاوی) سے خطاب کرنے کو کہا۔ صرف چند منٹ کا خطاب ہوا۔ پھر شاہ صاحب نے ایک مختصر اور جامع خطاب کیا۔ اس مدرسہ کے حالات اور ایک عورت کی کاوش پر روشنی ڈالی اور عالموں کو علم حاصل کرنے کے بعد ان کی ذمہ داری سے آگاہ کیا۔ یہ ایک نصیحت آمیز خطاب تھا۔ میرے حافظے میں آج تک یہ باتیں گونج رہی ہیں۔ یہ مدرسہ اب تک آباد ہے۔ اماں مریم کے پانچ بیٹوں میں مشتاق احمد ہمیشہ ڈیپلو میں رہے اور اماں مریم کے زیر سایہ رہے۔ اب یہ مدرسہ ان کے زیر نگرانی ہے۔

تھر پارکر ایک عجیب علاقہ ہے، بارشوں کے بعد تو ہر طرف ہریالی ہوتی ہے۔ کیا کھیت، کیا میدانی علاقہ، کیا ٹیلے جن کے دیکھنے سے دل خوش ہو جاتا ہے۔ اس کے علاوہ اور موسموں میں ناواقفوں کے لئے یہ خطہ علاقہ غیر بن جاتا ہے۔ سردیوں میں سخت سردی اور گرمیوں میں شدت کی گرمی، کو اتنی سخت پڑتی ہے کہ چہرے اور آنکھوں پر اثر انداز ہوتی ہے۔ گرمیوں کے شروع میں سخت ہوا لگتی ہے اور ریتی اڑنے لگتی ہے۔ آنکھوں میں پڑتی ہے اور سر کے بالوں تک پہنچتی ہے۔ ہر جگہ چھوٹے چھوٹے ٹیلے بن جاتے ہیں۔ میدانی علاقوں کا تو نقشہ بدل جاتا ہے۔ ایسے علاقوں میں الشیخ العرب والعم نے سفر کیا اور اللہ کا پیغام پہنچایا۔ چھوٹے گاؤں اور دیہاتوں تک پہنچے۔ جس گاؤں میں پہنچتے تھے جو ٹائم دیا ہوا ہوتا اس سے پہلے پہنچتے۔ گاؤں کے پروگرام کا تعین میرے توسط سے ہوتا۔ گاؤں والوں کو پہلے اطلاع دی جاتی۔ چھکڑے کے بعد ٹیوٹا کروڑ کا زمانہ آیا۔ مشغری ہے۔ کوئی خرابی ہو سکتی ہے کسی ایک گاؤں میں دیر بھی ہو سکتی ہے۔ نہیں کبھی ایسا نہیں ہوا۔ شاہ صاحب وقت کے پابند تھے اور ہمیں بھی پابند ہونا پڑتا تھا۔ اس طرح پروگرام رکھنے والوں کو نہ انتظار کرنا پڑتا ہے اور نہ وہ پریشان ہوتے ہیں۔ شاہ صاحب کی ایک خوبی یہ بھی تھی کہ کسی بھی جگہ پروگرام شروع ہونے سے پہلے پہنچتے اور آخر تک بیٹھے رہتے۔ پروگرام کے علاوہ بھی شاہ صاحب اوطاق یا رہائش گاہ پر مجلس کرتے۔ آنے والے ملاقات کرتے۔ مسائل پوچھتے۔ اس سے محبت بھی بڑھتی ہے اور افراد کی تعداد میں بھی اضافہ ہوتا ہے۔ آج کل کی طرح نہیں کہ مولوی صاحب پروگرام کے بڑے حصے گزرنے کے بعد آئے۔ مختصر خطاب کیا

اور پروگرام ختم ہونے سے پہلے چلے گئے۔ کسی کو دیکھا نہ دیکھا کسی سے ملاقات ہوئی یا نہ ہوئی کوئی پرواہ نہیں۔ شاہ صاحب ڈپلو آئے۔ اماں مریم کی بیٹھک میں رہائش پذیر تھے، مجھے ایک تحریر دی، جو المکتبہ الراشدیہ کے لئے اپنے ہاتھوں سے لکھی ہوئی تھی۔ مجھے صاف لکھنے کے لئے کہا یا تو پریس میں چھپوانا تھی یا پتھر پر لکھا کر کتب خانے میں لگوانی تھی۔ اس تحریر میں دو سطریں صرف ونحو کے لحاظ سے ایک جیسی تھیں۔ دونوں سطروں میں فعل اور فاعل حذف تھے۔ جملہ مفعول سے شروع ہو رہا تھا۔ شاہ صاحب اور مولوی محمد عمر جو نیجو کے صرف ونحو میں ایک ہی استاد تھے، جس کا نام محمد اکرم تھا۔ مولوی صاحب نے ان سطروں پر اعتراض کیا اور شاہ صاحب سے بحث کی، دونوں بزرگوں میں سندھی اور عربی زبان میں بحث چلتی رہی۔ ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ دونوں زخمی کے ہم پلہ ہیں جیسے دونوں ”مفصل“ کے مصنف ہوں۔ شاہ صاحب جنہوں نے اپنی زندگی کتابوں میں گزاری، رات دن مطالعہ، تدریس اور تقاریر میں وقت گزارا۔ مولوی صاحب تو ڈپلو کی مسجد اور چھوٹے سے مدرسے سے منسلک رہے، لیکن دونوں کی تبحر علمی کی داد دینا پڑ رہی تھی۔

شاہ صاحب ایک عظیم انسان تھے۔ باکردار اور بہت بڑے مفسر تھے۔ بڑے کی تو عزت کرتے، لیکن چھوٹے کی بھی عزت کرتے اور شفقت سے پیش آتے۔ کیونکہ عزت دے کر عزت لی جاتی ہے۔ ان کے سامنے دسترخوان پر مختلف کھانے سجائے جاتے۔ کیونکہ یہ تو تھروالوں کی میزبانی کا طریقہ ہے کہ مہمان کی ہر طرح سے عزت کی جائے۔ حتی الامکان طرح طرح کے کھانوں کا اہتمام کیا جائے یہ تو شاہ صاحب مہمان تھے۔ بڑی آؤ بھگت ہوتی۔ لیکن آپ بالکل مختصر کھاتے۔ تھر میں مہمان کی دیسی مرغی سے آؤ بھگت خاص روایت ہے۔ لیکن شاہ صاحب مرغی کا گوشت بہت کم کھاتے تھے۔ ایک مرتبہ میرے مہمان تھے میں نے ایک کوشش کی۔ یہ زمانہ تھا مجھے کچھ تیز (پرنڈے) مل گئے اس وقت تو یہ پرنڈے بالکل نایاب ہو چکا ہے۔ دسترخوان پر کافی ساتھی موجود تھے۔ میں نے تیزوں والا برتن شاہ صاحب کے آگے رکھا اور کہا یہ فلاں چیز ہے۔ آپ نے خوشی سے لیا اور زیادہ لیا اور دل خوش ہو گیا کہ یہ چیز شاہ صاحب کو پسند آگئی۔ ایک مرتبہ شاہ صاحب کے ساتھ سحری کھا رہے تھے۔ شاہ صاحب نے شیشے کی پیالی میں چند چاول لئے اور دہی کی آمیزش کر کے چچے سے کھا رہے تھے سب ساتھی جی بھر کر کھا رہے تھے لیکن شاہ صاحب کی پیالی والے تھوڑے سے چاول بھی ختم

نہیں ہو رہے تھے۔ ایک تو رات کا سناٹا اور سحری کا وقت دوسرے شیشے کی گول پیالی اور اسٹیل کا چمچ۔ آواز کی گونج سنائی دے رہی تھی میں نے کہا شاہ صاحب! چمچ کی اتنی بڑی آواز آرہی ہے جیسے ابھی دیگ کے چاول ختم ہونے والے ہیں۔ لیکن یہاں تو چھوٹی پیالی والے چاول بھی ختم نہیں ہو رہے ہیں۔ شاہ صاحب نے مسکرا دیا۔ ایک ساتھی نے کہا کہ اس چمچ کی آواز پر ہمارے تو مزے ہو گئے۔ دسترخوان پر دیکھو تو سہی۔ ہے کچھ باقی کھانے کے لئے۔

ایک مرتبہ شاہ صاحب کے ساتھ حاجی محمد کے چھکڑے میں عصر نماز کے بعد گاؤں ”کھورڈو“ جا رہے تھے جو ڈیپلو سے ۱۵ کلومیٹر شمال میں ہے اور مولوی عبدالغنی کا مسکن ہے۔ یہ ۱۹۹۰ کی بات ہے۔ گاڑی میں میں شاہ صاحب کے ساتھ بیٹھا تھا۔ سفر میں قرآن کی آیات، معنی اور علوم پر بحث ہو رہی تھی۔ ایک جگہ پر ایک بڑے ٹیلے پر گاڑی چڑھ نہ سکی۔ بار بار اوپر چڑھتی رہی اور نیچے اترتی رہی۔ شاہ صاحب گاڑی سے نیچے اتر آئے اور پیدل اوپر چڑھنا شروع کیا۔ میں نے دیکھا شاہ صاحب بلا جھجک ریت سے شناسا تھری کی طرح اوپر چڑھ رہے ہیں۔ ٹیلے پر چڑھتے ہوئے مجھ سے پوچھا حافظ! تلاؤ قرآن میں کون سی سورۃ ہے جس کے حروف میں صرف ایک حرف کمزور ہے۔ میں نے کہا سورۃ اخلاص، دوسرا سوال پوچھا۔ قرآن میں ایسی ۱۰ آیتیں تلاؤں جس میں حرف ق ۱۰ مرتبہ آیا ہو۔ میں نے ٹیلے پر چڑھتے اور گاڑی آنے تک ۱۳ آیتیں پڑھ کر سنائیں۔ اب تیسرا سوال پوچھا۔ قرآن میں کون سی آیت ہے جس میں ”اللہ“ پر زبر ہے اور وہ آیت کے شروع میں ہے۔ میں بتلا نہ سکا جواب پوچھا۔ کہا کوشش کرو۔ یاد کرو۔ آخر ہم کھورڈو پہنچے۔ مغرب کی نماز میں شاہ صاحب نے سورۃ صفت کی آیات پڑھیں۔ ﴿اتَذْهَبُونَ بَعْلًا وَتَذَرُونَ أَحْسَنَ الْخَالِقِينَ (125) اللَّهُ رَبُّكُمْ وَرَبُّ آبَائِكُمُ الْأَوَّلِينَ (الصَّفَّت: ۱۲۵-۱۲۶)﴾ اور مجھے اچھی طرح یاد دلادیا۔

شاہ صاحب کی تھریوں کے ساتھ بڑی محبت تھی۔ مجھ سے بہت پیار کرتے تھے۔ اسی طرح میرے بھائی سلیمان کو بہت چاہتے تھے جب بھی کراچی آتے بھائی کے ہاں رات کو قیام کرتے۔ یہ سلسلہ برسوں تک قائم رہا۔ کبھی کبھار میں بھی موجود ہوتا۔ شاہ صاحب کے پاس اپنی گاڑی نہ تھی۔ بھائی اپنی گاڑی دیتے Hire کر کے دیتے۔ شہر کے پروگرام اور دوسرے کام نمٹا کر واپس بھائی کے گھر پر آرام کرتے۔ ضیاء الحق

دور تھا۔ کراچی کے ہوٹل انٹرکانٹیننٹل میں ”ہجرت کانفرنس“ منعقد کی گئی۔ سندھ سے وہ حضرات جن کے پاس قدیم اور بڑے کتب خانے تھے ان کو مدعو کیا گیا تھا۔ شاہ صاحب کو بھی دعوت تھی شاہ صاحب کو ایک مگرہ الاٹ کیا گیا۔ جس میں دو بسترے تھے۔ ایک پر آپ آرام کرتے تھے۔ اور ایک میرے لئے تھا۔ شاہ صاحب نے ضیاء الحق سے ملاقات کی اور اپنی مطبوعہ کتب کا سیٹ بدیع التفاسیر کے ساتھ پیش کیا۔ انٹرکانٹیننٹل ہوٹل پر ایک لطیفہ جو حقیقت پر مبنی ہے یاد آتا ہے۔ ایک دوست کہتا ہے جب یہ ہوٹل تعمیر ہو رہا تھا تو یہ ایک بڑا کام تھا۔ معمار، مزدور اور کئی لوگوں کے لئے محمد محمود میمن نامی نے ایک کینٹین کا ٹھیکہ لے لیا۔ جس میں ہر طرح کا کھانا ملتا تھا۔ وہ دوست کہتا ہے جب ہمارے پاس کھانے کے لئے کچھ نہیں ہوتا ہم کینٹین چلے جاتے اور محمود صاحب سے ہم نے یہ ٹھیکہ کر رکھا تھا کہ ہم اللہ سے دعا کریں گے کہ یہ ہوٹل مدت مدید تک تعمیر ہوتا رہے تاکہ محمود صاحب کا کینٹین قائم رہے اور وہ ہمیں دعا کے بدلے رضا کارانہ کھانا کھلایا کریں گے۔ ہم نے ان سے یہ عہد بھی کر رکھا تھا کہ ہم ایمانداری سے بتایا کریں گے کہ آج کس انداز سے دعا کی تھی اگر خشوع و خضوع سے کی ہے تو چھوٹے گوشت کے حق دار ہوں گے اگر دعا کے الفاظ ڈھیلے ہیں تو بڑا گوشت ملے گا۔ اگر دعا بالکل عدم تو جہی سے کی ہے تو سبزی یا دال ملے گی۔

شاہ صاحب کا جب امریکہ کا دورہ ہوا تھا تو اس وقت بھائی سلیمان کے ہاں قیام پذیر تھے۔ امریکہ کے دوستوں کا ٹیلیفون پر شاہ صاحب سے رابطہ بھائی کے ٹیلیفون پر رہا۔ اس کے بعد شاہ صاحب لیاری میں محمد سومار ہتکورو کے ہاں قیام کرتے رہے۔ یورپ کا دورہ اسی رہائش سے ہوا تھا۔

۱۹۹۲ء نواز شریف کا دورہ ہے۔ میں مٹھی کالج کے ہاسٹل میں رہتا تھا۔ رات کے وقت محترم پروفیسر ظفر اللہ رحمہ اللہ مدیر جامعہ اہل بکر دوستاچیوں کے ساتھ ایک خاص مقصد کے لئے میرے پاس آئے۔ حکومت کی طرف سے زکوٰۃ کی کٹوتی اور اس کی تقسیم کا سلسلہ پہلے ہی چل رہا تھا۔ نواز شریف نے اس میں ایک ارب تیس کروڑ کی اضافی بجٹ دے کر بیت المال نام رکھا۔ اس کی ابتداء کرنے کے لئے ایک خاص طریقہ کار مقرر کیا۔ اس لئے وزیر اعظم نے لاہور کے ڈاکٹر محمد راشد رندھاوا کو بیت المال کا چیئرمین مقرر کیا۔ طریقہ کار یہ رکھا کہ ہر صوبے میں دو پروگرام رکھے جائیں گے۔ ہر پروگرام بڑی مسجد میں ہوگا۔ ہر پروگرام میں ایک سو

مستحقین رکھے جائیں گے وزیر اعظم خود آکر ان کو بیت المال کے چیک پیش کریں گے۔ ڈاکٹر رندھاوا صاحب نے سندھ کے لئے پروفیسر ظفر اللہ صاحب کو منتخب کیا۔ ظفر اللہ صاحب نے ایک مقام کا انتخاب کراچی میں کر لیا تھا۔ دوسرے مقام کے لئے انہوں نے تھر پارکر کو منتخب کر لیا اور مقام کے انتخاب کے لئے میرے پاس آئے تھے۔ اس سے پہلے پروفیسر صاحب سے میرا کوئی تعارف نہیں تھا۔ ایک دو پروگراموں میں صرف دور سے دیکھا تھا۔ جب اپنا مدعا بیان کر دیا تو میں نے سوال پوچھا کہ آپ نے اتنے بڑے کام کے لئے میرا انتخاب کیوں کیا ہے۔ ایسا جواب دیا جو میرا دل خوش ہو گیا، آپ نے کہا کیونکہ آپ اس ضلع میں شاہ صاحب کے قریبی ساتھی ہیں۔ اس لئے آپ کا انتخاب کیا ہے اور یہ کام آپ کو کرنا ہے اور یہ تقریب ضلع ہیڈ کوارٹر مٹھی میں نہیں بلکہ آپ کے شہر ڈیلو میں ہوگی۔ صبح کو ہم ڈیلو آئے، شہر کی مسجدیں اور عید گاہیں دیکھیں، آپ کو وہ چھوٹی نظر آئیں۔ کیونکہ وزیر اعظم کا پروگرام تھا۔ اس کے ساتھ وفاقی وزراء، وزیر اعلیٰ سندھ، صوبائی وزراء، سندھ سیکریٹریٹ کے کئی سیکریٹری، ہر ڈپارٹمنٹ کے کئی افسر عوامی نمائندہ اور بے شمار لوگ آئیں گے۔ اس لئے ایک وسیع میدان کا انتخاب کر لیا۔ مجھے کہا کہ صرف ڈیلو شہر کے ایک سو مستحق آدمیوں کا انتخاب کرنا ہے ان میں ۷۰ مسلمان ہوں اور ۳۰ ہندو ہوں۔ اس کے علاوہ مردوں کے ساتھ عورتیں بھی شامل ہوں۔ پروفیسر کے واپس جانے کے بعد میں نے شہریوں کے باہم مشورے سے لسٹ تیار کر لی۔ ایک دن صبح دس بجے ایک بہترین گاڑی میں جناب ظفر اللہ صاحب ڈیلو پھر تشریف لائے۔ میں نے دیکھا ان کے ساتھ ایک جوان رعنا ہیں۔ معلوم ہوا وہ ریاض سعودی عرب کے ہیں اور زکوٰۃ کی رقم دینے آئے ہیں۔ تھوڑی دیر بیٹھے۔ باتیں ہوئیں، مدعا بیان کیا۔ یہ ایک امانت تھی۔ بڑا بوجھ تھا۔ لیکن اصرار پر میں نے شہر کے چند ساتھیوں کو بلالیا اور ان کی موجودگی میں میں نے ان سے رقم وصول کی۔ عرب نوٹ دیتا رہا اور پوچھتا رہا، ہل من مزید جب میں نے انکار کیا تب اس نے ہاتھ روک لیا۔ یہ رقم ایک ساتھی کی موجودگی میں شہر اور دیہات میں مستحقین تک پہنچائی اس واقعے کے دس دن بعد ظفر اللہ صاحب کا ایک وفد کراچی سے آیا اور مجھ سے لسٹ طلب کی اور ۲۱ مارچ ۱۹۹۲ء کو وزیر اعظم کا پروگرام ڈیلو کے لئے طے ہوا۔ ڈپٹی کمشنر کو وزیر اعظم سیکریٹریٹ کی طرف سے اطلاع دی گئی کہ محمد کھٹی سے رابطہ کرو اور اس کے مشورے سے جلسہ گاہ کا بندوبست رکھو۔ خرچہ

گورنمنٹ کا تھا۔ سب کام میری نگرانی میں ہو رہا تھا۔ بہر حال مقررہ وقت پر یہ پروقار پروگرام بخیر و خوبی تمام ہوا۔ ۱۹۹۳ء میں بارشیں اچھی ہوئیں۔ تھر میں ہر جگہ ہریالی تھی، بارش کے موسم میں تھر اور خاص طور ننگر پار کر تفریح کے علاقے بن جاتے ہیں۔ شاہ صاحب کو ننگر پار کر دیکھنے کا خیال ہوا اور مجھے اطلاع دی۔ شاہ صاحب کے ساتھ دونوں اور دیگر ساتھیوں میں محمد حسن، عبدالعزیز، عبدالغفار، مولوی عبدالغنی وغیرہ شامل تھے۔ ہم نے دو ٹیوٹا گاڑیوں کا بندوبست کیا اور تین دن تک ننگر کے علاقے کی سیر کرتے رہے۔ شاہ صاحب اس بڑی عمر میں پہاڑی کی آخری چوٹی تک پہنچے تھے، جس دن ہم پہاڑی پر چڑھے تھے تو رہائش گاہ پر واپسی ڈیڑھ بجے کے قریب ہوئی، سب تھکے ہارے تھے، خیال تھا کہ نماز پڑھ کر آرام کر لیں، شاہ صاحب نے تھوڑی دیر انتظار کرنے اور پھر ظہر اور عصر ساتھ ملا کر پڑھنے کا کہا، اس سے یہ مسئلہ ظاہر ہوتا ہے کہ اگر جمع بین الصلا تین کرنا ہو تو پہلی نماز کو تھوڑا خرکیا جائے اور دوسری نماز میں عجلت کی جائے تو سنت کے مطابق ادائیگی ہو جائے گی۔ ان تین دنوں میں شاہ صاحب کے ساتھ مختلف مقامات کی سیر کی اور آزادی سے باتیں کی وہ ایک الگ داستان ہے، شاہ صاحب اس دورے سے اتنے خوش ہوئے کہ ایک مہینے کے بعد پھر ننگر کا پروگرام رکھا اور جی بھر کے سیر حاصل کی۔

شاہ صاحب کا حیدرآباد میں قیام تھا، طبیعت ناساز تھی میں حیدرآباد کام سے آیا تھا، جی چاہتا تھا کہ حیدرآباد آنا ہوا ہے تو شاہ صاحب کی زیارت کرنی چاہیے۔ ظہر نماز کا وقت تھا میں مسجد میں آیا، شاہ صاحب کے پیچھے نماز پڑھی، نماز کے بعد مصافحہ کیا اور بروقت اجازت چاہی۔ شاہ صاحب نے کہا رہائش گاہ پر چلو میں آتا ہوں، مجھے بہت جلدی تھی۔ ان دنوں شاہ صاحب بیمار رہتے تھے۔ سب نمازوں پر مسجد میں پہنچ نہیں سکتے تھے۔ کافی دنوں سے تفسیر کا کام متاثر ہو رہا تھا۔ صرف عصر نماز کے بعد باہر آتے اور دور سے آنے والے کے ساتھ ملاقات کرتے۔ مجھے ساتھیوں نے کہا شاہ صاحب ظہر کے بعد کبھی باہر نہیں آتے اور کھانا بھی گھر کے اندر کھاتے ہیں۔ آج جو کہا ہے تو ضرور باہر آئیں گے اور کھانا تمہارے ساتھ باہر کھائیں گے۔ میں شاہ صاحب کے آگے کتنا چھوٹا تھا۔ مگر شفقت بھی کوئی چیز ہوتی ہے۔ شاہ صاحب نے باہر آنے میں دیر نہ کی دسٹر خوان بھی آگیا اور شاہ صاحب کے ساتھ کھانا کھایا۔

شاہ صاحب حیدر آباد میں تھے وفات سے کچھ پہلے کی بات ہے شاہ صاحب کے داماد فوت ہو چکے تھے۔ میں دونوں کے بعد تعزیت کے لئے آیا۔ عصر نماز کے بعد ملاقات ہوئی۔ پہنچا تو کیا دیکھتا ہوں آپ کسی کاتب کو کچھ لکھا رہے ہیں۔ ایک عرب بیٹھا تھا ان سے باتیں ہو رہی ہیں اور بھی کافی لوگ بیٹھے تھے۔ مصافحہ کر کے بیٹھا۔ شاہ صاحب نے پوچھا کیسے آتا ہوا۔ میں نے تعزیت کے سلسلے میں صرف ایک چھوٹا سا جملہ کہا۔ تو آپ نے کہا، حافظ! یہ دنیا بہت تکلیف دہ ہے۔ میں نے بہت دھکی زندگی گزاری ہے۔ میں اور جو ساتھی وہاں بیٹھے تھے سب حیران رہ گئے۔ آپ پھر لکھانے اور دوسروں سے باتیں کرنے میں لگے رہے۔ پھر مجھ سے مخاطب ہوئے، زندگی میں بہت دکھ پائے ہیں۔ اپنوں سے بھی اور غیروں سے بھی۔ پھر دوسرے سرائیوں کی طرف متوجہ ہوئے۔ تیسری بار اور آخری بار مجھے کہا۔ حافظ! زندگی کے ایام بہت کنٹھن گزرے۔ صرف ۶ مہینے آرام سے گزرے ہیں، جب نیو سعید آباد، آباد ہونے کے لئے آیا۔ ایک طرف گھر اور اس کا کوٹ (چادیاوری) بن رہی تھی۔ دوسری طرف مسجد تعمیر ہو رہی تھی۔ یہ کام ۶ مہینے چلتا رہا۔ یہ ۶ مہینے میرے آرام کے رہے۔

قارئین کرام! غور فرمائیں، جو شخص گھریلو حالات کے سبب اپنا مسکن چھوڑ کر دوسری جگہ آباد ہو رہا ہو، جس کے پاس پیسے کی بھی کمی ہو، اس حالت میں وہ اللہ کا گھر اور اپنے بچوں کے لئے رہائش تعمیر کر رہا ہو اس کے ذہن کی کیا حالت ہوگی وہ کس قدر پریشان ہوگا۔ جب تک یہ کام تکمیل کو نہ پہنچے اسے کیا آرام ہوگا۔ لیکن یہ عظیم شخص کہہ رہا ہے کہ یہ دن میرے آرام کے دن ہیں۔ اندازہ لگانا چاہیے جس کے آرام کے دن یہ ہوں اس کے دکھ کے دنوں کی کیا حالت ہوگی۔

۸ اور ۹ ستمبر ۱۹۹۴ء میں تھرپارکر میں زوردار بارشیں ہوئیں، تھر کا نقشہ بدل گیا۔ بڑے بڑے ٹیلوں میں دراڑیں پڑ گئیں، کئی کھیت زیادہ پانی اور ریتی کے آنے سے برباد ہو گئے۔ میرے بیٹے عبدالرؤف کی شادی ۱۰ ستمبر کو ڈیپلو منعقد کی گئی تھی۔ شاہ صاحب کو پہلے ہی سے دعوت دی گئی تھی۔ حالت یہ تھی کہ میں شہر میں بھی دعوت کو ملتوی کرنے کا سوچ رہا تھا۔ راستے بند ہو چکے تھے۔ گاڑیاں نہیں چل رہی تھیں۔ تھر پارکر کا دروازہ نو کوٹ پانی پانی ہو چکا تھا۔ شاہ صاحب وعدے کے کپے اس حالت میں بھی پہنچے تھے۔ بہت بڑا مشکل

سفر تھا۔ آپ تو آئے اور کئی ساتھیوں کو بھی ساتھ لائے۔ یہ شاہ صاحب کا ڈیپلو تھر پار کر کا آخری سفر تھا۔ شاہ صاحب کے بیٹوں، پوتوں اور نواسوں کے میرے ساتھ اچھے روابط رہے ہیں۔ بڑے بیٹے محمد شاہ رحمہ اللہ کئی بار میری دعوت پر ڈیپلو آتے رہتے تھے اور ایک بار تھر کا بھی دورہ کیا۔ دوسرے بیٹے نور اللہ شاہ ۱۹۷۱ء میں خاص میرے مہمان بنے اور دودن ڈیپلو میں گزارے۔ رشد اللہ شاہ اور پوتے اور نواسے ہمیشہ شاہ صاحب کے ساتھ آتے رہتے۔ اب بھی ہم ان کو عزت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اور وہ بھی ہماری عزت کرتے ہیں۔ شاہ صاحب کو ہم نے تھر پار کر کے کٹھن سفروں میں دیکھا تو وہ بہت سی خصوصیات کے مالک تھے، نہایت ہمدرد اور خیر خواہ، بہت اچھے دوست، دل کے صاف، معاملے کے کھرے، وسیع معاشرتی تعلقات رکھنے والے، سب کے دکھ درد میں شریک، قرآن مجید کی کثرت سے تلاوت کرنے والے، سفر و حضر میں نماز باجماعت کے پابند، وسیع مطالعہ رکھنے والے، جدید علوم پر نگاہ رکھنے والے تھے۔ ان کے حریم قلب میں فروغ علم اور دعوت الی اللہ کا خاص داعیہ اور جذبہ کار فرما تھا۔ جس کا اظہار ان کے قول و عمل اور فعل و حرکت سے ہوتا تھا۔ اسلام کی ستھری تہذیب اور سنت نبوی ﷺ کے بہترین نمونہ تھے۔ کسی کی نیت کو ہم آنکھوں سے دیکھ نہیں سکتے۔ اگر کوئی ایسا آلہ ہوتا، جس سے نیت کی تہہ تک ہماری رسائی ہو تو ان کے تقویٰ، خلوص، اطاعت کتاب و سنت، اشاعت علم اور نشر دین کے سوا اور کوئی شی دکھائی نہیں دے گی۔ شاہ صاحب کا تھر پار کر میں قدم رکھنے کے بعد اس علاقے میں برکتیں نازل ہونے لگیں ﴿وَجَعَلْنِي مَبَازِزًا أَيْنَ مَا كُنْتُ﴾ (مریم: ۳۱) کا مصداق بن گئے۔ گاؤں گاؤں تک آپ کی آواز پہنچی۔ مساجد اور مدارس کی تعداد بڑھتی گئی۔ دعوت و تبلیغ کا کام عام ہونے لگا۔ جماعت کی افرادی قوت بڑھتی گئی، تھر میں ہمیشہ قحط سالیاں ہوتی رہتی ہیں، شاہ صاحب کی موجودگی میں جماعت سے تعاون کے سلسلے میں پتہ نہیں کہاں کہاں سے امدادیں پہنچ رہی تھیں۔ سعودی عرب، کویت، برطانیہ، جمعیت اہل حدیث سندھ، کراچی اور حیدرآباد سے الگ الگ، کچھ لوگ چھوٹے و فندوں کی شکل میں یا انفرادی طور پر تھر آ رہے تھے اور تعاون پیش کر رہے تھے اب کہاں گیا وہ سنہری وقت۔ اب تو اس قحط زدہ، ریتی والے علاقے کو دیمک نے چاٹ لیا ہے۔ سچ ہے اگر دنیاوی لحاظ سے ایک بڑا تجارتی ادارہ ہو۔ اس میں کئی شراکت دار ہوں، ان میں اگر ایک شراکت دار چور اور خائن نکلے تو پورے

ادارے کو ملیا میٹ کر دے گا۔ اس طرح اگر کسی منظم جماعت میں کوئی ذمے دار فرد خیانت کرنے لگے تو وہ بھی کافی نقصان پہنچاتا ہے۔ تھر کی جماعت کے ساتھ بھی ایسا ہی ہوا ہے۔ دعوت و تبلیغ کا کام ٹھپ بند ہو گیا ہے۔ علماء اپنے مدارس یا اپنے گاؤں تک محدود ہو گئے ہیں۔ لیکن ہم رب تعالیٰ سے پُر امید ہیں کہ یہ لہلہاتا ہوا باغ پھر چمک اٹھے گا اور شاداب رہے گا۔ (ان شاء اللہ)

شاہ صاحب نے ۸ جنوری ۱۹۹۶ء کو داعی اجل کو لبیک کہا انا للہ وانا الیہ راجعون۔ ان کا ہنستا کھیلتا باوقار چہرہ اب بھی آنکھوں کے سامنے گھوم رہا ہے۔ بار بار خیال آتا ہے کہ شاہ صاحب جیسا خوش مزاج، بذلہ سخ اور مجلسی آدمی بھلا کیونکر موت کے سنائے میں جاسکتا ہے، لیکن یہ محض واہمہ ہے۔ یہ بڑا حادثہ پیش آچکا ہے۔ شاہ صاحب ہم سے پچھڑ کر موت کی آغوش میں جا چکے ہیں۔ جناب افتخار احمد صاحب مدیر ”سہ ماہی مجلہ بحر العلوم“ میرپور خاص نے ٹیلیفون پر شاہ صاحب پر مضمون لکھنے پر بہت اصرار کیا۔ محبت سے کہا۔ حالانکہ اس سے پہلے کئی ساتھیوں نے شاہ صاحب پر لکھنے کے لئے کہا تھا۔ لیکن شاہ صاحب پر لکھتے ہوئے ہاتھ لرزتا ہے، قلم کا کلیجہ شق ہوتا ہے۔ لیکن کیا کبجے یہ زمانے کا دستور ہے۔ موت و حیات اسی کے لازمی اجزاء ہیں۔ آج ان کی باری ہے تو کل ہماری آنے والی ہے۔ اس سے کسی کو مفر نہیں۔ انسان کہیں چلا جائے موت اس کے تعاقب میں رہتی ہے اور اس وقت تک چین نہیں لیتی جب تک اس کی شرگ میں اپنے بے رحم پنچے نہیں گاڑ دیتی۔

أَيْنَمَا تَكُونُوا يُدْرِكْكُمْ الْمَوْتُ وَلَوْ كُنْتُمْ فِي بُرُوجٍ مُّشِيدَةٍ (النساء ۷۸)

ان سطور کے راقم کا ۳۰ سال شاہ صاحب سے قریبی تعلق رہا۔ جس قدر ان سے قرب و ربط رہا۔ ظاہر ہے اسی قدر صدمہ بھی پہنچا ہے۔ یہ صدمہ دل کی ایسی کیفیت سے عبارت ہے۔ جس کا قلم کی زبان سے اظہار ممکن نہیں۔

رحلت وخلفت القلوب جريحه

تذوب وجيش الصبر قد قل جنده

(تم تو رحلت کر چکے مگر ہمارے دلوں کو زخمی کر گئے، تمہارے

بعد دل پکھل رہے ہیں اور جیش صبر میں کمی واقع ہو گئی ہے)

اللهم اغفره وارحمه وعافه واعف عنه

آخر میں شاہ صاحب کے دور میں احیاء التراث الاسلامی کویت کی طرف سے میری نگرانی میں جو مساجد اور کنوئیں تعمیر ہوئے اس کی تفصیل اس طرح ہے:

تعلقہ ڈیلو مساجد:

ڈیلو، کھورڈو، سڑھ جوئچہ، لیا کھڑو، گاہ خرج، گاہ خرج مبارک محلہ۔ گھمن، سینہری کھوئی، ہتھنی، کار یہار، سگار کھنہار مشو، حاجی کھو، پدھریو، سانگھار، سیڈیو، کھارسر، محمد امین دل، حاجی ابراہیم سموں، حاجی عثمان لچہ، کاٹھ ماڑی، پانیلو محمد صالح، پانیلو قادر بخش، پانیلی، ہمیرا بھ عثمان، بانٹھروکو، پابوہر، بوٹھمن پوٹا، سانوں ساہڑ، ڈہر، وی لنجا، رحمان آباد ۷ میل ڈھینگاریو، اللہ بچا یہ چوہان، ڈنگائی۔ حاجی ہالو، مدرسہ کھنہار مشو۔ (نوٹل ۳۷)

تعلقہ مٹھی مساجد:

مٹھی شہر، تھادات، احمد آباد، رحمان آباد، بچل نہری، گوگا سر، بڑی، قاسم جوئچہ، لیاری، انڑی، کھارڈبیر، موکھار، ڈپیار، جھرو دیاں، چھچی درس، احمد کی داندھ، نمن گھوئی، چوٹالی، عاقب آباد، ویسری۔ پہو، دھنڈو، مدرسہ چچاری (نوٹل ۲۳)

تعلقہ ڈیلو کنوئیں:

ڈیلو، سینہری کھوئی، وی لنجا، پابوہر، گرڈابہ، ڈھینگاریو، میوے کی ڈھانی، شیر کی ڈھانی، جمعوں ساہڑ، غلام محمد ساہڑ، لیا کھڑو، کنڈارونڈ، ہوتھی خرج، ملہوری، کھنہار ہٹول، گرڈابہ مسجد، لکڈاھیو گرڈابہ محلہ واحد ڈنو، سارن، سنگلی، روہیلو، کار یہار لچہ، گنگالس، روہیلو، کھیاری، مٹھریو مورا، کار یہار مراد محلہ، سربئی، پابوہر رحمت اللہ محلہ، بنھرو کر، ڈھا بھی لنڈ، سدھوئی، صدیق آباد، بولہاڑی، گاہ خرج، سیڈیو، پانیلو محمد صالح، سومر اسر، کھارسر، خدا بخش لنڈ، آتھائی۔ گار، ویسریا، بگھاڑیو، کھاڈارو بھکڈیو، کھاری گجوانی، سڑھ جوئچہ،

کھنہار کھارو، کھڈائی، انڑو، ہمیرا، بنی سر، کنڈڑو، وھاؤ۔ تراڑی، گنگا لس جمعوں محلّہ، کلیان۔ بڑہمن پوٹہ۔
 سائی واہر، ڈاھو جوچہ، پابو ہر پیل، تھنی، جیتی جی واندھ، بقی سرور مضان محلّہ، لے واری، حاجی عثمان لچہ، کئی لو،
 مالہار، دونہائی، جڑیل، چھچی مورا، ڈیلو فقیر کالونی، آٹار یو، لھچا یو چوان، امید علی لنڈ، پڑھیاری، گھسن، پانیلی
 محمود محلّہ، نون ونگلو، کلوئی، حاجی مکو، محمد طالب واندھ، ولی محمد لہریہ، ڈنگلائی، کھا کھنہار، آدم حجام، چنیر لنڈ،
 دولت لنڈ، لس، کھاڈیارو، کھاڈک، اکبر لنڈ، اہڑائی، جراث کلوئی، مٹھو ڈھاہڑو، ہاشم کھوئی، کھری، وہار، خمیسو
 چوان، ونگڑ، جان محمد ڈھانی، چھنہار ڈھیدھور، اوگم، نیتادیری، محمد امین نہڑی، حاجی ابراہیم سموں، قاضی
 لھوڑیو (نومل ۱۰۹)

کنوئیں تعلقہ مٹھی:

میہاری، جڑہیار سومرا، تھادات، سانیا سی موکھار، عاقب آباد، رحمان آباد، ڈیپیار، جڑہیار ہوٹل، ہوتھی
 کاتر، ڈھا بھو سمیجا، چوٹالس، دھنڑو، جانی جوتڑ، موڑانی، جوچہ کالونی مٹھی، ڈونجھ حاجی عباس محلّہ۔ احمد آباد،
 ڈونجھ قبول محلّہ، چھچی درس، مٹھہڑ یو سومرا۔ سانگھار، سینہار، انڑی، کھارو بجیر، گھونولنڈ، چھچی ہوت، مانڈھیا کر،
 ڈونجھ علی محمد محلّہ، پیلوڑو سمیجا، سونہیاٹ، جھن۔ (نومل ۳۲)



☆ ابو الحسنین عبدالرحیم ثاقب سموی

شیخ بدیع الدین شاہ راشدی رحمہ اللہ اور انکی زندگی کے

اہم مناظرات و دلچسپ واقعات

سرزمین سندھ کے جوان بوڑھے عرب و عجم کے شیوخ اپنے پرانے دوست و دشمن گواہ ہیں کہ وادی مہران (سندھ) تاریخ کے اوراق کے حوالے سے حق و باطل کی رزم گاہ بنی رہی ہے زمانہ قدیم سے یہاں حق و باطل کے معرکے پارہے ہیں۔ اول ہی سے یہاں نور و ظلمت باہم دست و گریباں رہے ہیں جب بھی حق کو چیلنج کرنے کے لئے باطل نے سراٹھایا تو حق پرستوں کی ایک جماعت نے آگے بڑھ کر اس چیلنج کو قبول کیا اور مروانہ وار سرکلف بن کر باطل کے مقابلہ کے لئے میدان میں اتر آئے اور جم کر پوری بے خوفی لایا خون لومۃ لائم کی تلوار بن کر باطل کا مقابلہ کیا اور وہ نذرانہ جان دینے کو تیار ہو گئے مگر باطل کو کبھی پیٹھ نہ دکھائی وہ سر کٹانے کو تیار ہو گئے مگر سرنگوں ہونے کا نام نہ لیا جب بھی دشمن تلوار لے کر اس راہ حق کے وفا کو روکنے آیا تو مسکرا کر خندہ پیشانی سے یہ کہتے ہوئے نظر آئے۔

لست ابالی حین اقتل مسلماً

علی ای جنب کان للہ مصرعی

وادی مہران (سندھ) کبھی بھی کسی دور میں ایسے لوگوں سے خالی نہیں رہی ہے ہر دور میں باہمت علم و عمل کے پیکروں کی یہ مثالیں سامنے آتی رہتی ہیں آج بھی کتنے ہی باہمت علم و عمل کی تصویر اس رسم توحید کی تجدید میں مصروف کار ہیں جو کہ ہمالیہ کی مانند راہ حق پر قائم و دائم ہیں۔ باطل کی طرف سے کئے جانے والے ہر وار کو اپنے سینوں پر روک رہے ہیں جو چہستان اسلام کی طرف بڑھنے والی ہر بادِ سموم کی راہ میں دیوار بن کر حائل ہیں اور خود اپنے خون، دل و جگر سے اس کی آبیاری میں مصروف ہیں ان میں کتنے ایسے ہیں جو راہ حق میں کام آچکے اور کتنے ایسے ہیں جو اسی تمنا میں جی رہے ہیں۔ منہم من قضی نحبہ و منہم من ینتظر۔

☆ مدرس مدرسہ دارالعلوم السلفیہ ٹوکٹ، فارغ التحصیل جامعۃ بحرالعلوم السلفیہ میرپور خاص۔

زمانہ قریب میں حضرت علامہ احسان اللہ شاہ راشدی کی حویلی میں جنم لینے والی شخصیت جو آگے جا کر تحریک الحمدیث اور قوم و خاندان کی سربراہی و قیادت کی باگ دوڑ سنبھالی وہ ہیں وادی سندھ کی عظیم شخصیت علامہ ابو محمد بدیع الدین شاہ راشدی رحمہ اللہ جن کا اسم گرامی تاریخ کے اوراق میں ہمیشہ نقش رہے گا آپ عصر رواں کے امام عالم اجل محدث و مفسر عالی قدر اور فقیہ نامدار تھے۔ زہد و تقویٰ اتباع سنت اور ورع و عبادت میں بھی یگانہ روزگار تھے بلند پایہ محقق مفسر و مصنف تھے۔ احادیث رسول ﷺ سے خاص شغف کے باعث آپ نے اپنی علمی بصیرت اور فہم و ادراک سے گراں قدر خدمات سرانجام دیں۔

شیخ موصوف کا ذوق مطالعہ تحقیق و مسائل میں ادراک اسماء الرجال اور فن حدیث میں کامل دسترس یہ ان کے وہ اوصاف گوناگوں تھے جن کے باعث آپ نے علمی دنیا میں اپنا نام پیدا کیا اور بے پناہ شہرت حاصل کی آپ دینی علوم و فنون کے ماہر عالم دین تھے اور آپ نے میدان خطابت تحریر و تصنیف کے میدان میں بھی بلند مقام پایا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو زبان و بیان علم و عمل کی بہت ساری خوبیوں سے بہرہ ور کیا تھا وعظ و تقریر تحریر و تصنیف کے ذریعے انہوں نے بہت سارے افراد کے عقائد باطلہ کی درنگی کی اور انہیں راہ حق دکھائی شیخ موصوف رحمہ اللہ جہاں اور جس جگہ بیٹھتے اپنے تبحر علمی اور بھاری بھر کم شخصیت سے لوگوں کو متاثر کر کے اپنا دیوانہ بنالیتے آپ مسلک الحمدیث کے معاملے میں حساس خیال کئے جاتے تھے۔ بلاشبہ حضرت علامہ بدیع الدین شاہ راشدی اسلام کی تعلیمات کو پھیلانے اور مسلک الحمدیث کی فکر کو اجاگر کرنے کے لئے اپنی حیات کے نیک و نہار اس نیک کام میں لگاتے رہے اور اس نیک مشن پر کام کرتے رہے۔

وادی مہران (سندھ) کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ مسلمانوں نے پہلی صدی ہجری میں اس سرزمین پر قدم رکھا اسلام کے امن و سلامتی کا جھنڈا لہرایا یہ وہ سرزمین ہے جہاں سے اسلام کی صاف شفاف شعاعوں نے سارے ہندوستان کو بھی روشن کیا اس خطہ ارضی سے ایسی شخصیتیں نمودار ہوئیں جن کے علمی روشنی و عملی زندگی نے سیدھی راہ سے بھٹکے ہوئے شرک و بدعت کے اندھیروں میں گھیرے ہوئے انسانوں کے لئے ایک روشن چراغ کی حیثیت رکھتی ہیں اور اس خطہ ارضی نے ایسے گہر نایاب پیدا کئے ہیں۔ جن کے علمی وقار عملی عظمت اور بلندی کو نہ صرف پاک و ہند بلکہ عالم اسلام نے بھی خراج تحسین پیش کیا۔ ایسی صفتوں سے متصف

وادی سندھ کی سواہیہ سپوت دینی علم و عمل کے صاحب، اجتہاد و استنباط کے مالک، قوت استحضار میں بے بدل، تصنیف و تفسیر کے روح رواں، قرآن و سنت کے سچے شیدائی، توحید و سنت کے داعی، راشدی خاندان کے چشم و چراغ، حضرت علامہ ابو محمد بدیع الدین شاہ راشدی رحمۃ اللہ علیہ جن کا اسم گرامی اوّل نمبر کی حیثیت رکھتا ہے۔ ۱۰ جولائی ۱۹۲۲ء مطابق ۱۳۴۳ھ ذی الحجہ جمعرات علامہ سید احسان اللہ شاہ راشدی رحمۃ اللہ علیہ کی حویلی میں جنم لینے والی شخصیت علامہ سید بدیع الدین شاہ راشدی رحمۃ اللہ علیہ کسی تعارف کی محتاج نہیں ہے۔ اور یہ بات اللہ تعالیٰ کے علم میں تھی کہ آج یہ معصوم کہہ جانے والا بچہ مستقبل میں مفسر و محدث کہلائے گا اس رب العزت نے شروع ہی سے اپنی خاص مہربانیوں اور عنایتوں سے نواز رکھا تھا اور رب العزت نے شروع ہی سے آپ کی طبیعت نہایت حساس بنائی تھی ہر چھوٹی و بڑی دینی خواہ دنیاوی بات کو پوری طرح سے سمجھنے کی حس قدرت نے ابتداء ہی سے عطا فرمائی تھی۔

تعلیم:

ابتدائی تعلیم اپنے ہی ادارہ دار الرشاد پیر جھنڈو سے شروع کی قدرت نے شروع ہی سے کمال درجے کا ذہن حافظہ عطاء فرمایا تھا ایک سال کے قلیل عرصہ میں ناظرہ قرآن کریم مکمل اور دو سال کی قلیل مدت میں لکھنے پڑھنے کے لئے سندھی زبان کی مقرر کردہ کتابیں پڑھ لیں اور سندھی کے بعد فارسی میں دو سال سے کم عرصہ میں گلستان اور بوستان وغیرہ ازبر کر لیں فارسی کے بعد عربی کتب پڑھنے کی طرف قدم اٹھایا جس میں آپ نے کتابوں کا انتخاب اپنے والد محترم کی پسند پر کیا آپ کے والد محترم کا شمار جید علماء کرام میں سے ہوتا ہے۔ ابھی آپ نے عمر کے بارہویں سال میں قدم رکھا ہی تھا کہ والد محترم مربی استاد شفیق کا سایہ اٹھ گیا والد محترم کی وفات کے بعد آپ نے مختلف فنون کی کتب کا انتخاب کیا۔

شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی زندگی میں بے شمار مناظرات مختلف مکتب فکر علماء کرام سے کئے الحمد للہ تمام مناظرات میں شاہ صاحب نے تمام کو مسکت جواب دے کر اپنے علم کا لوہا منوایا اور اسلام کا حقیقی بول بالا کیا ان مناظرات کی کچھ تفصیل ہم شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی اپنی زبانی سنتے ہیں۔

پہلا مناظرہ:

شہر کھرو ضلع ساکھڑ میں ہوا تھا اس مناظرہ میں چار موضوع رکھے گئے۔ ① میلاد (عرس) ② گیارہویں، ③ نذر غیر اللہ، ④ کرامات اولیاء مخالفین کی طرف سے مولوی گل محمد موچی اور مولوی فتح محمد بوزدار وغیرہ علماء تھے مگر پہلے ہی مسئلے پر وہ ہار کھا کے چلے گئے واقعہ مناظرہ وہاں کے لوگوں نے رسالہ کی شکل میں بنام ”فتح الاسلام“ شائع کروایا جس کا مختصر خلاصہ یہ ہے کہ پہلے عرب صاحب نے مختصر تقریر کی اس کے بعد مولوی گل محمد صاحب کھڑا ہوا اور وہ آیات پیش کیں جن میں خیرات و صدقات اور مسکین کے کھانے کھانے کا ثواب مذکور ہے۔ میں نے جواب میں کہا کہ یہ سارے دلائل موضوع سے باہر ہیں۔ مسکینوں کو کھانا یا خیرات وغیرہ کا کوئی مخالف نہیں ہے۔ بحث اس میں ہے کہ آپ نے جو یہ رسم نکالی ہے۔ معین وقت پر اور خاص قسم کی دعوت اور یہ بھی کہنا کہ رسول اللہ ﷺ کی ولادت کی خوشی مناتے ہیں۔ اس کے ثبوت دیں اگر یہ بھی ایسی ہی خیرات ہوتی تو رسول اللہ ﷺ اس کے بارے میں ترغیب دلاتے اور آپ کے صحابہ جو کہ رسول اللہ ﷺ سے انتہائی محبت رکھتے تھے، ان میں کسی نے بھی کوئی ایسی رسم نہ آپ کی زندگی میں ادا کی، نہ آپ کے بعد اگر یہ بھی خیر کا کام ہوتا تو یہ لوگ اس نعمت سے کیسے محروم رہتے! حالانکہ وہ لوگ ہر کام میں ان سے پیش پیش تھے۔ اس کا جواب مولوی صاحب کوئی دوسرا تو نہیں بتا سکے کہنے لگے کہ کیونکہ آپ کی ولادت کے وقت صحابہ موجود نہیں تھے پھر وہ کیسے کرتے؟ میں نے اٹھ کر کہا کہ جناب! جو لوگ آپ کی صحبت میں رہے، زیارت کی صرف ولادت کے وقت نہ ہونے کی وجہ سے یہ کام نہیں کر سکتے؟ ہم جو کہ کئی صدیوں کے بعد آئے ہم کو کیا حق ہے؟ اگر آپ کے پاس کوئی ثبوت ہے تو پیش کریں؟ مولوی صاحب اٹھ کر کہنے لگے میں ثبوت پیش کرتا ہوں۔ عیسیٰ علیہ السلام کی قوم نے آسمان سے ماندہ (تیار کھانے) کے نزول کا مطالبہ کیا اور وہ مطالبہ منظور ہوا اور عیسائی اب تک اس دن کو مناتے ہیں۔ جبکہ اللہ تعالیٰ نے ہم پر مہربانی کی اور رسول اللہ ﷺ جیسی نعمت عطا کی۔ ہم اس دن کو کیوں نہ منائیں؟ میں نے اٹھ کر حاضرین کو خطاب کیا کہ مولوی صاحب نے خود ہی فیصلہ کر دیا کہ یہ عیسائیوں کی رسم ہے، مسلمانوں کی نہیں۔ مولوی صاحب کو چاہیے کہ اس امت سے ثبوت پیش کریں۔ مولوی صاحب اٹھ کر کہنے لگے کہ ابولہب نے آپ کی ولادت پر اپنی لونڈی

آزادی کے بعد میں خواب میں دیکھا گیا وہ اس برکت سے اپنی انگلیوں سے شہد اور دودھ چوس رہا ہے۔ میں نے اٹھ کر جواب دیا یہ بھی تو ابواب کا مذہب ہے! مسلمانوں کا نہیں۔ پھر یہ خواب کا واقعہ ہے اس کے بعد مولوی صاحب نے خاموشی اختیار کی۔ اس کے بعد مولوی فتح محمد بوڑدار زور سے کہنے لگے کہ مسلمانو! عرس جائز ہے جائز ہے اور دلیل میں یہ آیت پڑھی ﴿لَنْ تَسْأَلُوا الْبِرَّ حَتَّى تُنْفِقُوا مِمَّا تُحِبُّونَ وَمَا تُنْفِقُوا مِنْ شَيْءٍ فَإِنَّ اللَّهَ بِهِ عَلِيمٌ﴾ ترجمہ: یہ کہ نیکی کو نہیں پہنچو گے جب تک اپنے پیارے مال سے عرس نہ کرو۔ میں نے اٹھ کر جواب میں کہا مولوی صاحب نے قرآن شریف کا ترجمہ غلط کیا ہے بلکہ تحریف کی ہے اور اگلے یہود علماء کی پیروی کی ہے اس پر حاضرین نے مولوی صاحب پر سخت ملامت کی اور اس پر مناظرہ ختم ہوا۔

دوسرا مناظرہ:

شہر وہاڑی (پنجاب) میں جلسہ کے بعد بعض مولویوں نے مناظرہ کا ارادہ کیا آخر جلسہ گاہ میں مسئلہ فاتحہ خلف الامام پر مناظرہ ہوا۔ میں نے اپنی تقریر میں یہ کہا کہ ہمارے دلائل خاص ہیں اور انہیں سورۃ فاتحہ کے پڑھنے پر اور اس کے بغیر پڑھنے کے نماز نہ ہونے پر صریح حکم ہے۔ آپ جو بھی دلائل پیش کریں گے وہ مطلق ہوں گے۔ جس سے آپ عام قرأت مراد لیتے ہیں اور جمیع فقہاء اس پر متفق ہیں کہ تعارض کے وقت خاص عام پر مقدم ہوتا ہے۔ اس لئے اس مسئلہ پر گفتگو کے لئے آپ ہمارے سامنے کھڑے ہونے کے قابل ہی نہیں۔ پہلے ایسی روایتیں پیش کریں جس میں خاص فاتحہ پڑھنے کی منع ہو تو پھر بحث کی صورت بن سکتی ہے۔ کیونکہ جب تک تعارض متصور نہیں مناظرہ کیسے ہوگا۔ جب تعارض واقع ہو پھر مناظرہ کیا جائے گا کہ کس طرف دلیل صحیح ہے اور کس طرف غیر صحیح اور کس طرف رائج اور کس طرف مرجوح یہ ثانوی مسئلہ ہے اولین مسئلہ یہ ہے کہ کوئی خاص دلیل پیش کریں اس کے بعد جواب میں وہی پرانی روایتیں اور قرآنی آیت ﴿مَنْ كَانَ لَهُ إِمَامٌ فَقَرَأَ الْإِمَامُ لَهُ قِرَاءَةً﴾ اور سورۃ اعراف کی آیت ﴿وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوا﴾ پیش کرنے لگا اور کہنے لگا کہ اس میں حکم قرأت نہ کرنے کا ہے جو فاتحہ اور غیر فاتحہ سب کو شامل ہے۔ میں نے اٹھ کر کہا یہی عموم ہے۔ کہ اس میں ہمارے پاس اس عام کے مقابلے میں خاص ہے۔ اس لئے وہ مقدم ہوگا اور فاتحہ اس سے مستثنیٰ ہوگی۔ اس نے پھر وہی باتیں کہیں دو چار بار اس نے ایسا کہا میں نے آخر میں کہا کہ لوگ

گواہ ہیں کہ میرا سوال اپنی جگہ پر قائم ہے آپ کوئی ایسی دلیل پیش نہیں کر سکتے جس میں خاص فاتحہ کی منع ہو۔ اور میں اعلان کرتا ہوں کہ اگر مولوی صاحب کوئی ایسی حدیث پیش کرے جو صریحاً مقتدی کو فاتحہ سے منع کرے تو مولوی صاحب کو میں دس ہزار روپے انعام دوں گا۔ اس پر مولوی صاحب خوش ہو کر کہنے لگے کہ دس ہزار نکالو تو ہم دکھا دیں گے۔ میں نے کہا کہ میرا مطالبہ دکھانے کا ہے۔ اس لئے پہلے دکھاؤ اس طرح دو چار دفعہ باتوں کی لے دو۔ ہوئی میں مطالبہ کر رہا ہوں وہ پہلے مانگ رہا ہے تو اچانک حاضرین میں سے ایک آدمی چیک لے کر اسٹیج پر پہنچ گیا یہ لو دس ہزار کا چیک میں نے دستخط کر دیئے اب جس حدیث کا مطالبہ ہے وہ پیش کرو مولوی صاحب وہیں خاموش ہو کر بیٹھ گئے اور مناظرہ ختم ہو گیا۔

تیسرا مناظرہ:

شہداد کوٹ ضلع لاڑکانہ میں ایک رات جلسہ ہوا میں نے خطاب میں خاص طور پر مسئلہ توسل کی تردید کی وہاں ایک مشہور درس گاہ ہے جس کے مدرسے کے مدرس نے صبح کو مناظرہ کے لئے چیلنج کھلو کے بھیجا جو ہم نے منظور کیا شہر کی پولیس اسٹیشن کی مسجد میں مناظرہ مقرر ہوا ہر ایک کے لئے پانچ پانچ منٹ کا وقت مقرر ہوا مولوی صاحب نے وابتغوا الیہ الوسيلة..... الخ والی آیت پڑھی اس پر میں نے کہا کہ وسیلہ کے معنی یہاں نزدیکی ہے۔ توسل الیہ تقرب الیہ یہ تو خود نزدیک ہونے کا حکم ہے نہ کہ کسی نزدیک شخصیت کا وسیلہ لینے کا بلکہ خود قریب ہونے کا حکم اس حکم کو رد کرتا ہے۔ کہ دوسرے کو وسیلہ بنایا جائے۔ آپ کوئی ایسی دلیل پیش کریں جس میں شخصی وسیلہ کا ذکر ہو اور حاضرین نے بیک آواز کہا کہ یہاں ایسی ہی دلیل ہونی چاہیے۔ مولوی صاحب نے چند مرتبہ دلائل پیش کرنے کی کوشش کی بار بار میں نے یہی کہا کہ اس میں شخصی وسیلہ نہیں ہے۔ بالآخر مولوی صاحب کے منہ سے نکل گیا کہ اس طرح شخصی وسیلہ کے بارے میں کوئی دلیل نہیں ہے! اور خاموش ہو گئے۔

چوتھا مناظرہ:

مکہ معظمہ میں ایک دعوت پر شیخ یحییٰ کے ساتھ رکوع میں ملنے سے رکعت ہوتی ہے یا نہیں؟ اس پر مناظرہ ہوا۔ میں نے کہا کہ فاتحہ فرض ہے من کان له امام فقرأ الإمام له قراءة یا قیام فرض ہے؟ اور ایک

پانچواں مناظرہ:

چند سال پہلے کا ذکر ہے مدینہ منورہ میں شیخ محمد سالم عطیہ جو اس وقت جامعہ اسلامیہ میں مدرس تھے۔ اب محکمہ شریعہ میں قاضی ہیں مجھے اور مولوی خالد محمود کو جو اس وقت جامعہ اشرفیہ لاہور میں مدرس تھے۔ دونوں کو آپ نے گھر میں دعوت دے کر بلایا۔ اور مطالبہ کیا کہ ہم دونوں آپس میں قراۃ فاتحہ خلف الامام پر مناظرہ کریں اور خود درمیان میں بیٹھ گئے اور دونوں کی باتیں نوٹ کرتے رہے۔ اس مجلس میں علامہ احسان الہی ظہیری بھی موجود تھے۔ جو اس وقت جامعہ اسلامیہ میں پڑھتے تھے۔ شروعات اس طرح ہوئی کہ شیخ موصوف نے ہم دونوں سے سوال کیا کہ کیا سورۃ الفاتحہ امام کے پیچھے پڑھنی چاہیے؟ میں نے کہا ہاں، ضرور پڑھنی چاہئے۔ اور مولوی خالد محمود نے کہا نہیں پڑھنی چاہیے اس پر شیخ موصوف نے کہا تم دونوں اپنے دلائل پیش کرو تاکہ ہم کوئی نتیجہ اخذ کر سکیں، میں نے کہا ٹھیک ہے، آپ جس کو کہیں پہلے وہ بولے تو مولوی صاحب نے کہا

آپ پہلے بولیں میں نے کہا ہم نے دونوں طرف کے دلائل دیکھے ہیں جو پڑھنے کا حکم دیتے ہیں ان کے دلائل صریح اور فاتحہ کے بارے میں نص ہیں اور مخالفین کے پاس عام دلائل ہیں اور کوئی ایسی خاص دلیل نہیں جس میں صریحاً امام کے پیچھے سورہ الفاتحہ پڑھنے کی منع ہو اور یہ فقہاء کا متفق علیہ قاعدہ ہے کہ بوقت تعارض خاص عام پر مقدم ہوگا۔ لہذا فاتحہ کی نفی کی کوئی دلیل نہیں، بلکہ آپ جو بھی دلیل پیش کریں گے۔ فاتحہ اس سے مستثنیٰ ہوگی۔ لہذا ہمارا پہلو صاف ہے اگر آپ نفی کے مدعی ہیں تو کوئی ایسی روایت پیش کریں جس میں مقتدی کو سورۃ الفاتحہ پڑھنے سے منع ہو، آپ ایسی روایت نہ مرفوع پیش کر سکیں گے نہ موقوف۔ مولوی صاحب نے جواب میں سورۃ الاعراف کی یہ آیت پیش کی۔

واذا قرئ القرآن الخ اور حدیث اذا قرأ فانصتوا الخ اور قراۃ الامام له قراۃ پڑھیں۔ میں نے جواب میں کہا: اولاً یہ آیت آپ کے فقہاء کے نزدیک قرآن کی دوسری آیت ﴿فَاسْمِعُوا مَا يَأْتِي مِنَ الْقُرْآنِ﴾ (پارہ ۲۹ سورہ المزمل آیت ۲۰) کے متعارض ہونے کی وجہ سے ساقط ہے اور آپ کا قانون ہے کہ ”اذا تعارضتا سقطتا“ اس پر مولوی صاحب بولے کہ آپ الزامی جواب نہ دیں اور شیخ موصوف نے بھی کہا چونکہ گفتگو برادرانہ ہو رہی ہے اس لئے الزامی کے بجائے تحقیقی جواب ہونا چاہیے۔ میں نے کہا یہ الزام نہیں ہے بلکہ یہ قاعدے کی بات ہے کہ بوجہ تعارض فقہاء اس آیت کو ساقط کر چکے ہیں۔ دوئم یہ کہ اگر خواہ مخواہ الزام کہتے ہیں تو پھر سنیں۔ قرآن کی اس آیت کا نزول نبی کریم ﷺ پر ہوا اس آیت کے مفہوم اور مراد کو آپ ﷺ ہی سب سے بہتر سمجھتے تھے اور آپ ﷺ ہی اس کی بہترین تشریح کرنے والے تھے۔

قال اللہ تعالیٰ:

وَأَنزَلْنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ (القرآن)

اور آپ ﷺ نے سورۃ الفاتحہ پڑھنے کا حکم دیا ہے۔ اگر اس آیت سے سورۃ فاتحہ کی ممانعت نکلتی جیسے کہ مولوی صاحب نکال رہے ہیں، تو آپ ﷺ ہرگز فاتحہ خلف الامام کا حکم نہ کرتے۔ یہ قرینہ صاف دلالت کرتا ہے کہ اس آیت سے فاتحہ کی ممانعت نہیں نکلتی اور صحیح حدیث کبھی قرآن کے خلاف نہیں ہو سکتی یہی مسلمانوں کا مذہب ہے اور روایت اذا قرأ فانصتوا میں تو اول یہ بحث ہے کہ زیادتی محفوظ ہے یا نہیں اکثر

محدثین کا یہ فیصلہ ہے کہ یہ شاذ ہے چنانچہ علامہ نووی کی عبارت شرح مسلم سے نکال کر دکھائی گئی۔ سوئم یہاں اذا قرا ہے لہذا ابوقت قرأت امام مقتدی کو سکوت کا حکم ہوگا لیکن جس وقت وہ سکوت کر لے اس وقت مقتدی کو سکوت کا حکم نہیں ہے کیونکہ اذا جملہ شرطیہ ہے اذفات الشرط فات المشروط اور روایت قرأۃ الامام لہ قرأۃ بالکل ضعیف ہے۔ امام بخاری نے جزء القراءۃ میں فرمایا ہے کہ جاز وعراق کے علماء اس حدیث کے ضعیف ہونے پر متفق ہیں۔ اس کے علاوہ بھی کئی محدثین نے اس حدیث کو ضعیف کہا ہے۔ اس حدیث کے جتنے بھی طرق ہیں سب کی اسناد میں ایسے راوی موجود ہیں جن پر محدثین نے سخت جرح کی ہے خاص طور پر جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں جابر جعفی ہے، جو مشہور کذاب راوی ہے حتیٰ کہ خود امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ مارایت فیمن رایت اکذب من جابر الجعفی۔ ایسی ضعیف روایت سے استدلال کا کیا فائدہ اور مزید یہ کہ اس روایت کے بعض طرق میں یہ الفاظ ہیں کہ وصلوۃ لہ وصلوۃ تو پھر اس کا مطلب یہ ہے کہ مقتدی نماز ہی نہ پڑھے؟ پھر مزید یہ کہ جن صحابہ سے وہ روایات منقول ہیں وہ سب اس کے خلاف ہیں اور بعض سے سورۃ الفاتحہ امام کے پیچھے پڑھنے کا ثبوت قولاً اور بعض سے فعلاً مروی ہے جیسا کہ جزء القراءۃ میں مذکور ہے اور اصول فقہ میں خود حنفیوں کا قاعدہ یہ ہے کہ راوی جب اپنی مروی کے خلاف فتویٰ دے یا عمل کرے تو اس روایت کے منسوخ ہونے کی دلیل ہے۔ اس کے علاوہ اور بھی جوابات ہیں بلکہ ان تینوں دلائل کا مجموعی جواب یہ ہے کہ اگر ان کو تسلیم کر لیا جائے کہ وہ قرأت خلف الامام کے بارے میں ہیں اور ان راویوں پر جو جرح ہے اس سے بھی اگر صرف نظر کریں تو بھی ان سب میں مطلقاً قرأت کا ذکر ہے خاص فاتحہ کا ذکر نہیں اور جو فاتحہ کے بارے میں دلائل وارد ہیں وہ ان سب پر مقدم ہوں گے۔

کیونکہ قاعدہ مسلمہ ہے کہ نص ظاہر پر مقدم ہوا کرتی ہے۔ لہذا ان دلائل سے فاتحہ مستثنیٰ ہوگی اور ہم اپنے موقف پر بدستور قائم ہیں مولوی صاحب نے جواب میں اور تو کچھ نہیں کہا البتہ ترمذی سے جابر رضی اللہ عنہ کی موقوف روایت پیش کی کہ:

من صلی رکعۃ لم یقرأ فیہا بام القرآن فلم یصل الا ان یکون وراء الامام۔

(الترمذی جلد ۱ / ص ۴۲)

پھر کہا دیکھو یہاں فاتحہ کا ذکر ہے میں نے کہا آپ نے ہمارے جوابات سے تو صرف نظر کیا جس سے ظاہر ہے کہ آپ نے ان کو تسلیم کر لیا اب آپ اپنی اس روایت کا جواب سنیں اولاً تو اس روایت کو آپ خود نہیں مانتے اس لئے کہ یہ بتاتی ہے کہ سورۃ الفاتحہ فرض ہے اور اس کے بغیر نماز نہیں ہوتی۔ کیونکہ یہاں ہے لم یصل اور آپ کے مسلک کے اندر خاص فاتحہ فرض نہیں ہے پورے قرآن میں سے کہیں سے بھی چند آیات پڑھ لیں تو نماز ہو جائے گی بلکہ اس سے تو یہ ظاہر ہے کہ کوئی رکعت سورۃ الفاتحہ کے بغیر نہیں۔ آپ کی ہدایہ کے اندر ہے کہ کچھلی دور رکعات میں نمازی کو اختیار ہے کہ قرأت کر لے یا تسبیح کرے یا خاموش رہے۔ پھر اصل روایت جس سے وراء الامام مستثنیٰ ہے اس کو تو آپ بھی نہیں مانتے۔ اس پر مولوی صاحب بولنے لگے آپ تو انرا می جواب دیتے ہیں میں نے کہا جلدی مت کریں تحقیقی جواب بھی ابھی آتا ہے۔ اس روایت کے اندر سورۃ الفاتحہ کی نفی نہیں ہے اس لئے میرا موقف اب بھی اپنی جگہ قائم ہے مولوی صاحب نے کہا اچھا اس کو ہم پھر دیکھیں گے لیکن آپ کے پاس فاتحہ کے لئے کون سی دلیل ہے میں نے جواب میں صحیحین کی روایت پیش کی کہ لا صلوة لمن لم یقرأ بفاتحة الكتاب.

تو مولوی صاحب نے کہا آپ بھی تو عموم سے استدلال کر رہے ہیں۔ اس میں مقتدی کا ذکر کہاں ہے؟ میں نے جواب میں کہا اولاً تو یہ کہ ہمارا مدعی خاص فاتحہ کے لیے تھا وہ تو الحمد للہ ثابت ہو گیا۔ ثانیاً یہ کہ واقعی یہ عموم کے لئے ہے۔ لیکن یہ ایسا اہتمام ہے جس کا کوئی قصص نہیں ہے، آپ کے عام کی طرح نہیں کہ جس کا قصص موجود ہے اس لئے یہ معارضہ صحیح نہیں ہے۔ اس پر مولوی صاحب نے کہا آپ کوئی ایسی روایت پیش کریں جس میں مقتدی کی بھی صراحت ہو اس پر شیخ موصوف نے بھی کہا ہاں ایسی روایت پیش کی جائے تو میں نے سنن اربعہ کی عبادہ رحمہ اللہ والی روایت پیش کی جس میں نماز فجر کا واقعہ ہے جس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مقتدیوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ

لا تفعلوا الا بفاتحة الكتاب فانه لا صلوة لمن لم یقرأ بها.

میں نے کہا اس روایت میں صریحاً مقتدیوں کو کہا گیا ہے کہ فاتحہ نہ پڑھنے والوں کی نماز نہیں۔ اس پر مولوی صاحب کہنے لگے واقعی یہ روایت مقتدیوں کے بارے میں صریح ہے، لیکن یہ روایت درست نہیں

ہے۔ اس لئے کہ اس کی اسناد میں ایک راوی محمد بن اسحاق بن یار ضعیف ہے امام مالک نے اس کو کذاب اور دجال کہا ہے۔ میں نے کہا جناب! ابن اسحاق کی تو عام آئمہ نے توثیق کی ہے خود آپ کے حنفیہ نے اس کو ثقہ کہا ہے اور وہیں شیخ صاحب کے کتب خانے سے ابن ہمام کی فتح القدیر شرح الہدایہ نکال کر میں نے مولوی صاحب کو یہ عبارت دکھائی۔

اما ابن اسحق ثقة ثقة لا شبهة عندنا في ذلك ولا عندة محققى المحدثين فتح

القدیر (جلد ۱ ص ۳۷۰ باب صلواة الوتر)

اس پر شیخ صاحب نے کہا کہ پھر یہ الزام والی بات ہے کہ حنفیوں نے ثقہ کہا ہے میں نے کہا تحقیقی جواب بھی اس کے اندر ہے کیونکہ ابن ہمام کہتا ہے کہ محققین و محدثین کے نزدیک بھی اس کے ثقہ ہونے میں کوئی شبہ نہیں۔ پھر اس کے بعد فتح القدیر کی دوسری عبارت بھی میں نے پیش کی اور کہا کہ یہ تحقیقی جواب ہے اور عبارت نکال کر دکھائی۔

هذا ان صحَّ الحديث بتوثيق ابن اسحق وهو الحق الا بلج وما نقل عن مالك فيه لا يثبت ولو صح لم يقبله اهل العلم كيف وقد قال شعبة فيه هو امير الموثمين في الحديث وروى عنه مثل الثوري، وابن ادريس وحماد بن يزید وابن عليّة وعبدالوارث وابن المبارك واحتمله احمد وابن معين وعامة اهل الحديث غفر الله لهم وقد اطال البخاري في توثيقه في كتاب القراءة خلف الامام له وذكره ابن حبان في الثقات وان مالكا رجع عن الكلام في ابن اسحاق واصطلح معه وبعثه اليه هدة (فتح القدیر ص ۲۰۰ جلد ۱ الفصل في استحباب التعجيل)

میں نے کہا امام مالک سے جرح ثابت نہیں ہے اور اہل علم نے اس کو قبول نہیں کیا نیز اس کا کلام جرح تعدیل کے باب سے نہیں ہے بلکہ ذاتی اختلاف کی بنا پر ہے اسی لئے تو اس سے رجوع کیا۔ اس پر مولوی صاحب نے کہا کہ امام مالک کے رجوع کرنے کا ذکر کہاں ہے میں نے جواب دیا کتاب الثقات ابن حبان میں مذکور ہے۔ پھر مولوی صاحب نے فتح القدیر ہاتھ میں لے کر کچھ دیر مطالعہ کیا پھر کہنے لگے اگرچہ ابن اسحاق ثقہ ہے لیکن مدلس ہے میں نے جواب میں کہا کہ ابن اسحاق نے بعض اسانید میں سماع کی تصریح

کردی ہے جیسا کہ جزء القرآن امام بخاری اور سنن دارقطنی وغیرہ کتب میں سند مذکور ہے۔ مدلس جب ثقہ ہو سماع کی تصریح کر لے تو اس کی حدیث محمول علی السماع اور مقبول ہوتی ہے پھر یہ کہ ابن اسحاق تنہا نہیں اس کی اور راوی بھی مطابقت کرتے ہیں جیسا کہ جزء القرآن اور بیہقی وغیرہ میں ہے اس پر مولوی صاحب نے خاموشی اختیار کی۔ اور کہا اب میں ان باتوں پر تحقیق کروں گا اور مجلس برخواست ہوئی۔

چھٹا مناظرہ:

ماسٹر محمد امین اوکاڑوی کے ساتھ ماتلی کے قریب ایک گوٹھ کے اندر مناظرہ ہوا چار مسائل سامنے رکھے گئے تقلید، قرأت خلف الامام، آمین بالجہد رفع الیدین ہر مسئلے کے لئے دو دو گھنٹے مقرر ہوئے اور ہر ایک فریق کو تقریر کے لئے دس منٹ دیئے گئے۔ پہلے تین مسئلوں پر مناظرہ ہوا اور چوتھے کی نوبت نہیں آئی اس لئے کہ اس مسئلے پر وہ بغیر مناظرہ کے چلا گیا۔ یہاں اس مناظرے کو اختصار سے پیش کیا جاتا ہے مولوی صاحب نے سب سے بڑی دلیل یہ پیش کی کہ

فَاسْأَلُوا أَهْلَ الذِّكْرِ إِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ (النحل: ۴۳)

میں نے جواب میں کہا اس آیت میں مطلقاً سوال ہے۔ تقلید اس آیت میں سے کہیں سے بھی نہیں نکلتی تقلید کی تعریف جو فقہاء نے کی ہے وہ یہ کہ ”دلیل جانے بغیر کسی کی بات ماننا“ صرف سوال تقلید نہیں بلکہ سوال کرنے کے بعد اس کی بات کو بغیر کسی دلیل کے قبول کرنے کا نام تقلید ہے اور چونکہ یہ چیز اس آیت میں مذکور نہیں لہذا آپ کی یہ دلیل ناقص ہے۔ سب سے بڑی بات یہ ہے کہ سوال پوچھنے کے لئے بھی خدا نے ایک شرط لگائی ہے کہ ان کنتم لاتعلمون اگر اس سے تقلید بھی مراد ہے تو یہ حکم جاہل کے لئے ہے تقلید جاہل کا کام ہے عالم کا نہیں تو آپ جو تقلید کرتے ہیں سو کیوں؟ کیا آپ جاہل ہیں عالم نہیں؟ اور اگر عالم نہیں ہیں تو پھر مناظرہ کیسے کر رہے ہیں؟ اس نے جواب دیا کہ جہاں تک امام ابوحنیفہ کا تعلق ہے ان کا جو مقام ہے تو ان کے سامنے تو میں جاہل ہوں، لیکن دوسروں کے سامنے علم رکھتا ہوں، اس پر میں نے کہا گویا آپ نے ہماری دلیل مان لی کہ تقلید جاہل کا کام ہے میں نے پھر کہا کہ آپ امام صاحب کے سامنے تو مقلد کہلائیں لیکن ہمارے سامنے عالم کے مدعی ہیں، تو آپ غیر مقلد کہلوائیں، دوسری دلیل انہوں نے معاذ بن جبل والی پیش

کی کہ نبی اکرم ﷺ نے جب معاذ بن جبل کو یمن کی طرف بھیجا۔ میں نے کہا اول تو یہ روایت صحیح نہیں اس لئے کہ درمیان میں مجہول کا واسطہ ہے دوئم یہ کہ اس میں بھی یہ الفاظ ہیں کہ جب قرآن و حدیث میں مسئلے کا حل نہیں پاؤں گا تو اجتہاد برآی کروں گا اور اجتہاد مقلد کا کام نہیں بلکہ اس روایت سے تو غیر مقلدیت ہی ثابت ہوتی ہے۔ تیسری دلیل میں انہوں نے یہ آیت پڑھی۔

وَلْيَسْتَدِرُّوْا قَوْلَهُمْ إِذَا رَجَعُوْا إِلَيْهِمْ (التوبہ: ۱۲۲)

اور ترجمہ اس طرح کیا کہ جب وہ تعلیم پا کر واپس جائیں تو مسلمان ان سے رجوع کریں اور وہ ان کو ڈرائیں اور رجوع تقلید ہے میں نے جواب میں کہا کہ اول تو آپ نے ترجمہ غلط کیا ہے اور رجوع میں جو ضمیر ہے اس کا مرجع مومنوں کو بنایا ہے حالانکہ اس کا مرجع طائفہ ہے یعنی جب علم حاصل کرنے والے واپس آئیں تو دوسروں کو ڈرائیں۔ اس بات کی ان کے ساتھیوں نے بھی تائید کی کہ واقعی غلطی ہوئی ہے۔

میں نے کہا ثانیاً یہ کہ رجوع سے تقلید مراد کس نکتہ میں ہے یا کس اصطلاح میں ثالثاً اگر رجوع مراد ہے تو وہ طائفہ خود مقلد بن گئے کیونکہ رجوع تو وہ کرتے ہیں۔ پھر تو تمہارے امام بھی مقلد ہو گئے کس کی تقلید کرو گئے؟ بالآخر انہوں نے اہل حدیثوں پر الزام دیا کہ وہ ذوالجہنم ہیں کسی ایک امام کے پابند نہیں۔ میں نے جواب میں کہا ہم تو ایک ہی امام اعظم یعنی رسول اللہ ﷺ کے حکم کے پابند ہیں۔ کسی کی بات اس کی تائید کے بغیر نہیں مانتے لیکن یہ شغل آپ کا ہے جو ایک امام کے مقلد کہلاتے ہو اور بوقت ضرورت دوسرے اماموں کے دروازے پر چلے جاتے ہو۔ مثلاً تدریس اور امامت کی تنخواہ کے مسئلے میں شافعیوں کی فقہ پر عمل کرتے ہو اور مفقود الخیر کی زوجہ کے بارے میں امام مالک کے قول کو لیتے ہو۔ بلکہ بوقت ضرورت اہل حدیثوں کے پاس بھی چلے جاتے ہو چنانچہ طلاق مثلاً کے مسئلے میں پہلے تو حلالہ کراتے تھے اب جب بدنامی ہونے لگی تو پھر اس سے بچنے کیلئے اہل حدیثوں کے پاس فتویٰ لینے کے لئے آتے ہو اس پر مناظرہ ختم ہوا۔

دوسرے مسائل میں میں نے پہلے تقریر شروع کی اور کہا کہ فقہاء کا متفقہ قاعدہ ہے کہ جب عام و خاص کا تعارض ہو تو خاص مقدم ہوگا۔ ہمارے دلائل بالکل صریح ہیں کہ فاتحہ کے بغیر نماز نہیں اور آپ کوئی دلیل ایسی پیش نہیں کر سکتے جس میں صریحاً فاتحہ کی نفی یا منع مذکور ہو جب تک آپ ایسی دلیل پیش نہیں کر سکتے

آپ ہمارے ساتھ اس موضوع میں دوش بدوش کھڑے ہونے کے اہل نہیں آپ صحیح دلائل پیش کریں پھر مناظرہ کیا جاسکتا ہے کہ کس طرف روایتیں صحیح ہیں کس طرف غیر صحیح اور کون سا مذہب رائج اور کون سا غیر رائج اور جب تک تعارض مقصود نہیں تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا اور میں نے مشہور حدیث ”لا صلواة لمن لم يقرأ بام القرآن“ پڑھی۔ مولوی صاحب نے تو اس بات کا جواب نہیں دیا بلکہ یوں کہا کہ اس روایت میں فصاعدا بھی ہے۔ اس کو آپ کیوں نہیں مانتے اور پھر آیت یہ

﴿وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوا لَهُ وَأَنْصِتُوا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ﴾ (الاعراف: ۲۰۴)

اور حدیث اذا قراء فانصتوا پڑھی کہا کہ یہ عام ہے۔ فاتحہ وغیرہ سب کو شامل ہے۔ میں نے کہا کہ ایمان سے کہتے کہ فصاعدا والی روایت صحیح ہے۔ پھر تو ہمارا دعویٰ ثابت ہو گیا کہ فاتحہ کے بغیر نماز نہیں۔ کیونکہ آپ یہ کہتے ہیں کہ فاتحہ اور دوسری قراءۃ کے بغیر نماز نہیں، جس کا مطلب یہ ہے کہ آپ تو مان چکے کہ فاتحہ کے بغیر نماز نہیں اور اصولی طور پر مناظرہ پورا ہو گیا کیونکہ اس میں ہمارا اور آپ کا اتفاق ہے۔ باقی فصاعدا ہے اگر آپ مدعی ہیں تو اس کے لئے دوسرا مناظرہ رکھا جائے۔ اس کی مثال ہے کہ ایک شخص دوسرے کے خلاف عدالت میں دعویٰ کرتا ہے کہ اس آدمی کے ذمہ میرا ایک سو روپیہ قرض ہے تو وہ جواب میں کہتا ہے کہ نہیں اس کے میرے طرف ۱۵۰۰ سو روپے قرض ہے کیا جج کے سامنے اس کے مدعی ثابت ہو جانے میں کوئی شک رہے گا؟ ہرگز نہیں، بلکہ اس کو ایک سو روپے ادا کرنے ہونگے۔ اس طرح فاتحہ کے بابت آپ ہمارے دعویٰ کو تسلیم کر چکے۔ رہا آیت کا مسئلہ اول تو خود آپ کے فقہاء اس آیت کو دوسری آیت

﴿فَأَقْرُؤُوا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْآنِ﴾ (المزمل: ۲۰)

کے متعارض سمجھ کر ساقط قرار دیئے ہیں (نور الانوار وغیرہ) پھر آپ اس کو کیسے دلیل بناتے ہیں۔ ثانیاً یہ آیت رسول اللہ ﷺ پر نازل ہوئی اور آپ اس کا مطلب اماموں سے بھی زیادہ جانتے تھے۔ جب آپ نے حکم دیا کہ فاتحہ کے بغیر نماز نہیں تو ثابت ہوا کہ اس آیت میں فاتحہ کی منع نہیں اور اس کے مقابلے میں جو آپ کے فقہاء اس کا مطلب لیتے ہیں وہ غلط ہوگا حالانکہ اس آیت سے تمہارا استدلال اس پر موقوف ہے کہ تم اس کو عام ثابت کرو۔ کیونکہ اس آیت میں تو نماز کا ذکر ہی نہیں بلکہ یہ الفاظ ہیں کہ اذا قرء جس کے خود آپ

مخالفت کرتے ہو مثلاً فجر نماز باجماعت ہو رہی ہے اور آپ سنت پڑھتے ہیں، ختم قرآن کی مجلس میں سارے پڑھتے ہو مدرسوں میں سارے طلباء بیک وقت پڑھتے ہیں، جس کے معنی اس کے عموم کے آپ بھی قائل ہیں لہذا یہ آیت دلیل نہیں رہی۔

اور اذا قرء فاستمعوا۔ یہ زیادتی حدیث میں صحیح نہیں غیر محفوظ ہے امام نووی کی شرح مسلم کی عبارت سنائی گئی نیز تمہارے ان دلائل میں فاتحہ کی تصریح نہیں اس لئے ہمارا اعتراض اپنے مقام پر قائم ہے۔ آخر تک مولوی صاحب فاتحہ کی خاص دلیل نہیں دے سکے۔ بلکہ ہم سے مطالبہ کیا کہ تم خاص مقتدی کے بارے میں دلیل پیش کرو۔ میں نے سیدنا عبادہ رضی اللہ عنہ کی فجر نماز والی حدیث پیش کی اس کے روای ابن اسحاق پر اس نے اعتراض کیا میں نے ابن ہمام حنفی کی عبارت پڑھ کر سنائی جو پہلے گذری اور سنن نسائی سے ایک سند پیش کی اس پر بھی اس نے ایک راوی پر اعتراض کیا کہ میزان میں لکھا ہوا ہے نافع بن محمود کے بارے میں ابن حبان کہتا ہے کہ حدیث معطل۔ میں نے جواب میں کہا ابن حبان کی کتاب ”الثقات“ کی قلمی و مطبوع دونوں نسخے موجود ہیں دونوں میں یہ الفاظ نہیں ہیں۔

تیسرے مسئلے میں پہلے تقریر مولوی صاحب نے کی اور یہ کہا کہ قرآن میں ہے کہ

﴿ادْعُوا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَخُفْيَةً﴾ (الاعراف: ۵۵)

اور عطاء بن ابی رباح کا قول ہے کہ آمین دعاء یعنی آمین دعا ہے پس ثابت ہوا کہ آمین آہستہ کہنا چاہئے میں نے جواب میں کہا کہ اونچی آواز سے بھی دعاؤں کا حدیث شریف میں ذکر ہے خود سورہ فاتحہ دعا ہے خاص طور پر اہدنا الصراط المستقیم یہ صریحاً دعا ہے پھر فجر اور مغرب و عشاء کی پہلی دو رکعتوں میں جہراً قراۃ کیوں پڑھتے ہو خود دعائیں مانگتے ہو تو ساتھ جماعتی اونچی آواز سے آمین پکارتے رہتے ہیں ان کو نہیں روکتے ہو۔

ثانیاً آمین مستقل دعا نہیں بلکہ دعا کے لئے مہر ہے اور دعا کے تابع ہے جیسا کہ حدیث میں آیا ہے پس جو متبوع کا حکم ہے وہ تابع کا ہوگا قراۃ جہری ہے تو آمین بھی جہری اور قراۃ آہستہ تو آمین بھی آہستہ جب دونوں قائم نہ رہ سکے تو آپ کی دلیل بھی ختم ہوئی۔

اس نے حدیث کے حوالے کا مطالبہ کیا میں نے ابوداؤد کی حدیث نکال کر دکھادی کتاب لے کر حدیث پڑھی اور خاموش ہو گئے اور آخر تک اس اعتراض کو نہیں چھیڑا بلکہ انہوں نے ایک اور روایت پیش کر دی جس میں یہ لفظ ہیں ”اخفئ بھا صوتہ“ میں نے سنن دارقطنی نکال کر دکھائی کہ یہ روایت صحیح نہیں اور اصل روایت میں ہے کہ ”مدبھا صوتہ“ بعض میں ”رفع بھا صوتہ“ اور بعض میں ”جہر بآمین“ اور میں نے کہا بلکہ امام مسلم تو فرماتے ہیں کہ متواتر حدیث سے ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ آمین بالجہر کرتے تھے جواب میں اس نے حوالہ طلب کیا میں نے امام مسلم کی کتاب التیمز کا قلمی نسخہ پیش کیا کتاب مانگ کر دیکھی پھر اس بات سے بھی خاموش ہوئے بلکہ یہ کہا کہ تم جس روایت سے استدلال کرتے ہو ان کا راوی ابن جریج ہے جو متعہ کا قائل و عامل تھا میں نے کہا اول تو اس الزام کا مضبوط ثبوت چاہے ثانیاً میں نے جو سیدنا واکل رحمہ اللہ کی روایت ترمذی وغیرہ سے پیش کی ہے اس کا راوی ابن جریج نہیں ہے۔ دوسری بعض روایات میں ہو سکتا ہے لیکن وہ دراصل روایت کے ساتھ تائید میں ہے لیکن جس روایت پر اعتماد کیا ہے اور یہاں استدلال کے طور پر پیش کیا ہے اس میں ابن جریج نہیں ہے بلکہ آپ نے جو عطاء کا قول پیش کیا کہ آمین دعا ہے اس سے ناقل راوی بھی ابن جریج ہے لہذا آپ کے قول کے مطابق روایت رد ہو گئی مولوی صاحب نے کہا کہ اگر تسلیم کیا جائے کہ رسول اللہ ﷺ نے آمین اونچی کہی تو ایک دفعہ سکھانے کے لئے نہ کہ آپ کی سنت تھی اس کی تائید میں ”کتاب الکسبی لدولابی“ کی روایت پیش کی جس میں ہے ”ما ارادہ الا لیعلمنا“ اور اگر سنت ہوتی تو پیچھے آپ کی جماعت اونچی کہتی لیکن یہ کسی حدیث سے ثابت نہیں میں نے کہا کہ یہ دولابی والی روایت صحیح نہیں بلکہ ضعیف ہے یحییٰ بن سلمہ بن کھیل جو کہ سخت ضعیف ہے۔ (دیکھو میزان اور تہذیب وغیرہ) ثانیاً جب رسول اللہ ﷺ سکھا رہے ہیں پھر آپ کون ہوتے ہو روکنے والے؟ باقی یہ کہ صحابہ کرام آپ کے پیچھے کس طرح کرتے تھے اول تو یہ بات ظاہر ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا جو عمل تھا وہی ان کا عمل تھا نیز اس کا بھی ثبوت ہے کہ آپ کے پیچھے صحابی بھی اونچی آواز سے آمین کہتے تھے میں نے سنن نسائی سے ابو ہریرہ رحمہ اللہ کی حدیث نکال کر پیش کی اس طرح اس مناظرہ کا خلاصہ پیش کیا گیا اور وہ چلے گئے اور رفع الیدین پر مناظرہ نہیں ہوا۔

گا ہے گا ہے باز خواں

شیخ بدیع الدین شاہ راشدی رحمہ اللہ کی تقاریر سے اقتباسات

۱۹۹۰ء کے اوائل میں مولانا سید بدیع الدین شاہ راشدی رحمہ اللہ، سینئر پروفیسر ساجد میر صاحب اور مولانا قاری عبدالحق رحمانی رحمہ اللہ نے مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کی دعوت پر بھارت کا تبلیغی دورہ کیا۔ اہل حدیث منزل دہلی میں ان علمائے کرام کے اعزاز میں استقبالیہ تقریب منعقد ہوئی۔ جس میں حضرت مولانا راشدی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ: ”مجھے بھارت کے تبلیغی دورے پر آ کر بیحد مسرت ہوئی ہے کہ یہاں آ کر تحریک اہل حدیث سے وابستہ حضرات کے ساتھ خصوصی ملاقات کا موقع ملا۔ اہل حدیث تحریک کا خاص مقصد ایک اللہ کی عبادت اور ایک اللہ سے ڈرنا ہے۔ جس طرح ہم ایک اللہ کے بندے ہیں اسی طرح ہمارا ہادی اور رب بھی ایک ہے۔ ہم صرف اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کے تابع ہیں۔ تحریک اہل حدیث اسی دعوت و تبلیغ کے لئے کام کر رہی ہے۔ اہل حدیث ایک دینی تحریک ہے اور اس کا دستور بھی دینی ہے۔ جو مسلک اللہ کی رضا اور اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول کے اساس پر ہوگا وہ ضرور کامیاب ہوگا۔ ہماری تاریخ شاید ہے کہ ہم نے ہمیشہ آسمانی ضابطوں کی پاسداری کی ہے۔ اور آسمانی ضابطے ہی دارین میں کامیابی کے ضامن ہیں۔

مرکزی جمعیت اہل حدیث بمبئی (بھارت) کے زیر اہتمام سہ روزہ تعلیمی و تبلیغی کانفرنس مالیگاؤں منصورہ میں منعقد ہوئی۔ جس میں مولانا سید بدیع الدین شاہ راشدی رحمہ اللہ پروفیسر ساجد میر رحمہ اللہ اور قاری عبدالحق رحمانی رحمہ اللہ نے بھی تقاریر کیں۔ حضرت شاہ صاحب راشدی کی تقریر کا اقتباس ملاحظہ فرمائیں:

ہمارے اسلاف نے تحریک اہل حدیث کی ترویج و ترقی میں بڑی بڑی قربانیاں دی ہیں، جس طرح یہ تحریک کام کر رہی ہے اس سے یقین پیدا ہوتا ہے کہ وہ مضبوط جماعت کی صورت اختیار کرے گی۔ اور متحد

رہنے کی صورت میں ان شاء اللہ مزید ترقی کی منزلیں طے کرے گی۔ اللہ تعالیٰ نے حرکت میں برکت رکھی ہے۔ پاکستان کے صوبہ سندھ میں اس تحریک کو فروغ حاصل ہو رہا ہے اور شرک و بدعت کم ہو رہا ہے۔ اس حقیقت سے انکار نہیں کہ دعوت و تبلیغ کی راہ بڑی کٹھن ہے لیکن کتاب اللہ کو سینہ سے لگایا ہے تو سب کچھ جھیلنا پڑے گا اور صبر کرنا ہوگا۔ اور اس کے بعد اللہ تعالیٰ ہمیں بے حساب دے گا۔ ہمارے اسلاف نے ایک ایک حدیث کو پھیلانے میں بڑی بڑی قربانیاں دی ہیں۔ ہمیں بھی دین حق کے لئے ہر قربانی کے لئے تیار رہنا چاہیے۔

۲۸ جون ۱۹۷۳ء کو مرکزی جمعیت اہل حدیث مغربی پاکستان کے قائدین تبلیغی دورے پر کالیہ ضلع فیصل آباد آئے تو امیر مرکزی جمعیت اہل حدیث مغربی پاکستان مولانا سید بدیع الدین شاہ راشدی رحمۃ اللہ علیہ نے ملتی اتفاق و اتحاد، مسلک اہل حدیث کے عنوان پر ایک پر جوش اور فاضلانہ تقریر فرمائی اور کہا کہ ملت کا اتحاد صرف کتاب و سنت پر ہی ہو سکتا ہے اور کتاب و سنت کی تعلیمات پیش کرنا اہل حدیث کا مسلک ہے۔ آپ نے جمعیت کے آئندہ عزائم اور جمعیت اہل حدیث کے مقاصد و نصب العین کو بھی واضح فرمایا۔ آپ نے یہ بھی فرمایا کہ عصر حاضر کے ملتی تقاضے صرف اور صرف مسلک اہل حدیث ہی پورے کر سکتا ہے۔ اسی لئے اہل علم و تقویٰ مسلک اہل حدیث سے وابستہ ہو رہے ہیں۔

۲۴ جون ۱۹۷۳ء کو تبلیغی کارواں ڈسکہ پہنچا۔ تو نمازِ ظہر کے بعد جامعہ عزیزیہ میں مولانا محمد حیات نعمی رحمۃ اللہ علیہ کی صدارت میں اجلاس ہوا۔ امیر مکرم مولانا سید بدیع الدین شاہ راشدی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنا خطاب جاری رکھتے ہوئے بڑے دکھ بھرے لہجہ میں فرمایا کہ بد قسمتی سے ہماری جماعت میں کچھ شکر رنجی پیدا ہو گئی ہے جس کی وجہ سے جماعت دو حصوں میں بٹ گئی ہے۔ آپ یقین جانیے یہ چیز اہل حدیث جماعت کے انتہائی کوفت کا باعث ہے اور اس سے اہل حدیث جماعت کے بدخواہوں کو خواہ مخواہ نقصان پہنچانے کا موقع مل جاتا ہے۔ ہمیں چاہیے کہ اپنے تمام اختلافات کو بھلا کر فرد واحد کی طرح بن جائیں۔ ۱۰ جون ۱۹۷۳ء کے جماعتی انتخابات کے بعد جماعت کو متحد و متفق کرنے کے سلسلے میں ہم نے اپنی کوششیں تیز کر دی ہیں۔ آئیے ہم اور آپ سب مل کر نہایت عاجزی سے دعا کریں کہ ہم پھر متحد ہو کر تبلیغ دین کا فریضہ ادا کریں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں

جلد اتحاد کی دولت سے مالا مال کر دے۔

آپ نے یہ بھی فرمایا کہ آپ نے میرے نحیف و نزار کندھوں پر امارت کا بوجھ ڈال دیا ہے۔ حالانکہ میں نجی مشاغل کی بنا پر بچہ مصروف ہوں۔ بایں ہمہ جب آپ نے مجھے امارت کے عہدے کو قبول کرنے پر مجبور کر دیا۔ تو میں آپ سے درخواست کروں گا کہ آپ میرے ساتھ تعاون کریں۔ کیونکہ آپ کے تعاون کے بغیر میں کچھ نہیں کر سکتا۔ تمام حاضرین نے کھڑے ہو کر کہا کہ ہم آپ کے ساتھ ہیں ہر قسم کا تعاون کریں گے۔

برصغیر میں اہل حدیث

تحریر: شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد اسماعیل سلفی رحمۃ اللہ علیہ

سب سے پہلا قافلہ جو فاتحانہ حیثیت میں ساحل ہند پر وارد ہوا وہ اہل حدیث کا تھا۔ آج بھی سندھ میں حضرت مولانا سید ابومحمد بدیع الدین شاہ راشدی کا خاندان اور ایک عظیم الشان مکتبہ جس میں حدیث اور رجال کا بے نظیر ذخیرہ موجود ہے جو قرون ماضیہ کی یاد تازہ کر رہا ہے۔

اس وقت گو سندھ میں اہل توحید کو وہ قوت حاصل نہیں لیکن تاریخ کے ادراک ان کی خدمات کو نہیں بھول سکتے۔ اسی طرح مغل فاتحین بھی اسلامی سادگی اور دین فطرت کی روشنی سے زیادہ فارسی تہذیب سے آشنا تھے اس لئے ہندوستان میں اسلامی سادگی اور کتاب سنت کی تعلیمات کا زور زیادہ دیر تک قائم نہ رہ سکا اور نہ ہی خدام اہل حدیث کی اس قدر کثرت ہو سکی جس قدر بعض دوسرے ممالک میں تھی۔ شیخ علی الحنفی صاحب کنز العمال اور شیخ محمد طاہر مؤلف مجمع البحار، شیخ مجدد احمد سرہندی، قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ اس وقت مغنمات سے تھے اکبری فتنوں کے سامنے کوئی طوطی کی آواز کو نہ سنے مگر طوطی نے اپنا فرض ادا کرنے میں کمی نہیں کی۔ اس وقت اہل حق کس قدر کمزور تھے شیطانی طاقتیں کس قدر جمع ہو رہی تھیں۔ فتنوں کا سیلاب کتنا تباہی خیز تھا۔ حکومت کا لادینی جذبہ اہل حق کے لئے کتنی مصیبت کا باعث تھا۔ اعراس اور موالیہ کو بعض لوگوں نے اسلام کا بنیادی مسئلہ سمجھ رکھا تھا۔ تاہم ان بزرگوں نے ان بدعات پر کڑی نکتہ چینی کی۔ غیر اسلامی رسوم اور غیر اسلامی نظریوں کے خلاف انہی مجدد دین وقت کی پر شکوہ آواز فضاء دہر میں گونجتی رہیں۔ رضی اللہ عنہم وارضاه

مجلہ ”الیوم“ کی توسیع اشاعت میں حصہ لینا آپ کا جماعتی فریضہ ہے

حضرت مولانا سید بدیع الدین شاہ صاحب راشدی رحمۃ اللہ علیہ

کا احباب جماعت کے نام ضروری پیغام

ہفت روزہ ”الاسلام“ لاہور سے قبل مرکزی جمعیت اہل حدیث مغربی پاکستان نے حضرت شاہ صاحب راشدی رحمۃ اللہ علیہ کی امارت اور پروفیسر ساجد میر صاحب کی نظامت میں ہفت روزہ ”الیوم“ ۲۰ جولائی ۱۹۷۳ء کو جاری کیا۔ اس کی توسیع کے لئے حضرت شاہ صاحب نے اپنا پیغام، احباب جماعت کے نام جاری فرمایا جو درج ذیل ہے۔

آپ اس حقیقت سے بخوبی آگاہ ہیں کہ ہفت روزہ ”الیوم“ کے اجراء کا مقصد محض اعلائے کلمۃ الحق اور کتاب و سنت کی دعوت و تبلیغ ہے۔ مرکزی جمعیت اہل حدیث مغربی پاکستان کے اس ترجمانی کے گیارہ شمارے آپ کی خدمت میں پہنچ چکے ہیں۔ ان شماروں سے آپ نے اندازہ کیا ہوگا کہ ”الیوم“ اپنے نصب العین میں کہاں تک کامیاب ہے۔ احباب جماعت نے جس طرح اس جماعتی جریدے کو بنظر تحسین دیکھا اور اس کی خدمات جلیلہ کے پیش نظر اس سے ہر طرح کا تعاون کرنے میں کوشاں رہے وہ ہمارے لئے حوصلہ و امید کا پیغام ہے تاہم ضرورت یہ ہے کہ آپ الیوم کے حلقہ قارئین کو اس قدر وسیع کر دیں کہ ادارہ ”الیوم“ اپنے تمام مسائل سے مستغنی ہو جائے۔ آپ خود اس کے اور اپنے حلقہ احباب میں خریدار مہیا کریں۔ ضلعی، شہری اور ذیلی جمعیتیں پرچہ جاری کروائیں۔ کاروباری احباب اپنے تجارتی اشتہارات دے کر ادارہ سے تعاون کریں۔

اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے ہمیں احباب کی دینی حمیت، مسلکی تڑپ اور جماعتی وابستگی سے پوری توقع ہے کہ وہ ”الیوم“ کی توسیع مہم میں بھرپور حصہ لیں گے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کا حامی و ناصر ہو۔ آمین۔

سیلاب زدہ بھائیوں کی بھرپور مدد کی جائے

امیر مرکزی جمعیت اہل حدیث مغربی پاکستان

مولانا سید بدیع الدین شاہ راشدی رحمۃ اللہ علیہ کی اپیل

اگست ۱۹۷۳ء میں پنجاب قیامت خیز سیلاب کی زد میں آ گیا۔ دریاؤں میں شدید طغیانی اور مسلسل بارشوں نے قوم کو المناک تباہیوں سے دوچار کر دیا تھا ایسے موقع پر سیلاب زدہ بھائیوں کی بحالی کے لئے بھرپور تعاون کی ضرورت تھی۔ اس موقع پر آپ نے احباب جماعت سے درج ذیل اپیل کی۔

امیر جمعیت حضرت مولانا سید بدیع الدین شاہ راشدی رحمۃ اللہ علیہ نے احباب جماعت سے خصوصاً اور اہالیان پاکستان سے عموماً یہ اپیل کی کہ پنجاب اور سندھ میں سیلاب نے جو تباہ کاریاں مچائی ہیں اور جس طرح لوگ موت و حیات کی کشمکش میں مبتلا ہیں۔ ہمیں اس سے شدید دکھ پہنچا ہے۔ خصوصاً پنجاب کے متعدد اضلاع میں جس طرح کئی دیہات صفحہ ہستی سے مٹ گئے اور آبادیاں ویران ہو گئیں۔ جس سے ہزاروں افراد ہلاک ہو گئے۔ ایسے کرہناک حالات میں ہم مرکزی جمعیت اہل حدیث مغربی پاکستان کی تمام ذیلی جمعیتوں سے اپیل کرتے ہیں کہ وہ جہاں کہیں بھی ہوں وہ سیلاب زدگان کے لئے امدادی کاموں میں بھرپور حصہ لیں۔ اور انہیں غذائی اور مالی امداد فراہم کریں اور اس کی تفصیلات سے مرکزی دفتر کو مطلع فرمائیں۔ ہم اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ وہ ہم پر رحم فرمائے اور اس قسم کے مصائب و آلام سے محفوظ رکھے اور مصیبت زدہ بھائیوں کو دکھوں سے نجات دے۔ آمین۔

اہل حدیث کانفرنس جہلم میں خطاب

۲۷ ستمبر ۱۹۸۰ء بروز جمعرات امام کعبہ ساحتہ الشیخ محمد بن عبداللہ السبیل رحمۃ اللہ علیہ اہل حدیث کانفرنس جہلم میں شرکت، خطبہ جمعۃ المبارک اور جامعۃ العلوم الاثریہ جہلم کا سبگ بنیاد رکھنے کے لئے تین روزہ دورہ پر یہاں تشریف لائے۔ پی۔ آئی۔ اے کا دیو ہیکل طیارہ براستہ کراچی شام کو ۵:۴۵ پر اسلام آباد انٹرنیشنل ایئر پورٹ پر اترا۔ امام صاحب کا جو والہانہ اور فقید المثال استقبال ہوا وہ منظر دیدنی تھا۔ محترم امام صاحب کے ہمراہ ان

کے فرزند ارجمند الشیخ عمر بن محمد اسبیل، فضیلۃ الشیخ صالح مدیر حرم کمی، فضیلۃ الشیخ عبداللہ غنیمان استاذ مدینہ یونیورسٹی، الشیخ محمد السلفی مبعوث دارالافتاء کینیا، فضیلۃ الشیخ عبدالقادر حبیب اللہ السندی بھی سعودی عرب سے تشریف لائے تھے۔ جبکہ حضرت مولانا سید بدیع الدین شاہ صاحب راشدی، حضرت مولانا حافظ عبدالرحمن السلفی امیر جماعت غرباء اہل حدیث پاکستان اور جناب سیٹھ محمد اسماعیل مہپارہ، بھی کراچی سے ان کے شریک سفر ہو گئے تھے۔

اس دورے کے تمام پروگرام بڑے بھرپور اور کامیاب رہے۔ اسلامیان جہلم نے معزز مہمانوں کے لئے دیدہ و دل فرس راہ کر دیے۔ مجھے بھی چار دن وہاں قیام کا موقع ملا اور میڈیا سے رابطہ میں خدمت کی سعادت حاصل ہوئی۔

کانفرنس کی دوسری نشست جو حضرت مولانا حافظ عبدالرحمن السلفی صاحب (کراچی) کی صدارت میں منعقد ہوئی۔ حضرت مولانا حافظ سید بدیع الدین شاہ صاحب راشدی (سندھ) نے توحید باری تعالیٰ کے موضوع پر بڑا دلورہ انگیز اور ایمان افروز خطاب فرمایا جس کا اجمالی ماحصل یہ ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر خاتم الانبیاء حضرت محمد ﷺ تک جتنے بھی رسول اور انبیاء تشریف لائے سب کی تعلیمات کا بنیادی نظریہ، توحید تھا۔ اور وہ اسی کی تبلیغ کرتے رہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ وہ ایک ہے اس کا کوئی شریک نہیں۔ یعنی وہ یکتہ و تنہا ساری کائنات کا خالق، رازق اور مالک ہے۔ ہر چیز اس کی تابع فرمان ہے۔ سب کچھ اس کے قبضہ اختیار میں ہے ہر معاملہ میں صرف اسے ہی برتری حاصل ہے۔ وہ سب کا حقیقی فریادرس مشکل کشا، حاجت روا، مددگار اور دنگیر ہے۔ تمام امور میں اس کا کوئی شریک و سہم نہیں۔ حقیقی بات یہ ہے کہ لا الہ الا اللہ صرف اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا اعلان و اقرار ہی نہیں بلکہ انسانیت کی تکمیل اور اس کی سرفرازی و سر بلندی کا پیغام بھی ہے۔ جس کا مقصد انسان کو شرک کی ذلت و پستی سے نکال کر اس پر نفس کی پاکیزگی اور روحانی ترقی کا دروازہ کھول دیتا ہے۔ حضرت شاہ صاحب کی تقریر ایک گھنٹہ پر محیط تھی۔ جسے سامعین نے بے حد پسند کیا۔

شیخ العرب والعجم علامہ سید بدیع الدین شاہ راشدی رحمہ اللہ

کی لغت عرب میں غیر معمولی مہارت

قرآن کریم علوم و معارف کا ایسا خزانہ ہے جو لایفقد کے ساتھ لامتناہی عجائبی بھی ہے۔ یہ ایسا بحر زاخر و عمیق ہے کہ جتنے اس میں عمیق غوطے ہوں گے اتنے ہی زیادہ موتی چننے کو ملیں گے۔ لغت عرب کے توفیق کا انداز اس امر سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ مالک الملک ذوالجلال والکرام نے اپنا کلام پاک (جو ایک معجزہ عظیم بھی ہے) کو لغت عرب میں نازل کیا اور ایسی شخصیت پر اتار جو باوجود اسی ہونے کے عرب میں افصح ترین تھے جیسا کہ بعض صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم) کا آپ کے متعلق قول ہے۔

کہ آپ جیسا ہم نے فصیح البیان کسی کو نہیں دیکھا اور عربی زبان کو عربی اسی وجہ سے کہا جاتا ہے کہ اس کا معنی ہے وضاحت و فصاحت۔ آج بھی عربی زبان کو بین الاقوامی حیثیت حاصل ہے اور یونیسکو (Unesco) کی چھ میں سے ایک دفتری زبان ہے۔

دورِ حاضر کے اعتبار سے عربی زبان کو دو حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔

① قدیم عربی: اس لغت کا تعلق عربی اشعار و خطبات، قرآن مجید، حدیث رسول اور اس کے متعلقہ علوم سے ہے اس کا دورانیہ پہلی جنگ عظیم سے قبل تک ہے بعد ازاں مسلمانوں کے علمی زوال و سیاسی غلامی کے سبب بیشتر حصہ غریب و ہو گیا۔

② جدید عربی: اس لغت کا اہم پہلو تعریب ہے جیسا کہ ابعل الہکی کی مایہ ناز انگریزی عربی لغت المورس سے پتہ چلتا ہے کہ جدید عربی میں ہزاروں انگریزی و فرانسیسی الفاظ کو معرب کر کے شامل کیا گیا ہے۔ (مجلہ فکر و نظر اپریل ۱۹۹۲ء) یا پھر ان الفاظ کی اصطلاح سازی کی گئی ہے۔

چونکہ عربی لغت ہماری دینی و شرعی زبان ہے اور جب بات قومیت و شریعت کی آجائے تو ترجیح

☆ مدرس مدرسہ تعلیم القرآن والسنۃ نوابشاہ، فاضل مدرسہ تعلیم القرآن والحدیث حیدرآباد۔

شریعت کو ہوتی ہے۔ اور یہ کہ ہماری شریعت دنیاوی معاملات و امور سے خارج نہیں ہے بلکہ یہ اس کا جزو لاینفک ہے۔ تو ثابت ہوا کہ دوسری زبانوں کے سیکھنے کی بجائے ہم اپنی شرعی و دنیاوی زبان کے سیکھنے میں اپنا قیمتی وقت صرف کریں۔ دینی زبان کو ترک کر کے صرف اغیار کی زبان کو اختیار کرنا یہ مؤمنوں کے شایان شان نہیں۔

آپ ﷺ جب مدینہ میں آئے تو تاجر پر لفظ ساسر کا استعمال ہوتا تھا تو آپ ﷺ نے یہ لفظ ختم کر کے تاجر کا لفظ استعمال کروایا کیونکہ لفظ ساسر عجی لفظ ہے حالانکہ معنا کوئی فرق نہیں لیکن یہ لفظ آپ ﷺ نے ختم کروا کے لفظ تاجر کا استعمال کروایا۔ اسی وجہ سے صحابی بیان کرتے ہیں کہ فسمعنا باسمہ ہوا حسن منہ کہ آپ ﷺ نے ہمارا نام ایسا رکھا کہ جو لفظ ساسر سے کئی گنا اچھا تھا۔ (تحفۃ الاحوذی ۴/۳۳۳)

چونکہ لغت عربی سیکھنے میں اصل و بنیادی چیز الفاظ کے معانی و مفہوم کو سمجھنا ہے۔ جیسا کہ مقدمہ ابن خلدون ص ۵۰۸ میں ہے کہ یسمع صبی استعمال المفردات فی معانیہا فیلفہا اولاً کہ جس طرح بچہ ایک ایک لفظ کر کے سنتا ہے اور پھر اس لفظ کی معنی اس کو سکھائی جاتی ہے اور اس عمر میں قرآن مجید کے مفرد الفاظ کی معانی جاننا بحیثیت اصل کے ہیں امام راغب اصفہانی مفرد الفاظ کی اہمیت کے متعلق فرماتے ہیں۔ فالفاظ القرآن ہی لب کلام العرب وزبدتہ قرآن مجید کے الفاظ کلاب عرب کا اصل مغز ہیں۔

میرا اصل موضوع تو شیخ العرب والعجم العلامة بدیع الدین شاہ راشدی رحمہ اللہ کی لغت عرب پر مہارت و توفیق ہے اس وجہ سے تمہیدی طور پر میں نے لغت عرب کی اہمیت کو حتی الوسعت اجاگر کرنے کی کوشش کی ہے تاکہ اس پر عبور رکھنے والی شخصیت کا مقام و مرتبہ معلوم ہو سکے اس ضمن میں شاہ صاحب رحمہ اللہ کی چند کتب ہیں جس سے آپ کی لغوی مہارت کا اندازہ ہوتا ہے ان میں سے آپ کی اہم ترین اور لا جواب غیر منقوٹ و منظوم کتاب جس میں آپ نے توحید باری تعالیٰ کو ایسے الفاظ کے ساتھ پیش کیا ہے جو بغیر نقطوں والے ہیں۔

اسی طرح کتاب عین الشئین کا مقدمہ جو کہ آپ نے ٹھٹھوی کے رد میں لکھی ہے وہ بھی بیماثل کتاب ہے۔ اسی طرح آپ کی مایہ ناز تفسیر بدیع التفسیر جو دس جلدوں میں سورۃ النحل تک مشتمل ہے آپ کی

لغوی مہارت و تفوق کا منہ بولتا ثبوت ہے۔

ویسے تو اس تفسیر میں آپ کو پڑھنے کے لئے ہر چیز مثلاً ترجمہ، آیت کا خلاصہ، شان نزول، ماقبل آیات سے ربط، آیات کے متعلق روایت ماثورہ، باطل فرقوں کی تردید، حق و صحیح موقف کی تہیص طے گی، لیکن اس سے بھی زیادہ خاص و تعجب خیز مواد قاری کو پڑھنے کے لئے طے گا وہ ہے قرآنی الفاظ کی لغت و غیر لغت کتب سے سنگھالی گئی لفظی و لغوی تحقیق جنہیں پڑھ کر آدمی کو یقینی طور پر اندازہ ہو جائے گا کہ شاہ صاحب رحمہ اللہ کو لغت کی کتابوں اور لغت عرب پر کتنا عبور حاصل تھا۔

چند ایک مثالیں مع الاختصار قارئین کے پیش نظر رکھوں گا تاکہ بدیع التفاسیر کی اہمیت کا بھی اندازہ ہو سکے۔

لفظ اعوذ

اس لفظ کی لغوی تحقیق میں شاہ صاحب لغت کی دیگر کتب سے احتراز کرتے ہوئے حافظ ابن قیم کی کتاب تفسیر المعوذتین اٹھاتے ہیں اور کہتے ہیں ”اس لفظ کی اصل میں دو اقوال ہیں ایک یہ کہ یہ الستر سے ماخوذ ہے جیسے عرب اس گھر کو جو کسی درخت کی جڑ میں واقع ہو عوذ کہتے ہیں گویا کہ یہ گھر درخت کے سایہ میں محفوظ ہو گیا ہے اب اعوذ سے مناسبت اس طرح ہوئی کہ پناہ طلب کرنے والا گویا کہ دشمن سے بھاگ کر مستعاذ بہ کے پاس اپنا بچاؤ حاصل کر کے دشمن سے محفوظ ہو جاتا ہے۔

دوسرا لزوم الجوارۃ (ہمیشہ مستعاذ بہ کے قرب و جوار میں رہنا) سے ہے جیسے عرب اس گوشت کو جو ہڈی کے ساتھ اس طرح چمٹا ہوا ہو کہ اس سے الگ نہ ہو سکے کو بھی عوذ کہتے ہیں لفظ کے ساتھ مناسبت اس طرح ہوئی کہ پناہ طلب کرنے والا پناہ دینے والے چوکھٹ کے ساتھ ہمیشہ چمٹا ہوا ہوتا ہے۔ (بدیع التفاسیر ۹)

لفظ الرجم

کے متعلق آپ کہتے ہیں کہ اس کی اصل الرجم ہے جو کہ کئی معانی مثلاً قتل، لعنت، دھتکارنا، گمان کرنا، چھیننا اور پتھروں سے مارنا میں مستعمل ہے لیکن یہاں پر یہ لفظ دو معانی لعنت و دھتکار کے معانی میں ہوگا۔
(کیونکہ شیطان کو نہ قتل کیا گیا ہے نہ رجم اور نہ ہی گالیاں دی گئی ہیں اس کے لئے صرف یہ دو معانی آیات کی رو سے ثابت ہوتی ہیں) فرمان الہی ہے:

فاخرج منها فانك رجيم وان عليك لعنتي الى يوم الدين ع ۵ پ ۲۳
 دوسری جگہ پر ہے فاخرج منها مذعوماً مدحوراً == فاخرج انك من الصاغرين
 اعراف ع ۳ پ ۸
 گویا ایک آیت دوسری آیت کی وضاحت کر رہی ہے۔

لفظ اللہ:

کی تحقیق میں موصوف فرماتے ہیں کہ اس لفظ کے اعتقاد میں دو اقوال ہیں۔ (۱) اس کی اصل الہ بروزن فعّال پھر الف لام کو ہمزہ کے عوض میں اسپر داخل کیا گیا ہے تو لفظ اللہ بن گیا جیسا اناس سے الناس دوسرا یہ کہ لفظ اسم علم خاص و جامد ہے اور غیر مشتق ہے اکثر علماء کرام اسی موقف کی طرف گئے ہیں جیسے امام شافعی، ابو العالی، امام الحرمین ابوسلیمان الخطابی، ابوجامد الغزالی اور امام فضل وغیرہم۔
 اس لفظ کی مزید تحقیق میں ہے کہ آیا اس لفظ کا دوسری زبانوں میں مترادف لفظ موجود ہے یا دیگر زبانوں میں بھی ترجمہ کے وقت لفظ اللہ ہی لکھا اور کہا جائے گا ج ۱ ص ۱۵۴ میں رقم طراز ہیں کہ یہ اسم مبارک ذاتی ہے جو عربی خواہ دوسری زبانوں میں اسی طرح لکھا اور پڑھا جاتا ہے اس کا مترادف لفظ کسی بھی زبان میں نہیں ہے۔ دوسری زبانوں میں جو الفاظ اس کے ہم معنی بنائے جاتے ہیں وہ سب الہ بمعنی معبود کے معنی میں ہیں نہ کہ لفظ اللہ کے معانی میں۔

دلیل میں شاہ صاحب نے اردو و فارسی لغتوں مثلاً غیاث اللغات فارسی ص ۱۷۴، مصباح اللغات ص ۱۵، برہان قاطع جلد ۲۔ صفحہ ۳۶۲-۳۶۳-۳۶۴ کے حوالے دیے ہیں۔

مزید کہتے ہیں ”انگریزی زبان میں بھی لفظ گاڈ (GOD) استعمال ہوتا ہے وہ بھی الہ کے معنی میں ہے نہ کہ لفظ اللہ کے۔ مردک پکتھال Mormduke Pikhtal قرآن مجید کے انگریزی ترجمہ کے شروع میں ص ۴ میں لکھتے ہیں کہ:

I have retained the word Allah through out because there is no corresponding word in English. The word Allah has neither feminine nor plural and has never been applied to any thing other than the uni imaginable supreme being.

ترجمہ: میں نے لفظ اللہ کو ترجمہ میں ویسے ہی رکھا ہے جیسا قرآن میں ہے کیونکہ انگریزی زبان میں اس کا کوئی مترادف لفظ نہیں ہے جو کہ اس کا معنی کیا جائے۔ لفظ اللہ کا مؤنث ہے نہ جمع اور نہ ہی کسی دوسری چیز یا ذات پر استعمال ہو سکتا ہے سوائے اس اعلیٰ ہستی کے جس کا تصور نہیں کیا جاسکتا ہے۔

اپنی تحقیق کو مزید بڑھاتے ہوئے شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ اسی طرح ہندی، سنسکرت زبانوں میں پریش، براماتا، ایثور، بھگوان کے جو لفظ آئے ہیں ان میں سے بھی کوئی لفظ اللہ کے مترادف نہیں ہے۔ پریش اور براماتا کا معنی سر تاج اللغہ ص ۲۲۰ ”خدا“ مذکور ہے۔ اسی طرح ایثور کا معنی بھی سر تاج اللغہ ص ۱۴۲ فیروز اللغات ص ۱۷۱ میں خدا مذکور ہے۔ اسی طرح بھگوان کی معنی بھی فیروز اللغات ص ۲ میں ”خدا“ مذکور ہے۔

لفظ بھگوان کی تعجب خیز حیرت انگیز تحقیق کر کے کہتے ہیں کہ اگر لفظ بھگوان پر تجزیہ کیا جائے تو یہ دو لفظوں کا مرکب بنتا ہے ایک بھگ۔ فیروز اللغات ص ۲۶۵ میں اس کو سنسکرت کا لفظ کہا گیا ہے اور اس کے معنی کے متعلق لکھا ہوا ہے ”عورت کا اندام نہانی“ دوسرا لفظ ”وان“ ہے اس کو ہندی زبان کا لفظ کہا گیا ہے اور اس کی معانی ”والا“ کہا گیا ہے۔ اب بھگوان کی معنی ہوئی ”زنانہ مخصوص عضو والا“ مزید کہتے ہیں کہ عبرانی یا سریانی زبان میں جو الفاظ ”ایل“ یا ”ال“ آتے ہیں وہ بھی ربوبیت کے معنی میں ہیں نہ کہ لفظ اللہ کے۔

لفظ ریب

لفظ ریب کے متعلق جلد ۲ ص ۲۹ میں فرماتے ہیں کہ اس لفظ کی مشہور تین معانی ہیں۔ (۱) ایک

بمعنی شک جیسا کہ عبد اللہ بن الزبیری کا شعر ہے

ليس في الحق يا اميمة ريب

انما الريب ما يقول الجاهول

یعنی اے امیہ حق میں کوئی شک نہیں ہے شک تو صرف جاہل کی بات میں ہوتا ہے۔

دوسرا معنی تہمت ہے جیسا کہ جمیل کا شعر ہے

بئسنة قالت يا جميل اربتنی

فقلت كلانا يا بئین مریب

یعنی بیٹہ نے کہا کہ اے جلیل مجھ پر تہمت لگاتا ہے تو میں نے جواب دیا کہ اے بیٹہ ہم تو دونوں ایک دوسرے پر تہمت لگاتے رہتے ہیں۔

تیسرا بمعنی حاجت: جیسا کہ کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کا شعر ہے:

قَضِينَا مِنْ تَهَامِهِ كُلِّ رَيْبٍ

وَحَيْرَتِهِ أَجْمَعْنَا السَّيْفَ

یعنی ہم نے تھامہ اور خیر سے اپنی حاجات پوری کر کے پھر اپنی تلواروں کو اکٹھا کیا۔ یہ تینوں معانی لغت کی عام کتابوں مثلاً الصحاح جلد ۱ ص ۱۴۱، لسان العرب جلد ۱ ص ۴۴۲ وغیرہ میں موجود ہیں۔

لفظ بُعُولَتُهُنَّ

لفظ بُعُولَتُهُنَّ کے متعلق قطراز ہیں کہ ”البعل هو الذکر من الزوجین جوڑوں میں جوڑہو اے بعل کہتے ہیں۔ جیسے قول تعالیٰ ہے: وَهَذَا بَعْلِي شَيْخَا (ہود ع ۱۲) میرا یہ شوہر بوڑھا ہے۔ اس کی جمع بعولۃ آتی ہے جیسے فحل کی جمع فحولۃ ہے۔ شوہر کو بیوی پر اور زکوٰۃ پر قدرتی لحاظ سے برتری حاصل ہے جیسے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿الرِّجَالُ قَوَّامُونَ عَلَى النِّسَاءِ﴾ (نساء ۳۴) یعنی مرد عورتوں پر نگراں ہیں۔ کیونکہ بال بچوں و بیوی کی نگرانی مرد کے ذمہ ہے اس وجہ سے اسے فوقیت بھی حاصل ہے اسی مناسبت سے اسے بعل کہا جاتا ہے، کیونکہ اصل میں بعل ابھری ہوئی زمین کو کہا جاتا ہے جس پر سال میں کم از کم ایک دفعہ بارش پڑتی ہو۔ اسی طرح ہر اس چیز کو جو دوسری سے اعلیٰ سمجھی جاتی ہے بعل کہتے ہیں۔ اس لئے مشرکین اپنے معبودان باطلہ کو البعل کہتے تھے کہ ایک لحاظ سے یہ مشرکین اپنے آپ کو ان کے زیر دست سمجھتے تھے۔ جیسے قرآن کی آیت ہے: ﴿اتَذْغُونْ بَغْلًا وَتَذَرُوْنَ اَحْسَنَ الْخَالِقِيْنَ﴾ (الصافات ۱۲۵) کیا تم بعل کو پکارتے ہو اور احسن الخالقین کو چھوڑ دیتے ہو۔ اور عرب کہتے ہیں کہ انسانا بعل هذه الدابة کہ اس سواری کا بعل ہمارے پاس آیا یعنی وہ جو سواری کے اوپر ہے۔ (المفردات لسان العرب)

لفظ العروۃ

لفظ العروۃ کے متعلق جلد ۲ ص ۳۳۲ میں فرماتے ہیں کہ: ”ما يتعلق به من عراه ای ناحیتہ یعنی

کسی چیز کو اس کے کونے سے پکڑا جائے۔“ مزید کہتے ہیں عروہ ایسے درخت کو کہتے ہیں جو سردی میں بھی سرسبز و شاداب رہتا ہو اور ربیع کی موسم تک اونٹ اس کے ساتھ چٹے رہتے ہو۔ اس طرح عروہ شیر کے معنی میں بھی آتا ہے اس لئے بطور نام بھی مستعمل ہے۔ المفردات، المصاح، معجم مقاییس اللغة تاج العروس

لفظ عام

لفظ عام (سال) کے متعلق ج ۳ ص ۲۵۸ میں موصوف رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ سہ سال کے معنی میں ہے لیکن فرق دونوں میں یہ ہے لفظ سنہ کا استعمال اکثر طور پر سخت و قحط والے سال پر ہوتا ہے جیسے فرمان الہی ہے: ﴿وَلَقَدْ أَخَذْنَا آلَ فِرْعَوْنَ بِالسِّنِينَ﴾ (القرآن) کہ ہم نے آل فرعون کو قحط سالیوں سے بھی پکڑ کی۔ اور لفظ عام زیادہ تر اور راحت والے سال کے لئے استعمال ہوتا ہے جیسے فرمان الہی ہے: ﴿ثُمَّ يَأْتِي مِن بَعْدِ ذَلِكَ عَامٌ فِيهِ يُغَاثُ النَّاسُ وَفِيهِ يَعْصُرُونَ﴾ (يوسف ۴۹) پھر اس کے بعد ایسا سال آئے گا کہ لوگوں پر بارش برسانی جائے گی اس میں شراب بھی نچوڑیں گے۔ اور کبھی مطلق استعمال بھی ہوتا ہے جیسے ﴿فَلَبَّيْكُمْ فِيهِمْ أَلْفَ سَنَةٍ إِلَّا خَمْسِينَ عَامًا﴾ (العنكبوت: ۱۲)

لفظ بكة

لفظ بكة کے متعلق جلد ۵ ص ۲۷۷ میں کہتے ہیں کہ ”البك دق العنق“ یعنی بک معنی گردنوں کو توڑنا۔ اس طرح بک فلاناً ایک بكة ای زحم یعنی ازدحام مد بھیڑش کرنا۔ اب کہ مکرمہ کو بكة اس وجہ سے کہتے ہیں کانت تبك اعناق الجبابرة کہ مکہ ظالم و سرکش لوگوں کی گردنوں کو توڑ دیتا ہے۔ یا پھر لان الناس يتباكون فيها من كل وجه ای يتزاحمون یعنی لوگ ہر طرف سے آ کر اس میں ازدحام رش کرتے ہیں۔ لسان العرب

لفظ عاقر

لفظ عاقر کے متعلق جلد ۵ ص ۱۴۴ میں کہتے ہیں رجل عاقر وامرأة عاقر لا تلد یعنی وہ عورت جو بانجھ ہو کاناہا تعقر ماء الفعل گویا کہ وہ مرد کے پانی کو ختم کر دیتی ہے اسی طرح شراب کو بھی العقار کہتے ہیں کہ یہ بھی کاشٹے والا ختم کرنے والا ہے۔

لفظ نخلۃ

لفظ نخلۃ کے متعلق جلد ۶ ص ۳۴ میں رقمطراز ہیں کہ یہ النخل سے ہے معنی کسی انسان کو بغیر کسی عوض کے کچھ دینا اس طرح النخلۃ دعویٰ کے معنی میں بھی آتا ہے جیسے انتحل فلان شعر فلان کہ فلاں کے شعر پر دعویٰ کرنا کہ یہ میرا شعر ہے۔ اسی طرح النخل شہد کی کہیوں کو بھی کہا جاتا ہے اس کی واحد نخلۃ آتی ہے جیسے آیت میں ہے ﴿وَأَوْخَىٰ رُبُّكَ إِلَى النُّخْلِ﴾ (النحل ۶۸) استاد زجاج کہتے ہیں ممکن ہے کہ شہد کو نخل اسی وجہ سے کہا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ مکھی کے پیٹ سے لوگوں کو شہد عطا کرتا ہے۔ لسان العرب

لفظ سعیر

لفظ سعیر کے متعلق جلد ۶ ص ۲۹ میں کہتے ہیں کہ السعیر الشہاب النار آگ کا بھڑکنا۔ المسعر وہ لکڑی جس سے آگ کو جلا یا بھڑکایا جائے۔ اسعر الحرب لڑائی بھڑک اٹھی۔ اگے فرماتے ہیں کہ اسی مناسبت سے بازار کے بھاؤ کو سحر کہا جاتا ہے کہ وہ بھی آگ کی طرح چڑھتا رہتا ہے اسی مناسبت سے کہا جاتا ہے آج بازار گرم ہے۔ المفردات

لفظ تفکرون

لفظ تفکرون جلد ۴ ص ۳۹۲ میں کہتے ہیں کہ بعض ادباء کا کہنا ہے کہ اصل میں یہ لفظ فرک اس کی مقلوب صورت فکر ہے اور فرک کی معنی ہے کھرچنا (ملخصاً)

لفظ البحر

لفظ البحر جلد ۳ ص ۳۹۷ کے متعلق کہتے ہیں کہ بعض کے مطابق یہ زمین سے چیرا ہوا ہے اس وجہ سے اسے بحر کہتے ہیں کیونکہ بحر چیرنے کے معنی میں بھی مستعمل ہے جیسے بحیرہ اس جانور کو کہا جاتا ہے جس کا کان چیرا ہوا ہو۔

انہی میں امام ابن جریر الطبری کا منقول شعر ذکر کروں گا۔

ابن العلم واهله ما ارى العلم الا فى الكتاب او تحت تراب
کہاں گیا علم اور صاحب علم ہائے اب علم تو صرف کتاب میں ہے
یا مٹی کے نیچے صاحب علم کے ساتھ مدفون ہو گیا ہے۔

رکوع کی رکعت

اور شاہ صاحب کا موقف از بدیع التفسیر

الحمد لله رب العالمين والصلاة والسلام على سيد المرسلين وبعد!

زمانہ ماضی سے آج تک مسئلہ مدرک الركوع مختلف فیہ رہا ہے، جس میں علماء کے دو گروہ ہیں۔ میں اس مسئلہ میں شیخ العرب والعجم کے موقف کو قارئین کے سامنے رکھنا چاہتا ہوں۔ ان سے اس بارے میں جو منقول ہے اس کا ترجمہ کرنے کی کوشش کروں گا اللہ تعالیٰ اس سعی کو میرے لیے اور تمام قارئین کے لئے ذریعہ ہدایت بنائے۔ (آمین)

جو آدمی رکوع کی حالت میں جماعت سے ملتا ہے اس کی رکعت شمار نہ ہوگی اس لئے کہ قرآنہ فرض ہے، اور قرآنہ الفاتحہ کے بغیر نماز نہیں ہوتی۔

جیسا کہ حدیث میں ذکر ہے اسی طرح قیام بھی فرض ہے۔ اور قیام کے فرض ہونے میں کسی قسم کا اختلاف نہیں ہے جیسا کہ تمام فقہاء متفق ہیں کہ قیام کے فرض اور رکن ہونے میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ اس لئے رکوع میں ملنے والے کے دو اہم رکن رہ جاتے ہیں تو پھر اس کی رکعت کیسے ہوگی۔ اور یہ بھی اتفاقی مسئلہ ہے کہ جس رکعت میں ارکان مکمل نہ ہوں وہ رکعت نہیں ہوتی اس لئے یہ رکعت شمار نہ ہوگی۔ اس لئے کہ احادیث سے یہ واضح ہوتا ہے کہ (الحمد لله) یعنی سورۃ فاتحہ کے بغیر نماز نہیں ہوتی۔ تو پھر رکوع میں ملنے والے کی نماز الحمد لله سے خالی ہے اس لئے یہ درست نہیں ہے۔ اور تقسیم الصلاة والی حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ نماز رب العالمین اور بندے کے درمیان تقسیم کی جاتی ہے تو یہ نماز اور نمازی کے لئے بڑی شان کی بات ہے۔ حالانکہ اس حدیث میں تقسیم فقط سورۃ فاتحہ کی کی جارہی ہے نہ کہ رکوع، سجدہ، قیام یا جلسے کو تقسیم کیا جا رہا ہے تو پھر جو آدمی رکوع میں آ کر ملتا ہے تو اس کی نماز کا کون سا حصہ تقسیم کیا جاتا ہے۔ تقسیم ہونے والی چیز تو

☆ فاضل مدینہ یونیورسٹی سعودیہ عرب، استاذ جامعہ ابی بکر الاسلامیہ کراچی، معروف خطیب۔

فوت ہوگئی؟ تو پھر رکعت کیسے ہوگی اس لئے اس رکعت کو نماز بھی نہیں کہہ سکتے۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے جزء القراءة میں امام ابن حزم نے الحکمى ۳/۲۳۳ میں اور امام شوکانی نے نیل الاوطار ۲/۱۱۳ میں اس پر سیر حاصل بحث کی ہے۔

امام بخاری جزء القراءة ص ۲۰ طبع دہلی میں فرماتے ہیں:

وقال ابو قتادة والنس وابو هريرة رضى الله عنهم عن النبي صلى الله عليه وسلم اذا اتيتم الصلاة فما ادر كنتم فصلوا وما فاتكم فاتموا فمن فاته فرض القراءة والقيام فعليه اتمامه كما امر النبي صلى الله عليه وسلم.

یعنی تین صحابہ کرام ابوقتادہ، انس اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہم سے روایت کرتے ہیں کہ جب نماز کے لئے آؤ نماز کا جو حصہ پاؤ اسے پڑھ لو اور جو حصہ فوت ہو جائے اسے مکمل کرلو۔ اس لئے جس سے قراءۃ و قیام جیسے اہم فرض چھوٹ جائیں اس کو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے مطابق مکمل کرنا ہے۔ اس کے بعد امام بخاری نے تینوں صحابہ کرام سے سندوں کے ساتھ ان کی روایتیں بیان کی ہیں۔ اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت تو صحاح ستہ اور مسند احمد میں بھی مروی ہے (الجامع الصغیر للسيوطی ۱/۱۹) اور انس رضی اللہ عنہ کی ایک روایت میں امام صاحب یہ الفاظ لائے ہیں: فليصل ما ادرک وليقض ما سبقه یعنی نماز کو جو طے وہ امام کے ساتھ پڑھ لے اور جو اس سے رہ جائے اس کو قضا کر لے۔ اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی ایک روایت میں یہ بھی الفاظ ہیں:

ما ادر كنتم فصلوا وما فاتكم فاقضوا اور دوسری روایت میں ہے کہ: فما ادر كه فليصل وما سبقه فليقض اس کا مطلب یہ ہے کہ مسبوق سے پہلے جو کچھ پڑھا جا چکا ہے اس کے لئے اس کی قضا دینا ضروری ہوگی پھر جس صورت میں بھی رکوع سے طے والے کے دو فرض رہ گئے ہوں اس حکم کے مطابق اس کو یہ رکعت قضا کرنی ہوگی۔ اس لئے صرف قیام اور قراءۃ کرنے کے بعد سلام نہیں پھیرے گا اس کو نماز نہیں کہیں گے اس لئے کہ اس بندے کو مکمل رکعت دوبارہ پڑھنی ہوگی۔

کتاب الاعتبار للحامی ص ۷۷ طبع منیر یہ اور ص ۱۰۵ طبع ہند میں معاذ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اذا جاء احدكم وقد سبق بشئ من الصلاة فليصل مع الامام بصلاته فاذا فرغ الامام

فليقض ما سبقه

جب آپ میں سے کوئی بھی نماز کے لئے آئے اور اس سے پہلے کوئی چیز گزر چکی ہو تو اس کو امام کے ساتھ نماز پڑھنی چاہیے اور جب امام نماز سے فارغ ہو جائے تو بقیہ پہلے جو رہ گئی ہو اس کو مکمل کر لے۔ یہ حدیث بھی اپنے مطلب میں واضح ہے اس لئے رکوع میں پہنچنے والے کے لئے یہ حکم ہے کہ وہ امام کے ساتھ نماز مکمل کر لے اور بعد میں جو چیز اس سے رہ گئی ہے اس کو قضا کر لے۔ جو لوگ رکوع میں ملنے والے کی رکعت کو صحیح کہتے ہیں ان کے پاس کوئی بھی صریح یا صحیح حدیث نہیں ہے جو کہ فاتحہ کی فرضیت کا مقابلہ کرے یا رکوع میں ملنے کی رکعت کو اس حکم سے خاص یا اس کو مستثنیٰ کر سکے۔ اس لحاظ سے مخالف حضرات کی دلیلیں یا تو صحیح نہیں ہیں یا صریح نہیں ہیں۔ اب میں جو مدرک الرکوع کی دلیلیں ہیں ان کو پیش کر کے ان کی حقیقت کو بیان کرتا ہوں۔

پہلی دلیل:

بخاری ۱۰۸/۱ میں ہے کہ:

عن ابی بکرۃ انه انتہی الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم وهو راکع فَرَکع قبل ان یصل

الی الصف فذكر ذلك للنبي صلى الله عليه وسلم فقال زادك الله حرصا ولا تعد

یعنی ابوبکرؓ (نفع بن الحارث) سے روایت ہے کہ وہ جماعت میں اس وقت پہنچے جس وقت

رسول اکرم ﷺ رکوع کی حالت میں تھے تو اس نے صف میں داخل ہونے سے پہلے ہی رکوع کر لیا تو یہ بات

جب رسول اکرم ﷺ سے ذکر کی گئی تو آپ نے فرمایا اللہ آپ کی حرص کو بڑھائے دوبارہ ایسے نہ کرنا۔

جواب: اولاً اس روایت کا اس مسئلہ سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ بلکہ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ

صف میں داخل ہونے کے بعد نماز شروع کرنی چاہیے۔ جماعت جس حالت میں بھی ہو اس سے پہلے نماز

شروع کرنا صحیح نہیں ہے۔ اس لیے امام بخاری نے اس حدیث پر یہ باب باندھا ہے۔ ”اذا رُکع دون الصف“

یعنی باب اس مسئلہ کے بیان میں کہ اگر کوئی شخص صف میں داخل ہونے سے پہلے رکوع کر لے تو یہ جائز ہے کہ

نہیں۔ نیز امام موصوف نے جزء القراءة ص ۷ طبع دہلی میں یہ روایت بیان کر کے پھر فرمایا ہے کہ فلیس لأحد ان يعود لما نهى النبي صلى الله عليه وسلم عنه یعنی جس عمل کو رسول اکرم ﷺ نے منع کیا ہے اس کو دوبارہ کرنے کا کسی کو بھی حق نہیں ہے۔ اسی طرح یہ روایت مسند احمد ۵/۲۵۱ میں ان الفاظ کے ساتھ ہے کہ: من هذا الذي ركع ثم مشى إلى الصف فقال ابو بكره انا فقال النبي صلى الله عليه وسلم زادك الله حرصا ولا تعد یعنی رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ یہ کون شخص تھا جو رکوع کر کے پھر چلتا ہوا صف میں آ کر ملا ابو بکرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں تھا آپ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تیری حرص کو بڑھائے دوبارہ ایسے نہ کرنا۔

اس حدیث نے مزید وضاحت بیان کر دی ہے کہ صف سے پہلے رکوع کرنے سے منع کیا گیا ہے۔ ثانیاً: اس روایت سے دلیل لینے والے کہتے ہیں کہ اس کو آپ نے رکعت لوٹانے کا حکم نہیں دیا تھا۔ حالانکہ اس قسم کی کوئی بات بھی حدیث میں موجود نہیں اور اس کی نسبت رسول اکرم ﷺ کی طرف کرتا بھی جائز نہیں ہے۔ اس لئے کہ کسی روایت میں کسی چیز کا ذکر نہ ہونا اس کے نہ کرنے کے لئے دلیل نہیں ہوتی بلکہ قاعدہ یہ ہے کہ عدم العلم لیس علما بالعدم یعنی چیز کے ہونے کے متعلق اگر علم نہ ہو تو اس صورت میں یہ نہیں کہیں گے کہ ہمیں معلوم ہوا ہے کہ یہ چیز ہے ہی نہیں اس لئے فقط گمان کی وجہ سے دلیل دینا درست نہیں ہے۔ اگر حسن ظن سے ہی دلیل لینی ہے تو پھر گمان یہ رکھنا چاہیے جو آپ ﷺ کی سنت کے مطابق ہو۔ جبکہ بے شمار احادیث سے ثابت ہوا ہے کہ سورۃ فاتحہ کے بغیر کوئی بھی نماز نہیں ہے بلکہ مسند احمد ۵/۷۸ میں تو یہ الفاظ ہیں کہ:

لا تقبل صلاة لا يقرأ فيها بأم القرآن: یہ روایت جزء القراءة للبيهقي ص ۵۳ میں بھی ہے۔ یعنی جس نماز میں سورۃ فاتحہ نہیں پڑھی جائے گی وہ اللہ کے ہاں قبول نہ ہوگی۔ اس لئے یہ گمان رکھنا کہ آپ ﷺ نے اس کو رکعت لوٹانے کے لئے نہیں کہا ہوگا یہ ظن ہے یا آپ کے شان و مرتبے کے خلاف ہے۔ بلکہ یہ گمان رکھنا ہوگا کہ آپ نے اس کو رکعت لوٹانے کا حکم دیا ہوگا۔ اس لئے کہ آپ کا یہی فیصلہ ہے کہ سورۃ فاتحہ کے علاوہ نماز نہیں ہوتی۔

ثالثاً: رابعاً: مدینے شہر میں اعلان کیا گیا تھا کہ سورہ فاتحہ کے بغیر نماز نہیں ہوتی اس لئے اس اعلان کو سننے کے بعد یہ ناممکن ہے کہ کوئی بھی صحابی یہ رکعت نہ لوٹائے جس میں الحمد نہ پڑھی ہو۔

مترجم: یہ حدیث ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی ہے: جیسا کہ امام بیہقی نے کتاب القراءۃ ص ۱۷ میں ذکر کی ہے کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ مدینہ شہر میں اعلان کر دیں کہ سورہ فاتحہ کے بغیر کوئی نماز نہیں ہوتی۔ اسی طرح یہ روایت جامع المسانید الامام اعظم ۳۰۸/۱ میں بھی موجود ہے۔

عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ قال نادى نادى رسول الله صلى الله عليه وسلم بالمدينة لا صلاة إلا بقراءة ولو بفاتحة الكتاب

خامساً: اس روایت کو دلیل بنانے کے لئے پہلے دو باتیں ثابت کرنی ہوں گی، ورنہ دلیل ناقص ہوگی۔ صرف یہ ضروری نہ ہوگا کہ صحابی رکوع میں آ کے ملے بلکہ دوسری باتیں بھی ضروری ہیں۔ ایک تو یہ کہ اس روایت کو دلیل بنانے والوں کو چاہیے کہ وہ ثابت کریں کہ اس صحابی (ابو بکرہ رضی اللہ عنہ) نے رکوع والی رکعت کو نہیں لوٹایا تو اس کا ثبوت کسی حدیث سے نہیں ملتا۔ بلکہ جب صحابہ کرام کو عام منادی سے معلوم ہوا کہ الحمد للہ نماز کے لئے بہت ضروری ہے تو اس کے بغیر نماز نہیں ہوگی۔ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم یہ بھی سن چکے تھے کہ جو نماز کا حصہ رہ جائے اس کو مکمل کر لیا جائے۔ تو پھر صحابی نے کیسے رکوع میں پہنچنے والی رکعت کو شمار کیا یا اس کو نہیں لوٹایا یہ بات عقلاً محال ہے۔

جب یہ بات ثابت کر لیں کہ واقعی اس نے یہ رکعت نہیں لوٹائی تو پھر دوسری بات ثابت کرنی ہوگی کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خبر پہنچی ہو کہ ابو بکرہ نے رکوع والی رکعت نہیں لوٹائی۔ اور آپ نے اس کو لوٹانے کا حکم نہیں دیا۔ تو یہ اس قسم کا ثبوت دینے کے لئے آپ کی دلیل ناقص ہوگی۔ اور یہ دونوں باتیں جو میں نے پیش کیں قیامت تک ان کا کوئی توڑ پیش نہیں کر سکتا۔ اس لئے اس سے دلیل لینا صحیح نہیں ہے۔

امام بخاری جزء القراءۃ ص ۱۷ میں فرماتے ہیں:

ليس في جوابه أنه اعتد بالركوع عن القيام والقيام فرض في الكتاب والسنة
یعنی ابو بکر کی روایت میں جو سوال جواب ہوا اس میں رکوع کو قیام کے بغیر شمار کیا گیا ہو۔ حالانکہ

قیام قرآن اور حدیث دونوں کے مطابق فرض ہے۔

سادساً: رسول اکرم ﷺ کا ابوبکرہ کو لاتعد کہنا خود رکعت لوٹانے کے حکم میں ہے۔ اس لئے کہ انہوں نے ایک باطل کام کیا تھا اسی لئے آپ نے دوبارہ کرنے سے منع کیا تھا۔ اس لئے باطل کام والی رکعت دوبارہ لوٹانی ضروری ہوگی۔

سابعاً: یہی حدیث امام بخاری جزء القراءة ص ۲۲ طبع دہلی میں لائے ہیں اس میں یہ الفاظ ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے ابوبکرہ کو فرمایا کہ:

زادک الله حرصاً ولا تعدصل ما ادرکت واقض ما سبق

اللہ آپ کی حرص کو بڑھائے دوبارہ ایسے نہ کرنا جو نماز مل جائے اس کو پڑھ لو جو رہ جائے اس کو دوبارہ پڑھ لو۔ یہ روایت طبرانی میں بھی ہے۔ (مجمع الزوائد ۷/۷۶)

اگرچہ اس کی سند میں راوی عبداللہ بن عیسیٰ ابو خلف الخزاز ضعیف ہے لیکن دوبارہ قضا کرنے کا حکم تو کئی روایتوں میں گزر گیا ہے۔ اس لیے تائید کے طور پر یہی روایت کافی ہے۔

علامہ ظفر احمد عثمانی حنفی انہاء السکن ص ۲۷ میں لکھتے ہیں کہ المضعیف يصلح للتقوية. ضعیف روایت شاہد (گواہی) اور متابعت میں تقویت کی صلاحیت رکھتی ہے۔ اس لیے حافظ ابن حجر فتح الباری، ۲۶۸ میں اس کو ذکر کیا ہے اور مقدمہ فتح الباری ص ۴ میں یہ شرط رکھی ہے کہ جو حدیث ذکر کریں گے وہ صحیح یا حسن ہوگی۔ اس لیے اس روایت سے مزید واضح ہو گیا کہ خود ابوبکرہ والی روایت میں بھی رکعت لوٹانے کا حکم ہے۔ اس لئے یہ ثابت ہوا کہ رکوع میں ملنے والے کی رکعت قابل قبول نہیں ہے۔

ثامناً: اس واقعہ میں ایسی کسی بات کا ذکر نہیں ہے کہ ابوبکرہ پہلی رکعت میں پہنچے تھے۔ یا دوسری رکعت میں پہنچے تھے۔ دونوں احتمال ہو سکتے ہیں۔ پھر اسی بناء پر آپ کے استدلال کا فائدہ حاصل کر کے اگر کوئی کہے کہ اگر دوسری رکعت میں مسبوق پہنچا ہے تو اس کو پہلی رکعت لوٹانے کی ضرورت نہیں ہے اس لیے کہ اس روایت میں لوٹانے کا حکم نہیں ہے۔ اس لیے دوسری خواہ تیسری رکعت میں پہنچا ہے تب بھی اس کی نماز

ہو جائے گی۔ اور اگر آپ یہ کہیں گے کہ اس کے لئے الگ حکم موجود ہے۔ تو پھر یہ بھی مانیں کہ الحمد کے علاوہ نماز نہیں ہوتی۔ اور قیام فرض ہے۔ اور اگر کہیں گے کہ اس حالت میں ہے کہ اس کی ساری رکعت چلی گئی ہے تو پھر یہی جواب ہمارا بھی ہوگا اس لیے کہ ادھوری رکعت جس کے دو رکن رہ جائیں وہ رکعت نہیں ہوتی۔

تاسعاً: اگر ہم سب ذکر کیے گئے خدشات سے صرف نظر کرتے ہوئے اس مسئلے سے اس کا تعلق تسلیم بھی کر لیں تو یہ روایت رکعت لوٹانے یا نہ لوٹانے دونوں طرح سے خاموش ہے۔ اس لیے اس سے کوئی بھی دلیل نہیں لے سکتا۔

اب رکوع کی رکعت کو صحیح ثابت کرنے والوں کے لئے صحیح دلیل تلاش کرنی ہوگی، جس کا ملنا محال ہے۔ اور رکعت کو درست نہ کہنے والوں کے لئے بہت ساری دلیلیں ہیں۔

عاشرأ: بلکہ یہ روایت اس مسئلے میں مجمل اور متشابہ ہے اس لیے صحیح حدیثوں کے محکم اور فاتحہ کے متعلق صریح ہے۔ اس لیے کہ روایتوں کو اس روایت کی وجہ سے چھوڑا نہیں جاسکتا۔

حافظ ابن قیم اعلام الموقعین ۲/۳۴۱ طبع مصر میں اس روایت کے متعلق فرماتے ہیں کہ:

”فہی اذا مجملۃ متشابہۃ فلا یترک لها النص المحکم الصریح“

دوسری دلیل:

ابوداؤد ص ۱۲۹ میں سے پیش کرتے ہیں:

حدثنا محمد بن یحیی بن فارس ان سعید بن الحکم حدثهم ان نافع بن یزید حدثنی یحیی بن ابی سلیمان عن زید بن ابی العتاب وابن المقبری عن ابی ہریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا جئتم إلى الصلوۃ ونحن سجود فاسجدوا ولا تعدوها شیئاً ومن ادرك الركعة فقد ادرك الصلاة ابوداؤد ص ۱۲۹

جناب ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آپ جب نماز کے لئے آئیں اور ہم سجدے میں ہوں تو آپ بھی سجدہ میں شامل ہو جائیں اور اس کو کچھ بھی شمار نہ کیا جائے مگر جو رکعت کو پہنچا

وہ نماز کو پہنچا۔

الجواب: یہ روایت ضعیف ہے امام بخاری جزء القراءة میں فرماتے ہیں۔

ويحيى هذا منكر الحديث روى عنه ابو سعيد مولى بن هاشم وعبدالله بن رجاء البصرى منا كبير ولم يتبين سماعه عن زيد ولا من ابن المقبرى ولا يقوم به الحجة اس کی سند میں راوی یحییٰ بن ابی سلیمان منکر الحدیث ہے۔ (معتبر ثقہ راویوں کی مخالفت میں ضعیف روایتیں لاتا تھا) ابوسعید بنی ہاشم اور عبد اللہ بن رجاء بصری منکر روایتیں لاتے ہیں یعنی صحیح روایات کے خلاف اس لئے ان کی روایت سے دلیل قائم نہ ہوگی۔

اور امام بخاری اس راوی کو منکر الحدیث کہتے ہیں جس کی روایت لینا حرام ہوتی۔

(تدریب الراوی ص ۱۷۷ السیوطی)

تیسری دلیل:

ابن وہب کے طریقے سے مروی ہے

أخبرني يحيى بن حميد عن قرة بن عبد الرحمن عن ابن شهاب قال أخبرني ابوسلمة بن عبد الرحمن عن أبي هريرة أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال من ادرك ركعة من الصلوة فقد أدرکها قبل ان يقيم الإمام صلبه سنن الكبرى (۲ ص ۸۹)

یعنی ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص نماز کی رکعت کو پہنچا قبل اس کے کہ امام اپنی پیٹھ سیدھی کرے تو وہ نماز کو پہنچا۔

الجواب: یہ روایت بالکل ضعیف ہے اولاً اس لئے کہ یحییٰ بن حمید جس کے لئے میزان الاعتدال

ج ۳ ص ۲۸۵ میں ہے کہ قال البخاری لا يتابع في حديثه وضعفه الدار قطنی یعنی امام بخاری کہتے ہیں کہ اس کی روایت نقل کرنے میں کوئی معتبر راوی اس کی موافقت نہیں کرتا اور اسے دارقطنی نے ضعیف کہا ہے اور امام عقیلی نے کتاب الضعفاء ۱۲/۲ قلمی میں ذکر کیا ہے۔

قال رسول الله ﷺ

إِنَّ اللَّهَ إِذَا أَحَبَّ عَبْدًا، دَعَا جَبْرِيلَ
فَقَالَ: اِنِّى يُحِبُّ فَلَانًا فَأَحْبُوهُ
فِيحِبُّهُ أَهْلُ السَّمَاءِ، قَالَ: ثُمَّ يُوَضَّعُ
لَهُ الْقَبُولُ فِي الْأَرْضِ
(صحیح مسلم)

انسٹریوٹ

سید بدیع الدین شاہ راشدی رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی صحابہ کرام جیسی تھی

**جمعیت اہلحدیث سندھ کے امیر پروفیسر عبداللہ ناصر
الرحمانی سے شاہ صاحب کے متعلق ایک خصوصی انٹرویو**

سوال: آپ نے سید بدیع الدین شاہ راشدی رحمۃ اللہ علیہ کا تذکرہ کیا ہے، ان کے ساتھ آپ نے طویل عرصہ تک کام کیا۔ آپ یہ فرمائیں کہ شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ مرحوم کو آپ نے بحیثیت ایک عام انسان کے کیسا پایا؟

جواب: اس سوال کا جواب بڑا وسیع ہے، جس پر کتابیں لکھی جاسکتی ہیں۔ اس میں مبالغہ نہیں، میں سمجھتا ہوں کہ شاہ صاحب کی زندگی صحابہ کرام رحمۃ اللہ علیہ جیسی تھی علم کے لحاظ سے، عمل کے لحاظ سے اخلاص کے لحاظ سے، تقویٰ کے لحاظ سے اور ایک معاشرتی تعلق کے لحاظ سے وہ ایک منفرد انسان تھے۔ ان کی شخصیت ہمہ پہلو تھی۔ مجھے سمجھ نہیں آرہی کہ میں کہاں سے شروع کروں۔ اس دوران کے کام ہیں اور ان کی شخصیت کی اس قدر جہتیں ہیں کہ ان کا احاطہ کرنا ممکن نہیں۔۔۔ مجھے یہ شرف حاصل ہے کہ ۱۹۸۳ء کے بعد شاہ صاحب کی دعوتی سرگرمیوں میں سے اکثر میں شریک رہا ہوں۔ سفر کے دوران شاہ صاحب اکثر تلاوت کیا کرتے تھے۔ وہ قرآن پاک کے حافظ تھے اور انہوں نے صرف تین ماہ میں قرآن پاک یاد کر لیا تھا۔ ان کی منزل بڑی پختہ تھی۔ سفر کے دوران محسوس ہوتا کہ ا۔ ل۔ م سے انہوں نے شروع کیا ہے۔ وہ قرآن پاک کو دوران سفر ہلکی ہلکی آواز کے ساتھ پڑھا کرتے تھے۔ نہ بہت بلند اور نہ ہی زیر لب۔ دو تین دن بعد ہم دیکھتے کہ شاہ صاحب آخری سورتیں تلاوت کر رہے ہوتے تھے۔۔۔ عوام الناس کے ساتھ بالعموم اور اہل حدیثوں کے ساتھ بالخصوص انہیں بڑی محبت اور پیار تھا۔ وہ علم کا حقیقی معنوں میں سمندر تھے۔ بسا اوقات ایسا ہوتا کہ وہ تقریر کے

لیے مانگ پر آئے اور پوچھتے بھی کس موضوع پر بولنا ہے۔ لوگ بتاتے اور شاہ صاحب شروع ہو جاتے اور پھر قرآن وحدیث کے دلائل کی بارش کر دیتے۔ میں نے بڑے بڑے علماء کی تقریر سنی ہیں، ان کی پانچ چھ تقریر کو جمع کریں تو ان میں بہت تکرار ہوتا ہے مگر شاہ صاحب کے ہاں تکرار نہ تھی، وہ فی البدیہہ بولتے چلے جاتے اور دلائل کے انبار لگاتے چلے جاتے تھے۔ وہ نئے نئے نقاط اور نئے نئے خیالات پیش کرتے تھے۔ سفر وحضر کے دوران میں وہ کبھی تہجد نہیں چھوڑتے تھے، وہ چاہے کتنے تھکے ہوں، کتنی دیر سے سوئے ہوں، تہجد کے وقت ان کی آنکھ کھل جاتی اور وہ بستر سے چھلانگ لگا کر اٹھ کھڑے ہوتے۔ بعض اوقات اگر زیادہ دیر ہو جاتی تو وہ تہجد پڑھ کر تھوڑی دیر آرام کرتے اور پھر نماز فجر کے لیے اٹھ کھڑے ہوتے۔ کئی بار ایسے بھی ہوا کہ تقریر دیر سے ختم ہوئی اور کسی دوسری جگہ پہنچنا ہے تو اللہ کے رسول ﷺ کی سنت کے مطابق سواری پر بی تہجد پڑھ لیا کرتے۔ سنت پر عمل کرنے کے معاملے میں میں نے شاہ صاحب کی نظیر نہیں دیکھی۔ ان کی پوری زندگی حقیقی معنوں میں قرآن وسنت کے تابع تھی۔

سوال: شاہ صاحب مرحوم سے وابستہ کوئی ایسا واقعہ جو آپ فراموش نہ کر پائے ہوں؟

جواب: واقعات تو بے شمار ہیں۔ ایک بار لاڑکانہ میں ایک جلسہ تھا۔ جس علاقہ میں جلسہ تھا وہاں مقامی لوگ بہت کم تھے اور جلسہ گاہ کے سامنے دیوبندی حضرات کا ایک مدرسہ تھا۔ دیوبندی بھائی بھی جلسہ گاہ میں آ بیٹھے۔ شاہ صاحب کی تقریر ابھی شروع ہوئی ہی تھی، کہ ان کے رقعے آنا شروع ہو گئے۔ ہم جمع کرتے رہے کہ شاہ صاحب تقریر سے فارغ ہوں گے تو ان کے جواب دیں گے، لیکن وہ ہر دو منٹ بعد رقعہ بھیج دیتے کہ آپ جواب کیوں نہیں دیتے۔ اس کا مطلب یہ کہ آپ کو جواب دینا نہیں آتا۔ مجھے یاد ہے کہ ان کا ایک سوال پر بڑا اصرار تھا کہ قادیانیوں کے بارے میں آپ کا کیا موقف ہے۔ وہ بار بار یہی رقعہ بھیج رہے تھے کہ آپ جواب کیوں نہیں دے رہے لگتا ہے آپ اندرون خانہ ان سے ملے ہوئے ہیں۔ بالآخر ہم نے رقعہ شاہ صاحب تک پہنچا دیا۔ شاہ صاحب جس موضوع پر تقریر کر رہے تھے، اسے وہیں انہوں نے چھوڑا اور کہا کہ قادیانیوں کا جو فتنہ ہے وہ تو ہے ہی، جس سے کسی مسلمان کو انکار نہیں لیکن میرے خیال میں اجرائے نبوت کا دروازہ کھولنے والے مقلدین ہیں، اس لیے کہ آپ کا موقف یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ کی بات کے بعد کسی

اور کی بات بھی حجت اور دلیل ہے، اس لیے آپ آئمہ کرام کی تقلید کرتے ہیں اور قادیانیوں کا عقیدہ یہ ہے کہ نبی پاک ﷺ کی ذات کے بعد کوئی اور ذات ان کی جگہ لے سکتی ہے۔ وہ ذات کے بعد دوسری ذات کو ماننے ہیں اور آپ لوگ نبی اکرم ﷺ کی بات کے بعد دوسری بات کو ماننے ہیں لہذا کوئی خاص فرق نہیں ہوا۔ پھر آپ نے ایسے ایسے دلائل دیئے کہ عقل دنگ رہ گئی ادھر سے لگ بھگ چار سو کے قریب مختلف سوالات آئے لیکن شاہ صاحب نے ہمت نہیں ہاری حتیٰ کہ پولیس کو مداخلت کرنا پڑی اور پولیس افسران بھی کہہ اٹھے کہ حق واضح ہو چکا ہے۔ فریق مخالف خواہ خواہ ضد کر رہا ہے۔ ایک بار شاہ صاحب حیدر آباد میں تقریر کر رہے تھے کہ کسی نے رقعہ بھیج دیا کہ آپ اپنی نماز صرف بخاری شریف سے ثابت کریں اور آفرین ہے شاہ صاحب پر کہ انہوں نے تکبیر تحریر سے لے کے سلام پھیرنے تک مسلک اہلحدیث کے مطابق پوری نماز بخاری شریف کے حوالوں سے ثابت کی۔ ان کی قوت حافظہ اور بروقت استشہاد اور دلائل کا استحضار اللہ تعالیٰ نے شاہ صاحب کو بدرجہ اتم عطا فرمایا تھا۔ ایک دفعہ ایک ساتھی نے شاہ صاحب کو اپنے گاؤں میں تقریر کی دعوت دی۔ اس گاؤں میں اس کا اکیلا ہی گھر تھا۔ باقی سب بریلوی تھے۔ اس ساتھی نے شاہ صاحب کے بارے میں گاؤں کے لوگوں کو بتایا تو انہوں نے کہا کہ ان کی تقریر کرائی جائے۔ شاہ صاحب اس کے ہمراہ دور دراز کے علاقے میں کچھ بس پر اور کچھ پیدل سفر کر کے پہنچے تو مسجد کے خطیب اور امام نے شاہ صاحب کو تقریر کی اجازت دینے سے انکار کر دیا۔ وہ ساتھی شرمندگی کے عالم میں شاہ صاحب کے پاس آیا کہ تقریر نہیں ہو سکتی لوگوں نے انکار کر دیا ہے۔ شاہ صاحب نے کہا کہ میں تو تقریر کر کے جاؤں گا۔ اب اتنا سفر کیا ہے تو دعوت تو دینا ہی ہوگی اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ آپ مجھے اپنے گھر کی چھت پر لے چلیں مجھے چار پائی پر بٹھادیں اور آپ سامع کی حیثیت سے خود سامنے بیٹھ جائیں۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ شاہ صاحب نے تقریر شروع کر دی۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو بڑی بھاری اور خوبصورت آواز دی تھی۔ پوری بستی میں ان کی آواز گونجنے لگی۔ رات کے سناٹے میں جب لوگوں نے آپ کی آواز سنی تو ایک ایک کر کے لوگ آتے گئے اور تھوڑی دیر بعد ان کے سامنے جمع لگ گیا۔ ان کی تقریر اتنی موثر تھی کہ جلد ہی پورا گاؤں اہلحدیث ہو گیا۔ ایک بار ہم ہالا سے آگے لقمان نامی ایک گاؤں میں گئے، سعید آباد (شاہ صاحب کا گاؤں) سے یہ ۲۵-۳۰ کلومیٹر کے فاصلے پر

ہے۔ وہاں ساتھیوں نے بتایا کہ شاہ صاحب یہاں پیدل آیا کرتے تھے اور ایک بار نہیں کئی بار وہ پیدل وہاں گئے۔ علاوہ ازیں آپ ﷺ میں ایفائے عہد کی خوبی بھی تھی۔ چنانچہ جسے جو تاریخ دے دی اسے لازماً بھاتے تھے، بعض اوقات کسی مقام کے چوہدری خصلت آدمی اس تاریخ کی جگہ اپنی تاریخ مقرر کروانے کا اصرار کرتے تو شاہ صاحب معذرت ہی فرمایا کرتے تھے، جسے پہلے وقت دیا ہے اس کا حق ہے۔ تبدیلی کا امکان بالکل معدوم ہے۔

☆ شاہ صاحب مرحوم وعدہ اس قدر وفا فرماتے کہ بعض اوقات وفائے عہد کی راہ میں بڑے معقول عذر حائل ہو رہے ہوتے مگر آپ متبادل انتظام کر کے ضرور پہنچ جاتے۔ ایک دفعہ حیدر آباد کسی پروگرام پر شرکت کا وعدہ فرمایا، پروگرام والے دن شاہ صاحب کراچی میں تھے، چنانچہ پروگرام میں شرکت کے لئے کراچی سے براستہ سپر ہائی وے روانہ ہوئے، آگے چل کر معلوم ہوا کہ ٹرک ڈرائیوروں نے ہڑتال کر کے سپر ہائی وے بلاک کر دی ہے، اب پیچھے سے بھی کافی ٹریفک آچکی ہے، آگے بھی راستہ بند ہے ٹریفک گھنٹوں بند رہی ایک معقول جواز ہاتھ آچکا ہے مگر شاہ صاحب مرحوم بڑی مشکل سے اس ہجوم سے نکل کر واپس کراچی تشریف لائے اور براستہ نیشنل ہائی وے حیدر آباد تشریف لے گئے اور پروگرام میں شرکت فرمائی۔

☆ ایک دفعہ شاہ صاحب مرحوم نے حیدر آباد لیاقت کالونی کے مدرسہ میں سالانہ تقریب میں شرکت کا وعدہ فرمایا۔ پروگرام کے روز آپ نے نیو سعید آباد سے وہاں پہنچنا تھا، مگر اچانک پورے سندھ میں ہڑتال کا اعلان کر دیا گیا۔ پبلک ٹرانسپورٹ بالکل بند تھی۔ ہڑتال سب کے علم میں تھی، معقول عذر موجود تھا مگر شاہ صاحب مرحوم ایفائے عہد کے جذبہ کے تحت ایک ٹرک ڈرائیور سے لفٹ لے کر پروگرام میں پہنچ گئے۔ جزاء اللہ خیر ارضی عنہ۔

☆ ایک دفعہ کراچی کے ہوٹل انٹرکانٹی نینٹل میں نادر کتب اور مخطوطات کی نمائش تھی شاہ صاحب مرحوم کو بھی اپنی کتب و مخطوطات کے ساتھ شرکت کی دعوت دی گئی جسے آپ نے قبول فرمایا، اتفاق سے انہی تین دنوں میں جمعیت اہل حدیث سندھ کے زیر اہتمام تین روزہ سالانہ کانفرنس تھی جس کی صدارت امیر جمعیت ہونے کے تعلق سے آپ فرمایا کرتے تھے یہاں بھی شرکت ضروری تھی اور

وہاں بھی وعدہ کر رکھا تھا چنانچہ شاہ صاحب مرحوم تینوں روز صبح صبح سعید آباد سے کراچی روانہ ہو جاتے۔ نمائش میں شرکت فرماتے اور رات کو نینو سعید آباد تشریف لا کر کانفرنس کی صدارت فرماتے۔ میرے شیخ کی داعیانہ زندگی میں ایسے عہد کی ایسی بہت سی مثالیں ملتی ہیں۔ اس طرح شاہ صاحب سے متعلق بے شمار واقعات ہیں جو ناقابل فراموش تھے۔

سوال: عام کارکنوں کے ساتھ ان کا رویہ کیسے ہوا کرتا تھا؟

جواب: آپ اگر کبھی شاہ صاحب سے ملے ہوں تو آپ کو اندازہ ہوگا کہ وہ کس طرح گرم جوشی اور محبت سے ایک عام کارکن کو بھی ملتے تھے۔ قلت وسائل کے باوجود ان کا دسترخوان بڑا وسیع تھا۔ ایک وقت میں ان کے گھر سے پچاس پچاس، سو سو مہمانوں کا کھانا پک کر آرہا ہوتا، مہمانوں کی ضیافت کرتا، ان کے مسائل کو سننا اور پھر ان کو حل کرنے کی کوشش وہ اپنی مقدور بھر کرتے تھے۔ وہ کئی بار سعید آباد سے کسی عام کارکن کے ساتھ کراچی آتے اور آ کر کہتے کہ میں ان کے ساتھ کام سے آیا ہوں فلاں صاحب کے ساتھ مل کر ان کا مسئلہ حل کرائیں۔ ہم نے کئی بار ان سے کہا کہ آپ صرف پیغام بھیج دیا کریں۔ یا رقعہ دے دیا کریں خود تکلیف نہ کیا کریں مگر وہ ہر بار خود آتے اور معمولی سے کام کے لئے دو دو تین تین دن یہاں رہتے۔ جب تک کام مکمل نہ ہو جاتا واپس نہ جاتے۔ ادنیٰ سے ادنیٰ کارکن کے ساتھ بھی ان کا رویہ مثالی ہوتا۔ شاہ صاحب نے دعوتی سلسلہ شروع کیا تو اس وقت پورے اندرون سندھ میں صرف دو تین مساجد تھیں۔ شاہ صاحب نے اپنی زندگی میں سو کے لگ بھگ کویت کے تعاون سے اور پانچ سو کے لگ بھگ اپنی کوششوں سے مساجد تعمیر کروائیں۔ اس کے ساتھ ساتھ انہوں نے سماجی اور رفاہی کام بھی بے شمار کرائے۔ قمر کے علاقے میں اکثر قحط سالی رہتی تھی، لوگ مفلوج الحال ہیں۔ پانی بہت گہرا ہے۔ پینے کا پانی بھی لوگوں کو لینے کے لئے کئی کئی میل سفر کرنا پڑتا ہے۔ شاہ صاحب نے اس طرف توجہ دی اور سو سے زیادہ کنویں شاہ صاحب کے توسط سے بنے۔ ان میں بعض ایسے کنویں بھی تھے جن میں سے ہر ایک کنویں پر ڈھائی تین لاکھ روپے کی لاگت آئی۔ جماعتی ساتھیوں کے نجی مسائل پر بھی وہ خصوصی توجہ دیتے، کسی کا نجی مسئلہ ہو، شادی بیاہ کا معاملہ ہو، کوئی خاندانی مجبوری ہو، ان کی کوشش ہوتی کہ کوئی خالی ہاتھ واپس نہ جائے۔ (بشکریہ ”ماہنامہ شہادت“ اسلام آباد) بتصرف قلیل

جمعیت اہل حدیث صوبہ سندھ کے صدر

سید بدیع الدین شاہ راشدی سے بات چیت

سید بدیع الدین شاہ راشدی مشہور مذہبی و علمی گھرانے جنڈے والے سے تعلق رکھتے ہیں۔ تحریک ختم نبوت کے دوران اس گھرانے کی قربانیاں ضرب الشال ہیں ملک میں اسلام کے خلاف کوئی بھی یلغار اٹھی یہ مرد مومن اس کے خلاف سینہ سپر ہو گیا۔ اور اس راہ میں آنے والی ہر مشکل کو اللہ کی طرف سے آزمائش سمجھ کر سہہ گیا۔ جناب جمعیت اہل حدیث صوبہ سندھ کے صدر ہیں۔ سابق دور میں لالچ، دھونس اور دھمکی ان کو راہ حق سے نہ ہٹا سکی۔ اسلام کو ایک مکمل دین سمجھتے ہیں اور ہر مسئلے کا حل اسلامی تعلیمات کی روشنی میں تلاش کرتے ہیں۔ جناب کی تبلیغی خدمات کا دائرہ ملک اور بیرون ملک پھیلا ہوا ہے۔ آج بھی نیو سید آباد کا یہ پسماندہ علاقہ مرجع خلافت بنا ہوا ہے۔ ہزاروں علم کے پیاسے سیراب ہونے کو آتے ہیں۔ جناب کو برصغیر کے جید علمائے کرام شیخ الحدیث ابو محمد عبدالحق المہاجر کی، فاتح قادیان مولانا ثناء اللہ امرتسری اور محدث عبد اللہ روپڑی کے تلمیذ ہونے کا شرف حاصل ہے۔ ان سے نوائے وقت کے لئے ہم نے جو انٹرویو لیا حاضر خدمت قارئین ہے۔ جس کے ذریعہ جمعیت اہل حدیث صوبہ سندھ کا نقطہ نظر معلوم ہو جائے گا۔

سوال:

موجودہ حکومت کی اسلامی نظام کے نفاذ کی کوشش کے سلسلے میں آپ کی کیا رائے ہے؟

راشدی صاحب:

آپ کے علم میں یہ بات ہوگی کہ جب اسلامی نظام کے نفاذ کا اعلان کیا گیا تو اس کی رفتار تیز تھی مگر مفاد پرست عناصر نے فقہی اختلافات کو ہوا دینا شروع کر دیا، عورتوں کو میدان میں لا کھڑا کیا، وکلاء اٹھ کھڑے ہوئے۔ اور بیوروں اور وڈیروں نے اپنی ناخدائی کو خطرے میں دیکھ کر ان عناصر کی بھی پشت پناہی شروع کر دی اور حکومت کی توجہ اس اہم ترین مسئلے کے نفاذ سے ہٹانے کے لئے بدامنی پھیلانے کے ساتھ

☆ نامہ نگار روزنامہ نوائے وقت کراچی۔

اغواء، لوٹ مار، چوریوں کی وارداتوں میں بے پناہ اضافہ کر دیا۔ افغان مہاجرین کی اخلاقی مدد کرنے پر غیر مسلم طاقتیں بھی اپنا دباؤ اور اثر و رسوخ کا استعمال کر رہی ہیں معاشرے میں پھیلائی جانے والی یہ بد امنی دراصل اسلامی نظام کو بدنام کرنے کا ایک حصہ ہے تاکہ یہ ثابت کیا جاسکے کہ اسلامی نظام ان پر توبہ نعوذ باللہ ناکام ثابت ہو چکا ہے اور عوام الناس کو اس سے بدظن کیا جاسکے اس لئے سب سے پہلے ضروری ہے کہ شرعی حدود کے نفاذ کو فوراً عملی جامہ پہنا کر مظہروں کو اس کے تحت سزا دی جائے اس سے ظالموں کی کمر ٹوٹ جائے گی اور مظلوموں کو انصاف کی امید ہو جائے گی اسی طرح لسانی اور فقہی اختلافات کے خاتمہ کے لئے امت مسلمہ کی متفق علیہ کتاب و سنت کی بالادستی قائم کر دی جائے تو ان شاء اللہ اسلامی نظام کے عملی نفاذ کے عمل میں کوئی رکاوٹ باقی نہیں رہے گی۔

سوال:

اسلامی نظام کے نفاذ کے سلسلے میں جو تدریجی عمل اختیار کیا گیا ہے اس بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟

راشدی صاحب:

حکومت کو اس سلسلے میں تدریجی پالیسی کو اختیار نہیں کرنا چاہیے مگر کیونکہ انگریزوں کی سو سالہ حکومت نے ذہن بدل دیئے ہیں اور اسلامی نظام کو انسانوں کا طبقہ سمجھ نہیں پارہا ہے اس بناء پر حکومت نے شاید تدریجی طریقہ اختیار کیا ہو ورنہ یہ ملک اللہ کا ہے اور یہاں قانون بھی اسی کا چلے گا بتدریج قانون کے اجراء میں دیر ہو سکتی ہے عملاً نفاذ میں نہیں۔

سوال:

اسلام میں مروجہ الیکشن کا تصور پایا جاتا ہے؟

راشدی صاحب:

مروجہ الیکشن کا تصور اسلام میں کہیں نہیں پایا جاتا اس میں رائے کو گنا جاتا ہے تو لا نہیں جاتا جبکہ اسلام میں ایسے ایک اہم ترین فریضہ کو عوام کے سپرد نہیں کیا جاتا جو شعور تک نہیں رکھتے یہ کام اسلام خواص کے سپرد کرتا ہے جو اسلامی اقدار سے اچھی طرح بہرہ ور ہوں۔ ہمارے سامنے سلف صالحین کی مثالیں موجود ہیں حضرت ابوبکر کو مدینہ میں موجود مہاجرین و انصار نے خلیفہ منتخب کر لیا۔ امیر عمر رضی اللہ عنہ کو ابوبکر رضی اللہ عنہ مقرر کر گئے

لوگوں نے اعتراض بھی کیا کہ اللہ کو کیا جواب دو گے تو ابو بکر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں کہوں گا کہ اللہ تیرے بندوں میں جو سب سے بہتر نظر آیا میں نے خلافت اس کے سپرد کر دی حضرت عمر رضی اللہ عنہ چھ آدمیوں (خواص) کی شور مچائی بنا گئے اس نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو خلیفہ بنادیا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد جو اس وقت مدینہ میں مسلمان موجود تھے انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خلیفہ چن لیا۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور میں اختلاف ہوا اس وقت ضرورت تھی کہ کوئی طاقت نظام حکومت کو سنبھال لے تو امیر معاویہ نے طاقت سے سنبھال لیا۔ یہ ہے مارشل لاجسے ہم بدکتے ہیں تمام مسلمان فوجی ہیں اور ہم نے مسلمانوں کے ایک اہم ترین وصف کو چھ ہزاروں میں خاص کر دیا ہے بادشاہت اور خلافت ایک دوسرے کی ضد ہیں خلافت میں انتشار ہوگا تو بادشاہت اپنے قدم جما لے گی جہاں بادشاہت نا اہل ہوگی وہاں خلافت غالب آ جائے گی اس لئے ضروری ہے کہ ہم کو چاہیے کہ اسلامی قوانین کو پہلے نافذ کریں اور اس کے بعد اسلامی شرائط پر کم از کم ایسے افراد کو الیکشن میں حصہ لینے کی اجازت دیں جو کسی فرض کا تارک نہ ہو۔ کسی کبیرہ گناہ کا مرتکب نہ ہو اور اس سلسلے میں اسلامی مشاورتی کونسل قرآن وحدیث کی روشنی میں لائحہ عمل طے کر سکتی ہے اسی طرح ہر شخص کو ووٹ دینے کا حق نہیں ہونا چاہیے اس کے لئے کم از کم اتنا ضروری قرار دیا جائے کہ اسلامی معیار شہادت پر پورا اترتا ہو، بھلا جس کی دو آنے کی شہادت اسلامی کورٹ میں قبول نہیں کی جاتی ہو ملک کی حکمرانی جیسے اہم ترین ادارے کے انتخاب میں اس کی رائے کیسے معتبر ہو سکتی ہے۔

سوال:

اسلام میں پارٹیوں کا وجود ہے؟

راشدی صاحب:

نہیں، ہرگز نہیں، خلفاء راشدین کے زمانے میں کوئی پارٹی سسٹم کا وجود نہیں تھا۔ اسلام ایک امت کو وحدانیت قرار دیتا ہے اور گردوہوں کا سخت ترین مخالف ہے آج پارٹی سسٹم ہی کی خرافات ہے کہ ہم ایک معمولی سا خطہ نہیں سنبھال پارہے ہیں اور جبکہ اولین دور اسلامی میں یہ سسٹم نہیں تھا تو جو آج کی تقریباً ۴۸ ریاستیں بنتی ہیں وہ تمام کی تمام ایک حکمرانی باحسن خوبی سنبھالے ہوئے تھا۔ پارٹی سسٹم تو فرعون کی پیداوار ہے اس کے دور میں ایک سرکاری دوسری غیر سرکاری پارٹی ہوتی تھی جو ایک دوسرے سے دست وگریباں رہتی

اور حکمران باسانی من مانی کرتے۔ موسیٰ علیہ السلام نے آ کر قوم کو اس مصیبت سے نجات دلائی اور امت واحدہ بنایا۔ پارٹی سسٹم بھی اسلامی نظام کے نفاذ میں ایک رکاوٹ ہے۔

سوال:

جب پارٹی سسٹم اسلام میں نہیں تو آپ نے جماعت اہل حدیث کیوں بنا رکھی ہے؟

راشدی صاحب:

اہل حدیث کوئی پارٹی نہیں پارٹی اس کو کہتے ہیں جو جماعت سے کٹ کر نکلے یہ وہ جماعت ہے جو رسول اللہ ﷺ کے دور سے چلی آرہی ہے۔

سوال:

ایم آر ڈی کی تحریک نے سندھ میں اس قدر کیوں شدت اختیار کی اس کے عوامل کیا تھے کیا یہ احساس محرومی کا نتیجہ تھی؟

راشدی صاحب:

ایم آر ڈی کی تحریک کے پس پردہ کسی قوم کا کوئی احساس محرومی کا چکر نہیں تھا بلکہ تعصب نے جو انڈے دے رکھے تھے اس سے حکومت کی غلط پالیسیوں اور روک تھام نہ کرنے کی بنا پر اس سے بچ نکل آئے تھے۔

سوال:

قادیانیت کے متعلق آپ کچھ فرمائیں گے؟

راشدی صاحب:

قادیانیوں نے جو ایک غیر مسلم (انگریزوں کا خود کاشہ فرقہ ہے اس نے پاکستان کے وجود کو دل سے تسلیم ہی نہیں کیا۔ اور یہ اکھنڈ بھارت کے لئے کام کر رہے ہیں اس کا واضح ثبوت یہ ہے کہ ربوہ میں یہ اپنے مردوں کو امانت کے طور پر دفن کرتے ہیں تاکہ اکھنڈ بھارت کی صورت میں ان کو قادیان لے جا کر دفن کیا جاسکے گزشتہ حکومت نے جو ان کو اقلیت قرار دیا تھا اس کا سبب یہ نہیں تھا کہ ان کو ختم نبوت سے عشق تھا بلکہ سیاسی مصلحت کے تحت انہوں نے یہ کام کیا جس کا ثبوت یہ ہے کہ اس آر ڈی نینس پر اس دور حکومت میں ذرا برابر بھی عمل نہیں ہوا۔ موجودہ حکومت کا حالیہ آر ڈی نینس حوصلہ افزا ہے مگر عمل درآمد کے ساتھ۔

(بشکریہ نوائے وقت ۱۰/۱۰ اکتوبر ۱۹۸۳ء)

الحمدیث سندھ کے صدر پیر بدیع الدین راشدی رحمہ اللہ سے بات چیت

سید بدیع الدین راشدی کا شمار پاکستان کے قابل احترام جید علماء میں ہوتا ہے۔ ان کے عقیدت مند سندھ کے علاقے بدین کراچی حیدرآباد کے اضلاع میں لاکھوں کی تعداد میں موجود ہیں جبکہ سندھ، پنجاب سرحد اور کشمیر میں بھی ان کے عقیدتمند کثیر تعداد میں موجود ہیں۔ پیر بدیع الدین راشدی نے اب تک ۱۰۴ کتابیں لکھی ہیں جن میں سے ۵۹ عربی میں ۲۸ سندھی میں اور ۱۷ اردو میں ہیں پیر بدیع الدین راشدی آج کل قرآن مجید کی سندھی تفسیر پر کام کر رہے ہیں اس کی پہلی جلد شائع ہو چکی ہے مزید ۱۴ جلد مرحلہ وار شائع ہو جائیں گی پیر بدیع الدین راشدی چار سال تک مکہ شریف میں درس حدیث دیتے رہے ہیں ان کی ذاتی لائبریری کو بلاشبہ پاکستان کی سب سے بڑی اسلامی لائبریری قرار دیا جاسکتا ہے۔ راشدی خاندان کی اس لائبریری کو تقسیم ہند سے پہلے برصغیر کی سب سے بڑی لائبریری تسلیم کیا جاتا تھا۔ مولانا عبید اللہ سندھی اور مولانا رشد اللہ نے اسلامی کتب کا ایک ذخیرہ پیر جھنڈا میں جمع کر دیا تھا اس کا تخمینہ ۳۰ لاکھ کے قریب تھا اس میں ہاتھ سے لکھے ہوئے ہزاروں قلمی نسخے تھے برصغیر کی یہ تاریخی لائبریری وارثوں میں تقسیم ہونے کی وجہ سے درجنوں حصوں میں بٹ گئی اس تاریخی لائبریری کے ایک حصہ کی وراثت پیر بدیع الدین راشدی کے حصہ میں آئی۔

ان کی اس ذاتی لائبریری میں اسلام کے ۲۰ ہزار کے قریب کتب موجود ہیں ان میں سینکڑوں کی تعداد میں وہ ہاتھ سے لکھے ہوئے قلمی نسخے بھی شامل ہیں جو آج کل نایاب ہیں اس لائبریری کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ قرآن پاک کے ترجمے سندھی، پنجابی، کشمیری، بنگالی، پشتو، گجراتی، ترکی، بروہی، انگلش، افریقی، چینی اور انڈونیشی، میانائی، بخاری، فارسی اور بڑی زبانوں میں موجود ہیں۔ پیر بدیع الدین کی لکھی ہوئی ”وصول الالہام لاصول الاسلام“ ہے جس میں وہ لفظ استعمال کئے گئے ہیں جس میں نقطہ نہ ہوں اس لحاظ سے ایک منفرد اور نایاب کتاب ہے اور پیر صاحب کی علمی قابلیت ظاہر کرتی ہے۔

پیر بدیع الدین راشدی سے ملاقات کی روداد قارئین نوائے وقت کے لئے حاضر ہے ایک سوال کے جواب میں پیر صاحب نے سندھ میں سماجی تنظیموں کے کردار پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا کہ یوں تو تمام تنظیمیں کچھ نہ کچھ کرتی ہیں مگر اسلامی تعلیمات کے بنیادی نظریے کی پرواہ نہیں کرتیں اگر سماجی تنظیمیں قرآن پاک اور حدیث شریف کو ذہن میں رکھ کر صحیح خدمت انجام دیں اور سماجی خدمت کرتے ہوئے اسلام کے سنہری اصولوں کا پاس کریں تو بڑی حد تک اخوت محبت اور فرقہ واریت سے پاک معاشرہ قائم ہو سکتا ہے۔

سید بدیع الدین راشدی نے سندھ میں ڈاکہ زنی کی وارداتوں پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا کہ اس کا ایک ہی حل ہے کہ پاکستان میں اسلامی سزاؤں کو نافذ کرنے سے نہ صرف ڈاکہ زنی کی وارداتیں مکمل طور پر بند ہو جائیں گی بلکہ مغرب کی اندھا دھند تقلید سے پیدا ہونے والی برائیوں کی بھی موثر طور پر روک تھام ہو سکے گی۔

پیر بدیع الدین راشدی کے نزدیک جو چیز اسلام نے ہمیں ملے کر کے دی ہے۔ اس سے انحراف اسلامی تعلیمات سے انحراف ہے انہوں نے اس میں الیکشن سے متعلق سوال کے جواب میں کہا کہ جماعتی اور غیر جماعتی الیکشن کیا ہے اسلام کے مطابق ہیں کیا صحابہ کے دور میں اس طرح ہی الیکشن ہوتے تھے انہوں نے کہا کہ ۱۹۷۳ء کے آئین کی ہمیں ضرورت نہیں ہمیں تو قانون الہی کی مکمل شکل میں موجودگی مقصود ہے میں نے موجودہ حکومت سے تعاون اسی امید پر کیا ہے کہ حکومت نے مکمل نہ سہی کچھ اقدام تو ایسے کئے ہیں جن پر حکومت سے تعاون کیا جاسکتا ہے خصوصاً قادیانیوں سے متعلق حکومت کے اقدامات تو قابل ذکر ہیں۔

ہندوستان میں مسلمانوں کے قتل عام پر تبصرہ کرتے ہوئے انہوں نے دوران گفتگو کہا کہ ہر طرف مسلمانوں کو ختم کرنے کے لئے سازشیں ہو رہی ہیں۔ تمام مسلم دشمن قوتیں اپنے شدید اختلافات کے باوجود اسی بات پر متفق ہیں کہ مسلمانوں کو کسی نہ کسی طرح نقصان پہنچایا جائے خاص طور پر مسلمانوں کو لٹوایا جاسکتا ہے عالم اسلام ان تمام باتوں سے بے خبر گہری نیند سو رہا ہے خود مسلمان آپس میں فرقوں کے نام پر دست و گریباں ہیں۔ خود ہمارے اندر ہزاروں ایسی رسوم پیدا ہو گئی ہیں ہمارے خدا کی وحدانیت اور اس کے مختار کل ہونے پر یقین کی کیفیت مختلف وجوہات کی بنا پر کم ہو رہی ہے حالانکہ اللہ کی مرضی کے بغیر ایک پتا بھی نہیں مل سکتا انہوں نے کہا کہ حکومت پاکستان کو ہندوستان سمیت دنیا بھر میں مسلمانوں کے قتل عام کو روکنے کے لئے

اپنا مذہبی فریضہ ادا کرنا چاہیے۔ انہوں نے سندھ میں قوم پرست تنظیموں کے کردار پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا کہ اس کے پھلنے پھولنے کا ایک بڑا سبب ہماری تعلیمی پالیسی ہے جس میں اسلام کی بنیادی تعلیمات سے انحراف ہے۔ طلباء کو جو نصاب پڑھایا جاتا ہے اس میں اچھا مسلمان بنانے کے بجائے مغرب کی وہ چیزیں شامل کی گئی ہیں جو طلباء کے ذہنوں کو خراب کرتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ طلباء میں وہ خیالات اور رجحانات پیدا ہو رہے ہیں جو نہ تو اسلام کے لئے اور نہ ہی ملک کے لئے فائدہ مند ہیں۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ نصاب میں پڑھائی جانے والی تمام کتب کا از سر نو جائزہ لیا جائے اور اسے ممتاز علماء کی نگرانی میں تیار کیا جائے اور تمام تعلیمی اداروں میں اسلام دشمن سرگرمیوں کا سختی سے نوٹس لیا جائے۔ اور ان کی مکمل بے نیکی کی جائے تمام قوم پرست پارٹیوں اور تنظیموں پر مکمل پابندی لگائی جائے۔

پیر بدیع الدین نے سندھ میں بے روزگاری پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا کہ اسلام کا گہرائی سے مطالعہ کریں تو یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ خداوند قدس ہی دونوں جہاں کا مالک ہے پھر کسی کے آنے سے کسی کے رزق میں کمی کیسے آسکتی ہے۔ اب رہی ملازمتوں کی بات تو عرض ہے کہ ہر حاکم کو چاہیے کہ وہ خدا کو حاضر ناظر جان کر ہر شخص کو اس کی اہلیت کے مطابق ملازمتیں دی جائیں۔

پیر بدیع الدین شاہ راشدی نے کہا کہ وہ سیاست سے دور بھاگتے ہیں وہ اور ان کے رفقاءے کار ملک میں صرف اسلامی نظام چاہتے ہیں جو ہم کو اسلام سے مخلص نظر آیا ہم اس کے ساتھ ہیں مگر سیاست اور دین کوئی الگ چیز نہیں ہیں خلفائے راشدین کے دور میں تمام امور مسجد میں منمائے جاتے تھے۔ بہت سے اہم فیصلے مسجد میں ہوئے۔ اس لحاظ سے اگر ہم یہ کہیں کہ سیاست کو دین سے مکمل طور پر الگ کر دیا جائے تو یہ بہت غلط ہے۔ بلکہ ہمیں تو یہ چاہیے تھا کہ ہم سیاست ہی وہ استعمال کریں جو ہمارے دین نے سکھائی ہے انہوں نے قاضی عدالتوں سے متعلق پوچھے جانے والے سوال کے جواب میں کہا کہ بے شک موجودہ قاضی عدالتیں اسلام کے بنیادی تقاضے پورے کرنے سے قاصر ہیں خاص طور پر آج کی کارکردگی ابھی قابل اطمینان نہیں ہے مگر کچھ نہ ہونے سے ہونا بہتر ہے اسی نقطے کو مد نظر رکھتے ہوئے ہم نے حکومت کے اس اقدام کو سراہا ہے۔ ہمیں امید ہے کہ یہ عدالتیں وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اپنی کارکردگی بہتر بنائیں گی اور حکومت بھی ان عدالتوں کی سزاؤں پر عملدرآمد کو یقین بنانے کے لئے ہر ممکن اقدام کرے گی۔

(بشکریہ روزنامہ نوائے وقت ۲۹ دسمبر ۱۹۸۴ء)

MODERN جیولرز Jewellers

اعلیٰ زیورات کا واحد مرکز

ہیروپرائیٹرز
عبدالستار پٹیل اینڈ سنز

فون:
874750



المصطفیٰ شاپنگ سینٹر شاپ نمبر 5 کھسک پورہ میر پور خاص

فون:
874750

دانش جیولرز

Danish Jewellers

اعلیٰ زیورات

کا واحد مرکز

دکان نمبر 12

مسلم شاپنگ سینٹر میر پور خاص

ہیروپرائیٹرز
ایم کاشف میمن



فَاسْأَلُوا أَهْلَ الذِّكْرِ إِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ
(النحل: ٢٣)

فتاویٰ

جمع و ترتیب
مولانا عبداللہ سلیم

شاہ صاحب رحمۃ اللہ کا انداز فتویٰ

محترم حضرت مولانا شاہ بدیع الدین صاحب

السلام علیکم ورحمة اللہ وبرکاتہ اما بعد

مطلوب الخیر للطرفین

عرض کہ آپ کی خدمت میں یہ چند سوالات پیش کر رہا ہوں تاکہ جواب سے نوازیں۔

① حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے نبی کریم ﷺ کے پیچھے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پیچھے نماز پڑھی تینوں حضرات نے سوائے تکبیر اولیٰ کے کہیں بھی رفع یدین نہیں کیا۔ مصنف ابن ابی شیبہ، دارقطنی،

② عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے رفع یدین کرنے سے روکا کہ یہ اللہ کے پیغمبر ﷺ نے کیا اور ترک کیا۔ یعنی شرح بخاری۔

③ امام طحاوی رحمہ اللہ نے سند صحیح کے ساتھ نقل کیا ہے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہ نے سوائے تکبیر تحریرہ کے کہیں بھی رفع یدین نہیں کیا۔

④ جس نے تکبیر تحریرہ کے ساتھ رکوع پالیا رکعت پالی۔ مؤطا امام مالک

⑤ عبداللہ رحمہ اللہ نے فرمایا کہ امام کے پیچھے کوئی قرآنہ نہیں ہے اکیلا ہو تو قرآنہ کرے۔ مؤطا امام مالک۔

⑥ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی ﷺ قرآنہ الحمد للہ سے شروع کرتے تھے۔ سورۃ فاتحہ قرآنہ میں شامل ہے یا نہیں۔

⑦ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں تمہیں نماز پڑھاؤں جس طرح نبی ﷺ نے پڑھائی تھی اور سوائے تکبیر اولیٰ کے کہیں رفع یدین نہیں کی۔ ترمذی شریف

⑧ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ جو رکوع میں شامل ہوئے تھے انکو آپ ﷺ نے اعادۂ صلوٰۃ کا حکم فرمایا تھا یا نہیں۔

⑨ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے جہاں سے قرآن چھوڑی تھی آپ ﷺ نے وہیں سے قرآن شروع کی آپ ﷺ کی نماز ہوئی یا نہ:

یہ روایات صحیح ہیں یا غلط برائے کرم جواب باحوالہ تحریر فرمادیں! بیٹو اتوجروا۔

العارض

محمد زمان حیدر آباد

۱/۳/۱۹۸۴

بسم الله الرحمن الرحيم

محترم و مکرم مولانا محمد زمان صاحب

السلام علیکم ورحمة الله وبرکاتہ

اما بعد! آپ کا خط ملا آپ کے سوالوں کے جوابات حسب ذیل ہیں۔

① یہ روایت سخت ضعیف ہے اس کی سند میں محمد بن جابر الیمانی ہے جو بالکل ضعیف راوی

ہے امام ذہبی میزان الاعتدال ص ۳۴ ج ۳ میں فرماتے ہیں: ضعفہ ابن معین والنسائی وقال البخاری

لیس بالقوی وقال ابو حاتم ساء حفظه فی الآخر وذهب کتبہ قلت: وأضر وقال احمد

لا یحدث عنه الا شرمه وقال ابن حبان کان اعمی یلحق فی کتبہ مالیس من حدیث ویسرق

وما ذکر به فیحدث به

یعنی امام ابن معین اور نسائی نے اس کو ضعیف کہا ہے اور امام بخاری نے کہا ہے کہ یہ قوی راوی نہیں

ہے اور امام ابو حاتم کہتے ہیں کہ اس کے کتب ضائع ہو گئے اور اخیر میں حافظہ خراب ہو گیا تھا اور امام احمد کہتے

ہیں کہ اس سے صرف وہی روایت لیتا ہے جو اُس سے بھی برا ہے اور امام ابن حبان فرماتے ہیں کہ یہ شخص ناپید

تھا اس کی کتاب میں لوگ دوسری حدیثیں ڈال جاتے تھے اور یہ روایت کر دیتا تھا نیز امام ابن مہدی، ابو داؤد،

یعقوب بن سفیان، علی، ابو زرعة، عبد اللہ بن مبارک سب نے اس پر جرح کی ہے اور عمرو بن علی کہتے ہیں کہ

متروک الحدیث ہے۔ (تہذیب ص ۸۹-۹۰ ج ۵) بلکہ امام ذہبی نے میزان صفحہ مذکورہ میں اس کی اس

﴿ 562 ﴾

روایت جو کہ آپ نے ذکر کی ہے اس کو اس کی منکر روایات میں شمار کیا ہے اور امام ابن جوزی نے کتاب الموضوعات ص ۶۶ ج ۲، ابن القیمرانی تذکرۃ الموضوعات ص ۷۸ اور امام شوکانی نے الفوائد المجموعہ فی الاحادیث الموضوعہ ص ۲۹ اور ابن قیم المنار المکیف ص ۱۳۸ اور السیوطی اللؤلؤ الی الموضوع فی الاحادیث الموضوعہ ص ۲ ج ۱۹ اور ابن عراق حزیۃ الشریعہ ج ۲ ص ۱۰۱ میں ذکر کیا ہے اور سب اس کو موضوع اور بناوٹی ثابت کرتے ہیں۔ پس یہ روایت بناوٹی ہے کسی کام کی نہیں۔

⑦ یہ روایت علامہ عینی نے (عمدة القاری ص ۲۷۳ ج ۵ طبع منیر یہ دمشق) میں بغیر سند کے ذکر کی ہے۔ نہ کسی کتاب کا حوالہ دیا ہے لہذا ایسی مجہول روایت پر کوئی اعتبار نہیں خاص طرح جب کہ صحیح روایات کے خلاف ہے خاص طرح کئی روایتوں میں خود عبد اللہ بن زبیر سے رفع الیدین کا کرنا ثابت ہے۔ علامہ عبدالحی لکھنوی حنفی العلین المجد علی مؤطا الامام محمد ص ۹۱ طبع اصح المطابع میں فرماتے ہیں:

لکن هذا الاثر لم یجد المخرجون المحدثون مسندا فی کتب الحدیث مع انه اخرج البخاری فی رسالة جزء رفع الیدین عن عبد الله بن الزبیر انه کان یرفع یدیه عند الخفض وللرفع وكذا اخرجه عن ابن عباس وابن عمر وابی سعید و جابر وابی هريرة و انس انهم كانوا یرفعون ایدیهם واخرج البيهقي عن الحسين قال سألت طاووسا عن رفع الیدین فی الصلوة فقال رأیت عبد الله بن عباس وابن الزبیر وابن عمر یرفعون ایدیهם اذا افتحوا الصلوة واذا ركعوا واذا سجدوا واخرج ايضا عن عبدالرزاق قال ما رأیت احسن صلوة من ابن جریج رأیته یرفع یدیه اذا افتح واذا ركع واذا رفع واخذ ابن جریج صلاته عن عطاء بن ابي رباح واخذ عطاء عن عبد الله بن الزبیر واخذ ابن الزبیر عن ابي بكر الصديق ومنهم ابن عباس حکى عنه بعض اصحابنا انه قال کان رسول الله صلى الله عليه وسلم یرفع یدیه کلما ركع وکلما رفع ثم صار الى افتتاح الصلوة وترك ماسوی ذلك لكنه انه لم یثبتہ المحدثون والثابت عندهم خلافه قال ابن جوزی فی التحقيق بعد ذکر ما حکاه اصحابنا عن ابن عباس وابن الزبیر هذا ان الحدیثان لا يعرفان اصلا وانما المحفوظ عنهما خلاف

ذلك فقد اخرج ابو داؤد عن ميمون انه رأى ابن الزبير يشير بكفيه حين يقوم وحين يركع وحين يسجد وحين ينهض للقيام فانطلقت الى ابن عباس فقلت انى رأيت ابن الزبير صلى صلاة لم ارا احدا يصليها فوصفت له فقال ان احببت ان تنظر الى صلوة رسول الله صلى الله عليه وسلم فاقصد بصلوة عبدالله بن الزبير انتهى. ورده العيني بان قوله لا يعرفان لا يستلزم عدم معرفة اصحابنا هذا دعوى النافى ليست بحجة على المثبت واصحابنا ايضا ثقات لا يرون الاحتجاج بما لم يثبت عندهم صحته انتهى وفيه نظر ظاهر فانه مالم يوجد سند اثر ابن عباس وابن الزبير فى كتاب من كتب الاحاديث المعتبرة كيف يعتبر به بمجرد حسن الظن بالنافلين مع ثبوت خلافه عنهما بالاسانيد العديدة.

خلاصہ یہ کہ یہ روایت قابل قبول نہیں اس لئے کہ بے سند اور بے اصل ہے کسی حدیث کی کتاب میں مروی نہیں بلکہ اس کے برخلاف کئی روایات میں عبداللہ بن زبیر سے رفع الیدین کرنا ثابت ہے۔
 (۳) اس روایت کی خود علامہ عینی نے طحاوی سے سند اس طرح نقل کی ہے:

حدثنا ابن ابی داؤد قال اخبرنا احمد بن عبد الله بن يونس قال حدثنا ابو بكر بن عياش عن حصين عن مجاهد قال صليت خلف ابن عمر فلم يكن يرفع يديه الا فى التكبيرة الاولى من الصلوة.

اولاً یہ روایت صحیح نہیں کیونکہ ابوبکر بن عیاش کا آخر میں حافظہ بدل گیا تھا جیسا کہ امام ابن عجمی نے "الاغتباط بمعرفة من رمى بالاختلاط" ص ۲۶ میں ذکر کیا ہے اور امام بیہقی معرفۃ السنن ولا تارص ۲۲-۲۳ ج ۱ (المصور) میں امام بخاری سے نقل فرماتے ہیں کہ:

قال صدقة ان الذى روى حديث مجاهد انه لم يرفع يديه الا فى اول التكبيرة كان صاحبه قد تغير بآخره يريد ابابكر ابن عياش قال والذى رواه الربيع وليث اولى مع رواية طاؤس وسانم ونافع وابى الزبير ومحارب بن دثار وغيرهم قالوا رأينا ابن عمر يرفع يديه اذا كبر واذا ركع واذا رفع رأسه قال البيهقى وهذا الحديث فى القديم كان يرويه ابوبكر عن

حصین عن ابراہیم عن ابن مسعود مرسلًا موقوفًا ثم اختلط عليه حين ساء حفظه فروى ما قد خولف فيه فكيف يجوز دعوى النسخ فى حديث ابن عمر بمثل هذا الحديث الضعيف.

اور علامہ لکھنوی حنفی اعلیٰٰ المجد ص ۸۹ میں فرماتے ہیں:

وفیه نظر لوجوه احدها: انه سند معلول لا یوازى الا سانیذ الصحیحة فقه اخرجه البیهقی من الطریق المذكور فی کتاب المعرفة واسند عن البخاری انه قال ابن عیاش قد اختلط بآخره وقد رواه الربیع ولیث وطائوس وسالم ونافع وابو الزبیر و محارب بن دثار و غیرهم قالوا رأینا ابن عمر یرفع یدیه اذا کبر واذا رفع وکان ابو بکر بن عیاش یرویه قدیما عن حصین عن ابراہیم عن ابن مسعود مرسلًا موقوفًا انه کان یرفع یدیه اذا افتتح الصلوة ثم لا یرفعهما بعد وهذا هو المحفوظ عن ابن عیاش والاول خطأ فاحش لمخالفة الثقات عن ابن عمر انتهى وثانیها: انه لو ثبت عن ابن عمر تركه ذلك فلا یثبت منه نسخ فعل الرسول صلی الله علیه وسلم الثابت بالطرق الصحیحة عن الجمع العظیم الا اذا کان فیہ تصریح من النبی صلی الله علیه وسلم واذا لیس فلیس وثالثها: ان ترک ابن عمر لعله یكون لیبان الجواز فلا یلزم منه النسخ.

ثابت ہوا کہ یہ روایت کسی طرح صحیح نہیں ہے ثانیاً ابن عمر رضی اللہ عنہما رفع الیدین کی سختی سے پابندی کرتے اور کراتے تھے۔ بلکہ جو رفع الیدین نہیں کرتا تھا اس کو پتھر مارتے تھے چنانچہ جزء رفع الیدین للبخاری ص ۵۳ مع اعلیٰٰ جلاء العینین میں ہے۔

حدثنی الحمیدی انبا الولید بن مسلم قال سمعت زید بن واقد یحدث عن نافع ان ابن عمر رضی الله عنہما کان اذا رأى رجلاً لا یرفع یدیه اذا رکع واذا رفع رماه الحصى . یعنی عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما جس شخص کو دیکھتا تھا کہ رکوع کرتے یا رکوع سے سر اٹھاتے وقت رفع الیدین نہیں کرتا تو اس کو پتھر مارتے۔ یہی روایت ان کتابوں میں بھی ہے۔ ”التمہید لابن عبدالبر ص ۶۵ ج ۵ قلمی“ اور ”معرفة علوم الحدیث“ للحاکم ص ۳۱ مسائل الامام احمد لعبداللہ بن احمد ص ۷۰ اور سنن دارقطنی ص ۲۸۹

میں الفاظ زیادہ ہیں کہ حتیٰ یرفع یعنی جب تک وہ رفع الیدین نہیں کرتا تب تک۔ تاریخ جرجان ص ۴۳۳ میں یہ الفاظ زیادہ ہیں وامرہ ان یرفع یعنی پتھریاں مارنے کے ساتھ اس کو رفع الیدین کرنے کا حکم دیتا تھا۔ پس اس کی طرف رفع الیدین نہ کرنے کی نسبت کسی طرح صحیح ہو سکتی ہے؟ ثالثاً آپ کی ذکر کردہ روایت کی سند میں ابن عمر سے نقل کرنے والا مجاہد مذکور ہے حالانکہ وہ خود مجاہد رفع الیدین کرتا تھا۔ جیسا کہ جزء رفع الیدین للبخاری ص ۱۳۷-۱۳۶، ۱۴۱ مع جلاء العینین میں روایتیں مذکور ہیں پس اگر ابن عمر کو رفع الیدین کرتے نہ دیکھا جیسا کہ اس روایت میں ہے تو پھر خود کیسے رفع الیدین کرتا لہذا یہ روایت بھی ناقابل قبول ہے امام بخاری جزء رفع الیدین مع جلاء العینین میں فرماتے ہیں کہ امام یحییٰ بن محیی نے فرمایا کہ یہ روایت صرف وہم ہے اس کا اصل نہیں ہے۔

④ ان الفاظ کے ساتھ حدیث جس طرح آپ نے ذکر کی ہے مؤطا میں نہیں ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے، نہ کسی صحابی کا قول ہے نہ ان لفظوں کے ساتھ کسی تابعی کا قول ہے۔

⑤ ابن عمر رضی اللہ عنہما کی اس روایت میں سورۃ فاتحہ کا ذکر نہیں اور دوسری روایتوں میں ابن عمر سے خاص فاتحہ پڑھنے کے بابت صریح روایتیں موجود ہیں چنانچہ جزء القراءۃ بخاری ص ۷ طبع دہلی میں ابو العالیہ سے روایت ہے:

⑥ سألت ابن عمر بمكة اقرأ في الصلوة قال اني لأستحي من رب هذا البيت ان أصلي صلوة لا أقرأ فيها ولو بأمر الكتاب اور دوسری روایت ہے سئل ابن عمر عن القراءة خلف الامام فقال ما كانوا يرون بأمر ان يقرأ بفاتحة الكتاب في نفسه“ اور یہی روایتیں جزء القراءۃ للبخاری ص ۷۷-۷۸ میں بھی ہیں دونوں روایتوں سے ظاہر ہے کہ عبد اللہ بن عمر امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ پڑھنے کے قائل تھے۔ اور قاعدہ ہے کہ خاص عام پر مقدم ہوا کرتا ہے اور اس سے مستثنیٰ ہوتا ہے پس جو روایت آپ نے نقل کی ہے اس سے فاتحہ ان روایات کی وجہ سے مستثنیٰ ہے اور جو روایتیں ثابت ہیں ان سب کو ماننا چاہیے۔

⑦ سورۃ فاتحہ قرآۃ میں شامل ہے لیکن آپ نے جبری نماز میں امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ پڑھنے کا حکم دیا ہے اور باقی قرأت سے منع کیا ہے جیسا کہ مشکوٰۃ ص ۸۱ باب القراءۃ فی الصلوة الفصل الثانی

میں بحوالہ ابوداؤد، ترمذی، نسائی حدیث مذکور ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مقتدیوں کو فرمایا اور نماز فجر کی تھی کہ آپ سورت فاتحہ کے سوا کچھ نہ پڑھیں کیونکہ جس شخص نے فاتحہ نہیں پڑھی اس کی نماز نہیں ہے پس فاتحہ کے علاوہ دوسری قرأت کی منع ہے نہ کہ فاتحہ بلکہ اس کا تو حکم ہے۔

④ یہ روایت بھی ضعیف ہے خود ترمذی جس سے آپ نے نقل کیا ہے اس میں امام عبد اللہ بن مبارک تبح تابعی کا قول مذکور ہے کہ:

قد ثبت حدیث من یرفع وذکر حدیث الزہری عن سالم عن ابیہ ولم یثبت حدیث ابن مسعود ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم لم یرفع الا فی اول مرة (سنن ترمذی ص ۳۵ ج ۱) یعنی رفع الیدین کرنے کی حدیث تو ثابت ہے یعنی ابن عمر والی اور ابن مسعود والی نہ کرنے کے بارے میں ثابت نہیں ہے۔ امام ابوداؤد سنن ص ۲۷۲ ج ۱ میں فرماتے ہیں کہ یہ حدیث صحیح نہیں ہے اور امام ابن عبد البر التیمیذ ص ۵۴۲ ج ۵ قلمی میں فرماتے ہیں کہ یہ روایت حجت نہیں اور امام ابن تیمیہ منہاج السنہ ص ۱۱۵ ج ۴ میں اس کو جھوٹی اور بناوٹی روایت کہتے ہیں اور حافظ ابن قیم المنار ص ۳۹ میں اس کو باطل کہتے ہیں اور امام ابن ابی حاتم علل الحدیث ص ۹۶ ج ۱ میں امام ابو حاتم سے نقل کرتے ہیں کہ یہ روایت خطا ہے ص ۳۹۵ ج ۱ میں ائمہ حدیث روایت کرتے ہیں کہ یہ روایت خطا ہے۔ (الخصائص الجبر ص ۲۲۲ ج ۱)

ثانیاً: امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں کہ میرے استاد امام یحییٰ بن آدم نے فرمایا کہ امام عبد اللہ بن ادریس کی کتاب دیکھی جو عاصم بن کلیب سے مروی ہے (جو اس روایت کی سند میں ہے) اس میں یہ الفاظ نہیں تھے۔ ثم لم یعد یعنی تکبیر اوٹی کے بعد پھر رفع الیدین نہیں کی) موجود نہیں تھے اسی طرح امام احمد کی کتاب العلل ص ۱۱ ج ۱ اور مسائل الامام احمد لعبد اللہ بن احمد ص ۷۱ میں بھی مذکور ہے بلکہ امام احمد تو ذکر کرتے ہیں کہ یہ الفاظ وکیع راوی کے اپنے ہیں حدیث کے الفاظ نہیں ثابت ہوا کہ یہ الفاظ راویوں کے بڑھائے ہوئے ہیں اصل حدیث میں نہیں ہیں اور اس پر حفاظ حدیث کا اتفاق ہے کہ یہ الفاظ اس روایت میں مدرج یعنی راوی کی طرف سے بڑھائے ہوئے ہیں۔ (الخصائص الجبر ص ۲۲۲ ج ۱)

⑤ یہ روایت امام بخاری کے جزء القرآۃ ص ۲۲ طبع دہلی میں مرویہ ہے وہاں الفاظ زیادہ ہیں

صل ما ادرکت واقض ما سبق یعنی جس نماز کو پہنچو وہ پڑھ لو اور جو آگے ہو گئی اس کو قضا کر لے۔

⑨ ان الفاظوں سے روایت صحیح نہیں یہ روایت ابن ماجہ، مسند احمد اور طحاوی میں ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے اور اسد بن موسیٰ کی کتاب فضائل الصحابہ میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے جس میں یہ الفاظ ہیں لیکن دونوں کی سندیں صحیح نہیں۔ ابن عباس کی حدیث کی سند میں ابواسحاق السبعی ہے جس کا نام عمرو بن عبد اللہ ہے وہ آخر میں غلط ہو گیا تھا جیسا کہ حافظ ابن حجر نے تقریب التہذیب میں بیان کیا ہے اور غلط راوی کی روایت جب تک یہ یقین نہ ہو کہ اختلاط کے پہلے کی بیان کی ہوئی ہے تو روایت معتبر نہیں ہوا کرتی جیسا کہ اصول حدیث کی کتابوں میں مذکور ہے بلکہ یہاں تو ابواسحاق سے دوراوی ناقل ہیں ایک اسرائیل جیسا کہ ابن ماجہ اور طحاوی اور مسند احمد کی دوسندوں میں مذکور ہے اور دوسرا زکریا بن ابی زائدہ جیسا کہ مسند احمد کی ایک سند میں ہے اور دونوں کا ابواسحاق سے روایت کرنا اس کے اختلاط کے بعد ہے جیسا کہ میزان الاعتدال میں امام احمد بن حنبل اور امام یحییٰ بن معین سے منقول ہے پس یہ روایت کسی لحاظ سے صحیح نہیں ہے۔ ثانیاً: یہ ابواسحاق مدلس بھی ہے جیسا کہ طبقات المدلسین لابن حجر ص ۱۳ میں مذکور ہے اور یہاں اپنے استاد الارقم بن شریل الاودی سے عن کے ساتھ روایت کرتا ہے اور مدلس کی روایت عن کے ساتھ مقبول نہیں جب تک سماع کی تصریح نہ کرے مثلاً ”حدثننا“ یا ”اخبرنا“ یا ”سمعت“ وغیرہ جیسے صیغوں سے روایت نہ کرے جیسا کہ اصول حدیث کا قانون ہے پس یہ وجہ بھی روایت کے صحیح نہ ہونے کے لئے کافی ہے۔ ثالثاً: رسول اللہ ﷺ کے مرض وفات کی نماز کا یہ قصہ صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی حدیث میں عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت موجود ہے اس میں یہ الفاظ نہیں ہیں رابعاً: بلکہ بخاری مسلم کی حدیث میں جن کی متفق علیہ حدیث سب سے اعلیٰ درجہ کی صحیح ہے اس میں یہ صاف واضح ہے کہ یہ ظہر کی نماز تھی اس سے ثابت ہوا کہ یہ سری نماز تھی جس میں قرأت آہستہ کی جاتی ہے پس کیسے راوی کو پتہ لگا کہ ابوبکر نے جہاں سے قرأت چھوڑی تھی آپ ﷺ نے وہیں سے شروع کی؟ ثابت ہوا کہ یہ الفاظ غلط اور ناقابل قبول ہیں۔

ہذا ما عندنا واللہ اعلم بالصواب۔

سوال:

کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں بیان فرما کر عند اللہ ماجور ہوں۔ زید کے نکاح میں دو بیویاں تھیں بحالت بخار موسمی دونوں عورتوں میں جھگڑا ہونے کی وجہ سے زید نے حالت غصہ میں مجلس واحدہ میں ”طلاق“ ”طلاق“ دونوں کو طلاق کہا۔ اور یہ دونوں عورتیں اس کے پاس موجود تھیں۔ یہ سن کر دونوں کو بڑا صدمہ ہوا۔ اور دونوں رونے لگیں۔ علماء نے زید سے دونوں عورتوں کو جدا کر دیا ہے۔ اور فرمایا کہ بغیر حلالہ کے یہ حلال نہیں ہو سکتیں۔

اب زید کہتا ہے کہ شریعت محمدی کی رو سے یہ عورتیں مجھ پر حلال ہیں یا حرام۔ دلائل قرآن مجید اور احادیث رسول ﷺ و اقوال صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے تحریر فرمائیں تاکہ قیامت میں مجھے باعث شرمندگی نہ ہو۔ بیٹو! تو جروا: حذکرہ بالا بیان حلفاً صحیح ہے۔

سائل

محمد ابراہیم قوم لغاری
از قریہ داد لغاری تحصیل میرپور ماٹھیلو
ضلع سکھر سندھ

الجواب:

بتوفیق الملک الوہاب بیک وقت تین ہو یا اس سے زیادہ ایک ہی طلاق شمار ہوتی ہے۔ ففی القرآن العظیم ﴿الطَّلَاقُ مَرَّتَانٍ﴾ (سورۃ بقرہ) اور لغت عرب میں مرتان کا اطلاق مَرَّةً بَعْدَ مَرَّةٍ پر آتا ہے۔ جیسے ﴿أَوَّلَا يَسْرُونَ أَنَّهُمْ يُفْتَنُونَ فِي كُلِّ عَامٍ مَّرَّةً أَوْ مَرَّتَيْنِ﴾ (توبہ: ۱۲۶) اور ﴿وَالَّذِينَ لَمْ يَبْلُغُوا الْحُلُمَ مِنكُمْ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ﴾ (نور: ۵۸) نیز حدیث نبوی ﷺ سے بھی اسی طرح ظاہر ہے۔

”ماخرج مسلم عن ابن عباس قال كان الطلاق على عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم وابي بكر وسنتين في خلافت عمر طلاق الثلاث واحدة۔

یعنی آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور دو سال حضرت عمر کی خلافت تک تین طلاقیں ایک شمار کی جاتی تھیں اگر کوئی کہے۔ کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بعد میں تین طلاق کو معتبر قرار دیا تھا تو یہ

اس کا خیال بالکل غلط ہے۔ اس لئے کہ خود حضرت عمر رضی اللہ عنہ دو سال اس پر عمل کرتے رہے۔ کما مر "علاوہ ازیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ یا کسی اور کے حکم سے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کا حکم ہرگز نہیں بدل سکتا۔ ورنہ تجد لنتہ اللہ تبدیلا۔

نیز حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تو یہ کام سیاستاً کیا تھا۔ جیسا کہ مسلم شریف کی حدیث میں ہے کہ:

فلما كان في عهد عمر تتابع الناس في الطلاق فاجازه عليهم.

یعنی جب لوگوں میں بار بار طلاق دینے کی شرارت بڑھ گئی۔ تو اس وقت حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سزا کے طور پر ان کی تین طلاقیں کو بحال کرنے لگے، اب اس فعل سے استدلال کرنا سراسر غلط ہے۔ نیز خود حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے رجوع ثابت ہے اور انہوں نے اس قانون کے نفاذ پر ندامت کا اظہار فرمایا ہے۔

فقد اخرج الحافظ ابو بكر الاسماعيلي في مسند عمر اخبرنا ابو يعلى حدثنا صالح بن مالك حدثنا خالد بن يزيد بن ابى مالك عن ابىه قال قال عمر بن الخطاب ما ندمت على شيء ندامنى على ثلاث ان لا اكون حرمت الطلاق وعلى ان لا اكون النكحت الموالى وعلى ان لا اكون قتلت النواح. (اغاثة اللهفان لابن القيم ص ۳۶۶ جلد اول)

یعنی فرمایا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہ مجھے تین کاموں پر جتنی ندامت ہوئی اتنی ندامت کسی بات پر نہیں ہوئی، ان میں سے ایک تو یہ ہے کہ کاش میں طلاق کو حرام نہیں کرتا۔ یعنی چونکہ لوگوں کی کثرت طلاق کو روکنے کے لئے میں نے بیک وقت تین طلاقیں کے نفاذ کا حکم دیا۔ میری غلطی تھی حالانکہ جو کام خدا کے قانون میں مباح تھا اس کے حرام کرنے کا مجھے حق حاصل نہیں تھا۔ اب دوسری حدیث ملاحظہ ہو۔

اخرج ابو داود عن ابن عباس طلق عبد يزيد ابوركانة واخوته ابوركانة ونكح امرأة من مزينة فجاءت النبي صلى الله عليه وسلم الحديث وفيه فقال راجع امرتك ابوركانة فقال انى طلقته ثلاثا يا رسول الله صلى الله عليه وسلم قال قد علمت راجها وتلى يا ايها النبي اذا طلقتم النساء فطلقوهن احصوا العدة الآية

یعنی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رکانہ اور اس کے بھائیوں والا عبد یزید نے اپنی بیوی ام رکانہ کو طلاق دی تھی، آنحضرت ﷺ نے ابورکانہ کو حکم فرمایا کہ اپنی بیوی ام رکانہ کو واپس لوٹا لو اس

نے کہا۔ یا رسول اللہ ﷺ میں تو اس کو تین طلاقیں دے چکا ہوں۔ آپ نے فرمایا، ہاں میں جانتا ہوں۔ تم لوٹا لو قرآن مجید میں خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ طلاقیں اپنی میعاد میں دیا کرو۔ تیسری حدیث شریف ملاحظہ ہو۔

اخرج الامام احمد في مسنده عن ابن عباس قال طلق ركانة بن عبد يزيد اخو المطلب امرته ثلاثاً في مجلس واحد فحزن عليها حزناً شديداً فسنله رسول الله صلى الله عليه وسلم كيف طلقها قال طلقها ثلاثاً قال في مجلس واحد قال نعم قال فانما تلک واحدة فارجعها ان شئت قال فراجعها قال كان ابن عباس يروى ان الطلاق عند كل طهر.

یعنی حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ عبد یزید کے لڑکے اور مطلب کے بھائی رکانہ نے اپنی بیوی کو بیک وقت تین طلاقیں دے دیں پھر اس پر اس کو بہت غم ہوا۔ آنحضرت ﷺ نے رکانہ سے پوچھا کہ تم نے اپنی بیوی کو بیک وقت تین طلاق دی ہے۔ اس نے کہا، میں نے تین طلاقیں دی ہیں۔

آپ نے فرمایا بیک وقت اس نے کہا کہ ہاں ”آپ نے فرمایا کہ یہ تو ایک ہی طلاق ہوئی اور اب اگر تو چاہے تو لوٹا سکتا ہے، پھر رکانہ نے اپنی بیوی کو لوٹا لیا اس حدیث شریف کے متعلق حافظ ابن القیم اعاشہ اللہ تعالیٰ فیہ لکھتے ہیں کہ رواہ الحافظ ابو عبد اللہ محمد بن عبد الواحد المقدسی فی المختارۃ النسی ہی اصح بن صحیح الحاكم۔ یعنی یہ حدیث شریف کتاب الخیرۃ للمقدسی میں بھی ہے حالانکہ صحت میں اس کتاب کا درجہ امام حاکم کی صحیح سے بھی زیادہ ہے یہ حدیث مطلب میں بالکل صریح ہے، حضور ﷺ کے ماننے والے کے واسطے بالکل کافی ہے اس حدیث میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا فتویٰ بھی مذکور ہے۔ نیز ابوداؤد میں صحیح سند کے ساتھ آپ سے مروی ہے۔ اذا قال انت طالق بضم واحد فہی واحدة.

یعنی ایک منہ سے تین طلاقیں ایک ہی طلاق ہے۔ نیز خلافت صدیق رضی اللہ عنہ میں یہ عمل رہا اور پھر کسی کے اختلاف کا مذکور نہ ہونا اس پر شاہد ہے کہ بیک وقت تین طلاقیں کا ایک ہی شمار ہونے پر صحابہ کرام کا اجماع سکوتی ہے اور اختلاف حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے خلافت میں دوسرے سال کے بعد پایا گیا ہے، اور پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں اتفاق کا دعویٰ کرنا اور خلافت صدیق رضی اللہ عنہ میں اختلاف کا دعویٰ کرنا بھی صحیح نہیں کیونکہ بعد کا اجماع پہلے کے اختلاف کو رد نہیں کر سکتا۔

ففي العالمگیری اجماع المتأخرين لا يرفع الاختلاف المتقدم. لیکن در اصل حضرت عمر

ﷺ کے اس فتویٰ سے صرف اتنا ظاہر ہوتا ہے کہ صحابہ میں اختلاف تھا۔ چنانچہ ابن عباس کا فتویٰ معلوم ہوا اور خلیفہ اول ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا بھی یہی مسلک تھا۔ اور قانون ہے کہ:

إذا اختلف الصحابة وجب الرجوع إلى المرفوع (فتح الباری)

یعنی صحابہ جس مسئلہ میں اختلاف کریں اس کو مرفوع حدیث کی طرف لوٹایا جائے گا۔ یہ سب باتیں تب ہیں جب کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنی فتویٰ ثانی پر تآخروں رہے ہوں چونکہ اوپر ثابت ہو چکا ہے کہ آپ نے اس حکم سے رجوع فرمایا ہے۔ (قد بر) نیز تابعین میں سے طاؤس سعید بن جبیر ابوالشعواء عطاء عمرو بن دنیار قتادہ وحمید کا بھی قول ہے (اعاشہ) نیز امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ سے بھی قول منقول ہے۔ (مسائل الامام احمد لابن داؤد) اور اعاشہ ص ۲۹۰ جلد اول میں ہے۔

جس کا خلاصہ یہ ہے کہ بیک وقت تین طلاقیں کا ایک شمار ہونا آئمہ ثلاثہ امام ابوحنیفہ امام مالک امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ کے قولوں میں ایک قول ہے چنانچہ محمد بن مقاتل جوحنیفہ کے طبقہ ثالثہ میں سے بلند پایہ کے مسلک حنفی ہیں۔

وہ بھی اس کے قائل ہیں اسی طرح شیخ تلمسانی نے بھی اہل القولین فی مذہبہ کہا ہے بلکہ امام مالک سے ایسی روایت ہونے کی بھی تصریح کی ہے۔ اس طرح شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رضی اللہ عنہ نے بعض حنبلیوں سے یہی نقل کیا ہے نیز آپ کا اختیار بھی یہی تھا۔ حالانکہ آپ ان حنبلیوں سے بڑھ چڑھ کر جن کو اصحاب الوجہ فی المذہب شمار کیا گیا ہے جیسے قاضی صاحب اور ابوالخطاب پس بلا شک یہ امام احمد کے مذہب کا بھی ایک قول ہے اس تقریب سے ظاہر ہے کہ صورت مسئلہ میں چونکہ بیک وقت طلاقیں دی گئیں ہیں۔ اس لئے وہ ایک ہی ہے اور طلاق رجعی ہے اور مسائل کو بلا حلالہ رجوع کرنے کا حق حاصل ہے نیز الفاظ پر اگر غور کیا جائے تو فریق ثانی بھی اس کو رجعی کہے گا۔ کیونکہ الفاظ تو اس طرح ہیں کہ طلاق، طلاق، دونوں کو طلاق۔ پہلے دو طلاقیں کی صراحت ہے اور کوئی مخاطب ظاہر نہیں ہے اور دوعورتیں ہیں۔ اس لئے یہ الفاظ بیکارہ جائیں گے، البتہ آخری لفظ دونوں کو طلاق یہ تو لفظ بھی ایک ہے جو کہ ہر ایک کے نزدیک رجعی کا حکم رکھتا ہے،

فقط

هذا آخر ما اردناه والله اعلم

(العبد ابو محمد بدیع الدین شاہ)

AWAIS سائن SIGN

اسپیشلسٹ:

پینا فلیکس، سائن بورڈ، بینرز

پروپرائیٹر

عارف انصاری

صرف
Rs.20/- اسکوارفٹ
چیس بنائیں

پاپ نمبر C-3/22

رون رائل سٹی گلستان جوہر

لاک 17 کراچی

فون: 021-4637976

0300-8909939

مرکزی جمعیت اہل حدیث میرپور خاص کے زیر اہتمام
بچیوں کی تعلیم و تربیت کے لئے

جامعۃ اسلامیۃ للبنات

اپنی بچیوں کو قرآن و حدیث کی
تعلیم کے زیور سے آراستہ کیجئے

4 سالہ کورس

بچیوں کی تعلیم و تربیت
کا بہترین ادارہ

مغیر حضرات سے تعاون کی اپیل ہے

رابطہ: انتظامیہ جامعہ اسلامیۃ للبنات جامع مسجد اہل حدیث لاہور باغ سر سید روڈ میرپور خاص

قَالَتْ يَا أَيُّهَا الْمَلَأُ إِنَّي أُؤْتِيكِ كِتَابَ كَرِيمٍ
(النمل: ٢٩)

علمی خطوط

جمع و ترتیب

مولانا محمد انور رحمہ اللہ

محترم الشیخ غازی عزیر

(حفید مولانا عبدالرحمن مبارکپوری رحمۃ اللہ علیہ صاحب تحفۃ الاحوذی)

المملكة العربية السعودية

سے مراسلہ

مکرمی و محترمی جناب مولانا ابو محمد بدیع الدین شاہ الراشدی المکی رحمۃ اللہ علیہ

السلام علیکم ورحمة الله وبرکاته

امید ہے کہ مزاج گرامی بخیر ہوں گے، الحمد للہ اچھا ہوں۔

① کتاب ”ضعیف احادیث کی معرفت اور ان کی شرعی حیثیت“ کا ایک نسخہ آں محترم کی خدمت میں بذریعہ رجسٹری بھجوا یا گیا ہے۔ توقع ہے کہ ملا ہوگا۔ گزشتہ سال اس کا ”صحت نامہ“ بھی مرتب کر کے بھیجا تھا مگر کتاب نہ بھجوا سکا تھا۔ شاید کہ صحت نامہ محفوظ ہوگا۔ براہ کرام مرسلہ کتاب پر اولین فرصت میں ”تبصرہ و تقریظ“ تحریر فرما کر مذکورہ بالا پتہ پر روانہ فرمادیں۔ مشکور ہوں گا۔ اللہ تعالیٰ جزائے خیر عطا فرمائے۔ آمین۔ آپ کے وقیع ”تبصرہ“ کا شدت سے انتظار رہے گا۔

② تقریباً چار سال قبل آں محترم نے راقم کی ایک کتاب ”تحفۃ الاسماء“ پر مقدمہ تحریر فرمایا تھا۔ یہ کتاب اب تک غیر مطبوعہ حالت میں پڑی ہوئی تھی مگر اب کراچی کا ادارہ مفت روزہ ”تکبیر“ اس کی کمپیوٹر کمپوزنگ کر رہا ہے۔ ان شاء اللہ ماہ رمضان تک مکتبۃ القاسمیہ مردان سے شائع ہو جائے گی۔ اظلاماً عرض ہے۔

باقی سب خیریت ہے۔ جملہ احباب و متعلقین کو سلام مسنون پیش ہے۔

فقط والسلام

غازی عزیر

محترم ڈاکٹر محمد حمید اللہ رحمۃ اللہ علیہ

کا پیرس فرانس سے شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے نام مراسلہ

محترم و مخدوم زاد فیضکم

السلام علیکم ورحمة الله وبرکاته

آں محترم نے جو کتابیں روانہ فرمائی تھیں وہ الحمد للہ خیر و عافیت سے کل جمعہ کو جامع مسجد میں مل گئیں جزاکم اللہ احسن الجزاء متعنا اللہ بطول حیاتکم۔ ان شاء اللہ ان کو پڑھ کر ان سے استفادہ کروں گا اور دعا گو رہوں گا۔

مجھے بھولا نہیں کہ عرصہ قبل میں وہاں حاضر ہوا اور وہاں کے نفیس کتب خانے سے استفادہ کیا اور اوروں کو مستفید کرتا رہا۔ اس کا ثواب آپ ہی کو ملے گا۔ کوئی کار لائقہ ہو تو ضرور یاد سے شاد فرمائیں۔

خادم فقیر الی اللہ

محمد حمید اللہ

محترم ڈاکٹر صہیب عبدالغفار حسن رحمۃ اللہ علیہ

ٹوئینہام، لندن سے شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے نام مراسلہ

حضرت المکرم جناب سید بدیع الدین شاہ صاحب!

السلام علیکم ورحمة الله وبرکاته

مجھے امریکہ سے واپسی پر یہ اندوہناک خبر ملی کہ آپ کی اہلیہ کا انتقال ہو گیا ہے۔

انا للہ وانا الیہ راجعون۔

یہ اللہ کی مشیت تھی کہ ایسے وقت میں وہ اپنے رب سے جا ملیں جب کہ آپ خلق خدا کو اللہ کے دین کی تبلیغ کے لئے مصروف تھے۔

اعظم اللہ اجرکم واخلف اللہ لکم خیراً،
اللہ تعالیٰ آپ کو صبر اور تحمل سے اس صدمہ کو برداشت کرنے کی توفیق دے، واللہ ما اعطی واللہ ما اخذ
امریکہ کے احباب آپ کو شدت سے یاد کر رہے تھے اور آپ سے ملاقات کرنے کے متمنی تھے،
برطانیہ کا دورہ بھی آپ کا بہت کامیاب رہا، احباب نے اور خاص طور پر نوجوانوں نے بہت استفادہ کیا۔
وزادکم اللہ علماً و شرفاً۔
احباب کو سلام کہیں۔

والسلام

صہیب عبدالغفار حسن

علامہ سید بدیع الدین شاہ راشدی رحمۃ اللہ علیہ

کا محترم محمد بشیر انصاری صاحب کے نام مکتوب

محترم و مکرمی برادر م جناب محمد بشیر صاحب

مدیر الاسلام

السلام علیکم ورحمة اللہ وبرکاتہ

خیریت.....

الغرض یہ کتاب بنام ”تنقید سدید ہر سالہ اجتہاد و تقلید“ محمد ادریس صاحب کاندھلوی کے رسالہ ”اجتہاد و تقلید“ کی تردید میں کافی دن سے لکھا ہے اسے چھپانے کی ہمت نہیں ہوئی اب آپ کی طرف ارسال کرتا ہوں اس کو ”الاسلام“ میں قسط وار شائع کر دیں بڑی علمی چیز ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو سلامت رکھے
جملہ احباب کو سلام عرض ہو۔

والسلام العبد ابو محمد بدیع الدین

فضیلۃ الشیخ ارشاد الحق اثری رحمہ اللہ کا شاہ صاحب رحمہ اللہ کے نام مراسلہ

مخدومی و کرمی و مرشدی

حضرت الشیخ السید بدیع الدین شاہ صاحب

متعنا اللہ بطول حیاتکم

السلام علیکم ورحمة الله وبرکاته

دو چار روز ہوئے کہ یہ افسوسناک خبر ملی کہ محترم برادر محمد شاہ صاحب کی والدہ محترمہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کو پیاری ہو گئیں ہیں۔ انا اللہ وانا الیہ راجعون۔ بڑا صدمہ ہوا دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مرحومہ کو جنت الفردوس عطاء فرمائے اور انبیاء کرام، صدیقین و شہداء کی معیت و رفاقت بخشے اور آپ کو معہ جملہ پسماندگان کے صبر جمیل بخشے۔ آمین۔

گھر کا انتظام اہل خانہ پر ہوتا ہے۔ جس کا صدمہ آپ کے قلب و دماغ پر انتہائی زیادہ ہوگا مگر بغیر صبر و استقلال کے چارہ بھی نہیں۔ اس قسم کے صدموں نے بلاشبہ آپ کو کمزور سے کمزور تر کر دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کا بلکہ ہم سب کا حامی و ناصر ہو۔

والسلام

ارشاد الحق اثری

ادارۃ العلوم الاثریہ،

منقمری بازار فیصل آباد۔

علامہ سید بدیع الدین شاہ راشدی رحمہ اللہ

کا محترم محمد بشیر انصاری کے نام مکتوب

مدیر کرم انصاری صاحب

ہفت روزہ الاسلام کے اجراء پر ایک نظر: سید بدیع الدین شاہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔ یہ دیکھ کر نہایت خوشی ہوئی کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے دین کی مزید تبلیغ و اشاعت کے لئے ہفت روزہ ”الاسلام“ کا ڈیٹیکٹریشن دلوادیا میں امید کرتا ہوں کہ یہ رسالہ دین کی اشاعت کے لیے دن دوگنی اور رات چوگنی ترقی کرے گا اور میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ وہ اس رسالے کے ذریعے اپنے دین کی اشاعت میں مدد دے گا اور اس بات کی دعا کرتا ہوں کہ خدا کرے یہ رسالہ جماعتی اختلافات ختم کرنے میں مدد و معاون ثابت ہو میں دیکھتا ہوں کہ وہ جماعت جس کو حق کی اشاعت کے علاوہ دنیا میں کوئی کام نہیں کرنا چاہیے تھا وہ آج انتشار کا شکار ہو کر اپنے مقصد حقیقی کو بھول چکی ہے۔ میں امید کرتا ہوں کہ ”الاسلام“ میں کوئی ایسی بات شائع نہیں ہوگی جس سے جماعت میں اختلاف ہو بلکہ رسالہ میں ایسا اسلوب اختیار کیا جائے جس میں جماعت کو جلد سے جلد آپس میں متحد کرنے کی سعی ہو کیونکہ جب تک جماعت آپس میں متحد نہیں ہوگی تب تک یہ دین کی خدمت صحیح معنوں میں نہیں کر سکے گی خدا کرے وہ دن ہمیں دیکھنا نصیب ہو جب تمام جماعت ایک جگہ متحد ہو کر دین اسلام کی ترویج کے لیے کوئی مثبت قدم اٹھائے اور میں اہل قلم حضرات کی خدمت میں بھی گزارش کروں گا کہ وہ اپنے مضامین کو ”الاسلام“ میں بھیج کر دین کی اشاعت میں مدد کریں گے نیز میں جماعت کی خدمت میں بھی گزارش کروں گا کہ وہ ”اسلام“ کی مالی مدد فرما کر دین کی اشاعت کے لیے زیادہ سے زیادہ اور بڑھ چڑھ کر حصہ لیں تاکہ یہ رسالہ جو کہ ”الاسلام“ کے نام سے سامنے آیا ہے واقعی اسلام ثابت ہو کیونکہ اس دور پر فتن میں اسلام کا بول بالا کرنا جہاد عظیم ہے۔ جبکہ دنیا ضلالت و گمراہی کی طرف کشاں کشاں کھینچی چلی جا رہی ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں مل جل کر اپنے دین کی اشاعت کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

آمین ثم آمین۔

ابو محمد بدیع الدین شاہ

پروفیسر ساجد میر رحمۃ اللہ علیہ امیر مرکزی جمعیت اہل حدیث پاکستان کا شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے نام تعزیتی پیغام

مکرمی جناب شاہ صاحب

السلام علیکم ورحمة اللہ وبرکاتہ

میں سری لنکا کے سفر سے واپس آیا تو معلوم ہوا کہ آپ کی اہلیہ محترمہ قضائے الہی سے وفات پا گئی ہیں۔ انا اللہ وانا الیہ راجعون۔ مذکورہ سفر کی وجہ سے میں اس سے پہلے خط نہ لکھ سکا۔ جس کا مجھے آفسوس ہے امید ہے تعزیت اور معذرت دونوں قبول فرمائیں گے۔

آپ کو یہ کہنا تحصیل حاصل اور سورج کو چراغ دکھانے کے مترادف ہے کہ موت برحق اور اہل ہے۔ لیکن اللہ نے انسان کو جو جذبات دیئے ہیں ان کے زیر اثر اپنے عزیزوں کی وفات کا غم بھی فطری ہے لیکن

”وَمَنْ يُؤْمِنْ بِاللَّهِ يَهْدِ اللَّهُ قَلْبَهُ“

کے مصداق امید واثق ہے کہ ان شاء اللہ آپ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے شریک حیات کی علیحدگی اور وفات کا عظیم صدمہ برداشت کرنے کی توفیق عنایت ہوگی اللہ آپ کو صبر اور اس کے اجر سے نوازے۔ اور رفیق حیات کے بغیر زندگی کی مشکلات کو آسان فرمائے۔ آمین۔

والسلام

پروفیسر ساجد میر

امیر مرکزی جمعیت اہل حدیث پاکستان

راوی روڈ لاہور

فضیلتہ الشیخ محمد بن احمد بن اسماعیل المقدم کا مصر سے شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے نام مراسلہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

من العبد الضعیف عدید العیوب کثیر الخطایا والذنوب محمد بن احمد بن
إسماعیل إلى أستاذة وشیخه وسیده وقدوته العلامة المحدث ناصر السنة، وقامع البدعة
السید الشریف أبی محمد بدیع الدین شاہ الراشدی المکی السندی باریک اللہ فی علمه
وعمره ووقته.

السلام علیکم ورحمة اللہ وبرکاتہ وبعد:

فلانی احمد إلیکم اللہ الذی لا إله إلا هو، ربنا ورب ابائنا الأولین، وأصلی وأسلم
على خاتم أنبیائه ورسله، وعلى آله وصحبه أجمعین.
ثم ”أما بعد“ ایضاً

فجزاکم اللہ خیراً یا سیدنا وشیخنا لرسالتکم الکریمه، وقد کنت علی وشک
الکتابة إلیکم للاطمینان علیکم واستماحکم لتقصیرنا الشدید فی حقکم أثناء تشرفی
بصحبتکم المبارکة فی امریکا، غیر أن أهل الفضل والشرف سابقون دوماً إلى المکارم.
وإنی أسأل اللہ تبارک وتعالیٰ ان یمن علینا بصحبة أطول لفضیلتکم ننهل فیها من علمکم،
ونستفیع بلحظکم ولفظکم، ونتشرف بخدمتکم، ونزلف إلى اللہ عزوجل بمحبتکم واقتباس
الأدب الرفیع من خلقکم، أحسنه اللہ عاقبة لکم ولخادمکم وتلمیذکم وسائر المسلمین،
ونسألکم الدعاء لتلمیذکم وخادمکم، وصلى اللہ وسلم وبارک علی عبده ورسوله محمد
وعلى آله وصحبه أجمعین والحمد للہ رب العالمین.

والسلام علیکم ورحمة اللہ وبرکاتہ

الإسکندریة فی ۲۹/۶/۱۴۰۹ھ

ڈاکٹر مقتدی حسن ازہری کا ہندوستان سے

شاہ صاحب رحمۃ اللہ کے نام تعزیتی مکتوب

فضيلة الشيخ الموقر العلامة السيد بديع الدين شاه الراشدي حفظه الله وتولاه،

السلام عليكم ورحمة الله وبركاته،

جریہ ترجمان دہلی کے ذریعہ یہ خبر ملی کہ آں جناب کی اہلیہ محترمہ، رحمہا اللہ وغفرلہا، آپ کی غیر موجودگی میں انتقال فرما گئیں، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

آپ کے اس صدمہ میں ہم جامعہ سلفیہ کے متعلقین شریک ہیں، اور اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ مرحومہ کو جنت الفردوس عطا فرمائے، آپ کو اور تمام پسماندگان کو صبر جمیل کی توفیق بخشے اور سکون قلب کی نعمت سے بہرہ ور فرمائے۔

أعظم الله أجرکم، وفقنا وأیاکم لما یحب ویرضی، والسلام علیکم ورحمة الله.

شریک غم

مقتدی حسن ازہری

الجامعہ السلفیہ مرکزی دارالعلوم

B18/1/g جامعہ سلفیہ مارگ، ریوری تالاب بنارس انڈیا

محترم برق التوحیدی صاحب کا محترم شاہ صاحب رحمۃ اللہ کے نام مراسلہ

مکرمی و محترمی حضرتہ الخدم جناب سید بدیع الدین شاہ راشدی

حفظکم اللہ تعالیٰ ومتعنا اللہ بطول حیاتکم

السلام علیکم ورحمة الله وبركاته

ابا بعد! گذارش آنکہ اس سے قبل بھی طلب سند کے لئے راقم الحروف نے بذریعہ خط درخواست کی

تھی مگر شاید کہ وہ خط مل نہ سکا ہو۔ تاہم آج کی حاضری کا مقصد صرف یہ ہے کہ کل بیت اللہ میں جمعہ کی نماز پڑھنے گیا تو مولانا محمد اعظم صاحب سے ملاقات ہوئی وہ لندن میں تبلیغی پروگرام سے واپس آئے تھے دوران گفتگو انہوں نے کہا کہ سید صاحب بھی تشریف لائے تھے تو آپ کا ذکر خیر کافی دیر تک ہوتا رہا اس دوران انہوں نے یہ افسوس ناک خبر بھی سنائی کہ آپ کی اہلیہ کا انتقال اسی سفر کے دوران ہو گیا اور آپ کو اس کی خبر بھی لندن میں ملی۔

ظاہر ہے محترمہ و مخدومہ کے انتقال سے آپ کی عائلی زندگی میں جو غلا واقع ہوا ہے اس کی تلافی ناممکن ہے اور اندریں حالات آپ کو جو صدمہ پہنچا ہے اس کے اثرات آپ کی انفرادی و عائلی زندگی کے ساتھ علمی و تبلیغی خدمات پر بھی مرتب ہوں گے۔

بنابریں یہ حادثہ آپ کی ذات سے ذاتی تعلق کی نسبت اور اجتماعی نسبت سے آپ کے اہل خانہ کی طرح ہمارے لئے بھی باعث افسوس و کرب ہے مگر مشیت ایزدی پر تسلیم خم کرنے کے علاوہ کیا چارہ ہے۔
راقم الحروف آپ کے اس صدمہ میں آپ کے لئے بارگاہ ایزدی سے صبر جمیل کا دعا گو ہے اور دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس صدمہ سے پیدا شدہ حالات میں آپ کا تعاون فرمائے اور مرحومہ کو اپنے جوار رحمت میں پناہ دے۔ ان کی بشری لغزشوں سے درگزر فرماتے ہوئے اعلیٰ علیین، جبرئیل الفردوس میں جگہ نصیب فرمائے اور دیگر پسماندگان کو بھی صبر جمیل کی توفیق بخشے اور اس نقصان کی تلافی فرماتے ہوئے نعم البدل عطا فرمائے۔
آمین یا رب العالمین۔

والسلام

آپ کا خادم

برق التوحیدی

(پاکستان ایبیس اسکول)

جدہ سعودی عرب

مرکزی جمعیت اہل حدیث برطانیہ کی طرف سے شاہ صاحب رحمۃ اللہ کو دعوت نامہ

فضيلة الشيخ الاستاذ / السيد بديع الدين شاه حفظه الله تعالى
السلام عليكم ورحمة الله وبركاته، وبعد:

فيسرني أن أفيدكم علماً بأن الحجز تم في طيران الخليج رحلة رقم ٣٩٤١ جى
يف في ٣/ أغسطس يوم الاربعاء من كراتشي الى لندن، وأرسلنا التذكرة الى كراتشي وهي
موجودة الآن في مكتب طيران الخليج بكراتشي ويمكن ان تحصلوها برقم الكمبيوتر
SSMSPC GF 4971/005 الراشدى بديع الدين شاه.

نرجو المعذرة لعدم حصول الحجز في الخطوط الجوية الباكستانية، فجزاكم الله
احسن الجزاء.

ونود ان نخبركم عن موضوع المحاضرة في يوم السبت ٤/ أغسطس يوم
الانجليزى "اهمية علم الحديث الشريف ودور المحدثين في بناء المجتمع الاسلامى" و
يمكن ان تلقوها في اللغة العربية وترجم في الانجليزية، واما يوم الاحد (يوم الارדو) يكون
الموضوع "ماهى الدعوة السلفية."

هذا والله يحفظكم ويرعاكم والسلام عليكم ورحمة الله وبركاته

اخوكم في الله.

محمد عبدالهادى العمرى

مدرسہ بحر العلوم السلفیہ تاریخ 29:01:1991

خدمت ۾ جناب عزت مآب شاہ صاحب دائر اقبال و ایمان

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

امید تہ ذاتی تعالیٰ جی فضل و کرم سان اوهان خوش و خرم ہوندا. اسان بہ سائنجن جی صحت ۽ زندگی لاء دعاگو آہیون.

عرض ہی آہی تہ مدرسہ جی امتحانن جی باری ۾ تحریری امتحان لاء پرچا ناھن واسطی شاگردن جو پوھیل کورس جو تفصیل هن گڈ عرض آہی ۽ انھن سان ئی پرچا تیار ٿیندا. اھی تفصیل توهان جی حکر موجب عرض رکجن ٿا.

ہیو عرض هن وقت تاء سائنجن اسان جی مدرسی جی امتحان جی تاریخ 9 مارچ بمطابق 21 شعبان مقرر کرڻ فرمائی آہی. انھن لاء حاجی محمد اسماعیل صاحب جن روبرو سائنجن کی عرض کیو هو تہ تاریخ کجھ 5 - 6 ڏینھن اڳواڻ مقرر ڪندا. مطلب تہ 10 شعبان ۽ 15 شعبان جی وچ ۾ کا بہ تاریخ مقرر کری مہربانی کری اسان کی اطلاع ڏیندا تہ عین نوازش ٿیندی.

ہیو اسان جی لاء کویہ حکر احکام ھجی تہ حاضر.

سلام عرض رکجن ٿا. جماعت وارن جا سلام قبول ڪندا ۽ پڻ اتي جماعت

وارن کی چوندا. زیادہ خیر سلام.

نیاز مند خادم

محمد ہاشم میمن

وکیل میرپورخاص

هالا شريف سنڌ

تاريخ

محترمي و مڪرمي پير حاجي بديع الدين شاه راشدي صاحب
ڪجهه وقت اڳ طبيعت خوش نه هئڻ سبب اسان کي مجبوراً حيدرآباد ۾
سول اسپتال ۾ ديوان مشتاق ۾ علاج لاءِ داخل ٿيو. جتان بعد ۾ علاج لاءِ
ڪراچي ۾ جناح اسپتال ۾ دل واري شعب ۾ داخل ٿياسون جتي ڪجهه وقت علاج
ڪرڻ بعد هالا ۾ واپس آياسون وري رمضان جي مهيني ۾ طبيعت وڌيڪ خراب ٿي
پيئي تنهن ڪري ڊاڪٽرن جي مشوري سان اسان علاج لاءِ ڪراچي ۾ جناح اسپتال ۾
اپريل 91 جي پڇاڙي ۾ داخل ٿياسون جتان هڪ مهيني کان وڌيڪ علاج بعد خير
سلامتي بهتر طبيعت سان هالا پهتا آهيون. مٿين سموري عرصي دوران توهان اسان
جي طبيعت پرسي لاءِ اسپتال ۾ آيا هئا. تنهن لاءِ توهانجي مهرباني ۽ اسان توهانجو
شڪر ادا ڪريون ٿا. دعا ڪندا ته الله سائين اسان کي مڪمل طور صحتياب ڪري
۽ مڪمل تندرستيءَ سان هلائي آمين! جيئن ته اسان جي طبيعت اهڙي نه آهي جو
ماڻهن سان ملي سگهون تنهن ڪري اسان ملي نه سگهنداسون.

والسلام

جڏهن طبيعت اهڙي ٿيندي تڏهن سڀني سان ملنداسون.

(مخدوم محمد زمان طالب الموليٰ)

سجاده نشين

درگاه حضرت مخدوم نوح رحمہ اللہ عليہ

هالا شريف سنڌ

شیخ العرب والعجم علامہ سید بدیع الدین شاہ راشدی رحمہ اللہ
 کے نام عرب فرمانرواں اور علمائے اکرام کے
مختلف مواقع پر تہنیتی پیغامات



خادم الحرمين الشريفين
 شاہ فہد بن عبد العزیز رحمہ اللہ
 عید الفطر کے موقع پر
 تہنیتی پیغام

فہد بن عبد العزیز الرحمن
 بسمک لکم ما ایدیتسو من مستأجر صاوتہ
 ولا عملات مخلصتہ: سفدر الکم ایامہا
 رفقاً بللاہما باطیبت التمنیات

فضیلۃ الشیخ عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز رحمۃ اللہ علیہ کا عید الاضحیٰ کے موقع پر

تہنیتی پیغام

المکتبۃ العربیۃ السوریۃ
بمکتب الرئیسی
بمکتب الرئیسی

من عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز الی حضرة الأخ المکرم الشریف أبو محمد بدیع الدین شاه
الراشد المکی

سلام علیکم ورحمة الله وبرکاته بعدہ :
وصلتني البطاقة المتضمنة التهنئة بعيد الاضحى المبارك . فأشكركم على ذلك
وأبادلكم التهنئة به سائلاً المولى عزوجل أن يعيده علينا وعليكم وعلى الأمة الإسلامية
بالبين والبركات .

والسلام عليكم ورحمة الله وبركاته.....

الرئيس العام

لإدارات البحوث العلمية والإفتاء . والدعوة والإرشاد

المستحق
الرفعة
القابضة
الرفعة

فضیلۃ الشیخ محمد صالح العثیمین رحمۃ اللہ علیہ کا عید کے موقع پر تھنیتی پیغام

بسم اللہ الرحمن الرحیم مع طینۃ فی ۱۴/۱۳/۱۴۰۹
من مکرہ الصالح العثیمین اِلِیْ اَیُّهَا الْمَلِکُ رَئِیسَ مَجْمَعِیَةِ اَهْلِ الْحَدِیْثِ فِی بِلَادِ
السَّنَدِ حَفْظِہٖ اَسَدُ تَقَالِی
السَّلَامُ عَلَیْکُمْ وَرَحْمَةُ اللہِ وَبَرَکَاتُہُ
وَصَلَاتِنِی تَهْنِئَتُکُمْ بِالْعِیدِ فَجَزَاکُمُ اللہُ خَیْرًا وَتَقَبَّلْ بِاَسَدِ مَنَا
وَمِنْکُمْ وَمِنْ جَمِیعِ الْمُسْلِمِیْنَ وَاعَادَہُ اللہُ عَلَیْنَا وَعَلَیْکُمْ وَعَلَى الْمُسْلِمِیْنَ
بِخَیْرٍ وَعَافِیَۃٍ لَا اِنَّہُ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ
وَالسَّلَامُ عَلَیْکُمْ وَرَحْمَةُ اللہِ وَبَرَکَاتُہُ
عبد العثیمین

فضیلۃ الشیخ عبد اللہ بن عبد المحسن التركي کا تھنیتی پیغام

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اَسْتَہْرَکُمْ عَلٰی تَهْنِئَتِکُمْ الْکَرِیْمَۃَ
وَأَسْأَلُ اللہَ تَعَالٰی اَنْ یُعِیْدَ لَہٗذَہِ الْمُنَاسِبَۃَ الْکَرِیْمَۃَ عَلَیْنَا
وَعَلَیْکُمْ وَعَلٰی جَمِیْعِ الْمُسْلِمِیْنَ بِاَخْیَرِ وَاعْفَیۃٍ وَالْبَرَکَاتِ

أُضَوِّکُمْ
عبد اللہ بن عبد المحسن التركي
مدیر جامعۃ الإمام محمد بن سعودیہ اسلامیۃ

شاہ صاحب رحمہ اللہ نے اپنی زندگی میں بے شمار مضمون تحریر
کئے ان میں سے دو کا انتخاب کر کے ہدیہ قارئین پیش
خدمت ہے۔

نادر تحریریں

جمع و ترتیب
مولانا محمد ریاض میمن حفظہ اللہ

صدر جمعیت کا پیغام عید

تعالوا الی کلمۃ سواء بیننا و بینکم

برادران ملت! دسویں ذی الحجہ کا وہ تاریخی دن ہے، جس پر ہم ایک جلوس کی شکل میں نکل کر اپنے آقا کے سامنے اپنے مطالبات پیش کرنے کو جاتے ہیں۔ اس سے ہمیں چند سبق حاصل کرنے چاہئیں۔
اول یہ کہ ہم سب ایک ہی جماعت ہیں اور ایک ہی جھنڈے جو کہ سرور کائنات ﷺ کا ہے اس کے نیچے جمع ہوں۔ ہم میں فرقہ بندی نہیں ہے ہم دو نہیں تین نہیں چار نہیں صرف ایک ہی ہیں۔ چنانچہ ارشاد رب العباد ہے کہ:

إِنَّ هَذِهِ أُمَّتُكُمْ أُمَّةً وَاحِدَةً وَأَنَا رَبُّكُمْ فَاعْبُدُونِ (الأنبياء: ۹۲)

یعنی یہ آپ کی جماعت ایک ہی جماعت ہے اور میں اکیلا آپ کا رب ہوں۔ بس میری ہی بندگی کیا کرو۔

دراصل ہمارا نصب العین اشاعت دین تھا اس میں ہم اکثر اس لئے پست ہیں کہ ہم نے اپنے اندر فرقہ بندی کو پناہ دی ہے اور اسی وجہ سے خالص سنت پر عمل کرنے کے لئے ہمارا سینہ تنگ ہو رہا ہے ہمیں متنبہ ہونا چاہئے کہ ہم ایک ہی جماعت ہیں اور ہمارا ایک رب ہے وہی ہماری سب ضرورتوں کے لئے کافی ہے۔
ایسے اللہ بکاف عہدہ اور ہمارا مرشد رہبر امام پیشوا مقتدا ہادی صرف ایک ہے اور وہ کامل انسانوں میں آخری انسان حضرت خاتم النبیین ﷺ ہے اور ہمارا قبلہ ایک ہے اور ہماری کتاب صرف قرآن و سنت ہیں یاد رکھو یہ ہی موقعہ ہے جس پر آل حضرت ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقع پر منیٰ میں خطبہ دیتے ہوئے فرمایا۔

ترکت فیکم ما ان اعتصمتم بہ لن تضلّوا ابدا۔

آپ کے واسطے میں ایسی چیز چھوڑ جاتا ہوں جس کے مضبوط پکڑنے سے تم راہ حق سے ہرگز نہیں

بھٹک سکتے ہو اور وہ ہے اللہ کی کتاب (قرآن) اور اس کے رسول کی سنت (حدیث) اگر آج بھی ہم متحد و متفق ہو کر اس فرقہ بندی کو خیر باد کہہ دیں اور کتاب و سنت پر عمل کرنا شروع کر دیں تو ہمارے اندر بھی اشاعت دین کے لئے وہ اسپرٹ پیدا ہو سکتی ہے جو کہ خیروں القرون کے زمانے کے لوگوں میں تھی آج یہ اسلام اس بیکسی کی حالت میں تم پر حسرت کر رہا ہے کہ افسوس میرے نگہبان نہیں رہے اور یہ زبان حال تمہیں بار بار کہہ رہا ہے کہ مجھ پر رحم کرو میری یہ غربت اور بیکسی غیروں کی نظروں میں حقیر دکھائی دینا ان سب کا موجد اور محرک آپ کا باہمی اختلاف اور مذہبی فرقہ بندی ہے خدا را آؤ میں تم کو وہ طریقہ بتاؤں جس سے آپ کے سب اختلاف دور ہو سکتے ہیں۔ سنو میں نہیں کہتا بلکہ میرے اور آپ سب کے آقا کا ارشاد گرامی ہے۔

فَإِنْ تَسَارَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ إِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ
وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ذَلِكَ خَيْرٌ وَأَحْسَنُ تَأْوِيلًا
(النساء: ۵۹)

یعنی جس چیز میں بھی تمہارا اختلاف ہو اس کو خدا اور اس کے رسول ﷺ کی طرف (فیصلہ کے لئے) لوٹاؤ۔ اگر تم خدا پر اور روز جزاء پر ایمان رکھتے ہو اور یہ بہت اچھا طریقہ اور بہتر انجام کار ہے۔

دوسرا سبق ہمیں یہ ملتا ہے کہ ہم آپس میں بغیر نسلی و وطنی امتیاز کے اتفاق و محبت کی زندگی بسر کریں اور ایک دوسرے کی جان و مال عزت کی حفاظت کریں۔ اس موقع کے خطبہ میں آپ نے یہ بھی فرمایا کہ: الا لا فضل لعربی علی عجمی ولا لعجمی علی عربی ولا لاحمر علی اسود ولا اسود علی احمر یعنی خبردار آپ سب بھائی بھائی ہیں نہ کسی عربی کو عجمی پر فضیلت ہے نہ کسی عجمی کو عربی پر اور کسی گورے کو کالے رنگ والے پر اور نہ کالے کو گورے پر اور بعینہ یہ قرآن کا فرمان ہے:

يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُمْ مِنْ ذَكَرٍ وَأُنْثَى وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا
إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ
(الحجرات: ۱۳)

یعنی اے لوگو تم کو ہم نے (ایک ہی جوڑے) نر مادہ یعنی ماں باپ سے پیدا کیا ہے اور تمہاری نسلیں اور قبائل محض تمہاری پہچان کے لئے بنائے گئے ہیں نہ کہ ایک دوسرے پر

فضیلت حاصل کرنے کے لئے سب سے زیادہ لائق تعظیم خدا کے ہاں وہی ہے جو سب سے زیادہ اس سے ڈرنے والا ہے۔

اور نیز آپ نے یہ بھی خطبہ میں فرمایا:

الاولان دماءکم و اموالکم و اعراضکم حرام علیکم کحرمة یومکم هذا فی شہرکم هذا فی بلدکم هذا۔

یعنی خبردار تم پر ایک دوسرے کی جان و عزت اتنی ہی حرام اور واجب الاحترام ہے جتنی کہ تم اس شہر (مکہ شریف) میں۔ اسی مہینہ ذی الحجہ اسی تاریخ دسویں کی عزت کرتے ہو اور نیز فرمایا:

لا ترجعوا بعدی کفاراً یضرب بعضکم رقاب بعض۔

یعنی میرے بعد کافر ہو کے نہ لوٹنا کہیں ایک دوسرے کی گردن مارتے رہو۔ یہ ہے وہ اس سردار جہاں ﷺ کی تعلیم جس میں دنیا بھر کی امن و سلامتی مضمر ہے۔

تیسرا سبق ہمیں یہ مل رہا ہے کہ موجودات میں سب کے سب اللہ کے بندے ہیں اور مالک اکیلا وہی ہے جیسے کہ آپ ﷺ کی دعائیں ہیں۔ وکلناک عبد یعنی اے مولا ہم سب تیرے بندے ہیں اور فرمان:

إِنْ كُلُّ مَنْ فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ إِلَّا آتَى الرَّحْمَنِ عَبْدًا (مريم: ۹۳)

یعنی آسمانوں اور زمینوں کے اندر جتنے بھی کچھ موجود ہیں سب اللہ کی خدمت میں بندے ہو کر آتے ہیں۔

پس بندے کا فرض ہے کہ اپنے آپ کو خدا کی ملکیت اور خود کو اس کے قبضے میں تصور کرے جیسے فرمایا:

مَنْ دَانِيَةً إِلَّا هُوَ أَخَذَ بِنَاصِيَتِهَا (هود: ۵۶)

یعنی ہر متحرک چیز کی پیشانی خدا کے قبضے میں ہے۔

اور عید نماز کو جاتے وقت وہی اپنی ہمت رکھیں جیسا کہ ایک مجرم تائب و نادام کی حیثیت سے اپنے مالک کے پاس جاتا ہے۔ ان اللہ سبح التواہین یہی ایک موقع ہے جہاں نبی سے لے کر امتی تک اور پیر سے مرید تک استاد سے شاگرد تک حاکم سے رعایا تک زمیندار سے مزارع تک امیر سے غریب تک سب کے سب

اپنا ظاہری امتیاز ختم کر کے غلام اور فقیر کی حیثیت سے ایک خدا کو اپنے مولا اور نفع و نقصان کا مالک سمجھ کر ان کے حضور میں پہنچتے ہیں۔

چوتھا سبق یہ حاصل ہوتا ہے کہ یہ ہمارا ایک اسلامی تہوار ہے۔ جو صرف خدا کی حمد و ثناء سے اور تکبیر و تحلیل سے مزین ہوتا ہے جب کہ دنیا بھر کے تہوار محض لہو و لعب و شور و شغل سے منائے جاتے ہیں ان سب چیزوں کو اسلام نے ناپسند کیا ہے۔ قرآن حکیم میں یوں ارشاد ہے:

وَمِنَ النَّاسِ مَن يَشْتَرِي لَهْوَ الْحَدِيثِ لِيُضِلَّ عَن سَبِيلِ اللَّهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ
وَيَتَّخِذَهَا هُزُوًا أُولَٰئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِينٌ (لقمان: ۶)

یعنی بعض لوگ ایسے ہیں جو کھیل و تماشہ کو مول لے لیتے ہیں تاکہ لوگوں کو راہ خدا سے ہٹایا جائے اور خدا کی راہ کو محض ایک مذاق سمجھا جائے جس طرح کہ عام امراء اور برسر اقتدار لوگ ایسے مواقع پر دنگل و تماشہ کروا کر لوگوں کو ذکر اللہ و عبادات سے محروم کر دیتے ہیں، ان کے لئے ذلیل کرنے والا عذاب ہے۔

پانچواں سبق یہ کہ ہم مسلمانوں کا یہ امتیازی تہوار ہے جس پر ہم خاص کلمات کہہ کر میدان عید میں مجتمع ہیں پھر انہیں کلمات کو دہراتے ہوئے واپس آتے ہیں اور وہ یہ کلمات ہیں: اللہ اکبر اللہ اکبر اللہ اکبر کبیرا اور یہ بھی اللہ اکبر لا الہ الا اللہ واللہ اکبر واللہ الحمد یہ ایسے کلمات ہیں جن سے صرف اللہ تعالیٰ کی بڑائی ظاہر ہوتی ہے چنانچہ خلاصہ یہ ہے کہ اللہ سب سے بڑا ہے اور وہ ایک ہے کوئی اس کا شریک نہیں اور حمد و ثناء اس کی شایان شان ہے اس سے ہمیں سبق لینا چاہئے کہ ہم کو تکبیر اور بڑائی کا کوئی حق نہیں بلکہ ہم اور تم سب بچ ہیں اور اکیلا وہ بڑا ہے۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ

لا يدخل الجنة من كان في قلبه مثقال ذرة من الكبر.

یعنی جس کے دل میں ذرہ برابر تکبر ہوگا وہ جنت میں نہیں جائیگا خدا ہم سب کو اس عیب سے بچائے۔ یہ وہ اسباق ہیں جن کے حاصل کرنے سے ہماری عید صحیح معنی میں ادا ہوتی ہے ورنہ معمولی رسم سے بڑھ کر کوئی حیثیت نہیں رکھتی میں اخیر میں اور سب کے حق میں دعا کرتا ہوں کہ خدا تعالیٰ ہمیں صحیح راہ پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے تاکہ ہم اپنی اس عید مبارک کو صحیح طریقہ پر ادا کریں اور اس سے وہ سبق حاصل کریں جو کہ ہمارے لئے باعث ہدایت ہو۔

علامہ ابوالطیب محمد عطاء اللہ حنیف مرحوم کی یاد میں

علامہ مرحوم سے میری پہلی ملاقات قیام پاکستان سے پہلے ملتان شہر کے محلہ قدیر آباد میں مرحوم علامہ الشیخ ابوالتراب عبدالنواب صاحب رحمہ اللہ کے مکتبہ میں ہوئی۔ اس وقت علامہ موصوف کے یہاں فروخت کے لئے مکتبہ موجود تھا۔ سال میں ایک دو مرتبہ میرا وہاں جانا ہوتا تھا اور کتابیں خریدتا تھا۔ اس مرتبہ مولانا عطاء اللہ حنیف مرحوم بھی اسی شوق سے وہاں پہنچے تھے۔ مولانا عبدالنواب صاحب نے ان کا تعارف کرایا۔ مولانا عطاء اللہ صاحب مجھے غائبانہ جانتے تھے۔ دونوں کو مل کر انتہائی خوشی ہوئی، خاص طور پر اس لئے کہ دونوں پر علمی کتابوں کا شوق غالب تھا۔ اسی جذبہ نے اور زیادہ قریب کر دیا۔ وہاں سے روانہ ہونے تک ہمارے مابین کتابوں کے متعلق گفتگو ہوتی رہی۔ کبھی کسی نئی کتاب کے دیکھنے کا ذکر ہوا تو کبھی کسی کتاب کے متعلق ایک دوسرے سے معلومات حاصل ہوئیں۔ کسی نئی کتاب کا سن کر دل میں انتہائی مسرت کی کیفیت پیدا ہوتی۔ میں نے اسی ملاقات میں کتاب اوجز المسالک کا نام سنایا تھی ہماری دوستی کی ابتداء۔

جذبہ عشق بحدے است میان من و تو

کہ رقیب آمد و شناخت نشان من و تو

میں واپس سندھ چلا آیا اور علامہ صاحب فیروز پور چلے گئے اور خط و کتابت کا سلسلہ جاری رہا اور نطوں میں بھی کتابوں کے بارے میں کوئی نہ کوئی خبر یا استفسار ہوتا رہا۔ ۱۹۴۵ء کا واقعہ ہے کہ مجھے بمالہ ضلع گورداسپور میں سالانہ اہل حدیث کانفرنس میں شرکت کے لئے بواسطہ علامہ شیخ محمد ابو محمد عبدالحق بہاولپوری مرحوم کی دعوت موصول ہوئی۔ اور شیخ موصوف نے زبانی بھی شرکت کی تاکید کی سفر کی تیاری ہوئی، اور میرے ساتھ دس بارہ دوستوں کی جماعت تیار ہوئی۔ اس سفر کے دوران کانفرنس سے واپسی پر لاہور آ کر ساتھیوں سمیت فیروز پور روانہ ہوئے۔ مغرب کے قریب وہاں پہنچے۔ علامہ عطاء اللہ حنیف صاحب کی مسجد کا پتہ کر کے وہاں پہنچے اور مولانا سے ملاقات ہوئی۔ آپ بہت خوش ہوئے اور جماعت والوں کا تعارف کروایا اور آپ نے سب کی اتنی خاطر تواضع کی کہ میرے ساتھی تک اس کو یاد کرتے رہے۔

صورتیں آنکھوں میں پھرتی ہیں وہ نقشے یاد ہیں
کیسی کیسی صحتیں خواب پریشاں ہو گئیں

علمی شخصیت

آپ کو اللہ تعالیٰ نے علم حدیث شریف اور اس کے فنون کے ساتھ شغف اور ان کی بابت دافر معرفت عطاء فرمائی تھی جو آپ کے وسعت مطالعہ کی واضح دلیل ہے۔ نسائی شریف پر حاشیہ جو ”العلیقات السلفیہ“ کے نام سے معروف ہے وہ غالباً پوری دنیائے اسلام میں جانی پہچانی ہوئی تعلیق ہے۔ ہر جگہ بلکہ امریکہ اور یورپ کے کئی ملکوں میں میں نے اس کے نسخے دیکھے۔ کینڈا میں بھی شیخ محمود مراد کے مکتبہ میں یہ کتاب دیکھی سعودیہ میں تو اکثر اہل علم اسے جانتے ہیں۔ اس کی خصوصیات فی الوقت یہ ہیں۔

(الف) مختصر مگر عام فہم جس میں کوئی تکلف نظر نہیں آتا۔ یہی اسلاف کی تصنیفات کا نمونہ ہے۔

(ب) سلف صالحین کے مسلک کو اچھی طرح سمجھایا اور رائج ثابت کیا ہے۔

(ج) جاہل مسائل میں سلفیت کی ترجمانی کی ہے اور اسلاف کی طرح حدیث ہی کے مقتضی کو رائج اور فائق ثابت کیا ہے۔

گویا کہ یہ تعلیق اسم باسمی ہے اور واقعی یہ کتاب العللیات السلفیہ ہے۔ آپ سے پہلی ملاقات کے بعد جلد ہی میں نے روایت قرأۃ الامام لہ قرأۃ کی تعلیل اور تصنیف کے بارے میں کتاب بنام المرأة لکھی جو کہ آپ کو فیروز آباد تقریظ کے لئے ارسال کر دی گئی۔ آپ نے اس پر جو تقریظ لکھی ہے وہ آپ کی علیت اور سلفیت کا پتہ دیتی ہے اس سے اقتباس ملاحظہ ہو، فرماتے ہیں:

فروایۃ قرأۃ الامام لہ قرأۃ کانت جدیرۃ بان تفرد بالکلام علیہا لیستوعب طرفہا لان اکثر الحنفیۃ لایزالون مولعین بالاستدلال بہا مغترین بکثرة مخارجہا فریما ینخذع من لای خبرۃ لہ بالفن وکان ذخر اللہ تعالیٰ ہذا الامر الجلیل. وکم ترک الاول للآخر. للشاب الصالح السعید الرشید اعنی بہ المولوی بدیع الدین شاہ نجل العلامة رشد اللہ السنہدی رقاہ اللہ الدرجات العلیٰ وبلغہ غایۃ ما یتمنہا فوقہ لجمع ما فیہا فحقق احسن التحقیق

وفصل خیر تفصیل الا هو خیر مرآة یری وجه مساع الحنیفة فی تسید مبانی هذه الروایة والرسالة وان طال لكن لا یخلو عن الافادة فجزاء الله علی هذه الاجادة اللهم وفقه لنشر علوم السنة واحیاء مآثر السلف كما كان جدّه رحمه الله جادا واجعله خیر خلف.

اس عبارت میں سلاست کے ساتھ اس رسالہ کی ضرورت کو کس قدر اجاگر کیا ہے اور غور فرمائیں کہ آپ کو سلف صالحین رحمہم اللہ اور ان کے مسلک سے کتنی محبت ہے۔

”میری کتاب“ ”تنقید شدید بر رسالہ اجتہاد و تقلید“ پر آپ نے مقدمہ لکھا تھا، اس سے ایک اقتباس پڑھیے۔

اندریں صورت ولی الہی فکر کے حامل اصحاب دو حلقوں میں بٹ گئے۔ اہل تقلید اور اہل حدیث اوّل الذکر بعد میں دیوبندی احتلاف کی صورت اختیار کر گئے۔ جنہوں نے اہل الرائے کی نمائندگی و ترجمانی کو اپنی تدریس و تالیف کا ہدف بنایا اور روایتی تاویلات کو خوب کام میں لائے اور اس کو اصلی حقیقت قرار دیا جب کہ اصحاب الحدیث کی تائید اور صدر اوّل کے طرز علم و عمل کی تبلیغ و اشاعت اہل حدیث کے حصے میں آئی۔ فلّٰہ الحمد وہ دن جاتا ہے اور یہ دن آتا ہے کہ آج تک ان دو طبقوں کی متقابل تالیفات کا ایک انبار لگا ہوا ہے اور یوں دونوں طرف کے دلائل و متمسکات پورے طور پر سامنے آ گئے ہیں۔“

ناظرین!

ملاحظہ فرمائیں کہ کس طرح مختصر عبارت ہے لیکن الفاظ جامع ہیں اور دونوں فریقوں کا واضح طور پر تعارف کرا دیا ہے۔ تصنیف شدہ رسالے ”امام شوکانی“ کے مقدمہ میں فرماتے ہیں۔

”ہندوستان کی مذہبی تاریخ کا مطالعہ کرتے ہوئے آپ نے محسوس کیا ہوگا کہ ہمارے ملک میں مسلمانوں کے دور حکومت میں عام مدارس اور خانقاہوں پر فقہ حنفی اور متاخرین کے تصوف کی حکومت تھی اور اسلام کا صاف آئینہ خشک فقہاء کے فتاویٰ اور غالی صوفیوں کے مشاغل کے تہ در تہ پردوں سے غبار آلود تھا۔ دینی ضروریات کو خالص فقہی عینک اور باطنی حقائق کو مختصر تصوف کے نقطہ نظر سے دیکھا جاتا ہے۔ اس قسم کے لوگ ہمیشہ اس غلط فہمی میں مبتلا رہے کہ فقہ مروجہ کتاب و سنت کا نچوڑ ہے اور ان کا یہ تصوف ”مغز شریعت“

اس لئے اب براہ راست کتاب وسنت کے مطالعہ کی ضرورت ہے نہ ظاہر شریعت کی کوئی اہمیت۔
محققین صوفیہ اور فقہ و حدیث کے جامع علماء نے ہمیشہ اس غلطی پر متنبہ کیا اور کوشش جاری رکھی کہ
مسلمان براہ راست کتاب وسنت کو دستور العمل بنائیں اور اپنے عقائد و اعمال کی بنیاد صحابہ و تابعین ہی کے
طریق پر رکھیں۔

اس عبارت میں اہل حق اور اہل باطل دونوں کے طریق کار کو بہترین پیرایہ سے واضح کیا اور اسی
علمی شوق کے تحت کافی کتابیں جمع کیں جو ایک شاندار کتب خانہ کی شکل میں آپ کی یادگار ہیں اور ایک ادارہ
جو آپ نے بنام ”دارالدعوة السلفية“ قائم کیا تھا اسی کے نام یہ مکتبہ وقف کر گئے جو آج کل علماء کے مطالعہ کا
مرکز بنا ہوا ہے۔ شائقین کتابوں کا مطالعہ کر کے اپنی علمی پیاس بجھا رہے ہیں اور اصحاب تحقیق علمی میدان میں
رہنمائی حاصل کر رہے ہیں۔

بنا کر دند خوش رے بخاک و خون غلطیدن
خدا رحمت کن دایں ”حاملان پاک سنت“ را

آخری ملاقات

سال ۱۹۸۶ء میں جب مرکزی جمعیت اہل حدیث کی طرف سے لاہور میں نفاذ شریعت کانفرنس
میں شرکت کے لئے جانا ہوا۔ اس وقت مولانا مرحوم بوجہ علالت صاحب فراش تھے۔ میں عیادت کے لئے ان
کے گھر پہنچا دیکھ کر بہت خوش ہوئے اور اس طرح اُٹھ کر بیٹھے گویا بالکل تندرست تھے اور اس وقت بھی
قدرے علمی گفتگو ہوئی اور میری کتاب ”المرأة“ کے بابت پوچھا کہ طبع ہوئی ہے یا نہیں۔ نیز میری کتاب انماء
الزکریٰ فی جواب انہاء السکن کے بارے میں پوچھا اور اکثر ملاقاتوں میں ان کا ذکر آتا تھا۔ اللہ تعالیٰ ان کو اعلیٰ
علیین میں جگہ دے اور ان کی اولاد کو خلف صالح بنائے اور ان کی یادگار تادیر قائم رکھے۔ آمین۔

خوش میدہد نشان جلال و جمال یار
خوش میکند حکایت عز و وقار یار

اے۔ ایس ہومیوفا ریسی کی ادویات ملنے کا بہترین مرکز

الشعاب ہومیو پیتھک

ٹور آباد روڈ اقبال نگر میرپور خاص سندھ

فون نمبر 92-231-72774

ہر قسم کی ہومیو پیتھک، الیکٹرو ہومیو پیتھک، بائیو کیمک ادویات اور
ہر مرض کے ہومیو پیتھک علاج معالجہ کے لئے تشریف لائیں

وَاِنْ تَلَوْاْ اَوْ نَعِزُّوْاْ فَاِنَّ اللّٰهَ كَاَبْمَا تَعْمَلُوْنَ خَيْرًا (القرآن)

محمدی

کریانہ مرچنٹ

عبد القیوم، عبد المجید مغل

پروپرائیٹر

مچھلی مارکیٹ دوکان نمبر 1، میرپور خاص

شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی وفات پر دنیا بھر کے علماء
کرام و شیوخ عظام کے مضامین اور مختلف
اخبارات و جرائد کے اداریہ جنہوں نے شاہ
صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی موت کو ایک المیہ قرار دیا۔

وفات حسرت آیات

جمع و ترتیب

مولانا محمد عمر کھوسہ رحمۃ اللہ علیہ

علامہ سید بدیع الدین شاہ راشدی رحمۃ اللہ علیہ کا سفر آخرت

تفا کس کو نہیں آتی ہے یوں تو سب ہی مرتے ہیں
پر اس مرحوم کی بوئے کفن کچھ اور کہتی ہے

۸ جنوری بروز پیر، نوبے شب دنیا کا یہ عظیم انسان، فضل و کمال کا پیکر دار فانی سے منہ موڑ کر دار
قرار کو سدھار رہا تھا۔ قرآن کا یہ مفسر، حدیث نبوی کا محدث، علم و عرفان کا مہتاب ایک عالم کو روشن کر کے
سرزمین سندھ میں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے غروب ہو گیا۔ لیکن نہیں نہیں دنیا کے چاند اور سورج کی طرح نہیں کہ
جب ڈوبیں تو تمام عالم تاریک کر دیں بلکہ اس چراغ کی مثل کہ جس سے دوسرے چراغ روشن ہوتے ہیں۔
اللہ تعالیٰ ان کے فیض کو دوام بخشے! اللھم اغفر لہ وارحمہ وعافہ واعف عنہ

شاہ صاحب نے یکم جنوری کو جامعہ بحر العلوم السلفیہ میرپور خاص میں امتحان لینے کے لئے آنا تھا کہ
اچانک طبیعت کی خرابی کی وجہ سے کراچی روانہ ہونا پڑا۔ حاجی محمد اسماعیل وکیل مہتمم جامعہ کے رابطہ سے شاہ
صاحب نے معذرت کر لی۔ شاہ صاحب کو اکثر اوقات ہاتھ میں شدید تکلیف ہوا کرتی تھی جس کے باعث ان
کا کراچی آنا جانا رہتا تھا۔ اسی سلسلہ میں شاہ صاحب کراچی آئے ہوئے تھے لیکن شاہ صاحب کو کیا معلوم کہ
یہ ان کی زندگی کا آخری سفر ہے۔ شاہ صاحب بالکل صحت یاب ہو گئے تھے اور جماعتی کام کے سلسلہ میں اب
مقیم تھے۔ شاہ صاحب نے ۸ جنوری بروز پیر راشدی مسجد لیاری میں عشاء کی نماز کے بعد درس بھی دیا اور
ساتھیوں سے ملاقات کے بعد شیخ عبداللہ ناصر رحمانی رحمۃ اللہ علیہ سے مل کر ہنگو راہال جو راشدی مسجد کے قریب تھا
آرام کے لئے چلے گئے اور شاہ صاحب کی عادت تھی کہ جب بھی کراچی علاج، جماعتی یا تبلیغی پروگرام کے
لئے تشریف لاتے تو ہنگو راہال میں رات کو آرام فرمایا کرتے تھے۔ شاہ صاحب جب آرام فرمانے لگے تو چند
لحوظ بعد شاہ صاحب کے سر میں شدید درد اٹھا جو جان لیوا ثابت ہوا اور گھر والوں کے فوراً ڈاکٹروں کو اطلاع
دی اور شیخ ناصر صاحب بھی اطلاع ملنے پر تشریف لے آئے۔ ان کی آمد تھی اور شاہ صاحب ہمیشہ ہمیشہ کے
☆ شیخ الحدیث جامعہ بحر العلوم السلفیہ میرپور خاص سندھ

لے دنیا سے رخصت ہو رہے تھے۔ شیخ صاحب شاہ صاحب کے ہر سفر میں ان کے ساتھی ہوتے تھے اور یہ حسن اتفاق تھا کہ شاہ صاحب کا سفر آخرت تھا اور شیخ صاحب حاضر تھے۔ مسافر نے ”الوداع اے زندگی الوداع“ کہا اور راہی عدم ہوا اور انہیں الوداع کہنے والے سب مغموم اور افسردہ تھے۔ ان کی آنکھیں پر نم تھیں اور دل رو رہے تھے۔ آپ کی موت کی خبر نہ صرف کراچی بلکہ پورے پاکستان میں جنگل کی آگ کی طرح پھیل گئی۔ اور بی بی سی لندن نے اپنی تیسری مجلس کی نشریات میں شاہ صاحب کی موت کی خبر دیتے ہوئے کہا کہ ”دنیا کے تین عظیم محدث اور عالم دین میں سے ایک ممتاز عالم دین اور جمعیت الہدیٰ سندھ کے امیر رحلت فرما گئے۔“ ان کی عمر ۷۷ برس کی تھی۔ مرحوم کی میت رات کو ہی کراچی سے نیو سعید آباد پہنچادی گئی اور لوگ بھی رات کو ہی پہنچنا شروع ہو گئے۔

نماز ظہر کے بعد شیخ عبداللہ ناصر رحمانی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے نہایت رقت آمیز اور پرسوز جہری قرأت کے ساتھ نماز جنازہ پڑھائی۔ سورۃ الفاتحہ کے بعد جب انہوں نے سورۃ الفجر کی آخری آیات

يَا أَيُّهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِي إِلَىٰ رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً (الفجر: ۲۷-۲۸)

تلاوت کیں تو کوئی آنکھ ایسی نہ تھی جو آنسو نہ بہا رہی تھی۔ نماز جنازہ کے بعد شاہ صاحب کا آخری دیدار کروایا گیا جو تقریباً دو گھنٹے تک جاری رہا، لوگوں کا اژدھام اس قدر تھا کہ سب کے سب اس شرف سے مشرف نہ ہو سکے۔ اس کے بعد میت کو نیو سعید آباد سے دو میل دور شمال کی جانب ان کے آبائی گاؤں پیر آف جھنڈا لے جایا گیا۔ وہاں بھی لوگ کثیر تعداد میں اپنے محسن کے آخری دیدار کے منتظر تھے چنانچہ ان کی خواہش کو پورا کیا گیا اور گاؤں والوں کے اصرار پر ایک مرتبہ پھر نماز جنازہ ادا کی گئی۔ اس مرتبہ جماعت غرباء اہل حدیث کے ممتاز عالم دین شیخ عبدالرحمن سلفی رحمۃ اللہ علیہ نے امامت کروائی۔ اس کے بعد شاہ صاحب کو ان کے برادر و بزرگ سید محبت اللہ کے پہلو میں سپرد خاک کر دیا گیا۔ اس طرح یہ خزانہ علم و فن اور عالم باعمل ہمیشہ کے لئے لاتعداد سونواروں کی نظروں سے اوجھل ہو گیا۔

پچھڑا کچھ اس طرح کہ رت ہی بدل گئی
ایک شخص سارے شہر کو ویراں کر گیا

شاہ صاحب کو سپرد خاک کرنے سے پہلے مختلف علماء کرام نے اظہار خیال فرمایا اور شاہ صاحب کی موت کو ایک عظیم المیہ قرار دیا۔ جامعہ ابی بکر کراچی کے شیخ الحدیث نے اظہار خیال کرتے ہوئے فرمایا کہ شاہ صاحب دنیا و دین کی ایک عظیم ہستی تھی جن کی اسماء الرجال پر گہری نظر تھی، علم و عمل، نور بصیرت اور انتہائی مضبوط قوت حافظہ سے مالا مال تھے اور کہا جب ہمیں کسی مسئلہ میں وقت محسوس ہوتی تو ہم شاہ صاحب کی طرف رجوع کرتے لیکن اب ہم.....

شاہ صاحب دنیا کے اندر ایک ممتاز حیثیت رکھتے تھے اور صاحب فضل و کمال تھے۔ مفسر کتاب ہدیٰ، فنون عقلیہ و نقلیہ کے ماہر، خزائنہ علوم القرآن، محب رسول، عربی، دلدادہ حدیث نبوی، حاضر جواب، مقرر شیریں بیاں، خطیب مکتہ طراز، خلوت گزین، مجمع کمال اور گوشہ نشین، محفل آراء دنیا اور اہل دنیا سے بے نیاز، دولت، ثروت سے مستغنی، عربی کے ادیب اور شاعر، اردو کے ماہر مصنف، متوکل علی اللہ، مجمع فہم و تدبر، اسلامی فلسفہ میں یکتا، علم و مطالعہ کے علاوہ ہر شے سے لاتعلقی اور اسلاف کی بے شمار خوبیوں کے حامل تھے۔

شاہ صاحب نے ابتدائی تعلیم اپنے والد جناب احسان اللہ راشدی رحمۃ اللہ علیہ سے حاصل کی لیکن جب آپ کی عمر ۱۳ سال ہوئی تو آپ کے والد کا انتقال ہو گیا۔ ان کے بعد شاہ صاحب مختلف اساتذہ سے مختلف جگہوں پر اخذ فیض کرتے رہے۔ اور ہر فن کی کتب آخر تک پڑھیں اور شاہ صاحب نے علامہ شیخ ابو محمد عبدالحق بہاول پوری رحمۃ اللہ علیہ، اور مفسر قرآن، امام المناظرین حضرت مولانا ثناء اللہ امرتسری رحمۃ اللہ علیہ اور عمدة المحدثین علامہ حافظ محمد عبداللہ روپڑی رحمۃ اللہ علیہ سے اسناد حدیث حاصل کیں۔

فراغت کے بعد شاہ صاحب کی عمر ۲۳ سال کی ہوئی تو شاہ صاحب نے صرف ۳ ماہ میں قرآن پاک حفظ کر لیا اور اپنے قائم کردہ مدرسہ میں تدریس کا کام سرانجام دینے لگے۔ اس کے بعد دارالحدیث مکتہ المکرمۃ کی خواہش پر وہاں تشریف لے گئے اور وہاں درس کا سلسلہ جاری رہا اور پھر شیخ عبداللہ بن حمید رئیس مجلس القضاء الاعلیٰ کی درخواست پر معبد الحرام میں تقریباً دو سال تک تدریس کا کام سرانجام دیتے رہے۔ وطن واپسی پر تبلیغی اور تصنیفی کام شروع کیا۔

شاہ صاحب نے مستقل تدریس کا کام نہیں کیا جس کی وجہ سے آج سندھ علماء سے محروم ہے لیکن

شاہ صاحب نے تبلیغ اور تصنیف کی طرف بہت توجہ دی اور آپ نے اپنی پوری عمر توحید و سنت کی اشاعت اور شرک و بدعت کی تردید میں گزاردی اور مختلف ممالک کے دورے کئے جن ممالک کے دورے کئے ان میں ہندوستان، بنگلہ دیش، کویت، سعودی عرب، الامارات المتحدہ العربیہ، شارجہ، دبئی، ابو ظہبی، خورفکان، عجمان، برطانیہ، امریکہ، شامل ہیں۔ آپ جہاں بھی گئے توحید کی دعوت اور شرک کی تردید کرتے رہے۔

شاہ صاحب کی تصانیف کی تعداد اس وقت مطبوعہ اور غیر مطبوعہ تقریباً پونے دو سو تک پہنچ چکی ہے جن میں عربی، اردو اور سندھی کتب شامل ہیں۔ شاہ صاحب نے عربی کتابوں کا رد بڑے محققانہ، عالمانہ اور فاضلانہ انداز میں کیا ہے اور ایک کتاب ”وصول الالہام لاصول الاسلام“ عربی میں لکھی ہے جس میں ایک بھی نقطہ نہیں ہے اس کتاب سے شاہ صاحب کی عربی زبان پر دسترس کا صحیح اندازہ ہوتا ہے اور ایک کتاب منظوم ہے جو کہ عربی میں ہے۔

اس کے علاوہ شاہ صاحب کا سب سے بڑا اور اہم کارنامہ بدیع التفسیر ہے جو کہ سندھی زبان میں ہے۔ اس کی دس جلدیں منظر عام پر آئیں ہیں اور تقریباً تیرہ سو پارے مکمل ہوئے تھے کہ زندگی نے مزید آپ کا ساتھ نہ دیا اور لوگوں کے اصرار پر آپ نے بدیع التفسیر کو عربی میں لکھنا شروع کر دیا تھا اور اس کا بھی مقدمہ لکھا جا چکا تھا۔

بعد میں بدیع التفسیر کو مکمل کرنے کا ذمہ ان کے بیٹے محمد شاہ راشدی رحمہ اللہ نے لیا تھا جن کی کنیت سے وہ ابو محمد کہلاتے تھے، لیکن زندگی نے ان سے بھی وفانہ کی اور وہ بھی جلد ہی دارغ مفارقت دے گئے۔

اللہم اغفر لہ۔

ہم دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کسی کو ہمت دے اور وہ اس موتیوں کی لڑی کو مکمل کرے اور شاہ صاحب کی طرح تفسیر کے علمی جواہر سے لوگوں کو مستفید کرے آمین۔

وہ عالم تھا مجاہد تھا، محدث تھا زمانے کا
وہ ہر میدان کا غازی تھا مجدد تھا زمانے کا

جمعیت اہلحدیث پاکستان کا عظیم نقصان

ماہ رواں پاکستان کی جمعیت اہلحدیث کو زبردست نقصان کا سامنا کرنا پڑا، کہ ایک ہی ماہ میں اس کی دو عظیم شخصیتیں انتقال کر گئیں۔ ایک کے انتقال سے علمی و روحانی سہارا ختم ہو گیا تو دوسرے کی جدائی سے مالی و انتظامی ستون منہدم ہو گیا اور کسی دینی جماعت یا تنظیم کے لئے یہی دو سہارے اہم ہوتے ہیں۔ اس طرح اگر ہم علامہ سید بدیع الدین شاہ راشدی سندھی اور جناب میاں فضل حق صاحب کی وفات کے باعث پاکستان کی جماعت اہلحدیث کو یتیم کہیں تو یہ لفظ اپنی پوری معنویت کے ساتھ صادق آئے گا۔ اللہ تعالیٰ جماعت کو نعم البدل عطا فرمائے اور اس صدمہ سے جانبر ہونے کی توفیق بخشے۔

۸ جنوری ۱۹۹۶ء کی شب علم و عمل، زہد و تقویٰ کی چنان علامہ سید بدیع الدین شاہ سندھی کا انتقال ہو گیا۔ شاہ صاحب کی وفات نہ صرف پاکستان بلکہ عالم اسلام کے لئے ایک زبردست نقصان ہے۔ اس وقت اگرچہ کہ علماء کی تعداد میں کمی نہیں لیکن ان علماء کی قلت ہر شہر اور ملک میں محسوس کی جا رہی ہے جو علم کے ساتھ تقویٰ و پرہیزگاری کا بھی پیکر ہوں۔ جنہیں حق گوئی و بیباکی میں حجاب نہ ہو۔ جس کے قلب و دماغ توحید و سنت سے سرشار ہوں اور جو علمی گہرائی اور حکیمانہ بصیرت سے سرفراز ہوں۔ شاہ صاحب رحمہ اللہ کا شمار ایسے ہی لوگوں میں ہوتا ہے۔

راقم کی ان سے پہلی واقفیت مدینہ یونیورسٹی کی طالب علمی کے دوران ان کے علمی اور تحقیقی مضامین کے ذریعہ ہوئی اور پھر برطانیہ میں قیام کے دوران کئی مرتبہ شخصی ملاقاتوں کا شرف حاصل ہوا۔ اس کے علاوہ مختلف کانفرنسوں میں رفاقت کی سعادت بھی رہی۔ علامہ موصوف بلند پایہ عالم ہونے کے باوجود ہمارے ساتھ اس طرح مشفقانہ انداز میں پیش آیا کرتے گویا ہم بڑے اور وہ چھوٹے ہیں۔ جب بھی ملاقات ہوتی، یہی کشمکش رہتی، دل چاہتا کہ اپنے رنگ آلودہ قلب و دماغ کو ان جیسے اہل دل کی صحبت سے کچھ جلا بخشی

جائے۔ لیکن دوسری طرف سے بہ یک وقت پدرانہ محبت اور مدرسانہ شفقت کے اثرات ماحول کو بوجھل بنا دیتے۔ شاہ صاحب کے ساتھ نمازیں ادا کرنے کا خاص لطف آتا کہ نماز کے ہر رکن کی ادائیگی وہ بڑے اہتمام سے کیا کرتے۔ بلکہ موصوف سے میری پہلی واقفیت ان کے مضمون، ”زیادہ الخشوع فی وضع الیدین بعد الركوع“ (رکوع کے بعد ہاتھ کیسے رکھے جائیں) کے ذریعہ ہوئی۔ شاہ صاحب چونکہ عربی میں بھی زبردست صلاحیت رکھتے تھے۔ یہ مضمون عربی میں تھا جو اس وقت بہت سے معیاری عربی پرچوں میں شائع ہوا۔ شاہ صاحب کی علمی گہرائی کا یہ عالم تھا کہ سندھی زبان میں تفسیر لکھنی شروع کی تو کئی جلدیں لکھ دیں۔ بلکہ تقریباً سورۃ فاتحہ کی تفسیر ہی میں ایک جلد مکمل ہو گئی۔ بسم اللہ۔ کے جہر سے پڑھنے کے مسئلہ پر قلم اٹھایا تو بیسیوں صفحات لکھ ڈالے۔ شاہ صاحب کی یہ بڑی آرزو تھی کہ سندھی زبان جس کے بولنے والوں کی برصغیر میں بہت بڑی تعداد ہے اس میں ایک مستند اور معتبر تفسیر ہونی چاہیے۔ چنانچہ آپ نے خود اس کا بیڑا اٹھایا۔ چونکہ سندھی زبان آپ کی مادری زبان تھی اس لیے اس میں تیزی سے کام بڑھتا گیا اور کئی جلدیں تیار ہو گئیں۔ لیکن موت اس سے زیادہ تیز ثابت ہوئی اور اس عظیم تفسیر کے تکمیل کی آپ کو مہلت نہ مل سکی۔ اس طرح یہ اہم علمی کام ادھورا ہی رہ گیا۔ کاش کوئی اسے مکمل کر دے۔

شاہ صاحب دینی امور میں غیر ضروری مداخلت اور مصلحت پرستی کے سخت خلاف تھے۔ ان کا خیال تھا کہ دین میں جب مصلحت پرستی اور تساہل کا دروازہ کھل جاتا ہے تو اس پر کنٹرول نہیں کیا جاسکتا، ورنہ آج کل بڑے بڑے دینی رہنما مصلحت کے نام پر وہ تمام کام اپنے لئے جائز کر ڈالتے ہیں جو ایک بے دین اور ناعاقبت اندیش کیا کرتا ہے۔ شاہ صاحب کی قدر و قیمت نہ صرف اردو اور سندھی دان حلقوں میں تھی بلکہ عربی حلقوں میں بھی آپ کی بڑی پذیرائی تھی۔ ایک مرتبہ خود راقم کا مشاہدہ ہے کہ برمنگھم کے ایک اجتماع میں شیخ محمد بن اسماعیل جو مصر کے مشہور سلفی تنقید، انصار السنۃ الحمدیہ کے روح رواں ہیں وہ اور مختلف اہل علم عرب حضرات جمع تھے اور شاہ صاحب کے سامنے اس طرح بیٹھے مسائل دریافت کرتے رہے جیسے ایک بارعب استاذ کے روبرو عقیدہ تہنہ شاگرد بیٹھے ہوں اور نماز کا وقت آیا تو کیا مجال کہ شاہ صاحب کی موجودگی میں ان مختلف بارعب علماء میں سے کوئی امامت کے لئے آگے بڑھے اور برمنگھم ہی میں منعقدہ ایک کانفرنس میں

شرکت کے لئے جب شاہ صاحب کانفرنس ہال میں داخل ہوئے تو امام کعبہ شیخ ڈاکٹر صالح بن حمید نے کھڑے ہو کر ان کے لئے اپنے قریب جگہ بنائی اور کہتے رہے کہ ایک زیادہ علم والے کے سامنے میں کیا کہوں۔ ظاہر ہے ایک غیر عربی کے عرب کے اہل علم و فضل اس طرح عزت کریں تو ہمارے دل تو مسرت سے جھوم رہے تھے۔ اس لئے نہیں کہ شاہ صاحب کی عزت ہو رہی ہے بلکہ اس لئے کہ آج بھی عالم باعمل چاہے وہ کسی بھی علاقہ کا ہوں اس کے لئے اونچا مقام ہے۔

یوں تو شاہ صاحب کے عرب و عجم میں شاگردوں کی تعداد سینکڑوں سے متجاوز ہے جن میں بعضوں کو اللہ نے بڑے اونچے مرتبوں پر فائز کیا بلکہ ائمہ حرم میں سے شیخ عمر السبیل شاہ صاحب کے براہ راست شاگرد ہیں اور مدینہ یونیورسٹی کے کچھ اساتذہ نے شاہ صاحب سے روایت حدیث کی اجازت بھی حاصل کی۔ شاہ صاحب پیشہ ور مولویوں کی طرح بہت بولنے کے عادی نہیں تھے بلکہ مجلس میں عموماً اس وقت گفتگو فرماتے جب ان سے دریافت کیا جاتا اور بات کو طول دیئے بغیر مکمل کر کے خاموش ہو جایا کرتے۔

شاہ صاحب کے صبر و ضبط کا ایک واقعہ جو شاید زندگی بھر بھلایا نہ جاسکے۔ وہ جمعیت الہدیٰ کے دفتر برمنگھم میں پیش آیا۔ شاہ صاحب دو سال قبل جمعیت کے زیر اہتمام منعقد ہونے والی اسلامی دعوت کانفرنس میں شرکت کے لئے تشریف لائے تھے۔ واپسی کے دن وہ دفتر میں بیٹھے تھے کہ پاکستان سے فون آیا اس میں ایک افسوسناک اطلاع تھی۔ شاہ صاحب رسیور رکھ کر صرف اللہ فضل کرے گا۔ اللہ خیر کرے گا کہتے رہے۔ چہرہ سے کچھ پریشانی کے آثار ہو رہے تھے۔ یہ دیکھ کر ہمیں قدرے تشویش ہوئی اور ان سے فون کے متعلق دریافت کیا گیا لیکن وہ اپنا وہی جملہ دہراتے رہے کہ اللہ خیر کرے گا۔ پھر اس کے کچھ دیر بعد ایک کانفرنس میں شرکت کرنی تھی جس میں امام کعبہ بھی تشریف لائے ہوئے تھے۔ شاہ صاحب وہاں پہنچے اور امام صاحب کے ساتھ دعوتی امور پر گفتگو کرتے رہے۔ لیکن چہرہ سے لگتا تھا کہ کوئی غیر تسلی بخش کیفیت ہے۔ تھوڑی دیر بعد وہ وہاں سے حسب پروگرام ایئر پورٹ کے لئے روانہ ہو گئے۔ پھر دوبارہ پاکستان سے فون آیا جس میں دریافت کرنے پر بتایا گیا کہ شاہ صاحب کی اہلیہ محترمہ کا انتقال ہو گیا۔ ان کے جنازے کی تفصیلات طے کرنی ہیں۔ ہم نے پوچھا کیا شاہ صاحب کو پہلے فون میں یہ بات بتادی گئی تھی تو کہا گیا کہ جی ہاں!

اللہ صبر و عزیمت کی باتیں ہم بہت سنتے اور پڑھتے رہے لیکن صبر و ضبط کا مظاہرہ اس طرح بروقت بہت کم دیکھنے کا اتفاق ہوا ورنہ لوگ خوب چیخنے چلانے کے بعد تھک ہار کر صبر کرنے لگتے ہیں۔ لیکن اس طرح صبر کرنا یقیناً عزیمت والوں کا کام ہے۔ علم و عمل کی یہ شمع تقریباً ستر سال کی عمر میں اپنے پیدائشی علاقہ سندھ ہی میں بجھ گئی۔ اللہ جنت میں اعلیٰ مقام عطا کرے۔

حیرت کی بات یہ ہے کہ ان تمام کمالات اور اوصاف حمیدہ کے باوجود شاہ صاحب کے انتقال کی خبر یہاں اخبار جنگ کے اندرونی صفحات میں ڈھائی سطر میں چھپی اور عجیب اتفاق کہ اسی دن پنجابی فلموں کے اداکار سلطان راہی کا بھی انتقال ہوا اور اسی اخبار کے پہلے صفحہ کے تین کالموں میں سرخی لگی۔ اور پھر اس کے لئے متعدد خصوصی ایڈیشن شائع کئے گئے اور سربراہ مملکت خداداد پاکستان سے لے کر عام آدمی تک رنج و غم میں ڈوبے بیانات و بیارہا کہ ان کی موت سے پنجابی فلموں کا سنہری دور ختم ہو گیا۔ لیکن جن کی وفات سے علمی اور روحانی خلا پڑ گیا وہ موجودہ اخباری صحافت کی نظروں میں لائق التفات نہ تھا۔ لیکن اس کا کیا غم جس نے جس کے بھیجے ہوئے دین کے لئے محنتیں کیں وہ اجر و ثواب کا منتی بھی اسی ذات اعلیٰ سے ہو سکتا ہے اور جس کی محنتیں دنیا کے لہو و لعب کے گرد گھومتی رہیں اس کو اپنی محنتوں کا صلہ بھی تو یہیں لینا ہے۔



سید بدیع الدین شاہ راشدی رحمۃ اللہ علیہ کی رحلت

علماء کرام کا یکے بعد دیگرے سانحہ ارتحال شاید رسول اللہ ﷺ کے اس ارشاد پر مہر تصدیق ثبت کر رہا ہے کہ قرب قیامت میں علماء کے اٹھ جانے سے علم اٹھ جائے گا۔ شاہ صاحب ”ایک خانوادہ علم و فضل کے چشم و چراغ تھے۔ سندھ میں رہتے ہوئے ایک پیر خانے سے متعلق ہونے کے باوجود کتاب و سنت کے ترجمان تھے۔ اللہ تعالیٰ نے شاہ صاحب میں بے شمار اوصاف حمیدہ و دلیعت فرمائے تھے بہت سی خوبیوں سے نوازا تھا وہ علم و فضل کے پیکر، تحقیق و دانش کے مجسم، توحید و سنت کے داعی، مسلک اہل حدیث کے ترجمان اور پاسبان تھے۔ سندھی اور اردو پر یکساں عبور حاصل تھا۔ قرآن پاک کی سندھی میں تفسیر لکھ رہے تھے شاید وہ تشنہ تکمیل ہی رہ گئی ہے ان کا کتب خانہ سندھ کے چند عظیم کتب خانوں میں سے ایک تھا اس میں بڑی نایاب اور نادر کتابیں ہیں محفوظ بھی بکثرت موجود ہیں۔ بڑے بڑے جویائے علم ان سے استفادہ کرتے رہے ہیں سندھی زبان کے اونچے مقررین میں شمار ہوتے تھے۔ عربی اور اردو میں بھی بلا تامل، بلا توقف، بلا تکلف خطاب فرماتے تھے۔

پاکستان بھر میں ان کے خطاب عام ہوتے تھے۔ ہندوستان میں بھی بعض مواقع پر ان کا ورود مسعود ہوا اور مسلمانان ہند تک ان کی توحید و سنت کا پیغام پہنچا۔ متحدہ عرب امارات بھی ان کے فیوض و برکات سے مستفید ہوتے رہے۔ یورپ کے بعض ممالک میں بھی ان کے تبلیغی سفر جاری رہے۔ کئی سال حرم بیت اللہ میں بھی قیام کی سعادت انہیں حاصل رہی۔ دنیا بھر کے مسلمانوں سے عربی اردو میں خطاب فرماتے رہے افسوس یہ ہے کہ ان کی صلیبی اولاد میں ان کا کوئی علمی، دینی اور روحانی جانشین دکھائی نہیں دیتا۔ ان کے بڑے صاحبزادے نور اللہ راشدی صاحب علم تھے اور ایک سانحہ میں قتل ہو گئے۔

شاہ صاحب کا اصلاً تعلق راشدی سادات سے تھا تیسری چوتھی پشت سے پیر پگڑا کا خاندان ان سے جدا ہو گیا بزرگوں کے روحانی ترکہ سے ان کے ہاتھوں میں علم (جھنڈا) آ گیا پیر آف جھنڈا کے نام سے مشہور ہوئے اور دوسرے فریق کے ہاتھ میں پگڑی آ گئی سندھی پگڑی کو پگڑا کہتے ہیں وہ سندھ میں پیر آف

☆ مدیر جامعہ تعلیم الاسلام ماموں کاٹن، معروف ادیب، مقالہ نگار۔

پگارا کے نام سے معنون ہوئے۔ لیکن راشدیوں کی یہ گدی امیر المؤمنین سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ کے وہاں سے گزرنے کے بعد توحید و سنت کی علم بردار بن گئی لیکن پگاروں کی گدی عام گدیوں کی طرح بن کر رہ گئی۔ ویسے یہ دونوں خاندان باہم دیگر بہت احترام سے پیش آتے تھے اور آتے ہیں دونوں خاندان حریت ماب ہیں، شاہ مردان پیر آف پگارا کے والد محترم اپنے حرجان بازوں کی معیت میں انگریزوں کے ہاتھوں شہید ہو گئے۔ شاہ صاحب راشدی کے والد گرامی پیر احسان اللہ راشدی ہمیشہ سیاسیات میں انگریز کے خلاف برسر پیکار رہے۔

راشدیوں کا یہ کتب خانہ عرب و عجم کے اہل علم میں متعارف تھا۔ پیر احسان اللہ راشدی کی وفات پر علامہ سید سلمان ندوی مرحوم نے معارف اعظم گڑھ میں وفیات کے کالم میں بہت خوبصورت لکھا تھا اور ان کے کتب خانے کو خراج تحسین پیش کیا تھا راشدیوں کی یہ گدی دو توحید پرست گروپوں میں تقسیم ہو گئی اس گدی کے اہل حدیث جانشین مرحوم سید محبت اللہ شاہ راشدی تھے۔ گدی کے ایک حصہ پر ہمارے دیوبندی بزرگ براجمان ہیں۔ سید وہب اللہ شاہ ان کے جانشین تھے اللہ جانے وہ وفات پا گئے یا بقید حیات ہیں۔

ضلع لاڑکانہ، شکارپور، سکھر، نواب شاہ، حیدر آباد، میرپور اور ان کے دیہات میں پنجابی مہاجر اور سندھی بھمد اللہ خاصی تعداد میں ہیں لیکن ضلع تھرپارکر میں اہل حدیثوں کے خاصے بڑے مراکز ہیں۔ یہ تمام اضلاع پیر صاحب کی تبلیغی جولان گاہ تھے۔ ہر مقام تک پیر صاحب پہنچنے کی کوشش کرتے۔ صوبہ بھر میں ان کے شیدائیوں کا خاصا بڑا حلقہ بن گیا۔

پیر صاحب نے تحصیل علم کی ابتداء اپنے بزرگوں سے کی۔ زیادہ تر علوم مولانا عبدالحق محدث بہاولپوری نزیل مکہ مکرمہ سے پڑھے۔ حضرت العلام محدث روپڑی سے بھی انہیں شرف تلمذ حاصل تھا۔

شیخ الاسلام مولانا ثناء اللہ امرتسری ان کی اٹھتی جوانی میں ان پر بڑی شفقت فرمایا کرتے تھے اور ان کو بڑی بڑی کافرنسوں میں اپنے ہمراہ لے جایا کرتے تھے۔ پیر صاحب میں ہونہار بروا کے چکنے چکنے پات کے مصداق ذہانت و فطانت، فصاحت و بلاغت، جرات و شجاعت، شرافت و نجابت اور فہم و فراست بدرجہ اتم موجود تھی۔

ہمارے یہاں جامعہ کی متعدد کافرنسوں میں شمولیت فرمائی۔ وہ لباس و خوراک میں بالکل سادہ بلکہ صحرائی انسان تھے دین دار لوگوں سے انہیں محبت تھی اہل توحید کا مرکز و مامن تھے اور ہمیشہ اللہ تعالیٰ نے انہیں مرجع خلافت بنایا تھا۔ وہ متعدد کتابوں کے مصنف بھی تھے۔ (بشکریہ ”ماہنامہ تفہیم الاسلام ماموں کانجن“)

حضرت مولانا محمد عبداللہ صاحب گورداسپوری

برصغیر کی عظیم علمی اور روحانی شخصیت کا انتقال پر ملال

ابھی ابھی اخبار نوائے وقت لاہور بابت ۱۱ جنوری ۱۹۹۶ء میں خبر پڑھ کر دل کو سخت صدمہ ہوا کہ سید بدیع الدین شاہ پیر آف جھنڈا انتقال فرما گئے اور ان کا جنازہ عاتبانہ جامعہ سلفیہ فیصل آباد میں ادا کیا گیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اللہم اغفرلہ وارحمہ وادخلہ الجنۃ پیر صاحب جن کو مرحوم لکھتے ہوئے قلم کا پتا ہے۔ بڑی خوبیوں کے مالک تھے۔ آپ باب الاسلام سندھ کی تاریخی اہلحدیث یونیورسٹی کے چانسلر تھے۔ علمی اور روحانی طور پر ان کا بہت اونچا مقام تھا۔ حضرت پیر صاحب علیہ رحمۃ بیک وقت دور حاضرہ کے بہت بڑے مفسر، محدث، مناظر، خطیب اور بے مثال مقرر تھے۔ ان کی وفات سے جو جماعت کو نقصان پہنچا ہے بظاہر اس کی تلافی ناممکن ہے۔ لیکن مسلک حقہ اہلحدیث کو اللہ تعالیٰ نے قیامت تک دنیا میں موجود رکھا ہے وہ اس تلافی کو دور کرنے پر قادر ہے۔ حضرت پیر صاحب مغفور کی زیارت اور ملاقات کا پہلا موقع آج سے ۵۵ سال پہلے انجمن اہلحدیث بٹالہ ضلع گورداسپور کے سالانہ جلسہ پر نصیب ہوا۔ پیر صاحب مرحوم حضرت مولانا عبدالحق (رحمۃ اللہ علیہ) محدث بہاولپوری (شیخ عبدالوکیل صاحب مدرس مکہ معظمہ احمد پوری سلمہ اللہ تعالیٰ کے والد گرامی تھے) کے ہمراہ تشریف لائے۔ آپ کے ساتھ دو رائفل بردار خادم بھی تھے۔ رات کے اجلاس میں جب اسٹیج پر تشریف لائے۔ تو اسٹیج پر بڑے سلاطین علم اور اہلحدیث کی عظیم شخصیتیں موجود تھیں مثلاً شیخ الاسلام فاتح قادیان حضرت مولانا ثناء اللہ صاحب امرتسری، علامۃ الدھر حضرت میر سیالکوٹی، محدث دوراں حافظ عبداللہ صاحب روپڑی، حضرت مولانا محمد دہلوی، حضرت مولانا عبدالحق صاحب محدث بہاولپوری رحمۃ اللہ علیہ کے علاوہ دیگر بڑے علمی مقام کے مالک لوگ موجود تھے۔

حضرت شیخ الاسلام نے کھڑے ہو کر اپنے پاس حضرت پیر صاحب کے لئے کرسی کا انتظام کیا اور آپ کے کندھوں پر تھپ تھپاتے ہوئے فرمایا یہ ہمارے مجاہد اعظم کا مجاہد بیٹا ہے۔ اللہ ان کو سلامت رکھے اور دین حق کی زیادہ سے زیادہ توفیق مرحمت فرمائے۔ تمام حاضرین نے بلند آواز سے آمین کہا۔ آج ان کی روح کو ٹپانے والی وفات کی خبر پڑھ کر وہ نصف صدی سے زائد کا واقعہ آنکھوں کے سامنے آیا تو آنکھوں سے پانی بہنے لگا۔ ان پر بہت کچھ کہہ سکتا ہوں۔ اسی پر اکتفا کرتا ہوں اور دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ حضرت مرحوم کو اپنے جوار رحمت میں جگہ دے اور پسماندگان کو صبر جمیل اور جماعت کو ان کا بدل دے۔ آمین ثم آمین۔

(بشکریہ مفت روزہ ”اہلحدیث“ لاہور)

حضرت مولانا سید بدیع الدین شاہ راشدی رحمۃ اللہ علیہ

سانحہ ارتحال

حضرت مولانا سید ابو محمد بدیع الدین راشدی پچھلے دنوں، داعی اجل کو لبیک کہہ گئے۔ (ان اللہ وانا الیہ راجعون) آپ جیسی نابغہ عصر اور نابغہ روزگار شخصیت کی وفات حسرت آیات پر جس قدر رنج و الم کا اظہار کیا جائے کم ہے آپ کا یوں چلے جانا کسی سانحہ سے کم نہیں مگر قدرت کا اپنا نظام ہے جس سے کسی کو انکار و فرار کی گنجائش نہیں۔ ہماری دعا ہے اللہ تعالیٰ شاہ صاحب کو اعلیٰ علیین میں جگہ دے اور ہمیں ان کا علمی وارث بننے کی توفیق دے۔ شاہ صاحب کی شخصیت کسی تعارف کی محتاج نہیں آپ عصر حاضر میں محدثین کرام کے صحیح جانشین اور سلف صالحین کی نشانی تھے۔ علم و عمل کا مجموعہ اور بے پناہ خداداد صلاحیتوں کے مالک تھے۔ بلا کا قوت حافظہ تھا قوت فہم و بصیرت مثالی تھی۔ دین اسلام کی سر بلندی اور مسلک حقہ الہدیٰ کی نشر و اشاعت آپ کی زندگی کا نصب العین تھا۔ سندھ کے معروف علمی و سیاسی گھرانے (راشدی) کے آپ گل سرسبد تھے۔ ۱۲ مئی ۱۹۲۶ء کو آپ پیر جھنڈو نامی بستی میں پیدا ہوئے جو کہ نیو سعید آباد سے دو میل آگے جانب شمال واقع ہے۔ آپ کے والد سید احسان شاہ راشدی اور آپ کے جد امجد سید ابوتراب رشد اللہ شاہ راشدی جھنڈے والے اپنے علم و فضل اور زہد و تقویٰ کی بنا پر پورے سندھ میں مشہور اور کتاب و سنت کے داعی تھے۔ سندھ پیری مریدی اور شرک و بدعات کا گڑھ تھا جگہ جگہ آستانے اور گدیاں آباد تھیں لوگ تقلید و جمود کی گرفت میں تھے ان حالات میں شاہ صاحب کے بزرگوں نے توحید و تقریر سے لوگوں کو مسلک حقہ الہدیٰ کی دعوت دی اور انہیں شرک و بدعات کی اندھیر نگیروں سے نکالنے میں اہم کردار ادا کیا اور سندھ میں توحید کا دیا روشن کیا۔ حضرت شاہ بدیع الدین راشدی چونکہ سفر و حضر میں آپ اپنے والد ماجد کے ساتھ ہوتے تھے چنانچہ آپ کی تربیت میں والد گرامی کی شخصیت کے اثرات بہت نمایاں تھے اور آپ کی تربیت بھی انہی خطوط پر ہوئی جس پر

آپ کے اسلاف گامزن تھے۔ آپ نے اپنی دعوت کا آغاز توحید کی اشاعت اور شرک و بدعت کی بیک کٹی سے کیا۔ چنانچہ اہل بدعت اور پیر پرستوں نے آپ کی مخالفت میں طوفان بدتمیزی برپا کر دیا۔ خطرناک نتائج کی دھمکیاں دینے لگے جب بات بنتی نظر نہ آئی تو لالچ و طمع کے جال بھینکنے لگے مگر شاہ صاحب کے پایہ استقلال میں کوئی لغزش نہ آئی اور آپ پوری دلجمعی اور مزید حوصلے سے دعوت توحید کو عام کرنے لگے اور تبلیغ کا سلسلہ جاری و ساری رکھنے پر کاربند رہے بالآخر آپ کی قربانیاں رنگ لائیں اور اہل سندھ قرآن و حدیث کی دعوت سے آشنا ہونے لگے اور دیکھتے ہی دیکھتے توحید کا نور پورے سندھ میں پھیل گیا۔ (وللہ الحمد) اسی طرح آپ نے تقلید کے رد میں قابل قدر خدمات سرانجام دیں اور کشف الاختلاف فی رد الاحناف کے نام سے ایک عربی رسالہ تحریر کیا جس میں فاتحہ خلف الامام، آمین بالجہر، وضع الیدین علی الصدر وغیرہ اہم مسائل کو قرآن و حدیث کی روشنی میں بیان کیا یہاں یہ امر دلچسپ ہے کہ شاہ صاحب کے جملہ اساتذہ باتثناء سید محبت اللہ راشدی حنفی المذہب تھے اور آپ کو حدیث پڑھنے سے روکتے تھے یہ عذر تراشتے کہ حدیث بہت مشکل فن ہے آپ اسے نہیں سمجھ سکیں گے۔ مگر ماشاء اللہ کان وما لم یشاء لم یکن آپ کا حدیث پڑھنا مشیت الہی تھا آپ نے فن حدیث میں خوب مقام پایا۔ آپ نے علامہ ابو محمد عبدالحق بہاولپوری رحمۃ اللہ علیہ سے سند حدیث حاصل کی اور پھر تقسیم ہند سے قبل آپ امرتسر تشریف لے گئے اور شیخ الاسلام امام المناظرین حضرت علامہ ابوالوفاء ثناء اللہ امرتسری رحمۃ اللہ علیہ اور فقیہ الوقت علامہ حافظ محمد عبداللہ محدث روپڑی رحمۃ اللہ علیہ سے اسناد حدیث حاصل کیں۔ درس و تدریس سے بھی آپ کو گہرا شغف تھا۔ زمانہ طالب علمی میں ہی آپ طالب علموں کو صرف و نحو اور حدیث کی کتابیں پڑھاتے تھے المدرستہ المحمدیہ جس کا قیام آپ کے ہاتھوں عمل میں آیا تھا اس میں بھی چند سال صحیح بخاری کا درس دیا اور پھر دارالحدیث مکتہ المکرمۃ میں دورہ حدیث پڑھانے کا شرف حاصل رہا اس طرح معہ الحرم میں بھی درس و تدریس کی خدمات سرانجام دیتے رہے۔ چونکہ شاہ صاحب کا ذوق تحقیق اور مزاج مناظرانہ تھا چنانچہ آپ اکثر و بیشتر اساتذہ اور علماء کرام سے بحث و مباحثہ کرتے رہتے بعد ازاں یہی مباحثے مناظرے کی شکل اختیار کرتے چلے گئے اور شاہ صاحب کی آواز حق چار داگ عالم سنائی دینے لگی آپ نے تمام اہم مسائل پر مناظرے کئے اور دلائل سے مسلک حق کو واضح کیا

اور باطل نظریات کا رد کیا۔ آپ کے چند مشہور مناظرے درج ذیل ہیں۔

۱۔ سائیکس کا مناظرہ: اس میں عرس، گیارہویں، نذر لغیر اللہ اور کرامات اولیاء کے موضوعات پر مناظرہ کیا گیا۔ آپ کے دلائل اس قدر پختہ اور ٹھوس تھے کہ مخالفین لا جواب ہو کر رہ گئے اور راہ فرار میں ہی عافیت جانی۔ اسی طرح دہاڑی میں فاتحہ خلف الامام کے موضوع پر مناظرہ ہوا اور فریق مخالف آپ کے دلائل سن کر مبہوت ہو کر رہ گیا۔ شہداد کوٹ کے مناظرہ میں آپ نے مسئلہ توسل کا رد پیش کیا ایک اور مناظرہ میں آپ نے تھلید کے رد میں دلائل کے انبار لگا دیئے۔ الغرض آپ نے بے شمار مناظرے کئے جن کا تفصیلی ذکر یہاں محال ہے۔ نمونے کے طور پر چند ذکر کئے ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ تحریری مناظروں کا سلسلہ بھی جاری رکھا۔ الغرض شاہ صاحب کی دینی و علمی مسلکی اور تصنیفی خدمات اس قدر شاندار اور ان کا دائرہ کار اس قدر وسیع ہے کہ ان کا احاطہ کرنا محال ہے ہم تو یہاں ان کے چیدہ چیدہ کارہائے نمایاں زیرِ سطور لانے کی سعی کر رہے ہیں۔ آپ کے علمی فیضان سے صرف اہل پاکستان ہی نہیں اہل عرب بھی فیضیاب ہوئے اور عالم عرب میں آپ کو جو قدر و منزلت شرف و قبولیت اور پذیرائی حاصل ہوئی وہ کسی اور کے حصہ میں نہیں آسکی۔ تمام مشائخ اور علماء کرام آپ کی علمی صلاحیتوں کے معترف اور آپ کی صحبت کے متمنی رہتے تھے۔ شاہ صاحب ایک بہت بڑے ذاتی کتب خانے کے مالک بھی تھے جس میں دس ہزار سے زائد نادر و نایاب کتب موجود ہیں۔ ہر فن کی کتاب اس کتب خانے میں موجود ہے۔ شاہ صاحب خود بھی بڑے بلند پایہ ادیب اور مصنف تھے۔ آپ کا انداز تحریر بڑا جاندار اور موثر تھا۔ بڑی سلاست اور روانی سے عالمانہ و فاضلانہ اور محققانہ طور پر قلم اٹھاتے کہ کوئی پہلو تشنہ تکمیل نہ رہتا۔ آپ نے عربی اردو اور سندھی زبانوں میں قریب قریب ہر موضوع پر قلم اٹھایا۔ آپ کی تصانیف سو سے تجاوز کر چکی ہیں۔ جن میں سے نمونے کے طور پر چند کے نام درج ذیل ہیں۔ ۱۔ السمط الابریز حاشیہ مسند عمر بن عبدالعزیز، ۲۔ عین الشیون بترک رفع الیدین، ۳۔ اعفاء الہمی علی اعضاء اللہی، ۴۔ کشف المحو شرح ہدایۃ النحو، ۵۔ رفع الستر عن احکام الوتر یہ کتب عربی میں تھیں۔ سندھی میں ۱۔ ضرب الیدین علی منکر رفع الیدین ۲۔ رکوع کے بعد ہاتھ باندھنا ۳۔ سینہ پر ہاتھ باندھنا جبکہ اردو میں ۱۔ توحید خالص ۲۔ اتباع سنت ۳۔ مسلک

الہدیٰ اور تہذیب کے نام قابل ذکر ہیں۔ آپ کے چند مشہور اساتذہ اور تلامذہ کے اسماء گرامی۔

اساتذہ:

- ۱- الشیخ ثناء اللہ امرتسری، ۲- الشیخ حافظ محمد عبداللہ محدث روپڑی، ۳- الشیخ ابواسحاق نیک محمد، ۴- علامہ ابوسعید شرف الدین دہلوی، ۵- الشیخ عبید اللہ سندھی، ۶- الشیخ عبدالرحمن رامپوری

تلامذہ:

- ۱- الشیخ علی عامر یمنی مدیر دارالحدیث مکہ المکرمۃ ۲- الشیخ عمر بن محمد بن عبداللہ بن سبیل (امام کعبہ)
- ۳- الشیخ عبدالقادر بن حبیب اللہ سندھی استاذ جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ ۴- شیخ حافظ فتی محمد ۵- شیخ عبدالرب بن فیض اللہ، استاد دارالحدیث مکہ المکرمۃ ۶- الشیخ عبدالعزیز نورستانی جامعہ اثریہ پشاور ۸- مولانا سید محمد شاہ راشدی ۹- مولانا سید نور اللہ شاہ راشدی ۱۰- مولانا سید رشد اللہ شاہ راشدی تینوں آخر الذکر آپ کے صاحبزادے ہیں۔ اللہ تعالیٰ شاہ صاحب کی مغفرت فرمائے اور پسماندگان کو صبر جمیل اور جماعت کو آپ کا نعم البدل عطا فرمائے۔ (آمین)

(بشکریہ مفت روزہ الہدیٰ لاہور)



محمد بشیر الطیب ☆

شاہ بدیع الدین راشدی رحمہ اللہ کا سانحہ ارتحال

پاسبان مسلک الحمدیث اور قوم کا عظیم سرمایہ جو کہ ایک ایک کر کے ہم سے جدا ہو گئے۔ علم کے گوہر اور مدبرانہ صلاحیتوں کے مالک وہ مسلک حقہ کی روح رواں شخصیات چند ہی ہفتوں میں جماعت کو یتیم کر گئیں، ابھی ایک ”غم بساط“ اکٹھی بھی نہیں ہوتی تھی تو دوسری دل فرسا خبر سنی جاتی رہی۔ جن کے غموں سے مرکزی جمعیت اہل حدیث کی کمر ٹیڑھی ہو کر رہ گئی ہے۔ ان شخصیات کی رحلت سے پیدا ہونے والا یہ غلامتوں پر نہیں ہو سکتا۔ کچھ دن قبل ہی یہ روح فرسا خبر سنی کہ حضرت مولانا شیخ الحدیث سلطان محمود رحمہ اللہ ہم کو محروم کر کے مالک حقیقی کو جا ملے ہیں، یہ خبر سن کر بہت صدمہ ہوا، باوجود اس کے راقم کو شیخ الحدیث سے شرف ملاقات نہ تھا، لیکن قدرتی طور پر ان کی نام اور علم و فضل کی وجہ سے ان سے محبت تھی، جب بھی ان کا نام آتا تو سرخرو سے اونچا ہو جاتا کہ الحمد للہ ہم میں اتنے بڑے شیخ الحدیث موجود ہیں جن کی تعریف انہوں نے علاوہ ناقد بھی کرتے ہیں۔

چند دن ہی گزرے تھے کہ جماعت کے سرخیل، علم کے عظیم آفتاب اور شیخ العرب والعجم علامہ سید بدیع الدین شاہ راشدی رحمہ اللہ کی خبر پاکستان سے محترم پروفیسر عبداللہ ناصر الرحمانی نے ٹیلیفون پر جناب عارف جاوید محمدی کو دی۔ انہوں نے اسی وقت میرے ساتھ رابطہ کیا اور بذریعہ ٹیلیفون مجھے خبر دی، جس کا آنا فانا عرب دوستوں کو بھی پتہ چل گیا۔ میں نے عرب دوستوں کو بھی سخت افسردہ اور غم میں ڈوبا ہوا دیکھا۔ جو شیخ العرب والعجم کے بہت مداح تھے۔ ان کی بعد دیگرے دونوں خبروں نے بہت غمگین کیا۔ اس وقت شدید احساس ہو رہا ہے کہ ہم قحط الرجال کے دور میں ہیں کیونکہ اب انگلیوں پر بھی گنتی سے ایسے بزرگ نہیں ملتے کہ جو ہمارے درمیان موجود ہوں۔

یہ علم کے عظیم گوہر تھے جو کہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ہم سے غم ہو گئے اور ایسی صلاحیتوں کے مالک بیک وقت محدث، مدرس، مناظر و مقرر تھے اور جن کے علمی تبحر کے اغیار بھی معترف تھے۔ دو سال قبل جب محدث العصر سید بدیع الدین رحمہ اللہ کویت تشریف لائے اور انہوں نے جہاں

☆ فاضل درس نظامی، نائب امام مسجد خالد بن کبیر الحجاز (کویت)

عربوں کے علاوہ ہمیں بھی اپنے دروس سے مستفید کیا اور شرف زیارت بخشا، وہاں کئی ایک محاضرات عربی اور اردو زبان میں بھی ہوئے۔

حضرت شاہ راشدی رحمۃ اللہ علیہ نے فی البدیہہ خطابت سے جس طرح عربوں کو متاثر کیا یہ ان کا ہی خاصہ تھا۔ عرب حضرت شاہ صاحب کے بہت مداح ہوئے باوجود اس کے کہ وہ پہلے ہی سے شاہ صاحب کے مدح خواں تھے، لیکن اب بالمشافہ سننے سے جو ان پر اثر ہوا وہ بیان سے باہر ہے۔ میں نے کئی عرب دوستوں کو یہ کہتے سنا کہ سبحان اللہ شیخ بدیع فی الواقع ایک عظیم محدث ہے جو بغیر کتاب کے عربی عبارتوں کو اس طرح پڑھتے ہیں ویسا تو عرب بھی نہیں پڑھ سکتے۔ عربوں کے علاوہ یہاں پاکستانی اور ہندی خفی لوگ بھی بہت متاثر ہوئے۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ کم گو تھے لیکن سوال کا جواب بروقت اور مدلل دیتے تھے اور ہر حدیث کو باحوالہ پیش کرتے اور دوسرے فقہ کی کتب کے صفحات تک بتاتے۔

آپ ایک مدبر اسرار ہونے کے ساتھ ساتھ بااخلاق، خوش مزاج اور حق بات کہنے کے عادی تھے۔ جماعتی معاملات کے بارے میں بڑی کھلی سوچ کے مالک تھے۔ گفتگو میں شائستگی اور اخلاص میں پختگی کا یہ عالم تھا کہ جو شخص آپ کے حلقہ میں ایک مرتبہ آتا تو آپ ہی کا ہو کر رہ جاتا۔ آپ کے چہرہ سے رعب کی کرنیں نمایاں رہتی تھیں جس سے بڑے بڑے لوگ بھی خائف تھے اور آپ سے بات کرتے وقت لرزتے تھے۔

شیخ القرآن والحديث حضرت علامہ سید بدیع الدین شاہ راشدی رحمۃ اللہ علیہ

پیر آف جھنڈا کی وفات حسرت آیات

یہ خبر بڑے کرب اور افسوس کے ساتھ مئی گئی کہ پاکستان کے ممتاز عالم دین اور محقق العصر علامہ سید بدیع الدین شاہ راشدی گزشتہ دنوں دارفانی سے داربقاء کو سدھار گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔
آپ کی علمی، دینی اور ملی خدمات قابل قدر ہیں۔ خاص کر صوبہ سندھ میں آپ نے اسلام کی دعوت وتبلیغ میں مثالی کام سرانجام دیا۔ آپ کی رحلت سے پورے مسلمانوں کا ناقابل بیان نقصان ہوا ہے۔ دعا ہے اللہ تعالیٰ آپ کو جنت الفردوس میں جگہ نصیب فرمائے اور لواحقین کو صبر جمیل سے نوازے۔ آمین

ادارہ جامعہ سلفیہ فیصل آباد

(بشکریہ ترجمان الحدیث)

علامہ سید بدیع الدین شاہ راشدی رحمۃ اللہ علیہ کی وفات

علامہ سید بدیع الدین شاہ راشدی باب الاسلام سندھ میں ذوالحجہ ۱۳۳۲ھ بمطابق ۱۲ مئی ۱۹۲۶ء کو پیر جھنڈوی نامی بستی میں پیدا ہوئے جو کہ بنو سعید آباد سے دو میل آگے جانب شمال واقع ہے جو مدتوں سے علماء کا مرکز اور صلحاء کا مخزن رہا ہے۔ شاہ صاحب کے آباؤ اجداد میں سید محمد راشد شاہ ایک نہایت ولی اللہ بزرگ گزرے ہیں جنہوں نے ساری زندگی اسلام کی تبلیغ اور خدمت میں گزاری ان کی وفات کے بعد ان کی پگڑی ان کے بیٹے سید حزب اللہ کو دے دی گئی اور جھنڈا دوسرے بیٹے سید محمد یلین شاہ کو اسی نسبت سے اس خاندان کی دو شاخیں معروف ہو گئیں۔ پیر آف پگاڑو، پیر آف جھنڈو، سید یلین شاہ سے سید احسان اللہ شاہ کے والد قرآن و حدیث کی تعلیمات کی تبلیغ و تدریس میں معروف رہے۔

سید احسان اللہ شاہ کے تین بیٹوں سید محبت اللہ شاہ، سید بدیع الدین شاہ، سید محی الدین شاہ میں سے یہ منجھلے بیٹے تھے۔ سید محمد راشد شاہ ولی اللہ خدا ترس متقی انسان تھے۔ آپ کو جس عمل کے سنت ہونے کا علم و یقین ہو جاتا اس پر عمل پیرا ہو جاتے اور اس کی تعلیم و تبلیغ سود و زیاں سے بے نیاز ہو کر شروع کر دیتے، اس جذبہ ایمان سے انہوں نے مدرسہ دارالرشاد بھی قائم کر رکھا تھا جس میں جملہ علوم و فنون کی تعلیم کا مکمل انتظام تھا۔ علامہ سید بدیع شاہ نے بھی جملہ تعلیم اسی مدرسہ میں حاصل کی۔ اس مدرسہ میں مولانا عبید اللہ سندھی جیسی فاضل شخصیت بھی مدرس رہی۔ شاہ صاحب کے جملہ اساتذہ علمائے احناف تھے سوائے ان کے برادر بزرگ مولانا سید محبت اللہ شاہ کے۔ شاہ جی نے جملہ علوم کی تکمیل تو مدرسہ ہی میں کی لیکن حدیث کی سند حاصل کرنے کے لئے تقسیم ہند سے قبل وہ امرتسر تشریف لے گئے جہاں انہوں نے علامہ ثناء اللہ امرتسری حافظ عبد اللہ محدث روپڑی، الشیخ ابوالفتح نیک محمد علامہ ابوسعید شرف الدین دہلوی، الشیخ عبد الرحمن رامپوری سے فیض حاصل کر کے حدیث کی اجازت حاصل کی۔

۱۹۴۷ء کے بعد مولانا عبید اللہ سندھی کی خدمت میں حاضر ہو کر پارہ عم کی تفسیر کے سلسلے میں

☆ ضلع قصور کے معروف صحافی

استفادہ کیا اور ۲۳ سال کی عمر میں آپ نے صرف تین ماہ کے قلیل عرصہ میں مکمل قرآن مجید کو بھی یاد کر لیا تھا۔ پیر صاحب کو اللہ تعالیٰ نے خاندانی شرف و جاہت کے علاوہ غیر معمولی حافظہ، دعوت و تبلیغ کے دلولوں اور جذبوں، تصنیف و تالیف کے سلیقے اور اخلاق و کردار کی رفعتوں سے نوازا تھا۔ وہ ہر بات کو خوب پرکھتے جانچتے اور اسے دلائل کی میزان میں تولتے تمام ذخیرہ حدیث اور فقہ اسلامی کھلی کتاب کی طرح ان کے سامنے تھی حتیٰ کہ مجموعہ حدیث کے قلمی نسخوں پر بھی ان کی نظر تھی اس لئے بلا مبالغہ کہا جاسکتا ہے کہ پاک و ہند ہی نہیں پورے عالم اسلام میں وسعت مطالعہ نقد و تحقیق کی بے پناہ صلاحیتوں کے اعتبار سے سید بدیع الدین شاہ جیسے عالم، محدث، محقق چند ایک ہی ہوں گے ان کی ذاتی لائبریری بھی بہت وسیع ہے جسے عالمی شہرت حاصل ہے کیونکہ اس میں حدیث و فقہ، اصول حدیث، اصول فقہ، اسماء الرجال، تفسیر اور تاریخ سیر سے متعلقہ بیشتر مطبوعہ کتابیں اور بہت سی غیر مطبوعہ کتب موجود ہیں جن کی تعداد ہزاروں میں ہے۔ پوری دنیا سے محققین، اہل علم و اہل قلم اس لائبریری سے استفادہ کے لئے حاضر ہوتے ہیں درس و تدریس سے بھی آپ کو گہرا اشغف تھا زمانہ طالب علمی میں ہی آپ طالب علموں کو صرف و نحو اور حدیث کی کتابیں پڑھاتے تھے۔ المدرسہ الحمدیہ جس کا قیام آپ کے ہاتھوں عمل میں آیا تھا جس میں دوسرے مدرسین کے علاوہ خود بھی تدریس کے فرائض سرانجام دیتے رہے۔ چند سال اس میں صحیح بخاری شریف کا درس بھی دیا۔ ان کی علمی قابلیت کی شہرت کو سن کر عرب ممالک کے طلباء بھی ان سے استفادے اور ان کے خوان علم کی ریزہ چینی کے لئے ان کے پاس آئے اور کئی کئی سال ان کے پاس مقیم رہتے ہوئے ان کے سرچشمہ علم سے فیض یاب ہوئے۔ بیس سال قبل علمی اور تحقیقی ذوق کے پیش نظر شیخ عبداللہ بن حمید رئیس مجلس القضاۃ الاعلیٰ سعودی عرب کی دعوت پر مکہ مکرمہ تشریف لے گئے تھے۔ دارالحدیث مکہ مکرمہ میں ایک سال اور معہد الحرم میں دو سال تک تدریس کے فرائض سرانجام دیے۔ اس دوران آپ کو بیت اللہ شریف میں قرآن و حدیث کا درس دینے کی خصوصی اجازت تھی وہاں ہزاروں تشنگان علم شاہی سعودی خاندان کے افراد سمیت یمنی، ترکی، شامی، افریقی ممالک وغیرہ کے طلباء و اصحاب شامل ہیں جنہوں نے اپنی علمی و تحقیقی پیاس آپ کے ہاں سے بجھائی۔

اگرچہ سید بدیع الدین شاہ کی مادری زبان سندھی تھی لیکن عربی، اردو زبانوں پر بھی انہیں مکمل عبور تھا یہی وجہ ہے کہ تینوں زبانوں میں آپ کی تحریر کردہ کتب تقریباً ڈیڑھ سو کے قریب موجود ہیں۔ آپ کا اندازہ تحریر بڑا جاندار اور موثر تھا۔ بڑی سلاست اور روانی سے عالمانہ و فاضلانہ اور محققانہ طور پر قلم اٹھاتے کہ کوئی پہلو تشنہ تکمیل نہ رہتا۔ چند برسوں سے وہ قرآن پاک کی بدیع التفسیر کے نام سے سندھی میں تفسیر لکھ رہے تھے جس کے تیرہ پارے مکمل ہو چکے ہیں جو ہزاروں صفحات پر مشتمل ہیں۔ چودھواں پارہ شروع تھا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بلاوا آ گیا۔ اور ۸ جنوری ۱۹۹۶ء کو انتقال فرما گئے ان کے تلامذہ کی اندرون و بیرون ملک میں ہزاروں میں ہیں۔

(بشکریہ نوائے وقت لاہور، ۸ جنوری ۲۰۰۲ء)



علامہ سید بدیع الدین شاہ راشدی رحمۃ اللہ علیہ کا سانحہ ارتحال

ایک اندوہناک خبر یہ ملی کہ علامہ سید بدیع الدین شاہ بھی دنیائے دوں سے عالم آخرت کی طرف رحلت فرما گئے۔ آپ علم دین کے دریا تھے، بہت ساری کتابیں تصنیف فرمائیں، آپ علمائے حرمین میں بھی بخوبی متعارف تھے۔ آپ کی وفات سے انہیں بھی دلی قلق ہوا۔

ہے علم ہی اللہ کے نبیوں کی وراثت یہ علم ہی اللہ کے ولیوں کی ہے وراثت ہوتی ہے جہاں علم شریعت کی اشاعت آتی ہے وہاں جھوم کے اللہ کی رحمت ہو سکتی نہیں علم کی دولت پر قناعت وہ دل نہیں جنت ہے جو ہے علم سے روشن اک عالم دین کا ہے دہن نافذ آہو کھلتا ہے وہ جس وقت بکھر جاتی ہے نگہت مرجاتا ہے جو علم کی تحصیل میں عاجز اللہ سے پاتا ہے مقامات شہادت اللہ تعالیٰ آپ کو غلہ بریں میں انبیاء و اولیاء، شہداء و اتقیاء اور اصفیاء و علماء کی صحبت نصیب فرمائے اور ہم سب کو بھی وہاں اپنے ویدار رشک بہار سے بھی متمتع فرمائے جو جملہ ”نعیم جنت“ سے اعلیٰ و بالا ہے۔ انسان قانون الہی کی زنجیر میں جکڑا ہوا موت کی دہلیز پر پڑا ہوا ہے۔

کل شئی حاکم قانون ہے اللہ کا جس میں مضمر ہیں رموز انقلاب زندگی حیف چھاتا جا رہا ہے رہگزاروں پر دھواں ہائے ڈھلتا جا رہا ہے آفتاب زندگی مٹ رہا ہے کیسے بن بن کر حباب زندگی اختتام زندگی اور موت پر؟ ممکن نہیں قلمزم ہستی کی گہرائی میں عاجز ڈوب کر جانا ہی جب یاد نہیں پھر آنا بھی ناکام گیا آنے والا جائے گا آخر صبح گیا یا شام گیا جس میں مضمر ہیں رموز انقلاب زندگی حیف چھاتا جا رہا ہے رہگزاروں پر دھواں ہائے ڈھلتا جا رہا ہے آفتاب زندگی مٹ رہا ہے کیسے بن بن کر حباب زندگی اختتام زندگی اور موت پر؟ ممکن نہیں قلمزم ہستی کی گہرائی میں عاجز ڈوب کر جانا ہی جب یاد نہیں پھر آنا بھی ناکام گیا آنے والا جائے گا آخر صبح گیا یا شام گیا

محترم شکیل الرحمن ناصر

علم و عمل کا چراغ سید بدیع الدین شاہ راشدی رحمہ اللہ

یہ خبر پاکستان سمیت پورے عالم اسلام میں بڑے رنج و غم کے ساتھ سنی گئی کہ موجودہ دور کا عظیم محدث حافظ الحدیث استاد العلماء السید بدیع الدین شاہ راشدی (پیر آف جہنڈا) انتقال فرما گئے۔ عالم اسلام میں اس وقت تین عظیم محدث موجود تھے جن سے لوگ دنیا کے کونے کونے سے آ کر اپنی علمی پیاس بجھایا کرتے تھے ان میں مفتی اعظم سعودی عرب الشیخ عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز رحمہ اللہ، دوسرے الشیخ ناصر الدین البانی رحمہ اللہ اور سید بدیع الدین شاہ راشدی رحمہ اللہ تھے۔ تینوں نے اس دور میں بڑے سے بڑے شرک و بدعت کے طوفان کا مقابلہ کیا خصوصاً سندھ میں جہاں کے لوگ اپنے آپ کو بڑے فخر کے ساتھ راجہ داہر کی اولاد کہلویا کرتے تھے، شرک و بدعت میں ڈوبے ہوئے لوگوں کو قرآن و حدیث کی تعلیمات سے روشناس کروایا، شاہ صاحب کے بزرگوں نے بھی مسلک کی خدمت کرنے میں کوئی کسر نہ چھوڑی۔ سید بدیع الدین شاہ راشدی رحمہ اللہ نے دعوت کو پھیلانے کے لیے سندھ کے علاقوں جہاں میلوں پانی کا نشان تک نہیں ایسے دور دراز علاقوں میں دین اسلام کی کھری اور سچی دعوت کو پھیلانے میں مصروف رہے قرآن و حدیث سے باہر کی بات پر یقین نہ رکھتے تھے۔ ذاتی شان و شوکت سیاسی و اخباری شہرت سے بہت دور تھے۔ زمانہ طالب علمی میں تعلیم کے ساتھ لگاؤ اور اساتذہ کا بہت احترام کرتے تھے ان کو مولانا ثناء اللہ امرتسری رحمہ اللہ اور مولانا محمد عبداللہ محدث روپڑی رحمہ اللہ کی شاگردی کا شرف حاصل تھا۔

تحریری میدان میں بھی الحمد للہ بہت کام کیا ۱۲۵ کے قریب اردو، سندھی اور عربی میں تصانیف مرتب کیں موجودہ دنوں میں قرآن پاک کی تفسیر لکھ رہے تھے تیرہ سپارے مکمل ہو چکے تھے جن میں سے چند نئے چھپ چکے ہیں یہ سندھی زبان میں لکھی ہے۔ ایک ایک سپارے کی تفسیر سینکڑوں صفحات پر مشتمل ہے بڑی محنت اور لگن کے ساتھ لکھ رہے تھے ان کی لائبریری میں ہزاروں کی تعداد میں کتب دیکھ کر انسان دنگ رہ جاتا ہے سینکڑوں سال پرانی کتب بھی بڑے پیارے طریقے سے رکھی ہوئی تھیں ان کی لائبریری

بے مثال ہے راقم الحروف دوسرے دن پہنچا تو شاہ صاحب کے بیٹوں سے ملاقات ہوئی لوگ غم کی تصویر بنے ہوئے تھے ان کے بیٹوں کے ساتھ ان کے روحانی فرزند الشیخ عبداللہ ناصر الرحمانی بھی تھے اور وہ بھی شاہ صاحب کی جدائی میں ٹڈھال تھے شاہ صاحب کے بیٹے ہر بات پر الشیخ عبداللہ ناصر سے مشورہ کر رہے تھے۔ شاہ صاحب کے بڑے بیٹے سید محمد شاہ بھی اچھے علمی آدمی ہیں ان کے ساتھ لوگوں کا رش زیادہ ہونے کی وجہ سے تفصیلی ملاقات نہ ہو سکی۔

الحمد للہ شاہ صاحب نے سندھ میں تقریباً چھ سو کے قریب مساجد تعمیر کروائیں اور تھر کے علاقوں میں جہاں پانی نہیں ملتا وہاں پانی کے لئے کنویں بنوائے تاکہ لوگ وضو بھی کریں اور پیاس بھی بجھائیں اللہ تعالیٰ ان کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے ان کے لواحقین کو صبر کے ساتھ ساتھ اسی طرح کام کرنے کی توفیق عطا فرمائے جس طرح شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے کیا، آمین۔

(ہفت روزہ تنظیم الحمدیث لاہور)

حضرت سید بدیع الدین شاہ راشدی رحلت فرما گئے

محترم سید بدیع الدین شاہ راشدی (پیر آف جھنڈا) رحمۃ اللہ علیہ کے انتقال کی خبر گزشتہ ہفتہ الاعتصام کے قارئین پڑھ چکے ہیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

حضرت شاہ صاحب کے آباؤ اجداد میں سید محمد راشد شاہ ایک نہایت ولی اللہ بزرگ گزرے ہیں جنہوں نے ساری زندگی اسلام کی تبلیغ اور خدمت میں گزاری۔ ان کی وفات کے بعد ان کی پگڑی ان کے بیٹے سید حزب اللہ شاہ کو دے دی گئی اور جھنڈا دوسرے بیٹے سید یسین کو۔ اس نسبت سے اس خاندان کی دو شاخیں معروف ہو گئیں۔ پیر آف پگاڑو، پیر آف جھنڈا۔ سید یسین شاہ رحمۃ اللہ علیہ سے سید احسان اللہ شاہ صاحب کے والد۔ تک تمام بزرگ مشرکانہ رسوم و رواج اور بدعات کی مخالفت، اور قرآن و حدیث کی تعلیمات کی تبلیغ و تدریس میں مصروف رہے۔

سید احسان اللہ کے تین بیٹوں۔ سید محبت اللہ شاہ، سید بدیع الدین شاہ، سید محی الدین شاہ رحمۃ اللہ علیہ میں سے یہ پہلے بیٹے تھے۔ سندھ میں راشدی خاندان عموماً اور ان میں سے پیر جھنڈو والے خصوصاً ایک ذی علم اور رشد و ہدایت کے مرکز کے طور پر معروف ہیں۔ خصوصاً سندھ میں عمل بالحدیث کا رواج اور تعارف اس خاندان (پیر آف جھنڈو) کا رہنما منت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ شاہ صاحب کے والد رحمۃ اللہ علیہ کا لقب ہی ”سنت والا“ معروف ہو گیا تھا۔ اور وہ صرف اس لئے کہ انہیں جس عمل کے سنت ہونے کا علم و یقین ہو جاتا وہ اس پر عمل پیرا ہو جاتے اور اس کی تعلیم و تبلیغ سود و زیاں سے بے نیاز ہو کر شروع کر دیتے۔ اس جذبے سے انہوں نے مدرسہ ”دارالرشاد“ بھی قائم کر رکھا تھا۔ جس میں جملہ علوم و فنون کی تعلیم کا مکمل انتظام تھا۔ حضرت بدیع الدین شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے بھی جملہ تعلیم اسی مدرسہ میں حاصل کی۔

اس مدرسہ میں مولانا عبید اللہ سندھی رحمۃ اللہ علیہ جیسی فاضل شخصیت بھی مدرس رہی۔ حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے جملہ اساتذہ علمائے احناف تھے۔ سوائے ان کے برادر بزرگ مولانا سید محبت اللہ شاہ رحمۃ اللہ علیہ کے۔ شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے جملہ علوم کی تکمیل تو مدرسہ ہی میں کی لیکن حدیث کی سند حاصل کرنے کے لئے وہ امرتسر

تشریف لے گئے۔ جہاں انہوں نے مولانا ثناء اللہ امرتسری، حافظ محمد عبداللہ روپڑی رحمہ اللہ اور مولانا نیک محمد رحمہ اللہ سے اجازت حاصل کی۔ ۴۷ء کے بعد گردش ایام سے جب مولانا ابوسعید شرف الدین رحمہ اللہ مدرسہ ”دارالرشاد“ میں مسند حدیث پر جلوہ آرا ہوئے تو پھر ان سے بھی سند حاصل کی۔ مولانا عبید اللہ سندھی رحمہ اللہ کی خدمت میں حاضر ہو کر پارہ عم کی تفسیر کے سلسلہ میں استفادہ بھی کیا۔ ۲۳ سال کی عمر میں حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ نے صرف ۳ ماہ کے قلیل عرصہ میں قرآن حکیم بھی یاد کر لیا تھا۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت شاہ صاحب کو غیر معمولی حافظہ، نادر ذہانت، اخاذ ذہن اور مضبوط قوت استحضار کی نعمتوں سے نواز رکھا تھا۔ مسائل کے مالہ و ماعلیہ پر ان کی نظر بہت وسیع تھی۔ اور ہر وقت دلیل مہیا کرنے میں ان جیسا صاحب علم کوئی کم ہی ہم نے دیکھا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی رائے ہمیشہ واضح اور دو ٹوک ہوتی تھی۔ اپنی رائے پر اعتماد تو وہ بے پناہ رکھتے تھے لیکن اس پر اصرار کے بجائے مخاطب سے دلائل طلب کرتے اور جب کسی صحیح حدیث یا دلیل سے ان کو اطمینان اور تشفی ہو جاتی تو اپنی رائے فوراً تبدیل کر لیتے۔ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی تعلیمات لوگوں تک پہنچانے اور اللہ کی مخلوق کو جہنم کی آگ سے بچانے کی خواہش و کوشش اور ان کی ہدایت کیلئے دعا و دعوت کرتے رہنے والی انبیاء کی صفت سے موصوف تھے۔ دینی لحاظ سے پسماندہ خصوصاً سندھ کے دور دراز علاقوں میں ان کی خدمات بے مثال ہیں۔ اللہ تعالیٰ قبول فرمائے۔ جب تقریر فرماتے تو ان کا علم بے کراں نظر آتا اور جب مناظرہ کرتے تو دلائل کا انبار لگا دیتے۔

ایسے ہی تحریر میں بھی ان کے بیان کی روانی اور علم کی جولانی بلا کی ہوتی تھی۔ چند سال قبل تک ان کی ۶۰ تصانیف عربی ۲۸ سندھی اور ۱۹ اردو میں تھیں جو اکثر مختلف اوقات میں طبع ہو چکی ہیں اب چند برسوں سے وہ بدیع التفاسیر کے نام سے سندھی میں تفسیر لکھ رہے تھے جس کے ۱۳ پارے ہو چکے ہیں جو ہزاروں صفحات پر مشتمل ہیں۔ چودہواں پارہ شروع تھا کہ بلاوا آ گیا۔ ایسے ہی ان کا کتب خانہ بھی عدیم المثال ہے جس میں بلاشبہ ہزاروں کتب بلکہ امہات الکتاب (کتب حوالہ) ہیں مخطوطات اور ان کی فوٹو کاپیاں بھی ان کے اس کتب خانہ کا امتیاز ہیں۔ ایسے ہی اب وہ نبوسعید آباد میں ایک وسیع و عریض یونیورسٹی (درسگاہ) کی تعمیر شروع کئے ہوئے تھے۔ اللہ تعالیٰ ان کے پس ماندگان کو اس کی تکمیل کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

علم ان کی زندگی، مطالعہ ان کی خوراک اور توکل و قناعت ان کا اوڑھنا بچھونا تھا، ہر حال میں وہ اللہ سے راضی اور اس کا شکر ہی ادا کرتے رہے۔

نئی تصانیف اور تازہ مطبوعات کی تلاش انہیں ہمیشہ رہتی۔ یہی وجہ ہے کہ جب کبھی یہاں لاہور تشریف لاتے تو اردو بازار کے کتب خانوں میں ضرور تشریف لے جاتے۔ شاہ صاحب طبعاً نیک سرشت اور سادہ دل تھے۔ اکھاڑ پچھاڑ، سیاسی داؤ بیچ اور تنظیمی تنگ و تاز سے نا آشنا صاف گو، اعتماد کرنے والے بلکہ دین کے نام پر تو فوراً اعتماد کر جانے والی شخصیت تھے۔ اپنی اسی خوبی یا کمزوری کی وجہ سے عمر بھر وہ ”مہریانوں“ کے چر کے کھاتے اور دکھ اٹھاتے رہے۔

جماعت کے تنظیمی معاملات سے ان کو کبھی دلچسپی نہیں رہی۔ ہاں ان کے نیاز مندوں نے ایک بار ان کو اتحاد کا مژدہ سنا کر کچھ عرصہ کے لئے ان کو امیر نامزد کیا۔ لیکن جب مقصود (اتحاد) حاصل ہوتا دکھائی نہ دیا تو انہوں نے استعفیٰ دے دیا۔

تقریرات کے سلسلے میں راقم الحروف سید بدیع الدین شاہ صاحب کی رہائش گاہ پر حاضر ہوا تو ان کے دو بیٹوں سے ملاقات ہوئی۔ بڑے بیٹے محمد شاہ کے بارے میں معلوم ہوا کہ فاضل شخصیت ہیں۔ دوسرے بیٹے رشید اللہ شاہ کے متعلق بھی پتہ چلا کہ ماشاء اللہ دینی علوم سے بہرہ ور ہیں۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ایسے اسباب پیدا فرمائے کہ ان کے جاری کئے ہوئے صدقات جاری رہ سکیں اور ان کے لئے زادِ آخرت بنیں۔ آمین یا رب العالمین۔
(بھگت یفت روزہ الاعتصام لاہور)



سبیل الموت غایۃ کل حی!

سید بدیع الدین شاہ رحمۃ اللہ علیہ پیر آف جھنڈا کا سانحہ ارتحال

جماعت اہلحدیث کے نابغہ روزگار عالم دین، مفسر قرآن، محدث، محقق، مصنف، سنت کے شیدائی، توحید کے داعی، قانع شرک و بدعت، راست گوئی، مستقل مزاجی اور دینی حمیت کے خور جناب سید بدیع الدین شاہ پیر آف جھنڈا سندھ مختصر علالت کے بعد ستر سال کی عمر میں داعی اجل کو لبیک کہتے ہوئے اپنے اللہ کو پیار ہو گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

شاہ صاحب نے عربی، اردو اور سندھی زبان میں مختلف موضوعات پر متعدد کتابیں تصنیف کیں۔ اور اب قرآن حکیم کی مفصل تفسیر (بدیع التفاسیر) کے نام سے سندھی زبان میں تحریر کر رہے تھے۔ ابھی اس عظیم الشان تفسیر کے تیرہ پارے ہی مکمل ہو پائے تھے کہ خالق حقیقی سے جا ملے۔ اس تفسیر کا چرچا پاکستان کے علاوہ عرب ممالک کے علمی حلقوں میں بھی ہو رہا تھا۔ بعض علم دوست عرب احباب نے مرحوم سے مطالبہ کیا کہ یہ تفسیر عربی زبان میں بھی تحریر کریں تاکہ عرب دنیا بھی اس عملی ذخیرے سے استفادہ کر سکے۔ شاہ صاحب نے ان مخلص احباب کا مطالبہ منظور کرتے ہوئے عربی زبان میں بھی مفصل تفسیر لکھنے کی حامی بھر لی تھی۔ لیکن اجل نے مہلت نہ دی۔

دو سال قبل شاہ صاحب تبلیغی دورے پر برطانیہ تشریف لے گئے، راقم الحروف کو اس دورے میں ان کی رفاقت کا شرف حاصل ہوا۔ مرکزی جمعیت اہل حدیث برطانیہ کی سالانہ دعوتی کانفرنس برمنگھم میں آپ نے مفصل خطاب کیا جو کتاب و سنت کے دلائل سے مزین تھا۔ آپ کا نام سن کر برطانیہ کے مختلف شہروں سے سینکڑوں نوجوان برمنگھم پہنچے ان کے سامنے عربی زبان میں مفصل خطاب کیا انگلش میں ترجمانی کے فرائض امریکہ سے آئے ہوئے سلفی نوجوان ڈاکٹر علی تمیمی نے سرانجام دیئے۔ یہ نوجوان امریکہ میں سلفی دعوت کی پرچار میں دن رات مصروف ہیں۔

☆ سابق مدیر اعلیٰ اہلحدیث لاہور

برطانیہ میں بڑی تیزی سے کالجز اور یونیورسٹیوں میں زیر تعلیم نوجوان کتاب وسنت کی تعلیمات کی طرف مائل ہو رہے ہیں۔

اجتماع میں تقریباً سبھی نوجوان اسلامی لباس اور متشرع شکل سے آراستہ دیکھ کر خوشگوار تاثر پیدا ہوا۔ مجھے یہ جان کر بھی خوشی محسوس ہوئی کہ جب موجودہ دور کے متحجر عالم دین علامہ ناصر الدین البانی رحمۃ اللہ علیہ سے یہ دریافت کیا گیا کہ آپ کی عدم موجودگی میں علمی تشنگی کو دور کرنے کے لیے کس سے رابطہ کیا جائے تو انہوں نے بے ساختہ یہ جواب دیا کہ سید بدیع الدین شاہ سے رابطہ کیا جائے بلاشبہ یہ شاہ صاحب کے علم کا برملا اعتراف ہے۔

ہماری دعا ہے کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ شاہ صاحب کی علمی خدمات کو قبول فرمائے، انہیں جنت الفردوس میں جگہ عطا کرے جملہ لواحقین کو صبر جمیل کی توفیق عطا کرے۔ (آمین)

(بشکریہ مفت روزہ تنظیم الحمدیٹ لاہور ۲۶ جنوری ۱۹۹۶ء)

(وفات حسرت آیات)

ہم نہایت رنج و غم کے ساتھ آپ کو یہ خبر دے رہے ہیں کہ پاکستان سے بذریعہ فیکس یہ اطلاع موصول ہوئی ہے کہ شیخ الحدیث علامہ بدیع الدین شاہ راشدی کا ۸ جنوری ۹۶ء مطابق ۱۷ شعبان ۱۴۱۶ھ بروز منگل کراچی میں انتقال ہو گیا، انا للہ وانا الیہ راجعون۔ موصوف پاکستان کے علاقہ سندھ سے تعلق رکھتے تھے۔ آپ کا خاندان بیحد شہرت کا حامل ہے، آپ علم و فن اور تقویٰ و طہارت میں سلف کا نمونہ تھے، اسی طرح علوم شرعیہ اور بالخصوص تفسیر حدیث اور عقیدہ وغیرہ علوم میں عمیق و ماہرانہ نظر تھی، مسجد حرام میں آپ کو طویل عرصہ تک تدریس و تبلیغ کا شرف حاصل رہا، آپ کی وفات دینی و علمی حلقوں کا زبردست سانحہ ہے، اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ مرحوم کو جنت الفردوس میں جگہ عنایت فرمائے اور پسماندگان کو صبر جمیل عطا کرے آمین۔

جامعہ سلفیہ بنارس (ہند) کے اراکین و اساتذہ اور طلبہ مرحوم کے پسماندگان کے غم میں برابر کے شریک ہیں۔ آئندہ ان شاء اللہ موصوف کے حالات زندگی پر مفصل روشنی ڈالی جائے گی۔ (ادارہ)

(بشکریہ ماہنامہ محدث فروری ۱۹۹۶ء بنارس ہندوستان)

پیر سید بدیع الدین شاہ راشدی کا سانحہ ارتحال

یہ خبر نہایت حزن و ملال سے سنی جائے گی کہ پاکستان کی معروف علمی شخصیت اور وادی سندھ کے راشدی خاندان کے علمی ورثہ کے امین حضرت سید بدیع الدین شاہ صاحب راشدی پیر آف جھنڈا مورخہ ۸ جنوری ۱۹۹۶ء کو بروز سوموار رات دس بجے قضائے الہی سے فوت ہو گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

ریس التحریر ”حریمین“ علامہ محمد مدنی نے ان کی وفات پر گہرے دکھ اور رنج و غم کا اظہار کرتے ہوئے اپنے تعزیتی پیغام میں کہا ہے کہ شاہ صاحب پاکستان ہی میں نہیں، بلکہ پوری اسلامی دنیا میں انتہائی عزت و احترام کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے، آپ کا علمی مقام مسلمہ تھا اور آپ کی دینی خدمات ہم سب کے لیے قابل رشک!..... ویسے تو موت ہر ذی روح کا مقدر ہے، تاہم ان کی وفات سے علمی دنیا میں جو بہت بڑا خلا واقع ہوا ہے، شاید مدتوں پُر نہ ہو سکے۔ انہوں نے کہا، گزشتہ سال ان کے بھائی سید محبت اللہ شاہ صاحب راشدی اللہ کو پیارے ہو گئے تھے اور اب شاہ صاحب عالم جادوانی کو سدھار گئے ہیں۔ انہوں نے کہا، اللہ تعالیٰ جماعت کی حالت پر رحم فرمائے، تھوڑے ہی عرصہ میں اسے اپنے علماء و زعماء کی وفات کے پے در پے صدمات سہنے پڑے ہیں۔ اللہ رب العزت سے دعا ہے کہ وہ مرحوم کو اپنے جوار رحمت میں جگہ دے کہ اعلیٰ علیین میں مقام رفیع عطا فرمائے۔

اللهم اغفر له وارحمه وعافه واعف عنه. آمین ثم آمین!

(بشکر یہ حریمین فروری ۱۹۹۶ء)

شاہ صاحب رحمۃ اللہ کی وفات پر

جمعیت الہمدیث بریڈ فورڈ (انگلینڈ) میں تعزیتی اجلاس

گذشتہ روز جمعیت الہمدیث بریڈ فورڈ کا ایک اجلاس جامع مسجد الہمدیث کیمڈن ٹیرس بریڈ فورڈ ۸ میں منعقد ہوا جس میں پیر سید بدیع الدین شاہ راشدی پیر آف جھنڈا صاحب کی وفات پر گہرے رنج و افسوس

کا اظہار کیا گیا۔ عالم اسلام کی وہ علمی شخصیت جن کے علم سے لاکھوں فرزندان توحید نے فیض حاصل کیا۔ سال با سال تک شاہ صاحب حرم شریف میں درس قرآن و حدیث دیتے رہے۔ آخر اپنے خالق حقیقی سے جا ملے۔ موت اٹل ہے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ ان خیالات کا اظہار مولانا منیر قاسم خطیب جامع مسجد محمدی نے کیا۔ جمعیت اہلحدیث بریڈ فورڈ کے جنرل سیکریٹری حاجی شوکت علی نے شاہ صاحب کی وفات پر گہرے دکھ اور افسوس کا اظہار کرتے ہوئے جمعیت اہل حدیث پاکستان کے لئے ناقابل تلافی نقصان کا اظہار کیا جس کا ازالہ مستقبل قریب میں ناممکن ہے۔ حضرت شاہ صاحب کی علمی اور دینی خدمات کو زبردست خراج تحسین پیش کرتے ہوئے شرکاء اجلاس کی آنکھیں اشکبار ہو گئیں۔ شاہ صاحب سے علمی فیض حاصل کرنے والے ہزاروں نوجوان اسکالر، انجینئرز آج برطانیہ اور امریکہ و یورپ کے کونے کونے میں تبلیغ اسلام کی دعوت میں مصروف عمل ہیں جو کہ شاہ صاحب کا صدقہ جاریہ ہے۔

نماز جمعہ کے بعد پیر سید بدیع الدین شاہ صاحب کی غائبانہ نماز جنازہ ادا کی گئی۔ جس میں سینکڑوں افراد نے شرکت کی۔ آہوں اور سسکیوں میں بارگاہ خداوندی میں مرحوم کے لئے دعا مغفرت کی گئی اور بلندی درجات کی دعائیں کی گئیں۔ اللہ پاک انہیں جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام نصیب فرمائے (آمین) جمعیت کے احباب صوفی عبدالملک، میر صفدر علی، سلیم خان، حاجی عبدالغفور، نواب علی، سجاد خان، برکت علی، محمد رمضان، حمید اختر اور دیگر احباب نے شاہ صاحب کی وفات پر گہرے دکھ اور افسوس کا اظہار کیا۔ نیز احباب نے میاں فضل حق جنرل سیکریٹری جمعیت اہل حدیث پاکستان کی وفات پر اپنی دلی تعزیت کا اظہار کیا۔

مولانا عارف جلوید محمدی (لجنة دعوة الجاليات۔ کویت)

علامہ سید بدیع الدین راشدی (سندھ پاکستان) کی وفات

مورخہ ۸ جنوری ۱۹۹۶ء بروز پیر برادر مکرم الشیخ عبداللہ ناصر الرحمانی رحمہ اللہ نے فون پر اطلاع دی کہ عالم ربانی اور دنیائے اسلام کے ممتاز عالم دین علامہ السید بدیع الدین شاہ الراشدی ہمیں داغ مفارقت دے کر اپنے خالق حقیقی سے جا ملے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

داغ فراق صحت شب کی جلی ہوئی

اک شمع رہ گئی تھی سو اب وہ بھی خاموش ہے

یہ اندوہناک خبر دل و دماغ پر بجلی بن کر گری قحط الرجال کے اس دور میں ایسی تابغہ روزگار ہستی کا دنیا سے چلا جانا علم و اہل علم کے لئے کسی بڑی مصیبت سے کم نہیں۔ اور سچ ہے کہ ”موٹ العالم موٹ العالم“ مدتوں بعد ایسی شخصیات پیدا ہوتی ہیں۔

السید الراشدی اس علمی خاندان کے چشم و چراغ تھے جنہوں نے سر زمین سندھ میں توحید و سنت کی شمع فروزاں کی جس کی روشنی سے نہ صرف سندھ بلکہ پورے عالم نے رہنمائی حاصل کی۔ حضرت پیر صاحب کے والد ماجد السید احسان اللہ الراشدی بھی اپنے دور کی اہم شخصیت تھی۔

حضرت پیر صاحب بیک وقت محدث بھی تھے فقیہ بھی، محقق بھی تھے خطیب بھی..... مدرس بھی اور مبلغ بھی۔ نیز علم الرجال کے علاوہ کتاب اللہ کے حافظ اور شب زندہ دار بھی تھے۔ وہ اپنے دور کے مرجع خلافت تھے۔ ان کی یادگاریں ان کا علمی مکتبہ ہے جس میں لاکھوں علمی کتب اور سینکڑوں مخطوطات موجود ہیں۔ انہوں نے بہت سے علمی موضوعات پر قلم اٹھایا۔ اور عربی اردو اور سندھی میں کئی کتب تصنیف فرمائیں۔ وہ ساری عمر کتاب اللہ و سنت رسول اللہ کی خدمت میں گزار کر اسی ملک بقاء ہوئے۔ تقبل اللہ جہود الطیبة

ماکان قیسن ہلکہ ہلک واحد

ولکنہ بیان قوم تہلما

کویت میں موجود تمام احباب نے اس صدمے کو شدت سے محسوس کیا۔ ”لجنة دعوة الجاليات“ کی طرف سے مختلف مساجد میں نماز جمعہ کے بعد حضرت شاہ صاحب کی عاتبانہ نماز جنازہ کا اہتمام کیا گیا۔ اسی دن بعد نماز مغرب مسجد شاہ کویت شہی میں نماز جنازہ سے قبل برادر عزیز الشیخ عبدالحلیم محمد صادق صاحب اور فضیلۃ الشیخ صلاح الدین مقبول صاحب نے شاہ صاحب کی علمی و دینی خدمات کا تذکرہ کیا۔ غفر اللہ لہ و اسکنہ فسیح جناتہ۔ آمین۔

راقم الحروف اور جملہ احباب حضرت شاہ صاحب کے پسماندگان اور احباب جماعت کے غم میں برابر کے شریک ہیں۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ حضرت پیر صاحب کو اپنے جوار رحمت میں جگہ دے اور ہمیں تمام پسماندگان کو صبر جمیل کی توفیق بخشے۔ آمین۔ (الشکریہ ماہنامہ السراج نیپال فروری، مارچ ۹۶ء)

شیخ العرب والعجم

مولانا پیر سید بدیع الدین شاہ راشدی رحمۃ اللہ علیہ

علمائے کرام کا یکے بعد دیگرے سانحہ ارتحال شاید رسول اللہ ﷺ کے اس ارشاد پر مہر تصدیق ثبت کر رہا ہے۔ کہ قرب قیامت میں علماء کے اٹھ جانے سے علم اٹھ جائے گا۔ شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ ایک خونوادہ علم و فضل کے چشم و چراغ تھے۔ سندھ میں رہتے ہوئے ایک پیر خانے سے متعلق ہونے کے باوجود کتاب و سنت کے ترجمان تھے۔ اللہ تعالیٰ نے شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ میں بے شمار اوصاف حمیدہ ودیعت فرمائے تھے۔ بہت سی خوبیوں سے نوازا تھا۔ وہ علم و فضل کے پیکر تحقیق و دانش کے مجسم، توحید و سنت کے داعی، مسلک اہل حدیث کے ترجمان اور پاسبان تھے۔ سندھی اور اردو پر یکساں عبور حاصل تھا۔ قرآن پاک کی سندھی میں تفسیر لکھ رہے تھے۔ لیکن وہ تفسیر تکمیل ہی رہ گئی ہے۔ ان کا کتب خانہ سندھ تو کیا بلکہ پورے ملک کے چند عظیم کتب خانوں میں سے ایک تھا۔ اس میں بڑی نایاب اور نادر کتابیں ہیں مخطوطے بھی بکثرت موجود ہیں۔ بڑے بڑے جویائے علم ان سے استفادہ کرتے رہے اور کر رہے ہیں اور کریں گے۔ سندھی زبان کے اونچے مقررین میں شمار تھے۔ عربی اور اردو میں بھی بلا تامل، بلا توقف، بلا تکلف خطاب فرماتے تھے۔ راقم الحروف ان کی زندگی میں کراچی گیا۔ دل میں ملاقات کی خواہش لیے ہوئے کہ شرف زیارت ہو جائے۔ ان کی مسجد کا رخ کیا مگر ملاقات نہ ہو سکی۔ اور ملاقات کی تمنا ہی لیے ہوئے واپس پنجاب لوٹا۔ جو کہ بہت دکھ کا لمحہ تھا۔ بعد ازاں ان کے پنجاب آنے کا انتظار کرتا رہا۔ تو مرکز طیبہ مرید کے میں شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی آمد کا معلوم ہوا۔ تو اسی طرح پھر ملاقات کی تمنا دل میں لئے ہوئے سفر پر رواں دواں ہوا۔ لیکن آخر کار بلمشافہ ان سے ملاقات کا شرف نہ حاصل ہو سکا۔ مایوسی کے عالم میں پھر گامزن منزل ہوا پورا سال انتظار کیا کہ کہیں شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی پنجاب میں آمد ہو۔ کہیں بھی ان کا قریب ترین پروگرام نہ سن سکا۔ آخر کار آئندہ سال مرکز طیبہ مرید کے

☆ ناظم ادارہ نصر الاممہ پاکستان گوجرانوالہ

میں محترم شاہ صاحب رحمہ اللہ کے ساتھ ساتھ مولانا پروفیسر حافظ محمد عبداللہ بہاولپوری رحمہ اللہ اور ولی کامل حضرت حافظ محمد یحییٰ صاحب مدظلہ سے بھی ملاقات ہوئی۔ اور تب جا کر دل کو سکون پہنچا۔

پاکستان بھر میں ان کے خطاب عام ہوتے تھے۔ ہندوستان میں بھی بعض مواقع پر ان کا ورود مسعود ہوا اور مسلمانان ہند تک ان کی توحید کا پیغام پہنچا۔ متحدہ عرب امارات بھی ان کے فیوض و برکات سے مستفید ہوتے رہے۔ یورپ کے بعض ممالک میں بھی ان کے تبلیغی سفر جاری رہے۔ کئی سال حرم بیت اللہ میں بھی قیام کی سعادت انہیں حاصل رہی۔ دنیا بھر کے مسلمانوں سے عربی اردو میں خطاب فرماتے رہے۔ افسوس یہ ہے کہ ان کی صلیبی اولاد میں ان کا کوئی علمی، دینی اور روحانی جانشین دکھائی نہیں دیتا۔ ان کے بڑے صاحبزادے نور اللہ راشدی صاحب علم تھے۔ اور ایک سانحہ میں قتل ہو گئے۔ ہاں البتہ ان کے شاگردوں کی بڑی تعداد ہے۔ جن میں سے مایہ ناز اور جید علمائے دین اور شیوخ کی کافی تعداد ہے۔ جن میں سے جماعت کے پائے کے عالم مفکر اور شیخ الحدیث محترم مولانا عبداللہ ناصر رحمانی صاحب امیر جمعیت اہل حدیث سندھ اور میرے قابل قدر دوست ابو خزیمہ الشیخ محترم مولانا محمد حسین الظاہری صاحب آف اوکاڑہ اور کئی ایک اس طرح کے علمائے کرام شامل ہیں۔

شاہ صاحب رحمہ اللہ کا اصلاً تعلق راشدی سادات سے تھا۔ تیسری چوتھی پشت سے پیر پگاڑا کا خاندان ان سے جدا ہو گیا۔ بزرگوں کے روحانی ترکہ سے ان کے ہاتھوں میں علم (جھنڈا) آ گیا پیر آف جھنڈا کے نام سے مشہور ہوئے۔ اور دوسرے فریق کے ہاتھ میں پگڑی آ گئی۔ سندھی پگڑی کو پگارا کہتے ہیں۔ وہ سندھ میں پیر آف پگارا کے نام سے معنوں ہوئے۔ لیکن راشدیوں کی یہ گدی امیر المؤمنین سید احمد شہید رحمہ اللہ کے وہاں سے گزرنے کے بعد توحید و سنت کی علم بردار بن گئی۔ لیکن پگاریوں کی گدی عام گدیوں کی طرح بن کر رہ گئی۔ ویسے یہ دونوں خاندان باہم دیگر بہت احترام سے پیش آتے تھے۔ اور آتے ہیں دونوں خاندان حریت ماب ہیں۔ شاہ مرادن پیر آف پگارا کے والد محترم اپنے حرجان بازوں کی معیت میں انگریزوں کے ہاتھوں شہید ہو گئے۔ شاہ صاحب راشدی کے والد گرامی پیر احسان اللہ راشدی ہمیشہ سیاست میں انگریز کے خلاف برسر پیکار رہے۔

راشدیوں کا وہ کتب خانہ جس کا اوپر ذکر کیا گیا ہے۔ راشد یوں کا یہ کتب خانہ عرب و عجم کے اہل علم میں متعارف تھا۔ پیر احسان اللہ راشدی کی وفات پر علامہ سید سلیمان ندوی مرحوم نے معارف اعظم گڑھ میں وفیات کے کالم میں بہت خوبصورت لکھا تھا۔ اور ان کے کتب خانے کو خراج تحسین پیش کیا تھا۔ راشد یوں کی یہ گلدی دو توحید پرست گروہوں میں تقسیم ہو گئی۔ اس گلدی کے اہل حدیث جانشین مرحوم سید محبت اللہ شاہ راشدی تھے۔ گلدی کے ایک حصہ پر ہمارے دیوبندی بزرگ براجمان ہیں سید وہب اللہ شاہ ان کے جانشین تھے۔ اللہ جانے وہ وفات پا گئے یا بقید حیات ہیں۔ معلوم نہیں ہے۔

ضلع لاڑکانہ، شکار پور، سکھر، نواب شاہ، حیدر آباد، میرپور خاص اور ان کے دیہات میں پنجابی مہاجر اور سندھی بھجہ اللہ خاصی تعداد میں ہیں لیکن ضلع تھرپارکر میں اہل حدیثوں کی خاصے بڑے مراکز ہیں۔ یہ تمام اضلاع پیر صاحب کی تبلیغی جولان گاہ تھے۔ ہر ہر مقام تک پیر صاحب پہنچنے کی کوشش کرتے۔ صوبہ بھر میں ان کے شیدائیوں کا خاصا بڑا حلقہ ہے۔

پیر صاحب نے تحصیل علم کی ابتداء اپنے بزرگوں سے کی۔ زیادہ تر علوم مولانا عبدالحق محدث بہاولپوری نزیل مکہ مکرمہ سے پڑھے۔ حضرت العلام محدث روپڑی سے بھی انہیں شرف تلمذ حاصل تھا۔ شیخ الاسلام مولانا ثناء اللہ امرتسری ان کی اٹھتی جوانی میں ان پر بڑی شفقت فرمایا کرتے تھے۔ (بحوالہ مجلہ تعلیم الاسلام مئی ۱۹۹۶ء) اور ان کو بڑی بڑی کانفرنسوں میں اپنے ہمراہ لے جایا کرتے تھے۔ پیر صاحب میں ہونہار بردا کے چکنے چکنے پات کے مصداق ذہانت و فطانت، فصاحت و بلاغت، جرات و شجاعت، شرافت و نجابت اور فہم و فراست بدرجہ اتم موجود تھی۔

ہمارے یہاں جامعہ کی متعدد کانفرنسوں میں شمولیت فرمائی۔ وہ لباس و خوراک میں بالکل سادہ بلکہ صحرائی انسان تھے۔ دین دار لوگوں سے انہیں محبت تھی۔ اہل توحید کا مرکز و دامن تھے۔ اور ہمیشہ اللہ تعالیٰ نے انہیں مرجع خلافت بنایا تھا۔ وہ متعدد کتابوں کے مصنف تھے۔ کسی زمانے میں کراچی سے نکلنے والے پندرہ روزہ ”الہدیٰ“ کے نگران اور سرپرست بھی رہے۔ اس کے ایڈیٹر عبدالمنان صاحب تھے۔ ۱۹۹۶ء میں تقریباً ستر یا پچھتر سال کی عمر میں فوت ہوئے اللہ تعالیٰ انہیں کروٹ کروٹ جنت عطا فرمائے۔ اور جماعت کو ان کا نعم البدل عطا فرمائے۔ (آمین)



بیت السلام اسکول



آپ کے اپنے بچوں اور بچوں کے روشن مستقبل کے لیے

بیت السلام اسکول ابتدائے

بیت السلام ہائیر سیکنڈری اسکول کی بے مثال کامیابی کے بعد
بیت السلام تعلیمی انتظامیہ کے تحت بمقام ”مرکز الفرقان“ میں
ابتدائی جماعتوں کا اجراء

بیت السلام لائبریری (Montessori) (مرکی حد سائے تین سال) • بیت السلام PPI (مرکی حد سائے چار سال)

جامع مسجد
دائریہ مسجد
اور مسجد
بیت السلام

داخلے جاری ہیں

یاد رکھیے!
ہم بچوں کو ترجیح دی جائے گی
جو اسکول کے قریب و قریب
اپنی کنفیرنس اسکول آجائے ہوں

صرف ہمارے کا موقع

بیت السلام اسکول میں سبق پچھے بھی دہرے تعلیم ہیں۔ جن کے تعلیمی اخراجات ادارہ برداشت کرتا ہے
آپ کی کاپی تعلیم کے ذریعے امتداد کے ساتھ جاری رہے گا

دفتری اوقات: صبح 8:00

0315338

بیت السلام ہائیر سیکنڈری اسکول بمقام جامع مسجد بیت السلام، مرکز فرقان

جمعیت اہل حدیث کراچی، موسسہ عائشہ (رجسٹرڈ)

موت النفی حیاء لا انقطاع لها
فر مان قوم و ہم فی الناس احباء

تعزیت نامے

جمع و ترتیب
مولانا ذوالفقار احمد کھوسو

بسم اللہ الرحمن الرحیم الحمد للہ والصلاة والسلام علی رسول اللہ اما بعد! سندھ کو اگر باب الاسلام ہونے کا شرف ہے تو نیو سعید آباد کی مناسبت سے اس دور میں اسے باب العلم کی فضیلت حاصل ہے۔ سلطان محمد ثین استاذ الاساتذہ حضرت الشیخ السید بدیع الدین شاہ صاحب سے ایک عرصہ سے نیاز حاصل ہے آج ان کے ماتم کے لئے حاضر ہوا اہل نیو سعید آباد نے بدیع الدین کو نہیں بلکہ علم کو دفن کیا۔ آپ اسم بامسمیٰ تھے سندھ کی سنگ لاخ وادی میں دین اسلام کو زندہ کرنے اور کتاب وسنت اور توحید کی آواز ہر سو پہنچانے میں ان کی خدمات نصف النہار کی طرح عیاں ہیں اس کی بدولت آج شہر شہر قریہ بستی بستی توحید وسنت سے لہرا رہا ہے۔ والحمد للہ علی ذلک۔

اللہ تعالیٰ ان کی خدمات کو قبول فرمائے اور سب پسماندگان کو صبر جمیل بخشے۔ آمین ثم آمین۔

ارشاد الحق اثری

فیصل آباد

ادارۃ العلوم الاثریہ

السلام علیکم ورحمة اللہ وبرکاتہ

برصغیر میں اسلام کی بقا اور احیاء اور اسلام کو زندگی میں عملاً جاری و ساری کرنے کے لئے جن نفوس قدسیہ نے تن من دھن قربان کیا اور عامۃ المسلمین کو اس راہ پر گامزن کرنے کے لئے زندگیاں وقف کیں وہ اصحاب تحریک شہیدین یعنی سید احمد شہید اور سید اسماعیل شہید رحمہما کی ذات گرامی تھیں۔ راشدی خاندان کو اس قافلہ دعوت و جہاد کی میزبانی کا شرف حاصل ہوا گویا کہ اس تحریک کے آثار علمیہ و دینیہ کے حنات جاریہ میں اس خاندان کا برابر کا حصہ ہے۔ پھر دور حاضر میں اس خاندان نے علوم قرآن و حدیث کی نشر و اشاعت دل و جان سے کی اس میں ہمارے محترم سید بدیع الدین شاہ راشدی کی ذات کا بہت بڑا حصہ ہے۔ حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ ایک محدث بھی تھے اور مفسر بھی، اسماء الرجال کے حافظ بھی تھے جو غریب الحدیث پر بھی ان کی مکمل نظر تھی۔ تحریکی بلکہ جامع کمالات شخصیت تھیں جن سے ہم محروم ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ ان کی بال

بال مغفرت فرمائے ان کے جاری کئے ہوئے صدقات جاریہ کو جاری رکھے کہ ان کی اولاد کو توفیق سے نوازے اور امت کو ان کا نعم البدل عطا فرمائے۔ جس پر وہ قادر ہے۔ وما ذلک علی اللہ بیز

والسلام

(احمد شاکر)

مدیر ہفت روزہ الاعتصام لاہور

سید بدیع الدین شاہ کے جسد خاکی کی صورت میں علم و عمل کا آفتاب غروب ہو گیا۔ مگر اس کی کرنیں وحدانیت کے متلاشی حضرات کو مدت مزید تک راستے کی راہنمائی کرتی رہیں گی۔ اللہ تعالیٰ ان کی خدمات کو شرف قبولیت سے نوازے آمین۔ اور ان کی لائبریری کی حفاظت اور اہل علم کو استفادے کی توفیق عطا فرمائے۔

میاں محمد جمیل لاہور

ڈپٹی جنرل سیکریٹری

مرکزی جمعیت اہل حدیث پاکستان

بسم الله الرحمن الرحيم

اما بعد!

مَضَتِ الدُّهُورُ وَمَا أَتَيْنَ بِمِثْلِهِ

وَلَقَدْ آتَى فَعَجَزْنَا عَنْ نَظَرِائِهِ

عالم اسلام کی عظیم علمی شخصیت جناب پیر سید بدیع الدین شاہ صاحب الراشدی رحمۃ اللہ علیہ کی وفات سے پورا عالم اسلام ایک بہت بڑے علم کے سمندر اور پہاڑ سے محروم ہو گیا ہے۔ محترم فضیلۃ الشیخ رحمۃ اللہ علیہ پوری دنیا میں سلفی احباب کے دلوں کی دھڑکن اور علمی طور پر ایک معتمد مستند اور مرجع خلافت تھے۔ تشنگان علوم اسلامیہ کے لیے آپ کی ذات اور آپ کی عظیم عالمی لائبریری وقف تھی جس سے طلاب علم اور اصحاب تحقیق رجوع

کر کے علمی ضروریات پوری اور پیاس اتارا کرتے تھے۔

آپ بذات خود ایک مستقل امت تھے۔ تعلیم و تدریس تحریر و تقریر الغرض ہر میدان کے شہسوار تھے۔ اب ہر میدان ان کی وفات کے بعد خالی ہے۔ جماعت اہل حدیث کی اس علمی یتیمی پر جماعت اور جملہ پسماندگان اہل خاندان اعزہ و اقارب اور متوسکین کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ نیز ان کے مشن کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

اَللّٰهُمَّ اَجِرْنَا فِيْ مُصِيبَتِنَا وَاخْلُقْنَا خَيْرًا مِنْهَا

العبد العاجز الفقير الى الله

ابوالأمن عبدالرحمن شاہیں

خطیب جامع مسجد ابوبکر اہل حدیث

صادق کالونی ملتان

مدرس جامعہ دارالحدیث رحمانیہ ملتان

بسم الله الرحمن الرحيم

مفسر قرآن، محدث العصر، شیخ العرب والعجم علامہ سید بدیع الدین شاہ راشدی رحمۃ اللہ علیہ ایک باعمل عالم دین تھے ان کی موت سے دینی اور علمی حلقوں میں جو خلا پیدا ہوا ہے اس کا پر ہونا مشکل ہے ایسی ہستیاں صدیوں بعد پیدا ہوتی ہیں شاہ صاحب مرحوم کی خدمات اہل علم کے لئے مینارہ نور کی حیثیت رکھتی ہیں ان کی ناگہانی موت سے نہ صرف اہل پاکستان بلکہ عالم اسلام کو رنجیدہ کر دیا ہے اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ رب العزت ان کی خدمات جلیلہ کو قبول فرماتے ہوئے جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام نصیب کرے اور ان کے نسبی و روحانی پسماندگان کو ان کی دینی و علمی میراث کی حفاظت کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

ادنیٰ عقیدت مند

محمد یوسف قصوری

ناظم اعلیٰ مرکزی جمعیت اہل حدیث کراچی

الحمد لله رب العالمين والعاقبة للمتقين والصلاة والسلام على اشرف الانبياء

وسيد المرسلين وعلى آله وصحبه اجمعين وبعد!

آج مورخہ ۸ مئی ۱۹۹۶ء بروز بدھ مولانا محمد یوسف قصوری صاحب کے ہمراہ شیخ العرب والعجم محدث زماں حضرت مولانا پیر ابو محمد بدیع الدین شاہ راشدی رحمۃ اللہ علیہ ولسہ و نور مرقدہ کی شہرہ آفاق درسگاہ میں حاضر ہوا۔ اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ادا کرتا ہوں کہ جس نے اس مقام پر حاضر ہونے کی میری دیرینہ آرزو کو پورا فرمادیا۔ حضرت پیر صاحب مرحوم کی کمی اور ان کی وفات حسرت آیات کا صدمہ اور جدائی تو نہایت شدت سے محسوس ہوئی۔ مگر ولا نقول إلا ما یوحی ربنا

مقدور ہو تو خاک سے پوچھوں اے لیم
تو نے وہ گنج ہائے گراں مایہ کیا کیے

لیکن درسگاہ میں حضرت پیر صاحب کی مسند پر ان کے فرزند اور خلف الرشید مخدوم حضرت پیر مولانا محمد شاہ الراشدی رحمۃ اللہ علیہ کو تشریف فرما دیکھا تو ہو بہو حضرت پیر صاحب کی تصویر ہی نظر آئی۔ الولد سرلابیہ کا مقولہ بالکل درست دکھائی دیا۔

حضرت پیر صاحب کی وفات سے جو علمی دنیا میں خلاء واقع ہوا ہے بظاہر اس کا پُر ہونا مشکل دکھائی دیتا ہے۔ مگر ہم بارگاہ صمدی میں التجاء کرتے ہیں کہ وہ ذات قدس حضرت پیر سید محمد شاہ راشدی رحمۃ اللہ علیہ کو ہر لحاظ سے ان کا جانشین بنادے۔ اور سندھ کے ظلمت کدہ میں توحید و سنت کی شمع کو روشن رکھنے کی توفیق عنایت فرمائے۔ اور ان کے لگائے ہوئے گلشن کو آباد رکھے۔ آمین ثم آمین۔

کتبہ

سید ضیاء اللہ شاہ بخاری

ساہیوال

بسم الله الرحمن الرحيم

موت العالم موت العالم

انا لله وانا اليه راجعون

ہمیں پیر سید ابو محمد بدیع الدین الراشدی رحمۃ اللہ علیہ کی وفات حشرت آیات کا علم تھر کے تبلیغی دورہ پر ہوا۔ جہاں سے فوری طور پر آنا ممکن نہ ہو سکا۔ آج حاضری دی کہ اللہ رب العزت مرحوم کو جنت الفردوس میں مقام عطا فرمادے اور جماعت اہل حدیث کے اس نقصان پر ہمیں اجر جمیل سے نوازے۔ رحم اللہ امرأ قال آمین العبد الضعیف محمد سلفی عبدالستار الدہلوی الجامعۃ الساریۃ الاسلامیہ کراچی اور ان کے ساتھی قاری حافظ محمد حسین و حافظ محمد احمد و حکیم مطیع الرحمن و محمد الحق شاہد و (مولوی) محمد احمد تھر والے۔

ربنا افرغ علينا صبرا و ثبت اقدامنا.

محترم پیر سائین بدیع الدین شاہ صاحب راشدی پنهنجي وقت جو عالم ۽ بزرگ دين جي خدمت جو انتها کان وڌيڪ ڪرڻ وارو شخص هوڻو. سندس وفات جي ڪري جيڪو خلا پيدا ٿيو آهي اهو تمام وڏو آهي. اميد ته سندن صاحبزادي انهي ڪري پر ڪندا ۽ ملڪ جي ماڻهن جي اها ساڳي خدمت ڪندا.

پير صاحب جي مون سان خاص مهرباني سان پيش ايندا هئا. ۽ هر وقت پنهنجو تعاون ڪندا رهندا هئا.

الله تعاليٰ کين جنت ۾ جاءِ ڏئي ۽ پوين کي صدمو برداشت ڪرڻ جي توفيق ڏي. آءُ هن ڏک ۾ سائين شريڪ آهيان.

امين فهير

سابقہ وفاقي وزير هالا

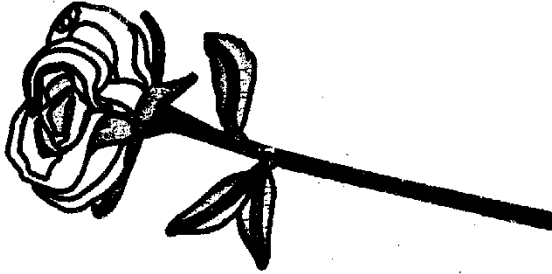
فقد علم من الاعلام

بقلم على الشيل المملكة العربية السعودية

فى هذه الايام فقد علم من اعلام الحديث والسنة فى ارض من بلاد المسلمين هو الشيخ العلامة ابو محمد بديع الدين شاه السندى الحسينى، محدث السند ببلاد الباكستان عن عمر يناهز النيف والسبعين سنة حديث توفى رحمه الله فى ليلة الاربعاء ١٩/٨/١٣١٦ هـ وكان الفقيه من العلماء الذين اعتنوا بالتعليم والتدريس والدعوة والجهاد بالبيان فى منابر عديدة فى بلاده السند والباكستان وفى ارض الحرمين حيث هاجر الى مكة فى سنة ١٣٩٥ هـ ودرس فى المسجد الحرام نحو خمس سنين فى حلقة له مشهورة انقفع بها كثير من المشايخ وطلبة العلم ثم رأى الرجوع الى وطنه لنشر العلم وترسيخ دعوة التوحيد والسنة ومجاهدة اعدائهما ومواصلة التعليم والتأليف حيث أسس جمعية اهل الحديث فى السند ورأسها حتى ادركه ما قضى الله عليه من المرض والضعف الى ان تفاقم عليه آخر سنين عمره فعات مأسوفا عليه بكراتشى فى جنوب الباكستان وكان الشيخ قد لقي جماعة من العلماء تعلم عليهم كالشيخ ثناء الله الأمرتسرى والشيخ المحدث عبدالحق الهاشمى المكي وأخاه الكبر المحدث محب الله السندى الراشدى وقد توفى قبله بسنة وكان اخوه ايضا ممن تتلمذ عليه حيث كان للشيخ بديع شيخا له باجازه الحديث له وكتب ممن استجاز الشيخين الاخوين ما أجازنى منأولة وكتابة كما ترك الشيخ بديع الدين واخوه المجد الراشدى مكتبيين زاخريين بقديم المطبوع وحديثه مع اصول المخطوطات ومصوراتها ومما رأيته فى مكتبة الشيخ بديع كتاب والبدر التمام شرح بلوغ المرام فى مجلدين خطيين وهاتان المكتبتان من اكبر مكاتب الباكستان لاسيما فى كتب الحديث والسنة كما للشيخ مؤلفات كثيرة مطبوعة ومخطوطة فى اللغات العربية والاردية والسندية منها "توحيد خالص، وفتاوى كثيرة ورسائل فى مسائل متعددة".

كما أفيد. فى تلك الارض الطيبة، من العلماء الاعلام شيخنا الشيخ المعمر المحدث سلطان محمود بن حسن الكسرى فى قرية من مضافات مدينة ملتان بوسط

البنجاب بالباكستان قضى الشيخ نحيه قبل اشهر قليلة بعد عمر مديد فى التدريس والدعوة فقد اخبرنى هو وغيره انه درس صحيح البخارى ازيد من سبعين سنة حتى ختمه نحو من ستين مرة على طريقهم فقد بدأ يدرسه وعمره اربعا وعشرين سنة الى ان اثلقه المرض فى آخر سنتين من عمره فمات بسببه مأسوفا على فقدته وله طلاب كثيرون درسوا عليه تحملوا عنه اسانيد الاجازة، حتى ذكر لى انه توفى كثير منهم قبله وشرفنى الله بتحمل اسناده بالكتابة والمناولة والمشافهة، ولم يعن الشيخ سلطان بالتأليف لانشغاله بالدعوة والتعليم وكان من تأليفه القليلة وشرح كتاب التوحيد من صحيح البخارى، نعم الشهود على تحريف الغالبية لسُنن ابى داؤد، اقول بعد هذا الجمال، أحسن الله عزاء المسلمين عموما واهل العلم خصوصا وخاصة المتوفين على وجه اخص، احسن الله عزاء الجميع بموت اعلامنا وخبر المصاب بهم وألهم الجميع الصبر والعبرة والسلوان ورفع درجاتهم فى الآخرين وجمعهم بمن يحبون فى اعلى عِلين وانا لله وانا اليه راجعون والله ما اخذوله ما اعطى وكل شيء عنده باجل مسمى والحمد لله على قصانه وقدره.



شاہ صاحب جی شخصیت تی سند جی
مشہور ادیبین، علماء کرام ۽
عقیدتمندن جا مضمون

سندی مضمون

شاہ بدیع الدین راشدی رحمۃ اللہ علیہ

کجھ یادون کجھ ڳالھيون

سائين بدیع الدین شاہ صاحب راشدی سان ملاقات تڏهن ٿي جڏهن شاہ صاحب قرآن شریف جي تفسير جي ڇپائي جي سلسلي ۾ پهرين ميٽنگ ۾ مرحوم حاجي محمد مٺواڻي جي جاءِ تي نئي ڪوٺ ۾ جماعتي احبابن کي خطاب ڪيو هو. سائين جي خطاب کان آءٌ بلڪل گهڻو متاثر ٿيس. مرحوم حاجي احمد علي نئي ڪوٺ واري سائين سان منهنجو تعارف ڪرايو. پوءِ ته شاہ صاحب دل سان دعوت ڏني ته جڏهن حيدرآباد اچو ته ضرور ملندا رهجو. آءٌ به پوءِ شاہ صاحب وٽ وڃڻ لڳس ۽ سائين جي ڪچهرين ۾ هميشه ديني ڳالھيون ٿي ٿينديون هيون ۽ انهن مان فيض حاصل ڪندو رهيس. جڏهن جامعہ بحر العلوم السلفیہ سيٽلائيٽ ٽائون جي عمارت تيار ٿي ويئي تڏهن شاہ صاحب وٽ ويس ۽ کيس مدرسه جو افتتاح ڪرڻ لاءِ عرض ڪيم. جنهن جي سائين مثبت موٽ ڏني. شاہ صاحب تاريخ 18 اپريل 1983ع بمطابق 15 رجب المرجب 1403ھ تي جامعہ جو افتتاح فرمايو ۽ حاضرين کي پنهنجي خصوصي انداز ۾ خطاب فرمايو. ان بعد به شاہ صاحب سان وقت بوقت ملاقاتون ٿينديون رهيون. شاہ صاحب جي خطاب واسطي ميرپورخاص ۾ ڪانفرنسون ڪيون. هڪ ڀيري ته حضرت علامہ پروفيسر عبدالله ناصر رحمانی صاحب حفظہ اللہ به ساڻن گڏ هوا.

جامعہ بحر العلوم جو نصاب پڻ سائين جي مشوره سان تيار ڪيو. ۽ پهرين

تعليمي سال جي افتتاح تي امتحان لاءِ ٻه سائين کي عرض ڪيو جو خوشي سان قبول فرمايائون. سائين تاريخ 17 شعبان سال 1404ھ مطابق 19 مئي 1984 تي امتحان ورتو ۽ نتيجہ مان بلڪل مطمئن ٿيا ۽ پاڻ پنهنجا تاثرات قلمبند ڪيا جيڪي هن ريت هئا.

اڄ تاريخ 17 شعبان سال 1404 مطابق 19 مئي 1984 هن مدرسي ۾ اچڻ ٿيو ۽ انتهائي خوشي ٿي ته جنهن مدرسي جو آءٌ افتتاح ڪري ويو هئس سو آب و تاب سان هلي رهيو آهي. الله تعاليٰ جا وڏا احسان آهن جو جماعت اهلحديث سنڌ جو هي نئون ادارو ڪاميابي جي طرف قدم وڌائي رهيو آهي. امتحان جو سٺو نتيجہ ڏسي وڏي خوشي ٿي. آءٌ سڀني اصحاب خير دوستن کي اپيل ڪندس ته هن ڪار خير ۾ وڌ ۾ وڌ حصو وٺن ۽ دعا آهي ته الله تعاليٰ هن مدرسي کي سدائين آباد رکي ۽ ترقي بخشي. آمين.

شاھ صاحب جي ان وقت جي مجلس اسان جو حوصلو وڌايو. مون به وقت به وقت جامعہ جي باري ۾ سائين سان ملاقاتن جو سلسلو وڌايو. استادن جي اثاڻ بابت سائين کان مدد وٺندو رهيس. هڪ ڀيري معلوم ٿيو ته مولانا محمد علي صاحب ٽنڊي ڄام وارو فارغ وڃڻو آهي. ان ڪري سائين وٽ ويس ته مولوي صاحب کي جامعہ بحرالعلوم سلفيه ۾ خدمت لاءِ آماده ڪري. سائين بروقت تيار ٿيو ۽ کيس ٽنڊي ڄام وٺي آيس. سائين مولوي صاحب سان ڳالهايو ۽ مولوي محمد علي صاحب جامعہ ۾ خدمت شروع ڪئي. تعليم دوران هڪ دفعي مولوي محمد علي صاحب ناراض ٿي ويو ۽ نئين سال جي شروع ۾ اچڻ کان انڪار ڪيائين. آءٌ وري شاھ صاحب وٽ ويس ۽ سائين مون سان گڏجي ٽنڊي ڄام آيو ۽ مولوي صاحب کي راضي ڪري جامعہ ۾ پهچايو. جامعہ جا امتحان شاھ صاحب ئي هر سال وٺندو هو. اهو سلسلو جيستائين سائين جي حياتي هئي قائم رهيو.

وچ ۾ هڪ يا ٻه سال سائين ٻاهرين ملڪ دوري جي ڪري يا طبيعت جي ناسازي ڪري امتحان نه وٺي سگهيو هو. سائين جي جامع سان ڏاڍي محبت هئي ۽ اسان کي وقت بوقت پنهنجي قيمتي مشورن سان مستفيد فرمائيندا رهيا.

سائين سان ملاقات لاءِ سندن حيدرآباد واري رهائش گاه تي ڪئين دفعا وڃڻ ٿيو. ڪڏهن ماني ڪارائڻ کان سواءِ نه ڇڏيائون. سندن دسترخوان ڪشاده هوندو هو.

اهڙي نموني مون کي سائين جي ويجهڙائپ نصيب ٿي. سائين جي محبت ان حد تائين هئي جو هڪ ڀيري منهن جي گهر ۾ ڊاڪو (ڏاڙيل) پيا هئا ۽ ڪافي نقصان رسايو هئائون. ان جي ڪجهه ڏينهن بعد هڪ ڏينهن ٻن پهرن جو گرميءَ جي موسم ۾ دروازي جي گهنڻيءَ تي آءُ ٻاهر نڪتس ڏسان ته شاه صاحب جن بيٺا آهن. کين گهر وٺي ويهاريو، فرمايائون ته تنهن جي گهر ۾ ڊاڪوئن جي اچڻ ۽ نقصان رسائڻ جي خبر ٻڌم ته دل چاهيو ته توهان سان ملي اچان. مون عرض ڪيو سائين توهان جا وڏا احسان. گرمي جي موسم ۾ تڪليف فرمائي اٿو. جواب ۾ چيائون بابا تڪليف ڇا جي، دل گهرين ماڻهن سان اهڙن وقتن تي به ملاقات نه ڪجي؟

مون ڏٺو ته سڀني جماعتي سائين سان سائين جو اهڙوئي قرب وارو رويو هوندو هو جماعت ۾ به اضافي جو هڪڙو اهڙوئي سبب هو.

سائين جي سڌايل سالياني سيرت ڪانفرنس تي ڪافي ڀيرا حاضري پري هئڻ ۽ اهو سڀ سائين جي محبت ۽ قرب جي نتيجي ۾.

سائين جو به مون ۾ اعتماد ٿي ويو جڏهن جماعت جو دستور تيار ڪرڻ جو وقت آيو تڏهن سائين ڪميٽي مقرر ڪئي جنهن ۾ حضرت علامه پروفيسر عبدالله ناصر الرحمان، حضرت علامه حافظ اديس صاحب، ڊاڪٽر سومار صاحب سان گڏ مون ناچيز کي به گڏ نامزد ڪيو. الحمد للہ حافظ صاحب جي گهر ٻن گڏجاڻين ۾ دستور جو مسوده مڪمل ڪيوسون. سائين اهو ڏسي پسند فرمايو جڏهن عهديدارن

جي تقري جو وقت آيو تڏهين ٻين سائين سان گڏ مون کي به ناظر تعليمات جي عهدي لاءِ منتخب ڪيو. مون هٿ ٻڌي عرض ڪيو ته سائين آءُ ان عهدي لاءِ اهل نه آهيان. جواب ڏنائون بابا ڪم اسان پاڻهي ڪنداسون. اسان کي ماڻهو ڀروسي وارا گهرجن ۽ اهڙا ماڻهو نه ٿا رکي سگهون جي سڀاڻي اسان سان وڙهن. ائين چئي مون کي خاموش ڪرائي ڇڏيائون. جمعيت اهلحديث صوبه سنڌ رجسٽر ڪرائڻ جو ڪم به منهن جي ذمي ڪيائون جو مون ڪراچيءَ ۾ رجسٽر ڪرايو. جڏهن رجسٽريشن سرٽيفڪيٽ سائين جي حوالي ڪيو تڏهين ڏاڍو خوش ٿيا ۽ مون کي دعا ڏنائون.

سائين جي وفات کان ڪجهه وقت اڳ سائين طبيعت جي ناسازي ڪري صاحب فراش هئا. آءُ ڪجهه ميرپورخاص جي احباب جماعت سان گڏ جي مزاج ڀرپوريءَ لاءِ سائين جي ڪاري موري واري گهر ويس. سائين کي ڏٺو ته سائين محب الله شاه سائين جا پير پانهون ۽ ٻيو جسم دٻائي رهيا هئا. ان بيماريءَ مان الله تعاليٰ جي فضل سان جڏهين سائين جن صحت مند ٿيا ته مون عرض ڪيو ته سائين تفسير جو ڪم توهان جي هٿ ۾ آهي ۽ ڪافي ڪم رهيل آهي توهان جيڪڏهن ان ڪم کي مڪمل ڪيو ته بهتر ٿيندو. انسان جي زندگي تي ڪو ڀروسو نه آهي ۽ جي اهو ڪم رهجي ويو ته ان جي پورو ڪرڻ وارو ڏسڻ ۾ ڪونه ٿو اچي. ان جي جواب ۾ سائين فرمايو ته ادا جماعتي ساٿي ڇڏين نه ٿا ڪيترائي جماعتي اچن ٿا ته سائين اسان جي ڳوٺ پروگرام رکڻ بلڪل گهڻي ضرورت آهي. ته پوءِ انهن کي نااميد نه ٿو ڪري سگهان توهان پنهنجي پائرن کي سمجهايو ته مون کي وقت ڏين ته تفسير وارو ڪم مڪمل ڪيان.

نتيجو اهو نڪتو جو سائين کي الله پاڪ گهرائي ورتو ۽ تفسير جو ڪم وڃ ۾ رهجي ويو. جمعيت جي ميٽنگ ۾ شاه صاحب جي وفات بعد اهو ذڪر آيو ۽ تفسير مڪمل ڪرڻ جو ڪم حضرت علامه پروفيسر عبدالله ناصر رحمان صاحب جي

حوالي ڪيو مگر 10 سال کان وڌيڪ عرصو گذرڻ بعد به ڪا پيش رفت ڪونه ٿي
ڏسجي.

شاه صاحب جي ڏينهن رات جي ڪوشش سان جمعيٰ اهلحديث بهترين
تنظيمي صورت اختيار ڪئي. دعا آهي ته الله تعاليٰ سندن محنت قبول فرمائي ۽
کين اجر عظيم عطا فرمائي. آمين

ذاتي طرح شاه صاحب جن مون تي ڏاڍو مهربان ۽ شفيق هوا ۽ سائين جن راه
رباني وٺڻ بعد مون ڏاڍو خال محسوس ڪيو ۽ مون کي شاه عبداللطيف ڀٽائي جو
بيت هيءُ ياد آيو ته

ماڻهو سڀ نه سهڻا پڪي سڀ نه هنج
ڪنهن ڪنهن ماڻهو منجهه اچي پوءِ بهار جي



شاہ صاحب ۽ پیری مریدی

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ تَعَالَوْا إِلَى كَلِمَةٍ سَوَاءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ أَلَّا نَعْبُدَ إِلَّا اللَّهَ
وَلَا نُشْرِكَ بِهِ شَيْئًا وَلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا أَرْبَابًا مِنْ دُونِ اللَّهِ فَإِنْ تَوَلَّوْا فَقُولُوا
اشْهَدُوا بِأَنَّا مُسْلِمُونَ

ترجمون: (اي پیغمبر ﷺ) چئو ته اي ڪتاب وارو هڪ ڳالهه ڏانهن اچو جا
اسان ۽ اوهان جي وچ ۾ هڪ جهڙي آهي ته الله کانسواءِ ڪنهن جي عبادت نه ڪريون
۽ نڪي ساڻس ڪنهن شئيءَ کي شريڪ ڪريون ۽ نڪي اسان مان ڪو ڪنهن کي الله
کان سواءِ پالڻهار ڪري مڃي. پوءِ جيڪڏهن ڦرن ته چئو ته شاهد هجو ته اسين پڪ
مسلمان آهيون.

انهيءَ آيت سڳوري تي عمل ڪندي منهنجو استاذ شيخ العرب والعجم فقيد
المثال عالم ابو محمد بديع الدين شاه رحمه الله عليه پيري مریدی ۽ واري نظام جو
سخت مخالف هو. ڪي ڪي ماڻهو کيس پريٽ پير صاحب چوندا هئا مگر شاه
صاحب رحمه الله کي انهيءَ نالي کان تمام گهڻي نفرت هئي. مون کي ياد آهي ته
بدين شهر ۾ حاجي احمد ملاح رحمه الله واري مسجد ۾ عشاء نماز کان بعد شاه
صاحب جو خطاب هو. اسٽيج سيڪريٽري اعلان ڪيو ته هاڻ پير صاحب توهان جي
سامهون خطاب ڪندو. شاه صاحب تقرير ڪرڻ کان پهرين ناراض ٿي چيو ته اسٽيج
سيڪريٽري مون کي ڳار ڏني آهي. نه آئون پير آهيان نه مرید ناھيان ٿو. بلڪ انهيءَ
کي پاڻ لاءِ برو لفظ سمجھان ٿو. جيڪي پير آهن انهن کي چئو مون کي نه چئو.

☆ خطيب محمدي مسجد اهل حديث ماتلي. فاضل مدرسه المحمديه آزاد پير جهنڊو نيو سعيدآباد

جزء العلوم (650) شیخ الحدیث ابو محمد

جيڪڏهن پير لفظ سنو هجي ها، پيري مريدي وارو طريقو صحيح هجي ها ته پاڻ سڳورا پير سڏائين ها. ابوبڪر، عمر، عثمان، علي وغيره رضي الله عنهم پير سڏائين ها. پوءِ تقريبه شروع ڪيائين.

شاه صاحب رحمہ اللہ اڪثر ڪري حافظ شيرازيءَ جا هيٺيان شعر پڙهي مريدن جا عقيدا ٻڌائيندو هو.

بمے سجاده رنگين کن گرت پير مغان گويد
 كه سالک به خبر نه بود ز راه و رسم و منزلها
 يعني پير توکي حڪم ڪري ته مصلي کي شراب ۾ ٻوڙي پوءِ استعمال ڪر
 ته به فورا حڪم جي تعميل ڪر ڇو ته سالڪ انهيءَ راه جي نشانن ۽ منزلن کان بي
 خبر نه آهي.

ما مريدان روبسوئے کعبه چون آريم چون
 رو بسوئے خانه خمار دارد پير ما
 يعني اسين مريد ڪعبي ڏانهن منهن ڇو ڪريون، جڏهن ته اسان جي پير جو
 توجہ شراب خاني ڏئي آهي.

اهي شعر چئي پوءِ چونڌو هو ته مقلدن وانگر مريد به اٿندا آهن. پير جي هر
 هڪ حڪم کي برحق ۽ صواب سمجهن ٿا. چاهي شريعت جي خلاف هجي پر چوندا ته
 مرشد جو ڪو حڪم غلط نه آهي. بلڪ سندن هر حڪم واجب الاتباع آهي. مريد
 ڪيتري قدر به بظاهر صالح ۽ نيك هوندو. مگر پنهنجي پير جي حق ۾ يقينا غلو
 ڪندڙ هوندو. کيس غلطيءَ کان معصوم سمجهندو ۽ سندس قول کي عين شريعت
 ڄاڻندو. حالانڪ اهو مقام صرف رسول الله ﷺ جن جو آهي ۽ صديقن ۽ شهيدن ۽
 صالحن اهو مقام صرف رسول الله ﷺ جن لاءِ خاص سمجهيو آهي. نه ڪنهن ٻئي لاءِ
 ۽ پيري مريدي تي تفصيلي بحث شاه صاحب رحمہ اللہ پنهنجي مشهور تفسير بدیع

شاھ صاحب رحمہ اللہ چوندو هو ته پيرن جي مريديءَ ۾ عورتون به هونديون آهن ۽ اهي پيرن کان پردو نه ڪنديون آهن. انهن کي ٻڌايو ويو آهي ته مرشد اوهان کي قيامت جي ڏينهن بهشت ۾ وٺي ويندو ۽ جي هتي ان کان منهن لڪائينديون ته پوءِ قيامت ۾ اوهان کي مرشد ڪيئن سڃاڻيندو؟ ايئن چڻي مريدن جي پيڙي پوڙيندا آهن. شاھ صاحب رحمہ اللہ کي ڪو چوندو هو ته اسان جي گهر هلي زيارت ڪرايو ته سختيءَ سان انڪار ڪندو هو.

منهنجي چاچي فيض محمد ڪوري رحمہ اللہ چيو ته تقريباً 1974ع ۾ اسان جي دعوت تي اسان جي ڳوٺ جيڪو پٽ شاه ۽ ٽنڊو آدم جي وچ تي آهي اُتي سائين بديع الدين شاه رحمہ اللہ تقرير ڪرڻ لاءِ آيو. رات جو تقرير ڪيائين صبح جو جڏهن اسان کان موڪلايائين ٿي ته مون عرض ڪيو ته سائين گهر هلي برڪت جا قدم ڀريو ۽ زيارت ڪرايو. شاه صاحب چيو ڇا ٿو چوين؟ مون وري ساڳيو عرض ڪيو. شاه صاحب رحمہ اللہ چيو ايئن شريعت ۾ جائز نه آهي. ڌارئي ماڻهو کي گهر ۾ ڪو نه وٺي وڃبو. چاچا فيض محمد چيو ته اسان ان وقت نوان نوان اهل حديث ٿيا هئاسون. پهرين اسان اهڙن پيرن جا مريد هئاسون جيڪي بي عمل بي دين، موالِي ۽ شڪاري هئا. انهن کي ڇڏي ڏنوسون هي ته شاه صاحب به آهي ۽ عالم سڳورو به آهي دل ۾ چيم ته هن کي زيارت لاءِ گهر ۾ نه وٺي وڃبو ته باقي ڪنهن کي وٺي وڃبو. مون سمجهيو ته شاه صاحب پوڳ ٿو ڳالهائي ۽ زيارت ضرور ڪرائيندو. ڇو ته پير جيسين پراون گهرن ۾ وڃي انهن جون عورتون نه ڏسن تيسين انهن جي دعوت اڏوري آهي. ڀلا جنهن پير کي ماڻهو خوشيءَ سان پنهنجيون عورتون ڏيکارين ۽ بسترا رليون ۽ پيسا به ڏين ۽ سٺا سٺا کاڌا به ڏين اهو گهر ۾ زيارت ڪرائڻ کان انڪار ڪيئن ڪندو؟ هرگز نه. سوچيم ته شاه صاحب جيڪڏهن گهر نٿو هلي ته ويندي ويندي

تقريباً 1984ع ۾ اسان جيپ ۾ شاھ صاحب سان هڪ ڳوٺ ۾ وياسون اهو ڳوٺ تنڊو آدم کان تقريباً ست اٺ ڪلوميٽر پري ڏکڻ طرف قيصر گهوٽ جي بلڪل ويجهو آهي. اتي احمد نالي هڪ پوڙهو شخص هو ان جي گهر واري فوت ٿي ويئي

هئي تنهن ڪري شاه صاحب ان وٽ تعزيت لاءِ آيو هو. تعزيت ڪري ڪچهري ڪري جڏهن شاه صاحب رحمہ اللہ ان کان موڪلايو. تڏهن ان چيو ته سائين عورتون توهان جي زيارت لاءِ تيار آهن تنهن ڪري توهان زيارت ڪرايو! شاه صاحب کلي ان کي چيو ته احمد تون عورتن کي وڃي چئو ته مون کي ڏسي ڇڏيو شاه صاحب مون جهڙو آهي. احمد ٺهڪ ڏنو ۽ سمجهي ويو ته شاه صاحب ڪو نه هلندو. ايئن ڪلندي ڪلندي به بهترين ڳالهه سمجهائي ڇڏيندو هو.

تقريباً 1985ع ۾ آئون سعيدآباد ۾ شاه صاحب جي ڪتب خاني جي ڪتابن جي جلد سازي ڪندو هوس هڪ ڏينهن مون عرض ڪيو ته سائين هاڻ پيسا ڪجهه وڌائي ڏيو! چيائين ته ابا منهنجي حال تي هل جي آئون پير هجان ها ته هي سڄو ڪتب خانو پيسن سان ڀريل هجي ها. شاه صاحب رحمہ اللہ جو مقصد هو ته مون به لالچ کي ڇڏيو آهي تون به ڇڏ. ان کان پوءِ وري ڪڏهن به کيس پيسن وڌائڻ جو نه چير.

س 1991ع ۾ منهنجي شادي ٿي. سعيدآباد جي ڀرسان وڏي ڪنڊياري جي نالي سان هڪ ڳوٺ آهي اتي منهنجو نڪاح شاه صاحب پڙهيو.

1995 تي حيدرآباد ۾ شاه صاحب کي اطلاع ڏنم ته الله سائين مون کي چوڪرو عطاءِ ڪيو آهي. شاه صاحب رحمہ اللہ ايترو ته خوش ٿيو ڄڻ ته کيس پوٽو يا ڏهڻو ڄائو آهي. پڇيائين ته عبدالجبار ننڍڙي جو نالو ڇا رکيو اٿئي؟ عرض ڪيو ته سعيد. چيائين ته صحيح آهي. پنهنجي وڏي ڏهڻي محمد امين شاه کي اشارو ڪيائين تنهن هڪ بهترين جوڙو آڻي ڏنو ۽ چيائين ته هي توهان جي ننڍڙي لاءِ آهي. خوشيءَ ۾ اکين مان پاڻي اچي ويو. سوچيم ته شاه صاحب جي اسان جهڙن خسيس ماڻهن سان به وڏي محبت آهي.

الله پاڪ جي قدرت ويهن ڏينهن تائين اهو ننڍڙو سعيد اسان جو مهمان هو.

عجلہ فرماؤ ﴿654﴾ ﴿شیخ الحداد رحمہ اللہ﴾

پوء فوت ٿي ويو. تقريباً ويهن ڏينهن کان پوءِ شاه صاحب جي خدمت ۾ حاضر ٿيس. شاه صاحب پڇيو ته ننڍڙي جا ڪهڙا حال آهن؟ مون عرض ڪيو ته سائين اهو فوت ٿي ويو. پاڻ انا الله وانا اليه راجعون پڙهندا رهيا ۽ ڪافي دير تائين ڏک جو اظهار فرمايائون. ۽ تسلي به ڏيندا رهيا. موڪلائڻ وقت چيائين ته ماتلي مان ٽنڊو آدم ڪڏهن ايندو؟ مون عرض ڪيو ته 17 مارچ 1995ع تي چيائين انهيءَ ڏينهن تي آئون شام جو تو وٽ ٽنڊو آدم ايندس. ان شاء الله. شام جو اسان سڀئي انتظار ۾ ويٺا هئاسون. شاه صاحب جا ڪويت مان مهمان آيل هئا تنهن ڪري کيس دير ٿي وئي. عشاءَ کان پوءِ پهتا. منهنجو والد ۽ چاچا ۽ ٻيا مائٽ گهر هليا ويا مگر آئون سائين بديع الدين شاه صاحب رحمہ الله جي انتظار ۾ گهر کان ٻاهر بيٺو هوس. اوچتو ڪار مان ٻين مهمانن سان گڏ لٿا. منهنجي خوشيءَ جي ڪا حد نه رهي. وڏي چاهت ۽ محبت سان مليا. مون انهن کي مسجد ۾ ويهاريو اسان سڀني سمجهيو ته هيءَ مسجد شريف نئي پاڻ ٺهرائي ڏني اٿس تنهن ڪري مسجد ڏسڻ ۽ چڪر هڻڻ آيا آهن. مون کي يا ٻين عزيزن کي اها خبر نه هئي ته شاه صاحب منهنجي ويهن ڏينهن جي فوت ٿيل ننڍڙي جي تعزيت لاءِ آيا آهن. بهرحال شاه صاحب جن ويٺا ۽ جنهن جنهن ٻڌو اهو به مسجد ۾ آيو. مون کي شاه صاحب چيو ته تنهنجي والد صاحب کي وٺي اچ. آئون فوراً بابا سائين کي وٺي آيس. ملڻ کان بعد شاه صاحب منهنجي والد صاحب کي چيو ته عبدالجبار جو ننڍڙو فوت ٿي ويو. رضا الله جي هئي. الله پاڪ جي فيصلي تي راضي رهيو ۽ صبر ڪيو. الله سائين پنهنجي مهربانيءَ سان شال توهان کي ٻيو عطا فرمائي. وينل سڀئي حيران ٿي ويا ته ويهن ڏينهن جي فوت ٿيل ٻار لاءِ برادر ڪانه ايندي آهي. مگر لک لک شاباس هجن شاه صاحب رحمہ الله کي جو صبح جو حيدرآباد مان نڪتو آهي ۽ جمعو سعيدآباد ۾ پڙهايو اٿس ۽ وري مهمانن کي عشاءَ تائين منهن ڏنو اٿس. طبيعت صحيح نه هئڻ جي باوجود واعدي جي وفا ڪندي هتي

محکمہ دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

سائين جواب ڏيندو ته آئون توهان وٽ عشاء نماز تي يا عشاء کان پوءِ فوراً پهچي ويندس توهان انتظار ڪندا ۽ بندوبست پورو ڪندا. جماعتي چوندو ته حاضر سائين جيئن چوندو تيئن ڪنداسون مگر پروگرام ۾ دير يا سوير شريڪ ضرور تجو مهرباني مهرباني! اسان جو عهديدار چوندو ته ها. الله پلو ڪندو. هي جماعتي خوش ٿي فون يا موبائل بند ڪري. پروگرام جي تيارن ۾ لڳي ويندا. رات ڏينهن اها دعا هوندي ته الله سائين پروگرام کي ڪامياب ڪجا هوڏانهن سائين جن کي وري به ڳالهه وسري ويندي. ۽ جيڪڏهن جماعتي ويچارو موبائل نمبر ڏئي ويو هوندو ته ان کي عين موقعي تي چوندو ته او فلاڻا آئون پروگرام ۾ شريڪ ٿيڻ کان معذرت ڪريان ٿو. وري ٻئي پيري. جماعتي ويچاري جا حوصله ختم ٿي ويندا. ڇپ ٽڙڪائي چوندو ته سائين ڇو پلا؟ سائين چوندو ته آئون ٽڪل آهيان. جماعتي وري سوين منتون ڪندو ته سائين توهان صرف شريڪ ٿيو ڀلي تقرير نه ڪريو. پر اسان جو ڪارو منهن نه ڪريو. سائين جواب ڏيندو ته توهان ماڻهن کي منهنجي طبيعت جو ذرو به احساس ڪونهي توهان جي ڪري پاڻ کي مارائڻو آهي ڇا؟

اهو حال آهي اڄو ڪي عهديدارن جو.

ڳالهه شاه صاحب رحمہ الله جي هلي رهي هئي اتي مسجد ۾ منهنجا رکيل ڪتاب ڏسي چوڻ لڳو ته عبدالجبار ڪهڙا ڪتاب رکيا اٿئي؟ ڪتاب ڪيندو نالا ٻڌائيندو وڃ. مون ڪنهن ڪتاب جو سائين جي رعب جي ڪري غلط نالو ورتو ٿي ته شاه صاحب کلي ان جو صحيح نالو ٻڌايو ٿي ۽ مختصر هر ڪتاب تي روشني وجهي رهيا هئا. اهو صرف منهنجي حوصله افزائي جي لاءِ ڪري رهيا هئا. مون اٿڻ جو ارادو ڪيو چيائين ته نه کائڻ جي ضرورت آهي نه پيئڻ جي. ويهو ته گهڙي کن ڪچهري ڪريون اهڙيون بغير لالچ جي بيشمار ڪچهريون مون شاه صاحب جون ڏنيون. آئون ٻارهن تيرهن سال شاه صاحب وٽ رهيس مگر ڪڏهن به واعدي خلافي

الله جو قسر شاه صاحب جي اهڙي ته ڪچهري هئي جو سڄي رات گذري وڃي مگر اتجي نه.

اڌ ڪلاڪ کان پوءِ چيائين ته دير به ٿي وئي آهي ۽ اڃا اڳتي به وڃڻو آهي ۽ طبيعت به صحيح نه آهي تنهنڪري اجازت ڏيو! سڀني شاه صاحب کان موڪلايو. موڪلائيندي شاه صاحب سان گڏ جيڪو ماڻهو هو ان منهنجي هٿ ۾ پنجن سون جو نوٽ وجهي ڇڏيو. ٻيو ڪنهن به ڪو نه ڏنو. دل ۾ چير ته اهڙن عالمن سان محبت رکجي. هن وٽ وڃجي تڏهن به ڏي ٿو ۽ جيڪڏهن اسان وٽ اچي ٿو تڏهن به ڏي ٿو. جي پير هجي ها ته اسان کي ڪجهه نه ڪجهه ضرور ڏيڻو پوي ها.

شاھ صاحب اسان کان موڪلائي ويو پر هر هڪ شاھ صاحب جي نيڪي ڪري رهيو هو ۽ کيس دعائون ڪندا رهيا ۽ ڪن چيو ته ڀلي ان کي ماءُ ڇڻيو ۽ اها به خبر ڪانه هئي ته شاھ صاحب جو اهو اچڻ اسان وٽ آخري هو.

جڏهن شاه صاحب فوت ٿي ويو ان وقت آئون ٽنڊو آدم شهر جي بازار ۾ دڪان جو سامان وٺي رهيو هوس. هڪ ماڻهو پريشاني جي حالت ۾ مون کي چوڻ لڳو ته توکي خبر آهي؟ مون چيو ڪهڙي چيائين ته سائين بديع الدين شاه صاحب رحمہ اللہ جدائيءَ جو داغ ڏئي ويو. مون کيس چيو ته تون ڪير آهين چيائين ته آئون عبدالله شيخ آهيان مون سامان وٺڻ جي پچر ڇڏي. شاه صاحب ڄڻ ته اکين سان ڏسي رهيو آهيان فوراً نيو سعيدآباد فون ڪري پچيم ڳالهائڻ کان پهرين مون کي فون مان ماڻهن جي سڏڪن جو آواز ٻڌڻ ۾ آيو. يقين ٿي ويو ته شاه صاحب هي جهان ڇڏي ويو آهي. ۽ جن کان پچيم انهن به تصديق ڪئي. آئون فوراً گهر آيس. بابا دڪان

﴿ 658 ﴾

تي ويئل هو. بابا کي ٻڌاير ته شاه صاحب فوت ٿي ويو. بابا بي ساخته اويچيگارون ڏٺي روئڻ لڳو. دريءَ کان جڏهن بابا جي روئڻ جو آواز گهر وارن ٻڌو ته سڀئي اچي دريءَ وٽ گڏ ٿيا ۽ بار بار پڇندا رهيا ته ڇو ٿو روئين بابا کان ڳالهائڻ نه نڪري جو ٻڌائي سگهي. گهر وارا حيران ٿي ويا ته اهڙو ته ڪڏهن به نه رنو اچ ڇو پيو روئي؟ آخر مون چيو ته سائين بديع الدين شاه صاحب اچ فوت ٿي ويو آهي اهو ٻڌي ۽ روئي رهيو آهي. شاه صاحب جي فوت ٿيڻ جو ٻڌي سڀ گهر وارا به روئڻ ۾ شروع ٿي ويا ايئن محسوس ٿي رهيو هو ڄڻ ته اسان جي گهر جو سربراه فوت ٿي ويو آهي. اهو انهيءَ جي ڪري جو شاه صاحب وٽ اهڙو اخلاق هو جو جماعتين کي مريد ڪو نه سمجهندو هو بلڪ انهن کي پنهنجو ڀاءُ سمجهندو هو. اهو سبب هو جو امير، غريب، عالم، طالب، ننڍو وڏو، پنهنجو پراڻو هر هڪ ايئن سمجهندو هو ته شاه صاحب جي فقط مون سان محبت آهي. فقيد المثال عالم شيخ العرب والعجم ٿي ڪري. سڀني سان محبت رکي اها وڏي ڳالهه آهي. اسان جا سڀ وڏا چون ٿا الله تعاليٰ جون ڪروڙين مهربانيون جو شاه صاحب جون تقريرون ٻڌيون سين. شاه صاحب سيد ٿي ڪري سيدن ۽ پيرن جي غلامي ۽ مريديءَ کان نجات ڏياري. نت اهڙن پيرن جا اسان مريد هئاسون جن جو اچ ڇهرو به ڏسڻ لاءِ تيار نه آهيون پر پهرين انهن جي آڏو جهڪندا هئاسون ۽ انهن کي پيرين پوندا هئاسون ۽ انهن کان دعائون گهرائيندا هئاسون. انهن کان ڏاڳا وٺائيندا هئاسون ۽ انهن کان تعويذ لکرائيندا هئاسون. مشڪل ۾ انهن کي پڪاريندا هئاسون. شاه صاحب کي الله پاڪ علم ڏنو جنهن اسان کي نصيحت ڪئي ته پاڻ مسلمان سڀ ڀائر آهيون. الله تعاليٰ جا ٻانهي آهيون ۽ محمد رسول الله ﷺ جا امتي آهيون نه جيئن نه مٿن پيرن کان ڊڄڻو آهي. خوف ۽ عبادت صرف الله تعاليٰ جي ۽ طريقو صرف محمد رسول الله ﷺ جو وٺڻو آهي جنهن ۾ دنيا ۽ آخرت جي ڪاميابي آهي. شال الله تعاليٰ شاه صاحب کي سندس غلطيون معاف فرمائي ۽ کيس جنت الفردوس نصيب فرمائي. آمين.

جيءَ جھروڪا

پاڙي ويڄ هٿام، تان مون مور نه پڇيا

تياھين پيام، موريئر اکين ۾

ڪٿان ڪا ڪڙڪ پئجي وئي هيم ته جناب حاجي محمد اسماعيل ميمڻ وڪيل جي بنايل مدرسي بنام ”مدرسہ بحرالعلوم“ وارا سندن نڪرندڙ ”مجلہ بحرالعلوم“ طرفان شيخ العرب والعجم علامہ سيد بديع الدين شاه بابت ڪو خاص نمبر پيا شايع ڪن. بهرحال مجلہ جي انتظاميه طرفان مون کي شاه صاحب بابت ڪنهن مضمون لکڻ جي لاءِ چيو ڪو نه ويو آهي پر منهنجي ننڍپڻ جي ساٿي ۽ ننڍي پيءُ عبدالغفار جوڻيجو ڪن تي پڙاءُ وجهي ڇڏيو ته توهان به مضمون لکي ڏيو، هاڻي هيڏي ۽ وڏي عظيم شخصيت تي هيڏن وڏن عالمن هوندي آءُ مضمون ته ٺهيو پر مضمون جي ميمر تي به لکي ڪونه ٿو سگهان. باقي ٻارڙن جي گهاراڙن وانگر رنيا روڙي سگهان ٿو. سنهون ڪٽڻ ته مون سڪيوئي ڪونهي. ڪٿي مون کي ڪلٿهاب بنائڻ جو پروگرام ته نه ٺاهيو ويو آهي. اوچتو ئي اوچتو منهنجي من اندر مان جوت جو اهاڙ پڙڪو ڪاٽي ٻاهر نڪتو. حياتيءَ جا ٻاويهه سال پوئتي جو لوڻو ڦيريم ته پاڻ کي آغا خان اسپتال جي پبلڪ ڪال آفيس جو ريسورٽ ۾ ورتل محسوس ڪيم، پريان وٺندڙ، مٺي ۽ روح کي ريلو ڏياريندڙ آواز ۾ ماما سائين سيد بديع الدين شاه ڳالهائي رهيو هو. اهو ٻاويهين مئي 1995ع جو ٽاڪ منجهند جو وقت هو آغا خان اسپتال ڪراچيءَ ۾ اهو منهنجي زندگيءَ جو ڏڪن ڀريو ڏينهن هو ۽ نهايت دکدائڪ گهڙي هئي. ڇيلهه ۾ شديد درد جي ڪري هلڻ، ڦرڻ، سٽون تي وهڻ ۽ نماز پڙهڻ

☆ معروف اديب، سگهڙ، ڪالر نگار، مدير مدرسة المحمدية دارالحديث والقرآن ڏيپلو.

کان چڪي ويو هوس. ڊاڪٽر احمد علي شاه نيورو سرجن آپريشن تجويز ڪئي هئي ۽ اهو به چيو ويو ته هاڻي جو هاڻي داخلا وٺو ته ٽيسٽون ڪري صبحاڻي آپريشن جو انتظام ڪجي. باقي رهي داخلا.... اها بنا پئسن جمع ڪرائڻ جي نه ٿي ملي سگهي. سين پائرن کان جواب مليو پر

قد سمع الله قول التي تجادلک في زوجها وتشتكي بصير (قرآن)

الله پاڪ ان جي، سئي سموري ڳالهه،
سندس ور جي ويڙه جو، ذکر ڪيو جنهن زال،
اوري پيئي الله سين، اندر جو احوال،
الله اوهان جو پاڻ ۾، ٿو ٻڌي ٻائيتال،
سٽنڊر سڀ سوال، ڏسندڙ آهي ڏيه ڌڻي.

واريءَ عورت وانگر منهنجي لاءِ دنيا جا سڀ دروازا بند ٿي چڪا هئا. فقط هڪ دروازو آسمان جي هن پار واري جو کليل هو، جيڪو ڪنهن جي لاءِ ڪڏهن به بند ڪو نه ٿو ٿئي.

ڪڏالڪ ننجي المؤمنين

مون سنڀريو هو ته ”امڙ اڄ موڪلائي ويئي آهي.“

ماما سائينءَ جو وڻندڙ آواز ٻڌي من اندر ۾ ائين مانائي اچي ويئي، جيئن سمنڊ خوفناڪ ڇولين بعد مانو ٿي ويندو آهي.

ماما سائين!! آغا خان اسپتال مان ڳالهائين ٿو. چيلهه جي آپريشن ڪرائڻي اٿر، جنهن لاءِ داخلا وٺڻي اٿر. پئسا ڪو نه اٿر، توهان مون کي هڪ لک روپيه ڪنهن هٿان ڏياري موڪليو، ورندي ڏنائين ته پٽ پئسا ڏيان ٿو پر تو تائين پهچن ڪيئن؟ ڪو ماڻهو موڪل، دل ۾ ڏڳندڙ ڪوري تي ڇڻ ڇنڊو پئجي ويو.

پر پوءِ ستن آسمانن جي مٿان عرش عظيم تي مستوي ٿيل الله رب العزت

پنهنجي ٻانهي کي سٺي ۽ سڳي سوڌو سمورو انتظام ڪري ڏنو.

هتي انهيءَ ڪٿا ڪرڻ جو مقصد ته آءُ ماما سائين جي ذري ذري جو واقف هوس ته سندس گهر ۾ پيسا پيل هئا يا نه پر مون سان هائو ڪري منهنجي چڪندڙ چهڪن تي پهو رکي ڇڏيائين. ذاتي مقصد لاءِ ڪڏهن ڪنهن جي اڳيان هٿ نه ڊگهيريائين، باقي جمعيت اهل حديث جو ڪو فرد ڪم وجهي ويو ته اهو پورو ٿيندو، ان جي لاءِ ڪنهن جي اڳيان به لنگهي ويندي عار محسوس نه ڪندو هو.

آخرڪار مجلد بحر العلوم ماما سائين سيد بدیع الدین شاه تي خاص نمبر پيو ڪڍي، سو ان لاءِ ته پاڪستان، هندوستان، سعودي عرب ۽ دنيا جي ٻن ملڪن جا عالم، اڪابر فيلسوف قرآني آيتن ۽ حديثن جي روشنيءَ ۾ قلمر ڪشائي ڪندا. هاڻي آءُ نه ڪو آهيان عالم ۽ نه ڪو آهيان ڪو فيلسوف ۽ نه ڪو وڏو اديب. بس اها سعادت ضرور نصيب ٿي اتر جو امان مريم جون عالمن سان ڪچهريون ننڍپڻ سان ئي ٻڌيون اتر. پر ماما سائين جڏهن ٿر جي واحد امان مريم واري مدرسي المدرسة المحمديه دارالحديث والقرآن (المؤسسة مريم) ڏيپلو جي امتحان تي ايندا هئا ته امان مريم جي اوطاق تي عالمن جا ميڙا متل هوندا هئا، انهن جي ميزباني ته جيبل ڪندي هئي، پر دستر خوان تي جمع ٿيندڙ عالمن کي هٿن ڏوٿارڻ جو شرف هن ناچيز کي حاصل ٿيندو هو انهيءَ حساب سان شيخ اياز جي هن شعر

هيءُ چوڻيءَ چوڻيءَ تي مشعل، هيءُ جهوليءَ جهوليءَ ۾ گل ڦل
وياسانول ڇا ڇا سڳ ڇڏي، ڇا جندڙيءَ کي جرڪائي ويا
سان آئون شاه صاحب کي پرکيندس.

هن وقت ٿر جي ڪنڊ ڪڙڇ ۾، وڳر واهڻ ۾، پٽ پٽ جي ٻُڪڙ، پوڄاندا، آبي پٽ، نوئون، تڙڪول، گوچار ۽ مٿاڇرا قال الله تعاليٰ في القرآن المجيد والفرقان الحميد ۽ قال قال رسول الله ﷺ جون سدائون پڙاڏا ٻڌجي ڪنن ۾ گونجي رهيون آهن.

اهي ڪوششون ۽ ڪاوشون سنڌ جي هن نامياري عالم، اسڪالر، مفڪر، منسڙ ۽ محدث، مناظر علامه سيد بديع الدين شاه الراشدي جون آهن. جيڪو هر رجب مهيني ۾ راقم کي خط لکندو هو ته فلاڻي جمعة المبارڪ کان ٿر جو دورو رکيو اٿئون. توهان سڄي ٿر جو پروگرام ٺاهي اسان کي موڪلي ڏيو. اسان ٿريا جمعة المبارڪ ڏيپلي ۾ ۽ باقي ٻين ڳوٺن جو پروگرام ٺاهيندا هئاسون. پروگرام ٺهڻ بعد مون کي نه ٿو سڄهي ته ماما سائين ڪڏهن ليٽ ٿيو هجي.

يقين ڪريو ته هن وقت هيءَ سٽون لڪندي اڪڙيون وڌڻون وسائي رهيون آهن، پٺو ڌنڌلو ڏسڻ ۾ اچي ٿو بس ائين ئي هٿ جي جنبش سان لکي رهيو آهيان. راقم تي اها الله رب العزت جي مهرباني هئي جو سڄو پروگرام ترتيب ڏيئي واسطيدارن کي موڪليندو هو ۽ پوءِ هر ڪو ٽيڪسي وٺي سائينءَ کي ويجهي ڳوٺ مان وٺي ويندو هو. سڄو هفتو يا ڏهه ڏينهن آءٌ شاه صاحب سان گڏ هوندو هوس جمعة المبارڪ ڏيپلي جي جامع مسجد يا مدرسي واري مسجد (حاجي محمد صالح مسجد) ۾ پڙهيو هو. منجهند جي ماني کائي آرام ڪيو هو. عصر جي نماز بعد المدرسه المحمديه دارالحديث والقرآن (المؤسسة مريم) جو ساليانو امتحان شروع ٿيندو هو. مغرب جي نماز تي امتحان جو نتيجو ظاهر ڪيو ويندو هو ۽ عشاءِ نماز بعد جلسو منعقد ٿيندو هو. ٻئي ڏينهن ناشتي کان پوءِ شاه صاحب جو جنهن ڳوٺ ۾ پروگرام هوندو هو ته اهي ڳوٺاڻان ٽيڪسي ڪري ايندا هئا ۽ سائين کي وٺي ويندا هئا. سڄي ٿر ۾ ان وقت امان مريم وارو واحد مدرسو هوندو هو، جيڪو توحيد ۽ سنت جي وڌ جي آبياري ۽ اعلا ڪلمه الله جو واحد ذريعو هو. علامه سيد بديع الدين شاه راشدي صاحب جن آخري ڏينهن تائين انهيءَ مدرسي ۾ چانسلا جي حيثيت ۾ مدرس ۽ ممتحن ٿي رهيا. هن مدرسي مان ڪيترائي مولوي حضرات ۽ مولانا صاحبان مستفيد ٿي ڪتاب ۽ سنت سان منور ٿيا ۽ اڄ پنهنجن پنهنجن علائقن ۾

مدرسہ کولبي الله جي وحدانيت جي پرچار ڪري رهيا آهن. انهن مان مولوي احمد الساکت ڳوٺ پيلوڙو سمون هن مدرسي ۾ 13 سال صدر مدرس ٿي رهيو. جنهن بعد پنهنجي ڳوٺ ۾ مدرسو کوليائون جيڪو اڄ به ترقيءَ جي راه تي گامزن آهي. ان کانپوءِ ڏونجهه، چيچاري، ڦانت فارم، ڳوٺ ابراهيم سمون، سينهري جي کوهي، اسلام ڪوٽ، گرڙاهه، مٺي، ڪاروبجير، پانيپلي ۽ پانيپلو وغيره ڳوٺن جا شاگرد يا مدرس به هن ئي مدرسي مان فارغ التحصيل آهن. اهو سڄو ڪريڊٽ اسان جي هن نامياري اسڪالر ڏانهن وڃي ٿو. جنهن ڏينهن رات هڪ ڪري پٽون پوري، ڪڪر ڪوري، ڌڙڙ ۽ ڏهر ڏوري، جبل جهاڳي، پهڻن ۽ پٿرن سان پير پٿون ڪري واريءَ جي داڻن ۾ جتي وڪ وڪ تي ڪونه ڪو ڪوڙو الله ڪڙو ٿيل آهي. پنهنجي تبليغ سان جهاد ڪري دين اسلام جي جوت جلائي آهي. ڪويت، سعودي عرب ۽ ٻين هنڌن تان مسجدن ۽ مدرسن لاءِ ملندڙ پئسا سڀ جا سڀ تر ۾ استعمال ٿيا ڳوٺ پيلوڙو سمان، اسلام ڪوٽ، مٺي، ڪلٿار مٺو، ڪلٿار ڪارو، گرڙاهه، سينهري جي کوهي، ڦانت فارم، ابراهيم سمون، ڪلٿي، ڏونجهه، مائجيني، گوليو، چيڙيال، مانڊياڪر، ميهاري، چيچاري، ڏيپيار، ڪڏائي، سڌوئي، ڪاروبجير، مٺو ڏاڍڙو، پانيپلي، جهو وغيره ۾ هلندڙ مدرسا سندن مرهون منت آهن. اڄ توهان نئون ڪوٽ واري قلعي کان هيٺ لهو، سڄو تر جهاڳي ڏسو، اڳي توهان کي اسلام عليڪر جو جواب ماليڪر سلام سان ملندو هو پر اڄ هر پٽ تي توهان کي تر يا رفع اليدين ڪندي، آمين بالجهر چوندي، صف بندي ڪندي نظر ايندا، اهو ڇا آهي؟ اهو هن شعر جو بلڪل چٽو عڪس آهي.

هيءُ چوڻيءَ چوڻيءَ تي مشعل، هيءُ جهوليءَ جهوليءَ ۾ گل ڦل،
ويا سانول ڇا ڇا سڳ ڇڏي، ڇا جندڙيءَ کي جرڪائي ويا
8 جنوري 1996ع کان پوءِ ڪر تر ۾ تبليغ جو سلسلو ئي بند ٿي ويو آهي.

اهو شاه صاحب وارو جذبو ڪٿان آڻيون، جيڪو شاه صاحب پنهنجي واعظ ۽ تبليغ سان رکيو هو. اهو پگهر ٿي وهي ويو. اهي ڏينهن ۽ هي ڏينهن وري ٿر ۾ ههڙيون ايمان افروز مجلسون منعقد نه ٿي سگهيون آهن.

لڏي ويا ڇڏي، ڪري هيڪلائي هاڻ،
 سڄو پانڌيان سپيرينءَ ري، ملڪ هيءُ مساڻ،
 جانب جوءُ ڇڏي ويا، آءُ ڪنهن جي ڪيان ڪاڻ،
 گهوري وڃان گلچئي، انين بدن مٿان پاڻ،
 جنهن جي سدا مند سواڻ، اڄ ڪونهي ڪڙوا تن جو

☆ علامه سيد بديع الدين شاه مناظري جو امام هو.

☆ علامه سيد بديع الدين شاه خاتم المناظرين هو.

☆ علامه سيد بديع الدين شاه برصغير ۾ اهلحديث جو وڪيل هو.

☆ علامه سيد بديع الدين شاه پنهنجي ذات ۾ مڪمل انجمن هو.

☆ علامه سيد بديع الدين شاه مفسر قرآن هو.

☆ علامه سيد بديع الدين شاه محدث هو.

☆ علامه سيد بديع الدين شاه تمام وڏو مبلغ هو.

☆ علامه سيد بديع الدين شاه مقرر هو.

☆ علامه سيد بديع الدين شاه مؤرخ هو.

☆ علامه سيد بديع الدين شاه محقق هو.

☆ علامه سيد بديع الدين شاه اسماء الرجال جو ماهر هو.

1975ع ۾ مٽياري جي انڌي ملان.

”ونحشره يوم القيامة اعمي. قال رب لم حشرتني اعمي، وقد كنت

بصيرا. قال كذا لك اتتك آيتنا فنسيتها و كذا لك اليوم تنسي“

۽ انڌو اڦارينداسون ان کي، مهندان محشر وار،
چي انڌو اڦارينر کينئن؟ سانير!! رب ستار،
۽ هوس آءِ هموار، ڏاڍو ڏسندڙ ڏيهه ڏٺي،
چي ان پر اسان جون آيتي نشانينون نروار،
سي وساريئي ويسلا، ٻوٽي اڪيون بيهار
۽ اڄ جيري منجهه ڄمار، ويندين تينئن وساريو

عبدالخالق ميمڻ ”ضل واصل“ حنفييت جي حميت ۾ اچي پنهنجي مذهب جي
دفاع ۽ ان جي ثبوت ۾ جڙتو، هٿ ٺوڪيل، من گهڙت ۽ ضعيف روايتن جو سهارو
وٺي آيت يحرفون الكلم عن مواضعه موجب تحريف ۽ ترجمي ۾ گهٽ وڌائي ڪري
قرآن جي آيتن ۽ حديثن کي ذبح ڪري منن سنز جي مالي مدد سان هڪ ڪتاب بنام
تحفة الحديث شايع ڪري اهل حديثن کي جاڳايو، جنهن ۾ جا بجا صحيح ۽ مرفوع
روايتن جو مقابلو ضعيف بلڪ هٿن سان ٺاهيل روايتن ٿر يقولون هئا من عندالله سان
پنهنجي مسلڪ کي ثابت ڪرڻ جي ناڪام ڪوشش ڪئي آهي. هيءُ ڪتاب دراصل
علامه سيد بديع الدين راشدي صاحب ۽ علامه مولوي محمد عمر جوڻيجو ڏيپلائيءَ
جي رد ۾ لکيو ويو آهي. سڄي ڪتاب ۾ ٻنهي قابل احترام شخصيتن لاءِ نامناسب،
اڻوڻندڙ ۽ نازيبا الفاظ استعمال ڪري، پنهنجو پاڻ کي اڳهاڙو ڪري مڃيڻي جو
ثبوت پيش ڪيو آهي. اسان به 3 سيپٽمبر 1975ع مطابق 25 شعبان 1396ھ تي
مفسر قرآن، مبلغ ۽ مناظر اهل حديث علامه سيد بديع الدين شاه صاحب کي گهرائي
ڪتاب بابت جامع مسجد اهل حديث ۾ بعد نماز عشاءِ مدلل جوابي تقرير
ڪرائيسين. جنهن ۾ شاه صاحب هڪ ماهر سرجن وانگر ڪتاب جو پوسٽ مارٽم
ڪيو آهي. شاه صاحب حوالا ۽ ڪتابن جا صفحا زباني ائين پيش ڪري رهيو هو،
جو ڇڻ ته شاه صاحب قرآن، صحاح سته ۽ اسماء الرجال جو هلندڙ ڦرندڙ انسائيڪلو

پیدیا یا لغت هجي. اسان سامعين دنگ رهجي ويا هئاسون. اهو ڪتاب تقرير لا جواب جي نالي سان ڇپايو هوسون. ان بعد شاه صاحب جي طرفان تفصيلي جواب ڪتاب بنام تميز الطيب من الخبيث 1987ع ۾ ميدان تي آيو. جيڪو شاه صاحب جو هڪ شاعڪار ڪتاب آهي. هن ڪتاب جي طباعت جو سڄو خرچ راقم الحروف ادا ڪيو هو.

انهيءَ موقعي تي شاه صاحب پاڪستان مان لڏي سعودي عرب ۾ مستقل رهائش جو پنهنجو ذڪر جيبل سان ڪيو. بس ان وقت جيبل جو اضطراب ڏسڻ وٽان هو. جيڪو اضطراب سيدنا ابوبڪر صديق رضه کي هجرت جي موقعي تي غار ثور ۾ ان الله معنا واري آيت نازل ٿيڻ کان اڳ هو. امان مريم تي اهو ڪرب 25 ڊسمبر 1975ع (شاه صاحب جي هتان لڏي وڃڻ جي تاريخ) 14 جنوري 1979ع (سعودي عرب مان واپسيءَ جي تاريخ) تائين 3 سال ويهه ڏينهن هليو. جنهن امڙ جي اعصابن تي ڪرڻ وارو ڪم ڪيو هو. جيڪو وڌو ڪم جيبل جي اکين مان انهن ڏينهن ۾ وهيو هو. اهڙو سڄي ڄمار ڪو نه وهيو هو ۽ مون جيبل جي شاه صاحب جي واپسي لاءِ گهريل دعا قبوليت جي روپ ۾ ڏني هئي. سعودي عرب جا حالات اهڙا ٿي ويا هئا جو شاه صاحب کي هميشه لاءِ واپس اچڻو پيو. سائين جي واپسيءَ وارو ڏينهن (اڱارو 14 جنوري 1979ع) جيبل جي لاءِ عيد جو ڏينهن هو. جيئن ته شاه صاحب هتان ويندي پنهنجو ڪتب خانو به سعودي عرب ڪڍائي ويو هو. ان جي واپسيءَ جو ڪرايو جيبل پنهنجي پيءُ الحاج غلام محمد لات هٿان ادا ڪرايو هو. جيڪو لکين روپيه هو. شاه صاحب جو لکيل بديع التفاسير اهڙو املهه ۽ عظيم ڪارنامو آهي.

ع املهه آهي ان جي، ڪٿوريءَ جهڙي ڪيهه

جنهن جهڙو تفسير ڪنهن زبان ۾ ڪونهي. اهڙو تفسير لکي سگهجي ٿي ڪو نه ٿو. انهيءَ تفسير جي ابتدا جو پيرو ڪتبو ته ان جي شروعات به امان مريم جي

دعائن ۽ محنت جو نتيجو آهي.

14 جنوري 1979ع شاه صاحب واپس پاڪستان پهتو ۽ ترت امان مريم سان ملڻ جي لاءِ ڏيپلي پهتو هو. اهوئي موقعو هو جو بديع التفاسير جي لکڻ لاءِ امان مريم جي اوطاق تي ميٽنگ ٿي هئي. جنهن ۾ چيده چيده عالمن شرڪت ڪئي هئي. خاص ڪري مولوي جان محمد نوهڙي گرڙاڀهه وارو ۽ ماما حاجي محمد منن منواڻي شامل هئا.

پير علي محمد راشديءَ پنهنجي تصنيف اهي ڏينهن اهي شينهن جي ٻئي جلد ۾ ڪهڙو نه سهڻو لکيو آهي ته بچ جو ڏاڏو ننڍڙي شئي آهي، جيڪو مٽيءَ ۾ ملي پاڻ متجي وڃي ٿو. منجهانئس جيڪو وڻ ڦٽي ٿو، دنيا ان کي ڏسندي ان جي تعريف ڪندي رهي ٿي پر بچ جي ڏاڏي کي ڪو ياد ڪو نه ٿو ڪري، وانگر اڄ بديع التفاسير جا ڏهه جلد شايع ٿي چڪا آهن. الله رب العزت کي شاه صاحب جي هٿان ايتروئي ڪم وڻڻو هو. اهي لکي جا ليک آهن. تقدير جا اڻ ٿر فيصلو آهن. اڄ امان مريم ته ڪنهن کي ياد ئي ڪونهي، بديع التفاسير جي هر پني تي فقط جمعيت اهل حديث جو نالو لکيل آهي. بديع التفاسير جي ڏهن ئي جلدن جي مهاڳن ۾ امان مريم کي ڪنهن به دعا جي ٻن لفظن ۾ ياد ڪو نه ڪيو آهي.

1971ع واري ته جنگ ۾ ڏيپلو ته خالي ٿي ويو هئو پر شهر جو سڄو نظام درهر برهر ٿي ويو هئو. امان مريم واري مدرسي جا طالب علم ۽ مدرس به في الحال ته پاسيرا ٿي ويا هئا. فقط مولوي عبدالرحيم لودو مدرسي جي چوڪيداري پيو ڪندو هو. جيبل جي حياتيءَ ۾ مدرسي جي ڪمن ڪارين ۾ حصو نالي ماتر وٺندو هوس پر جڏهن علامه سيد بديع الدين شاه صاحب ڏيپلي ايندو هو ته الله جي ڪبرياتيءَ جو سوڳند، سائين جي خدمت ڪندي وڏي سعادت سمجهندو هوس. وضوءَ لاءِ گرم پاڻي، تهجد نماز لاءِ مصلو، دوا لاءِ ڪير، پيڻ جو پاڻي مطلب ته گهر ۾

ملازم موجود هوندي به سائين جي خدمت پنهنجي ذمي سمجهندو هوس. دستر خوان تي سترجيون موجود هوندي سائين باجهر جي ماني کير سان کائيندو هو. ڪڏهن ڪڏهن تتر ملي ويندا هئا ته شاه صاحب اهي شوق سان کائيندو هو. دستر خوان تي شاه صاحب سان گڏ شهر جا ڪافي معزز ماڻهو ۽ ذات ذات جا علماء مدعو هوندا هئا.

1973ع اسسٽنٽ مختيارڪار جو مليل آرڊر جيبل جي حڪم تي واپس ڪري ڇڏيو ۽ پوءِ جيبل جي خدمت کي آخرت جي نجات ۽ چوٽڪاري جو باعث سمجهي ڏيپلي ۾ ساڻس گڏ رهيس. 23 آڪٽوبر 1979ع تي جيبل هيءُ فاني جهاز ڇڏيو. منواڻي خاندان ۽ ڀائرن و امرهم شوري بينهر بعد مدرسي جو مهمتمر بڻيس. 25 آڪٽوبر 1979ع تي ماما سائين بديع الدين شاه جيبل جي تڏي تي اسان سان عذر خواهي ته ڪرڻ آيو ليڪن هو ته خود به اسان وانگر شديد ڏک ۾ ورتل. ان مهل مون پڇيو مانس ته ”ماما سائين جنهن امان مريم خاطر پنهنجو رشتو ڇڙيو، اها ته هن دنيا ۾ رهي ڪانهي، هاڻي اسان سان رشتو نباھيندا يا اهو رشتو به ڪلهه جيبل سان گڏ ٿيو ڌرتيءَ داخل.“

ورندي ڏٺائين ته رشتي نباھڻ لاءِ ٻنهي ڌرين ۾ اخلاص جو هجڻ ضروري آهي. گهر ته گهرئين جي مصداق اوهان ساڳئي خلوص سان گهرائيندا ته گهوڻي کائيندو رهندس.

24 آڪٽوبر 1979ع کان 8 جنوري 1996ع تائين سائين مون سان سڀ فرض نباھيا ۽ مون به 17 سال زندگيءَ جا راشدي خاندان جي هن، پيري مريديءَ واري ڳٽ کي ڳچين مان ڪينڊڙ ”محمود غزنوي“ علامه سيد بديع الدين شاه کي اربي ڇڏيا. دنيا جي ماڻهن جي برخلاف انس رضه جي ماءُ به الله جي در تي اچنا ڪئي هئي ته ”مولا، پٽڙو ڏينم ته تنهنجي آخري رسول ﷺ جو نوڪر ڪنديس او انس رضه جي ماءُ! تنهنجي بخت ۽ نصيب جو ڇا چئجي؟“ انس رضه جو چوڻ آهي ته منهنجي

ماء جي منٿ کي الله پورو ڪيو.

آءُ جوان ٿو ته انس رضه کي نبي ﷺ جي خدمت لاءِ ماءُ وقف ڪو نه ڪيو هو پر عرش واري وقف ڪرايو هو. ٻار پسند اچي ويو. حڪم ڪيو ويو ته وڃي نبيءَ ﷺ جي خدمت ڪر.

پيڙو ڄائو ته سندس تربيت ان انداز ۾ ڪيائين ته جيئن هو نبي اڪرم ﷺ جي طبيعت تي پورو لهي. سمجھه ڀريو ٿيو ته اچي الله جي نبي ﷺ جي حوالي ڪيائين. ڏهه سال آسمانن ۽ زمينن جي مالڪ ۽ مالڪ يوم الدين واري مالڪ ”الله الواحد القهار“ جي آخري پيغمبر جي خدمت ڪئي اٿس. ڏهه سال زندگيءَ جو عرصو ڪو معمولي عرصو ڪونهي. کانئس هڪ دفعو پڇيو ويو ته انس!! ڏي خبر تنهنجي نبيءَ جي (ﷺ). ورنديءَ ۾ انس رضه چوي ٿو ته ”هڪ دفعي وضو ڪرائيندي هئڻ مان پاڻيءَ سان ڀريل لوٽو ڪري پيو. ڊڄي ويو هوندس ته هاڻي الا جي ڇا چوندو. ڊڄي ڊڄي مٿي تونهاريان، ڇا توڙ سان ته پاڻ ﷺ مُشڪن پيا. سڄي دنيا جون ڪلون ۽ خوشيون، مُرڪون ۽ ٽهڪ انهيءَ هڪڙيءَ مُشڪ ۽ مُرڪ تان قربان!! انهيءَ مُشڪ ۽ مُرڪ منهنجي ڊنل دل تي پهو رکي ڇڏيو.“

انڪ لعلِي خلق عظيم

هن کان مٿي ڪنهن جا بلند اخلاق ٿي سگهن ٿا. وانگر مون به سترهن سال سنڌ جي هن مايه ناز عالم شيخ العرب والعجم علامه سيد بديع الدين شاه جا هٿ ڏٺاريا آهن ۽ خدمت ڪئي آهي جنهن لاءِ آءُ پنهنجو پاڻ کي خوش نصيب سمجهان ٿو. بلي!! ڪٿان جو ڪٿان وڃي نڪتس. پر اهي ڳالهيون به ته ڪرڻ جهڙيون آهن. اهي سور به نيٺ سلڻ وٿان آهن. دل جو چاڪ چڪي چڪي جڏهن ناسور ٿي پوي، تڏهن شڪايت ڪئي نه ڪجي، پر ان جي حڪايت جو حق ته هجڻ گهرجي. ليڪن اها مڃيل ۽ کليل حقيقت آهي ته اسلام ۽ پيغمبر اسلام جي خلاف

جنهن به زبان کولي آهي يا قلم هٿ ۾ کنيو آهي ته ان حملي کي روڪڻ جي لاءِ سيد بديع الدين شاه جي زبان، تقرير، دماغ ۽ قلم شمشير بي نيام ثابت ٿيو آهي. ۽ شاه صاحب جي ان ۾ زندگي گذري ويئي آهي.

دين اسلام جي آبياريءَ لاءِ رسول اڪرم ﷺ 24 لڙايون ڪيون خلفاءِ راشدين ۽ جليل القدر صحابن به پنهنجي خون سان آبياري ڪئي. سيدنا حمزه رضه ته پنهنجا سڀ عضوا نذراني ۾ ڏيئي اسلام جي بنيادن کي مضبوط ڪيو. تاريخ اسلام تر جي ڏرڙن ۽ ڏهرن ۾ اسلام ڦهلجڻ جي تاريخ کان سواءِ اڌوري، اڻ پوري ۽ نامڪمل آهي. تاريخ اسلام ۾ جڏهن به اهڙن واقعن جو ذڪر ٿيندو ته ان ۾ مبلغ توحيد وسنت علامه مولوي عبدالرحيم پيچمي، فاتح لنواري علامه مولوي احمد ملاح، امان مريم مٺاڻي، فاتح مناظره ڏونجهه ۽ شارح مشڪوات مولوي محمد عمر جوڻيجو، مولوي علي محمد جوڻيجو ڏونجهائي، مولوي نصير الدين نوهڙي ٿاڌاڻا، مولوي جان محمد مورو گرڙاڻه وارو، مولوي گل محمد هڱورجو ڏيپيار وارو، حاجي صاحب ڏنو ميمڻ عاليائي ڏيپلائي، مولوي خير محمد نظاماڻي بديڻاڻي، مولوي عبدالرحيم جناڻي سرهيءَ وارو، مولوي محمد هاشم نوهڙي سڌوڻيءَ وارو ۽ مولانا محمد عثمان ميمڻ ڪمناڻي ڏيپلائي جي ڪيل خدمتن جو ذڪر ضرور ٿيندو. ليڪن انهن سڀن ۾ علامه سيد بديع الدين شاه صاحب جون ڪيل خدمتون وسارڻ جهڙيون نه آهن ۽ پوءِ ٿر جي ڳوٺ ڳوٺ ۾

يدخلون في دين الله افواجا

۽ ڏٺي ته ماڻهو ملڪ جا، قطار و قطار،

گهڙن ڏٺي جي دين ۾ ڇڏي ڪفر جي ڪار،

وانگر جمعيت اهل حديث ۾ داخل ٿيندا ويا ۽ پوءِ ماڻهو ايندا ويا ۽ ڪاروان

نهندو ويو.

آ ڪنهن ڪنهن ماڻهوءَ منجهه مٿيا، پر مون کي اهڙا مڙس وڻيا،

جي سارو جڳ جرڪائي ويا، پر پنهنجو پاڻ ڀلائي ويا
هڪڙو قاعدو آهي ته محقق جڏهن ڪنهن فن تي تحقيق ڪندا آهن، تڏهن ئي
خود تحقيق ٿي ويندا آهن. تاريخ تي تحقيق ڪندي ڪندي خود تاريخ بنجي ويا.
علم جي تحقيق ۾ خود علم بنجي ويا. علامه سيد بدیع الدین شاه ڪهڙي فن ۾
تحقيق ڪونه ڪئي هئي؟ فن اسماء الرجال، فن تفسیر، فن تشریح، فن توضیح، فن
توصیف، فن ادب، فن تاریخ، فن سیرت، فن دعوت، فن تبلیغ، فن تقریر، فن
خطابت، ۽ ٻيا ڪيترا فن، هر فن ۾ هر فن مولا ۽ پوءِ شاه صاحب جون اهي
صلاحیتون اڃاگر ٿيو پون.

اهڙن ماڻهن کي ڏسڻ لاءِ هينئر نيٺ ٻيا سڪن پر اڄو ڪيون ماڻرون ڪٿي
ٿيون سيد بدیع الدین شاه جهڙا پٽ ڄڻين. آءٌ دعويٰ سان چوان ٿو ته علامه سيد بدیع
الدین شاه جهڙي شخصیت ڇڻي سگهجي ئي ڪونه ٿي. سندس مجلس هر وقت سفر
هجي چاهي حضر هجي، باغ و بهار جو نمونو هئي. واقعا، لطيفا، ٽيڪاڻڻي، کل
مذاق، سڀ مهيا، گفتگو مان فقط ڪنهن جي تحقیر، ڪنهن سان تلخي ۽ ترشيءَ
جهڙيون شيون غائب هونديون هيون. هڪ دفعي ننگريارڪر جي سفر دوران ٿيو ٿا
جیپ ۾ آءٌ ۽ شاه صاحب اڳيان وینل هئاسون. حافظ محمد کٽي ۽ مولوي عبدالغني
پسايو ۽ ٻيا پويان وینل هئا، شاه صاحب کي ڪنهن ٻڌايو ته مشتاق منوائيءَ وٽ
فقیر عبدالله ۽ چانهه متعلق مزاحیه شعر آهي، اهو ٻڌڻ جهڙو آهي، سائينءَ جو حڪم
ٿيو ته مون ٻڌائڻ شروع ڪيو.

ساراهيان صاحب کي، ساراهيان رب سبحان،
قادر وٽ قدرت جي ڪمي آهي ڪانه
چوڏهين سن ۾ چانهه هلي، تنهن جو پاڻر ٻڌ جو بيان

۽ پوءِ ڪل جا ٽاڙيا ٿي ويا ۽ سڄي گاڏي ڪلن جي انهن ٽاڙين ۾ گونجي اٿي هئي ۽ سائين وري وري پيو حڪم ڪري ته اهو چانهه وارو شعر ٻڌائي ننگر پارڪر پهچڻ تائين اهو شعر ٻڌائي منهنجو ڪاڪڙو ٿي لهي ويو هو.

اتفاق سان 8 جنوري 1996ع سومر جي منحوس ڏينهن به آءُ ننگر پارڪر جي دوري تي هوس جو PCO تان جهڙي ادا علي محمد کان خيريت جي خبر پڇي هيم ته ادا علي محمد خيريت جي خبر بدران ڇڻ ته تير وهائي ڪڍيو ”ماما سائين بديع الدين شاه موڪلائي ويو،“ رسيور هٿ مان ڪري ويو هو. پاڻ کي ڪرت ۾ چيرچندو محسوس ڪيم. ماما الحاج غلام محمد لاٽ صاحب سان گڏ دوري تي هئاسون. ۽ کيس سڏڪن ۾ اها وحشت انگيز خبر ٻڌائي ڪو نه سگهيو هوس. پر پوءِ ويٺلن مان ڪنهن ٻڌايو ته سڄي ڪچهري ڏڪاري ٿي سراپجي ويئي هئي.

وڳر ويا وهي، ڪالهه تنهنجا ڪونجهڙي،

ڪنڊينءَ ڪوهه رهي، سر ۾ سپيرينءَ ري.

جمعيت اهل حديث ته يتيم ٿي وئي هئي، جو جمعيت اهل حديث جو ابو ۽ باني گذاري ويو هو. ليڪن ٿريا ته صفا چورا ٿي ويا هئا.

آخر ڪار بديع الدين شاه به انسان هو. فاني ۽ بي بقا!

ڪل من عليها فان ويبقي وجه ربك ذو الجلال والاڪرام

رهي نانءُ الله جو.

نيٺ هٿئون هلڻون ته هئس. آخر رهي به ڪيترو رهي ها، موت سندس مرڪ هو. من فاني جسم جو معاملو آخر ته مٽيءَ سڌو ماسرو هو. شاه صاحب جي وفات سان سنڌ جو نقصان ٿيو. اهل اولاد جو نقصان ٿيو. پر ترين جو الهه تلهه ناس ٿي ويو. جهڙو ڪر زلزلو نازل ٿي ويو. جنهن ۾ ڀٽن ۾ ڌار پئجي ڌرڙ ٺهي ويا.

علامه سيد بديع الدين شاه راشديءَ جي نالي سان عليه الرحمه لکندي جيڪو

احساس محرومي ۽ احساس یتیمی پیدا ٿئي ٿو سو هنئين کي ڏاريو ٿو وجهي. جنهن سبب مون سڄي مضمون ۾ مرحوم يا رحمة الله عليه ڪو نه لکيو آهي. علامه سيد بديع الدين شاه جو دور هڪ زماني جو عڪس ۽ آئينه دار هو. سائين هڪ دور جو نمائندو هو. جيڪو سندس موت تي ختم ٿيو. علامه سيد بديع الدين شاه راشدي هڪ عالم ته هو ته اها ڳالهه عالم آشڪار هئي. ليڪن سائين هڪ بهترين سنديافته حڪيم به هو ۽ هوميوپٿيءَ جو به ماهر هو پر اها ڇاڻ انهن ماڻهن کي هئي. جيڪي سائين کان اهي نسخا وٺي مستفيد ٿيندا رهندا هئا.

ناز منجهان را نڪري، جڏهن پرين ڪري ٿو پند،
پون پڻ بسر الله چئي، راه چمي ٿي رند،
اڀيون گهڻي ادب سين، حورون حيرت هنت،
سائينءَ جو سوڳند، ساڄن سينٿان سهڻو



اسماء الرجال جو امام سيد بديع الدين شاه راشدي رح

1925ع کان 1996ع تائين!

1947ع ۾ پاڪستان وجود ۾ آيو! (مونکي سڀ ڳالهيون ياد آهن) ۽ 1957ع ۾ 10 سالن اندر مون کي الله تعاليٰ ڪراچي پهچايو. آئون ان مالڪ الملڪ جا ٿورا ۽ ڳڻ ڳائي به نٿو سگهان جنهن ڏٺيءَ مون کي ٿر جهڙي پوئتي پيل ۽ وسريل علائقي مان ڪڍي ڪراچي جهڙي بين الاقوامي شهر ۾ پهچايو تنهن کان پوءِ ٻي نمبر تي اتي جماعت غريباءِ اهل حديث جي مدرسو دارالسلام ۾ مون کي داخلا به ملي ويئي. مون کي جيڪو به فيض پهچڻو هو ۽ هدايت جو رستو جنهن جي ڳولا لاءِ نڪتو هئس اهو به ملي ويو. الحمد لله ثم الحمد لله!

ڳائي ڄاتر ڳڻ نه تنهنجا
غمر اهو غمگين ڪي

اتي جماعت غريباءِ اهل حديث وارن جو ساليانو جلسو به ٿيندو هو جنهن ۾ سنڌ ۽ پنجاب جا نالي وارا عالم ايندا هئا. پنجاب وارن ۾ شيخ القرآن مولانا محمد حسين شيخوپوري رح. مولانا عبدالقادر روپڙي رح ۽ سندس ڀاءُ حافظ محمد اسماعيل روپڙي رح. مولانا محمد رفيق خان پسروري رح ايندا هئا. سنڌ مان اسماء الرجال جو امام شاه بديع الدين راشدي رح جن به ايندا هئا. جنهن جو جماعت جي جلسو کي ڪامياب بنائڻ ۾ وڏو هٿ هوندو هو. منهنجي سائين مرحوم سان سڀ کان پهرين واقفيت ۽ ملاقات به اتي ڪراچي ۾ ٿي تنهن کان پوءِ ته محبت وڌندي ويئي. منهنجي ملاقات وقت ساءِ جي ڦوڙهه جواني هئي. مون سائين مرحوم ۽ مغفور کي

☆ امام و خطيب جامع مسجد اهل حديث جهڏو. مترجم فوائد ستاريه.

ڪراچي ۾ گهمندي ڏٺو ڇند نوجوان ساٿي گڏ هوندا هئا. مون اڪثر فضل ربي رح جي جاءِ تي ويٺل ڏٺو. ۽ بنس روڊ تي جڏهن ايندا هئا تڏهن اسان طالب علمن سان ڪچهري ڪندا هئا. هڪڙو دفعه هوٽل تي وياسون چانهه جا پئسا به سائين مرحوم ڏنا. اسان کي سدائين جيڪا خاص وصيت ڪندا هئا اها هي هئي ته اسلام جو زور عقيدة توحيد تي آهي. تنهن ڪري عقيدة توحيد ۾ ڪوبه فرق اچڻ نه کپي.

الله تعاليٰ کيس وڏو ذهن عطا فرمايو هو. جنهن جو اندازو توهان هن ڳالهه سان لڳائي سگهو ٿا جو شاه صاحب مرحوم ٽن مهينن اندر قرآن مقدس حفظ ڪيو. الله اڪبر!

شاه صاحب مرحوم پنهنجي پوري ڄمار توحيد جي تبليغ ڪندي گذاري. سنڌ کان ٻاهر وڃي ماڻهن کي توحيد باري تعاليٰ جو درس ڏنو. سعودي عرب، ڪويت، مصر، شام، سوڊان، عمان، دبئي، ابوظهبي، شارجه، بنگلہ ديش، ۽ هندوستان ۽ افغانستان وغيره تائين سفر ڪيائين ٿر ۽ ٿر وارن سان ته وڏي دلي دوستي هئي. ڏيپلو، ڏونجهه، ڏيپار، گرڙابه، پيلوڙو، وارن وٽ سدائين ايندا ويندا هئا.

ڏيپلو ۾ مولوي محمد عمر جوڻيجو رح، امان مريم رح، ڊاڪٽر محمد شفيق، حاجي رمضان رح، حاجي محمد مٺواڻي، محمد عثمان ڏونجهه، مولوي علي محمد رح، حاجي عباس رح، محمود رح ۽ راقم الحروف منهنجن تقريبا سڀني ڪتابن تي شاه صاحب ۽ اکر لکي ڏيندو هو. اڃان تائين اهي موجود آهن. ڏيپار ۾ مولوي گل محمد جو اولاد مولوي عنايت الله رح حاجي محمد رح، سائين محمد حسن رح، گرڙابه ۾ مولوي جان محمد، سندس لائق فرزند مولوي عبدالرحمن ۽ ٻيا. پيلوڙي ۾ مولانا احمد الساعة سمون، مولوي خير محمد رح، جان محمد رح، محمد مبین رح ۽ ٻيا توحيد وارن سان وڏي محبت ڪندا هئا. سائين مرحوم ڪچهريءَ جو ڪو ڏيو هوندو هو نصيحت آميز واقعہ ٻڌائي ڪلندا ۽ ڪلائيندا هئا. ڪراچي ۾ هڪڙو چوڪرو نالو جمال الدين هو اهو مفتي محمد شفيق جي

مدرسہ جو طالب العلم هو دارالعلوم لائيديء ۾ پڙهندو هو. جمال الدين جي راقم سان به واقفيت هئي. مون کان هڪڙو ڪتاب مطالعي لاءِ کڻي ويو ان ڪتاب ۾ رفع اليدين، سورة فاتحه آمين، جو حوالن سان ذڪر هو. جمال الدين انهن حديثن تي عمل ڪرڻ شروع ڪيو امام پٺيان آمين وڌي آواز سان چوڻ شروع ڪيائين ۽ رفع اليدين سان نماز پڙهڻ لڳو. اها ڳالهه مدرسه وارن کي سٺي نه لڳي جمال الدين کي چوڻ لڳا ته ائين نه ڪر. جمال الدين چيو ته توهان مون کي دليل سان ته بند ڪري سگهو ٿا، باقي فقط توهان جي چوڻ سان آئون اهو سنت طريقو نه ڇڏيندس. آخر ڪار مدرسه وارن هن کي رات جو ايتري ته مار ڏني جو جمال الدين جو هڪڙو ڏند به ٽٽي پيو رت سان ڪوڙا پرڇي ويا، جمال الدين رات جوئي ٿاڻي تي ويو ۽ رپورٽ داخل ڪيائين مگر ٿاڻي وارن مدرسه وارن جي چوڻ تي رپورٽ داخل نه ڪئي انهي صبح جو جمال الدين مون وٽ مدرسه دارالسلام ۾ آيو چيائين ته مون ته هيءَ حالت ڪئي وٽن هاڻي ڪنهن سان اها ڳالهه ڪريون اتفاق سان سائين مرحوم به ڪراچي آيل هو محترم فضل ربيءَ رح (ريڊيو وارو) جي جاءِ تي موجود هو اسان ٻئي گڏجي وياسين سائين سان سڀ حال وريوسون.

شاه صاحب بروقت فون ڪيو ۽ مدرسه جو ناظم ملي ويو سائين ساڻس حال احوال ڪيو هنن کي ته خبر سڄي هئي ناظم صاحب بروقت معذرت چاهي ۽ شاه صاحب لاءِ پنهنجي گاڏي رواني ڪيائين چيائين ته سائين توهان مهرباني هٿ اچو روبرو جيڪو توهان فيصلو ڪيو اهو اسان کي منظور آهي پر اچو ضرور. شاه صاحب مون کي حڪم ڪيو ته امام الدين تون روڊ تي وڃي بهي گاڏي اچڻ واري آهي. آئون ويس ٿوري دير کان پوءِ گاڏي اچي ويئي شاه صاحب رح مولوي عبدالحق جوڻيجو ۽ راقم الحروف اسان ويا سون مدرسه وارن سائين جو بهترين آڌر پاءُ ڪيو ناشتي جو ٿاڻر هو. ناشتو ڪيو سون، تنهن کان پوءِ هنن جو ساليانو امتحان هلي رهيو هو آخري سال وارن جو پرچو سائين پڙهيو. پوءِ اڳتي هلياسون، مسجد شريف جيڪا نئين

تيار ٿي هئي ان ۾ وياسون. اتي هڪڙو تمام ننڍڙو ڇوڪرو وٺي آيا ناظر صاحب جو. شاه صاحب هن ننڍڙي جي عمر ڏسوا! هن قرآن مقدس حفظ ڪيو آهي توهان هن هڪڙي کان امتحان وٺو پر توهان هن کان جيئن ۽ جتان به سوال پڇندا اتان کان پڙهڻ و ان شاء الله! شاه صاحب کي به عجب ٿيو ته اهڙو هوشيار نه به هجي پوءِ سائين ننڍڙي جو امتحان ورتو شاه صاحب جتان به پڇيو ٿي جيڪو به رکوع يا آيت نمبر پڇيائين ٿي اتان کان پڙهي ويو ۽ ڪٿي به هن کان غلطي نه ٿي. شاه صاحب ننڍڙي جي هوشياري کان ايترو ته خوش ٿيو جو سائين چيو توهان جي مدرسه جي پيد ڏيو ته آئون لکي ڏيان. سائين کي مدرسه جي پيد پيش ڪيائون ان ۾ سائين اهو لکيو ته اڄ تاريخ مون هن ننڍڙي جو امتحان ورتو مون کي منهنجي زندگي ۾ اهڙيو ٻيو ذهين ٻار نظر نه آيو.

مدرسه وارن به اهو ساڳيو مضمون اخبار جنگ ۾ شايع ڪرايو، ٻي ڏينهن جمال الدين جو فيصلو اهو ٿيو ته جيڪا هن تي مار ڪٽ ڪيائون ان جي معافي ورتي وئي ۽ ڏند جو اهو لکرايو ته سون جو چاهيو يا چانديءَ جو لڳايو ٿا ڏيون. شل مالڪ الملڪ جنت الفردوس ۾ جاءِ ڏي آمين!



توحيد ۽ سنت نبوي جي پرچار لاءِ خطيب حرم جي جاکوڙ

هن سونهاري سنڌڙيءَ جن سپوت پٽن ۽ فرزندن توحيد ۽ سنت نبويءَ جي پروانن کي جنم ڏنو انهن مان راشديءَ خاندان جو چهره چراغ) بنت العرب (نيو سعيد آباد) جو رهواسي جمعييت اهل حديث سنڌ جو امير اول شيخ العرب والعجم مرحوم پڻ هڪ هئا. حقيقت ۾ اسلام جي عظيم اسڪالر جي متعلق هن ناچيز جو ذڪر خير لاءِ قلم کڻڻ چھوڻا منهنجي بابت جي مصداق آهي. مگر جامع بحرالعلوم السلفيه جي طلباءَ و اساتذہ جن کي بفضل الله تعاليٰ مجلد شيخ العرب والعجم خاص نمبر شايع ڪرڻ جو اعزاز حاصل ٿي رهيو آهي انهيءَ جامع جي تعليمي باغ جي پاڇي ۾ ڪجهه عرصو علم حاصل ڪرڻ ۽ شيخ العرب والعجم جي مجلس ۾ امتحان ڏيڻ جي غرض سان ويهڻ ۽ سندن ڪئي بار ڪلمات خير ٻڌڻ جو اعزاز هن حقير بندي کي به حاصل آهي.

تنهن ڪري الامر فوق الادب تحت هي به اکر قارئین ڪرام جي پيش نظر پيش ڪجن ٿا.

قارئین ڪرام جن دوستن، بزرگن شيخ العرب والعجم کي ڏٺو اهي بغير ڪنهن وڌاءِ جي گواهي ڏيندا ته پاڻ سلف صالحين جي ڪيترين ئي خوبين جا نمونو هئا. هر ميدان ۾ پنهنجو مٿ پاڻ هئا. پاڻ بيڪ وقت جيڪڏهن خطابت جي ميدان ۾ شهنسوار هئا ته حق گوئي ۾ ننڍي تلوار هئا ۽ اسماءُ الرجال جا ماهر هئا ته قرآن داني ۾ وقت جا استاد الاساتذہ هئا. توحيد جي پرچار ۽ سنت نبوي جي ترويج لاءِ هر جڳهه

﴿679﴾

تي بغير ڪنهن لالچ ولچڪ جي صدا بلند ڪندا هئا. مسلڪ اهلحديث جي ترجماني ۾ سلف صالحين جو دؤر ياد ڏياري ڇڏيندا هئا. ڪنهن به سيرة النبي ﷺ کانفرنس ۾ جڏهن هزارن جي تعداد ۾ حاضرين اڳيان اسٽيج تي ايندا هئا ته پنهنجي موضوع کي قرآن مجيد جي سوين آيتن سان پروڙي حاضرين کي موھي ڇڏيندا هئا. مون کي ياد آهي ته غالباً 1992ع ۾ پاڻ پنجاب جي شهر لودھران ۾ هڪ کانفرنس ۾ مدعو هئا ناچيز به خاص خطاب ٻڌڻ لاءِ جلال پور کان پنهنجي استاد سلطان محمود رحمة الله عليه کان اجازت وٺي آيو پاڻ پنهنجي مسلڪ جي ترجماني ڪندي ثابت ڪيو ته جماعت اهل حديث اهل وحي آهي. يعني هن مسلڪ جي عمل جو مآخذ وحي آهي. پاڻ جڏهن موضوع جي اصل ميدان ۾ لٿا تڏهن قرآن مان پنهنجي موضوع جي تائيد ۾ آيتن جو ايتري قدر وسڪارو ڪيائون جو پاڻ جي نعرن جي مخالفت باوجود مسلڪ اهلحديث جا غيور نوجوان پنهنجي پاڻ تي ڪنٽرول نه ڪري سگهيا ۽ لودھران شهر جي فضا اپ ڌاريندڙ نعرن سان گونجڻ لڳي بالاخر اسٽيج تي ويٺل اناٿونسمينٽ جا فرائض سرانجام ڏيندڙ مولانا عبدالرحمان چيمه کي اسٽيج کان نڪرڻ بند ڪرڻ لاءِ اعلان ڪرڻو پيو.

سامعين تي ايتري قدر حاوي ٿي ويا جو وقت جي قلت جي ڪري ڪلاڪ سوا جي تقرير چند منٽ محسوس ٿي. اهل الرأي جي ائين گرفت ڪندا هئا جو اهي مڃڻ تي مجبور ٿي ويندا هئا. هڪ دفعو حيدرآباد جي مارڪيٽ جي مين چوڪ تي احناف جي رد ۾ پاڻ جو خطاب هو اسٽيج تي پاڻ جي ٻنهي سائيدين تي سامعين کي حوالا ڏسڻ لاءِ ڪتابن جا ڍير هئا پاڻ جڏهن ديوبند جي مدرسي جي صد ساله موقعي تي رکيل کانفرنس جنهن جي صدارت اندران گاندي ڪشي ۽ تصوير سميت انهيءَ ڪتاب جو حوالو ڏيڻ تي شريپسندن طرفان جهيڙو ٿي پيو جنهن کي ختم ڪرڻ لاءِ پاڻ جماعت جي مشهور مبلغ ۽ پنهنجي دوست شهيد حافظ اديس کي تلاوت لاءِ چيو جيئن ئي

﴿ ۵۸۰ ﴾

حافظ مرحوم خداداد مٺي لهجي ۾ خشوع خضوع سان ۾ر تلاوت شروع ڪئي ته آهستي آهستي خاموشي ٿي ويئي جيئن ئي پاڻ تقرير شروع ڪئي ته وري شريسنڊن شرارت شروع ڪئي وري حافظ مرحوم تلاوت شروع ڪئي. بالاخر انتظاميه جي مدد سان شريسنڊن کي هٽايو ويو ۽ ڪانفرنس پنهنجي پڄاڻي تي پهتي. جيئن ته ڪافي ڪجهه حوالا باقي رهجي ويا انهيءَ ڪري هتي ڏينهن به مسجد دارالسلام سريگهاٽ ۾ پروگرام رکيو ويو جيڪو صبح تا شام جاري رهيو ۽ باقي علمي بحث ۽ حوالا مڪمل ڪيا ويا.

الغرض توحيد جي پرچار لاءِ سنت نبوي جي ترويج لاءِ هر جڳهه تي علي الاعلان صدا بلند ڪيائون. ڪڏهن به سفر جي تڪليف ۽ سواري جي اٿاڻ کي عذر طور پيش ڪري پوئتي نه هٽيا واعدي مطابق مطلوب منزل تي هر قسم جي قرباني ڏيئي پهچڻ جي ڪوشش ڪندا هئا. پوءِ چاهي اها مطلوب منزل پنجاب جي ڪنهن ڪنڊ ڪڙڇ ۾ هجي يا سنڌ جي صحرا ٿر جي ڀٽن ۾ هجي پاڻ واعدي کي امانت سمجهي انهيءَ کي ادا ڪندا هئا. پوءِ خواه بعض اوقات ريل گاڏي ۾ رش ۾ بيهڻو پوي يا صحراءِ ٿر ۾ اٺ تي سفر ڪرڻو پوي. مولانا انيس الحق افغاني صاحب نيو سعيدآباد ڪانفرنس ۾ خطاب ڪندي ٻڌايو ته شاه صاحب وٽ هڪ درويش صفت ماڻهو ملتان جي بهراڙي کان آيو ۽ پاڻ کان تقرير لاءِ تاريخ وٺي ويو انهيءَ ماڻهو نه اسان کي ۽ نه جماعت کي پنهنجي پروگرام جو اطلاع ڪيو واعدي مطابق شاه صاحب اڃانڪ ملتان پهتو ۽ پنهنجي پروگرام جو ٻڌايائون. اسان شاه صاحب کي چيو ته اهو ماڻهو پنهنجي ڳوٺ ۾ اڪيلو آهي نه ئي جماعت کي اطلاع ڪيو آهي تنهن ڪري توهانجو پروگرام هتي ملتان شهر ۾ ڪيو وڃي ته بهتر ٿيندو. شاه صاحب انڪار ڪري ڇڏيو ته جيڪڏهن منهنجي تقرير سان هڪ شخص به هدايت تي آيو ته منهنجو پروگرام ڪامياب آهي. چئبو ته: توحيد جي پرچار لاءِ سنڌ جي ڌرتي ڪئي ماڻهو

علامہ محمد ابراہیم علیہ السلام (681) شیخ العرب والعجم

پیدا کیا پر کري توحيد بغير رياء جي صحيح سنت جي ترويج لاءِ ويهئين صدي شيخ العرب والعجم کي ئي جنم ڏنو بلڪ آئون بيانگ دھول چوان ٿو ته جيڪڏهن ائين کڻي چيو وڃي ته کري توحيد جي پرچار لاءِ پاڪستان جي جماعت اهل حديث:

شيخ العرب والعجم

شهيد ملت علامه احسان الاهي ظهير

پروفيسر عبدالله بهاولپوري مرحوم

جهڙن جوڏن کي صدين تائين پيدا ڪرڻ لاءِ ترسندي ته مبالغو نه ٿيندو.

هزاروں سال زُگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے

بڑی مشکل سے هوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

حق گوئیءَ ۾ پنهنجن کي به معاف نه ڪندا هئا

جيئن ته هڪ دفعو سيالڪوٽ ۾ آل پاڪستان اهل حديث ڪانفرنس جي موقعي تي مدعو هئا شهيد ملت احسان الاهي ظهير جي شهادت جي صدمي جا زخم اڃا سلفي نوجوانن جي دلين تان مٽيا ڪونه هئا شيخ العرب والعجم جيئن ئي جلبي گاه ۾ پهتا تقرير کان اڳ پاڻ ڏٺو ته جلبي گاه ۾ علامه مرحوم جي تصويرن جا پوسٽر ۽ فريم ڪيل تصويرون لٽڪيل هيون پاڻ تصويرون جي سخت خلاف هئا جيئن ئي پاڻ تقرير لاءِ اسٽيج تي آيا ته مسنون خطبي بعد تمهيدا ئي پنهنجي تقرير جي موضوع جو رخ انهن تصويرون خلاف ڪيائون پنهنجي تقرير ۾ ايتري قدر ايماني جذبو ڏسيائون جو فوراً تقرير دوران ئي سلفي نوجوانن پنهنجي هٿن سان اهي تصويرون ٽڪرا ٽڪرا ڪري ڇڏيائون ۽ جوش ۾ اچي نعري ٽڪبير جي صدا بلند ڪيائون انهن اپ ڌاريندڙ نعرا هڻندڙ نوجوانن تي شيخ العرب والعجم اهو جملو چئي ۽ حاوي ٿي ويو. ڇپ ڪرون ۽ لڳائو ڪا ڏور ٿيا. پاڻ جي اها تقرير سيالڪوٽ جي تقرير نالي سان مشهور تقرير آهي. اڄ به ڪيسٽ بڻڻ سان اهل ايمان جي ايمان ۾ اضافو ضرور

ڪري ٿي ۽ سلف جو دؤر ياد ڏياري ٿي .

انهيءَ قسم جي حق گوئي جا ڪئي واقعا آهن. هڪ دفعي نيو سعيدآباد جي سالياني ڪانفرنس جي موقعي تي پاڻ جي لائبريري سامهون عيدگاه ۾ دعوت تبليغ جي حوالي سان مولوي صاحبانن سان ميٽنگ هئي. ميٽنگ دوران مدرسي جي فراغت بعد عربي ٽيچر لاءِ گورنمينٽ سروس وٺڻ جو موضوع هليو ته هڪ دوست تائيد ڪندي پنهنجي مشوري دوران اهو جملو چيو ته پيٽ جو مسئلو آهي جيئن ئي اهو جملو چوڻ هو ته پاڻ ڪاوڙ ۾ اچي ويا ۽ پڙڪي اهو چوندي اتي هليا ويا ته جيڪڏهن اڄ منهنجو سڄو اهل هلاڪ ٿي وڃي ته ايترو ڏک نه ٿيندو جيترو هن ڳالهه جيڪري ٿيو آهي. انهيءَ دوران هڪ سامهون ڏاڙهي ڪوڙيو (ڪلين شيو) ماڻهو بيٺو هو ته انهي جي ڏاڙهي طرف اشارو ڪري چيائون ته عربي ٽيچرن جو هي حال هوندو آهي.

اڄ ڪلهه جي اهل حديث نوجوانن جي بي عملي جو پاڻ کي ڏک هوندو هو. مريدڪي ۾ هڪ دفعو عام اجتماع کي پاڻ خطاب ڪري رهيا هئا. پاڻ کي موضوع ڏنو ويو هو ته "اصلاح اهلحديث"

پاڻ تمهيدا فرمايائون ته افسوس جن کي پين جي اصلاح ڪڙهي هئي اڄ اهي خود پنهنجي اصلاح جا محتاج آهن. انهي خطاب ۾ اهي مثال پڻ ڏنائون ته اڄ ڪلهه جا دوست مسجد ۾ نماز لاءِ رکيل ٽوپين وانگر آهن.

مسجد ۾ آيا ته رفيع الدين به ڪندا ته آمين به چوندا مسجد کان ٻاهر نڪتا ته پنهنجي مرضي.

استغنائِي مزاج جا مالڪ هئا

شيخ العرب والعجم ۾ اها ڳالهه فطري طور وديعت فرمايل هئي جو بي غرض مزاج جا مالڪ هئا. ڪنهن ۾ لالچ طمع جي غرض ڪونه رکندا هئا نه ئي ڪنهن وڏيري چوڌري جي طمع خاطر خوش آمديد ڪندا هئا. انهيءَ ڪري کيس

﴿ ۵۸۳ ﴾ شیخ الحدیث ابو العباس محمد صالح المنجد

قدرت طرفان في البديه حق گوئي جو ملڪو حاصل هو جنهن جي شاهدي لاءِ پاڻ جا حرم وارا درس تقريرون ڪافي آهن. پاڻ تقرير ۾ ٻڌائيندا هئا ته مڪي دؤر ۾ حج جي موقعي تي ماڻهو مسئلا پڇيندا هئا ته سائين مون کان حج جو فلاڻو عمل طواف وغيره رهجي ويو آهي آئون شافعي المسلك آهيان هاڻي مون کي شافعي مسلك مطابق ڇا ڪرڻ گهرجي يا حنفي آهيان، مالڪي آهيان ڇا ڪرڻ گهرجي پاڻ جواب ڏيندا هئا ته آئون محمدي آهيان. انهيءَ ڪري مون کان محمدي طريقو پڇو پر ڪڏهن به عربي شيخن جي ريانن جو لحاظ ڪندي جواب ۾ لڇڪ نه ڏسيندا هئا. ناچيز کي سائين جي قريبي دوست ٻڌايو ته سائين جڏهن مڪي کان موٽي آيو ته هڪ سنڌ جو ٻيو دوست جيڪو سائين سان گڏ مڪي ۾ رهندو هو مڪة المڪرمه جي دؤر ۾ اهو سائين جو اندروني طور مخالف هو پر سائين کي انهيءَ بالواسطه ڪجهه رقم ڏيڻ چاهي. جيڪا سائين سختي سان واپس ڪري ڇڏي ۽ ان جو احسان ڪونه ڪيائون.

1984ع ۾ شيخ العرب والعجم جي ٿر جي تبليغي سفر جي موقعي تي خراج تحسين طور چيل بيت جيڪو منهنجي مضمون جي ترجماني ڪري ٿو.

سن 18 ذوالحج 1404 هجري بمطابق 15 سيپٽمبر 1984 ۾ شيخ العرب والعجم ٿر جي تبليغي دوري تي ٿر پارڪر جي مختلف ڳوٺن ۾ آيا جڏهن مذڪوره تاريخ ۾ ٿر جي مشهور ڳوٺ ڏيپيار هنگورج جي علمي گهراني مولوي گل محمد مرحوم جي خاندان وٽ آيا تڏهن مولوي عنايت الله بن مولوي گل محمد مرحوم طرفان شيخ العرب والعجم جي تبليغي دوري تي خراج تحسين طور سائين محمد محسن بن مولوي گل محمد مرحوم هي بيت چيو جيڪو منهنجي ٻن اکرن جي عڪاسي ڪري ٿو.

بَیِّنَاتُ الْعِلْمِ (684)

- معيار عنوان: سرشت چشم مسلم میں ہے نشان کا اثر پیدا
 خلیل اللہ کے درياء میں ہوں گے پھر گوہر پیدا
 چون بخوانی حکمت ایگریزویاں، حکمت ایمانیاں راہم نجویاں
 ما مسلمانیم از فضل خدا مصطفی مارا نی و رہنما
 1- آورثۃ الانبیاء عالم پلي آئین تون جي آئین،
 علمبردار وحدت جا پلي آئین تون جي آئین.
 2- امیر کاروان امجد، پلین آئین تون جي آئین،
 محدث ای حدیث جا، پلي آئین تون جي آئین
 3- بلند جہندو آ سنت جو، کیو تو راشدی،
 جیئین تون شل جہندی وارا، پلي آئین تون جي آئین.
 4- امام الشافعی ادریس جا، اھیچا تو یر تیا،
 حدیث تی عمل کیو تو، پلین آئین تون جي آئین.
 5- سلو سنت جو پوکیو تو، وڌو سند کی تو سونو نک
 سہاڳڻ سنت سان سند تی، پلي آئین تون جي آئین
 6- فصاحت ۽ بلاغت یر ٿئین سعبان تون سند جو،
 بدعتی کئین پڄایا تو، پلي آئین تون جي آئین.
 7- اچر لاهور مان آیو، عمر اڙپنگ هاڻی جیئین!
 حدیث سان هڻایو تو، پلي آئین تون جي آئین
 8- بلاغت بلغو عني ودیعت آ، امانت آ،
 امانت کی نپاڻ ٿئی، پلي آئین تون جي آئین.
 9- علیکر سنتی وصیت کئی، آھی رسول اللہ،

- ملي اهميت وصيت ڪي، ڀلي آئين تون جي آئين.
- 10- حڪم قرآن ۾ آيو، اطيعو الله واطيعو الرسول، اهي موتي ڏيڻ آئين، ڀلي آئين تون جي آئين.
- 11- مثل سنت جيارڻ لاءِ، ٿيو رتبو سؤ 100 شهيدن جو، اهي سنتون جيارڻ لاءِ، ڀلي آئين تون جي آئين.
- 12- عليڪم سنتي وصيت ڪئي آهي رسول الله، ڪئي اهڙي تبليغ تو، ڀلي آئين تون جي آئين.
- 13- فجر جو وقت مشهودا، ملائڪ ان تي ٿيا شاهد دعا ان ۾ گهرين ٿوتون، ڀلي آئين تون جي آئين.
- 14- بخاري ۽ قشيري، جاتون ماهر، همت ڀلين آئين، رسول الله جا تابع، ڀلين آئين تون جي آئين.
- 15- رفع اليدين رکوع ۾، اها تمجيد رب جي آ، اهو مفهوم سمجهيو تو، ڀلي آئين تون جي آئين.
- 16- چوڻ آمين ۽ ربنا، ٿيو پيغام پيغمبر ﷺ، رسولي رسم رائج ٿي، ڀلي آئين تون جي آئين.
- 16- صفون سرڪيون جماعت جون، عجب ٿيو يعجب الزراع، اهو سينگار ٿيو سنت، ڀلي آئين تون جي آئين.
- 17- تنهنجو شجر و شجاعت سان، ڪيو تحرير تاريخن، قبيلي هاشمي وارا، ڀلي آئين تون جي آئين.
- 18- مڪه مان هڪ مبلغ ۽ مجاهد سنڌ ۾ آيو، سب ان جي نشاني تون، ڀلي آئين تون جي آئين.

- 19- پاڳارا ۽ جهندي وارا، نسب هڪ مان ٿيا نرمل،
 ٻلارا تون ٻلي پيرن هيءَ، ٻلي آئين تون جي آئين.
 20- ظلم سنڌ ۾ مچايو هو، مها راجا دلورا هو،
 وڏا تنهنجا آيا ان لئي، ٻلي آئين تون جي آئين.
 21- انهن جي اچڻ کان ئي اڳ، اهو ظالم غرق ٿي ويو،
 هي قدرت جو عجوبو هو، ٻلي آئين تون جي آئين.
 22- شهر شهدادپور وٽ، ٿيا ڪنڊر اثرات عبرت جا،
 اها تصديق تاريخي، ٻلي آئين تون جي آئين.
 23- وڏا احسان ۽ ٿورا، تو ٿر وارن تي ڪيا آهن،
 علم وارا علم وارا، ٻلي آئين تون جي آئين.
 24- عمر جوڻيجو عالم هو، اسين طالب آهيون ان جا،
 پيارا علم جا پارس، ٻلي آئين تون جي آئين.
 25- طلب تنهنجي ورهين کان هئي، واتون نهاريون عنايت الله،
 سين سائين سان تون آئين، ٻلي آئين تون جي آئين.
 26- تعارف تنهنجو ڇا ڪريان؟ تون جڳ مشهور ملڪن ۾
 ٿيا احسان محسن تي، ٻلي آئين تون جي آئين.
 27- فخر آهي مرڪ آهي، سمورن ميزبانن جو،
 ٻلا مهمان اچ آيا، ٻلي آئين تون جي آئين.
 ڪراچي ۽ سکر مان، چند محقق علم جا آيا،
 سين سرواڻ تون آئين، ٻلي آئين تون جي آئين.
 پروفيسر ڀرت مان، ٿا ٻڌن، تقرير تنهنجي ڪي،

- 28- اهو اعجاز قرآني، ڀلي آئين تون جي آئين، تنهنجي واعظ نصيحت سان، لاکيڻو لاٽ ٿيو ميمڻ، ڪري پيو حج ۽ عمرا، ڀلي آئين تون جي آئين، حاجي محمد حواري ٿيو، وقف لاريون ٿيون وحدت لاءِ، 29- انهي نيڪيون سڀئي ترنديون، ڀلي آئين تون جي آئين، منور ٿيو ابن مرير، منو مشتاق ميمڻ اڄ، 30- پذيرائي ٿي تنهنجي، ڀلي آئين تون جي آئين، گلستان ٿيو آ گرڙا به، گوهر ان ۾ ٿيو پيدا، 31- پاسي تنهنجي ۾ سونهي پيو، ڀلي آئين تون جي آئين، ويو ستون ميل سڌري ۽ هجي شاباس دل ۱ کي پڻ ڪئي جنهن آجان تنهنجي 32- ڀلي آئين تون جي آئين، مليو سلمان جين رتبو سڌو سئون - سليمان کي، 33- ڪڍي ويو گوئي ڪتري آ، پلين آئين تون جي آئين، صبغة الله ربابي رنگ نئون ونگو رجي ٿيو لعل، 34- ٿيا واحد جا وسڪارا، ڀلي آئين تون جي آئين، 35- نبيءَ سان نينهن لايو آهي، ملڪاڻين ۽ لشارين، پروجن کي سڌاريو تو، ڀلي آئين تون جي آئين، 36- اچڻ تنهنجي سان ٿيو روشن، ڏيئوارجن ۾ ٿيو ڏييار، مهرباني ٿي محسن تي، ڀلي آئين تون جي آئين،

”جنب گذاريم جن سين“

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

شیخ العرب والعجم امام المفسرين سلطان المحدثين علامہ السید بدیع الدین شاہ صاحب راشدی رحمہ اللہ علیہ جن جي شخصیت کنهن تعارف جي محتاج نه آهي اسلامي دنيا ۾ کين وڏو مقام حاصل هو. منهنجي ساڻن باقاعده ملاقات سال 1953ع ۾ ڳوٺ پير جهنڊو نمبر 2 ۾ ٿي. منهنجي عمر ان وقت 17 سال هئي. شاہ صاحب رحمہ اللہ علیہ جي عمر 27 سال هئي، پاڻ مون کان عمر ۾ ڏھ سال وڏا هئا. اهو ڳوٺ پير سائين محب اللہ شاہ صاحب رحمہ اللہ علیہ جن جو هو ان ڳوٺ ۾ هڪ مدرسو دارالرشاد جي نالي سان هو. جنهن جو مهتمم مولانا ولي محمد صاحب کيريو مرحوم ساکن ڳوٺ قبول کيريو لڳ ماتلي هو ۽ مولانا غلام قادر صاحب ميمڻ نوشهراڻيروز وارو صدر مدرس هو. ۽ هڪ ٽيون به مولانا هدايت اللہ صاحب هو. ان وقت مدرسه کي سنڌي ماستر جي ضرورت هئي ۽ سنڌي فائنل امتحان پاس ڪري ويٺو هوس. مون کي مولانا ولي محمد صاحب کيريو مرحوم چيو ته جيڪڏهن تون مدرسه ۾ ننڍن طالبن کي سنڌي پڙهائين ته مدرسه طرفان تو کي 40 روپيه ماهوار معاوضو ملندو. مون ها ڪئي ۽ آئون مدرسه دارالرشاد ۾ پهتس. مذڪوره علمائن ڪرامن سان ملاقات به ڪئي ٻئي ڏينهن مدرسه جي ڪمري ۾ 10 - 12 طالب علم ڏٺائون جن کي مون پڙهائڻ شروع ڪيو. نماز جو اهما تمام گهڻو هو ۽ سخت به هو نماز باقاعده جماعت سان پڙهندا هئاسين. هڪ ڳالهه ياد رکڻ گهرجي اسان جا وڏا پير جهنڊي وارن سان پيري مريديءَ ۾ منسلڪ هئا. تنهن ڪري منهنجي ذهن ۾

☆ ڳوٺ شريف شاہ لڳ ضلع ٽنڊو محمد خان

عبارت اولیٰ (689)

پیری مریدی وارو اثر هو. ته پیر سائین جن سان کٽ تي گڏ نه ويهجي. انهن جي اڳيان گوڏا پڇي ويهيو وغيره. نماز ۾ پير سائين محب الله شاه رحمہ الله عليه ۽ سائين رحمہ الله عليه رفع اليدين ڪندا هئا ۽ شايد هڪ ٻيو ماڻهو به رفع اليدين ڪندو هو. مگر مولوي صاحبان مان ڪوبه رفع اليدين ڪونه ڪندو هو افسوس جو مولوي ولي محمد صاحب مرحوم شاه صاحب جن جو استاد به هو مگر رفع اليدين ڪونه ڪندو هو. مون دل ۾ سوچيو ته پيرن لاءِ نماز شايد اها نماز آهي ۽ اسان لاءِ شايد اها نماز آهي آئون ڪڇي ڪونه سگهندو هوس. مگر نماز مون کي اها پسند ايندي هئي. وچين نماز بعد پير سائين محب الله شاه رحمہ الله عليه مسجد ۾ جماعت سان ويهندا هئا مولوي صاحبان مدرسو ۾ هليا ايندا هئا. آئون ڪجهه وقت تبرڪ خاطر پير سائين محب الله شاه رحمہ الله جن وٽ ويهي پوءِ مدرسو ۾ ايندو هوس علامه السيد بديع الدين شاه رحمہ الله عليه مدرسو ۾ مولوي صاحبان سان ڪچهري ڪرڻ ايندو هو. اهو شاه صاحب جو معمول هو. چند ڏينهن کانپوءِ مون محسوس ڪيو ته سواءِ مولوي ولي محمد صاحب ڪيريو کان ٻيا مولوي چاهيندا هئا ته سيد بديع الدين شاه صاحب رحمہ الله عليه نه اچي ته چڱو. ڇو ته شاه صاحب مولوين سان بحث مباحثه شروع ڪندو هو. ۽ علمي سوالات ڪندو هو شاه صاحب رحمہ الله جي رعب و تاب سبب مولوي هيپسيل هوندا هئا. هڪ دفعي مولانا غلام قادر صاحب سان رفع اليدين جي باري ۾ ڏي وٺ ٿي دراصل مولانا غلام قادر صاحب شيخ الحديث سڏيو هو. شاه صاحب مولوي غلام قادر کي رفع اليدين جي باري ۾ چيو ته جڏهن ڪافي صحيح حديثون رفع اليدين جي باري ۾ آهن ته پوءِ اوهان ڇو نه ٿا ڪريو؟ مولوي صاحب جواب ڏنو ته اسين امام ابوحنيفه جا پوئلڳ آهيون شاه صاحب چيو ته چئبو ته اوهين رسول الله ﷺ جن جي پويان ڪونه آهيو. پوءِ اوهان ڪلمو جيڪو لا اله الا الله محمد رسول الله پڙهو ٿا پوءِ ان ڪلمي ۾ محمد ﷺ جن جي بجاءِ ابوحنيفه رسول الله چئو؟ مولوي صاحب وڌيڪ ڪجهه ڪونه ڪڇيو.

مگر دل ۾ ناراض ٿيو. ان بحث مباحثي کانپوءِ منهنجون ٻه ڪجهه اکيون ڪليون ۽ مون به ڊڄي ڊڄي رفع اليدين شروع ڪئي منع مون کي ڪنهن کان ڪئي. علي ڪل ۸۰ سالن وڃين نماز بعد شاه صاحب مولوي صاحبان وٽ ايندو رهندو هو. ڪنهن نه ڪنهن مسئلہ ۾ مولوين سان بحث شروع ڪري ڇڏيندو هڪ دفعي سائين محب الله شاه صاحب رحم جن سفر تي ويل هئا. جمعہ جي ڏينهن سائين محب الله شاه صاحب جن کونه پهتا جمعہ جو خطاب سائين بديع الدين شاه صاحب رحم جن پڙهايو اهو پهريون خطبہ هو جيڪو مون ٻڌو سامعين جي ڪنن مان دونها ڪڍي ڇڏيائين ۽ مولوين جاتين ڪڙڪائي ڇڏيائين. ان خطبہ بعد مون سائين جن وٽ وهڻ پسند ڪيو جتي پاڻ هوندا اتي وهڻ جي ڪوشش ڪندو هوس مون کي هڪ ٻن ماڻهن چيو ته سائين وٽ گهڻو نه وهندو وڃ سائين تمام سخت ماڻهو اٿئي؟ خير سال کن مدرسو ۾ رهيس مولوي ولي محمد صاحب ڪيريو جن وٽ فارسي عربي به ٿوري گهڻي پڙهندو رهيس. سال 1954ع ۾ سائين جي ڪوشش سان سرڪاري اسڪول منظور ٿيو ۽ آئون واپس پنهنجي ڳوٺ قبول ڪيريو ۾ آيس ۽ اتي مون کي به سرڪاري نوڪري پرائمري ملي ويئي ۽ ڪڏهن ڪڏهن سائين جن سان ملڻ لاءِ ايندو رهندو هوس. ماتلي کان سعيدآباد تائين اوت موٽ ساڍا ڇهه رپيهه ڪرايو هوندو هو. سائين محب الله شاه صاحب جن جي ڳوٺ ۾ ايتري اظهار خيال جي آزادي سائين رحم الله عليه جن کي نه هوندي هئي ڇاڪاڻ ته سائين پيري مريدي جي سخت خلاف هو مجبوراً سائين نيو سعيدآباد ۾ پنهنجو ڳوٺ ٻڌو ۽ سائين توحيد تي زوردار تقريرون جنهن ۾ ابن ڏاڏن جي رسم ۽ پيري مريديءَ کي رڳڙيندو هو. الله جي مهرباني سائين رحم جن سان شامل هئي اڌاءِ نصر الله تحت ماڻهو سائين وٽ ايندا رهيا. سائين کي ڳوٺ ٻڌڻ ۾ ڪافي دشوريون پيش آيون. سائين پنهنجي ٻچن جي رهائش لاءِ جهوپڙيون ٺهرايون سڀ کان پهرين مسجد جي تعمير تي ڌيان ڏنو. مسجد تمام وڏي سٺي مضبوط طريقي سان ٺهرائڻ شروع ڪيائون ڪڪائين مسجد ۾ جمعہ جي خطبہ لاءِ

ترجا ۽ پري جا ڪافي ماڻهو ايندا هئا. سڀني ماڻهن کي پنهنجي غربت حال سادو ماني ٽڪر ڪارائيندا هئا ۽ آئون به اڪثر جمعين تي ايندو رهيس. سائين جي خطبه ٻڌڻ جو شوق هوندو هو. توحيد ۽ سنت جي حق ۾ سندس خطاب هئا ۽ پيري مريدي ۽ بدعت جي خلاف سندس خطاب هئا. ان عرصه ۾ سائين کي پنهنجن پراون ايڏائڻ شروع ڪيو. ايتري تائين جو سائين تي ڪوڙا ڪيس ڪيا ويا هڪ طرف ڪيسن کي منهن ڏيندو هو ٻئي طرف تبليغ کي جاري رکيائين نئين طرف معاشي حالت تنگ هئي سائين الله جي فضل سان توڪل علي الله سان پنهنجي همت مردانگي سان مقابلو ڪندو آيو ۽ الله ڪيس سويارو ڪندو رهيو. جيڪو ڳوٺ سائين ٻڌو هو ان تي هڪ ماڻهو ڪوڙي دعويٰ ڪئي. انڪوائري لاءِ ان وقت ضلع حيدرآباد ڪليڪٽر جناب انور عادل صاحب پاڻ انڪوائري ڪرڻ لاءِ سرزمين تي پهتو انڪوائري ڪيائين مدعي ڪوڙو نڪتو ڪليڪٽر صاحب اتي جو اتي مدعي کي مارڻ شروع ڪيو. هي ڏاڍو ڏکيو دور هو. انهي سال 1955ع ۾ هڪ بريلوي مولوي محمد عمر ايجروي لاهور وارو حيدرآباد ۾ آيو هفتو کن حيدرآباد ۾ رهيو وڏو فتنو ڪڙو ٿيو. حيدرآباد جو سڄو شهر ٻري رهيو هو ديوبندي حضرات کي ڏاڍو سوڙهو ڪيائين. مجبوراً حيدرآباد جا ماڻهو ٻي ڪا واھ نه ڏسي سائين وٽ آيا. چيائون ته سڄو شهر فتنه جي لپيٽ ۾ اچي ويو آهي ڪيترن ماڻهن عورتن کي طلاقون ڏيئي ڇڏيون آهن هاڻي ڪا واھ ڪريو. سائين توڪل علي الله جو ترهو ٻڌي حيدرآباد آيو حالات جو جائزو ورتو معلوم ڪيائين حيدرآباد جي ڪنهن علائقي ۾ عشاء بعد مولوي عمر جو خطاب آهي. سائين چند ماڻهن کي تيار ڪيو ڪين سمجهايو ته سڀ گڏ نه ويهجو مختلف هنڌ ويهجو جنهن مهل مناظري جو چئلينج ڏي ته اوهان اتي بيهي چئلينج قبول ڪجو ۽ ٽائيم وٺيڃوس ۽ جڳهه جو معلوم ڪجوس. مولوي عمر جي تقرير ۾ ماڻهو پهتا هن تقرير دوران جذبات ۾ اچي ڪري چيو ته ڪوئي مائي ڪا لال جو پير ڪي منظره ڪري. مختلف هنڌن تان ماڻهو اتي بيٺا مناظري جو چئلينج قبول ڪيو. هاڻ مولوي قاسي

وڻيو. جڳهه ڀر ۾ پارڪ جو انتخاب ڪيو ويو تائين بعد نماز عصر. ٻئي ڏينهن ڀر ۾ پارڪ ۾ شايد مولوي نه آيو موحد ان جي پويان. مولوي عمر حيدرآباد ۾ تقريرون ڪرڻ بند ڪيون. الله تعاليٰ جي مدد سان مولوي ڪي. موحدن سوڙهو ڪيو. آخر ڪار مولانا غلام مجدد سرهندي مٽيارين واري جي جاءِ تي مناظرو رکيو ويو پر مولوي شرط اهو رکيو ته کليل مناظرو نه ٿيندو بند ڪمري ۾ ٿيندو طرفين جا 14 - 14 ماڻهو مناظره ۾ ويهندا. اهو تائين سائين جي جوانيءَ جو هو. ٻئي طرف علمي طاقت هئي ٿيڻ طرف رب جي رحمت هئي سائين رعب تاب سان مناظره جي جاءِ تي پهتو. مولوي عمر سائين کان تعارف پيو. سائين رح تعارف ڪرايو مولوي عمر پڇيو ته آپ کون ٿي؟ سائين جواب ڏنو ته مڻ مسلمان هو. مولوي عمر آپ کاسلڪ ڪيا. سائين جواب ڏنو مڻ مسلمان اهل حديث هو. مولوي عمر چيو اچاڻايه لوگ ڪي اور ڪو ڪرائي پرائي ٿي. ورنه ان لوگوں مڻ ڪيادم ٿا. بحر حال مناظر صحيح طريقه سان نه ٿي سگهيو. ان ڏينهن کان پوءِ مولوي اچروي وري حيدرآباد نه آيو ڪڍي آيو به هجي ته به ايترو سرگرم نه هو. شاه صاحب رحم الله عليه عمر اچروي جي اثر کي زائل ڪرڻ لاءِ حيدرآباد ۾ هڪ ڪانفرنس ڪوٺائي جنهن ۾ پنجاب جي علماء ڪرامن به تمام شومد سان حصو ورتو رات جو حيدرآباد پراڻي مارڪيٽ ۾ اجلاس عام هلندا هئا ۽ ڏينهن بسنت هال حيدرآباد ۾ اجلاس ٿيندا هئا پنجاب جي جن علمائن ڪرامن ڪانفرنس ۾ شرڪت ڪئي. انهن ۾ تن علماء ڪرامن جا نالا مون کي ياد آهن (1) مولانا محمد اسماعيل صاحب ذبيح راولپنڊي (2) مولانا محمد اسماعيل صاحب روپڙي لاهور (3) مولانا ابو البيان عبدالمنان ڪراچي. ان تائين ۾ حيدرآباد ۾ منهنجي سمجهه ۾ 4 - 5 دوست اهل حديث هئا. مرڪز فضل ربي ريڊيو هائوس فوجداري روڊ حيدرآباد هو. مولوي عمر اچروي سان مناظره ۽ ڪانفرنس بعد حيدرآباد ۾ اهل حديث جو بنياد پيو. ڪانفرنس بعد شاه صاحب رح تبليغي پروگرام جاري رکيو سنڌ جي ڳوٺن ۽ شهرن ۾ شاه صاحب جا جلسا ٿيندا رهندا هئا ۽ ماڻهو شوق سان شرڪت ڪندا هئا

سال 59 - 60 ۾ آئون حيدرآباد ٽريننگ ڪاليج ۾ S.V ڪورس ڪندو هوس. شاه صاحب رح هر جمعرات شام عشا بعد قلع واري مسجد ۾ خطاب ڪندو هو آئون هڪ ٻه دوستن کي مسجد ۾ وٺي ايندو هوس. هڪ دفعي آئون ڳوٺ ٿي ويس حيدرآباد اسٽيشن جي پليٽ فارم تي شاه صاحب رح جن کي ڏنر مون چيو سائين اوهان جو پروگرام ڪيڏانهن آهي؟ شاه صاحب فرمايو اوهان جي علائقي ڏي مون پڇيو ته ڪٿي؟ شاه صاحب چيو ته بدين لڳ پيرولشاري اسٽيشن جي ڀر سان مخدوم جي ڪني. اتي جلسو ڪرڻو آهي. اهو علائقو مشرڪن ۽ بدعتين جو ڳڙھ هو. جتي سال به سال پير غلام مجدد سرهندي ماتليءَ وارو ايندو هو ۽ ماڻهن کي 2 رپين ۾ جنت جي تڪيٽ ڏيندو هو مون کي دل ۾ ڪجهه خوف ٿيو ته علائقو مشرڪن ۽ بدعتين جو آهي الله خير ڪري بدين جي گاڏي آئي چڙهي ويناسين رات جو تقريبا 8 بجي پيرولشاري اسٽيشن تي لٿاسين. تر جي مشهور معروف زميندار حاجي محمد اشرف صاحب ٽيپي مرحوم جيپ موڪلي جنهن اسان کي مخدوم جي ڪنيءَ تي پهچايو سائين صورتحال جو جائزو ورتو. ماڻهن چيو ته فساد جو امڪان آهي جلسو گاه ۾ ڳوٺ قبول ڪيريو ۽ ڊوڪياھ واھ جا ڪيريا ۽ تلھار جي جمالي قوم جا ماڻھو هئا. سائين رح پاڻ سان ٻه باڊي گارڊ (1) دين محمد ڪاڪو (2) ڏاهو بروهي جيڪي ڪنهن وقت ۾ مشهور معروف ڌاڙيل هئا. جيڪي وٺي آيو هو.

شاه صاحب جي تقريرن ٻڌڻ کان پوءِ راه راست آيا هئا جيئن رسول الله ﷺ جن بن ڌاڙيل کي بل انتر مڪرمان چيو هو ۽ ڳوٺ قبول ڪيريو جا ماڻھو چو طرف جلسو گاه کي ڦري بيٺا. دين محمد ڪاڪي مرحوم ۽ ڏاهي بروهي جي هٿن ۾ ٻه رائفلون هيون مشرڪن ۽ بدعتين جا حوصلو پست ٿيا. شاه صاحب توحيد جي موضوع تي ٻه ڪلاڪ تقرير ڪئي. واپس شاه صاحب کي وڏيري مرحوم جي جيپ اسٽيشن تي ڇڏي ويئي. اسان بدين گاڏيءَ ۾ واپس ٿياسين. گاڏي ۾ ڳوٺ قبول ڪيريو جا ماڻھو به گڏ هئا. انهن سان هڪ نيڪ مرد نالي حاجي محمد عثمان مولودي شاه

صاحب کي دعوت ڏني ته سائين منجهند جي ماني اسان وٽ کائڻ پوءِ شاھ جو خيرن سان ويڃو. شاھ صاحب دعوت قبول فرمائي. ڳوٺ قبول ڪيريو جيڪو ڪنهن وقت منهنجو بہ ڳوٺ هو شاھ صاحب تشریف فرما ٿيو. درس ڏنائين. شاھ صاحب رحمہ شام جو روانو ٿيو ان تائيم ڳوٺ قبول ڪيريو ۾ پيري مريديءَ جو اثر هو هڪ دفعي مولوي ولي محمد صاحب ڪيريو جيڪو شاھ صاحب جو استاد بہ هو جنهن جو تذڪرو مٿي ڪري چڪو آهيان ان مون کي چيو ته نظام سمون ڳوٺ ۾ هلڻو آهي. حافظ پريو سمون جيڪو بريلوي عقيدي جو هو ان وقت مخدوم محمد هاشم نٿوي رحمہ جو ڪتاب ذبح ۽ شڪار جنهن ۾ چپ کي حلال ڪيو اٿس اهو ڪتاب ڏسون تحقيق ڪريون اسان ڳوٺ کان نڪتاسون ايندي ويندي نماز متعلق مولوي صاحب مرحوم کان پڇندو رهيس. رفع اليدين جي باري ۾ مولوي صاحب مرحوم کان پڇيم چيائين بلڪل صحيح آهي رسول الله ﷺ جن رفع اليدين کان سواءِ نماز پڙهي نہ آهي پوءِ چيم ته اوهان ڇو نہ ٿا ڪريو؟ ان ڏينهن کان مولوي صاحب مرحوم نماز رفع اليدين سان شروع ڪئي ۽ اسان ڳوٺ قبول ڪيريو ۾ اهل حديث جو باقاعده بنياد وڌو سال 1963ع ۾ شاھ صاحب عمري ۽ حج جي خيال سان 80 رفيقن سان ماھ شعبان ۾ بحري جهاز ذريعي سعودي سفر تي روانہ ٿيا. جن ۾ سندن قريبي دوست دست راست مولوي محمد قاسم صاحب ٺوڙهن وارو ۽ هالن جا انصاري صاحب بہ شاھ صاحب سان سفر ۾ شامل هئا. شاھ صاحب حج بعد واپس آيو. ان سال مون پنهنجي ڳوٺ ۾ هڪ جلسو رکيو هو جنهن ۾ ماتليءَ جي ماڻهن ڪافي تعداد ۾ شرڪت ڪئي اسان تبليغ جو ڪم شروع ڪيو شاھ صاحب نهايت خوش ٿيا ته جماعت ۾ شعور اچي ويو آهي.

ان بعد سال سال تي شاھ صاحب جن حج تي روانہ ٿيندا هئا ۽ کين حرم ۾ تقرير جي اجازت ملي چڪي هئي. 3 - 4 مهينا سال جا شاھ صاحب حج تي گذاريندا هئا. باقي عرصہ ملڪ ۾ تبليغ جو ڪم ڪندا هئا. الله جي فضل و ڪرم سان جماعت وڌندي ويئي ۽ مضبوط بہ ٿيندي ويئي هر ڳوٺ ۽ شهر ۾ جان نثار پيدا ٿيندا

ويا خاص طور تي سعيدآباد سان ملحق ڳوٺن جا ماڻهو جمالي. ڪاڪا. ڪوريڊر هالن جا انصاري. ڳوٺ نوڙمن جا احمدائي خاصخيلي. راهو مرحوم خير محمد ماڇي ڳوٺ اڙه رکيو ماڇي تعلقه حيدرآباد هي مرحوم شاه صاحب رح سان تمام گهڻي محبت ڪندو هو سڪرنڊ جا خاص ابو الخير رح ۽ عبدالرحمن صاحبان منگيا. سيد مقبول شاه صاحب سڪرنڊ وارو. وڏيرو رئيس رسول بخش ڪيريو. حاجي ميوو حافظ محمد شاه ڳوٺ اڳرو راهو. فيض محمد انڙو سڪرنڊ. هالن جي انصارين مان قاضي عبدالحق صاحب انصاري. ٿر جي دوستن ۾ جناب مولوي جان محمد صاحب نهڙي گرڙاهه. ڏيپل جا حاجي منواڻي صاحبان حاجي محمد کٽي صاحب ارباب صاحبان جناب احمد علي صاحب ميمڻ نئون ڪوٽ ۽ سندس عزيز محترم محمد اسماعيل صاحب ميمڻ وڪيل. سيد عبدالستار شاه ۽ سيد حسين شاه ڳوٺ جهيجا لڳ ماتلي. رئيس حيدر خان نظاماڻي مرحوم ماسٽر فيض محمد صاحب نظاماڻي مرحوم وڙيلو جا لاشاري صاحبان. حيدر خان مهڪاڻي ٽنڊو آدم. عبدالرحمن صاحب واڍو ٽنڊو آدم. چوٽيارين وارا ڪيريا محمد اعظم لائبر ڊاڪٽر عبدالرشيد صاحب سانگڙ ۽ پيا جن جا نالا طوالت سبب لکي نه ٿو سگهان اهي شاه صاحب جا هڏ ڏوڪي ۽ همدرد جماعتي دوست هئا. مون کي انهن دوستن کان اڳ ۾ حيدرآباد جي جماعتي دوستن جا نالا لکڻ ڪين ها. جن ۾ جناب حافظ محمد اديس شهيد رحم الله عليه جناب عبدالغفار صاحب انصاري حافظ محمد صاحب لياقت ڪالوني. عبدالڪبير صاحب. اقبال شاه مرحوم عبدالوحيد صاحب ناغڙ. شاه صاحب جا قريبي جماعتي دوست رهيا. آئون اڳ ۾ عرض ڪري چڪو آهيان ته شاه صاحب رح سال 1963ع کان سال ٻه سال حج تي 3 مهينا رهندا هئا.

وطن عزيز پاڪستان ۾ تبليغ ڪندا هئا ايام حج ۾ شاه صاحب جي هڪ شخص عبدالرحمن خاصخيليءَ سان ملاقات ٿي جيڪو مديني ۾ رهندو ۽ سندس ڳوٺ بخشو نظاماڻي عرف انداڻي لڳ راڄو خانائي هو. اهو اتي سعودي عرب ۾ شاه

صاحب جي تقريرن کان متاثر ٿي پنهنجي ڳوٺ وارن کي سائين متعلق خط لکي واقف ڪيائين ته شاه صاحب اوهان وٽ تقرير لاءِ ايندو ۽ اوهان جلسو تمام سٺي نموني سان ڪرائجو. شاه صاحب جن وطن پهچي مون کي ڳوٺ بخشو ۾ نظاماڻين سان ملڻ لاءِ موڪليو ۽ جلسو جي تاريخ مقرر ڪري ڏنائين. آئون شاه صاحب جو پيغام کڻي ڳوٺ بخشو نظاماڻي پهتس جتي منهنجي ملاقات مرحوم رئيس حيدر خان سان ۽ ماسٽر فيض محمد صاحب مرحوم سان ٿي شاه صاحب جو پروگرام ڏنر بڻي صاحب ڏاڍا خوش ٿيا. هڪ ڳالهه ياد رکڻ ڪپي ته رئيس حيدر خان مرحوم ڪنهن وقت ۾ هڪ اردو ماڻهو هو پوءِ تيمار نيڪ ماڻهو ٿي ويو. يهڊي من يشاءِ الي صراط مستقيم.

جلسي جي پروگرام تي شاه صاحب سان گڏ هئاسون. جلسو پهريون هو ۾ تمام ڪامياب رهيو پوءِ سال سال تي جلسو ٿيندا رهيا. ان ڳوٺ جي ٻن ماڻهن (1) گل محمد نظاماڻي (2) فتح محمد نظاماڻي جيڪي بڻي ڀائر هئا انهن شاه صاحب جي سخت مخالفت ڪئي. ۽ ٻه دفعا بدين ضلع ۾ شاه صاحب تي پابندي لڳي. انهن پابندين باوجود ملڪي قانون جي دائري اندر رهي ڪري تبليغ جو ڪم جاري رکيو. سنڌ جي ٿر واري علائقي ۽ سنڌ جي لاڙ واري علائقي کي شاه صاحب خاص ترجيح ڏني. جڏهن به پروگرام ٿيندو هو ته مون کي گهرائيندا هئا پروگرام مرتب ڪندا هئاسون. ان زماني ۾ بدين ضلع ۾ ٻه شخص خاص طور سرگرم هئا هڪ سيد سلير شاه صاحب مرحوم ۽ ٻيو محترم عبدالمجيد صاحب ملاح. انهن صاحبن جي ڪوشش سان بدين ۾ تمام گهڻو تبليغي ڪم ٿيو هڪ دفعي بدين ضلع جي شهرن ڳوٺن ۾ ڏهن ڏينهن جو پروگرام هو انهي پروگرام ۾ شاه صاحب جا 3 خطاب لاجواب هئا. هڪ سلير شاه جي ڳوٺ ۾ ٻيو گولاڙجي شهر ۾ بعد نماز ظهر. گولاڙجي جي جلسي جو انتظام محترم عصمت الله صاحب جن ڪيو هو. جنهن ۾ حنفي مولوي صاحبان به شريڪ ٿيا هئا. ڳوٺ پوکي ۾ محترم محمد ابراهيم

پرگزي جي ڪوشش سان ٻدين کان موٽندي هڪ دوست شاه صاحب کي دوستانه دعوت ڏني منجهند جي مانيءَ جو انتظام چوڌري بشير احمد صاحب ڪي هو. ماتلي ڪشميري محلي جا ڪافي دوست شريڪ ٿيا ۽ ڪافي متاثر ٿيا. ٻه ٽي ڪلاڪن تائين شاه صاحب مسلڪ اهل حديث تي ڳالهائيندو رهيو. موڪلائڻ مهل شاه صاحب مون کي هٿ کان وٺي خاص هدايت ڏني ته ماتليءَ جي شهر ۾ اڄ اهل حديث جو بيچ پوڪيو وڃان هاڻ ان کي پاڻي ڏيڻ ڪم اوهان جو. اسان پنهنجي حال سارو تبليغ جو ڪم جاري رکيو. جنهن ۾ سيد عبدالستار صاحب ۽ سيد حسين شاهه جهيڄن وارن ۽ ڳوٺ قبول ڪيريو جي جماعت پريور تعاون ڪيو. هڪ ڳالهه ياد رکڻ گهرجي ته سال 1972ع ۾ ڳوٺ قبول ڪيريو جي وڏيري محمد عثمان ڪيريو مرحوم هڪ عجيب ڪارنامو سرانجام ڏنو ڳوٺ قبول ڪيريو کان ٻن ميلن تي هڪ نظريور جو وڏو ڳوٺ آهي جيڪو سڄو ڳوٺ اهل تشيع جو آهي ۽ صاحب ثروت ماڻهو آهن ان ڳوٺ ۾ وڏيري محمد عثمان مرحوم ذاتي ڪوشش سان جلسو ڪرايو جنهن ۾ ماتليءَ جي ڪشميري محل جي ماڻهن ڪافي تعداد ۾ شرڪت ڪئي شاه صاحب 2:30 ڪلاڪ تقرير ڪئي تقرير کان پوءِ هڪ ڪلاڪ سوال جواب ٿيندا رهيا. الحمد للہ جلسو نهايت ڪامياب رهيو علائقي ۾ اهل حديث جي ڌاڪ چمي ويئي خاص طور ماتلي جا ماڻهو وڌيڪ متاثر ٿيا. ماتليءَ جي ڪشميري محل ۾ ديوبندي حضرات جو هڪ مدرسو آهي ان زماني ۾ مدرسي جو مهتمم مولوي فيض الله صاحب هو هي هڪ سلجهيل ۽ سمجهدار ۽ صاف دل ماڻهو هو. هن مون کي چيو ته 27 رمضان جي رات اسان جي مسجد ۾ ختمو آهي اوهان مهرباني ڪري شاه صاحب کي وٺي اچجو. بي ڳالهه کان اوهان ڪوبه فڪر نه ڪريو. آئون نيو سعيدآباد آيس شاه صاحب جن سان مليس. حقيقت ڪير. طبيعت ناساز باوجود شاه صاحب جن آيا مغرب نماز مهل مدرسي ۾ پهتاسون عشاء نماز شاه صاحب جي امامت ۾ سڀني ادا ڪئي. تراويحن به پڙهيون

ويو وتر سنت مطابق پڙهيو ويون هڪ ٻن ماڻهن ٿورو اعتراض. ڪيو شاه صاحب حديثون پيش ڪيون اعتراض ختم ٿيو.

عشاء نماز بعد 2 ڪلاڪ تقرير ٿي الحمدالله تمام سٺو اثر ٿيو. صبح جو فجر نماز کانپوءِ درس ڏنو ويو تنهن بعد شاه صاحب روانو ٿيو. 4-3 مهينن بعد ڪشميري محلہ ماتليءَ ۾ پيو دفعو شاه صاحب جي تقرير جو پروگرام ڪيو ويو ۽ شاه صاحب جي لاڳيتي پروگرامن هٿ ڪري ڪن ماڻهن کي خدشو ٿيو ته شايد ديوبند مسلڪ کي ختم نه ڪيو وڃي. لهنذا انهن ماڻهن مولوي فيض الله صاحب کي چيو ته هاڻي شاه صاحب کي مدرسي ۾ نه گهرائجان. جنهن تي مولوي صاحب ۽ مدرسو انتظاميه ۾ اختلاف ٿيو مولوي کي مدرسو مان ڪڍيو ويو ۽ ان جي جاءِ تي مولوي ڪليم الله کي رکيو ويو. جنهن شاه صاحب ۽ جماعت اهل حديث جي سخت مخالفت ڪئي. نويت مناظري تائين پهتي. ماتليءَ جي ديوبندين مناظري لاءِ مولوي امين اوڪاڙويءَ کي گهرايو مناظرو ڳوٺ قبول ڪريو ۾ ٿيو 28 شعبان 1979ع تي مناظري ۾ ماتلي تندو محمد خان ۾ آسپاس جي ماڻهن وڏي انگ ۾ شرڪت ڪئي. 4 مسئلن (1) تقليد (2) فاتحہ خلف الامام (3) آمين بالجهر (4) رفع اليدين تي مناظرو رکيو ويو. جنهن ۾ پهرين 3 مسئلن تي مناظرو ٿيو جنهن ۾ مولوي امين اوڪاڙوي کي بري شڪست نصيب ٿي مغرب جي تائيم تائين مناظرو هليو. رفع اليدين جي مسئلي تي مولوي امين هينن چئي جان ڇڏائي ته مٿان رمضان شريف جو مهينو اچي رهيو آهي. منهنجي سيٽ بڪ ٿيل آهي تنهن ڪري ٻئي موقعي تي رهيل مسئلي تي ڳالهائبو. ان تائيم تي ماتليءَ جي مدينه مسجد جي خطيب پيش امام مولوي علي محمد صاحب چانگ عوام کي مخاطب ٿيندي چيو ته هي علمي بحث هو عوام جي سمجهه کان مٿي هو منهنجي راءِ مطابق قوي دليل شاه صاحب ڏنا ۽ هوڏانهن مجادل هو ۽ مولوي علي محمد صاحب مسلڪ اهل حديث قبول ڪيو ۽ کيس ماتليءَ جي مسجد ڇڏڻي پيشي ۽ پاڻ گولاڙجي هليو ويو. پاڻ اڃا زندهه آهي

سجاول ۾ رهاش پذير آهي منهنجي ساڻس ملاقات ٿيندي رهندي آهي. مناظري بعد نتيجو اهو نڪتو ته ماتليءَ ۾ مسجد اهل حديث قائم ٿيڻ گهرجي. جيڪا الحمد لله قائم ٿي. مناظري ۾ ٽنڊو محمد خان جا 2-3 ماڻهو هئا اهي ڪافي متاثر ٿيا. جن هڪ مهينہ بعد شاه صاحب جي تقرير جو بندوبست ڪيو تقرير جامع مسجد واڻ بازار ۾ وسيلي جي موضوع تي هڪ دلپذير تقرير ٿي. تقرير بعد ٽنڊو محمد خان ۾ ڪافي چوبل ٿيندو رهيو. موافق ۽ مخالف پنهنجو پنهنجو اظهار خيال ڪندا رهيا. الله جي فضل و ڪرم سان به تبليغ جو ڪم زور شور سان پوري سنڌ ۾ هلندو رهيو تان جو منهنجي خيال ۾ سال 72 يا 73 ۾ ٽنڊو آدم ۾ ديوبندين ۽ بريلوي حضرات جو اذان کان اڳ ۾ صلاة والسلام تان تسلي شروع ٿيو. تسلي شدت اختيار ڪئي قتل و غارت گري جي نوبت تائين معاملو پهتو. انتظاميه نوٽيس ورتو ٻنهي ڌرين جو امين ڊي. سي سانگهڙ جناب محمد اسماعيل بلوچ شاه صاحب کي مقرر ڪيو. جماعت اهل حديث جلوسي جو انتظام ڪيو. شاه صاحب هڪ جامع مدلل تقرير ڪئي. سامعين جو تمام گهڻو تعداد هو. حالات جو جائزو وٺي انتظاميه جي پنهنجي پوليس انتظام سنڀاليو. 3 ڪلاڪ تقرير ٿي. تقرير بعد هڪ چئني تي سوال آيو ته اذان کان اڳ ۾ الصلاة والسلام چئجي يا نه؟ شاه صاحب الحمد لله پنهنجي علمي مهارت ۽ ذڪاء سان ايڏو ته سهتي نموني سان جواب ڏنو جو ٻئي ڌرين مطمئن ٿيون. ان کان علاوه شاه صاحب جي هر ننڍي وڏي تقرير پنهنجو مٿ پاڻ هڻي تنهن هوندي به ٽنڊو آدم جي تقرير کان سواءِ سڪرنڊ شهر ۾ محترم عبدالرحمان منگيو جلسو ڪرايو هو اها تقرير هالن ۾ شهادت حسين جي موضوع تي هئي. جنهن جو انتظام انصاري برادري ڪيو هو. نظريور واري تقرير جنهن جو ذڪر مٿي ڪري چڪو آهيان. ڏيپلو ۾ تقرير ”عوامي عدالت“ ۾ سال 1978ع ۾ ٿي هئي ۽ منهنجي ڳوٺ شريف شاه ۾ هڪ لاجواب تقرير ٿي هئي جنهن ۾ اهل حديثن کان سواءِ بريلوي ديوبندي اهل تشيع، بهائي فرقہ جي ماڻهن شرڪت ڪئي جنهن ۾ نور ۽ بشر جي موضوع تي شاه صاحب

جلد ۱۰۰ (700) شیخ الحدیث ابو محمد

خطاب فرمایو هو. جھيجن جي ڳوٺ ۾ سال به سال سيد حسين شاه صاحب ۽ سيد عبدالستار شاه صاحب جلسو ڪرائيندا هئا. ان ۾ هڪ سال عظمت قرآن جي موضوع تي مڪ لاجواب خطاب هو. جنهن ۾ آسپاس جي ڳوٺن کان علاوه تنبو محمد خان ۽ ماتليءَ جي ماڻهن ڪافي تعداد ۾ شرڪت ڪئي. سامعين کان شاه صاحب التماس ڪيو ته فيصلو ڪري پوءِ اتيو ان تائين ماتليءَ جو هڪ ماڻهو اڌ تقرير مان اتي هليو ويو. ان کان سيد عبدالستار شاه ماتليءَ ۾ پڇيو ته ڇو؟ اڌ تقرير مان هليو وئين جواب ڏنائين ته تقرير ۾ اهڙو ته ڪرنت هو جو جيڪڏهن سڄي تقرير ٻڌان ها ته اهل حديث ٿي وڃان ها!.

ان کان پوءِ بي رات تنبو غلام علي ۾ جناب مولوي سلطان احمد صاحب جي ڳوٺ تقرير رکيل هئي. جنهن ۾ ديوبند مولوي صاحبان کي به دعوت ڏيئي گهرايو ويو هو. اتباع سنت ۽ رد تقليد جي موضوع تي هڪ ٻي اثر خطاب فرمايو هو. هتي هڪ ڳالهه ياد رکڻ گهرجي ته جناب مولوي سلطان احمد صاحب رحمہ اللہ شاه صاحب جي قريبي دوستن مان هڪ هو. هن شخص پنهنجي علائقي ۾ دين جي وڏي خدمت ڪئي. هڪ دفعي ته امام ڪعبه سبيل صاحب جن کي پنهنجي ڳوٺ ۾ گهرايو هو. ماڻهن جو سمنڊ اٿلي پيو هو. جماعت اهل حديث جو وڏو شان ظاهر ٿيو هو. امام ڪعبه جي تقرير جيئن عربيءَ ۾ هئي مترجم اردو ۾ تقرير جو ترجمو ٻڌائيندو رهيو امام ڪعبه جا هي الفاظ مون کي چڱي طرح ياد آهن. دنيا جي تختي تي جيڪڏهن ولي الله آهن ته اهل حديث ئي آهن جيڪڏهن اهل حديث ولي نه آهن ته پوءِ دنيا جي تخت تي ولي نه آهي. انهن الفاظن ٻڌڻ کان پوءِ پورو پنڊال جنهن ۾ هزارين ماڻهو هئا الله اڪبر جي نعري سان گونجي ويو ۽ جماعت اهل حديث زنده باد جا نعرا لڳا حالانڪ سيد بديع الدين شاه صاحب رحمہ اللہ نعرن کي پسند ڪو نه ڪندو هو. مگر ان تائين تي خاموش رهيو. ان موقعي تي امام ڪعبه جو ابن الڪريم به گڏ هو جيڪو شاه صاحب جو شاگرد هو. ان موقعه تي شاه صاحب مون کي ڪي ڪتاب پڻي

تي لکي ڏنا هئا ته هي ڪتاب رات جو رات ۾ ڪتب خانہ مان کڻي حيدرآباد پهچاءُ صبح جو امام صاحب جي فرزند کي ڏيڻا آهن سائين جي حڪم جي تڪميل ڪئي ويئي. ڪتاب فجر مهل پهچايا ويا جيڪي امام صاحب جي فرزند ارجمند کي ڏنا ويا.

اهو وقت جماعت اهل حديث سنڌ لاءِ هڪ سونهري دور هو. سال 1974ع جي ڳالهه آهي اسين شاه صاحب سان ڪتب خانہ جي لان ۾ سائي چهر تي ويٺا هئاسون (1) آئون (سيد عيسن شاه) (2) حاجي خدا بخش سيال (3) حيدر خان مهڪاڻي مرحوم اسان عرض ڪيو ته سائين حياتيءَ تي ڀروسو نه آهي. اوهان جي دنيا مان موڪلائي ويا ته جماعت جو ڇا ٿيندو؟ ان لاءِ اسان جو عرض آهي ته قرآن جو سنڌيءَ ۾ تفسير لکو جو اسان کي ڪنهن مولوي وٽ ويڃڻ جي ضرورت نه ٿئي. سائين رحمہ الله ها ڪئي وري ڪجهه مشڪلاتون به درپيش آيون هڪ ته اخراجات جي ڪمي، (2) ڪاتب نه ملڻ (3) ته مون ۾ ايترو علم ڪو نه هو. بهرحال الله تعاليٰ مشڪلاتون دور ڪيون شاه صاحب مقدمو لکڻ شروع ڪيو. مولانا عبدالله صاحب رتي ڏيري واري جو فرزند عيسيٰ مسيح ڪتابت شروع ڪئي. چند مهينن بعد سال 1975ع ۾ مقدمو پريس ۾ ويو ۽ هو ڏانهن شاه صاحب سعودي عرب هجرت جو ارادو ڪيو. هاڻي جماعت لاءِ وڏو مسئلو پيدا ٿيو پروف ڪير چيڪ ڪري. تفسير جو ڪم اڳتي ڪيئن هلي. جماعت جي خاص دوستن (1) سيد صالح محمد شاه (2) سيد قادن شاه مرحوم (3) فيض محمد انڙ مرحوم (4) عبدالرحمن منگيو مرحوم ۽ ٻيا جماعت سائين کي عرض ڪيو ته اوهان هجرت نه ڪريو حسب معمول سال سال تي ڀلي حج تي ويندا ڪريو 3 مهينا اتي رهو 9 مهينا ملڪ ۾ رهو هتي اوهان جي سخت ضرورت آهي. مگر سائين پنهنجي ارادي تي اٿل رهيو سائين هجرت جي تياري ڪئي. جماعت سڄيءَ کي گهرايو بعد نماز عصر سائين جماعت کي الوداعي خطاب فرمايو. هي منظر جماعت لاءِ قيامت صفرا کان گهٽ نه هو پوري جماعت

عِلْمُ الْعِلْمِ (702) شیخ ابوبکر بن محمد

روئي رهي هئي. سائين هڪ ڪاميٽي تشڪيل ڏني ته ڪوٽ، ڪتب خانو، مسجد ۽ مدرسي جي سنڀال لاءِ ڪاميٽي ڏميوار رهندي. ڪاميٽي ۾ هي بندو به ميمبر هو. ان رات حيدرآباد ۾ لياقت ڪالوني ۾ حافظ محمد صاحب ڪپڙي واري سائين ۽ جمل جماعت جيڪا سائين سان گڏ هئي تنهنجي الوداعي دعوت ڪئي ان سان گڏ تقرير جو به بندوبست هو. ان دعوت ۽ پروگرام ۾ محترم و مڪرم علامه سيد محب الله شاه صاحب رحمہ الله به موجود هئا. جيڪي ڪراچيءَ تائين گڏ ويا. سائين جن جي رواني ٿيڻ کانپوءِ جماعت اهل حديث سنڌ ۾ مايوسي پکڙجي ويئي. هوڏانهن پريس واري مون کي گهرايو ته هاڻي اوهان جي تفسير جا پروف چيڪ ڪير ڪندو. مون کي چيائين ته جيڪڏهن پروف چيڪ ڪرائڻ لاءِ مولانا قاسمي صاحب سرپرست شاه ولي الله اڪيڊمي کي ڏجن ته بهتر ٿيندو. قاسمي صاحب عربي جو ماهر آهي مون ها ڪئي مقدمه جو مسودو قاسمي صاحب وٽ پهتو هن حيرت جو اظهار ڪيو شاه صاحب جو علم ڏسي عجب ۾ پئجي ويو. تنهن پروفيسر سيد صالح محمد شاه کي گهراي تفسير جي باري ۾ چيائين ته سنڌين لاءِ لاجواب تحفو آهي. اوهان سڀ ڪم ڇڏي هن طرف توجهه ڏيو. سائين جڏهن سعودي مان هتي آيو ته سيد صالح محمد شاه قاسمي صاحب جي خيالات کان واقف ڪيو. سائين جواب ۾ چيو ته اهو سڳورو ڪنهن کي مڃيندو ئي نه آهي.

خير مقدمو تيار ٿي پريس مان نڪتو جماعت جي هٿن ۾ پهتو سال 1977ع ۾ رونمائي ٿي. جناب منصور ويرائي اڳي اڳڙي جو مقالو سندس پيءُ محترم عبدالرحيم صاحب اڳڙي پڙهيو هو جماعتي غير جماعتي دوستن رونمائي جي تقرير ۾ حصو ورتو هتي هي ڳالهه ڪرڻ به فرض سمجهان ٿو ته هالا جي اڙا برادريءَ ۾ جناب منصور ويرائي صاحب ۽ سندس ڀائرن خان صاحب عبدالله خان ابڙو مرحوم اسسٽنٽ ڪمشنر حيدرآباد جناب عبدالرحيم صاحب ابڙو مرحوم ايجوڪيشن آفيسر صاحب، جناب عبدالرشيد صاحب ابڙو موجوده آي. ڊي او روينيو ٽنڊو محمد خان جن جي شاه

صاحب جن سان خاص محبت هئي.

شاه صاحب جن 1977ع ۾ ملڪ ۾ آيا خاندان اڃان سعودي ۾ هو. هتي جمل جماعت، شاه صاحب تي زور ڀريو ته اوهان جو هتي رهڻ تمام ضروري آهي اوهان هتي نه هوندا ته جماعت ڪمزور ٿي ويندي ۽ تفسير جو ڪم رهجي ويندو. سائين به انهن ڳالهين کي محسوس ڪيو. خاندان کي واپس گهرايو خاندان کي واپس گهراڻي ۾ خاص طور جناب غلام محمد لاث صاحب ۽ سندس ڀاءُ محترم حاجي محمد مٺاڻي صاحب خاص بهرو ورتو. شاه صاحب جن جي پنهنجي وطن ۾ رهڻ ڪري جماعت سک جو ساهه کنيو. مسئلو وري به تفسير جو پنهنجي جاءِ تي اٽڪيل رهيو. 1980ع ۾ شاه صاحب جن جماعت جي خاص خاص ماڻهن جي ميٽنگ ڪوٺائي جنهن ۾ تفسير متعلق صلاح مشورو ڪرڻو هو. ڪاتبن جو مسئلو سر فهرست هو ڏيپلو جي جماعتي احبابن جيڪي صاحب ثروت به هئا انهن تفسير جو بار پنهنجي ڪلهن تي کنيو. ڪتابت لاءِ ٿر جا ٻه ذهين نوجوان هوشيار جيڪي ديني دنياوي علم ۾ چڱي ڄاڻ رکندڙ هئا انهن کي تنخواه مٺاڻي صاحب جن ڏني ۽ ڪتابت جو ڪم چڱي نموني سان شروع ٿيو. (1) محترم عبدالعزيز صاحب نهڙيو موجوده ليڪچرار گورنمنٽ ڪاليج ڪاري موري (2) محترم عبدالغفار صاحب جوڻيجو ليڪچرار گورنمنٽ ٽيڪنيڪل ڪاليج وحدت ڪالوني حيدرآباد (3) محترم محمد جمن ڪنير صاحب ڳوٺ ڀاڳو جمالي لڳ نيو سعيدآباد، تفسير جو ڪم ڪندا هئا ۽ ان سان گڏ تبليغ جو ڪم به ڪندا رهندا هئا ۽ شاه صاحب جي ذاتي ڪمن ۾ هٿ وٺائيندا هئا. انهن صاحبان جي ڪري شاه صاحب تان ڪافي بوجھ هلڪو ٿيو. ٽيون دوست محمد جمن ڪنير ليڪچرار زرعي ڪاليج سڪرنڊ بنان معاوضي جي تفسير جي ڪم ۾ هٿ وٺائيندو هو. شاه صاحب جي واپس وطن اچڻ جي ڪري نيو سعيدآباد جي هڪ ٻن مشرڪن کي تڪليف ٿي. انهن وري مولوي امين اوڪاڙوي کي گهرايو. جنهن اچي اهل حديثن تي بي فائده تنقيد ڪئي. ان کي جواب ڏيڻ لاءِ

نيو سعيدآباد جي جماعت اهل حديث محترم محمد ملوك ڪيريو جي اڳواڻيءَ ۾ هڪ عظيم الشان سيرت ڪانفرنس ڪوٺائي جيڪا نهايت ڪامياب ويئي ۽ اڄ تائين هلندي اچي ٿي. اڄ تائين ڪانفرنس جي ڪاميابيءَ جو سهرو محترم محمد ملوك ڪيريو صاحب جي سر تي آهي. نيو سعيدآباد سيرت ڪانفرنس هڪ ٻه سال سنڌ تائين محدود رهي ليڪن شاه صاحب جي ذاتي ڪوشش سان بين الاقوامي مقام حاصل ڪري چڪي آهي. ڪافي نوان دوست سال سال تي مسلڪ اهل حديث قبول ڪن ٿا. جنوري 1985ع ۾ جناب سردار عبدالقيوم صاحب صدر آزاد ڪشمير نيو سعيدآباد ۾ شاه صاحب جن سان ملڻ لاءِ منهنجي سمجهه ۾ ميان فضل حق صاحب رحمہ الله لاهور وارو ۽ سردار صاحب گڏ هو. سرڪاري پروٽوڪول هٿ سان گڏوگڏ هن وٽ T.V عملو ۽ فوٽو گرافي جو سامان به هو. مگر شاه صاحب ان جي اجازت ڪنهن کي به ڪانه ڏني. سردار صاحب عملي کي هدايت ڪئي ته ڪوبه فوٽو وغيره نه ڪڍي.

انهي سال شايد ميان فضل حق صاحب لاهور ۾ هڪ ڪانفرنس ڪوٺائي جنهن جي دعوت شاه صاحب جن کي ڏيڻ آيو ۽ ساڻ گڏ فضيلة الشيخ عبدالله ناصر رحمانی موجوده امير جمعيت اهل حديث سنڌ جن هئا. لاهور جي هڪ عظيم شخصيت شاه صاحب جن کي ڪانفرنس ۾ شرڪت ڪرڻ کان منع ڪئي شاه صاحب جواب ڏنو ته هڪ ته ديني دعوت آهي اوهان دعوت نه ڏيندا ته به شريڪ ٿيندس. ٻي ڳالهه ته جناب شيخ عبدالله ناصر رحمانی صاحب ميان صاحب سان گڏ آيو هو تنهن ڪري آئون جواب ڏيئي نه سگهيس. آئون شيخ صاحب کي انهيءَ وقت کان وٺي سڃاڻان. شاه صاحب ڪراچيءَ ته سگهو سگهو ويندو هو. آئون به گهڻو ڪري شاه صاحب جن سان گڏ هوندو هوس. هنگوره جماعت ۾ پاڻ رهندا هئا شيخ صاحب هر دفعي شاه صاحب جن سان ملڻ لاءِ موسيٰ لين ايندو هو. شيخ صاحب جي ملڻ بعد الله جي فضل و ڪرم سان شاه صاحب جن کي ٻيڻي طاقت ملي. انهي دور ۾ ڪويت جي

جماعت جمعیت اہل حدیث سنڌ سان سھڪار شروع ڪيو هو. مسجدون، مدرسو، ڪوھ ڏيڻ شروع ڪيا هئا، سال 1986ع جي آخر ۾ مون کي شاھ صاحب فون ڪري گھرايو چيائين ته ڪي مسجدون ڪويت کان آيون آهن. منهنجو خيال آهي ته هڪ مسجد ٽنڊو محمد خان کي ڏجي مون چيو سائين جماعت ته آهي ڪانه پاڻ چيائون الله تي توڪل رک جماعت تي پوندي تون جلد از جلد نقشو ۽ ضروري ڪاغذات ڪٿي اچ شيخ صاحب ڪويت وڃي پيو، هٿ و هٿ ڪاغذ کنيو وڃي آئون ٻئي ڏينهن ڪاغذ تيار ڪري موسيٰ لين ڪراچيءَ پهتس هنگورا هائوس ۾ شاھ صاحب شيخ صاحب ٻئي موجود هئا. مون ڪاغذ پيش ڪيا شاھ صاحب ڪاغذ شيخ صاحب حوالي ڪيا مسجد منظور ٿي. شاھ صاحب ۽ شيخ صاحب پهرئين فيبروري 1987ع تي مسجد جو سنگ بنياد رکيو. مئي 1989ع ۾ مسجد جڙي راس ٿي 17 مئي 1989ع بعد نماز عصر شاھ صاحب جامع مسجد اهل حدیث ابوهريرة رضي الله عنه لاکاٽ چوڪ ٽنڊو محمد خان جو افتتاح ڪيو. اسان ٽنڊو محمد خان ۾ ڪافي دوستن کي دعوت ڏني جن شرڪت ڪئي. شاھ صاحب جي خطاب ٽنڊو محمد خان جي ماڻهن تي تمام سٺو اثر ڪيو. جماعت وڌڻ لڳي. جمع جي خطاب کان علاوه ٻه ٽي جلسا به ٿي گذريا آهن جن ۾ ممتاز علماء ڪرام خطاب ڪري چڪا آهن (1) جناب فضيلة الشيخ عبدالله ناصر رحمانی صاحب موجوده امير جمعیت اهل حدیث سنڌ (2) فضيلة الشيخ پروفیسر ابراهيم پٽي صاحب (3) فضيلة الشيخ ابو جابر عبدالله دامانوي صاحب (4) فضيلة الشيخ ڊاڪٽر عبدالحفیظ سمون صاحب (5) پروفیسر محمد جمن ڪنیر صاحب وغيره.

سال 1987ع ۾ ڪانفرنس جي موقعي تي پاڻ جمعیت اهل حدیث سنڌ جي تنظيم سازي ڪئي. جنهن ۾ فضيلة الشيخ پروفیسر عبدالله ناصر رحمانی صاحب جن کي ناظم اعليٰ جمعیت اهل حدیث سنڌ مقرر ڪيو ويو. نائب ناظم اعليٰ ڊاڪٽر عبدالحفیظ سمون صاحب کي مقرر ڪيو ويو مرحوم قاضي عبدالحق انصاري صاحب

﴿ 706 ﴾

هالا کي نائب امير سنڌ مقرر ڪيو ويو. جناب حافظ محمد اديس صاحب شهيد رحمہ اللہ کي حيدرآباد ڊويزن جو امير مقرر ڪيو ۽ پنڊه کي ناظم حيدرآباد ڊويزن جو عهدو ڏنو ويو ۽ پوري سنڌ جي ضلعن جا امراءَ مقرر ڪيا ويا. مگر نٿ ۽ دادو ضلعن لاءِ ڪو ماڻهو ملي نه سگهيو. محترم عبدالواحد کوسه صاحب جيڪو گورنمنٽ ڪاليج نٿ ۾ ليڪچرار هو ان کي نٿ ضلع جو امير مقرر ڪيو ويو شاه صاحب دعا ڪئي ته ان شاء الله نٿ ضلع ۾ جماعت قائم ٿيندي الله تعاليٰ اها دعا اگاهائي الحمد لله نٿ ۾ جماعت قائم ٿي چڪي آهي. نٿ جي جماعت جا خاص دوست (1) محترم عبدالحفيظ ميمڻ صاحب (2) حافظ محترم عبدالعزيز ميمڻ صاحب (3) محترم عبدالرزاق ميمڻ صاحب (4) محترم سڪندر جهتيال صاحب وغيره ۽ خاص طور تي جناب مولانا پروفيسر عبدالله صاحب سمون جن جو تذڪره ضروري سمجھان ٿو. جيڪو حنفي مذهب جو وڏو عالم هو. تحقيق جي ميدان ۾ پير پاتو پاڻ ڪراچيءَ جي حنفي مدرسي ۾ مدرس هئا. کيس رهائش لاءِ فري بنگلو مليل هو. تنخواه تمام سٺي کاڌو پيئڻو مفت هي سڀ سهوليتون ختم ڪري محدث بنجي ڪاروان حديث جي قافلہ ۾ شريڪ ٿيو. مٿيان دوست مولانا عبدالله سمي صاحب کي سڃاڻو وٺي آيا. الله تعاليٰ کين سٺا مخلص نيڪوڪار اهل حديث ساڻي ملايا آهن جيڪي حديث جي پرچار زور و شور سان نٿ ضلع کان علاوه ٻين ضلعن ۾ ڪري رهيا آهن. اسان جي دعا آهي ته الله تعاليٰ کيس استقامت بخشي. آمين.



شیخ العرب والعجم جو جنازو

اکین ذنواحوال

اچ 8 جنوري 1996ع سومر جو ڏينهن آهي. بنده ناچيز فجر نماز جامع مسجد رباني اهل حديث سيٽلائيٽ ٿاٽون ميرپورخاص ۾ پڙهي آهي، هيءَ مسجد دوباره شاندار نموني تعمير ٿي آهي. مسجد جي ڀر سان جماعت جو مرڪزي ادارو جامع بحر العلوم سلفيه قائر و دائر آهي. جنهن ۾ قال الله وقال الرسول جون صداٽون بلند ٿي رهيون آهن ۽ هڪ سو چاليهه جي قريب طالب علم ديني تعليم جي زيور سان آراستہ ٿيڻ لاءِ شب و روز محنت ڪري رهيا آهن جن جي تعليم و تربيت، خوراڪ، لباس ۽ رهائش جا سمورا انتظام خدا جي نيڪ بندن جي خلوص ۽ ڪاوشن سان سرانجام ڏنا پيا وڃن. مذڪوره اداري جو افتتاح شيخ العرب والعجم علامہ سيد بديع الدين شاه راشديءَ جي مبارڪ هٿن سان اپريل 1984 ۾ ڪيل آهي. جامعہ جو مهتمم خادم نامور وڪيل حاجي محمد اسماعيل ڏيپلائي ميمڻ آهي. فجر نماز تي صاحب موصوف سان سلام دعا ٿي. پڇيائين ته توهان جو هاڻي ڇا پروگرام آهي؟ مون عرض ڪيو ته ڳوٺان اڃان پيو ۽ سانگهڙ ويندس، جتي منهنجي سرڪاري ڊيوٽي آهي. حاجي صاحب ٻڌايو ته آئون به سانگهڙ وڃان پيو. 8:30 بجي گڏجي هلنداسون. مقرر تائيم تي حاجي صاحب جي گهر پهتاسين. جامعہ جي موجوده صدر مدرس ۽ شيخ الحديث مولانا افتخار احمد سلفي ۽ برادر مر مولانا محمد مبارڪ نهڙي کان موڪلائي، ڪار ۾ حاجي صاحب سان گڏ پوئين سيٽ تي وينس. گاڏي ڊرائيور هلائي رهيو آهي، ميرپور خاص کان سانگهڙ پهچڻ لاءِ 1:30 ڏيڍ ڪلاڪ جو سفر چند گهڙين وانگر گذري ويو. گفتگو سائين بديع الدين شاه راشدي جي ذڪر خير سان هلندي رهي. حاجي صاحب بديع التفاسير لاءِ فڪر مند هو ته: ”ڪنهن به طرح اهو

☆ گورنمينٽ ڪاليج آف ٽيڪنالاجي حيدرآباد، ڪاتب شيخ العرب والعجم بديع الدين شاه راشدي رحمۃ الله عليه، هن وقت ”تفسير بديع التفاسير جو منھج ۽ مصادر“ جي عنوان تي بي. ايڇ. ڊي جو مقالو لکي رهيو آهي.

بيان بي نظير ۽ قرآن جو تفسير جلد پايه تڪميل کي پهچي، انهيءَ لاءِ ضرورت ان ڳالهه جي آهي ته شاه صاحب پنهنجون سموريون مصروفيتون ترڪ ڪري انهيءَ اهم ڪم کي سرانجام ڏي. ڇو ته اهو تفسير هڪ عظيم خدمت سان گڏ جماعت لاءِ تاقيمات بهترين تحفو آهي. حقيقت هيءَ آهي ته انهن محدثن ۽ عالمن جي اڻ ٿڪ محنتن، ڪاوشن، قربانين، خدمتن ۽ سندن خلوص جي بدولت هي دين حنيف تروتازه رهندو پيو اچي.

خير سان سانگهڙ پهتاسون، حاجي صاحب ڪورٽ جي طرف ويو ۽ آئون گورنمينٽ ڪمرشل ٽريننگ انسٽيٽيوٽ پهتس، 11 بجه ڌاري محترم برادر محمد عبدالعزيز نهڙيو ۽ ميرحسن آيا. عبدالعزيز جو چوڻ هو ته آئون ڳوٺ پيو ويڃان، شاه صاحب علاج خاطر ڪراچي ويل آهي ۽ پيءُ محمد زمان جوڻيجو به سائين جن جي خدمت ۾ آهي. تون شام سعيدآباد وڃ، متان سائين ڪو ڪم ڪار چوي، پيو ته ڪجهه ضروري فون به ڪرڻا آهن ۽ برادر محمد ملوڪ ڪيريو کي تنهنجي بدليءَ لاءِ ڪراچي موڪل. برادر عبدالعزيز ڳوٺ روانو ٿيو. آئون ڪاليج کان نواب شاه رستي نيو سعيدآباد آيس. محترم محمد ملوڪ ڪيريو، خدا بخش ڪاڪا ۽ پيا جماعتي مليا.

عشاء نماز پڙهي مسجد الفردوس جي لڳو لڳ مدرسي واري ماڙيءَ تي آئون ۽ خدا بخش ويٺا آهيون. ايتري ۾ 9:30 بجي برادر حاجي ڪوري اچي ٿو ته پيءُ محمد زمان ڪراچيءَ مان فون ڪئي آهي ته سائين شاه صاحب جي طبيعت اڃانڪ گهڻو خراب ٿي وئي آهي. آئون ڪتب خاني جي چاٻي کڻي راشدي مسجد موسيٰ لين جو فون ملايان ٿو. حاجي لال محمد هنگورو فون کڻندي افسوسناڪ خبر جو اطلاع ڏيندي چوي پيو ته سائين بديع الدين شاه راشدي صاحب جن انتقال ڪري ويا آهن.

يڪدم قرآن ڪريم جي آيت ۽ ان جو مفهوم ياد اچي ٿو ته مؤمنن تي جڏهن ڪا مصيبت يا آزمائش اچي ٿي ته ان وقت اهي صبر کان ڪم وٺندي انا لله وانا اليه راجعون چون ٿا. حوصلا خطا آهن، حواس ڇڏائي وڃن ٿا. دل اها ڳالهه قبول ڪرڻ لاءِ تيار نه آهي ته واقعي شاه صاحب ايئن اسان کان جلدي موڪلائي ويندا؟ اڃان ته:

☆ جمعيت اهل حديث سنڌ جو امير پنهنجي سيني ۾ اعلاءِ ڪلمه الله ۽

توحيد و سنت جي آواز کي عام ڪرڻ جو آرزو مند آهي.

☆ جمعيت اهل حديث سنڌ جي زير انتظام مساجد ۽ مدارس جي تعمير

و ترقي جو خواهشمند آهي.

☆ جمعيت اهل حديث سنڌ جو مرڪزي دفتر نيو سعيدآباد ۾ ٺهي

چڪو آهي، جتي شوري جا اجلاس ٿي رهيا آهن ۽ سنڌ سطح تي جماعت کي فعال

بنائڻ جون سوچون زير غور آهن. دفتر جي ديوارن تي نظر وجهڻ سان جمعيه احياءِ

التراث الاسلامي ڪويت جي تعاون سان تعمير ٿيندڙ مسجدن ۽ مدرسن جون

خوبصورت تصويرون واڌاري جي انتظار ۾ آهن.

☆ نيو سعيدآباد جي آزاد پير جهنڊو ۾ واقع سندن حويلي لڳ جامع

مسجد الفردوس، جنهن جي محراب ۽ منبر تي پاڻ جلوه افروز آهن انهيءَ جي مصليٰ

تي امامت ڪرائي رهيا آهن ته وري عربي لباس ۾ هٿ ۾ عصا کڻي جمع جو خطبو

ڏيئي رهيا آهن ۽ ڪڏهن وري ٿي روزه سيرت ڪانفرنس جي سالن کان هلندڙ سلسلي

لاءِ ان جي ابتدا خطبه جمع سان ڪري رهيا آهن ۽ پوري سنڌ مان جماعت جا قافلا

وڏي اڪير سان سندن خطبا ۽ تقريرون ٻڌڻ لاءِ ڪاهي اچي رهيا آهن. انهيءَ مسجد

الفردوس جي تعمير نو جا مرحلا اڃا باقي آهن. ڇا مسجد الفردوس پنهنجي بي مثل

امام ۽ لاجواب خطيب کان هميشه لاءِ محروم ٿي ويئي آهي؟

☆ المكتبة الراشدية: ڪتابي دنيا جو جڳ مشهور ڪتب خانو علم

جي پياسن ۽ ڪتاب و سنت جي شائقين لاءِ مرجع الخلاق بڻيل آهي. جنهن مان

عالم، فاضل، محقق ۽ مدبر دنيا جي مختلف خطن ۽ ملڪن مان اچي استفاده ڪري

رهيا آهن. انهيءَ ڪتب خاني ۾ شاه صاحب جي بين الاقوامي دورن ۽ سفرن جي

ڪري ڏينهن به ڏينهن اضافو ٿي رهيو آهي. انهيءَ مڪتب راشديه جا ڪتاب ۽ انهن

جا ورق به وقت جي محدث ۽ امام جي ورق گرداني جا منتظر آهن ۽ ان جي خست

حال عمارت به تعمير نو جي شڪوه ڪري رهي آهي.

☆ بديع التفاسير جو مفسر، جنهن کي پنهنجي وقت جو امام ابن

تيمية، يا امام ابن قير يا امام ابن حزم چيو وڃي، اهو هر سورت جي ابتدا ۽ انتها

تي رب ذوالجلال کان درد ڀريون دعائون گهري رهيو آهي ته مولا! ايتري حياتي ڏجانءِ

جو تنهنجو هي ٻانهو، جيڪو فقط تنهنجي ئي در جو فقير آهي، هڪ فقير وانگر سنڌ

جي هر واھڻ ۽ وستی، هر ڳوٺ ۽ گام ۾ وڃي جيئن فقير ٽڪو ٽڪو خيرات گڏ ڪندو آهي انهيءَ مثل مون هڪ هڪ ماڻهو تيار ڪري، انهن کي توحيد و سنت جي آواز تي ريجھائي هيءَ جماعت تيار ڪئي آهي. انهن کي ويندي ويندي تنهنجي پاڪ قرآن جو تفسير تحفي ۾ ڏيئي، قيامت جي ڏينهن تنهنجي بارگاه ۾ بديع التفاسير کڻي حاضر ٿيان، اڃان ته اهو مڪمل ٿيڻ جي مهلت ڏي!

☆ آزاد پير جهنڊو ۾ واقع المدرسة المحمدية کي علمي دنيا ۾ متعارف ڪرائڻ به باقي آهي. شاه صاحب دعوت و تبليغ ۾ مصروفيتن سبب انهيءَ اداري تي خاطر خواه توجه ڏيئي نه سگهيو آهي. انهيءَ کي الجامعة الراشدية ۽ يونيورسٽي ليول تي کڻي وڃڻ جا ڪيترا منصوبا ۽ پروگرام هن محدث ڪبير جي سيني ۾ سمايل آهن انهيءَ خواب جي تعبير لاءِ نيو سعيدآباد جي ڀرسان 22 ايڪڙ زمين به حاصل ڪئي وئي آهي. يونيورسٽيءَ جا نقشا تيار آهن. ڪويت سميت عرب ملڪن سان رابطا جاري آهن. شيخ طارق العيسيٰ، شيخ مشعل سليمان السعيد، شيخ واد الرفاعي ۽ شيخ جاسر جهڙا شاه صاحب جا دوست ۽ گهڻ گهرا هر قسم جي تعاون لاءِ تيار آهن.

اڳڻ اهي ٿي، جت نه پسان جوءُ ۾

اوطافون اوئين جون، سوجهيم سبيئي

اڪريون روئي، ماڳ نهاري موٽيون

انهن سوچن ۾ گر آهيان. ڪئي ماضيءَ جون يادون ۽ محدث ڪبير سان 12 سال گڏ گذارڻ واريون گهڙيون حيران ۽ پريشان ڪري وينيون آهن. حاجي لال محمد معلوم ڪري پيو ته سائين محمد شاه ڪٿي آهي؟ اسين هاڻي ڇا ڪريون؟ مون کيس چيو ته توهان بنا ڪنهن دير جي سعيدآباد لاءِ سفر جو سعيو ڪريو. آئون فون بند ڪري حاجي ڪوريءَ کي ڪتب خاني کان ٻاهر وٺي اچان ٿو ته سائين جي فرزندن کي سڏي اچ. دماغ مفلوج آهي، سوچون ساٿ نه پيون ڏين، ليڪن سڀ کان پهرين سعيدآباد ۾ انتظامات ۽ جنازي نماز ۽ تدفين جا مسئلا ڪنن تي گونججي رهيا آهن. ٻئي طرف هي ناچيز ۽ برادر مر خدا بخش ڪاڪا ڇا ڄاڻن عظيم محدث جي سفر رحلت ۽ ان جي انتظامات بابت؟

سائين حافظ محمد کٽي صاحب امير جمعيت اهل حديث ٿرپارڪر کي فون

ڪير، سائين پاڻ فون ڪئي ٿو ۽ لاءِ علمي ۽ حال احوال ۽ خبرون پيو پڇي. مون سندن ڳالهه ڪٽيندي ڪين شاه صاحب جي وفات جو اطلاع ڏنو ۽ مزيد عرض ڪير ته عبدالعزيز اڄ ڳوٺ پهتو آهي توهان ان کي وٺي سعيدآباد فجر تائين پهچي وڃو. سائين محمد شاه، سندن ڀائر ۽ فرزند به ڪتب خاني ۾ گڏ ٿي چڪا آهن. ڪين انالله وانا اليه راجعون چئي ۽ صبر جي تلقين سان اها خبر ٻڌايان پيو. پر واضح لفظن ۾ شاه صاحب جي وفات جي خبر ڏيڻ لاءِ زبان ساٿ نه پئي ڏئي. ايتري ۾ ٻيا جماعتي به پهچڻ شروع ٿيا آهن. روح راڙو ۽ حالت زار آهي ليڪن شريعت جي دائري اندر. شاه صاحب جي اولاد پٽن ۽ پوٽن جي دل تان ڇا وهي واپري رهيو آهي، ان جي خبر فقط انهن کي ۽ سندن پرور کي ئي آهي.

برادر محمد ملوڪ به اطلاع ملڻ شرط مڪتب راشديه پهتل آهي. حاجي ڪوريءَ کي موڪليم ته برادر محمد جمن ڪنير کي باڳو جماليءَ مان وٺي اچي. آئون وري فون جي پرسان ويهي پوري جماعت کي اطلاع ڏيڻ جي ڪوشش ڪريان ٿو. جن جن دوستن جا فون نمبر آهن يا جتان ملي سگهن ٿا انهن کي اطلاع ڏيان پيو ته اوهان ٻين دوستن کي به آگاه ڪريو ته جيئن هر همدرد، دوست، ساٿي پنهنجي پياري امير ۽ قابل فخر قائد جي جنازه ۾ شرڪت جي تمنا پوري ڪري سگهي. جنهن جماعت لاءِ هن عالم رباني پنهنجي زندگي وقف ڪندي، تن تي، ٿڌي، سڙي گرمي، ڏينهن ۽ رات جي پرواه نه ڪئي، ان جماعت جو هر فرد سندن جنازه نماز ۾ شريڪ ٿي ڪين دعائن سان الوداع ڪري ۽ سندن آخري ديدار پسي سگهي. فون ذريعي ڪراچي، حيدرآباد، قاسم آباد، ٽنڊو محمد خان، ماتلي، ڊاڀي فارم، بدين، ڏيپلو، مٺي، نئون ڪوٽ، جهڙو، ميرپورخاص، سانگهڙ، ٽنڊوآدم، شهدادپور، سکر، نواب شاه، هالا، پريا روڊ، سکر، شڪارپور، لاڙڪاڻو، ميهڙ مطلب ته پوري سنڌ ۾ جماعت کي اطلاع ڏنم. لاهور ۾ به دوستن تي بار رکيم ته سڄي جماعت کي اطلاع ڪجو.

راشدي مسجد ۾ فون تي وري رابطو ٿئي ٿو سائين محمد امين شاه ملي ٿو. شيخ عبدالله ناصر روئندي روئندي فون تي ڳالهائڻ جي همت نٿوساري، مون سان ڳالهائين ٿا، وري سائين محمد شاه سان ڳالهائڻ جي ڪوشش ڪن ٿا پر سائين محمد شاه نه بلڪا. پاڻ ۾ ڳالهائڻ جي سگهه نٿو ڌاري، شيخ صاحب چوي پيو ته

وري وري رابطو رڪو ۽ جماعت کي اطلاع ڏيندا رهو ۽ هاڻي اسين ڇا ڪريون؟ مون عرض ڪيو ته تدفين هتي ٿيندي تنهن ڪري جنازو کڻي سعيدآباد لاءِ روانا ٿيو. حيدرآباد ۾ ڊاڪٽر عبدالخالق ميمڻ جي فون تي برادر محمد خان ملڪاڻي کي گهرائي نياپو ڏنر ته حافظ محمد ادریس، ڊاڪٽر محمد سومار ميمڻ ۽ قاري عبدالستار جيڪي راشدي منزل ڪاري موري تي موجود آهن انهن کي چوڻ ته شاه صاحب جي گهر وارن کي جلدي سعيدآباد پهچڻ لاءِ انتظار ڪن.

برادر محمد جمن ڪنير به 11 بجي ڌاري پهتو. سندس حال هيٺو، چهرو اداس، اکيون ڳاڙهيون، جيڪي جر جا نار هاري رهيون آهن. سائين جي فرزند سان دل ملائي، هنجون هاري چوي پيو ته هن غم ۾ توهان اڪيلا نه پر جماعت جو وڏو تعداد شامل آهي، اهي به روحاني اولاد هجڻ جي ناتي پڌري شفقت ۽ محبت کان يتيم ۽ چورا چنا ٿي ويا آهن. محمد جمن ۽ محمد ملوک ڪتب خاني ٻاهران شاميانا لڳائڻ جي ڪم ۾ آهن. مون سنڌ جي اخبارن جنگ، عبرت ۽ ڪاوش سميت ٻين اخبارن کي شاه صاحب جي ناگهاني وفات جي خبر لکرائي، جيئن عام ماڻهن کي صبح سويل بروقت اطلاع ٿي سگهي.

رات جا 12 ٿيا آهن ۽ تاريخ جا ڪانٽا بدلجي رهيا آهن. 9 جنوري شروع ٿيڻ واري آهي، ايتري ۾ راشدي مسجد جي هاٿ لائين تان اطلاع مليو ته راشدي خاندان جي جهنڊي واري شاخ جو چشمر و چراغ ۽ سائين ابوتراب رشدالله شاه راشدي ۽ سائين احسان الله شاه راشدي ۽ سائين محب الله شاه راشدي جي علمي مسند جو وارث ۽ توحيد و سنت جو جوشيلو پروانو، جنهن جي سموري زندگي دين حنيف جي خدمت ۽ تبليغ ۾ گذري، جنهن دنياوي منفعت کي پاسيرو رکي دين جي پرچار ڪئي، انهيءَ مجاهد ڪبير جو جسد خاڪي اڄ فاني دنيا جي دوڪن ۽ دولابن، ڏکڻ ۽ صدمن کي هميشه لاءِ خيرباد چئي، بنت العرب سعيدآباد جي سرزمين ۾ محو استراحت ٿيڻ لاءِ ڪراچيءَ مان پنهنجن جان نثار جماعتين ۽ دوستن خاص طرح هنگورن سان روانو ٿي چڪو آهي. هنگورا به اهي جيڪي پنهنجي امير سان وفاداريءَ کان سواءِ ٻي ٻولي ڄاڻن ٿي ڪونه، امير به اهو جنهن ڪراچيءَ جي سينيٽن ۽ مالدارن وٽ پوش علائقن ۾ ترسڻ ۽ رهڻ جي بجاءِ هنن مزدور قسمن جي غريبن وٽ رهڻ کي ترجيح ڏيئي ورهن جي وفا جو وچن ڪيو. شاه صاحب جن پنهنجي ننڍپڻ کان موسيٰ

لين ۽ ڪلري کي پنهنجو مرڪز بنايو. اٺل ويهڻ ۽ رهڻ سهڻ انهن وٽ رکيائون. 1984ع کان هي بنده ناچيز شاه صاحب جو خادم ۽ سفر ۽ حضر جو ساٿي رهيو. منهنجي يادگيري مطابق انتهائي غريب ۽ مسڪين ۽ بندرگاه ڪراچيءَ تي ڏهاڙي ڪمائيندڙ محمد سومار هنگوري جو ڪلريءَ وارو گهر، انهيءَ جا دروازا شاه صاحب جي آمد جا هر وقت منتظر رهندا هئا. ڪراچيءَ ۾ جڏهن به شاه صاحب جو اچڻ ٿيندو هو ته هن غريب جو گهر گوياءَ چمڪي ويندو هو ۽ جماعت وارا ڳولي شاه صاحب کي اچي هتي ملندا هئا. رات جو ڪراچيءَ جي ڪنهن به حصي مان جلسو ڪري شاه صاحب هن غريب خاني تي اچي قيام ڪندا هئا. صبح سويل ناشتي کان اڳ جنگ اخبار ميسر هوندي هئي. وهنجڻ لاءِ توال صابن تيار ملندو هو. ناشتو ڪري مس فارغ ٿيندا هئاسون. ايتري ۾ ملاقاتي اچي ويندا هئا. ڪو ماڻهو ديني مسئلن پيڇڻ لاءِ پيو اچي، ته ڪو جلوسي لاءِ تائيمر وٺڻ پيو اچي، ته ڪو مدرسي جو سفير تصديق وٺڻ لاءِ پيو اچي، ته ڪو مدرسي جي امتحان يا مسجد جي سنگ بنياد لاءِ تائيمر وٺڻ پيو اچي، ته ڪو مختلف آفيسن ۾ پنهنجي ذاتي ڪمن ڪارن لاءِ پيو اچي، جهڙو به تائيمر هجي پر هن غريب خاني تان ڪو به خالي نه ويندو هو. چانهه، پاڻي، ماني سان هر ڪنهن جي آڌرڀاءُ ۽ خاطر تواضع ٿيندي هئي. حيران آهيون ته خدا هڪ مسڪين ماڻهوءَ جي دل کي ايترو غني ڪيو آهي جو روز هيترا سارا ماڻهو پيا اچن ۽ انهن جي خدمت ايتري قدر دل و جان سان ڪري رهيو آهي. ان کان علاوه ڪراچيءَ ۾ جتي به شاه صاحب جو جلسو هجي ته محمد سومار هنگورو پنهنجي سائيڪل سميت اچي پهچندو هو.

پوءِ جڏهن 1988 ڌاري راشدي مسجد تعمير ٿي ته انهيءَ کي پنهنجو مرڪز بنايائون ۽ اتي ئي قيام ڪندا هئا. هاڻي سفر آخرت تي اُسهي رهيا آهن ته به سندن آخري جمع جو خطبو راشدي مسجد جي منبر تان ڏنائون ۽ زندگيءَ جي آخري عشاءَ نماز به انهيءَ مسجد ۾ ادا ڪيائون.

انهيءَ محبت ۽ وفا جي انتها به اکين آڏو آهي جو سندن قدر دان قائد سندن ئي هٿن ۽ هنجن ۾ کين وفاداريءَ جي شاباس ڏيندي پنهنجي روح کي مالڪ حقيقي جي حوالي ڪندي چوندو پيو وڃي اصل حفاظت صحيح عقيدتي جي ڪرڻي آهي باقي ته نيٺ هڪ ڏينهن پري پور ٿي مٽيءَ ۾ وڃڻو آهي تنهن ڪري اهوئي توحيد و سنت

وارو سڌو رستو وٺيو هليا اچو ۽ اها ديني دوستي عارضي نه بلڪ دائمي آهي.

الْأَخْلَاءَ يَوْمَئِذٍ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ إِلَّا الْمُتَّقِينَ (الزخرف: ٦٧)

رات جو هڪ بچي مڪه مڪرم مان حافظ خليفن جو فون اچي ٿو ته هيءُ خبر اسان ٻڌي آهي. ڪيتري قدر صحيح آهي؟ جواب ۾ کيس ٻڌايان ٿو ته ڳالهه صحيح آهي.

قساوت قلبيءَ جي شڪايت ان ڪري اتر جو اڪيون آليون ضرور آهن پر روٽاڙي ڍو نه ڪرايو اٿن ته جيئن اندر جا ارمان ۽ ڇهڪ جهڪا ۽ هلڪا ٿين. اها شڪايت عين انهيءَ وقت ختم ٿئي ٿي. جنهن مهل فجر وقت 4:45 تي امير جمعيٽ اهل حديث سنڌ علامه سيد بديع الدين شاه راشديءَ جو جسد خاڪي ڪراچيءَ کان نيو سعيدآباد جي آزاد پير جهنڊو ۾ واقع سندن حويليءَ جي مين گيٽ مان سڌو گهر آندو وڃي ٿو. رات جي خاموشيءَ ۾ مهمان نوازيءَ جي مثالي گهر جون رونقون مدهم پئجي ويون آهن. الفردوس مسجد جي مصلي تي جنهن مٺڙي ۽ ترنم واري آواز جي گوڻج ۾ قرآن شريف جي تلاوت پٿر دل انسانن کي ميٺ ڪري ڇڏيندي هئي، ان دؤر جي پڄاڻي ٿي رهي آهي. المڪتبه الراشديه جو ڪتابن سان سٿيل ڪتاب گهر، يا ان جو ورائنڊو ۽ ٻاهريون لان وارو حصو جنهن عبقرِي شخصيت جي وجود سان آباد هوندو هو، انهيءَ گلستان جو رکوالو پنهنجي ڪتابي باغ جي هر گل يعني موتي، گلاب، چنبيلي ۽ سنڀل کي مرجھايل ۽ اداس ڇڏي هميشه لاءِ هليو ويو آهي. گلستان اهل حديث جي معمار جو لاش حويلي اندر ڪيتري دير اڳ ۾ وڃي چڪو آهي ليڪن منهنجا قدم حويليءَ جي ٻاهران هڪ ئي هنڌ بيهي ويا آهن. اداس ڪتب خاني ڏانهن موٽان ٿو ته شاه صاحب جا ڪيترا دوست ۽ احباب، همدرد ۽ غمگسار مون وانگر مايوس ۽ پريشان بيٺا آهن جن ۾ شيخ محترم عبدالله ناصر رحمانِي صاحب، شهيد حافظ محمد ادریس، عبدالرحمان هنگورو، شهيد عبدالشکور جن، حاجي احمد ڀاڻي، ميمڻ، حاجي لال محمد، حاجي محمد ۽ جعفر هنگورو ۽ ٻيا ڪافي دوست آهن. انهن تي جيئن ئي نظر پوي ٿي ته اکين مان لڙڪن جو اڻ کٽ سلسلو شروع ٿي وڃي ٿو. يار جي يارن سان ۽ دل وارن سان ملندو پيو وڃان ۽ روئندو پيو وڃان. ايترو زور دار ۽ لڙڪن ڀريو روئڻ شروع ٿئي ٿو گوريآڪ مون کي هاڻ ۽ هيٺرئي اها اندوهناڪ خبر ملي هجي.

طوفانِ اشک چشمِ تر سے موجزن ہے آج
 ہر قلبِ غم شناس مصروفِ حزن ہے آج
 کل تھا جس چمن میں بہاروں کا اہتمام
 بادِ خزاں کی زد میں وہ سارا چمن ہے آج
 نالہ کناں ہے کس کی جدائی میں عندلیب
 سینہ فگار کیوں یہ ہر برگِ چمن ہے آج
 کون اٹھ گیا ہے دہر سے یہ غم کسار دین
 ہر دل میں درد، لب پہ فریادِ حزن ہے آج
 غلہ بریں میں حوروں کو کس کا ہے انتظار
 کس نیک دل کی لاشِ ملبوسِ کفن ہے آج

5:15 تي ڪتب خاني جي اولهه واري وراندي ۾ برادر مر عبدالعزيز نهڙيو.

سائين حافظ محمد ڪٿي ۽ سائين عبدالغني پساو تي نظر پوي ٿي، ورهين جون يادون سامهون اچن ٿيون. اڙي پاءُ عبدالعزيز! توکي ۽ مون کي ڪنهن سڃاتو ٿي؟ اسان کي هيتري ساري عزت ڪٿان ۽ ڪنهن جي هٿان ملي؟ بديع التفاسير لکڻ لاءِ عبدالغفار کي سڏيو، ڪو ڪتاب نه پيو ملي ته عبدالعزيز کي چئو ته فلاڻي رنگ جي پاني وارو ڪتاب ۽ فلاڻي سائيز جو ڳولي اچي، اڄ فلاڻي شهر ۾ جلسو آهي، اڄ فلاڻي مدرسي جو امتحان آهي، اڄ پنجاب جو دورو آهي، مون سان گڏ هلو، مسجدون ۽ مدرسا تعمير ٿي رهيا آهن انهن جي سنڀال عبدالعزيز کي ڪرڻي آهي. ها بابا! فلاڻي مسجد جو ٻڌاءُ، ڪيترو ڪم ٿيو آهي، ڪيترو خرچ ٿيو آهي، ڇا ڏيڻو آهي؟ تون ٻڌاءُ، هن کي هيتري رقم ڏي، چيڪ بڪ کڻي اچ، عبدالعزيز! منهنجي اڪائونٽ جي خبر ڇار ڏي، ٻني ٻاري جي آمدني ٻڌاءُ، وري جڏهن ٻاهرين ملڪن جي تبليغي دوري تي آهن، ڪڏهن آمريڪا، برطانيا، ڪئناڊا ۽ بيلجيم يا ڊينمارڪ مان خط پيو اچي ته ڪڏهن ڪويت، انڊيا ۽ بنگلاديش مان خط پيو اچي، ان جي ابتدا هن ريت آهي، محترم و مڪرم برادر مر مخلص دوست عبدالعزيز.... اهي خط هاڻي توکي ڪير لکندو؟ عبدالغفار شاه صاحب جو ڪاتب ۽ عبدالعزيز شاه صاحب جو ڪاتب، اهي سڃاڻپ جا اهڃاڻ انهيءَ بزرگ هستيءَ جي وجود سان ئي قائم هئا، پاڪر پائي خوب روئي لڙڪ اڳهياسين. سائين حافظ محمد صاحب کي گوياءُ

معذرت ڪندي چئي رهيو آهيان ته سائين! ڏيپلي کان سعيدآباد تائين آڏيءَ رات جو اُتندو سفر جي تڪليف وري ڪانه ڏبي.

فجر نماز شيخ عبدالله ناصر رحمانِي پڙهائي. 7 بجو ريڊيو پاڪستان لاءِ حيدرآباد فون ڪري محترم امام الدين جماليءَ کي خبر لکرايم ته وري وري نشر ٿئي. ڪتب خاني جي ٻاهران شاميانا لڳايا ويا آهن، تدفين لاءِ آبائي قبرستان جو فيصلو ٿي چڪو آهي، قبر جي تياريءَ لاءِ ماڻهو موڪليا ويا آهن. سعيدآباد توڙي سنڌ جي ڳوٺن ۽ شهرن مان جماعت وڏي پيماني تي پهچڻ شروع ٿي وئي آهي. راشدي برادريءَ جا افراد به اچي رهيا آهن. ڪتب خاني جي اڱڻ ۾ سائين محمد شاه سميت سائين جن جا پٽ، پوٽا ۽ ڏوهڻا غمزدہ ويٺل آهن. شيخ عبدالله ناصر ۽ حافظ محمد اديريس جن به ويٺل آهن ۽ ٻاهران ايندڙ ماڻهو ساڻن ڏک جو اظهار ڪري رهيا آهن. عبدالغفار انصاري، اسحاق پاڻي فروت وارو، حنيف پاڻي، عمر پاڻي، ڊاڪٽر محمد سومار ميمڻ، چوڌري محمود، عبدالڪبير گزدر، قمر الدين بٽ، مزمل پاڻي، ابراهيم موتيءَ وارو، اشرف پاڻي، ڇاڇا آچر ۽ سائين مولوي محمد قاسم ۽ ٻيا نيڪ احباب جن کي حد کان وڌيڪ شاه صاحب سان محبت هئي ۽ شاه صاحب کي انهن سان والھانه محبت هئي، انهن تي نظر پوڻ جي دير هئي ته ڪئين يادون تري ۽ ڳوڙها ڳري آياڻي.

سائين عيسن شاه هاشمي ته اپ ڌاريندڙ اوچنگارن سان بي حال ٿي ملي ٿو. اڙي شاه صاحب! 1950ع واري ڏهاڪي کان ذري گهٽ اڌ صدي تي مشتمل تنهنجي جگري يار کان هميشه لاءِ وڃڻي ويو آهين! تنهنجا لطيفا ۽ خوش طبعي وارا پوڳ هاڻي ڪير ٻڌندو؟ ٽنڊو محمد خان جي مين پرائمري اسڪول جي گيٽ تي سڏائي پنهنجي گاڏيءَ ۾ ويهاري توکي سنڌ جا سفر هاڻي ڪير ڪرائيندو؟ ننگرپارڪر جي سير سڀاڻي تي توکي ڪير وٺي ويندو؟ خوب روئي هڪٻئي مان پاڪر ڪڍياسين.

پھولون ڪا نصيب ڪر روئڻ وه روز و شب

غڻڻون ڪي چشم غم سے بھی آنسو رواں هون

جنگ اخبار نمايان خبر ڏني آهي. عبرت اخبار پهرئين صفحي تي وڏيءَ سرخيءَ ۾ خبر ڏني آهي. ڪاوش سميت ٻين اخبارن ۾ به خبر آئي آهي. پوري سنڌ جي ڪنڊ ڪڙڇ مان جماعتي ساڻي پنهنجي محبوب قائد ۽ پياري رهبر ۽ رهنما جي

آخري ديدار خاطر ڪاهي اچي رهيا آهن. بهراڙيءَ جي ڳوٺن مان وڏي تعداد ۾ ماڻهو انتهائي غم ۽ ڏک ۾، آهون ۽ سسڪيون ۽ هچڪيون پريندي حاضر ٿي رهيا آهن. گويڪ خبر سنڌ بلڪ پوري ملڪ ۽ ملڪ کان ٻاهر باهه وانگر پڪڙجي وئي آهي. لاهور مان ميان محمد جميل ۽ حافظ محمد سعيد، خانپور مان قاري عبدالوڪيل ڪراچيءَ مان جامعہ ابوبڪر جو مدير شيخ ظفر الله ۽ ڪشمير مان به هڪ به مجاهد جنازه نماز کان اڳ پهچي چڪا آهن. مدينه منوره مان حاجي خالد ڪيريو صاحب وارن جون فونون پيون اچن، صبح سان ڪويت ۾ عارف جاويد محمدي کي فون ڪيم، موصوف ٻڌايو ته اسان کي رات ئي اها خبر ملي چڪي آهي. اهڙي طرح مختلف هنڌن تان ماڻهو فون ذريعي تعزيتي پيغام موڪلي رهيا آهن.

12:30 وڳي شيخ عبدالله ناصر رحمانی، حافظ محمد ادریس شهيد، سائين محمد شاه ۽ سيد عيسن شاه کي مڪتبہ راشديه ۾ جنازه نماز جي امامت ۽ قائم مقام امير مقرر ڪرڻ لاءِ عرض ڪيم، مشوري بعد شيخ عبدالله ناصر تي ذميوارِي رکي وئي. نيز جماعتي نظم و نسق هلائڻ لاءِ 19 جنوري جي تاريخ مقرر ٿي، انهيءَ ڏينهن نئون امير منتخب ڪيو ويندو ان شاء الله. ظهر نماز حافظ محمد ادریس شهيد جي امامت ۾ ادا ڪئي وئي. نماز کان فارغ ٿيڻ بعد نماز جنازه جي تياري ٿيڻي آهي. غسل سائين محمد قاسم شاه راشديءَ پنهنجن ساٿين سان گڏجي ڏنو هو. ڪتب خاني جي طرف ڊاڪٽر سچڻ ميمڻ صاحب ۽ ڊاڪٽر اڪبر علي شيخ صاحب تي نظر پوي ٿي، وڏي روئندي ملان ٿو. يڪدم مٿي تي هٿ ڦيري ٿڌي ڏيئي ٻئي ڄڻا صبر لاءِ همٿائي رهيا آهن. ٻيا به هزارين جماعتي احباب ڏسان ٿو، جيڪي مون وانگر پريشان حال ۽ ويڳاڻا آهن. گويڪ مٿانئن شفقت جو هٿ ڪڍي چڪو آهي، باعمل عالم جي چانو پريو چير مٿي تان ڊهي چڪو آهي، توحيد ۽ سنت جو سهڻو سبق ڏيندڙ، پيري مردي ۽ تقليد جا طوق ۽ ڳٽ ڇڻندڙ کين چورو ۽ يتيم ڪري راهي ٿي چڪو آهي. راشدي خاندان جا افراد به کين خراج تحسین پيش ڪرڻ لاءِ موجود آهن. تياريون مڪمل آهن. سڀ کان پهرين حويليءَ ۾ خاندان وارن کي سڏ ٿئي ٿو ۽ چنڊ گهڙين بعد شيخ العرب والعجم جو جنازو ٻاهر آندو وڃي ٿو. لڙڪن ۽ هچڪين وچان ڪلهي ڏيڻ لاءِ هر محبتي آرزو مند آهي، تمام گهڻي رش ۽ هجور آهي. آهستي آهستي جامع مسجد الفردوس جي هال ۾ محراب جي جاءِ تي بنت

العرب جي سدا بهار هستيءَ جي جنازي کي آندو وڃي ٿو. الفردوس مسجد پنهنجي وسعت ۽ کشادگيءَ جي باوجود مجاهد كبير، عالم باعمل، متبع سنت، قاطع شرڪ و بدعت علامه راشديءَ جن جي صحبت ۽ محبت جي گرويدن جي سمنڊ کي پنهنجي هنج ۾ جاءِ ڏيڻ ۽ جنازه نماز جي سعادت حاصل ڪرڻ کان نابري واري چڪي آهي وري به گوياءَ آواز اچي ٿو ته هيءَ جنازه نماز آهي، جنهن ۾ رڪوع ۽ سجدو نه آهي تنهن ڪري صحن جي وٿي گهٽ ڪريو ان جي باوجود مسجد جو اندريون هال، ورنديو ۽ ٻاهريون اڱڻ ڀرجي ويا آهن. وري ماڻهو مسجد جي مٿان خواتين لاءِ ٺهيل هال ۾ صفون ٻڌن ٿا. ليڪن ماڻهن جو سمنڊ مسجد ۾ نٿو مائي، نيٺ ماڻهو ڪتب خاني ۽ عيدگاه ۾ صف بندي ڪن ٿا، ان کان علاوه مسجد جي اوڀر طرف ديوار کان ٻاهران به صفون ٻڌيون وڃن ٿيون. تقريباً هر طرف صفون درست ڪيون ويون آهن ۽ نماز جي تياري بلڪل مڪمل آهي. محترم شيخ عبدالله ناصر رحمانی ۽ سائين محمد امين شاه راشدي لاکڙو اسپيڪر تي اعلان پيا ڪن ته هن مرد مجاهد ۽ خدا جي نيڪ ٻانهي جي طرف ڪنهن جي ڏيتي ليتي يا قرض هجي ته اسين ادا ڪرڻ لاءِ حاضر آهيون. سائين امين شاه اهو به ٻڌائي پيو ته شاه صاحب جن وفات وارين گهڙين ۾ چيو هو ته مون کي واپس گهر وٺي هلو ۽ ته جماعت وارن کي چئجو ته جيڪڏهن ڪا غلطي يا ڪوتاهي ٿي هجي ته مون کي معاف ڪجو.

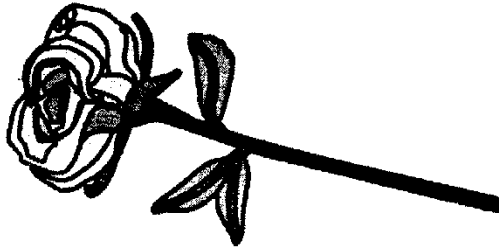
انهيءَ دوران نماز جي لاءِ چوٿو طرف صف بندي ٿي چڪي آهي. آئون اڃا مسجد کان ٻاهر آهيان ۽ جلدي جلدي محراب واري طرف کان دريءَ مان داخل ٿي، جنازه جي برسان پهرين صف ۾ شهيد حافظ محمد اديس سان گڏ اچي بيهان ٿو. سائين عيسن شاه هاشمي ٻڌائي پيو ته جمعيت اهل حديث سنڌ جي امير علامه سيد بدیع الدین شاه راشديءَ جي جنازه نماز محترم شيخ عبدالله ناصر رحمانی جن پڙهائيندا ۽ شاه صاحب جي اڃانڪ وفات سبب سندن جاءِ تي قائم مقام امير به شيخ صاحب جن کي مقرر ڪيو ويو آهي. شهيد حافظ محمد اديس رحمة الله عليه جنازه نماز جو مسنون طريقو بيان ڪري رهيو آهي. ان کان پوءِ شيخ ناصر صاحب جن کي جنازه نماز شروع ڪرڻ لاءِ چيو وڃي ٿو ته پويان بيٺل ماڻهن جي سمنڊ جي اکين ۾ آب جاري ٿئي ٿو. شيخ موصوف سورت فاتحه دوران زارو قطار روئي رهيو آهي. منهنجي ڀر سان حافظ محمد اديس جي به ساڳي ڪيفيت آهي. مسجد مان سڏڪن

پريو آواز اچي رهيو آهي. سورت جي پوري ٿيڻ بعد جڏهن شيخ صاحب آيت يا ايتها النفس المطمئنة.... الخ جا الفاظ اڃا مس شروع ڪري ٿو محسوس ائين ٿي رهيو آهي جو گوياءِ سموري جماعت ان جي معنيٰ ۽ مفهوم کان آگاه ۽ باخبر آهي. موصوف اها آيت وري وري پڙهندو ۽ وري وري روئندو رهي ٿو. پويان مقتدي به روئي روئي نيٺ وهائي ۽ هنجون هاري رهيا آهن اهڙي رقت آميز گهڙيءَ مهل شايد ٿي ڪا ڪنور دل هجي جيڪا ميڻ وانگر پگهري يا برف وانگر ڳرڻ شروع ٿي نه هجي. درود شريف بعد لڙڪن جي وسڪاري ۾ ڊگهيون ڊگهيون دعائون گهريون ويون ته روئي به ڍو ڪيوسين. نماز ختم ٿي ٿي. ورائندي ۾ شيخ العرب والعجم جي ديدار لاءِ ڪٿ رڪي وڃي ٿي. چاهيندڙ جيتن وانگر مڙي محبوب جي مرڪ ڀرئي منهن ۽ چوڏهين جي چنڊ جي چانڊاڻ ڏسڻ لاءِ بي تاب آهن. ڪراچيءَ مان آيل هنگورن جا چند نوحوان ۽ ٻيا ڪجهه ساٿي انتظام سنڀالين ٿا ۽ جنازه جي چوڻ طرف قطار ۾ بيٺا آهن ته جيئن هن آفتاب و ماهتاب جي ميڙاڪي کي آخري ملاقات آساني سان ڪرائي سگهجي مٿان زخمن سان چور هنن پيار ۽ پاپوه جي پوپڻ کي ڪا خراش اچي ۽ اسين ميار ٿيون. رش ۽ هجور سبب وري به شيخ العرب والعجم جي جنازي واري ڪٿ کي ورائندي مان ٻاهر آڻي وضو خاني جي ڀرسان اوڀر ۽ ڏکڻ واري ڪنڊ ۾ رکيو وڃي ٿو. اتي به نوحوان ماڻهن کي قطار ۾ آڻي نمبروار پنهنجي امير ۽ محبوب قائد جي آخري ديدار ۽ موڪلاڻي واري ملاقات کي ڪنٽرول ڪري رهيا آهن. آئون به هجور وڃان اڳتي وڌندو محبوب جي منهن ڏسڻ لاءِ پريشان آهيان. پويان ماڻهن جي پيهات ۽ ڌڪ ڌڪان آهي. علامه سيد بديع الدين شاه راشدي جي نوراني چهري مبارڪ تي نظر پوي ٿي. جلال و جمال جو صاحب پرسڪون ۽ ابدي ننڊ ۾ آرامي آهي. وڏيون ۽ خوبصورت ۽ رعبدار اکيون پنڊڻ ورائي محو استراحت آهن. سونهاري مبارڪ ڪجهه وقت مهندي نه لڳڻ ڪري سفيديءَ ڏانهن مائل ڏسجي ٿي. سندن سيند هيرن ۽ جواهرن وانگر هرڪي ۽ هرڪي رهي آهي. عالي دماغ امام ۽ محدث جي عظمت ۽ محنت جي شاهدي سيند جا باقي رهيل چند سفيد وار ڏئي رهيا آهن. هن فقير حقير کي علامه راشديءَ جي بابرڪت چهري تي ٽڪاوٽ جا ڪجهه آثار نظر اچن ٿا. گوياءِ شڪايت ڪري رهيا هجن ته اي توحيد و سنت جا متوالو! اوهان کي خبر هجڻ گهرجي ته ميت کي ان جي اصل منزل تائين پهچائڻ ۾ دير ڪرڻ نه گهرجي.

تنهن ڪري مون کي پنهنجي ماڳ تي پهچائڻ ۾ ايتري دير ڇو ٿا ڪريو؟ پويان هجور جي پيهات سبب دلبر جي پيشانيءَ کي چمي نه ڏيئي سگهيس، گوياء اها حسرت پوري نه ٿي. تنهن هوندي به مالڪ جا لک احسان جو محدث وقت جي آخري سفر ۾ شريڪ ٿي سگهيس. مولانا عبدالرحمان سلفي امير جماعت غريباءِ اهل حديث ۽ مولانا ڪمال الدين عثماني وارا به ڪراچيءَ مان وڏي جماعت سميت پهچي هن عالم رباني جو آخري ديدار ڪري رهيا آهن. ڪلاڪ ڏيڍ تائين ماڻهن جو هجور سندن امير ڪاروان جو منهن مبارڪ ڏسندو رهيو. جنهن بعد علامه راشديءَ جي جسد خاڪيءَ کي آبائي قبرستان نيٺ لاءِ ايمبولينس جو به انتظار ٿيل آهي. ليڪن وفا جي پيامبر ۽ امير جي دوستن، احبابن ۽ جماعتين جي خواهش ۽ آرزو آهي ته پنهنجي محبوب اڳواڻ جي امارت جو حق ادا ته ڪري نه سگهياسون. تنهن ڪري اسان کي وڌيڪ شرم سار نه ڪريو بلڪه اها سعادت اسان جي ڪمزور ڪلهن کي بخشيو ته پنهنجي امير کي سنت مطابق ڪلهو ڏيئي ابدي آرام گاه تائين پهچايون. نيٺ سندن راءِ جو احترام ڪندي پيادل پنڌ ڪري ويڇڻ جو فيصلو ٿيو. دلبر جي ديدار واري جاءِ تان جنازه کنيو ويو. فردوس مسجد، مڪتبہ راشديه، مدرسه محمديه ۽ راشدي حويليءَ جو وجود ۽ ان جا در ۽ ديوارون حسرت ۽ ارمان جو آخري نظارو پسي رهيون آهن ته اي محدثن جي قافلي جا سرواڻ! اسان کي هاڻي ڪير آباد ڪندو؟ اسان جي سار سنڀال ڪير لهندو؟ اسان جي ڀارت ڪنهن کي ڪري پيا وڃو؟ متان اسان جي موسم خزان شروع ٿيڻ واري آهي؟

حويلي ۽ ڪتب خاني جي وچان، پوءِ عيدگاه واري ديوار کان ٿيندو وقت جي عظيم محدث ۽ اسڪالر جو قافلو قومي شاهراه تي اچي ٿو ۽ اڳتي اتر طرف پير جهنڊو ۽ درگاه شريف جي طرف وڌي ٿو. قومي شاهراه تي انسانن جو چوليون هڻندڙ سمنڊ ڏسي ٽريفڪ پڪي تان ڪڍي تي لهي وڃي ٿي. آئون ڪٿ کي ڪلهو ڏيان ٿو ۽ پويان لاءِ ڇڻ جو خوف به آهي. پوءِ برادر محمد زمان جماليءَ سان موٽر سائيڪل تي درگاه شريف واري قبرستان تي اچان ٿو ۽ جائزو وٺون پيا ته ڪنهن به طرح بدانتظامي نه ٿئي. ٿوري دير کانپوءِ شيخ العرب والعجم جو جسد خاڪي پهچي ٿو. قبرستان جي ٻاهران ڪٿ رکي وڃي ٿي. عصر نماز جو وقت ٿي ويو آهي. انهيءَ ڪري پهرين نماز جي جماعت ڪڙي ٿئي ٿي. نماز کان فارغ ٿي ٻاهر ٻيو دفعو مولانا

فانا لله وانا اليه راجعون.



آه! علامه پير بديع الدين شاه راشدي

هن جهوني آسمان جو جگر شاهد آهي ۽ تاريخ جا صفحا گواه آهن ته دنيا جي نقشي تي قائم عظيم خطي سنڌ جي سيني مان هزارين انمول هستين جنم ورتو آهن، جن تي اڄ به دنيا جي تاريخ فخر ڪري ٿي. سنڌ صدين کان علم جو سمند رهيو آهي. اهڙين ئي عظيم هستين مان هڪ عظيم هستي اسان کان موڪلائي وئي جنهن جي نالي وٺڻ سان اڄ به عالم اسلام ۾ سنڌ جو نانءُ وڏي احترام سان ورتو ٿو وڃي. اها شخصيت آهي علمي آفتاب، فخر سنڌ، رئيس المحققين، سلطان المحدثين، شيخ العرب والعجم حضرت علامه حافظ سيد ابومحمد بديع الدين شاه راشدي السندي المڪي جن جي، جيڪا سنڌ وارن کي ڇڏي سنڌ جي سيني ۾ سمهي رهي.

علامه صاحب رح دور حاضر جا عظيم مبلغ، مفڪر، محقق، مجاهد ۽ عالم هئا. سندن تبليغي، تحريري ۽ فلاحِي خدمتون تاريخ جي ورقن ۾ محفوظ آهن. الله رب العزت کين هڪ ئي وقت سوين صلاحيتن ۽ نعمتن سان نوازيو هو. پاڻ پنهنجي شخصيت ۾ هڪ مڪمل ادارو هئا.

منهنجي علامه صاحب جن سان پهرين ملاقات مسجد الحرام مڪه مڪرمه ۾ ٿي. ان وقت علامه صاحب رح جن جواني واري دور ۾ هئا. آئون ان وقت سعودي حڪومت جي وزارة الصحة ۾ ملازم هئس. منهنجي نظرن ڏٺو ته هڪ عالم، حرم پاڪ ۾ اردو ۾ خطاب ڪري رهيو آهي. سندن آواز ايڏو ته مٺو، سندن شخصيت ۾ ايڏي ته ڪشش آهي جو نه فقط پاڪستان ۽ هندوستان، آفريقا ۽ بنگلاديش وغيره جا رهاڪو سندن خطاب ٻڌي رهيا آهن پر هزارن جي تعداد ۾ عرب ملڪن جا ماڻهو به سندن عربيءَ ۾ بيان ٿيندڙ حديث ۽ قرآن جي آيتن مان ڏنل دليلن کي غور سان

☆ ڏرو ضلع ٺٽو، اڳوڻو ڊائريڪٽر هيلٿ آبهه/سعوديه عربيه.

سماعت ڪري رهيا آهن. مون اڇرج مان پنهنجي ڊاڪٽر دوست کان پڇيو ته هي هيڏو وڏو اسڪالر ڪٿان جو آهي؟ سوال جو هي جواب ٻڌي ته هي عظيم علمي آفتاب سنڌ جي پير جهنڊي واري خاندان مان آهي، خدا شاهد آهي ته مون کي هن ڳالهه تي تمام گهڻي خوشي محسوس ٿي جو اڃان به زرخير سنڌ ۾ اهڙا املهه هيرا موجود آهن. جيڪي دنيا اسلام ۾ پنهنجي علم جو سڪو مڃرائي سگهن ٿا.

مون پاڪستان ۾ ڪفر جون فتوائون ۽ نور بشر تي علماء جا جذباتي خطاب ٻڌا هئا پر توحيد تي ايڏا وڏا دلائل فقط علامه صاحب رح جن کان ئي ٻڌا، علامه صاحب رحجن جي خطاب جي پڄاڻيءَ تي مون ساڻن پنهنجو تعارف ڪرائيندي ٻڌايو ته آئون گذريل ڏهن سالن کان سعودي عرب ۽ مديني جي مير جي ملڪ ۾ طبي خدمتون انجام ڏئي رهيو آهيان. جواب ۾ سندن ادا ڪيل حلق ۽ عاجزي ڀريل لفظن مون کي فدا ڪري ڇڏيو. مون بروقت ڪعبه الله جي دروازي تي هٿ ٽنگي الله رب العزت آڏو عرض ڪيو ته ڪاش! هي عظيم هستي منهنجي ڳوٺ ڌڙي ۾ اچي ۽ ڏي شهر وارن کي ٻڌائي ته اسلام ڇا آهي ۽ اسان اسلام جا نيڪيدار سڏائيندڙ ڪيترا مسلمان آهيون!!!!

منهنجي اها دُعا پنجويهن سالن بعد اڳهامي، علامه صاحب رح جن اسان جي دعوت قبول ڪندي غريب خاني کي عزت بخشي. اسان کي سندن علم مان فائدي ماڻڻ جو اعزاز نصيب ٿيو. سندن اهو حرم پاڪ وارو مٿڙو ۽ پر اثر آواز ڌڙي ۾ ٻڌي بيحد مسرت محسوس ڪيم.

مان دنيا اسلام جي مڙني معتبر تاريخن جو مطالعو ڪيو آهي. ان مان اهوئي نتيجو اخذ ڪيو اٿم ته جيستائين دنيا جا هي مفڪر ۽ گنبد خضراء واري نبي ﷺ جا وارث زندهه رهيا آهن، دنيا وارن مٿن پٿر اڇليا آهن. سندن راهن ۾ ڪنڊا پکيڙيا آهن، سندن شان ۾ گستاخيون ڪيون آهن ۽ هر طرح سان کين تنقيد ۽ توهين جو نشانو بڻايو آهي. پر مرڻ بعد انهن هستين جي قبرن مٿان قبا اڏي، انهن آڏو

سجدا ڪيا اٿن ۽ سندن لاڏاڻي تي رت رنا آهن. اهوئي آهي اسان جي تاريخ جو نچوڙا.

منهنجي اها تمنا هئي ته ڪاش! اسان ان روايت کي توڙي، هيڏي جليل القدر اسڪالر کي ڏيکاريون ته نه، اوهان پنهنجي زندگيءَ ۾ قين کان بي نياز هڪ اهڙي علمي ڪتب خاني جو سنگ بنياد رکو ۽ پنهنجي مقدس هٿن سان ان جو افتتاح ڪريو جو دنيا وارا ڏسن ته سنڌ جي ماڻهن پراڻي روايت کي توڙي نئون باب جوڙيو آهن. الحمدللہ، 14 آڪٽوبر 1994ع تي جمعي جي مبارڪ ڏينهن تي علامه صاحب جن پنهنجي مبارڪ هٿن سان ان لائبريري جو افتتاح ڪيو. سندن نالي سان شاھ بدیع الدین لئبرري ڌڙو ضلع نٿو قائم ڪئي وئي. جنهن ۾ پنج هزارن کان وڌيڪ اسلامي ڪتاب، تفسير، حديث، فتويٰ، تاريخ ۽ سيرت سوانح سميت ڪيترن ئي موضوعن تي ناياب ڪتاب پڻ موجود آهن. اها منهنجي دل جي تمنا هئي ته هي جهونو عالم، جيستائين اسان شاندار جديد بلڊنگ ٺهرايون، تيستائين متان اسان کان جدا ٿي وڃي ۽ اسان جي دل ۾ اها حسرت رهجي وڃي. الحمدللہ، اها لئبرري قائم ٿي وئي ۽ اڳتي هلي هيءَ لائبريري دنيا جي وڏين لائبريرين ۾ ڳڻي ويندي ۽ علامه صاحب جو مبارڪ نالو هن لئبرري جي هر ڪتاب جي سيني تي لکيل هوندو ۽ دنيا گواهي ڏيندي ته سنڌ جا مسلمان پنهنجي جيد ۽ جليل القدر هستين جو قدر زندگي ۾ به ڪرڻ ڄاڻين.

سنڌ جي تواريخ ۾ اسلامي دنيا جون ڪيئي هستيون گذري چڪيون آهن جن دنيا اسلام جي ايڏي ته خدمت ڪئي آهي جو انهن سنڌي سڏاڻن تي فخر محسوس ڪيو آهي. مون مسجد الحرام مڪه مڪرمه جي لئبرري سميت عرب ملڪن جي ڪيترين ئي وڏين لئبررين مان سنڌ جي علمائن جون تاريخون گڏ ڪيون آهن. جن محمد بن قاسم رح جي سنڌ آمد کان به گهڻو اڳ، عرب جي صحرائن ۾ اسلامي تعليم ۽ تبليغ سان گڏوگڏ مشهور جنگين ۾ اسلام جا سڃا سپاهي بڻجي مصطفيٰ

جي دين جي ڦهلاءَ ۾ ڪافرن سان مهاڏو اٽڪايو. آئون هميشه سنڌ جي نوجوانن کي چوندو آهيان ته هو فقط حضرت شاه لطيف ۽ سچل سرمست جا نالا ئي ٻڌائي سگهندا آهن. جڏهن ته اسان جي مادر سنڌ جي سيني مان جنميل ٻين لکين هستين جون تاريخون موجود آهن. جن تي پڻ صديون گذرڻ کانپوءِ به فخر ڪري سگهجي ٿو ۽ دنيا اسلام کين وڏي فخر سان تاريخ جي آڏو آئي ٿي.

علامه بديع الدين رح موجوده دور جا انتهائي بلند پايه مجاهد هئا. پاڻ سنڌ اندر پڪڙيل بدعتن ۽ هٿ ٺوڪين قصن ۽ ريتن رسمن خلاف پڻ جهاد ڪيائون. جنهن سبب سنڌ جو پڙهيل ڳڙهيل طبقو سندن تبليغ جي تحقيقي ۽ علمي انداز کان متاثر ٿي غير اسلامي نظرين کان بيزا ٿي توحيد پرستي واري جهنڊي هيٺ گڏ ٿيو.

علامه صاحب جن آمريڪا، برطانيا، ڪويت ۽ سعودي عرب کان علاوه ٻين به ڪيترن ئي ملڪن جا تبليغي دورا ڪيا. علامه صاحب جن ڪردار جا به غازي هئا، پاڻ به نفس نفيس عسڪري جهاد به ڪيائون، بوسنيا، چيچنيا، فلسطين ۽ ڪشمير سميت جتي به مسلمانن سان ظلم ٿيو ان خلاف موثر آواز اٿاريائون. علامه صاحب ملڪ اندر ڪيتريون ئي مسجدون تعمير ڪرائي خدا جي پانهن کي سڃدي جي جاءِ فراهم ڪيائون. ٿر جي بيابانن ۾ سنت عثماني رضه تي عمل ڪندي ڪيترائي پاڻيءَ جا کوهه کوٽائي ٿر واسين کي پيئڻ لاءِ پاڻي فراهم ڪيائون.

جهور پوڙهو هوندي به آخر دم تائين ملڪ جي دور دراز ۽ ڪنن مسافرين جون تڪليفون برداشت ڪري به تبليغ، امر بالمعروف ۽ نهی عن المنکر جو فرض ادا ڪيائون. پاڻ هڪ ئي وقت قرآن ۽ حديث جا حافظ هئا. سندن علمي هڪ سموري عالم اسلام ۾ پڪڙيل هئي. پاڻ عربي، اردو ۽ سنڌي ٻوليءَ ۾ ڪتاب لکيائون. عربي زبان ۾ 60 اردو ۾ 32 ۽ سنڌي ۾ 21 ڪتاب سندن يادگار آهن. سندن شهره آفاق تفسير بديع التفاسير جيڪو جديد دور جي تقاضائن ۽ علمي انداز ۾ انتهائي مدلل نموني لکي رهيا هئا. مڪمل نه ٿي سگهيو، پر ان جا جيڪي به جلد شايع ٿيا آهن. انهن جو عربي ۾ ترجمو شروع ٿي چڪو آهي. پاڻ نيو سعيدآباد

۾ هڪ اعليٰ ۽ جديد اسلامڪ سائنسيفڪ يونيورسٽي قائم ڪرڻ لاءِ پاڻ پتوڙي رهيا هئا ۽ ان سلسلي ۾ پلاٽ به حاصل ڪيو هئائون. علامه راشدي رح جن جي لئبرري جيڪا مڪتبہ راشديه آزاد پير جهنڊو ۾ موجود آهي. دنيا جي وڏين ۽ معتبر ترين قديم لئبررين ۾ شمار ڪئي وڃي ٿي.

علامه صاحب رح جن آخر دم تائين درس تدريس جو سلسلو جاري رکيو جڏهن به وتن ويڃڻ ٿيندو هو ته نوجوانن کان ويندي اسي سالن جي عمر جا پوڙها عالم به سندن علمي چشمي مان پنهنجي علمي اڃ اجهائيندا نظر ايندا هئا. پاڻ خوش خلق ۽ ملڻا جلڻا انسان هئا.

آئون دعويٰ سان چوان ٿو ته سنڌ ۾ اهڙا هزارين عالم ٿي گذريا آهن جن تي اسين جيترو به فخر ڪريون، اوترو گهٽ آهي. پر هن دور جي زنده عالمن ۾ علامه بديع الدين رح جن ئي اهي واحد عالم هئا جن کي دنيا اسلام ۽ عرب ملڪن ۾ تسليم ڪيو پئي ويو. ان جو زنده ثبوت هي آهي ته اڄ به مسجد حرام جي خطيب ۽ امام جو فرزند علامه رح جي شاگرد هئڻ تي فخر ڪري ٿو! عرب ملڪن ۾ علامه صاحب جن جا ڪيترائي شاگرد آهن جنهن سبب عالم اسلام سنڌ وارن تي فخر ڪري رهيو آهي. پاڻ ملڪي توڙي غير ملڪي ڪيترن ئي علمي ادارن جا مدير اعليٰ ۽ سرپرست هئا. غير شرعي رسمن خلاف بغاوت جو علم بلند ڪيائون ۽ انهن خلاف وڏو جهاد ڪيائون. اڄ اسان جا گنهگار هٿ سندن مقدس نالي پويان مرحوم ۽ عليه الرحمه لکندي ڏکي رهيا آهن. اسان جون دليون سندن جدائي جي صدمي ۾ ٻڏل آهن. اسان سنڌ وارن جي اها بدنصوبي آهي جو علم جو ايڏو وڏو خزانو ۽ دين رسول ﷺ جو علم اڄ سنڌ مان ڪڍي مٿن مٽيءَ هيٺ دفناجي ويو، پر ان شاء الله سندن ڇڏيل علمي ذخيره قيامت تائين اسلامي دنيا جي رهنمائي ڪندو رهندو.

الله رب العزت کين پنهنجي جوار رحمت ۾ جڳهه ڏئي ۽ اسان کي سندن نقش قدم تي هلڻ ۽ قدر ڪرڻ جي توفيق بخشي، ۽ سندن ڪيل خدمتون قبول فرمائي. آمين. (بشڪريه: ماهوار ”السند“ اسلام آباد شمارو نمبر 52 جون 1996ع)

بطل جلیل جو وچوڙو

انسان هن جيون ۾ مختصر مدت لاءِ موڪليو ويندو آهي. پوءِ يا ته هو پنهنجي پويان حسين، دلفريب، ناقابل فراموش خوشگوار يادون ڇڏي سماج کي ڪستوريءَ جهڙي خوشبوءِ سان واسي ويندو آهي يا وري پنهنجي پويان پيڙائن ۽ پاپن جا زهريلو ڪنڊن پريا ٻوٽا پوکي عالمِ انسانيت لاءِ ناسور جا نشان باقي بچائي هليو ويندو آهي.

دلبر هن دنيا ۾ وڃي رهندو واس

جهڙيءَ ريت هن ڌرتيءَ جي سونهن ۽ سوپيا سرسبز شاداب ساوڪ ڀريل فصلن، خوشبودار گلن ۽ ٻوٽن جي نينهن پرور نظارن سان ٿيندي آهي. اهڙيءَ ريت هن سنسار جي سونهن ۽ سوپيا، سچائي، اورچائي، سهڻپ ۽ ساڃاهه وند موتيءَ مثل ”ماڻهن“ سان هوندي آهي جن جي جيءَ جهوريندڙ جدائيءَ کانپوءِ سندس سارو ٿيون ستائينديون ۽ من مانڊو ڪنڊيون رهنديون آهن. زمين جي گولي تي هن وقت اسان نظر ڦيرائي ڏسون ته اسان کي هر طرف لوڻ، لالچ، ڪينو، ڪدورت، نفرت ۽ حقارت جا ڪاريهر ڦڻ ڪٽي امن ڀريل انسانيت ۽ عالمِ اسلام کي هڪ ئي ساهيءَ ۾ ڳڙڪائڻ جي فڪر ۾ نظر ايندا. دنيا جون متڪبر ۽ مغرور، هٿ ۽ هوڏ ڀريل قومون پنهنجي هڪ هئي سبب انسانيت سوز قهري ڪاروايون ڪندي ڌرتيءَ تي رهندڙ پوري انسانيت خصوصاً مسلمانن لاءِ زمين ٽامو، بڻائڻ ۾ ڪابه ڪسر ڪونه ڇڏينديون آهن. انسانيت بنا اجهي نتھڻ اُس ۾ جلي رهي آهي. هن جي هر صدا بصحرا ثابت ٿي رهي آهي. اهڙي هولناڪ ۽ قيامت خيز ناڪاري جذبات ڀريل ماحول ۾ آهڻسا، امن، ايڪي، اتحاد، سچ ۽ سڀت جو سبق سيکاريندڙ قوميت، وطنيت، مسلڪي گروهه بندين ۽ پارٽين جي ڪوڙڪي کان بالاتر ٿي سچ، سڀت ساڃاهه ۽ وحي الاهي قال الله

☆ گورنمينٽ ڊگري ڪاليج مٺي.

وقال رسول ﷺ جو عالمگير ۽ آفاقي رستو ڏسيندڙ ”پيغام محبت“ جو پرچار ڪندڙ، سچ ۽ سچت جو سوداگر علامہ سيد بديع الدين شاه راشدي رحمۃ الله عليه جي جدائي ۽ هولناڪ ويڙهو هيترا ورهيه گذرڻ کانپوءِ به وسارڻ جي سگهه نه ٿا ساري سگهون. بلڪ جيئن جيئن عالم اسلام تي ڏکيا ڏينهن پيا اچن ۽ امت مسلمہ تي ڌرتي سوڙهي ٿيندي ٿي وڃي تيئن تيئن هن مرد مانجهي رجل رشيد لاءِ نيٺ تائين وهائين. هن وقت سامراجي قوتن جي سهڪار سان ملت مسلمہ لاءِ سمجهون ٿا ته سچ سوا نيزي تي اچي بيٺو آهي پر هن قوم جي ڪو پرسان حال نظر ڪونه ٿو اچي. ڪنهن عظيم قائد لاءِ انسانيت واجهائي رهي آهي! موت برحق آهي مگر ڪنهن ڪنهن موتيءَ مثل ماڻهوءَ جون ساروئيون جيئن پوءِ تيئن ٿيون وڌيڪ ستائين. اهڙي بطل جليل جي ذڪر خير سان تٽل هاءِ تي چنڊو ٿو پوي.

سندس حياتيءَ جو عڪس فيض ڪهڙو نه خوبصورت چٽيو آهي.

جو رکے تو کوہ گراں تھے ہم جو چلے تو جاں سے گذر گئے

رہ یار ہم نے قدم قدم تجھے یادگار بنادیا فیض

علامہ بديع الدين شاه راشدي رحمۃ الله عليه جون ڪهڙيون ڳالهيون ڪجن؟ هو ته مهمير مڙس هو. منهنجي من کي ته ايترو ته وڻندو هو جو سندس صحبت جي سک سدائين سيني سان سانڍيل هوندي هئي. زماني جون ڪيتريون سرديون توڙي گرميون هجن مگر هن جي مانائيتي مک تي سدائين مرڪ سجايل نظر ايندي هئي. پنهنجون توڙي پراون جا ڏنل ڏونگر جيڏا ڏک ۽ ڏنجهه وسارڻ جو فن هن الاجي ڪٿان سڪيو هو؟ هن جو علمي پڙاڏو ڏيهه توڙي پرڏيهه تائين پهتل هو. سندس سعادت جي ڪهڙي ڳالهه ڪجي! هدايت جي نور بلد الامين جي چانءِ ۾ پورا ٿي سال الله جي گهر اڳيان رهي قرآن ۽ حديث جو درس ڏيڻ جو ڪين مثالي شرف حاصل ٿيو. جنهن مان دنيا جي ڪنڊ ڪڙڇ ۽ عالم عرب جا فاضل به لاپ حاصل ڪندا هئا. بيت الله شريف جي مانواري امام شيخ عبدالله بن سبيل جي فرزند ارجمند شيخ عمر کي به سندس

والد علامہ راشدي مرحوم اڳيان ادب جا گوڏا ڀڄي اسلامي علوم سان گڏ فهم ۽ فراست سکڻ جي پڻ هدايت ڪئي.

راشدي مرحوم سرزمين سنڌ جي ڪڪ مان جنم وٺندڙ عظيم سپوت هو. هو وڏو مفڪر، مجتهد ۽ زبردست مقرر ۽ مثالي استاد، وقت جو محدث ۽ مفسر هو. هن جا سخن فصاحت ۽ بلاغت جون چوليون هڻندڙ سمند نظر ايندا هئا. سندن بي پناه علمي اونهائي ۽ استعداد شگفتہ مزاجي گڏجي جيڪو ماحول پيدا ڪنديون هيون ان جي اظهار لاءِ الفاظ اڻ ڪافي آهن. افسوس جو اهڙو املهه انسان مڻيادار موتي به علمي ادبي محفلن ويران ڪري ڪنهن بي پار هليو ويو. هن مادياتي ۽ ملحدانه ماحول ۾ سندس نصيحت پريا روح پرور گفتا ٻڌي تتل هانءَ تي ڇنڊو پوندو هو. هن مرد مانجهي اڌ صديءَ تائين بنا ڪنهن غرض انسان ذات جي ڀلائي لاءِ پاڻ پتوڙڻ ۾ ڪابه ڪمي اچڻ ڪانه ڏني. پيرسنيءَ بيماري ۽ ڪمزوري جي باوجود اُنن، گهوڙن ۽ چڪڙن تي ڪڏهن وري پيرين پنڌ تر جهڙي پوئتي پيل علائقي ۾ الله ۽ پياري پيغمبر جو امن ڀريو آفاقي پيغام ترپندڙ انسانيت تائين پهچايائين. تر جهڙي نظر انداز ڪيل دردن ۽ دڪن جي ديس ۾ جتي تر واسي پاڻيءَ بوند لاءِ ابر ۾ اڪيون اڙايو ويٺا هوندا آهن. انهن کي به سندن جهوپڙين، لالدين ۽ چوٽرن اڳيان هن اڪيلي مرد مٿير پنهنجي ڪاوشن سان جمعيت احياءِ التراث الاسلامي ڪويت ۽ بين ديني ادارن جي تعاون سان اڍائي سئو کان مٿي ڪوه کوتائي صاف ۽ شفاف پاڻي پياري دردونديءَ جي ديس واسين جون دعائون حاصل ڪيون. تر پار ڪر کان سواءِ سنڌ جي مختلف ڏورانهن ۽ پوئتي پيل علائقن جتي غريب ۽ بي پهچ مسلمان ننڍڙي چوڊيواري (ڪروٽ) ۾ نماز پڙهي سردي گرمي سهڻ جا عادي بنجي ويا هئا انهن کي سئون جي تعداد ۾ مثالي ۽ پرسڪون مسجدون سندن ئي اڱڻ اڳيان نهرائي ڏنيون.

انيڪ ڳوٺن ۾ اسلامي مدرسا پڻ ڪولائي ڏنا هن جي تحرير توڙي تقرير ۽ علمي ادبي ذوق اعليٰ پاڻي جي وسعت هم گيري جوين تي نظر ايندي هئي. هن

سولي سنڌيءَ ۾ بديع التفاسير جهڙو جامع ۽ علمي تفسير لکي سنڌ واسين کي سهڻي سوغات سان سنئين وات ڏسي جنهن سان اسلامي ادب جو سنڌيءَ ۾ خصوصي اضافو ٿيو. سندن علمي مان ۽ مرتبي جو اندازو لڳائڻ مان مشڪل نه آهي ته صرف ساڍا چار سيارن جو تفسير ستن ذخير جلدن ۾ لکيائون يارهن جلدن تائين قرآن ۽ علوم قرآني جي سڪ پري سوغات ڏيئي هيءُ وڻجارو اُن در ويو جتي اسان سڀني کي حاضر ٿيڻو آهي.....

کاش! کين موت کان ايتري مهلت ملي ها جو سڄي ڪلام حميد جو تفسير لکي سگهن ها. بهرحال تيرهين سيارن جو تفسير لکجي چڪو آهي. ان کانسواءِ مختلف موضوعات تي سنڌي، اردو، عربي ۽ فارسي ۾ ڏيڍ سئو کان مٿي ڇپيل ۽ اڻ ڇپيل علمي ڪتاب يادگار ڇڏيا آهن. سندن ذاتي لائبريري المكتبة الراشديه پڻ جڳ ۾ مشهور آهي جنهن ۾ اڻ انداز علمي ناياب ۽ قلمي ڇپيل ۽ اڻ ڇپيل ڪتابن جو خزانو محفوظ آهي. جتان ڏيهه توڙي پرڏيهه واسي علم جا جهول پري رهيا آهن هن مرحيائي مانجهيءَ مرد پيڙهيائي پير، سليطي سادات، مفسر قرآن لاثاني ليکڪ، متڪلم دؤران عظيم عالم جيءَ جهوريندڙ جدائي بعد سعيدآباد ۾ علمي بزمون اجهامي ويون.

جن لاءِ نيٺ جهڄن سي آئون ڪٿ نهاريان

سائين راشدي صاحب گذاري ويو! انهن مختصر لفظن پويان ڪيڏو نه جيءَ جهوريندڙ ڊڪ ۽ درد آهي. موت اٽل سچ آهي. پر ڪنهن ڪنهن جي جدائي سان جيءَ کي اهڙي ته جهبي ايندي آهي جو سڀ وڃائون وسري وينديون آهن. هو دوستن تان گهور ويندو هو ۽ دشمنن کي بخش ڪري ڇڏيندو هو هن جي ذات ۾ انيڪ گڻ اچي خنوا ٿيا هئا. هو شمس العلماء، محدث مقرر، مورخ، مناظر ۽ بيباڪ نقاد هو دنيا جي مذاهب تي عبور رکندڙ ڪتاب ۽ سنت جو شيدائي هن کانپوءِ جڏهن پنهنجي آسپاس ٽونهارجي ته پڙ پالهو ٿو ڏسڻ ۾ اچي. هر وڏي ماڻهونءَ جو قدر اسان سنڌ

واسين وٽ ان جي مرڻ کانپوءِ ٿيندو آهي. پر آئون هڪ نماڻي جسارت ڪندو هلان ته ڇا اي سنڌ واسيو اسان شاه صاحب جهڙي عالم بي بدل کي اهي سهولتون ڏيئي سگهياسين جيڪي هن لهڻيون ٿي؟

ڇا هن پنهنجي لاثاني تحريرن ۽ تقريرن سان پڙهندڙن ۽ ٻڌندڙن جي ۽ ۾ جا جاڳرتا جي جوت جلاهي هئي ان جو اڄ ڪٿي عڪس نظر اچي ٿو؟ هن جي حياتيءَ ۾ کين پنهنجن ۽ پراون کان ڇا مليو؟ هن ساري حياتي سچائي اورچائي ۽ سورهياڻي سان نئين نسل ۾ جيڪا ايمان ۽ اسلام جي جاڳرتا جي جوت جلاهي ۽ پوءِ پنهنجن ۽ پروان طرفان کيس ڪهڙو سلومليو؟ هن ته ڪڏهن ڪڏهن ڪنڊن جا موڙ سرتي سچائي صليبڻ ڏانهن سفر جاري رکيو مايوس ٿيڻ، مڙڻ ۽ موٽڻ ته هن لاءِ ڪو مهڻو هو. هو پيرتي ڏونڪو هڻي سدائين رات کي رات ئي چونڊو رهيو. ڪوڙ ۽ ڪپت جي دنيا ۾ هن هميشه حق ۽ سچ جو علم بلند ڪيو. بهرحال علامه راشدي پنهنجي پويان هڪ وڏو خال ڇڏي ويو آهي. الله تعاليٰ کيس جوار رحمت ۾ جاءِ ڏي، آمين. شاه صاحب جي قادر الڪلامي ايجاز ۽ اختصار سان گڏ علوم شرقي ۾ مهارت لاءِ هتي سندس بديع التفاسير جي امر الڪتاب جي خطبة الڪتاب جو صرف هڪ مختصر اقتباس (ٽڪرو) تبرڪ طور ڏجي ٿو جنهن مان هن جي فصاحت ۽ بلاغت جو اندازو لڳائڻ مشڪل ڪونهي. هو اڀائڻ هارجي حمد و ثنا بيان ڪندي لکي ٿو.

اي مالڪ حقيقي! معلم الڪتاب ملهم الثواب. تون انڌن کي دل جي بصيرت بخشين، بي اکين کي اکين وارن کان وڌيڪ نرت ڏين، تو پنهنجي خليل لاءِ نار گلزار ڪئي. ڪليم لاءِ پتر مان انهار ڪڍي. يوسف کي انداهين ڪوه مان جيارئي، يعقوب جون وڃايل اڪيون ورائي، ايوب کي درد جي دوا ڏئي، ذڪريا کي اڻ مدو اولاد عطا ڪئي، مسيح کي پليت هٿن کان بچائي مصطفيٰ لاءِ علم ثمير ۽ فتح مٿي رکي ۽ کين خاتم النبيين جو نسب عطا فرمائي

صلي الله عليه وسلم. بديع التفاسير جلد اول صفحہ 2

بہر حال علامہ راشدی پنہنجي علمي خاندان جي تابناڪ روايات کي برقرار رکندي پڇاڙي جي پساهن تائين ڪتاب و سنت جي بالادستي لاءِ جاکوڙ جاري رکندو آيو. بلاشڪ هو جامع الصفات انسان هو.

راشدي صاحب جڏهن بہ ڪنهن ڪچهريءَ کي رونق بخشيندو هو تہ علمي ادبي ناصحانه ۽ ظريفانه نادر نقاط سان گڏ خوش مزاجي ۽ ظرافت جي پڻ درٻار لڳل هوندو هئو. اهڙا املهه انسان جماعتن جا نہ پر قومن جا اثاثا هوندا آهن ۽ قدرت وارو ڪڏهن ڪڏهن ڪرم ڪري اهڙا فياض انسان پيدا ڪندو آهي.

راشدي مرحوم ديني، اصلاحي ۽ تبليغي دورن جي سلسلي ۾ دٻئي، اومان، ٽائلينڊ، بيلجيم، هالينڊ، آمريڪا، ڊينمارڪ، ڀارت، برطانيه جرمني، سعودي عرب، ڪويت، قطر، ۽ بنگلاديش جا دؤرا ڪري اسلام جو امن ڀريو آفاقي نظام دنيا جي ڪنڊ ڪڙڇ تائين پهچايو، اسلام خلاف اٿنڌڙ هر سازش جو مردانه وار ٿي مقابلو ڪندا رهيا. تفسير، حديث، اسماء الرجال، منطق، فلسفي، مناظره، ڪلام، ادب ۽ تاريخ جي مڙني ميدانن جا شهنسوار هئا. سڄو قرآن صرف چار مهينن جي عرصي ۾ حفظ ڪيائون. حديثن جو پڻ سندن سميت عظيم ذخيره حفظ هُيُن. عربي خطابت ۾ وڏو مقام رکندا هئا. 72 ٻاهتر ورهين جي ڄمار ۾ 8 جنوري 1996ع بمطابق 16 شعبان 1416ھ تي ڪراچيءَ ۾ انيڪ محبت ڪندڙ دلين کي دائمي جدائي ڏيئي خالق حقيقي سان وڃي مليا. پنهنجي والد علامه پير احسان الله شاه ۽ وڏي ڀاءُ فاضل جليل سيد محب الله شاه راشديءَ جهنڊي واري سان لڳ ابدی آرامي ٿيا. پنهنجي پويان ٽي فرزند سيد محمد شاه، سيد رشد الله شاه، سيد حاڪم شاه يادگار ڇڏيائون جن مان سائين محمد شاه بہ پنهنجي پيءُ جي جدائي جي جهوري ۾ سگهوئي جدائي جو داغ ڏئي ويو. الله تعاليٰ مرحوم کي جوار رحمت ۾ جاءِ عطا فرمائي. (آمين)

ننگر ۽ ناريون، ڀڳهه ڪٿي پٽڻ پيا

بندر بازاريون، سڄا سامونڊين ري

علامہ سيد بدیع الدین شاہ راشديء جي وچوڙي ويل هڪ تاثر

موت العالم - موت العالم

موت هڪ اهڙو اتل اجل آهي جنهن جو ذائقو هر نفس کي ضرور چڱو آهي ۽ سڄ پڇ ته هن سڄي سنسار جي سٺا انهي هڪڙي لفظ جي محور تي رتي وئي آهي. ان لحاظ کان موت نه آهي مهڻو نه وري ڪا نئين ڳالهه! هر روز هزارين ماڻهو مرندا رهن ٿا: پر انهن جي مرتئي تي فقط هڪ مخصوص گروه متاثر ٿئي ٿو: مگر جڏهن ڪي ملهائتا ماڻهو ۽ قانون فطرت جا جائز سائين: جي سڌ تي ليڪ چئي پنهنجي هڪ وڏي حلقي کي وچوڙو ڏئي پنهنجي اصولي ماڳ ڏي موٽن ٿا ته ڪئين اشڪبار اڳيون آيون ٿيو وڃن ته بيقرار دليون تڙپڻ ٿيون لڳن. وٽر ماڻهپي جي اثاڻ واري هن المناڪ دور ۾ اهڙن جانين جون جدايون جيءَ تي جهوريو وجهن!

گذريل ٻارهن مهينن جي مختصر عرصي ۾ علامہ سيد محب الله شاه راشدي رحمۃ الله عليه کان وٺي هيل تائين سنڌ سرنھاريءَ کي پنهنجي ڪجهه سٺن عالمن ۽ اديبن جو وچوڙو سر تي سهڻو پيو آهي. ان سلسلي ۾ 8 جنوري 1996ع تي سنڌ جو وڏي ۾ وڏو عالم، مفسر ۽ مڊر، مبلغ ۽ محدث، استاد جو استاد حضرت علامہ سيد ابو محمد بدیع الدین شاه راشدي رحمۃ الله عليه هن فاني دنيا مان موڪلائي راهه بقا ڏانهن راهي ٿيو. انا لله وانا اليه راجعون.

علامہ مرحوم اصل ته سنڌ جو باشندو هو ۽ پاڻ سنڌي هجڻ جي حوالي سان ٿرڻ ٻرڻ ۽ ٽٽيءَ ٽڌيءَ الله ۽ ان جي رسول ﷺ جو پيغام لڳاتار اڌ صديءَ کان وڌيڪ وقت تائين ته پهچائيندو رهيو: پر ان کانسواءِ سندس تبليغ جو سلسلو سنڌ کان ٻاهر پنجاب، بلوچستان، افغانستان، آزاد ڪشمير، ٽائيلينڊ، ڀارت ۽ مغربي ملڪن کان علاوه سعودي عرب تائين پڻ جاري رهيو. حرم پاڪ ۾ سندس عربي زبان ۾ ڪيل

اصل نالو عبدالرؤف بن جان محمد اڀرو هالائي، اديب، شاعر، مورخ، مشهور مقالہ نگار

تقریرن مان کيترا عرب ٻن سالن تائين مستفيد ۽ مستفيض ٿيندا رهيا. علامہ مرحوم سيد بديع الدين شاه راشدي مھراڻ جي انھيءَ مشھور معروف راشدي خاندان جو چشم چراغ هو. جنھن کي پاڳارا پير ڪري سڏين ٿا. سندن اصل مسڪن ڪنگري (پير جو ڳوٺ) هو. جتان هن خاندان جي هڪ شاخ علم ادب جو پيغام ساڻ ڪڍي اچي سعيدآباد سهڙي (جنهن جو تفصيلي احوال ان شاء الله العزيز ڌار مضمون ۾ ڏنو ويندو).

هن خاندان سعيدآباد سنڌ جي ويجهو نوان پٽ اچي وسايا. تڏهن کان سندن علم ۽ عمل جي روشني آس پاس جرڪڻ لڳي. پير جهنڊي جي انھيءَ پھريئن ڪوٽ تي شاه ولي الله جي فلسفي کي فروغ ڏيندڙ مولانا عبيدالله سنڌي کان علاوه ڪيترن ئي عالمن، واعظن ۽ مبلغن دين جو فيض حاصل به ڪيو ته ان مان وحدت واريون ونديون به ورهائون.

اهڙي علمي، ادبي ۽ خالص ديني ماحول ۾ حضرت شاه صاحب پنهنجي والد محترم مرحوم احسان الله شاه راشدي جي رفاقت ۾ شريعت جي علم جون سموريون منزلون طءُ ڪري عملي ميدان تي پڻ اتانهون مقام ماڻيو. پاڻ پنهنجي وڏي ڀاءُ محبوب من حضرت محب الله شاه الراشدي رحمة الله عليه وانگيان ٽن مهينن ۾ سمورو قرآن پاڪ حفظ ڪري ورتو ۽ ٻنهي صاحبن پنهنجي ليکي سڄي سنڌ اندر قرآن ۽ حديث جو جوت جلائي ڪيترن ئي جاهلن کي پير پرستي کان باغي بڻائي ڇڏيو. هزارين مريدن هوندي به پاڻ حضور انور عليه الصلاة والسلام جي فرمان جي روشنيءَ ۾ ڪڏهن به وڏ ماڻهبي ۽ مرشدي ڏيکارڻ ڪاڻ ته ڪنهن کي پيرين پوڻ ڏنائون ۽ نه ڪنهن کي پنهنجي آڏو ڪنڌ جهڪائڻ يا هٿ ٻڌڻ جي اجازت ڏنائون. اهڙيءَ ريت انسانيت جي عظمت ۽ بشريت جي شرف برقرار رکڻ لاءِ پڇاڙي عمر تائين وڏا وس ڪيائون.

علامہ مرحوم ڪافي سالن کان سعيدآباد سنڌ ۾ سکونت پذير هيا ۽ شاه صاحب تبليغ کان علاوه سنه 1983ع کان سيرت ڪانفرنس جو اهمتمام ڪري پنهنجن پروان کي پرينءَ جي پار جو پختو ۽ پيارو پيغام پهچائڻ شروع ڪيائون. انھيءَ

سلسلي ۾ 1995ع تائين تيرهن ساليان کانفرنسون سندن صدارت هيٺ منعقد ٿيون ۽ هر هر موقعي تي گرانقدر صدارتي خطبا پيش ڪيائون نه رڳو ايترو پر علامه شاه صاحب رحمۃ الله عليه قرآن پاڪ جي تفسير جي سلسلي ۾ انتهائي اهم ۽ همت آزما مهم ۾ پڻ سر اڏي ٿي رڪي ڏينهن رات ڏاڍي جاکوڙ کان ڪم ورتو انهيءَ ارڙي راه ۾ سڀ کان پهريائين قرآن پاڪ جي سمجهڻ لاءِ هڪ جامع ۽ مفصل مقدمو لکيائون جنهن جو عنوان آهي:

بيان بي نظير - قرآن جو تفسير (بديع التفاسير)

هن مقدمي کان پوءِ پاڻ تفسير جي ڪم ۾ باقاعده هٿ ڳنڍيائون ۽ ڏينهن رات ڪ ڪري سورة الرعد تائين چوڏهن پارو پورا ڪري ڇڏيائون. جن مان هن وقت تائين ڇهه جلد شائع ٿي چڪا آهن جيڪي سورة النساء جي تفسير تي مشتمل آهن. از انسواءِ ستون جلد ڇپائي هيٺ آهي. ان شاء الله توري ئي وقت اندر نبيءَ جي نينهن ۾ نهوڙيلن لاءِ نيٺن جو نار ۽ قلب جو قرار بڻجندي.

مرحوم پنهنجي پويان رت جي رشتيدارن کان علاوه ديني تعلقدارن جو هڪ اهڙو سرگرم حلقو ڇڏيو آهي. جيڪو ان شاء الله العزيز مرحوم جي جلايل شمع کي روشن رکڻ لاءِ وڏا وس ڪندو.

سچ پچ ته هن وقت ذهن ايتريقدر ته وس کان بيوس ۽ واڙو ٿي پيو آهي جو مرحوم سان زندگيءَ جي گهاريل گهڙين جون ناقابل فراموش حسين يادن جي باري ۾ اکر به نه ٿو اچهي — اٿلندو اهي ڳالهيون ۽ اهي ڳڻ، گهڙيءَ گهڙيءَ نئون گهاٽو بڻجي اندر کي گهاٽي رهيا آهن ۽ سندس ياد سان دڪويل دلڙي ڳوڙها ڳاڙڻ شروع ڪيو ڏي — بس! اندر مان رڳو اهي ئي دعائون ٿيون نڪرن ته قادر قدير ۽ منعم حقيقي سندس نيڪين جو ڪيس ڀرپور اجورو ڏي ۽ بشري لغزشن کي بخش ڪرڻ فرمائي — نه رڳو ايترو: مگر سندس پونيرن مان اهڙو نعم البدل نمايان ڪردار ادا ڪرڻ لاءِ منتخب ڪرڻ فرمائي جيڪو سندس مشن (Mission) کي صحيح خطوط تي هلائي انسانيت کي جهالت جي پٽڪندڙ واڍيءَ مان بچائڻ لاءِ صحيح ۽ پورو حق ادا ڪري سگهي — . (آمين)

(بشڪريه السند شمارو: 53، جون 1996ع)

اندرون سندھ کا سب سے بڑا دینی ادارہ

جامعۃ بحر العلوم السلفیۃ

میرپور خاص

جہاں

صرف کتاب اللہ و سنت رسول ﷺ کے مطابق تعلیم دی جاتی ہے۔
 علماء کی ایسی جماعت تیار کی جاتی ہے جو قیادت و سیادت کا فریضہ انجام دے۔
 ایسے مبلغ اور خطیب تیار کئے جاتے ہیں جو کتاب اللہ و سنت رسول ﷺ کا پیغام
 کو نئے کو نئے تک پہنچائیں۔

تو آئیے!

ان اعلیٰ و ارفع مقاصد کے حصول کیلئے ہمارے دست و بازو بنئے اور جامعۃ کیلئے
 دل کھول کر زیر تعاون درج ذیل پتے پر ارسال فرمائیں۔

رابطہ:

جامعۃ بحر العلوم السلفیۃ

فون: 0233-861070

حاجی محمد اسماعیل میمن فون: 0233-861666

محمد ہاشم میمن فون: 0233-861333

اپنے عطیات

جامعۃ بحر العلوم السلفیۃ

میرپور خاص کے

کرنٹ اکاؤنٹ نمبر 279

حبیب بینک لمیٹڈ

سیٹلائٹ ٹاؤن میرپور خاص

میں جمع کرائیں:

علامہ سید بدیع الدین شاہ راشدی رحمۃ اللہ علیہ کے
مختلف اوقات میں حالات و واقعات کے متعلق
جاری کردہ اخباری بیانات

اخباری بیانات

بعض عناصر قرینیت بل کچھ ایسے میں شبہات پیدا کر دیتے ہیں
قرینیت میں شکوک نہ ہونے کی ضمانت ہی تحریک چلانے والے کے
برائے ذہنیہت اور تربیت کے ذریعہ ایسا مقام حاصل ہوتا ہے جس میں

روزنامہ ”امروز لاہور“

مورخہ 11-01-1986

1. The first part of the paper is devoted to a discussion of the
 various methods which have been proposed for the determination of
 the rate of reaction between a solid and a liquid. It is shown that
 the most reliable method is that of measuring the change in the
 weight of the solid as the reaction proceeds. This method is
 applicable to all reactions in which the solid is either a reactant
 or a product. It is particularly useful in the case of reactions
 in which the solid is a reactant, as it allows the rate of reaction
 to be measured over a long period of time. The method of
 measuring the change in the weight of the solid is described in
 detail in the following sections.

۱۰۰
 ۱۰۱
 ۱۰۲
 ۱۰۳
 ۱۰۴
 ۱۰۵
 ۱۰۶
 ۱۰۷
 ۱۰۸
 ۱۰۹
 ۱۱۰
 ۱۱۱
 ۱۱۲
 ۱۱۳
 ۱۱۴
 ۱۱۵
 ۱۱۶
 ۱۱۷
 ۱۱۸
 ۱۱۹
 ۱۲۰
 ۱۲۱
 ۱۲۲
 ۱۲۳
 ۱۲۴
 ۱۲۵
 ۱۲۶
 ۱۲۷
 ۱۲۸
 ۱۲۹
 ۱۳۰
 ۱۳۱
 ۱۳۲
 ۱۳۳
 ۱۳۴
 ۱۳۵
 ۱۳۶
 ۱۳۷
 ۱۳۸
 ۱۳۹
 ۱۴۰
 ۱۴۱
 ۱۴۲
 ۱۴۳
 ۱۴۴
 ۱۴۵
 ۱۴۶
 ۱۴۷
 ۱۴۸
 ۱۴۹
 ۱۵۰
 ۱۵۱
 ۱۵۲
 ۱۵۳
 ۱۵۴
 ۱۵۵
 ۱۵۶
 ۱۵۷
 ۱۵۸
 ۱۵۹
 ۱۶۰
 ۱۶۱
 ۱۶۲
 ۱۶۳
 ۱۶۴
 ۱۶۵
 ۱۶۶
 ۱۶۷
 ۱۶۸
 ۱۶۹
 ۱۷۰
 ۱۷۱
 ۱۷۲
 ۱۷۳
 ۱۷۴
 ۱۷۵
 ۱۷۶
 ۱۷۷
 ۱۷۸
 ۱۷۹
 ۱۸۰
 ۱۸۱
 ۱۸۲
 ۱۸۳
 ۱۸۴
 ۱۸۵
 ۱۸۶
 ۱۸۷
 ۱۸۸
 ۱۸۹
 ۱۹۰
 ۱۹۱
 ۱۹۲
 ۱۹۳
 ۱۹۴
 ۱۹۵
 ۱۹۶
 ۱۹۷
 ۱۹۸
 ۱۹۹
 ۲۰۰

ملکہ اسلامی قانون لاہو کری
یا شیہا رو پیدا کری سگھجی تو۔ (ارشدی)

(۲-۵) نور-ماده ای که -۹

۱۔ اعلیٰ درجہ کی تعلیم
 ۲۔ صحت مند جسم
 ۳۔ خوش حال و خوش مزاجی

امروز و اخبار صحت اهل

2000

... ..

...

جی مکتبہ کراچی

بعد وصالی سال پایانی

مکرم، شام، صاحب، چور، لہ

صدر ایسا جھگو دے۔

آر دہنتی نائیں کہو اہی۔ ان

جـ- واسن حبر مقدم

کائنات میں ہمارے ساتھ ہیں

ملک کرپشن جیسا کہ

هڪا وڃڻ.
هن جو تـمـ شـوـر ٿي
اجلاس ۾ فيصلو ڪيو ويو ته
جڏهن سيد آغا ۽ الجامع الراشد
اسلامڪ يونيورسٽي قائم
ڪئي ويندي، جـسـٽي قـسـمي
تعليم ان کي ماڻهي تعليم
ڏني ويندي.

ان کان علاوه سندھ سبھت
ساکری مورتمال تي غور وچوار
ڪندڙ پنھنجو ڪرد وڌو ته
ان مان پنھنجي لائبر ڪوٺ
لاڻ پنھنجي ۾ ڪيئن ضلعي
ليول تي جميت طرزان چلڻ
ڪيا ويندا.

روزنامہ ”مہران حیدرآباد“

مورخہ 10-12-1988

سید محمد علی بن ابی طالب علیه السلام

مجلسی که در آنجا بود، من و دوستانم در آنجا بودیم. من و دوستانم در آنجا بودیم. من و دوستانم در آنجا بودیم.

[Faint, illegible text at the bottom of the page]

روزنامہ ”نوائے وقت“

مورخہ 20-04-1986

از غمزدہ برق التوحیدی رحمہ اللہ جددہ

بندکار سید بدیع الدین راشدی رحمہ اللہ

نہ رہا چنستان توحید کا گل تھا
اٹھ گیا دبستان حدیث کا گل تھا
حسب و نسب میں وہ آل رسول تھا
انہی سے محبت اُس کا اصول تھا
مفسر بھی اور مناظر بھی لاجواب تھا
خطابت ہی نہیں سیاست کا ہرکاب تھا
کسب خانہ ان کا تو خزانہ علم تھا
شرق و غرب سے آتا ہر پروانہ علم تھا
غیرت دین میں وہ رہتا گرم تھا
بدعت و تقلید کو اپنی حزم تھا
کردار میں ارفع اخلاق کا اعلیٰ تھا
حفظ دین کو گویا قدرت نے پالا تھا
وکر الہی سے وہ رطب اللسان تھا
عجب اوصاف کا حامل انسان تھا
حدیث کا حافظ حامل کتاب مبین تھا
صحابہ کی "طرح رکھتا وسام جبین تھا
رحمت کرے خدا عجب مرد آزاد تھا
شاہین نظر و بلند پرواز تھا
روایات اسلام کا وہ نشان تھا
قطر الرجال کے اس دور میں برق

اڑ گیا گلستان سنت میں بلبل تھا
نہ رہا سناٹا درس قرآن جو گل تھا
قول و عمل میں وہ اہل رسول تھا
انہی سے ملا اسے شرف قبول تھا
بلا کا حافظ گویا کھلی کتاب تھا
گفتگو کا شہنشاہ، وہ حاضر جواب تھا
خود وہ بھی تو صاحب لسان و قلم تھا
سعادت ہے اس کو وہ مدرس حرم تھا
اپنوں کی ہو محفل تو ہوتا نرم تھا
ہوتا کیوں نہ ایسا وہ صاحب علم تھا
کسی کے خوف و رجا سے بہت بالا تھا
کشت دین کا وہ یکتا گل لالہ تھا
فرصت میں پڑھتے پایا قرآن تھا
ہمدرد بہت، طالبوں پے مہربان تھا
دور بدعت میں وہ حارس دین تھا
ابو محمد سچ وہ بدیع الدین تھا
توحید و سنت کی وہ بلند آواز تھا
مخصوص ہر ادا میں رکھتا انداز تھا
فیہ و صدق حافظ قرآن تھا
تشنگان کیلئے چشمہ فیضان تھا
(شکریہ ترجمان ۲۹ نومبر ۹۶ء دہلی انڈیا)

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

وَأَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلَّهِ

حج اور عمرے کو اللہ تعالیٰ کے لیے پورا کرو (البقرہ ۱۹۶)



حج، عمرہ و دیگر سفر کے لیے قابل اعتماد نام

بیت السلام پرائیویٹ لمیٹڈ ٹور اینڈ ٹورازم

قرآن و سنت کے پرستاروں کی سہولت کے لیے

ہر ماہ عمرہ گروپ کی تشکیل
(ان شاء اللہ)

اس کے علاوہ

انفرادی طور پر بھی مختلف عمرہ پیکیجز (ان شاء اللہ)

قرآن و سنت کے مطابق تربیت عمرہ
دونوں حرمین شریفین سے قریب ترین رہائش

سہولیات

12، جامع مسجد بیت السلام ST. 15/C بلاک نمبر 2 عزیز آباد فیڈرل بی ایریا، کراچی

فون: 6321750، فیکس: +92-21-6333194، موبائل: 0300-2421823، 0321/0300-2637156، 0300-2410046

محکمہ دلائل سے مزین متنوع ومنفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

رمضان المبارک کیلئے
ایڈوانس بکنگ جاری ہے



حکومت پاکستان سے منظور شدہ (لائسنس نمبر LHR-3814)

شفیع سمیع

ٹریول اینڈ ٹور آپریٹر

حج و عمرہ سروسز

گروپ میں شامل اللہ کے مہمانوں کیلئے

عمرہ کی ادائیگی کا طریقہ کار نیز تربیت کا اہتمام بھی کیا گیا ہے

نیز اندرون و بیرون ملک کے لئے

تمام ایئر لائنز کی کنفرم ٹکٹیں حاصل کریں۔

شفیع سمیع ٹریول کا تعاون

آپ کے اچھے سفر کا معاون



شفیع سمیع ٹریول اینڈ ٹور آپریٹر

عبدالصمیع 0300-0321-9421352

شکیل الرحمان ناصر 0300-0321-4317294

پیمینٹ علی کمپلیکس 23- ایپریس روڈ لاہور

فون 042-6309525-26, 042-5084125

فیکس 042-6309521

Email: sstravels@xcass.net.pk



دارالسلام

کتاب و سنت کی اشاعت کا عالمی ادارہ



- دارالسلام..... جس کی آٹھ سو سے زیادہ کتب دنیا کی بارہ زبانوں میں دستیاب ہیں
- دارالسلام..... جس کا نیٹ ورک دنیا کے چار براعظموں میں 28 ممالک کے سینکڑوں شہروں تک پھیلا ہوا ہے
- دارالسلام..... جس نے کتاب و سنت پر مبنی لٹریچر کے حوالے سے وحدت امت کا تصور پیدا کیا ہے
- دارالسلام..... جس نے تفسیر وحدیث، تاریخ و ثقافت اور تعلیم و تربیت کے موضوعات پر معیاری کتب شائع کی ہیں
- دارالسلام..... جس نے اسلامی لٹریچر کی طباعت میں پہلی مرتبہ عالمی معیار قائم کیا ہے
- دارالسلام..... جو محض ایک مثالی طباعتی ادارہ ہی نہیں بلکہ ایک عظیم تحقیقی مرکز بھی ہے
- دارالسلام..... جس کے تحقیقی پروگرام کے ساتھ مختلف ممالک کے سینکڑوں علماء محققین اور مترجمین مشغول ہیں
- دارالسلام..... جس نے صحاح ستہ کو ایک جلد میں شائع کر کے عالم اسلام کو سب سے بڑا تحفہ پیش کیا
- دارالسلام..... جس کی کتب بیک وقت مرد و خواتین، طلبہ و طالبات، بچوں اور جوانوں میں مقبول ہیں
- دارالسلام..... جس کی کتب میں فرقہ بندی اور مسالک کے تعصب کی بجائے کتاب و سنت کی حقانیت جھلکتی ہے
- دارالسلام..... جس کے قرآن مجید، صحت متن اور کتابت و طباعت کا شاہکار ہیں
- دارالسلام..... جس نے اپنے شور و مزہ کی ایک منفرد اور دلکش فضا پیدا کی ہے
- دارالسلام..... جس نے اسلامی موضوعات پر آڈیو کیسٹس اور سی ڈی کا وسیع نظام ترتیب دیا ہے
- دارالسلام..... جس نے اسلامی تعلیمات کے فروغ کے لیے ”بابا سلام“ کمپیوٹر ایجوکیشنل سیریز پیش کی ہے
- دارالسلام..... جس کی پرنٹنگ اور تقسیم کا نظام عالمی سطح پر قائم ہے



آئیے! آپ بھی دارالسلام کی علمی، تحقیقی اور دیدہ زیب کتابوں کے ذریعے اسلام کے حقیقی اور حسین ادب کا مطالعہ کیجیے

36 لوزنل، نیکر ریٹ سٹاپ، افریقہ فون 7240024-7232400 فیکس 7354072 • غزنی سٹریٹ، اردو بازار لاہور فون 7120054 فیکس 7320703

• بین ملحقہ روم (بائیں) ڈی پوسٹ شاخہ کراچی فون 021-4393936 فیکس 4393937 • ۴-۸ مرکز اسلام آباد فون 051-2500237 فیکس 051-2281513

E-mail: info@darussalam.pk.com Website: www.darussalam.pk.com